تشریح الہدایۃ
شرح اردو
ہدایۃ
جلد ۹
مؤلف
مولانا نصیب اللہ
(ابن الحاج عبد الصمد مالیزی نور اللہ مرقدہ)
مکتبۃ الارشد کوئٹہ
0301-3725288.0313-8895104

تشریح الہدایہ

شرح اردو

ہدایہ

مؤلف

مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبد الصمد مالیزئی نور اللہ مرقدہ)

جلد 9

ناشر

حافظ محمد ایوب بروریج کوئٹہ

03138895104

03013725288

مکتبۃ الارشد کوئٹہ

نام کتاب.............الفتح الرّبّانی شرح اردو تفسیر البیضاوی

مرتب..............مولانا نصیب اللہ (ابن الحاج عبد الصمد مالیزئی نور اللہ مرقدہ)

ناشر..............مکتبۃ الارشد کوئٹہ 03138895104

03013725288

﴾......ملنے کے پتے......﴿

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔

مکتبۃ العرفان کانسی روڈ کوئٹہ

مکتبہ دار السلام کانسی روڈ کوئٹہ

مکتبہ شمسیہ کانسی روڈ کوئٹہ

مکتبہ دار العلم چمن

مکتبہ ندوہ اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاون کراچی

کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی

زم زم پبلشرز کراچی

مکتبہ امدادیہ ملتان

مکتبۃ العارفی فیصل آباد

مکتبہ دیوبند کوہاٹ

برکی اسلامی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان

مکتبہ رشیدیہ شیش محل روڈ لاہور

اسلامی کتب خانہ لاہور

دار الاخلاص پشاور

مکتبہ بیت العلم پشاور

مکتبہ عثمانیہ پشاور

مکتبہ عمر فاروق پشاور

مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ صدیقیہ مینگورہ سوات

مکتبہ عباسیہ تیمرگرہ

مکتبۃ الاحرار مردان

مکتبہ ابن عباس تخت بھائی

مکتبۃ الاحسان بنوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كِتَابُ الشُّفْعَةِ

یہ کتاب شفعہ کے بیان میں ہے۔

شفعہ شرعاً "تَمَلُّكُ الْعَقَارِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِي بِمَا قَامَ عَلَيْهِ" یعنی خریدی ہوئی زمین کا جبراً اس قیمت پر مالک ہونا جس پر مشتری کو اس کی خرید میں پڑی ہے، مثلاً کسی نے اپنا گھر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا پھر بائع کے اس گھر کے متصل گھر والے پڑوسی نے اس میں شفعہ کا دعویٰ کیا کہ اس گھر کا حقدار میں ہوں، تو پڑوسی کے شفعہ کا دعوی قبول کیا جائے گا اور مشتری سے یہ گھر اس پڑوسی کو مثل ثمن کے عوض دلایا جائے گا۔

شفیع وہ شخص ہے جس کو حق شفعہ حاصل ہے، مشفوع وہ زمین ہے جس کے ساتھ شفیع کا حق شفعہ متعلق ہے، اور مشفوع بہ شفیع کی وہ ملک ہے جس کی وجہ سے اس کو حق شفعہ حاصل ہے۔

"کتاب الشفعة" کی "کتاب الغصب" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ غصب اور شفعہ دونوں میں غیر کے مال کا اس کی رضامندی کے بغیر مالک ہونا پایا جاتا ہے، پھر غصب اگرچہ غیر مشروع عمل ہے اور شفعہ مشروع عمل ہے مگر غصب کے احکام کی کثرت کی وجہ سے اس کی معرفت کی زیادہ ضرورت ہے اس لیے غصب کے احکام کو مقدم ذکر فرمایا۔

{۱} الشُّفْعَةُ مُشْتَقَّةٌ مِنَ الشَّفْعِ وَهُوَ الضَّمُّ، سُمِّيَتْ بِهَا لِمَا فِيهَا مِنْ ضَمِّ الْمُشْتَرَاةِ إِلَى عَقَارِ الشَّفِيعِ.

شفعہ مشتق ہے شفع سے اور وہ ملانا ہے نام رکھا گیا شفعہ کے ساتھ؛ کیونکہ اس میں ملانا ہے خریدی گئی زمین کو اپنی زمین کے ساتھ،

{۲} قَالَ: الشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيطِ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ ثُمَّ لِلْخَلِيطِ فِي حَقِّ الْمَبِيعِ كَالشُّرْبِ وَالطَّرِيقِ ثُمَّ لِلْجَارِ؛ أَفَادَ

فرمایا: شفعہ ثابت ہے نفس مبیع میں شریک کے لیے، پھر حق مبیع میں شریک کے لیے جیسے شرب اور راستہ، پھر پڑوسی کے لیے، فائدہ دیا

هَذَا اللَّفْظُ ثُبُوتَ حَقِّ الشُّفْعَةِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ وَأَفَادَ التَّرْتِيبَ {۳} أَمَّا الثُّبُوتُ فَلِقَوْلِهِ ﷺ {الشُّفْعَةُ لِشَرِيكٍ

اس لفظ نے ثبوت حق شفعہ کا ہر ایک کے لیے ان میں سے اور فائدہ دیا ترتیب کا، بہر حال ثبوت تو حضورؐ کا ارشاد ہے "شفعہ اس شریک کے لیے

لَمْ يُقَاسِمْ[1] } وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ وَالْأَرْضِ ، يُنْتَظَرُ لَهُ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا

جس نے تقسیم نہ کی ہو" اور حضور کا ارشاد ہے "گھر کا پڑوسی زیادہ حقدار ہے گھر اور زمین کا، انتظار کیا جائے گا اس کا اگرچہ ہو وہ غائب

إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا[2]} وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ مَاسَقَبُهُ؟

جب ہو ان دونوں کا راستہ ایک" اور حضور کا ارشاد ہے "پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے سقب کا، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! پڑوسی کا سقب کیا ہے

قَالَ شُفْعَتُهُ[3] } وَيُرْوَى { الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ[4] } {۴}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا شُفْعَةَ

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا شفعہ ہے" اور مروی ہے "پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کا" امام شافعیؒ فرماتے ہیں: شفعہ نہیں ہے

بِالْجِوَارِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الشُّفْعَةُ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِفَتِ الطَّرِيقُ

جوار کی وجہ سے؛ کیونکہ حضور کا ارشاد ہے "شفعہ اس چیز میں ہے جو تقسیم نہ ہو پس جب واقع ہو جائے حدود اور پھیر دیئے گئے راستے

فَلَا شُفْعَةَ[5]}وَلِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ مَعْدُولٌ بِهِ عَنْ سُنَنِ الْقِيَاسِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَمَلُّكِ الْمَالِ عَلَى الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ

تو شفعہ نہیں ہے" اور اس لیے کہ حق شفعہ علیحدہ ہے قیاس کے طریقوں سے؛ کیونکہ اس میں مالک ہونا ہے غیر کے مال کا اس کی رضامندی کے بغیر

وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ ، وَهَذَا لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ ؛ لِأَنَّ مُؤْنَةَ الْقِسْمَةِ

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إدْرِيسَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شِرْكَةٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ، أَوْ حَائِطٍ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ، فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ، فَإِذَا بَاعَ، وَلَمْ يُؤْذِنْهُ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، (نصب الراية:4ص422)

([2]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْت: هُوَ مُرَكَّبٌ مِنْ حَدِيثَيْنِ، فَصَدْرُ الْحَدِيثِ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد فِي الْبُيُوعِ، وَالتِّرْمِذِيُّ فِي الْأَحْكَامِ وَالنَّسَائِيُّ فِي الشُّرُوطِ، فَأَبُو دَاوُد، وَالنَّسَائِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ، وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ إسْمَاعِيلَ ابْنِ عُلَيَّةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ بِهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِدَارِ الْجَارِ، وَالْأَرْضِ"،............. وَبَقِيَّةُ الْحَدِيثِ أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ، يُنْتَظَرُ بِهَا، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدٌ"، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ غَيْرُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ، وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي عَبْدِ الْمَلِكِ مِنْ أَجْلِ هَذَا الْحَدِيثِ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا تَكَلَّمَ فِيهِ غَيْرُ شُعْبَةَ مِنْ أَجْلِ هَذَا الْحَدِيثِ(نصب الراية:4ص422)

([3]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ"،(نصب الراية:4ص424)

([4]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: وَقَوْلُهُ: وَيُرْوَى: أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ، تَقَدَّمَ فِي حَدِيثِ جَابِرٍ، عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ: الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ يُنْتَظَرُ بِهَا، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا، الْحَدِيثَ،(نصب الراية:4ص424)

([5]) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتْ الْحُدُودُ، وَصُرِفَتْ الطُّرُقُ، فَلَا شُفْعَةَ،(نصب الراية:4ص424)

حالانکہ شریعت وارد ہوئی ہے اس کے ساتھ غیر مقسوم چیز میں، اور مقسوم اس کے معنی میں نہیں ہے؛ کیونکہ تقسیم کا بوجھ

تَلْزَمُهُ فِي الْأَصْلِ دُونَ الْفَرْعِ، ﴿5﴾وَلَنَا مَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ مِلْكَهُ مُتَّصِلٌ

شفیع کو لازم ہوتا ہے اصل میں نہ کہ فرع میں۔ اور ہماری دلیل وہ ہے جو ہم روایت کرچکے، اور اس لیے کہ شفیع کی ملک متصل ہے

بِمِلْكِ الدَّخِيلِ اتِّصَالَ تَأْبِيدٍ وَقَرَارٍ فَيَثْبُتُ لَهُ حَقُّ الشُّفْعَةِ عِنْدَ وُجُودِ الْمُعَاوَضَةِ بِالْمَالِ اعْتِبَارًا

مشتری کی ملک کے ساتھ تابید اور قرار کے طور پر پس ثابت ہوگا شفیع کے لیے حق شفعہ معاوضہ مالی موجود ہونے کے وقت قیاس کرتے ہوئے

بِمَوْرِدِ الشَّرْعِ، ﴿6﴾وَهَذَا لِأَنَّ الِاتِّصَالَ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ إِنَّمَا انْتَصَبَ سَبَبًا فِيهِ لِدَفْعِ ضَرَرِ الْجِوَارِ، إِذْ هُوَ

موردِ شرع پر، اور یہ اس لیے کہ اس طور پر اتصال قائم ہوا ہے سبب بن کر موردِ شرع میں ضررِ جوار دفع کرنے کے لیے؛ کیونکہ جوار ہی

مَادَّةُ الْمَضَارِّ عَلَى مَا عُرِفَ، وَقَطْعُ هَذِهِ الْمَادَّةِ بِتَمَلُّكِ الْأَصْلِ أَوْلَى؛ لِأَنَّ الضَّرَرَ فِي حَقِّهِ

جڑ ہے مضرتوں کا جیسا کہ معلوم ہے، اور قطع کرنا اس جڑ کو شفیع کے مالک ہونے کے ذریعہ اولیٰ ہے؛ کیونکہ شفیع کے حق میں ضرر

بِإِزْعَاجِهِ عَنْ خُطَّةِ آبَائِهِ أَقْوَى، ﴿7﴾وَضَرَرُ الْقِسْمَةِ مَشْرُوعٌ لَا يَصْلُحُ عِلَّةً

اس کو دور کرنے میں اس کے آباء کے خطہ سے زیادہ قوی ہے اور تقسیم کا ضرر مشروع ہے صلاحیت نہیں رکھتی ہے علت ہونے کی

لِتَحْقِيقِ ضَرَرِ غَيْرِهِ ﴿8﴾وَأَمَّا التَّرْتِيبُ فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «الشَّرِيكُ أَحَقُّ مِنَ الْخَلِيطِ، وَالْخَلِيطُ

اپنے علاوہ کے ضرر کو ثابت کرنے کی، بہر حال ترتیب تو وہ ثابت ہے حضورؐ کے ارشاد سے "شریک زیادہ حقدار ہے خلیط سے اور خلیط

أَحَقُّ مِنَ الشَّفِيعِ[1]» فَالشَّرِيكُ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ وَالْخَلِيطُ فِي حُقُوقِ الْمَبِيعِ وَالشَّفِيعُ هُوَ الْجَارُ ﴿9﴾وَلِأَنَّ الِاتِّصَالَ

زیادہ حقدار ہے شفیع سے " پس شریک نفسِ مبیع میں ہوتا ہے اور خلیط حقوقِ مبیع میں اور شفیع وہی جار ہے اور اس لیے کہ اتصال

بِالشَّرِكَةِ فِي الْمَبِيعِ أَقْوَى؛ لِأَنَّهُ فِي كُلِّ جُزْءٍ، وَبَعْدَهُ الِاتِّصَالُ فِي الْحُقُوقِ؛ لِأَنَّهُ شَرِكَةٌ فِي مَرَافِقِ الْمِلْكِ وَالتَّرْجِيحُ

شرکت فی المبیع میں زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ وہ ہر جزء میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد اتصال ہے حقوق میں؛ کیونکہ وہ شرکت ہے مرافقِ ملک میں، اور ترجیح

يَتَحَقَّقُ بِقُوَّةِ السَّبَبِ، وَلِأَنَّ ضَرَرَ الْقِسْمَةِ إِنْ لَمْ يَصْلُحْ عِلَّةً صَلَحَ مُرَجِّحًا ﴿10﴾قَالَ: وَلَيْسَ لِلشَّرِيكِ فِي الطَّرِيقِ

([1])قلت: غريب، وذكره ابن الجوزي في التحقيق، وقال، إنه حديث لا يعرف، وإنما المعروف ما رواه سعيد بن منصور ثنا عبد الله بن المبارك عن هشام بن المغيرة الثقفي، قال: قال الشعبي: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب"،(نصب الراية:4ص424)

متحقق ہوتی ہے قوتِ سبب سے، اور اس لیے کہ ضررِ تقسیم اگرچہ قابل نہیں علت بننے کا، مرجح ہو سکتا ہے۔ فرمایا: اور نہیں ہے راستے

وَالشِّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِيطِ فِي الرَّقَبَةِ ؛ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ مُقَدَّمٌ

اور شرب میں شریک اور پڑوس کے لیے شفعہ رقبہ میں شریک کے ساتھ؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ خلیط فی الرقبہ مقدم ہے

تشریح:۔ {۱} "شفعۃ" ماخوذ ہے "شفع" سے لغۃً بمعنی ملانا ہے وتر کی ضد ہے، اور شفعہ کو شفعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں خریدی ہوئی زمین کو شفیع کی زمین کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو چونکہ اس میں بھی ملانے کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔

{۲} کسی زمین میں حقِ شفعہ سب سے پہلے اس شخص کے لیے واجب (ثابت) ہوتا ہے جو نفسِ مبیع میں بائع کے ساتھ شریک ہو، اور اگر بائع کا شریک نہ ہو یا شریک تو ہو مگر اس نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا تو پھر اس شخص کے لیے ثابت ہو گا جو حقِ مبیع میں بائع کے ساتھ شریک ہو جیسے کوئی زمین کے پانی اور راستہ میں شریک ہو مثلاً دونوں زمینوں کے لیے ایک کنویں سے پانی آتا ہو یا دونوں کا راستہ ایک ہو۔ پھر اگر حقِ مبیع میں شریک بھی نہ ہو یا اس نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا تو پھر اس پڑوسی کے لیے حقِ شفعہ ثابت ہو گا جو مشفوعہ زمین کے ساتھ اس کی زمین متصل ہو۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ماتنؒ کی اس عبارت نے دو باتوں کا فائدہ دیا، ایک یہ کہ مذکورہ تینوں اشخاص کے لیے حقِ شفعہ ثابت ہے، دوسری یہ کہ یہ تینوں متن میں مذکور ترتیب کے مطابق شفعہ کے حقدار ہیں۔

{۳} بہرحال ان تینوں کے لیے حقِ شفعہ تو اس لیے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "شفعہ ایسے شریک کے لیے ہے جس نے تقسیم نہ کی ہو" جس سے مبیع میں شریک شخص کے لیے حقِ شفعہ ثابت ہو رہا ہے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مکان کا پڑوسی زیادہ حقدار ہے مکان کا اور زمین کا، اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو جبکہ ان دونوں کا راستہ ایک ہو" جس سے پڑوسی اور حقِ مبیع میں بائع کے ساتھ شریک کے لیے حقِ شفعہ ثابت ہو رہا ہے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "پڑوسی احق بسقبہ ہے، عرض کیا گیا اس کا سقب کیا ہے یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا اس کا شفعہ ہے" اور ایک روایت میں مروی ہے "کہ پڑوس زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کا" جس سے پڑوس کے لیے شفعہ ثابت ہو رہا ہے۔

{۴} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جوار کی وجہ سے کسی کے لیے حقِ شفعہ ثابت نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "شفعہ ایسے عقار میں ہے جسے تقسیم نہ کیا گیا ہو، پھر جب حدود واقع ہو گئے، اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں ہے" ظاہر ہے کہ پڑوس کے زمین کے حدود الگ ہوتے ہیں اس لیے اس کو حقِ شفعہ نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حقِ شفعہ ہٹا دیا گیا ہے قیاس کے راستے سے یعنی حقِ شفعہ خلافِ قیاس ثابت ہے؛ کیونکہ اس میں غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر ملکیت

حاصل کرنا ہوتا ہے اس لیے حقِ شفعہ خلافِ قیاس ہے، اور شریعت ایسی زمین کے بارے میں وارد ہے جواب تک تقسیم نہ ہوئی ہو یعنی شریعت نے مبیع میں شریک کے لیے حقِ شفعہ ثابت کیا ہے اس لیے پڑوس کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ پڑوس شریک کے معنی میں نہیں ہے اس لیے کہ اصل (شرکت) میں تقسیم کا خرچہ شریک پر لازم ہوتا ہے اور فرع (جوار) میں پڑوس پر تقسیم کا خرچہ نہیں ہے، لہٰذا پڑوس کو شریک پر قیاس کرکے پڑوس کے لیے حقِ شفعہ ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

{۵} ہماری دلیل ایک تو وہی حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے کہ "پڑوس اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے" جس میں پڑوس کے لیے حقِ شفعہ کے ثبوت کی تصریح ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شفیع کی مِلک مشتری کی مِلک کے ساتھ متصل ہے تابید اور دوام کے طور پر وقتی طور پر متصل نہیں ہے جیسے کرایہ دار اور عاریت پر لینے والے کا اتصال، تو مالی معاوضہ پائے جانے کے وقت اس کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا موردِ شرع پر قیاس کرتے ہوئے یعنی شریعت میں جو غیر مقسوم میں حقِ شفعہ ثابت ہے تو وہ اتصالِ مِلک ہی کی وجہ سے ہے اور چونکہ پڑوس کی صورت میں بھی اتصالِ مِلک پایا جاتا ہے اس لیے پڑوس کو بھی حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔

{۶} امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ پڑوس شریک کے معنی میں نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت کی صورت میں اتصال ہے اور اس طرح کا اتصال (جو دائمی اور قرار کے لیے ہو) ہی حقِ شفعہ کا سبب ہے تاکہ کسی دوسرے شخص کا شریک کا حصہ خریدنے سے اس کو ضرر نہ پہنچے؛ کیونکہ جوار ہی مضرتوں کا مادہ ہے جیسا کہ معلوم ہے پس غیر کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے دوسرے شریک کو حقِ شفعہ حاصل ہے اور یہی سبب ایسے پڑوسی کے حق میں بھی موجود ہے جس کا اتصال دائمی اور قرار کے لیے ہو اس لیے پڑوس کو بھی حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جس طرح شفیع کو نئے خریدار سے ضرر کا خوف ہے اسی طرح نئے خریدار کو بھی تو اس شفیع سے ضرر کا خطرہ موجود ہے لہٰذا نئے خریدار کو بھی حق ہونا چاہیئے کہ وہ شفیع کی زمین اس کی رضامندی کے بغیر لے لے تاکہ اس سے جوار کا ضرر دور ہو؟ جواب یہ ہے کہ شفیع کو مالک ہونے کا حق دینے سے ضرر کا مادہ ختم کرنا اولیٰ ہے مشتری کو حقِ تملّک دینے سے؛ کیونکہ شفیع کے حق میں ضرر زیادہ قوی ہے بایں وجہ کہ وہ اپنے باپ دادا کے خطہ (اصل سے مملوک زمین) سے پریشان کرکے اٹھایا جاتا ہے جبکہ نیا خریدار اس طرح نہیں ہے اس لیے شفیع کو تملّک کا حق دینے سے ضرر کا مادہ ختم کرنا اولیٰ ہے۔

{۷} باقی امام شافعیؒ نے جو علتِ شفعہ تقسیم کے ضرر کو قرار دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضررِ تقسیم تو مشروع امر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی تقسیم کردے گا لہٰذا یہ ضرر غیر کو نقصان پہنچانے کی علت نہیں بن

سکتا ہے یعنی یہ نہ ہو گا کہ شفیع کو تقسیم کے ضرر سے بچانے کے لیے مشتری کی رضامندی کے بغیر اس کی خریدی ہوئی زمین کے مالک ہونے کا حق دیا جائے، لہذا علتِ شفعہ تقسیم کا ضرر دفع کرنا نہیں ہے بلکہ دائمی اتصال ہے اور یہ علت پڑوس کے حق میں بھی موجود ہے۔

{۸}اور یہ جو کہا کہ حقِ شفعہ ترتیب سے ہے پہلے نفسِ مبیع میں شریک کو ہے پھر حقوقِ مبیع میں شریک کو ہے پھر پڑوس کو حق ہے، تو اس ترتیب کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "کہ شریک زیادہ حقدار ہے خلیط سے اور خلیط زیادہ حقدار ہے شفیع سے" جس میں شریک سے مراد نفسِ مبیع میں شریک ہے کہ وہ سب سے مقدم ہے، اور خلیط سے حقوقِ مبیع میں شریک مراد ہے جو دوسرے نمبر پر ہے، اور شفیع سے پڑوس مراد ہے، اس لیے حقِ شفعہ اسی ترتیب سے ہو گا جو ہم نے بیان کی۔

{۹}دوسری دلیل یہ ہے کہ نفسِ مبیع میں شریک کا اتصال سب سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ یہ اتصال ہر ہر جزء کے اندر ہے، اور اس کے بعد حقوق کا اتصال پڑوس کے اتصال سے قوی ہے؛ کیونکہ یہ منافعِ ملک میں شرکت کا اتصال ہے جس کا درجہ نفسِ ملک میں شرکت کے بعد ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ قوتِ سبب سے شئی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اس لیے حقوق کے اتصال کو پڑوس کے اتصال پر ترجیح حاصل ہو گی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام شافعیؒ نے تقسیم کے ضرر کو علتِ شفعہ قرار دیا تھا تو وہ علت اگرچہ نہیں بن سکتا ہے مگر مرجح ہو سکتا ہے یعنی جس صورت میں تقسیم کا ضرر لازم آئے اس کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے اس لیے نفسِ مبیع میں شریک دوسروں سے شفعہ کا زیادہ حقدار ہو گا۔

{۱۰}امام قدوریؒ نے صاحبِ ہدایہ کا مذکورہ بالا مضمون اس طرح بیان کیا ہے کہ راستے اور پانی میں شریک اور پڑوس کو حقِ شفعہ حاصل نہیں ہے نفسِ مبیع میں شریک کی موجودگی میں؛ دلیل وہی ہے جو اوپر ہم ذکر کر چکے کہ نفسِ مبیع میں شریک دیگر دو سے مقدم ہے۔

{۱}قَالَ : فَإِنْ سَلَّمَ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِيكِ فِي الطَّرِيقِ ، فَإِنْ سَلَّمَ أَخَذَهَا الْجَارُ : لِمَا بَيَّنَّا مِنَ التَّرْتِيبِ،

فرمایا: اگر اس نے چھوڑ دیا تو شفعہ شریک فی الطریق کے لیے ہے، اور اگر اس نے چھوڑ دیا تو لے لے گا اس کو پڑوس؛ بوجہ اس ترتیب کے جو ہم بیان کر چکے

وَالْمُرَادُ بِهَذَا الْجَارُ الْمُلَاصِقُ ، وَهُوَ الَّذِي عَلَى ظَهْرِ الدَّارِ الْمَشْفُوعَةِ وَبَابُهُ فِي سِكَّةٍ أُخْرَى.

اور مراد اس پڑوس سے جارِ ملاصق ہے اور وہ وہ ہے جو دارِ مشفوعہ کی پشت پر ہو اور اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو

{۲}عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ مَعَ وُجُودِ الشَّرِيكِ فِي الرَّقَبَةِ لَا شُفْعَةَ لِغَيْرِهِ سَلَّمَ أَوِ اسْتَوْفَى؛

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وجودِ شریک فی الرقبہ کے ساتھ شفعہ نہیں ہے اس کے غیر کے لیے، خواہ چھوڑ دے یا لے لے

لِأَنَّهُمْ مَحْجُوبُونَ بِهِ .وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ السَّبَبَ تَقَرَّرَ فِي حَقِّ الْكُلِّ ، إلَّا أَنَّ لِلشَّرِيكِ حَقُّ التَّقَدُّمِ ، فَإِذَا سَلَّمَ كَانَ لِمَنْ يَلِيهِ بِمَنْزِلَةِ دَيْنِ الصِّحَّةِ مَعَ دَيْنِ الْمَرَضِ،

؛کیونکہ دیگر مجوب ہیں اس کی وجہ سے، اور ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ سبب ثابت ہو چکا ہے ہر ایک کے حق میں، البتہ شریک فی الرقبہ کو حاصل ہے حق تقدم، پس جب اس نے چھوڑ دیا تو ہو گا اس کے لیے جو اس کے قریب ہے بمنزلہ دَینِ صحت کے دَینِ مرض کے ساتھ

{۳}وَالشَّرِيكُ فِي الْمَبِيعِ قَدْ يَكُونُ فِي بَعْضٍ مِنْهَا كَمَا فِي مَنْزِلٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الدَّارِ أَوْ جِدَارٍ مُعَيَّنٍ مِنْهَا وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْجَارِ فِي مَنْزِلٍ، وَكَذَا عَلَى الْجَارِ فِي بَقِيَّةِ الدَّارِ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّ اتِّصَالَهُ أَقْوَى وَالْبُقْعَةَ وَاحِدَةٌ{۴}ثُمَّ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الطَّرِيقُ أَوِ الشِّرْبُ خَاصًّا حَتَّى تَسْتَحِقَّ الشُّفْعَةَ بِالشَّرِكَةِ فِيهِ

اور مبیع میں شریک کبھی شریک ہوتا ہے مکان کے بعض حصہ میں جیسے معین منزل میں گھر کی، یا معین دیوار میں گھر کی، اور وہ مقدم ہے منزل کے پڑوسی سے اور اسی طرح بقیہ مکان کے پڑوسی سے امام ابو یوسفؒ کی دو روایتوں میں سے اصح میں؛ کیونکہ اس کا اتصال زیادہ قوی ہے اور زمین ایک ہے، پھر ضروری ہے کہ راستہ اور شرب خاص ہو، تاکہ مستحق ہو جائے شفعہ کا شرکت کی وجہ سے اس میں

فَالطَّرِيقُ الْخَاصُّ أَنْ لَا يَكُونَ نَافِذًا، وَالشِّرْبُ الْخَاصُّ أَنْ يَكُونَ نَهْرًا لَا تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ وَمَا تَجْرِي فِيهِ فَهُوَ عَامٌّ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْخَاصَّ أَنْ يَكُونَ نَهْرًا يُسْقَى مِنْهُ قَرَاحَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ، وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ عَامٌّ.{۵}وَإِنْ كَانَتْ سِكَّةٌ غَيْرُ نَافِذَةٍ يَتَشَعَّبُ مِنْهَا سِكَّةٌ غَيْرُ نَافِذَةٍ وَهِيَ مُسْتَطِيلَةٌ فَبِيعَتْ دَارٌ فِي السُّفْلَى فَلِأَهْلِهَا الشُّفْعَةُ خَاصَّةً دُونَ أَهْلِ الْعُلْيَا وَإِنْ بِيعَتْ لِلْعُلْيَا فَلِأَهْلِ السِّكَّتَيْنِ، وَالْمَعْنَى مَا ذَكَرْنَا فِي كِتَابِ أَدَبِ الْقَاضِي.

پس خاص راستہ یہ ہے کہ وہ آر پار نہ ہو، اور خاص شرب یہ ہے کہ ایسی نہر ہو جو نہ چل سکتی ہو اس میں کشتیاں اور جس میں کشتیاں چلتی ہوں وہ عام ہے، اور یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ خاص یہ ہے کہ ایسی نہر ہو جس سے سیراب کئے جاسکتے ہوں دو یا تین خالی زمین کے ٹکڑے، اور جو اس سے زائد ہو وہ عام ہے۔ پس اگر کوئی گلی آر پار نہ ہو نکل رہی ہو اس سے غیر آر پار گلی اور وہ لمبی ہو پس فروخت ہوا مکان سفلیٰ میں تو اہلِ سفلیٰ کے لیے شفعہ ہو گا خاص کر نہ کہ اہلِ علیا کے لیے اور اگر فروخت ہو علیا میں تو ہو گا دونوں گلیوں والوں کے لیے ؛ اور وہ وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کتاب ادب القاضی میں

{۶}وَلَوْ كَانَ نَهْرٌ صَغِيرٌ يَأْخُذُ مِنْهُ نَهْرٌ أَصْغَرُ مِنْهُ فَهُوَ عَلَى قِيَاسِ الطَّرِيقِ فِيمَا بَيَّنَّاهُ.

اور اگر ہو کوئی چھوٹی نہر اس سے نکل رہی ہو اس سے بھی چھوٹی نہر تو وہ راستے کے قیاس پر ہے اس صورت کے مطابق جو ہم بیان کر چکے

تشریح:۔{۱} پھر اگر نفس مبیع میں شریک شخص نے شفعہ کو چھوڑ دیا تو پھر راستے میں شریک کو شفعہ کا حق حاصل ہو گا، اور اگر اس نے بھی چھوڑ دیا تو پھر پڑوس اس کو لے سکتا ہے؛ اس ترتیب کی وجہ سے جو اوپر ہم بیان کر چکے۔ اور پڑوس سے مراد ملا ہوا پڑوس ہے یعنی وہ جس کا گھر مشفوعہ گھر کی پشت پر ہو جس کا دروازہ دوسری گلی میں کھلتا ہو، یا شفیع کا گھر مشفوعہ گھر کے پہلو میں ہو اور اس کا دروازہ اسی گلی میں کھلتا ہو بشرطیکہ گلی آر پار نہ ہو تو یہ بھی پڑوس ہے۔

{۲} امام ابو یوسفؒ سے غیر ظاہر الروایت میں مروی ہے کہ نفس مبیع میں شریک کے ہوتے ہوئے غیر کو حق شفعہ حاصل نہ ہو گا خواہ وہ حق شفعہ کو چھوڑ دے یا لے لے؛ کیونکہ دیگر شفیع اس کی وجہ سے محجوب اور محروم ہیں اور حاجب کے ہوتے ہوئے محجوب کو حق نہیں ہوتا ہے۔ اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ سبب شفعہ (اتصال) تینوں طرح کے شفعاء کے حق میں ثابت ہو چکا ہے اور سبب ثابت ہونے سے مسبب بھی ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا تینوں طرح کے شفعاء کو حق شفعہ حاصل ہو گا، البتہ نفس مبیع میں شریک کو حق تقدم حاصل ہے اس لیے اس کے ہوتے ہوئے دیگر دو کو حق شفعہ حاصل نہ ہو گا، لیکن جب اس نے شفعہ چھوڑ دیا تو پھر اسی کو حق ہو گا جو اس کے متصل ہے یعنی حقوق مبیع میں شریک کو حق ہو گا جیسے دین صحت اور دین مرض کا یہی حال ہے مثلاً کسی شخص کے ذمہ کچھ قرضے اس کی صحت کے زمانے کے ہیں اور کچھ قرضے مرض الموت میں اس کے ذمہ واجب ہو گئے تو ترکہ سے پہلے صحت کے زمانے کے قرضے ادا کئے جائیں گے، پھر اگر ان سے مال بچ گیا تو اس سے مرض الموت کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔

ف:۔ دار حویلی کو کہتے ہیں، اور اس حویلی میں جو مختلف لوگوں کے گھر ہوتے ہیں ان کو منزل کہا جاتا ہے اور ہر منزل میں کمرے ہوتے ہیں اور کمرے کو بیت کہتے ہیں۔

فتویٰ:۔ ظاہر الروایت راجح ہے لما قال الشيخ عبد الحكيم الشهيد: الراجح الماخوذ به جواب ظاهر الرواية وهو قول أئمتنا الثلاثة ابى حنيفة ومحمد وهو قول ابى يوسف ومذهبه ايضاً فى ظاهر الرواية واليه اشار المصنف حيث قال وعن ابى يوسف ولم يقل عنده ،أفاده ابن الهمام فى الفتح فى غيرموضع (هامش الهداية:4ص388)

{۳} مبیع میں شریک شخص کبھی مبیع کے بعض حصہ میں شریک ہوتا ہے مثلاً کوئی بڑا دار کسی کی ملک ہو اور دوسرا شخص اس دار کی کسی متعین منزل میں اس کے ساتھ شریک ہو یا منزل میں بھی شریک نہیں ہے بلکہ اس کی کسی متعین دیوار میں شریک ہے، اور ایک تیسرا شخص اس دار کا پڑوس ہے تو منزل میں شریک شخص منزل کے پڑوس سے مقدم ہو گا اسی طرح امام ابو یوسفؒ سے مروی دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق بقیہ دار کے پڑوس سے بھی مقدم ہو گا؛ کیونکہ پڑوس کسی شئی میں شریک نہیں

ہے اور شریک غیر شریک سے مقدم ہوتا ہے، اس لیے کہ شریک کا اتصال قوی ہے اور قوتِ سبب سے ترجیح حاصل ہوتی ہے اور زمین ایک ہے یعنی سارا دار ایک ہے لہذا دار کے کسی بھی منزل میں شریک ہوا تو یہ دار میں شریک شمار ہے اس لیے پڑوس سے مقدم ہو گا۔

﴿۴﴾ پھر حق شفعہ کے لیے ضروری ہے کہ خاص راستے اور خاص شرب میں شریک ہو تا کہ اس خاص شرکت کی وجہ سے شفعہ کا مستحق ہو ورنہ شارع عام اور بڑی نہر میں شرکت کی وجہ سے کوئی شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔ اور خاص راستہ وہ ہے جو آر پار نہ ہو، اور خاص شرب یہ ہے کہ کوئی ایسی نہر ہو کہ جس میں کشتیاں نہ چل سکتی ہوں اور جس میں کشتیاں چلتی ہوں وہ شرب عام ہے جس کی وجہ سے کوئی شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا، اور شربِ خاص کی یہ تعریف طرفین ؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسف ؒ سے مروی ہے کہ خاص ایسی نہر ہے جس سے دو یا تین باغ سیراب کئے جاسکتے ہوں اور اگر اس سے زیادہ ہو تو وہ شربِ عام ہے خاص نہیں ہے۔

فتویٰ: اصح یہ ہے کہ خاص یا عام ہونا رائے مجتہد کو ہر زمانے میں مفوض ہے لما فی مجمع الانہر: فَالنَّهْرُ الْعَامُّ عِنْدَ الطَّرَفَيْنِ مَا تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ كَدِجْلَةَ وَفُرَاتَ وَذَكَرَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ اخْتَلَفُوا فِيهِ فَقِيلَ الْخَاصُّ مَا يَتَفَرَّقُ مَاؤُهُ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ وَلَا يَبْقَى إذَا انْتَهَى إلَى آخِرِ الْأَرَاضِي وَلَا يَكُونُ لَهُ مَنْفَذٌ وَالْعَامُّ مَا يَتَفَرَّقُ وَيَبْقَى وَلَهُ مَنْفَذٌ وَعَامَّةُ الْمَشَايِخِ عَلَى أَنَّهُ مَا كَانَ شُرَكَاؤُهُ لَا يُحْصَوْنَ وَاخْتَلَفُوا فِيمَا لَا يُحْصَى مِنْ خَمْسِمِائَةٍ أَوْ مِائَةٍ أَوْ أَرْبَعِينَ أَوْ عَشَرَةٍ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ الْخَاصُّ أَنْ يَكُونَ نَهْرًا يُسْقَى مِنْهُ قَرَاحَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ عَامٌّ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مُفَوَّضٌ إلَى رَأْيِ كُلِّ مُجْتَهِدٍ فِي زَمَانِهِ وَهُوَ أَشْبَهُ الْأَقَاوِيلِ. (مجمع الانہر:4ص103)

﴿۵﴾ اگر ایسی گلی ہو جو آر پار نہ ہو اور اس سے ایک اور گلی نکلتی ہو وہ بھی آر پار نہ ہو اور یہ دوسری گلی مستطیلہ ہو، پھر اس نچلی گلی (دوسری گلی) میں کوئی مکان فروخت ہوا تو اس مکان میں حق شفعہ خاص کر اسی گلی والوں کو ہو گا اوپر والی گلی (پہلی گلی) والوں کے لیے حق شفعہ نہ ہو گا، اور اگر اوپر والی گلی میں کوئی مکان فروخت ہوا تو دونوں گلی والوں کو حق شفعہ ہو گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم "کتاب آداب القاضی" میں ذکر کر چکے ہیں کہ پہلی گلی والوں کو دوسری گلی میں گذرنے کا حق حاصل نہیں ہے اور دوسری گلی والے چونکہ پہلی گلی میں گذرتے ہیں اس لیے ان کے لیے اوپر کی گلی میں حق ہے لہذا وہ اپنے اس حق کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

﴿٦﴾ اور اگر ایک چھوٹی نالی ہو اور اس سے ایک اور اس سے بھی چھوٹی نالی نکلتی ہو تو اس کا وہی حکم ہے جو اوپر دو گلیوں کا حکم ہم ذکر کر چکے کہ پہلی میں دوسری کے مالکوں کو حق ہے اور دوسری میں اول کے مالکوں کو حق نہیں ہے؛ دلیل یہ ہے کہ نالی کو طریق پر قیاس کیا جائے گا۔

ف:۔ اگر ایک شخص صرف شریک فی المبیع ہے اور دوسرا شخص شریک فی المبیع بھی ہے اور شریک فی الحقوق بھی ہے تو برابر ہوں گے؛ لأنّ الاعتبار لقوۃ الدلیل لا لکثرتہ (احسن الفتاوی: 7/358)

ف:۔ اگر کسی جگہ زمین فروخت ہو جائے ایک شریک فی الشرب ہونے کے سبب شفعہ کا دعوی کرے اور دوسرا شریک فی الطریق ہونے کے سبب سے شفعہ کا دعوی دائر کرے تو شریک فی الشرب مقدم ہوگا شریک فی الطریق سے لما فی الشامیۃ: ولو واحدٌ فی الشرب وآخر فی الطریق فصاحب الشرب اولیٰ ،قال فی الدر المنتقی (ردّ المحتار: 5/155)

{۱}قَالَ: وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ بِالْجُذُوعِ عَلَى الْحَائِطِ شَفِيعَ شَرِكَةٍ وَلَكِنَّهُ شَفِيعُ جِوَارٍ؛ لِأَنَّ الْعِلَّةَ هِيَ الشَّرِكَةُ فِي الْعَقَارِ وَبِوَضْعِ الْجُذُوعِ لَا يَصِيرُ شَرِيكًا فِي الدَّارِ إلَّا أَنَّهُ جَارٌ مُلَازِقٌ {۲}قَالَ: وَالشَّرِيكُ فِي الْخَشَبَةِ تَكُونُ عَلَى حَائِطِ الدَّارِ جَارٌ لِمَا بَيَّنَّا . {۳}قَالَ : وَإِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَيْنَهُمْ عَلَى عَدَدِ رُءُوسِهِمْ وَلَا يُعْتَبَرُ اخْتِلَافُ الْأَمْلَاكِ {۴}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هِيَ عَلَى مَقَادِيرِ الْأَنْصِبَاءِ؛ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ مِنْ مَرَافِقِ الْمِلْكِ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّهَا لِتَكْمِيلِ مَنْفَعَتِهِ فَأَشْبَهَ الرِّبْحَ وَالْغَلَّةَ وَالْوَلَدَ وَالثَّمَرَةَ . {۵}وَلَنَا أَنَّهُمْ اسْتَوَوْا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ وَهُوَ الِاتِّصَالُ فَيَسْتَوُونَ فِي الِاسْتِحْقَاقِ ، أَلَا يُرَى أَنَّهُ لَوْ انْفَرَدَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ اسْتَحَقَّ كُلَّ الشُّفْعَةِ .وَهَذَا

فرمایا: اور نہیں ہوگا آدمی دیوار پر شہتیر رکھنے سے شفیعِ شرکت، البتہ وہ ہوگا شفیع جوار؛ کیونکہ علت شرکت ہے عقار میں اور شہتیر رکھنے سے نہیں ہوتا ہے مکان میں شریک، مگر یہ کہ ہو جارِ ملازق۔ فرمایا: اور اس لکڑی میں شریک جو ہو گھر کی دیوار پر وہ جار ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور جب جمع ہو جائیں چند شفیع تو شفعہ ان کے درمیان ان کے عددِ روس کے مطابق ہوگا، اور معتبر نہ ہوگا اختلافِ املاک، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: وہ حصوں کے بقدر ہوگا؛ کیونکہ شفعہ ملک کے منافع میں سے ہے کیا نہیں دیکھتے کہ شفعہ منفعتِ ملک کی تکمیل کے لیے ہے، پس مشابہ ہوا ربح، پیداوار، ولد اور پھل کے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ برابر ہیں سببِ استحقاق میں اور وہ اتصال ہے، پس برابر ہوں گے استحقاق میں، کیا نہیں دیکھتے کہ اگر تنہا ہو ان میں سے ایک تو وہ مستحق ہوگا پورے شفعہ کا اور یہ

آيَةُ كَمَالِ السَّبَبِ وَكَثْرَةُ الِاتِّصَالِ لِلْإِذْنِ بِكَثْرَةِ الْعِلَّةِ ، وَالتَّرْجِيحُ بِقُوَّةِ الدَّلِيلِ لَا بِكَثْرَتِهِ ،

علامت ہے کمال سبب کا، اور کثرتِ اتصال خبر دیتی ہے کثرتِ علت کی، اور ترجیح واقع ہوتی ہے قوتِ دلیل سے نہ کہ کثرتِ دلیل سے

وَلَا قُوَّةَ هَاهُنَا لِظُهُورِ الْأُخْرَى بِمُقَابَلَتِهِ ﴿٦﴾ وَالْمِلْكُ مِلْكُ غَيْرِهِ لَا يُجْعَلُ ثَمَرَةً

اور قوت نہیں ہے یہاں؛ بوجہ ظاہر ہونے دوسری قوت کے اس کے مقابلے میں اور مالک بنا غیر کی ملک کا نہیں قرار دیا جائے گا ثمرہ

مِنْ ثَمَرَاتِ مِلْكِهِ ، بِخِلَافِ الثَّمَرَةِ وَأَشْبَاهِهَا ، ﴿٧﴾ وَلَوْ أَسْقَطَ بَعْضُهُمْ حَقَّهُ فَهِيَ لِلْبَاقِينَ

اس کی ملک کے ثمرات میں سے، بر خلاف پھل اور اس کے مشابہ اشیاء کے۔ اور اگر ساقط کر دیا بعضوں نے اپنا حق تو وہ باقیوں کے لیے ہوگا

فِي الْكُلِّ عَلَى عَدَدِهِمْ ؛ لِأَنَّ الِانْتِقَاصَ لِلْمُزَاحَمَةِ مَعَ كَمَالِ السَّبَبِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ

کل مبیع میں ان کے عدد رؤس کے مطابق؛ کیونکہ حصہ کا کم ہونا مزاحمت کی وجہ سے تھا کمال سبب کے باوجود ہر ایک شفیع کے حق میں

مِنْهُمْ وَقَدِ انْقَطَعَتْ . ﴿٨﴾ وَلَوْ كَانَ الْبَعْضُ غُيَّبًا يُقْضَى بِهَا بَيْنَ الْحُضُورِ عَلَى عَدَدِهِمْ ؛ لِأَنَّ الْغَائِبَ لَعَلَّهُ

ان میں سے، اور مزاحمت منقطع ہو گئی، اور اگر بعض غائب ہوں تو فیصلہ کیا جائے گا اس کا حاضرین کے عدد رؤس پر؛ کیونکہ غائب ممکن ہے

لَا يَطْلُبُ ، وَإِنْ قُضِيَ لِحَاضِرٍ بِالْجَمِيعِ ثُمَّ حَضَرَ آخَرُ يُقْضَى لَهُ بِالنِّصْفِ ، وَلَوْ حَضَرَ ثَالِثٌ

کہ طلب نہ کرے، اور اگر فیصلہ کیا گیا حاضر کے لیے پورے شفعہ کا، پھر حاضر ہوا دوسرا، تو فیصلہ کیا جائے گا اس کے لیے نصف کا اور اگر حاضر ہوا تیسرا

فَبِثُلُثِ مَا فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ ، ﴿٩﴾ فَلَوْ سَلَّمَ الْحَاضِرُ بَعْدَمَا قُضِيَ لَهُ بِالْجَمِيعِ

تو ثلث کا ہر ایک کے قبضہ میں موجود کا، برابری کو ثابت کرنے کے لیے، اور اگر چھوڑ دیا حاضر نے بعد اس کے کہ فیصلہ کیا گیا اس کے لیے کل کا

لَا يَأْخُذُ الْقَادِمُ إِلَّا النِّصْفَ ؛ لِأَنَّ قَضَاءَ الْقَاضِي بِالْكُلِّ لِلْحَاضِرِ يَقْطَعُ حَقَّ الْغَائِبِ عَنِ النِّصْفِ بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الْقَضَاءِ

تو نہیں لے گا آنے والا مگر نصف؛ کیونکہ قاضی کا کل کا فیصلہ کرنا حاضر کے لیے قطع کر دیتا ہے غائب کا حق نصف سے، بر خلاف قضاءِ قاضی سے پہلے کی صورت میں

تشریح:۔{۱}ایک شخص کی دیوار پر دوسرے نے اپنی کڑی (شہتیر) رکھی ہوئی ہے تو وہ کڑی کی وجہ سے دار میں شریک نہیں اس لیے اس کو شرکت کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں، البتہ شفیع جوار ہے؛ کیونکہ شرکت کی وجہ سے شفعہ ثابت ہونے کی علت زمین میں شریک ہونا ہے اور فقط کڑیاں رکھنے سے وہ دار میں شریک نہیں ہوتا ہے پس شفعۂ شرکت کی علت نہیں پائی گئی، اس لیے اس کو شفعۂ شرکت کا حق نہ ہوگا، البتہ وہ ملا ہوا پڑوس ہے پس پڑوس ہونے کی وجہ سے اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

{۲}اسی مسئلہ کو امام محمدؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ دیوار پر رکھی ہوئی لکڑی میں شریک شخص پڑوس ہے دار میں شریک نہیں ہے لہٰذا اس کو شفعۂ شرکت کا حق نہ ہوگا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ شفعۂ شرکت کے لیے دار میں شریک ہونا ضروری ہے۔ اور لکڑی میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی دیوار پر لکڑی رکھنے کا حق حاصل ہو دیوار اور زمین میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔

{۳}اگر ایک زمین پر کئی شفعاء نے شفعہ کا دعوی کر لیا، تو مشفوعہ زمین ان پر ان کے عددِ رؤس کے مطابق تقسیم کی جائے گی اگر وہ تین ہیں تو تین حصوں پر تقسیم کی جائے گی اور اگر چار ہیں تو چار پر تقسیم کی جائے گی، املاک کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے یعنی اگر ایک شفیع کی زمین زیادہ ہو اور دوسرے کی کم ہو تو اس طرح نہ ہوگا کہ زیادہ والے کو مشفوعہ زمین کا زیادہ حصہ اور کم والے کو کم حصہ دیا جائے۔

{۴}امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مشفوعہ زمین ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کی جائے گی یعنی جس کی جتنی مِلک ہو اس کو اتنا حصہ دیا جائے گا؛ کیونکہ شفعہ مِلک کے منافع میں سے ہے اور مِلک کے منافع کو مِلک کے بقدر تقسیم کیا جاتا ہے، اور مِلک کے منافع میں سے اس لیے ہے کہ شفیع اس سے اپنی مِلک کی منفعت کی تکمیل کرتا ہے، لہٰذا حقِ شفعہ ربح، غلہ، ولد اور پھل کے مشابہ ہو گیا، مثلاً دو آدمیوں نے ایک چیز تیس روپیہ میں خریدی جن میں سے دس ایک کے ہیں اور بیس دوسرے کے، پھر اس کو تینتیس روپیہ میں فروخت کر دی تو منافع کے تین روپیہ میں سے ایک دس والے کو اور دو بیس والے کو ملیں گے؛ کیونکہ ان کی ملکیت اسی تناسب سے ہے۔ یا مثلاً دونوں نے اسی حساب سے زمین خریدی اور اس میں کھیتی لگائی جس سے تین من پیداوار حاصل ہو گئی تو ایک من دس روپیہ والے کو ملے گا اور دو من بیس روپیہ والے کو ملیں گے۔ یا مثلاً دونوں نے اسی حساب سے باندی خریدی، اور کسی سے اس کا نکاح کر دیا جس سے اس نے بچہ جن لیا تو بچے میں ان دونوں کا حق اثلاثا ہوگا۔ یا مثلاً دونوں نے اسی حساب سے باغ خریدا، اور اس پر تین من پھل لگے تو ان پھلوں میں ان دونوں کا حق اثلاثا ہوگا۔

{۵}ہماری دلیل یہ ہے کہ سببِ استحقاق یعنی اتصال میں یہ تینوں برابر ہیں پس استحقاقِ شفعہ میں بھی تینوں برابر ہوں گے لہٰذا تینوں کو برابر حصے ملیں گے اگرچہ بعض کی ملک دیگر بعض سے زیادہ ہو، آپ دیکھیں اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک رہ جائے باقی دو شفعہ چھوڑ دیں تو وہ کامل شفعہ کا مالک ہو گا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایک کا سبب کامل ہے اس لیے استحقاقِ شفعہ میں تینوں برابر ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ سببِ استحقاق اتصال ہے تو ظاہر ہے کہ جس کی ملک زیادہ ہے اس کا اتصال زیادہ ہو گا اور جس کی ملک کم ہے اس کا اتصال کم ہو گا، تو تینوں برابر کیسے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ کثرتِ ملک کی وجہ سے ایک کا اتصال بے شک دوسرے سے زیادہ ہو گا جو کثرتِ علت کی خبر دیتا ہے مگر ترجیح قوتِ دلیل سے ہوتی ہے کثرتِ دلیل سے نہیں ہوتی ہے اور یہاں کثیر والے کو قوت حاصل نہیں ہے ورنہ تو دوسرا اس کے مقابلے میں ظاہر ہی نہ ہوتا جیسے شریک کے ہوتے ہوئے اس کے مقابلے میں پڑوس ظاہر نہیں ہو سکتا ہے پس قلیل والے کا اس کے مقابلے میں ظاہر ہو کر حقِ شفعہ کا دعویٰ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کثیر والے کو قوتِ دلیل حاصل نہیں کثرتِ دلیل حاصل ہے۔

{٦}امام شافعیؒ نے شفعہ کو مرافقِ ملک میں سے قرار دیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر کی ملک کے مالک ہونے کو اپنی ملک کے ثمرات میں سے نہیں قرار دیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ وہ اس کی ملک سے پیدا نہیں ہوئی ہے، البتہ پھل اور دودھ وغیرہ بے شک ملک کی پیداوار ہے؛ کیونکہ ملک سے پیدا شدہ ہیں لہٰذا یہ چیزیں بقدرِ ملک تقسیم ہوں گی۔

{۷}اگر بعض شفعاء نے اپنا حق ساقط کر دیا یعنی شفعہ لینا چھوڑ دیا تو اب شفعہ باقی شفعاء کے درمیان ان کے عددِ رؤس کے مطابق تقسیم ہو گا؛ کیونکہ مشفوعہ زمین میں سے ہر ایک کو کم حصہ ملنا تو کثرتِ شفعاء اور ان کی آپس میں مزاحمت کی وجہ سے تھا ورنہ تو سببِ استحقاق تو ہر ایک کو کامل طور پر حاصل ہے اب جب بعض نے شفعہ کو چھوڑ کر ان کے مزاحم نہ رہے تو مزاحمت منقطع ہونے کی وجہ سے پوری مشفوعہ زمین موجود شفعاء پر ان کے عددِ رؤس کے مطابق تقسیم ہو گی۔

{۸}اور اگر بعض شفعاء غائب ہوں تو قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے گا موجودین کے حق میں ان کے عددِ رؤس کے مطابق ،غائب کا لحاظ نہیں کرے گا؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غائب شفعہ کا مطالبہ نہ کرے اور ممکن ہے کہ وہ مطالبہ کرے، تو فقط شک کی وجہ سے موجودین کے حق کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ پھر اگر قاضی نے حاضر شفیع کے لیے پورے شفعہ کا فیصلہ کیا پھر غائب شفیع حاضر ہو گیا اور شفعہ کا مطالبہ کیا تو اس کے لیے نصف شفعہ کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر تیسرا شفیع حاضر ہوا اور شفعہ کا مطالبہ کیا تو اول

دونوں کے قبضہ میں جو ہے ان میں سے ایک ایک ثلث قاضی تیسرے شفیع کو دلادے گا؛ یہ اس لیے تاکہ تینوں کے درمیان برابری ثابت ہو۔

{۹} اور اگر قاضی نے حاضر شفیع کے لیے پورے شفعہ کا فیصلہ کر لیا پھر اس نے شفعہ لینے کو ترک کر دیا اب اگر غائب شفیع آیا اور شفعہ کا مطالبہ کیا تو وہ فقط نصف لے سکتا ہے؛ کیونکہ جب قاضی نے حاضر کے لیے پورے شفعہ کا فیصلہ کر دیا تو اس نے غائب کے حق کو نصف شفعہ سے منقطع کر دیا اب اس کا حق فقط نصف میں ہے، اس لیے اسے نصف ہی ملے گا، البتہ اگر قاضی نے حاضر کے حق میں فیصلہ نہ کیا ہو اور غائب نے آکر شفعہ کا مطالبہ کر دیا اور حاضر نے مطالبہ چھوڑ دیا تو اب مذکورہ غائب پورا شفعہ لے سکتا ہے۔

{۱} قَالَ: وَالشُّفْعَةُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ وَمَعْنَاهُ بَعْدَهُ لَا أَنَّهُ هُوَ السَّبَبُ ، لِأَنَّ سَبَبَهَا الِاتِّصَالُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ

فرمایا: اور شفعہ ثابت ہوتا ہے عقدِ بیع سے، اور اس کا معنی ہے بیع کے بعد، نہ یہ کہ بیع سبب ہے؛ کیونکہ سببِ شفعہ اتصال ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو

وَالْوَجْهُ فِيهِ أَنَّ الشُّفْعَةَ إنَّمَا تَجِبُ إذَا رَغِبَ الْبَائِعُ عَنْ مِلْكِ الدَّارِ ، وَالْبَيْعُ يُعَرِّفُهَا وَلِهَذَا يُكْتَفَى

اور وجہ اس میں یہ ہے کہ شفعہ ثابت ہوتا ہے جب اعراض کرے بائع گھر کی ملکیت سے، اور بیع رغبت بتاتی ہے، اور اسی لیے اکتفا کیا جاتا ہے

بِثُبُوتِ الْبَيْعِ فِي حَقِّهِ حَتَّى يَأْخُذَهَا الشَّفِيعُ إذَا أَقَرَّ الْبَائِعُ بِالْبَيْعِ وَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي يُكَذِّبُهُ . {۲} قَالَ : وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ

ثبوتِ بیع پر بائع کے حق میں حتی کہ لے لے گا گھر کو شفیع اگر اقرار کیا بائع نے بیع کا اگرچہ مشتری تکذیب کر رہا ہو بائع کی۔ فرمایا: اور پختہ ہو جاتا ہے اشہاد سے

وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ ، لِأَنَّهُ حَقٌّ ضَعِيفٌ يَبْطُلُ بِالْإِعْرَاضِ ، فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِشْهَادِ وَالطَّلَبِ لِيُعْلَمَ

اور ضروری ہے طلبِ مواثبت؛ کیونکہ شفعہ کمزور حق ہے باطل ہوتا ہے اعراض سے، پس ضروری ہے اشہاد اور طلب، تاکہ معلوم ہو

رَغْبَتُهُ فِيهِ دُونَ إعْرَاضِهِ عَنْهُ ، وَلِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى إثْبَاتِ طَلَبِهِ عِنْدَ الْقَاضِي

اس سے شفیع کی رغبت اس میں، نہ کہ اس کا اعراض اس سے، اور اس لیے کہ شفیع محتاج ہے اپنی طلب ثابت کرنے کو قاضی کے ہاں،

وَلَا يُمْكِنُهُ إلَّا بِالْإِشْهَادِ . {۳} قَالَ : وَتُمْلَكُ بِالْأَخْذِ إذَا سَلَّمَهَا الْمُشْتَرِي أَوْ حَكَمَ بِهَا الْحَاكِمُ ، لِأَنَّ

اور اثبات ممکن نہیں ہے مگر اشہاد سے۔ فرمایا: اور گھر مملوک ہو جاتا ہے جب سپرد کر دے اس کو مشتری یا حکم کرے اس کا حاکم؛ کیونکہ

الْمِلْكَ لِلْمُشْتَرِي قَدْ تَمَّ فَلَا يَنْتَقِلُ إِلَى الشَّفِيعِ إِلَّا بِالتَّرَاضِي أَوْ قَضَاءِ الْقَاضِي كَمَا فِي الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ.
مشتری کی ملک تام ہو چکی ہے پس منتقل نہ ہو گا شفیع کی طرف مگر باہمی رضامندی یا قضاءِ قاضی سے جیسا کہ ہبہ میں رجوع کی صورت میں

{۴}وَتَظْهَرُ فَائِدَةُ هَذَا فِيمَا إِذَا مَاتَ الشَّفِيعُ بَعْدَ الطَّلَبَيْنِ وَبَاعَ دَارَهُ الْمُسْتَحَقَّ بِهَا
اور ظاہر ہو گا فائدہ اس کا اس صورت میں جب مر جائے شفیع دونوں طلبوں کے بعد یا فروخت کر دے اپنا وہ گھر جس کی وجہ سے وہ مستحق ہے

الشُّفْعَةُ أَوْ بِيعَتْ دَارٌ بِجَنْبِ الدَّارِ الْمَشْفُوعَةِ قَبْلَ حُكْمِ الْحَاكِمِ أَوْ تَسْلِيمِ الْمُخَاصِمِ لَا تُورَثُ عَنْهُ
شفعہ کا، یا فروخت ہو جائے گھر دارِ مشفوعہ کے پہلو میں حاکم کے حکم یا مشتری کی سپردگی سے پہلے، میراث نہ ہو گا شفیع کی جانب سے

فِي الصُّورَةِ الْأُولَى وَتَبْطُلُ شُفْعَتُهُ فِي الثَّانِيَةِ وَلَا يَسْتَحِقُّهَا فِي الثَّالِثَةِ لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ لَهُ.
پہلی صورت میں اور باطل ہو گا اس کا شفعہ دوسری صورت میں، اور مستحق نہ ہو گا اس کا تیسری صورت میں؛ اس کے لیے ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے

{۵}ثُمَّ قَوْلُهُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ بَيَانٌ أَنَّهُ لَا يَجِبُ إِلَّا عِنْدَ مُعَاوَضَةِ الْمَالِ بِالْمَالِ عَلَى مَا
پھر امام قدوریؒ کا قول "واجب ہوتا ہے عقدِ بیع سے" بیان ہے کہ شفعہ واجب نہیں ہوتا ہے مگر مال بعوضِ مال ہونے کے وقت جیسا کہ

نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، واللہ سبحانہ أعلم بالصواب

تشریح:۔{۱}اور شفعہ عقدِ بیع سے ثابت ہوتا ہے یعنی بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے مطلب یہ کہ "بِعَقْدِ الْبَيْعِ" میں باء سببیت کے لیے نہیں ہے لہٰذا عقدِ بیع شفعہ کا سبب نہیں؛ کیونکہ شفعہ کا سبب تو اتصالِ ملک ہے جیسا کہ ہم شروع کتاب میں بیان کر چکے۔ باقی عقدِ بیع کے بعد ثبوتِ شفعہ کی وجہ یہ ہے کہ مشفوعہ مکان تو مالک کی ملک ہے جس کا کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، البتہ جب وہ اپنے مکان کی ملکیت سے اعراض کر کے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے گا تو شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہو جائے گا، اور مالک کی بیع ثبوتِ شفعہ بتا رہی ہے؛ کیونکہ بیع کا اقدام کرنا اس کے اعراض کی دلیل ہے، لہٰذا بائع کے حق میں ثبوتِ بیع پر اکتفاء کر کے شفیع کے لیے حقِ شفعہ ثابت

ہو گا حتی کہ اگر بائع نے بیع کا اقرار کر دیا تو شفیع بحق شفعہ مبیع کو لے سکتا ہے اگرچہ مشتری بائع کی تکذیب کرے کہ بیع نہیں ہوئی ہے؛ کیونکہ بائع کے اقرار سے بیع ثابت ہو گئی ہے لہذا شفیع کو شفعہ لینے کا اختیار ہو گا۔

{۲} حق شفعہ عقدِ بیع سے ثابت ہوتا ہے، اور طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد سے پختہ ہو جاتا ہے، طلبِ مواثبت یہ ہے کہ جیسے ہی شفیع کو اطلاع پہنچے کہ فلاں زمین فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کی جارہی ہے جس میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے تو فوراً ہی یا کم از کم اطلاع کی مجلس کے ختم ہونے سے پہلے اس بیع پر اپنی ناراضگی ظاہر کرے اور حق شفعہ کا مطالبہ کرے، اور طلبِ اشہاد یہ ہے کہ گواہوں سے کہے کہ تم گواہ رہو کہ میں مذکورہ زمین میں حق شفعہ طلب کر چکا ہوں۔ شفعہ کی پختگی کے لیے طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد اس لیے ضروری ہے کہ شفعہ کمزور حق ہے جو اعراض سے باطل ہو جاتا ہے، پس اشہاد اور طلب ضروری ہے تاکہ اس سے مشفوعہ زمین میں شفیع کی رغبت معلوم ہو نہ کہ اس کا اعراض۔ اور طلبِ مواثبت کے بعد طلبِ اشہاد اس لیے ضروری ہے تاکہ آگے جا کر شفیع عدالت میں اپنی طلب کو گواہوں کے ذریعہ سے ثابت کر سکے؛ کیونکہ عدالت میں اپنی طلب کو گواہوں کے بغیر ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے طلبِ مواثبت کے بعد طلبِ اشہاد بھی ضروری ہے۔

{۳} طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد کے بعد بھی شفیع مشفوعہ زمین کا مالک نہ ہو گا جب تک کہ دو باتوں میں سے ایک نہ پائی جائے، وہ یہ کہ یا تو شفیع کے مطالبہ پر مشتری مشفوعہ زمین شفیع کے سپرد کر دے، اور یا قاضی مشفوعہ زمین شفیع کو سپرد کرنے کا فیصلہ کر دے؛ کیونکہ مشتری اس زمین کا مالک ہو چکا ہے اور اس کی ملکیت تام ہے تو شفیع کی طرف اس کی یہ مِلک منتقل نہ ہو گی، مگر یہ کہ مشتری خود اس کو سپرد کر دے یا قاضی شفیع کے حق میں فیصلہ دے جیسے ہبہ میں رجوع کی بھی دو صورتیں ہیں مثلاً کسی نے اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کر دیا اور موہوب لہ نے اس پر قبضہ بھی کر لیا اب واہب اس کو واپس لینا چاہتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو موہوب لہ خود مکان واہب کو سپرد کر دے یا قاضی واپسی کا فیصلہ کر دے، بعینہ یہی دو صورتیں یہاں شفیع کی ملکیت کی بھی ہیں۔

{۴} شفیع کی ملکیت کے لیے مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے، تو اس کا فائدہ تین صورتوں میں ظاہر ہو گا (1) کہ دونوں طلبوں کے بعد شفیع مر گیا (2) جس مکان کی وجہ سے شفیع شفعہ کا دعوی کر رہا تھا اس مکان کو شفیع نے دونوں طلبوں کے بعد فروخت کیا (3) جس مکان کے شفعہ کا شفیع دعوی کر رہا ہے شفیع کی دونوں طلبوں کے بعد اس مکان کے متصل دوسرا مکان فروخت ہوا، ان تینوں صورتوں میں نہ تو اب تک مشتری نے مشفوعہ مکان شفیع کو سپرد کیا ہے اور نہ قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کیا ہے، تو پہلی صورت میں مشفوعہ مکان شفیع کے وارثوں کو میراث میں نہیں ملے گا؛ کیونکہ میراث میں میت کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے جبکہ مذکورہ مکان اب تک میت کی مِلک میں نہیں آیا ہے اس لیے میراث میں تقسیم نہ ہو گا۔ اور دوسری صورت میں شفیع کا حق شفعہ باطل

ہو جائے گا؛ کیونکہ اس کو حقِ شفعہ اتصالِ ملک کی وجہ سے تھا اب جب اس کی ملک نہ رہی تو اتصال نہ رہا اس لیے اس کو حقِ شفعہ بھی نہ ہوگا۔ اور تیسری صورت میں مشفوعہ مکان کے متصل مکان میں شفیع کو حقِ شفعہ نہ ہوگا؛ کیونکہ مشفوعہ مکان اب تک اس کی ملک نہیں ہے اس لیے اس کے متصل مکان میں شفیع کو حقِ شفعہ نہ ہوگا۔

{5} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ کا یہ قول "تجبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ" بیان ہے اس بات کا کہ شفعہ مال بعوضِ مال ہونے کی صورت میں ثابت ہوتا ہے لہٰذا اگر مال بعوضِ مال نہ ہو مثلاً مکان اجارہ پر دینے یا مہر میں دینے کی صورت میں حقِ شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ مال بعوضِ مال نہیں بلکہ مال بعوضِ منافع اور مال بعوضِ بضع ہے، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تفصیل آگے "باب ماتجب فیہ الشفعۃ ومالاتجب" میں ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

بَابُ طَلَبِ الشُّفْعَةِ وَالْخُصُومَةُ فِيهَا

یہ باب شفعہ کو طلب کرنے اور شفعہ کے سلسلے میں خصومت کرنے کے بیان میں ہے۔

چونکہ شفعہ طلب کے بغیر ثابت نہیں ہوتا ہے اس لیے مصنفؒ نے یہاں اس باب میں طلب کے بیان، اور اس کی کیفیت اور اس کے اقسام کے بیان کو ذکر فرمایا۔

{1} قَالَ: وَإِذَا عَلِمَ الشَّفِيعُ بِالْبَيْعِ أَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ، اعْلَمْ أَنَّ الطَّلَبَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: طَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ وَهُوَ

فرمایا: اور جب علم ہو جائے شفیع کو بیع کا تو گواہ بنائے اپنی اسی مجلس میں مطالبے پر؛ جان لو! کہ طلب تین قسم پر ہے، طلبِ مواثبت، وہ یہ

أَنْ يَطْلُبَهَا كَمَا عَلِمَ ، حَتَّى لَوْ بَلَغَ الشَّفِيعُ الْبَيْعَ وَلَمْ يَطْلُبْ شُفْعَةً بَطَلَت

کہ طلب کرے شفعہ کو جیسے ہی اس کو علم ہو جائے، حتی کہ اگر شفیع کو خبر پہنچی بیع کی اور اس نے طلب نہیں کیا شفعہ کو تو باطل ہو جائے گا

الشُّفْعَةُ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الشُّفْعَةُ لِمَنْ وَاثَبَهَا[1] }

شفعہ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور حضور ﷺ کے فرمان "شفعہ اس کے لیے ہے جو فوراً اسے طلب کرے" کی وجہ سے،

{2} وَلَوْ أُخْبِرَ بِكِتَابٍ وَالشُّفْعَةُ فِي أَوَّلِهِ أَوْ فِي وَسَطِهِ فَقَرَأَ الْكِتَابَ إِلَى آخِرِهِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ مِنْ قَوْلِ شُرَيْحٍ: إنَّمَا الشُّفْعَةُ لِمَنْ وَاثَبَهَا، وَكَذَلِكَ ذَكَرَهُ الْقَاسِمُ بْنُ ثَابِتٍ السَّرَقُسْطِيُّ فِي كِتَابِ غَرِيبِ الْحَدِيثِ فِي بَابِ كَلَامِ التَّابِعِينَ وَهُوَ آخِرُ الْكِتَابِ. وَمِنْ أَحَادِيثِ الْبَابِ: مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ فِي سُنَنِهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ"۔ (نصب الرایۃ: 4، ص 428)

اور اگر خبر دی گئی خط کے ذریعہ اور شفعہ کا ذکر اس کے اول میں یا وسط میں ہو، پھر شفیع نے پڑھ لیا خط کو اخیر تک تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ

وَعَلَى هَذَا عَامَّةُ الْمَشَايِخِ ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ .وَعَنْهُ أَنَّ لَهُ مَجْلِسَ الْعِلْمِ ، وَالرِّوَايَتَانِ

اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں اور یہی ایک روایت ہے امام محمدؒ سے، اور ان سے روایت ہے کہ شفیع کے لیے مجلس علم ہے، اور یہ دونوں روایتیں

فِي النَّوَادِرِ .وَبِالثَّانِيَةِ أَخَذَ الْكَرْخِيُّ ، لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ لَهُ خِيَارُ التَّمَلُّكِ لَا بُدَّ لَهُ

نوادر میں ہیں، اور دوسری روایت کو لے لیا ہے امام کرخیؒ نے؛ کیونکہ جب ثابت ہوا اس کے لیے مالک بننے کا خیار تو ضروری ہے اس کے لیے

مِنْ زَمَانِ التَّأَمُّلِ كَمَا فِي الْمُخَيَّرَةِ﴿۳﴾وَلَوْ قَالَ بَعْدَمَا بَلَغَهُ الْبَيْعُ الْحَمْدُلِلَّهِ أَوْ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّابِاللَّهِ أَوْقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ

تامل کا زمانہ جیسا کہ مخیرہ میں ہے۔ اور اگر کہا بعد اس کے جب پہنچی اس کو بیع کی خبر الحمد للہ، اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ، یا کہا سبحان اللہ

لَاتَبْطُلُ شُفْعَتُهُ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ حَمْدٌ عَلَى الْخَلَاصِ مِنْ جِوَارِهِ وَالثَّانِيَ تَعَجُّبٌ مِنْهُ لِقَصْدِ إِضْرَارِهِ،

تو باطل نہ ہوگا اس کا شفعہ؛ کیونکہ اول حمد ہے اس کے پڑوس سے چھٹکارا پانے پر، اور ثانی تعجب ہے اس پر اس کے ضرر پہنچانے کے قصد پر

وَالثَّالِثَ لِافْتِتَاحِ كَلَامِهِ فَلَا يَدُلُّ شَيْءٌ مِنْهُ عَلَى الْإِعْرَاضِ،﴿۴﴾وَكَذَا إِذَا قَالَ مَنِ ابْتَاعَهَا

اور ثالث اپنے کلام کو شروع کرنے کے لیے ہے، پس دلالت نہیں کرتی ہے کوئی چیز ان میں سے اعراض پر، اور اسی طرح اگر کہا: کس نے خریدا ہے اس کو

وَبِكَمْ بِيعَتْ؛ لِأَنَّهُ يَرْغَبُ فِيهَا بِثَمَنٍ دُونَ ثَمَنٍ وَيَرْغَبُ عَنْ مُجَاوَرَةِ بَعْضٍ

اور کتنے میں فروخت ہوا ہے؛ کیونکہ شفیع رغبت رکھتا ہے مکان میں ایک ثمن میں نہ کہ دوسرے ثمن میں، اور اعراض کرتا ہے بعض کے پڑوس سے

دُونَ بَعْضٍ﴿۵﴾وَالْمُرَادُبِقَوْلِهِ فِي الْكِتَابِ أَشْهَدَفِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِطَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ.وَالْإِشْهَادُفِيهِ لَيْسَ بِلَازِمٍ

نہ کہ بعض کے، اور مراد قدوریؒ کے قول سے کتاب میں "گواہ بنائے اپنی اسی مجلس میں مطالبہ پر" طلب مواثبت ہے، اور اشہاد اس میں لازم نہیں ہے

إِنَّمَا هُوَ لِنَفْيِ التَّجَاحُدِ وَالتَّقْيِيدُ بِالْمَجْلِسِ إِشَارَةٌ إِلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَرْخِيُّ.وَيَصِحُّ

اشہاد تو نفئ انکار کے لیے ہے، اور قید لگانے میں مجلس کی اشارہ ہے اس روایت کی طرف جس کو اختیار کیا ہے کرخیؒ نے، اور صحیح ہے

الطَّلَبُ بِكُلِّ لَفْظٍ يُفْهَمُ مِنْهُ طَلَبُ الشُّفْعَةِ كَمَا لَوْ قَالَ: طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ أَوْ أَطْلُبُهَا أَوْ أَنَا طَالِبُهَا؛

طلب ہر اس لفظ سے جس سے مفہوم ہوتا ہے طلب شفعہ جیسا اگر کہا: میں نے شفعہ طلب کیا، یا میں طلب کر رہا ہوں اس کو، یا میں طالب ہوں اس کا

لِأَنَّ الِاعْتِبَارَ لِلْمَعْنَى،﴿۶﴾وَإِذَا بَلَغَ الشَّفِيعَ بَيْعُ الدَّارِ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْإِشْهَادُ حَتَّى يُخْبِرَهُ رَجُلَانِ

کیونکہ اعتبار معنی کو ہے۔ اور جب خبر پہنچے شفیع کو مکان فروخت ہونے کی تو واجب نہیں اس پر اشہاد یہاں تک کہ خبر دے اس کو دو مرد

أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ أَوْ وَاحِدٌ عَدْلٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يُشْهِدَ إِذَا أَخْبَرَهُ

یا ایک مرد اور دو عورتیں، یا ایک عادل امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں واجب ہے اس پر کہ گواہ بنائے جب خبر دے اس کو

وَاحِدٌ حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا صَبِيًّا كَانَ أَوِ امْرَأَةً إِذَا كَانَ الْخَبَرُ حَقًّا. وَأَصْلُ الِاخْتِلَافِ فِي عَزْلِ الْوَكِيلِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ

ایک، خواہ آزاد ہو یا غلام، بچہ ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو خبر سچی، اور اصل اختلاف عزل وکیل میں ہے، اور ہم ذکر کر چکے اس کو

بِدَلَائِلِهِ وَأَخَوَاتِهِ فِيمَا تَقَدَّمَ، ﴿٧﴾وَهَذَا بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ إِذَا أُخْبِرَتْ عِنْدَهُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ

اس کے دلائل اور نظائر کے ساتھ ماقبل میں، اور یہ برخلاف مخیرہ کے ہے جب خبر دی جائے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ نہیں ہے

فِيهِ إِلْزَامُ حُكْمٍ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا أَخْبَرَهُ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّهُ خَصْمٌ فِيهِ وَالْعَدَالَةُ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي الْخُصُومِ

اس میں الزام حکم، اور برخلاف اس کے جب خبر دے اس کو مشتری؛ کیونکہ وہ خصم ہے اس میں، اور عدالت معتبر نہیں ہے خصومتوں میں

﴿٨﴾وَالثَّانِي طَلَبُ التَّقْرِيرِ وَالْإِشْهَادِ؛ لِأَنَّهُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ لِإِثْبَاتِهِ عِنْدَ الْقَاضِي عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَلَا يُمْكِنُهُ

اور ثانی طلب تقریر و اشہاد ہے؛ کیونکہ شفیع محتاج ہے اس کے اثبات کو قاضی کے سامنے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے، اور ممکن نہیں شفیع کو

الْإِشْهَادُ ظَاهِرًا عَلَى طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ؛ لِأَنَّهُ عَلَى فَوْرِ الْعِلْمِ بِالشِّرَاءِ فَيَحْتَاجُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى طَلَبِ الْإِشْهَادِ وَالتَّقْرِيرِ

اشہاد بظاہر طلب مواثبت پر؛ کیونکہ طلب مواثبت علی الفور ہے علم بالشراء کے ساتھ، پس شفیع محتاج ہوگا طلب اشہاد اور تقریر کو

وَبَيَانُهُ مَاقَالَ فِي الْكِتَابِ

جس کا بیان وہی ہے جو متن میں ذکر کیا ہے۔

تشریح:۔﴿١﴾جب شفیع کو زمین فروخت ہونے کی اطلاع ملے تو وہ اپنی اسی مجلس میں شفعہ طلب کرنے پر گواہ بنائے۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ بابِ شفعہ میں طلب کی تین قسمیں ہیں (1) طلبِ مواثبت، طلبِ مواثبت یہ ہے کہ جیسے ہی شفیع کو اطلاع پہنچے کہ فلاں زمین فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کی جارہی ہے جس میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے تو فوراً ہی حقِ شفعہ کا مطالبہ کرے، حتی کہ اگر شفیع کو بیع کی خبر پہنچی اور اس نے اپنے حقِ شفعہ کا مطالبہ نہیں کیا تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ حقِ شفعہ ضعیف حق ہے اعراض سے باطل ہو جائے گا۔ دوسری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "شفعہ اسی کے لیے ہے جو اس کی طلبِ مواثبت کرے"۔ مواثبت کا معنی کودنا اور چھلانگ لگانا ہے، چونکہ اس طلب میں عجلت سے کام لیا جاتا ہے اس لیے اس کو طلبِ مواثبت کہتے ہیں۔

{۲}اگر کسی شفیع کو خط کے ذریعہ اطلاع دی گئی کہ فلاں نے اپنا مکان فلاں کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور شفعہ کا ذکر خط کے شروع یا درمیان میں ہو، اور اس نے شروع یا درمیان میں طلبِ مواثبت نہیں کی بلکہ خط کو اخیر تک پڑھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا، یہی عام مشائخ کا قول ہے اور یہی ایک روایت ہے امام محمدؒ سے۔ اور امام محمدؒ سے دوسری روایت یہ مروی ہے کہ اطلاع ملنے کی مجلس کے اخیر تک اگر وہ مطالبہ کرے گا تو اس کو شفعہ ملے گا، اور یہ دونوں روایتیں نوادر کی روایتیں ہیں ظاہر الروایت نہیں ہیں، امام کرخیؒ نے دوسری روایت کو لیا ہے؛ کیونکہ جب شریعت کی طرف سے شفیع کو مجلسِ علم میں مالک بننے کا اختیار مل گیا تو اس کو اتنا وقت بھی ملنا چاہیے کہ جس میں وہ غور و فکر کر سکے اور وہ کم از کم مجلس کے اختتام تک کا وقت ہے اس لیے اس کو مجلس کے اختتام تک شفعہ کا اختیار رہے گا جیسے مخیرہ کو مجلس کے اختتام تک اختیار رہتا ہے یعنی اگر کسی عورت کو شوہر نے کہا کہ اگر تو چاہے تو خود کو طلاق دیدو، تو اس کا مجلس کے اختتام تک اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے، اسی طرح شفیع کو بھی مجلسِ علم کے اختتام تک اختیار رہے گا۔

فتوی:۔ مولانا عبدالحکیم شاہ لیکوئیؒ فرماتے ہیں کہ معاملہ میں نہ زیادہ تنگی ہے اور نہ زیادہ وسعت بلکہ مدار اعراض پر ہے چنانچہ فرماتے ہیں: والذی یظهر من عبارات المحققین منهم ان الامر لیس علی التوسع کل التوسع ولاعلی التضییق کل التضییق حتی تبطل قبل تمام المکتوب اوقبل العلم بالمشتری اوالثمن فان مدار سقوط حق الشعة انما هو علی الاعراض وعدمه ولهذا قال الامام ابو الحسن انه لیس اختلاف عندی لافی الروایة ولا فی المعنی والمفهوم لان جمیع العبارات انما ارید بها ان لایکون تراخیاً یدل علی الاعراض من حق الشفعة (هامش الهدایة:4ص390)

{۳}اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ فلاں زمین فروخت ہوئی ہے اس نے کہا: اَلحمد لله، یا کہا: لاحَولَ وَ لاقُوَّةَ اِلّابالله، یا کہا: سبحان الله، تو فقط اتنا کہنے سے اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ شفعہ اعراض سے باطل ہو جاتا ہے جبکہ یہاں اعراض نہیں پایا جا رہا ہے؛ کیونکہ الحمد للہ تو اس نے اس لیے کہا کہ وہ اپنے پڑوسی کے شر اور ضرر سے عاجز آگیا تھا اب اس کو موقع ملا کہ اس گھر کو شفعہ میں لے اور شریر پڑوسی سے اس کی جان چھوٹ جائے اس لیے اس نے شکر کرتے ہوئے الحمد للہ کہا، لہٰذا یہ اعراض نہیں ہے، اس لیے شفعہ باطل نہ ہوگا۔

اور "لاحَولَ وَ لاقُوَّةَ اِلّابالله" کہنا اس لیے اعراض نہیں ہے بلکہ تعجب کا اظہار کرنا ہے کہ عجیب بات ہے کہ پڑوسی نے مجھے بتایا کہ زمین کو فلاں شریر کے ہاتھ فروخت کر دیا جس سے مجھے ضرر پہنچتا ہے، لہٰذا یہ اعراض نہیں اس لیے شفعہ باطل نہ

ہو گا۔ اور سبحان اللہ کہنا اس لیے اعراض نہیں کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے کلام کے شروع میں سبحان اللہ کہتے ہیں لہذا اس نے یہ لفظ کلام کے افتتاح کے لیے کہا ہے اعراض کے لیے نہیں ہے اس لیے شفعہ باطل نہ ہو گا۔

{۴} اسی طرح اگر شفیع کو اطلاع ملی کہ فلاں زمین فروخت ہوئی ہے، اس نے کہا: کس نے خریدی ہے؟ یا کہا: کتنے میں فروخت ہوئی ہے تو بھی اس کا حق شفعہ باطل نہ ہو گا؛ کیونکہ ہر ثمن کے عوض فروخت ہونے کی صورت میں اس کو رغبت نہیں ہوتی ہے بلکہ کم ثمن کے عوض فروخت کی صورت میں وہ رغبت کرے گا اس لیے ثمن کی مقدار کے بارے میں پوچھ رہا ہے لہذا یہ اعراض نہیں ہے، اسی طرح شفیع بعض شریر مشتریوں کے پڑوسی بننے سے اعراض کرتے ہوئے وہ شفعہ کو طلب کرتا ہے، جبکہ شریف مشتریوں کے پڑوسی بننے سے وہ اعراض نہیں کرتا ہے لہذا اس کا مشتری کے بارے میں پوچھنا اعراض کی دلیل نہیں ہے اس لیے اس سے شفعہ باطل نہ ہو گا۔

{۵} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے جو متن میں کہا کہ "شفیع اسی مجلس میں مطالبہ پر گواہ بنائے" تو گواہ بنانے سے طلبِ اشہاد مراد نہیں ہے بلکہ طلبِ مواثبت ہی مراد ہے جس میں گواہ بنانا لازم نہیں ہے، البتہ ماتنؒ نے اس لیے گواہ بنانے کو ذکر کیا تاکہ اگر مشتری نے شفیع کی طلبِ مواثبت کا انکار کیا تو شفیع اس کے انکار کی نفی کرتے ہوئے گواہوں کے ذریعہ اپنی طلبِ مواثبت کو ثابت کر سکے۔ اور یہ جو کہا کہ اسی مجلس میں گواہ بنائے، تو مجلس کی قید لگانے میں اشارہ ہے کہ امام قدوریؒ کے نزدیک وہی قول مختار ہے جس کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے۔ یاد رہے کہ طلب کسی بھی ایسے لفظ سے صحیح ہے جس سے طلبِ شفعہ مفہوم ہو مثلاً کہا "میں نے شفعہ طلب کیا ہے" یا کہا کہ "میں شفعہ طلب کرتا ہوں" یا "میں شفعہ کا طالب ہوں"؛ کیونکہ اعتبار معانی کو ہے الفاظ کو نہیں ہے تو جب طلبِ شفعہ کا معنی مفہوم ہوا تو طلبِ شفعہ پائی گئی۔

{۶} اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ فلاں مکان فروخت ہوا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقط اس خبر سے اس پر طلبِ اشہاد واجب نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس کو دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں یا ایک عادل مرد اس فروخت کی خبر نہ دے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خبر دینے والوں کا عدد یا عدالت شرط نہیں ہے بلکہ اگر اس کو ایک آزاد، یا غلام یا بچے یا عورت نے خبر دی تو بھی اس پر طلبِ اشہاد واجب ہے بشرطیکہ اس کے خیال میں خبر سچی ہو۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اصل اختلاف وکیل کو معزول کرنے میں ہے کہ اس کی معزولی کے لیے امام صاحبؒ کے نزدیک عدد یا عدالت شرط ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو "فصلٌ فی القضاء بالمواریث" کے اخیر میں دلائل اور نظائر کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں۔

{7}اگر عورت کو خبر دی گئی کہ تیرے شوہر نے تجھے طلاق کا اختیار دیا ہے، تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہاں خبر دینے والا کا عدد یا عدالت شرط نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں الزام حکم نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے خود کو طلاق دی اور شوہر نے اس کی تصدیق کی تو طلاق واقع ہو گئی اور اگر شوہر نے اختیار دینے کا انکار کیا تو وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی۔ جبکہ شفیع کے مسئلہ میں اس پر الزام حکم ہے کہ اگر وہ خاموشی اختیار کرتا ہے تو مشتری کی خرید لازم ہو جاتی ہے شفیع کو شفعہ طلب کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، پس الزام حکم اور عدم الزام حکم میں اس فرق کی وجہ سے خبر کی شرط میں بھی فرق کیا گیا کہ مخیرہ کی خبر کے لیے مخبر کی تعداد یا عدالت شرط نہیں ہے جبکہ شفیع کی خبر کے لیے یہ شرط ہے۔

اس کے برخلاف اگر شفیع کو خود مشتری نے خبر دی کہ میں نے فلاں زمین خریدی ہے تو یہاں امام صاحبؒ کے نزدیک عدد یا عدالت شرط نہیں ہے؛ کیونکہ مشتری اس میں خصم ہے اور خصم کے اندر عدالت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

{8}صاحبِ ہدایہؒ نے کہا تھا کہ طلب کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم کا بیان ہو چکا، اب یہاں سے دوسری قسم یعنی طلبِ اشہاد کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس کو طلبِ تقریر کہتے ہیں، یہ طلب اس لیے ضروری ہے تاکہ قاضی کی عدالت میں شفیع طلبِ شفعہ کو گواہوں سے ثابت کر سکے؛ کیونکہ کبھی خصم اس کا انکار کرتا ہے، تو اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑتا ہے جیسا کہ اس باب سے پہلے اس کو بیان کر چکے۔ باقی طلبِ مواثبت کے موقع پر گواہ بنانے پر اکتفا نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ طلبِ مواثبت کے موقع پر شفعہ کے لیے گواہ بنانا بظاہر ممکن نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ طلبِ مواثبت تو بیع سے آگاہ ہوتے ہی فوراً واقع ہوتی ہے جس میں گواہ بنانے کی مہلت نہیں ہوتی ہے، اس لیے طلبِ مواثبت کے بعد طلبِ اشہاد و تقریر کی ضرورت پڑی، طلبِ اشہاد کی تفصیل وہی ہے جو آگے امام قدوریؒ نے بیان کی ہے۔

{1}ثُمَّ يَنهَضُ مِنهُ يَعنِي مِنَ المَجلِسِ وَيُشهِدُ عَلَى البَائِعِ إنْ كَانَ المَبِيعُ فِي يَدِهِ

پھر اٹھ جائے اس سے یعنی مجلس سے اور گواہ بنائے بائع پر اگر ہو مبیع بائع کے قبضہ میں،

مَعنَاهُ لَمْ يُسَلِّمْ إلَى المُشتَرِي أَوْ عَلَى المُبتَاعِ أَوْ عِندَ العَقَارِ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ استَقَرَّتْ شُفعَتُهُ وَهَذَا لِأَنَّ

اس کا معنی ہے: سپرد نہ کی گئی ہو مشتری کو، یا مشتری پر یا زمین کے پاس، پس جب یہ کام کر دے تو پختہ ہو گیا اس کا شفعہ، اور یہ اس لیے کہ

كُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا خَصمٌ فِيهِ؛ لِأَنَّ لِلأَوَّلِ اليَدَ وَلِلثَّانِي المِلكَ، وَكَذَا يَصِحُّ الإِشهَادُ عِندَ المَبِيعِ؛

ہر ایک ان دونوں میں سے خصم ہے اس میں؛ کیونکہ اول کو قبضہ حاصل ہے، اور ثانی کو ملک، اور اسی طرح صحیح ہے اشہاد مبیع کے پاس؛

لِأَنَّ الحَقَّ مُتَعَلِّقٌ بِهِ، فَإِنْ سَلَّمَ البَائِعُ المَبِيعَ لَمْ يَصِحَّ الإِشهَادُ عَلَيهِ لِخُرُوجِهِ مِنْ أَنْ يَكُونَ خَصمًا،

کیونکہ حق متعلق ہے مبیع کے ساتھ، پس اگر سپرد کردی بائع نے مبیع تو صحیح نہیں ہے اشہاد اس پر؛ بوجہ اس کے نکل جانے کے مقصم ہونے سے

إِذْ لَا يَدَ لَهُ وَلَا مِلْكَ فَصَارَ كَالْأَجْنَبِيِّ . {۲}وَصُورَةُ هَذَا الطَّلَبِ أَنْ يَقُولَ : إِنَّ فُلَانًا

اس لیے کہ نہ قبضہ حاصل ہے اس کو اور نہ ملک، پس ہو گیا اجنبی کی طرح، اور صورت اس طلب کی یہ ہے کہ کہے: کہ فلاں شخص نے

اشْتَرَى هَذِهِ الدَّارَ وَأَنَا شَفِيعُهَا وَقَدْ كُنْتُ طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ وَأَطْلُبُهَا الْآنَ فَاشْهَدُوا عَلَى ذَلِكَ.

خرید لیا ہے یہ مکان اور میں شفیع ہوں اس کا، اور میں طلب کر چکا ہوں شفعہ کو، اور طلب کر رہا ہوں اسے اب پس تم گواہ رہو اس پر،

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَبِيعِ وَتَحْدِيدُهُ ؛ لِأَنَّ الْمُطَالَبَةَ لَا تَصِحُّ إِلَّا فِي مَعْلُومٍ .{۳}وَالثَّالِثُ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ شرط ہے مبیع کا نام ہے لینا اور اس کی تحدید؛ کیونکہ مطالبہ صحیح نہیں ہے مگر معلوم میں، اور ثالث

طَلَبُ الْخُصُومَةِ وَالتَّمَلُّكِ ، وَسَنَذْكُرُ كَيْفِيَّتَهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . قَالَ : وَلَا تَسْقُطُ الشُّفْعَةُ

طلبِ خصومت و تملّک ہے، اور ہم ذکر کریں گے اس کی کیفیت بعد میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: اور ساقط نہیں ہوتا ہے شفعہ

بِتَأْخِيرِ هَذَا الطَّلَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ : إِنْ تَرَكَهَا شَهْرًا

اس طلب کی تاخیر سے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسفؒ سے، اور فرمایا امام محمدؒ نے: اگر چھوڑ دیا اس کو ایک ماہ

بَعْدَ الْإِشْهَادِ بَطَلَتْ . وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ ، مَعْنَاهُ : إِذَا تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

اشہاد کے بعد تو باطل ہو جائے گا شفعہ، اور یہی قول ہے امام زفرؒ کا، اس کا معنیٰ ہے جب چھوڑ دے اس کو بلا عذر، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے

أَنَّهُ إِذَا تَرَكَ الْمُخَاصَمَةَ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْقَاضِي تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا مَضَى

کہ اگر شفیع نے ترک کر دی مخاصمت کسی مجلس میں قاضی کی مجلسوں میں سے تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ؛ کیونکہ جب گذر گئی

مَجْلِسٌ مِنْ مَجَالِسِهِ وَلَمْ يُخَاصِمْ فِيهِ اخْتِيَارًا دَلَّ ذَلِكَ عَلَى إِعْرَاضِهِ وَتَسْلِيمِهِ.

کوئی مجلس قاضی کی مجلسوں میں سے اور خصومت نہیں کی اس میں اپنے اختیار سے تو دلالت کرتا ہے یہ اس کے اعراض اور اس کی تسلیم پر

{۴}وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَسْقُطْ بِتَأْخِيرِ الْخُصُومَةِ مِنْهُ أَبَدًا يَتَضَرَّرُ بِهِ الْمُشْتَرِي؛

اور وجہ امام محمدؒ کے قول کی یہ ہے کہ اگر شفعہ ساقط نہ ہو طلبِ خصومت مؤخر کرنے سے کبھی بھی تو ضرر اٹھائے گا اس سے مشتری؛

لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ حِذَارَ نَقْضِهِ مِنْ جِهَةِ الشَّفِيعِ فَقَدَّرْنَاهُ بِشَهْرٍ

کیونکہ ممکن نہیں اس کے لیے تصرف اس کے توڑنے کے خوف سے شفیع کی جانب سے پس ہم نے مقدر کر دیا اس کو ایک ماہ کے ساتھ؛

؛ لِأَنَّهُ آجِلٌ وَمَا دُونَهُ عَاجِلٌ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْأَيْمَانِ .{٥}وَوَجْهُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ

کیونکہ یہ مدت مؤخر ہے اور اس سے کم معجل ہے جیسا کہ گذر چکا کتاب الایمان میں۔اور وجہ امام صاحبؒ کے قول کی یہ ہے اور یہی

ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى أَنَّ الْحَقَّ مَتَى ثَبَتَ وَاسْتَقَرَّ لَا يَسْقُطُ إلَّا بِإِسْقَاطِهِ وَهُوَ التَّصْرِيحُ

ظاہر مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے، کہ حق جب ثابت اور پختہ ہو گیا تو ساقط نہ ہوگا مگر اس کے ساقط کرنے سے اور وہ تصریح کرنا ہے

بِلِسَانِهِ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ ، وَمَا ذُكِرَ مِنَ الضَّرَرِ يَشْكُلُ بِمَا إذَا كَانَ غَائِبًا ، وَلَا فَرْقَ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي

اپنی زبان سے جیسا کہ دیگر حقوق میں ہے،اور جو ذکر کیا گیا ضرر تو یہ مشکل ہو گا جب شفیع غائب ہو،اور کوئی فرق نہیں مشتری کے حق میں

بَيْنَ الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ ،{٦}وَلَوْ عُلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَلَدِ قَاضٍ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ بِالتَّأْخِيرِ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّهُ

حضر وسفر کے درمیان،اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ نہیں ہے شہر میں کوئی قاضی تو باطل نہ ہوگا اس کا شفعہ تاخیر سے بالاتفاق؛کیونکہ

لَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْخُصُومَةِ إلَّا عِنْدَ الْقَاضِي فَكَانَ عُذْرًا .

ممکن نہیں ہے خصومت مگر قاضی کے پاس،پس یہ عذر ہے۔

تشریح:۔{١}چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب شفیع مجلس علم میں طلبِ مواثبت کرلے تو اب مجلس سے کھڑا ہو جائے اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو اب تک مشتری کو سپرد نہ کی ہو تو شفیع اس کے پاس گواہ قائم کردے،یا مشتری کے پاس گواہ بنائے یا مبیع کے پاس گواہ بنائے۔پس جب ان تین موقعوں میں سے کسی ایک پر گواہ بنائے تو شفعہ پختہ ہو گیا۔اور ان تین موقعوں میں سے کسی بھی ایک پر گواہ بنانا صحیح ہے،بائع اور مشتری پر تو اس لیے کہ وہ دونوں اس میں خصم ہیں،بائع تو اس لیے خصم ہو سکتا ہے کہ مبیع پر قبضہ اس کا ہے،اور مشتری اس لیے کہ مبیع پر ملک اسی کی ہے،اور مبیع کے پاس گواہ بنانا اس لیے صحیح ہے کہ شفیع کا حق مبیع کے ساتھ متعلق ہے۔البتہ اگر بائع نے مبیع مشتری کے حوالہ کردی تو اب اس کے پاس گواہ بنانا صحیح نہیں ہے؛کیونکہ وہ اب خصم نہیں رہا اس لیے کہ اب نہ اس کو قبضہ حاصل ہے اور نہ اس کی ملک برقرار ہے پس وہ مبیع سے اجنبی ہو گیا اس لیے اب اس کے پاس گواہ بنانا صحیح نہیں ہے۔

{٢}طلبِ اشہاد کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع گواہوں کے سامنے اس طرح کہے کہ فلاں نے اس گھر کو خرید لیا،اور میں اس کا شفیع ہوں،اور میں اس کا شفعہ طلب کر چکا ہوں اور اب بھی طلب کر رہا ہوں،تم اس پر گواہ رہو۔اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مبیع کا نام لینا اور اس کے حدود بیان کرنا بھی ضروری ہے؛کیونکہ مطالبہ صحیح نہیں ہے مگر معلوم کا اور مبیع نام لینے اور حدود ذکر کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔

{۳}طلب کی تیسری قسم طلبِ خصومت ہے جس کو طلبِ تملک بھی کہتے ہیں، یہ طلب قاضی کے سامنے ہوتی ہے
۔صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس کی کیفیت اسی باب میں آگے ہم ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔اس تیسری طلب میں تاخیر کرنے سے امام ابو حنیفہ" کے نزدیک شفعہ ساقط نہیں ہوتا ہے یہی ایک روایت امام ابو یوسف" سے بھی مروی ہے۔اور امام محمد" فرماتے ہیں کہ اگر شفیع نے طلبِ اشہاد کے بعد اس طلب کو ایک ماہ تک چھوڑا تو شفعہ باطل ہو جائے گا، یہی امام زفر" کا قول ہے۔صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بلا عذر ایک ماہ تک چھوڑ دی ہو تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔اور امام ابو یوسف" سے دوسری روایت یہ مروی ہے کہ جب قاضی کی کسی بھی مجلس میں خصومت چھوڑ دی مثلاً شفیع کو معلوم ہے کہ فلاں قاضی اپنی کچہری میں بیٹھتا ہے اور اس کو کوئی عذر بھی نہیں پھر بھی اس نے طلبِ خصومت چھوڑ دی تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ جب قاضی کی مجلسوں میں سے کوئی مجلس گذر گئی اور شفیع نے اپنے اختیار سے اس میں خصومت نہ کی تو یہ دلالت کرتا ہے اس کے اعراض کرنے اور شفعہ چھوڑنے پر اس لیے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

{۴}اور امام محمد" کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر شفیع کی خصومت میں تاخیر کرنے سے کبھی بھی اس کا حق شفعہ باطل نہ ہو تو اس سے مشتری ضرر اٹھائے گا؛ کیونکہ اس کے لیے مبیع میں تصرف کرنا ممکن نہ ہو گا اس لیے کہ اس کو ہر وقت یہ خوف رہے گا کہ کسی بھی وقت شفیع شفعہ کا دعویٰ کر کے میرے تصرف کو توڑ دے گا، اور مشتری کے اس ضرر سے بچنا ضروری ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ شفیع کو خاص میعاد تک حق شفعہ دیا جائے، پس ہم نے ایک ماہ کی میعاد مقرر کر دی کہ ایک ماہ کے بعد شفیع کو حقِ شفعہ نہ ہو گا؛ کیونکہ ایک ماہ کی میعاد مدتِ دراز ہے اور ایک ماہ سے کم فی الحال شمار ہے جیسا کہ "کتاب الأیمان" گذر چکا کہ ایک ماہ کی مدت قریب شمار ہوتی ہے اور اس سے زیادہ بعید شمار ہوتی ہے۔

{۵}اور امام ابو حنیفہ" کا قول ظاہر الروایت اور مفتی بہ قول ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی حق جب ثابت ہو اور پختہ ہو جائے تو وہ ساقط نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اس کو صاحبِ حق ساقط نہ کر دے اور وہ بھی تب کہ صاحبِ حق اسے ساقط کرنے کی زبان سے تصریح کر دے جیسا کہ دیگر حقوق میں یہی ہوتا ہے کہ صاحبِ حق کے صراحۃً ساقط کرنے سے ساقط ہو جاتے ہیں اسی طرح حق شفعہ بھی طلبِ اشہاد سے متقرر ہونے کے بعد شفیع کے صراحۃً ساقط کرنے کے بغیر ساقط نہ ہو گا۔

باقی امام محمد" نے جو کہا تھا کہ ایک ماہ سے زیادہ تاخیر سے مشتری ضرر اٹھائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر تو یہ اشکال پیش کیا جائے گا کہ اگر شفیع غائب ہو تو اس کو تو ایک ماہ سے زیادہ کی بھی مہلت دی جاتی ہے حالانکہ اس صورت میں بھی

ضرر موجود ہے تو سفر کی صورت کی طرح حضر کی صورت میں بھی یہ ضرر برداشت کرنا چاہیے؛ کیونکہ مشتری کے حق میں لزوم ضرر کے اعتبار سے سفر اور حضر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فتوی:۔ امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَقِيلَ يُفْتَى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ) قَائِلُهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَقَاضِي خَانْ فِي فَتَاوَاهُ وَشَرْحِهِ عَلَى الْجَامِعِ، وَمَشَى عَلَيْهِ فِي الْوِقَايَةِ وَالنُّقَايَةِ وَالذَّخِيرَةِ وَالْمُغْنِي. وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْبُرْهَانِ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا يُفْتَى بِهِ. قَالَ: يَعْنِي أَنَّهُ أَصَحُّ مِنْ تَصْحِيحِ الْهِدَايَةِ وَالْكَافِي، وَتَمَامُهُ فِيهَا، وَعَزَاهُ الْقُهُسْتَانِيُّ إلَى الْمَشَاهِيرِ كَالْمُحِيطِ وَالْخُلَاصَةِ وَالْمُضْمَرَاتِ وَغَيْرِهَا. ثُمَّ قَالَ: فَقَدْ أَشْكَلَ مَا فِي الْهِدَايَةِ وَالْكَافِي (ردّ المحتار: 5ص159)

{٦} اور اگر عذر کی وجہ سے تاخیر ہو تو بالاتفاق شفعہ ساقط نہ ہوگا مثلاً معلوم ہوا کہ شہر میں قاضی موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تاخیر ہو گئی تو اس تاخیر سے بالاتفاق شفعہ ساقط نہ ہوگا؛ کیونکہ شفیع کے لیے خصومت ممکن نہیں ہے مگر قاضی کے پاس، اور قاضی موجود نہیں ہے تو یہ عذر ہے۔

{١} قَالَ: وَإِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيعُ إِلَى الْقَاضِي فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، فَإِنِ اعْتَرَفَ

فرمایا: اور جب آیا شفیع قاضی کے پاس پس دعوی کیا خرید کا اور طلب کیا شفعہ کو، تو دریافت کرے قاضی مدعی علیہ سے، پس اگر اس نے اعتراف کیا

بِمِلْكِهِ الَّذِي يَشْفَعُ بِهِ وَإِلَّا كَلَّفَهُ بِإِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ لِأَنَّ الْيَدَ ظَاهِرٌ

اس کی اس ملک کا جس کی وجہ سے وہ شفعہ طلب کر رہا ہے، ورنہ قاضی مکلف بنائے شفیع کو اقامتِ بیّنہ کا؛ کیونکہ قبضہ ایک ظاہری چیز ہے

مُحْتَمَلٌ فَلَا تَكْفِي لِإِثْبَاتِ الِاسْتِحْقَاقِ. {٢} قَالَ رَحِمَهُ اللهُ: يَسْأَلُ الْقَاضِي الْمُدَّعِيَ قَبْلَ أَنْ يُقْبِلَ

جس میں احتمال ہے، پس کافی نہیں اثباتِ استحقاق کے لیے۔ فرمایا: اور دریافت کرے قاضی مدعی سے پہلے اس سے کہ متوجہ ہو جائے

عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَنْ مَوْضِعِ الدَّارِ وَحُدُودِهَا؛ لِأَنَّهُ ادَّعَى حَقًّا فِيهَا فَصَارَ

مدعی علیہ کی طرف، گھر کے جائے وقوع اور اس کے حدود کے بارے میں؛ کیونکہ اس نے دعوی کیا ہے ایک حق کا گھر میں پس ہو گیا

كَمَا إذَا ادَّعَى رَقَبَتَهَا، {٣} وَإِذَا بَيَّنَ ذَلِكَ يَسْأَلُهُ عَنْ سَبَبِ شُفْعَتِهِ لِاخْتِلَافِ أَسْبَابِهَا،

جیسا کہ جب وہ دعوی کرے گھر کے رقبہ کا، اور جب وہ بیان کرے اس کو تو پوچھ لے اس سے اس کا سببِ شفعہ؛ کیونکہ اسبابِ شفعہ مختلف ہیں

فَإِنْ قَالَ: أَنَا شَفِيعُهَا بِدَارٍ لِي تُلَاصِقُهَا الْآنَ تَمَّ دَعْوَاهُ

پس اگر اس نے کہا کہ میں شفیع ہوں اس گھر کا اپنے اس گھر کی وجہ سے جو ملا ہوا ہے اس کے ساتھ، تو اس وقت تام ہوا اس کا دعوی

عَلَى مَا قَالَهُ الْخَصَّافُ. وَذُكِرَ فِي الْفَتَاوَى تَحْدِيدَ هَذِهِ الدَّارِ الَّتِي يَشْفَعُ بِهَا أَيْضًا،

جیسا کہ کہا ہے خصاف رحمہ اللہ تعالیٰ نے، اور ذکر کی گئی ہے فتاویٰ میں اس گھر کی تحدید بھی جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے،

وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الْكِتَابِ الْمَوْسُومِ بِالتَّجْنِيسِ وَالْمَزِيدِ .﴿۴﴾قَالَ : فَإِنْ عَجَزَ عَنِ الْبَيِّنَةِ

اور ہم بیان کر چکے ہیں اس کو اپنی کتاب میں جو موسوم ہے "التجنیس والمزید" کے ساتھ۔ فرمایا: پس اگر شفیع عاجز ہوا بینہ پیش کرنے سے

اسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِيَ بِاللهِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهُ مَالِكٌ لِلَّذِي ذَكَرَهُ مِمَّا يَشْفَعُ بِهِ

تو قسم لے قاضی مشتری سے کہ "واللہ مجھے معلوم نہیں کہ شفیع مالک ہے اس کا جو اس نے ذکر کیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے"

مَعْنَاهُ بِطَلَبِ الشَّفِيعِ ؛ لِأَنَّهُ ادَّعَى عَلَيْهِ مَعْنًى لَوْ أَقَرَّ بِهِ لَزِمَهُ،

اس کا معنی ہے کہ شفیع کے مطالبہ کے بعد؛ کیونکہ شفیع نے دعویٰ کیا ہے اس پر ایسی چیز کا کہ اگر وہ اقرار کرے اس کا تو لازم ہو جائے گی اس پر

﴿۵﴾ثُمَّ هُوَ اسْتِحْلَافٌ عَلَى مَا فِي يَدِهِ فَيُحَلَّفُ عَلَى الْعِلْمِ﴿٦﴾ فَإِنْ نَكَلَ أَوْ قَامَتْ

پھر یہ قسم لینا ہے ایسی چیز پر جو مشتری کے غیر کے قبضہ میں ہے پس قسم لی جائے گی علم پر۔ پھر اگر مشتری نے انکار کیا یا قائم ہو گیا

لِلشَّفِيعِ بَيِّنَةٌ ثَبَتَ مِلْكُهُ فِي الدَّارِ الَّتِي يَشْفَعُ بِهَا وَثَبَتَ الْجِوَارُ

شفیع کے حق میں بینہ تو ثابت ہو جائے گی اس کی ملک اس گھر میں جس کی وجہ سے وہ ملک کا دعویٰ کر رہا ہے اور ثابت ہو جائے گا جوار،

فَبَعْدَ ذَلِكَ سَأَلَهُ الْقَاضِي يَعْنِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ هَلِ ابْتَاعَ أَمْ لَا ، فَإِنْ أَنْكَرَ الِابْتِيَاعَ قِيلَ

پس اس کے بعد پوچھے اس سے قاضی یعنی مدعیٰ علیہ سے کہ اس نے گھر خریدا ہے یا نہیں، پس اگر اس نے انکار کیا خرید کا تو کہا جائے گا

لِلشَّفِيعِ أَقِمِ الْبَيِّنَةَ ؛ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ لَا تَجِبُ إِلَّا بَعْدَ ثُبُوتِ الْبَيْعِ وَثُبُوتُهُ بِالْحُجَّةِ .﴿۷﴾قَالَ : فَإِنْ عَجَزَ

شفیع سے کہ پیش کر دو بینہ؛ کیونکہ شفعہ واجب نہیں ہوتا ہے مگر ثبوت بیع کے بعد اور بیع کا ثبوت حجت سے ہوتا ہے۔ فرمایا: پس اگر عاجز ہوا

عَنْهَا اسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِيَ بِاللهِ مَا ابْتَاعَ أَوْ بِاللهِ مَا اسْتَحَقَّ عَلَيْهِ فِي هَذِهِ الدَّارِ شُفْعَةً

بینہ پیش کرنے سے تو قسم لے مشتری سے کہ "واللہ اس نے نہیں خریدا ہے یا واللہ واجب نہیں ہوا ہے اس پر اس گھر میں اس کا شفعہ

مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرَهُ فَهَذَا عَلَى الْحَاصِلِ ، وَالْأَوَّلُ عَلَى السَّبَبِ وَقَدِ اسْتَوْفَيْنَا الْكَلَامَ فِيهِ فِي الدَّعْوَى،

اس طریقہ پر جس کا ذکر گذر چکا" پس یہ قسم حاصل پر ہے اور اول سبب پر تھی، اور ہم پورا کلام کر چکے اس بارے میں کتاب الدعویٰ میں

وَذَكَرْنَا الِاخْتِلَافَ بِتَوْفِيقِ اللهِ، وَإِنَّمَا يَحْلِفُهُ عَلَى الْبَتَاتِ؛ لِأَنَّهُ اسْتِحْلَافٌ فِعْلِ نَفْسِهِ وَعَلَى مَا فِي يَدِهِ

اور ذکر کر چکے اختلاف اللہ کی توفیق سے، اور قسم لے گا اس سے قطعی؛ کیونکہ یہ قسم لینا ہے اس کے فعل پر اور اس چیز پر جو اس کے قبضہ میں ہے

أَصَالَةً وَفِي مِثْلِهِ يُحَلِّفُ عَلَى الْبَتَاتِ ﴿٨﴾ قَالَ: وَتَجُوزُ الْمُنَازَعَةُ فِي الشُّفْعَةِ وَإِنْ لَمْ يُحْضِرِ الشَّفِيعُ الثَّمَنَ إِلَى مَجْلِسِ الْقَاضِي

اصالۃً، اور اس جیسے میں قسم لی جاتی ہے قطعیت پر۔ فرمایا: اور جائز ہے منازعہ شفعہ میں اگرچہ حاضر نہ کرے شفیع ثمن کو مجلس قاضی میں

فَإِذَا قَضَى الْقَاضِي بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهُ إِحْضَارُ الثَّمَنِ وَهَذَا ظَاهِرُ رِوَايَةِ الْأَصْلِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ

پھر جب فیصلہ کرے قاضی شفعہ کا تو لازم ہوگا اس پر ثمن حاضر کرنا، اور یہ مبسوط کی ظاہر الروایت ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ

لَا يَقْضِي حَتَّى يُحْضِرَ الشَّفِيعُ الثَّمَنَ، وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّ الشَّفِيعَ عَسَاهُ يَكُونُ مُفْلِسًا

فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ حاضر کردے شفیع ثمن کو اور یہی روایت ہے حسنؒ کی امام صاحبؒ سے؛ کیونکہ شفیع ممکن ہے کہ مفلس ہو

فَيَتَوَقَّفُ الْقَضَاءُ عَلَى إِحْضَارِهِ حَتَّى لَا يَتْوِيَ مَالُ الْمُشْتَرِي. وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ لَا ثَمَنَ لَهُ

پس موقوف ہوگا فیصلہ ثمن حاضر کرنے پر تاکہ ہلاک نہ ہو مشتری کا مال، ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ثمن نہیں مشتری کے لیے

عَلَيْهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ تَسْلِيمُهُ، فَكَذَا لَا يُشْتَرَطُ إِحْضَارُهُ

شفیع پر فیصلہ سے پہلے، اور یہی وجہ ہے کہ شرط نہیں ہے ثمن کی سپردگی، پس اسی طرح شرط نہیں لگائی جائے گی ثمن حاضر کرنے کی۔

﴿٩﴾ وَإِذَا قَضَى لَهُ بِالدَّارِ فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يَحْبِسَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ وَيَنْفُذُ الْقَضَاءُ

اور جب فیصلہ کردیا گیا شفیع کے لیے گھر کا تو مشتری کو اختیار ہے کہ روک دے گھر کو یہاں تک کہ وصول کرلے ثمن کو، اور نافذ ہوگا فیصلہ

عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا؛ لِأَنَّهُ فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيهِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الثَّمَنُ فَيُحْبَسُ فِيهِ ﴿١٠﴾ فَلَوْ

امام محمدؒ کے نزدیک بھی؛ کیونکہ یہ فیصلہ مختلف فیہ ہے، اور واجب ہے اس پر ثمن، پس روک لی جائے گی مبیع ثمن کے سلسلے میں، پس اگر

أَخَّرَ أَدَاءَ الثَّمَنِ بَعْدَمَا قَالَ لَهُ ادْفَعِ الثَّمَنَ إِلَيْهِ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ؛ لِأَنَّهَا تَأَكَّدَتْ بِالْخُصُومَةِ عِنْدَ الْقَاضِي.

مؤخر کردی ثمن کی ادائیگی بعد اس کے کہ کہا شفیع کو کہ دیدو ثمن مشتری کو تو باطل نہ ہوگا شفعہ؛ کیونکہ شفعہ مضبوط ہوگیا خصومت سے قاضی کے پاس

تشریح:۔﴿١﴾ جب شفیع قاضی کی عدالت میں پہنچ کر مشتری کی خرید کا دعوی کردے اور اپنا شفعہ طلب کرے، تو قاضی مدعاعلیہ (مشتری) سے تحقیق کرے کہ آیا واقعی وہاں شفیع کی مملوکہ زمین ہے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا دعوی کر رہا ہے؟ تو اگر مشتری نے شفیع کی اس زمین کا اعتراف کیا، تو بہت بہتر، ورنہ قاضی شفیع کو مکلف بنائے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کردو۔ سوال یہ ہے کہ کیا مشفوعہ زمین پر شفیع کا قبضہ اس کی ملکیت کے کافی نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ قبضہ میں تو احتمال ہے کہ اجارہ کا قبضہ ہو یا عاریت کا قبضہ ہو، اس لیے مشفوعہ زمین کے استحقاق کے لیے شفیع کا مشفوع بہ زمین پر فقط قبضہ کافی نہیں ہے۔

﴿۲﴾صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب شفیع قاضی کے پاس آئے تو قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے شفیع کی مِلک کے بارے میں پوچھنے سے پہلے مدعی (شفیع) کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اس سے دریافت کرے کہ جس مکان کا تم دعوی کر رہے ہو وہ کہاں ہے کس شہر اور محلہ میں ہے اور اس کی حدودِ اربعہ بتادو؛ یہ اس لیے کہ شفیع نے مشفوعہ مکان میں اپنے حق کا دعوی کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی شئ میں اپنے حق کا دعوی کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس شئ کا نام اور اس کی حدود بتائے، پس یہ ایسا ہے جیسے عین اس شئ (دار) کا دعوی کرے جس میں مدعی پر شئ (دار) کا نام اور حدود بیان کرنا لازم ہے۔

﴿۳﴾اور جب شفیع مکان کی جگہ اور حدود بیان کرے پھر شفعہ کے سبب کے بارے میں اس سے سوال کرے کہ تو کس وجہ سے اس مکان میں شفعہ کا دعویدار ہے؛ یہ اس لیے کہ شفعہ کے اسباب مختلف ہیں یعنی رقبہ میں شریک ہونا، حقوق میں شریک ہونا اور پڑوس ہونا، اور قاعدہ ہے کہ اختلافِ اسباب قاضی کی قضاء کے لیے مانع ہوتا ہے اس لیے سبب کے بارے میں دریافت کرنا ضروری ہے۔ پس اگر شفیع نے کہا کہ میں اپنے اس مکان کی وجہ سے شفیع ہوں جو فی الحال اس کے ساتھ متصل ہے، تو شفیع کا دعوی تام ہو جائے گا جیسا کہ امام خصافؒ نے فرمایا ہے۔ جبکہ فتاویٰ میں مذکور ہے کہ اس مکان کی بھی حدود بیان کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے شفیع شفع کا دعوی کر رہا ہے، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے جو "التجنیس والمزید" کے ساتھ موسوم ہے۔

﴿۴﴾اگر قاضی نے شفیع سے اس کی ملک پر بینہ طلب کیا مگر وہ بینہ پیش کرنے سے عاجز ہوا، تو قاضی مشتری سے قسم لے کہ "واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ شفیع اس مکان کا مالک ہے جس کو اس نے ذکر کیا ہے اور جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا دعوی کر رہا ہے"۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری سے قسم اس وقت لی جائے گی جب شفیع اس کا مطالبہ کرے؛ کیونکہ شفیع نے مشتری پر ایسی چیز کا دعوی کیا ہے کہ اگر وہ اس کا اقرار کرے تو اس پر لازم ہو جائے گی، اور اس طرح کی صورت میں انکار کرنے سے منکر پر قسم آتی ہے اس لیے مشتری سے قسم لی جائے گی۔

﴿۵﴾بندہ اپنے فعل وغیرہ پر قطعی قسم کھاتا ہے کہ "واللہ میں نے یہ کام نہیں کیا ہے"، اس کو یمین علی البتات کہتے ہیں، اور غیر کے فعل وغیرہ پر یمین علی البتات نہیں کھاتا ہے بلکہ یمین علی العلم کھائے گا کہ "میرے علم میں یہ ہے باقی حقیقتِ حال اللہ جانے"، چونکہ یہاں مشتری غیر کی مِلک پر قسم کھاتا ہے اس لیے یمین علی العلم کھائے گا نہ کہ یمین علی البتات۔

﴿٦﴾ پھر اگر مشتری نے قسم کھانے سے انکار کیا، یا شفیع کے لیے بیّنہ قائم ہو گئے تو مشفوع بہ مکان میں شفیع کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اس کا مشفوعہ مکان کا پڑوس ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس کے بعد اب قاضی مدعی علیہ سے سوال کرے کہ تو نے واقعی مشفوعہ مکان خریدا ہے یا نہیں؟ تو اگر اس نے مشفوعہ مکان خریدنے سے انکار کیا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ تو اس کی خرید پر گواہ قائم کر دو؛ کیونکہ مذکورہ مکان میں شفیع کے لیے شفعہ اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اس کی بیع ثابت نہ ہو گا، اور بیع حجت سے ثابت ہوتی ہے اس لیے پہلے بیع ثابت کرنا ضروری ہے جو مشتری کے اقرار یا شفیع کے بیّنہ سے ثابت ہو گی۔

﴿٧﴾ پھر اگر شفیع عاجز ہو گیا مشتری کی خرید پر بیّنہ نہ پیش کر سکا تو قاضی مشتری سے قسم لے: کہ واللہ میں نے یہ مکان نہیں خریدا ہے، یا واللہ شفیع کا مجھ پر اس مکان میں شفعہ کا اس راہ سے استحقاق نہیں ہے جو راہ اس نے ذکر کی ہے۔ یہاں امام قدوریؒ نے قسم کے دو جملے ذکر کیے ہیں، ایک میں خرید کی نفی ہے کہ میں نے خریدا نہیں ہے، دوسرے میں شفیع کے استحقاق کی نفی ہے کہ شفیع کو مجھ پر حق شفعہ نہیں ہے، اول سبب کی نفی پر قسم ہے جس کو صاحبِ ہدایہؒ نے حلف علی السبب کہا ہے، اور ثانی استحقاق کی نفی پر قسم ہے جس کو حلف علی الحاصل سے تعبیر کیا ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام ہم "کتاب الدعوی" میں کر چکے ہیں، اور وہاں ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کیا ہے کہ طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا حلف علی السبب اور حلف علی الحاصل میں اختلاف ہے۔

اور یہاں چونکہ مشتری سے اس کے اپنے فعل پر قسم لی جا رہی ہے اور اس چیز کے بارے میں قسم لی جا رہی ہے جو اصالۃً اس کے قبضہ میں ہے، غیر کے فعل پر قسم نہیں لی جا رہی ہے اس لیے مشتری سے یمین علی البتات لی جائے گی۔

﴿٨﴾ شفیع کے لیے شفعہ میں خصومت درست ہے اگرچہ وہ مشفوعہ زمین کا ثمن قاضی کی مجلس میں پیش نہ کرے، پھر جب قاضی اس کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کرے تو اب اس پر ثمن حاضر کرنا لازم ہو گا۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مبسوط کی ظاہر الروایت یہی ہے، جبکہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ قاضی فیصلہ نہ کرے جب تک کہ شفیع ثمن حاضر نہ کر دے، اور امام ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیادؒ کی روایت بھی یہی ہے کہ شفیع پر ثمن عدالت میں پیش کرنا ضروری ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شفیع مفلس ہو تو اگر قضاء کے لیے ثمن کے حاضر کرنے کو شرط قرار دیں تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ مشتری کا مال ہلاک نہ ہو گا؛ ورنہ اگر ثمن حاضر کرنا شرط نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ فیصلہ شفیع کے حق میں ہو جائے اور وہ ایسا مفلس ہو کہ ثمن ادا نہ کر سکتا ہو جس کو صاحبِ ہدایہؒ نے ہلاکت سے تعبیر کیا ہے۔

ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کی قضاء سے پہلے مشتری کے لیے شفیع پر کوئی ثمن واجب نہیں ہے اور جب ثمن واجب نہیں تو اس کی سپردگی بھی واجب نہ ہوگی، لہذا ثمن کو حاضر کرنا بھی شرط نہ ہوگا، یہی راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَإِنْ لَمْ يُحْضِرْ الثَّمَنَ) إنْ وَصْلِيَّةٌ: أَيْ لَمْ يُحْضِرْهُ إلَى مَجْلِسِ الْقَاضِي، لِأَنَّ الثَّمَنَ لَا يَجِبُ قَبْلَ الْقَضَاءِ. قَالَ فِي الْهِدَايَةِ: وَهَذَا ظَاهِرُ رِوَايَةِ الْأَصْلِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ لَا يَقْضِي حَتَّى يُحْضِرَهُ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، لِأَنَّ الشَّفِيعَ عَسَاهُ يَكُونُ مُفْلِسًا(ردّ المحتار:5ص161)

{۹}پھر اگر شفیع کے حق میں دار کا فیصلہ ہو گیا تو مشتری کو یہ حق ہوگا کہ جب تک کہ شفیع ثمن کو ادا نہیں کرے گا اس وقت تک دار کو اپنے قبضے میں روکے رکھے شفیع کو سپرد نہ کرے۔امام محمدؒ کے نزدیک اگرچہ ثمن حاضر کرنا ضروری ہے، لیکن جب قاضی نے احضارِ ثمن کے بغیر شفیع کے حق میں فیصلہ کر لیا تو یہ فیصلہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی نافذ ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مختلف فیہ مسئلہ میں جب قاضی کا فیصلہ ایک جانب کے حق میں ہو جائے تو یہ اختلاف کو دور کر دیتا ہے بس اب بلا اختلاف یہی حکم ہوگا، اس لیے مذکورہ صورت میں شفیع پر ثمن واجب ہو جائے گا اور مبیع کو اس کے عوض میں روکنا صحیح ہے۔

{۱۰}اگر قاضی نے شفیع سے کہا کہ مشتری کو ثمن ادا کر دو، پھر بھی شفیع نے اس میں تاخیر کر دی، تو شفعہ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ قاضی کے سامنے خصومت کرنے سے شفعہ مؤکد ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ مؤکد امر تاخیر کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس صورت میں شفعہ باطل نہ ہوگا۔

{۱}قَالَ : وَإِنْ أَحْضَرَ الشَّفِيعُ الْبَائِعَ ، وَالْمَبِيعُ فِي يَدِهِ فَلَهُ أَنْ يُخَاصِمَهُ فِي الشُّفْعَةِ ؛ لِأَنَّ

فرمایا: اور اگر حاضر کر دیا شفیع نے بائع کو اور مبیع اس کے قبضہ میں ہے تو شفیع کو حق ہے کہ اس کے ساتھ مخاصمت کرے شفعہ میں؛ کیونکہ

الْيَدَ لَهُ وَهِيَ يَدٌ مُسْتَحَقَّةٌ ، وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي فَيَفْسَخَ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنْهُ

قبضہ بائع کا ہے اور یہ معتبر قبضہ ہے، اور نہیں سنے گا قاضی بینہ یہاں تک کہ حاضر ہو جائے مشتری، پس فسخ کر دے بیع کو مشتری کی موجودگی میں

وَيَقْضِيَ بِالشُّفْعَةِ عَلَى الْبَائِعِ وَيُجْعَلَ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ لِلْمُشْتَرِي وَالْيَدَ لِلْبَائِعِ ، وَالْقَاضِي يَقْضِي

اور فیصلہ کرے گا شفعہ کا بائع پر، اور قرار دی جائے گی ذمہ داری اس پر؛ کیونکہ ملک مشتری کی ہے، اور قبضہ بائع کا ہے اور قاضی فیصلہ کرتا ہے

بِهِمَا لِلشَّفِيعِ فَلَا بُدَّ مِنْ حُضُورِهِمَا ،﴿۲﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتِ الدَّارُ قَدْ قُبِضَتْ حَيْثُ لَا يُعْتَبَرُ

ان دونوں چیزوں کا شفیع کے لیے پس ضروری ہے دونوں کی موجودگی۔ بر خلاف اس کے اگر مکان پر قبضہ کیا گیا ہو تو اعتبار نہ ہوگا

حُضُورُ الْبَائِعِ لِأَنَّهُ صَارَ أَجْنَبِيًّا إِذْ لَا يَبْقَى لَهُ يَدٌ وَلَا مِلْكٌ .وَقَوْلُهُ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ

بائع کے حاضر ہونے کا؛ کیونکہ ہو گیا وہ اجنبی، اس لیے کہ نہیں باقی رہا اس کا قبضہ اور نہ اس کی ملک۔ اور ماتن کا قول: کہ فسخ کردے بیع کو

بِمَشْهَدٍ مِنْهُ إِشَارَةٌ إِلَى عِلَّةٍ أُخْرَى وَهِيَ أَنَّ الْبَيْعَ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي إِذَا كَانَ يَنْفَسِخُ لَا بُدَّ مِنْ حُضُورِهِ

مشتری کی موجودگی میں، اشارہ ہے دوسری علت کی طرف، اور وہ یہ کہ بیع مشتری کے حق میں جب فسخ ہو رہی ہے تو ضروری ہے اس کی موجودگی

لِيُقْضَى بِالْفَسْخِ عَلَيْهِ﴿۳﴾ثُمَّ وَجْهُ هَذَا الْفَسْخِ الْمَذْكُورِ أَنْ يَنْفَسِخَ فِي حَقِّ الْإِضَافَةِ لِامْتِنَاعِ قَبْضِ الْمُشْتَرِي

تاکہ فیصلہ کیا جاسکے اس پر فسخ کا، پھر اس مذکور فسخ کی وجہ یہ ہے کہ بیع فسخ ہو جائے اضافت کے حق میں بوجہ ممتنع ہونے مشتری کے قبضہ کے

بِالْأَخْذِ بِالشُّفْعَةِ وَهُوَ يُوجِبُ الْفَسْخَ ، إِلَّا أَنَّهُ يَبْقَى أَصْلُ الْبَيْعِ لِتَعَذُّرِ انْفِسَاخِهِ ؛ لِأَنَّ

شفعہ میں لیے جانے کی بنیاد پر، اور امتناع واجب کرتا ہے فسخ کو، البتہ باقی رہے گی اصل بیع؛ بوجہ متعذر ہونے اس کے انفساخ کے؛ کیونکہ

الشُّفْعَةَ بِنَاءٌ عَلَيْهِ ، وَلَكِنَّهُ تَتَحَوَّلُ الصَّفْقَةُ إِلَيْهِ وَيَصِيرُ كَأَنَّهُ هُوَ الْمُشْتَرِي مِنْهُ فَلِهَذَا يَرْجِعُ

شفعہ مبنی ہے اسی پر، لیکن پھر جائے گا معاملہ شفیع کی طرف، اور ہو جائے گا گویا کہ وہی خریدنے والا ہے بائع سے، پس اسی لیے لوٹے گی

بِالْعُهْدَةِ عَلَى الْبَائِعِ ،﴿۴﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا قَبَضَهُ الْمُشْتَرِي فَأَخَذَهُ مِنْ يَدِهِ حَيْثُ تَكُونُ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ؛

ذمہ داری بائع کی طرف، بر خلاف اس کے اگر قبضہ کردے اس کو مشتری، پس لے لے اس کو مشتری کے قبضہ سے کہ ہوگی ذمہ داری مشتری پر

لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالْقَبْضِ .وَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ امْتَنَعَ قَبْضُ الْمُشْتَرِي وَأَنَّهُ يُوجِبُ الْفَسْخَ ، وَقَدْ طَوَّلْنَا الْكَلَامَ

کیونکہ تام ہو گئی اس کی ملک قبضہ سے، اور پہلی صورت میں ممتنع ہے مشتری کا قبضہ، اور یہی چیز واجب کر رہی تھی فسخ کو، اور ہم نے طویل کلام کیا ہے

فِيهِ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي بِتَوْفِيقِ اللهِ تَعَالَى . ﴿۵﴾قَالَ : وَمَنِ اشْتَرَى دَارًا لِغَيْرِهِ فَهُوَ الْخَصْمُ لِلشَّفِيعِ؛

اس بارے میں کفایۃ المنتہی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ فرمایا: اور جس نے خریدا مکان دوسرے کے لیے تو مشتری خصم ہوگا شفیع کا

لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ ، وَالْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ مِنْ حُقُوقِ الْعَقْدِ فَيَتَوَجَّهُ عَلَيْهِ .قَالَ : إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَهَا

کیونکہ وہی عاقد ہے، اور شفعہ میں لینا حقوقِ عقد میں سے ہے پس یہ حق متوجہ ہوگا مشتری پر۔ فرمایا: مگر یہ کہ مشتری وہ مکان سپرد کردے

إِلَى الْمُوَكِّلِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ يَدٌ وَلَا مِلْكٌ فَيَكُونُ الْخَصْمُ هُوَ الْمُوَكِّلُ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْوَكِيلَ كَالْبَائِعِ

موکل کو؛ کیونکہ باقی نہیں رہا اس کا قبضہ اور نہ ملک، پس ہوگا خصم موکل ہی، اور یہ اس لیے کہ وکیل فروخت کرنے والے کی طرح

مِنَ الْمُوَكِّلِ عَلَى مَا عُرِفَ فَتَسْلِيمُهُ إِلَيْهِ كَتَسْلِيمِ الْبَائِعِ إِلَى الْمُشْتَرِي فَتَصِيرُ الْخُصُومَةُ مَعَهُ،

موکل کے ہاتھ، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، پس سپرد کرنا موکل کو بائع کی سپردگی کی طرح ہے مشتری کو، پس ہوگی خصومت اسی کے ساتھ

﴿٦﴾إِلَّا أَنَّهُ مَعَ ذَلِكَ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوَكِّلِ فَيَكْتَفِي بِحُضُورِهِ فِي الْخُصُومَةِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ ،﴿۷﴾وَكَذَا إِذَا كَانَ

مگر اس کے باوجود وہ قائم مقام ہے موکل کا پس اکتفاء کیا جائے گا اس کی موجودگی پر خصومت میں سپردگی سے پہلے، اور اسی طرح اگر ہو

الْبَائِعُ وَكِيلَ الْغَائِبِ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَهَا مِنْهُ إِذَا كَانَتْ فِي يَدِهِ ؛ لِأَنَّهُ عَاقِدٌ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْبَائِعُ

بائع وکیل غائب کا تو شفیع کو اختیار ہے کہ لے لے مکان اس سے جب وہ اس کے قبضہ میں ہو؛ کیونکہ وہ عاقد ہے، اور اسی طرح اگر ہو بائع

وَصِيًّا لِمَيِّتٍ فِيمَا يَجُوزُ بَيْعُهُ لِمَا ذَكَرْنَا .﴿۸﴾قَالَ : وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لِلشَّفِيعِ بِالدَّارِ

وصی میت کا اس چیز میں جس کی بیع جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔ فرمایا: اور جب فیصلہ کر دیا جائے شفیع کے لیے مکان کا

وَلَمْ يَكُنْ رَآهَا فَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ ، وَإِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهَا

حالانکہ نہیں دیکھا ہے اس نے مکان کو تو اس کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا، اور اگر پایا اس میں عیب تو اس کو اختیار ہے کہ رد کر دے اس کو،

وَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ ، لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالشُّفْعَةِ بِمَنْزِلَةِ الشِّرَاءِ ، أَلَا يَرَى أَنَّهُ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ

اگرچہ مشتری نے شرط کی ہو براءت کو عیب سے؛ کیونکہ شفعہ میں لینا بمنزلہ خرید کے ہے، کیا نہیں دیکھتا ہے کہ وہ مبادلۃ المال بالمال ہے

فَيَثْبُتُ فِيهِ الْخِيَارَانِ كَمَا فِي الشِّرَاءِ ، وَلَا يَسْقُطُ بِشَرْطِ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْمُشْتَرِي وَلَا بِرُؤْيَتِهِ

پس ثابت ہوگا اس سے دوخیار جیسا کہ شراء میں ہے، اور ساقط نہ ہوگا براءت کی شرط سے مشتری کی جانب سے اور نہ مشتری کی رؤیت سے

؛لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَائِبٍ عَنْهُ فَلَا يَمْلِكُ إسْقَاطَهُ .

؛کیونکہ شفیع نہیں ہے نائب مشتری کا، لہٰذا وہ مالک نہ ہوگا اس کے اسقاط کا۔

تشریح:۔{۱}اگر شفیع نے بائع کو اس حال میں قاضی کی عدالت میں پیش کیا کہ مبیع اب تک بائع ہی کے قبضہ میں ہے تو شفیع بائع کے ساتھ شفعہ کے بارے میں مخاصمت کر سکتا ہے؛ کیونکہ مبیع پر قبضہ اب تک بائع کو حاصل ہے اور یہ قبضہ ملک کے قبضہ کی طرح معتبر قبضہ ہے اس لیے عدالت میں اس کے ساتھ مخاصمت کرنا صحیح ہے۔ البتہ قاضی بائع کے خلاف بیّنہ نہیں سنے گا یہاں تک کہ مشتری بھی حاضر ہو جائے اور مشتری کی موجودگی میں بیع کو فسخ کر دے اور شفعہ کا فیصلہ بائع پر کر دے اور عقد کی ذمہ داری بھی بائع پر ڈال دے، بہر حال عدالت میں بائع اور مشتری دونوں کی موجودگی ضروری ہے؛ کیونکہ ملک مشتری کی ہے اور قبضہ بائع کا ہے، اور قاضی ملک اور قبضہ دونوں کا فیصلہ شفیع کے لیے کرے گا اس لیے بائع اور مشتری دونوں کی موجودگی ضروری ہے۔

{۲}اس کے برخلاف اگر مذکورہ مکان پر مشتری نے قبضہ کر دیا ہو تو چونکہ بائع کا نہ قبضہ ہے اور نہ ملک ہے اس لیے عدالت میں اس کے حاضر ہونے کا اعتبار نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ اب اجنبی ہے نہ اس کے لیے قبضہ باقی ہے اور نہ اس کی ملکیت ہے۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ماتنؒ کے قول "فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنْهُ" سے عدالت میں مشتری کے حاضر ہونے کی دوسری علت کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ قاضی کے فیصلہ سے بیع مشتری کے حق میں فسخ ہوتی ہے تو چونکہ اس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے اس لیے اس کی موجودگی ضروری ہے تاکہ اس پر فسخ کا فیصلہ کیا جا سکے۔

{۳}سوال یہ ہے کہ شفعہ کا مدار تو بیع پر ہے تو مذکورہ صورت میں جب قاضی نے بیع فسخ کر دی تو شفیع کو شفعہ کا حق نہیں ہونا چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ مذکورہ بیع بالکلیہ فسخ نہیں ہوتی ہے بلکہ مشتری کی نسبت سے فسخ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ جب شفیع اس کو بحق شفعہ لینا چاہتا ہے تو مشتری کا قبضہ ممنوع ٹھہرا، اور قبضہ کا امتناع فسخ بیع کو واجب کرتا ہے لہٰذا بیع مشتری کے حق میں فسخ ہوگی، البتہ بائع سے صادر شدہ اصل بیع باقی رہے گی؛ کیونکہ اس کا انفساخ متعذر ہے اس لیے شفعہ اسی بیع پر بنا ہے ورنہ تو امکان شفعہ ہی باطل

ہوجائے گا حالانکہ شفعہ ثابت ہے، البتہ بیع اب مشتری سے شفیع کی طرف پھرے گی گویا شفیع ہی نے بائع سے اس کو خریدا ہے اسی لیے عقد کی ذمہ داری بھی بائع پر عائد کی گئی ہے۔

{۴}اس کے برخلاف اگر مبیع کو مشتری نے قبضہ کیا ہو اور شفیع نے اس کے قبضہ سے لے لی اور عقد کی ذمہ داری مشتری پر عائد ہوگی؛ کیونکہ مبیع پر قبضہ کرنے سے اس کی ملک تام ہوگئی لہٰذا عقد کی ذمہ دار بھی اسی پر ہوگی۔ اور پہلی صورت میں جبکہ مبیع پر قبضہ بائع کا ہو تو مشتری کا قبضہ ممتنع ہو جائے گا اور قبضہ کا امتناع فسخ بیع کو واجب کرتا ہے اس لیے مشتری کے حق میں بیع فسخ ہو جائے گا۔ صاحبِ ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ پر ہم نے اپنی کتاب "كفاية المنتهى" میں طویل کلام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔

{۵}اگر کسی نے دوسرے شخص کے لیے مکان خریدا تو شفیع کا خصم خریدار ہی ہو گا؛ کیونکہ عقدِ بیع خریدار نے کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ حقوقِ عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں، اور بحقِ شفعہ مکان لینا بھی عقد کے حقوق میں سے ہے تو یہ حق مشتری پر متوجہ ہوگا اس لیے شفیع کا خصم مشتری ہی ہو گا۔ البتہ اگر مذکورہ مشتری نے مکان اپنے موکل کو سپرد کیا تو پھر موکل خصم ہو گا خریدار خصم نہیں رہے گا؛ کیونکہ اس صورت میں خریدار کا نہ قبضہ رہا اور نہ ملک اس کی ہے اس لیے خصومت موکل کی طرف متوجہ ہوگی اور موکل ہی خصم ہو گا؛ اور یہ اس لیے کہ وکیل تو ایسا ہے گویا وہ موکل کے ہاتھ فروخت کرنے والا ہے جیسا کہ یہ اپنے موقع پر معلوم ہوا ہے پس وکیل کا موکل کو مبیع سپرد کرنا ایسا ہے جیسے بائع کا سپرد کرنا مشتری کو، تو جس طرح کہ بائع اور مشتری کی صورت میں مبیع مشتری کو سپرد کرنے سے مشتری خصم ہو جاتا ہے اسی طرح جب وکیل موکل کو مبیع سپرد کر دے تو موکل خصم ہو جائے گا۔

{۶}سوال یہ ہے کہ جب وکیل بائع کے درجے میں ہے تو بائع کی صورت میں تو مشتری کا حضور عدالت میں ضروری تھا تو کیا وکیل کے ساتھ موکل کا حضور بھی عدالت میں ضروری ہو گا؟ صاحبِ ہدایہ ؒ نے جواب دیا ہے کہ بائع مشتری کا نائب نہیں تھا جبکہ وکیل اپنے موکل کا نائب بھی ہے اور نائب کی موجودگی میں اصل کی موجودگی ضروری نہیں اس لیے خصومت میں وکیل کے موجود ہونے کی صورت میں موکل کی موجودگی ضروری نہیں۔

{۷}اسی طرح اگر غائب مالک کی طرف سے اس کا وکیل بیع کرنے والا ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ شفیع مکان اسی بائع سے لے گا بشرطیکہ مکان اسی بائع کے قبضہ میں ہو؛ کیونکہ اس صورت میں یہی وکیل عاقد ہے اس لیے حقوقِ عقد اسی کی طرف پھریں گے۔ اسی طرح اگر فروخت کرنے والا میت کا وصی ہو بشرطیکہ بیع ایسی زمین میں ہو کہ جس کو فروخت کرنے کا وصی کو اختیار ہو، تو اس صورت

میں بھی شفیع کو اختیار ہوگا کہ مخاصمہ اسی وصی کے ساتھ کرلے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کرچکے کہ عاقد وصی ہی ہے اس لیے حقوقِ عقد اسی کی طرف پھریں گے۔

﴿۸﴾ اگر قاضی نے مکان کا فیصلہ شفیع کے حق میں کردیا، مگر شفیع نے مشفوعہ مکان کو نہ دیکھا ہو تو اب شفیع کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا، اور اگر شفیع نے اس مکان میں کوئی عیب پایا تو وہ اس عیب کی وجہ سے اس مکان کو واپس کرسکتا ہے، اگرچہ مشتری نے یہ شرط کرلی ہو کہ میں اس مکان کے ہر طرح کے عیب سے بری ہوں؛ کیونکہ شفعہ میں مکان لینا خرید کے درجے میں ہے آپ دیکھیں اس میں بھی مال کا مال کے عوض مبادلہ پایا جاتا ہے تو گویا شفیع نے اس مکان کو بائع سے خرید لیا ہے لہذا اس میں شفیع کے لیے خیارِ رؤیت اور خیارِ عیب دونوں ثابت ہوں گے، جیسا کہ عام خرید میں یہ دونوں خیار ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ خیار مشتری کی طرف سے عیب سے براءت کی شرط سے ساقط نہ ہوگا؛ کیونکہ خیارِ رؤیت براءت کی شرط سے ساقط نہیں ہوتا ہے، اور مشتری کی رؤیت سے شفیع کا خیارِ رؤیت بھی ساقط نہ ہوگا؛ کیونکہ مشتری شفیع کا نائب نہیں ہے اس لیے مشتری شفیع کے خیار کو ساقط نہیں کرسکتا ہے۔

فَصْلٌ فِي الِاخْتِلَافِ

یہ فصل شفیع اور مشتری کے اختلاف کے بیان میں ہے۔

مصنف ؒ ثمن میں شفیع اور مشتری کے اتفاق کے مسائل سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے ان مسائل کو بیان فرمائیں گے جن میں شفیع اور مشتری کے درمیان ثمن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، چونکہ اتفاق اصل ہے اس لیے اتفاق والے مسائل کے بیان کو مقدم کیا ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ: وَإِنِ اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّ الشَّفِيعَ يَدَّعِي اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ عَلَيْهِ

فرمایا: اور اگر اختلاف کیا شفیع اور مشتری نے ثمن میں تو قول مشتری کا معتبر ہوگا؛ کیونکہ شفیع دعوی کررہا ہے استحقاقِ دار کا مشتری پر

عِنْدَ نَقْدِ الْأَقَلِّ وَهُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ، ﴿۲﴾ وَلَا يَتَحَالَفَانِ؛ لِأَنَّ

ادائیگی اقل کی صورت میں اور وہ منکر ہے، اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے اس کی قسم کے ساتھ، اور دونوں قسم نہیں کھائیں گے؛ کیونکہ

الشَّفِيعَ إِنْ كَانَ يَدَّعِي عَلَيْهِ اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ فَالْمُشْتَرِي لَا يَدَّعِي عَلَيْهِ شَيْئًا لِتَخَيُّرِهِ بَيْنَ التَّرْكِ

شفیع اگرچہ دعوی کررہا ہے مشتری پر استحقاقِ دار کا لیکن مشتری دعوی نہیں کررہا ہے شفیع پر کسی شئی کا؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے ترک کرنے

وَالْأَخْذِ وَلَا نَصَّ هَاهُنَا ، فَلَا يَتَحَالَفَانِ .﴿۳﴾قَالَ : وَلَوْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ لِلشَّفِيعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور لینے کا، اور کوئی نص نہیں یہاں، پس دونوں قسم نہیں کھائیں گے۔ فرمایا: اور اگر دونوں نے قائم کیا بیّنہ، تو بیّنہ شفیع کا معتبر ہے امام صاحبؒ

وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ إِثْبَاتًا فَصَارَ كَبَيِّنَةِ الْبَائِعِ

اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ بیّنہ مشتری کا معتبر ہے؛ کیونکہ اس کا بیّنہ بڑھا ہوا ہے اثبات میں، پس ہو گیا جیسے بیّنہ بائع

وَالْوَكِيلِ وَالْمُشْتَرِي مِنَ الْعَدُوِّ . ﴿۴﴾وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَنَافِيَ بَيْنَهُمَا فَيُجْعَلُ كَأَنَّ

وکیل اور دشمن سے خریدنے والے کے، اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کوئی منافات نہیں ہے دونوں میں، پس قرار دیا جائے گا کہ گویا

الْمَوْجُودَ بَيْعَانِ ، وَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ بِأَيِّهِمَا شَاءَ﴿۵﴾وَهَذَا بِخِلَافِ الْبَائِعِ مَعَ الْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّهُ

موجود دو بیع ہیں، اور شفیع کو اختیار ہے کہ لے لے دونوں میں سے جو چاہے، اور یہ برخلاف بائع کا مشتری کے ساتھ اختلاف کے؛ کیونکہ

لَا يَتَوَالَى بَيْنَهُمَا عَقْدَانِ إِلَّا بِانْفِسَاخِ الْأَوَّلِ وَهَاهُنَا الْفَسْخُ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ وَهُوَ التَّخْرِيجُ

جاری نہیں ہو سکتے ہیں ان دونوں کے درمیان دو عقد مگر اول کے انفساخ سے، اور یہاں فسخ ظاہر نہ ہو گا شفیع کے حق میں اور یہی تخریج ہے

لِبَيِّنَةِ الْوَكِيلِ ؛ لِأَنَّهُ كَالْبَائِعِ وَالْمُوَكِّلِ كَالْمُشْتَرِي مِنْهُ ،﴿۶﴾كَيْفَ وَأَنَّهَا مَمْنُوعَةٌ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ،

وکیل کے بیّنہ کی، اور وہ بائع کی طرح اور موکل خریدنے والے کی طرح ہے اس سے، کیسا ہو گا حالانکہ یہ ممنوع ہے امام محمدؒ سے مروی روایت کے مطابق

﴿۷﴾وَأَمَّا الْمُشْتَرِي مِنَ الْعَدُوِّ فَقُلْنَا ذُكِرَ فِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّ الْبَيِّنَةَ بَيِّنَةُ الْمَالِكِ الْقَدِيمِ. فَلَنَا أَنْ نَمْنَعَ وَبَعْدَ التَّسْلِيمِ

رہا دشمن سے خریدنے کا مسئلہ، تو ہم کہتے ہیں کہ مذکور ہے سیر کبیر میں کہ بیّنہ مالک قدیم کا معتبر ہے، پس ہم نہیں مانتے ہیں، اور تسلیم کے بعد

نَقُولُ : لَا يَصِحُّ الثَّانِي هُنَالِكَ إِلَّا بِفَسْخِ الْأَوَّلِ ، أَمَّا هَاهُنَا فَبِخِلَافِهِ ؛ ﴿۸﴾وَلِأَنَّ بَيِّنَةَ الشَّفِيعِ مُلْزِمَةٌ

ہم کہتے ہیں: صحیح نہیں ہے ثانی وہاں مگر اول کے فسخ کرنے سے، جبکہ یہاں اس کے برخلاف ہے، اور اس لیے کہ شفیع کا بیّنہ لازم کرنے والا ہے

وَبَيِّنَةَ الْمُشْتَرِي غَيْرُ مُلْزِمَةٍ وَالْبَيِّنَاتُ لِلْإِلْزَامِ .

اور مشتری کا بیّنہ لازم کرنے والا نہیں، اور بیّنات لازم کرنے ہی کے لیے ہیں۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر ثمن کی جنس، مقدار یا وصف میں شفیع اور مشتری نے اختلاف کیا مثلاً شفیع کا دعویٰ ہے کہ اس مکان کو مشتری نے ہزار درہم کے عوض خریدا ہے اور مشتری کہتا ہے کہ میں نے بارہ سو کے عوض خریدا ہے تو مشتری کا قول معتبر ہو گا؛ کیونکہ شفیع

کا دعویٰ ہے کہ دونوں مقداروں (ہزار اور بارہ سو) میں کم کو ادا کرنے سے میں مشتری پر اس دار کا مستحق ہوں گا، اور مشتری اس کے اس استحقاق کا منکر ہے اور بیّنہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے اس لیے مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

{۲} سوال یہ ہے کہ جب بیّنہ نہیں ہے تو دونوں سے قسم لینی چاہیئے فقط مشتری سے کیوں قسم لی جائے گی؟ جواب یہ ہے کہ دونوں سے قسم وہاں لی جاتی ہے جہاں فریقین دونوں منکر ہوں جبکہ یہاں شفیع اگرچہ کم مقدار ادا کرنے پر مشتری پر استحقاق کا دعویدار ہے اور مشتری منکر ہے مگر مشتری شفیع پر کسی شئ کا دعویٰ نہیں کر رہا ہے؛ کیونکہ شفیع کو اختیار ہے کہ وہ اس مکان کو لے یا چھوڑدے اس لیے وہ مدعیٰ علیہ نہیں ہے اور جب مدعیٰ علیہ نہیں تو منکر بھی نہیں ہے، اور یہاں دونوں سے قسم لینے کے بارے میں نص بھی وارد نہیں ہے اس لیے دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی۔

{۳} اور اگر شفیع اور مشتری میں سے ہر ایک نے بیّنہ قائم کیا تو طرفین ؒ کے نزدیک شفیع کا بیّنہ معتبر ہوگا، اور امام ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کا بیّنہ معتبر ہوگا؛ کیونکہ گواہوں کا کام یہ ہے کہ جو چیز ثابت نہ ہو اس کو ثابت کریں، اور یہ بات مشتری کے گواہوں میں پائی جاتی ہے اس لیے کہ وہ زیادہ مقدار کو ثابت کرتے ہیں، پس یہ ایسا ہے جیسے بائع اور مشتری کے درمیان مقدارِ ثمن کے بارے میں اختلاف واقع ہوجائے تو بالاتفاق بائع کے گواہ معتبر ہوں گے؛ کیونکہ بائع کے گواہ زیادہ مقدار کو ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر وکیل اور موکل میں مقدارِ ثمن کے بارے میں اختلاف ہوا وکیل زیادہ بتارہا ہے اور موکل کم کا دعویدار ہے تو وکیل کے گواہ معتبر ہوں گے؛ کیونکہ وکیل کے گواہ زیادہ مقدار کو ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کفار نے دارالاسلام سے کسی مسلمان کا غلام پکڑ کر دارالحرب لے گئے پھر کسی مسلمان تاجر نے وہاں سے خرید کر لایا یہاں اس غلام کے سابقہ مالک کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ ثمنِ خرید ادا کرکے مسلمان تاجر سے اس غلام کو لے لے، مگر ہوا یہ کہ مشتری اور مالک نے مقدارِ ثمن میں اختلاف کیا مشتری زیادہ مقدار بتارہا ہے اور مالک کم مقدار کا دعویدار ہے تو یہاں دشمن سے خریدنے والے مشتری کے گواہ معتبر ہوں گے؛ کیونکہ اس کے گواہ زیادہ مقدار کو ثابت کرتے ہیں، پس مذکورہ صورت میں بھی مشتری کے گواہ معتبر ہوں گے؛ کیونکہ وہ زیادہ مقدار کو ثابت کرتے ہیں۔

{۴} طرفین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں شفیع کے حق میں ان دونوں قسم کے گواہوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے؛ کیونکہ تطبیق ممکن ہے یوں کہ شروع میں بائع اور مشتری میں معاملہ بارہ سو میں طے ہوا ہو پھر بائع نے دو سو کم کرکے دونوں کے درمیان ایک ہزار کے عوض عقد ہوا ہو تو جب یہاں دو بیع مانی جاسکتی ہیں اور شفیع کو اختیار ہے کہ جو صورت اس کے لیے نفع بخش ہو اسی کو اختیار کرے اس لیے شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے۔

{۵}باقی بائع اور مشتری کا حکم اس کے بر خلاف ہے؛کیونکہ بائع اور مشتری کے درمیان دوپے درپے بیع نہیں ہو سکتی ہیں مگر یہ کہ اول کو فسخ کر دیا جائے اس لیے ان کے درمیان دو بیع نہیں مانی جاسکتی ہیں، جبکہ شفعہ کی صورت میں دو بیع اس طرح مانی جاسکتی ہیں کہ پہلی بیع کو بائع اور مشتری کے درمیان فسخ کر دیا جائے مگر یہ فسخ شفیع کے حق میں ظاہر نہ ہو، اس لیے دونوں صورت میں فرق ہے لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔اور یہی تفصیل وکیل اور موکل کے اختلاف کی صورت میں بھی ہے؛کیونکہ وکیل بائع کے درجے میں ہے اور موکل وکیل سے خریدنے والے کے درجے میں ہے یعنی جس طرح کہ بائع اور مشتری کے اختلاف میں تطبیق ممکن نہیں ہے لہذا پہلی بیع کو فسخ کیا جائے گا دونوں بیع موجود نہیں مانی جاسکتی ہیں اسی طرح وکیل اور موکل کے اختلاف میں بھی تطبیق ممکن نہیں ہے، لہذا دونوں بیع موجود نہیں مانی جاسکتی ہیں، اس لیے اس پر شفیع اور مشتری کی صورت کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{۶}اوپر جو تقریر ہم نے کی یہ ظاہر الروایت کے مطابق ہے جس میں وکیل کے بیّنہ کا اعتبار کیا گیا ہے، ورنہ ابن سماعہؒ نے امام محمدؒ سے روایت نقل کی ہے کہ وکیل اور موکل کے اختلاف کی صورت میں موکل کا بیّنہ معتبر ہے نہ کہ وکیل کا، لہذا اگر اس روایت کا اعتبار کیا جائے پھر تو امام ابو یوسفؒ کا وکیل والے مسئلہ کو استشہاد میں پیش کرنا ہی درست نہ ہو گا، اسی کو مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ قیاس کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ امام محمدؒ کی روایت کے مطابق یہ ممنوع ہے۔

{۷}اور امام ابو یوسفؒ کا یہ کہنا کہ دشمن سے خریدنے والے مشتری اور قدیم مالک میں اختلاف کی صورت میں مشتری کا بیّنہ معتبر ہے، لہذا شفیع اور مشتری میں اختلاف کی صورت میں مشتری کا بیّنہ معتبر ہونا چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں فرمایا ہے کہ مذکورہ صورت میں مالکِ قدیم کا بیّنہ معتبر ہے لہذا اس مسئلہ کو استشہاد میں پیش کرنا درست نہیں ہے؛کیونکہ استشہاد میں وہی جزئیہ پیش کیا جاتا ہے جو خصم کے نزدیک مسلّم ہو۔اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ مذکورہ صورت میں دشمن سے خریدنے والے مشتری ہی کا بیّنہ معتبر ہے تو پھر ہم جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ اور شفیع والے مسئلہ میں فرق ہے وہ یہ کہ دشمن سے خریدنے والے مسئلہ میں دوسری بیع اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ اول کو فسخ نہ کیا جائے، جبکہ شفیع والا مسئلہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی لہذا ان دو مسئلوں میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{۸}طرفینؒ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بیّنہ کا کام مشہود بہ چیز کو لازم کرنا ہے لہذا جس کے بیّنہ میں الزام کا معنی پایا جائے اسی کا بیّنہ معتبر ہو گا، اور یہاں شفیع کے بیّنہ میں الزام کا معنی پایا جاتا ہے نہ کہ مشتری کے بیّنہ میں؛کیونکہ اگر شفیع نے ہزار کے عوض بیع بیّنہ

سے ثابت کردی تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اسی قیمت پر مبیع شفیع کو سپرد کردے، اور اگر مشتری نے بارہ سو کے عوض بیع بینہ سے ثابت کردی تو شفیع پر کچھ لازم نہ ہوگا بلکہ وہ اگر چاہے تو مبیع بارہ سو میں لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے، مشتری اس پر کچھ لازم نہیں کر سکتا ہے، اس لیے شفیع کا بینہ معتبر ہوگا۔

فتوی:۔ طرفین کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی:القول الراجح هو قول الطرفین :قال العلامۃ قاضیخان وان اقاما البینة علی ما ادعی یقضی ببینة الشفیع فی قول ابی حنیفة ومحمد وقال ابویوسف البینة بینة المشتری(القول الراجح:2ص271)

{۱}قَالَ : وَإِذَا ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ

فرمایا: اور اگر دعوی کیا مشتری نے ثمن کا اور دعوی کیا بائع نے

أَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِمَا قَالَهُ الْبَائِعُ وَكَانَ ذَلِكَ حَطًّا

اس سے اقل کا، حالانکہ بائع نے قبض نہیں کیا ہے ثمن کو، تو لے لے گا شفیع اس ثمن کے عوض جو بائع نے کہا ہے، اور یہ ہوگا کم کرنا

عَنِ الْمُشْتَرِي؛ وَهَذَا لِأَنَّ الْأَمْرَ إنْ كَانَ عَلَى مَا قَالَ الْبَائِعُ فَقَدْ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ بِهِ، وَإِنْ كَانَ عَلَى مَا قَالَ الْمُشْتَرِي

مشتری کے ذمہ سے، اور یہ اس لیے کہ اگر بات وہی ہو جو بائع نے کہا ہے تو ثابت ہوگا شفعہ اسی مقدار سے، اور اگر ہو جیسا کہ مشتری نے کہا ہے

فَقَدْ حَطَّ الْبَائِعُ بَعْضَ الثَّمَنِ، وَهَذَا الْحَطُّ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ،{۲}وَلِأَنَّ

تو ساقط کیا ہے بائع نے بعض ثمن، اور یہ ساقط کرنا ظاہر ہوگا شفیع کے حق میں جیسا کہ ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، اور اس لیے کہ

التَّمَلُّكَ عَلَى الْبَائِعِ بِإِيجَابِهِ فَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ فِي مِقْدَارِ الثَّمَنِ مَا بَقِيَتْ مُطَالَبَتُهُ فَيَأْخُذُ

مالک ہونا بائع پر اس کے ایجاب کی وجہ سے ہوا، تو ہوگا قول بائع کا معتبر مقدارِ ثمن میں جب تک کہ باقی ہو اس کا مطالبہ، پس لے لے گا

الشَّفِيعُ بِقَوْلِهِ .{۳}قَالَ : وَلَوِ ادَّعَى الْبَائِعُ الْأَكْثَرَ يَتَحَالَفَانِ وَيَتَرَادَّانِ ، وَأَيُّهُمَا

شفیع بائع کے قول پر۔ فرمایا: اور اگر دعوی کیا بائع نے زیادہ ثمن کا تو دونوں قسم کھائیں گے اور دونوں عقد کو پھیر لیں گے، اور دونوں میں سے

نَكَلَ ظَهَرَ أَنَّ الثَّمَنَ مَا يَقُولُهُ الْآخَرُ فَيَأْخُذُهَا الشَّفِيعُ بِذَلِكَ ، وَإِنْ حَلَفَا

جس نے انکار کیا تو ظاہر ہوگا کہ ثمن وہی ہے جس کو بیان کر رہا ہے دوسرا، پس لے لے گا شفیع اسی ثمن پر، اور اگر دونوں نے قسم کھائی

يَفْسَخُ الْقَاضِي الْبَيْعَ عَلَى مَا عُرِفَ وَيَأْخُذُهَا الشَّفِيعُ بِقَوْلِ الْبَائِعِ؛ لِأَنَّ فَسْخَ الْبَيْعِ لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ حَقِّ الشَّفِيعِ

تو فسخ کردے گا قاضی بیع کو جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، اور لے لے گا مکان کو شفیع بائع کے قول پر؛ کیونکہ فسخ بیع ثابت نہیں کرتا ہے حق شفیع کے بطلان کو

{۴}قَالَ: وَإِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ أَخَذَ بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِي إِنْ شَاءَ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَى قَوْلِ الْبَائِعِ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا اسْتَوْفَى

فرمایا: اور اگر قبض کیا ہو ثمن کو تو لے لے گا اس ثمن پر جو مشتری نے کہا ہے اگر چاہے، اور توجہ نہ دے بائع کی بات کو؛ کیونکہ جب لے لیا

الثَّمَنَ انْتَهَى حُكْمُ الْعَقْدِ، وَخَرَجَ هُوَ مِنَ الْبَيْنِ وَصَارَ هُوَ كَالْأَجْنَبِيِّ وَبَقِيَ الِاخْتِلَافُ بَيْنَ الْمُشْتَرِي وَالشَّفِيعِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ

ثمن تو انتہاء کو پہنچا حکم عقد اور نکل گیا وہ درمیان سے، اور ہو گیا اجنبی کی طرح، اور باقی رہا اختلاف مشتری اور شفیع کے درمیان، اور ہم بیان کر چکے ہیں اسے

{۵}وَلَوْ كَانَ نَقْدُ الثَّمَنِ غَيْرَ ظَاهِرٍ فَقَالَ الْبَائِعُ بِعْتُ الدَّارَ بِأَلْفٍ وَقَبَضْتُ الثَّمَنَ يَأْخُذُهَا

اور اگر ثمن کی ادائیگی ظاہر نہ ہو، پس کہا بائع نے کہ فروخت کیا میں نے مکان ہزار کے عوض اور قبض کیا میں نے ثمن کو، تو لے لے گا مکان کو

الشَّفِيعُ بِأَلْفٍ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا بَدَأَ بِالْإِقْرَارِ بِالْبَيْعِ تَعَلَّقَتِ الشُّفْعَةُ بِهِ، فَبِقَوْلِهِ بَعْدَ ذَلِكَ قَبَضْتُ

شفیع ہزار کے عوض؛ کیونکہ جب ابتداء کی اقرار بالبیع کی تو متعلق ہو گیا شفعہ اس کے ساتھ، پس اپنے قول سے اس کے بعد کہ قبض کیا ہے میں نے

الثَّمَنَ يُرِيدُ إِسْقَاطَ حَقِّ الشَّفِيعِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ. {۶}وَلَوْ قَالَ قَبَضْتُ الثَّمَنَ وَهُوَ أَلْفٌ لَمْ يُلْتَفَتْ

ثمن کو وہ ارادہ رکھتا ہے حق شفیع کے اسقاط کا پس رد کیا جائے گا اس پر، اور اگر کہا کہ میں قبض کر چکا ہوں ثمن اور وہ ہزار ہے تو التفات نہیں کیا جائے گا

إِلَى قَوْلِهِ؛ لِأَنَّ بِالْأَوَّلِ وَهُوَ الْإِقْرَارُ بِقَبْضِ الثَّمَنِ خَرَجَ مِنَ الْبَيْنِ وَسَقَطَ اعْتِبَارُ قَوْلِهِ فِي مِقْدَارِ الثَّمَنِ

اس کے قول کی طرف؛ کیونکہ اول یعنی قبض ثمن کے اقرار سے وہ نکل چکا درمیان سے اور ساقط ہوا اعتبار اس کے قول کا مقدار ثمن میں۔

تشریح:۔{۱} اگر مشتری نے زیادہ ثمن مثلاً بارہ سو کا دعوی کیا اور بائع نے اس سے کم ثمن مثلاً ہزار کا دعوی کیا، اور حال یہ ہے کہ بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اسی مقدار میں مشفوعہ مکان لے گا جو مقدار بائع بتا رہا ہے اور یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے مشتری سے بھی دو سو کم کر دیئے ہیں لہذا شفیع بھی مشفوعہ مکان اسی مقدار میں لے لے گا؛ وجہ یہ ہے کہ نفس الامر میں معاملہ یا تو ویسا ہی ہو گا جیسا کہ بائع کہہ رہا ہے تو اس صورت میں تو بائع کا قول معتبر ماننے میں کوئی کلام نہیں اس لیے شفعہ اسی مقدار کے عوض ثابت ہو گا، اور یا معاملہ ایسا ہو گا جیسا کہ مشتری کہہ رہا ہے تو اس صورت میں سمجھا جائے گا کہ بائع نے دو سو کم کر دیئے ہیں اور بائع کی طرف سے یہ کمی شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہو گی جیسا کہ آنے والی فصل کے شروع میں ہم اس کو بیان کریں گے، لہذا بہر دو صورت بائع کے قول کا اعتبار ہو گا۔

{۲} دوسری دلیل یہ ہے کہ شفعہ ملنے سے شفیع کا بائع کے مکان کا مالک ہونا بائع کے ایجاب کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ بائع نے ایجاب کیا کہ یہ مکان میں نے فروخت کیا ہے تب مشتری کو قبول اور شفیع کو شفعہ کا حق حاصل ہوا لہذا بائع کو مقدار ثمن مشتری سے

زیادہ معلوم ہوگی جب تک کہ بائع کا مطالبہ ثمن باقی ہو یعنی مشتری نے ثمن ادا نہ کیا ہو، لہٰذا بائع کا قول معتبر ہوگا اور شفیع اسی کے قول پر لے لے گا۔

{۳}اور اگر مقدار ثمن میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو، بائع زیادہ اور مشتری کم بتا رہا ہو، تو گواہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں قسم کھالیں اور بیع کو ختم کر دیں، اور دونوں میں سے جس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو معلوم ہوا کہ ثمن وہی ہے جو دوسرے نے بیان کیا ہے لہٰذا شفیع اسی ثمن کے عوض مبیع لے لے گا، اور اگر دونوں نے قسم کھائی تو قاضی بیع کو فسخ کر دے جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا ہے، اور اس صورت میں شفیع نے جو مقدار بیان کی ہے شفیع اسی کے عوض مبیع لے لے گا اور شفیع کا حق شفعہ ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ بائع اور مشتری کے درمیان بیع کا فسخ ہو جانا شفیع کے حق کے بطلان کو واجب نہیں کرتا ہے۔

{۴}اور اگر مذکورہ صورت میں بائع نے ثمن پر قبضہ کیا ہو تو شفیع مبیع اسی مقدار کے عوض لے گا جو مشتری نے بیان کی ہے اور بائع کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ جب بائع نے ثمن وصول کر لیا تو عقد کا حکم انتہاء کو پہنچ گیا اور بائع درمیان سے نکل گیا اب وہ اجنبی کی طرح ہو گیا، پس اختلاف مشتری اور شفیع کے درمیان باقی رہے گا جس کا حکم ما قبل میں گذر چکا کہ شفیع اور مشتری کے اختلاف کی صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوتا ہے، اس لیے شفیع مبیع اسی مقدار کے عوض لے گا جو مشتری نے بیان کی ہے۔

{۵}اور اگر یہ ظاہر نہ ہو کہ بائع نے ثمن پر قبضہ کیا ہے یا نہیں کیا ہے، اور بائع نے کہا کہ میں نے مکان ہزار درہم کے عوض فروخت کیا ہے اور ثمن پر قبضہ کر چکا ہوں، تو شفیع اس کو ہزار کے عوض لے لے گا؛ کیونکہ جب بائع نے بیع کا اقرار کیا تو گویا یہ اقرار کیا کہ مبیع میں شفیع کا حق ہے اس لیے شفعہ اسی مقدار کے عوض بیع کے ساتھ متعلق ہوگا، پھر جب آخر میں کہا کہ میں ثمن پر قبضہ کر چکا ہوں تو وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں درمیان سے خارج ہوں اس لیے میرے قول کا اعتبار نہیں ہے تو وہ اپنے اس قول سے اپنے اوپر شفیع کے حق کو ساقط کرنا چاہتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ غیر کا حق ساقط کرنے والے کا قول اس پر رد کیا جاتا ہے اس لیے بائع کا یہ قول اس پر رد کیا جائے گا اس لیے شفیع اسی مقدار کے عوض مبیع لے گا جو بائع نے بیان کی ہے۔

{۶}اور اگر بائع نے ابتداء ہی سے ثمن کو قبض کرنے کا اقرار کیا پھر اس کی مقدار بیان کی کہ وہ ہزار درہم ہیں، تو بائع کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا شفیع مبیع اسی مقدار کے عوض لے گا جو مشتری نے بیان کی ہے؛ وجہ یہ ہے کہ جب اس نے

شروع میں ثمن پر قبضہ کا اقرار کیا تو وہ درمیان سے نکل گیا اور مقدارِ ثمن کے بارے میں اس کے قول کا اعتبار ساقط ہو گیا اس لیے اس کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

فَصْلٌ فِيمَا يُؤْخَذُ بِهِ الْمَشْفُوعُ

یہ فصل اس چیز کے بیان میں ہے جس کے ذریعہ مشفوع کو لیا جاتا ہے۔

مصنفؒ مشفوعہ زمین کے احکام کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے مشفوع بہ کے احکام کو شروع فرمایا اور مشفوع بہ ثمن ہے چونکہ مشفوع اصل ہے اور مشفوع بہ تابع ہے اس لیے اصل کے احکام کو مقدم اور تابع کے احکام کو مؤخر کر دیا ہے۔

{۱}قَالَ :وَإِذَاحَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِي بَعْضَ الثَّمَنِ يَسْقُطُ ذَلِكَ عَنِ الشَّفِيعِ،وَإِنْ حَطَّ جَمِيعَ الثَّمَنِ لَمْ يَسْقُطْ

فرمایا: اور اگر کم کر دیا بائع نے مشتری کے ذمہ سے کچھ ثمن تو ساقط ہو جائے گا یہ شفیع کے ذمہ سے، اور اگر کم کر دیا پورا ثمن تو ساقط نہ ہو گا

عَنِ الشَّفِيعِ ؛ لِأَنَّ حَطَّ الْبَعْضِ يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ فَيَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ مَا

شفیع کے ذمہ سے؛ کیونکہ بعض کا سقوط لاحق ہو گا اصل عقد کے ساتھ، پس ظاہر ہو گا یہ سقوط شفیع کے حق میں؛ کیونکہ ثمن وہی ہے

بَقِيَ ، {۲}وَكَذَا إِذَا حَطَّ بَعْدَمَا أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِالثَّمَنِ يَحُطُّ عَنِ الشَّفِيعِ حَتَّى يَرْجِعَ

جو باقی رہا، اور اسی طرح جب کم کر دے بعد اس کے کہ لے لے اس گھر کو شفیع ثمن کے عوض، تو ساقط ہو گا شفیع کے ذمے سے، حتی کہ واپس لے گا

عَلَيْهِ بِذَلِكَ الْقَدْرِ ،بِخِلَافِ حَطِّ الْكُلِّ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ بِحَالٍ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ

مشتری سے یہ مقدار، برخلافِ کل ساقط کرنے کے؛ کیونکہ نہیں ملے گا وہ اصل عقد کے ساتھ کسی حال میں، اور ہم بیان کر چکے اس کو

فِي الْبُيُوعِ .{۳}وَإِنْ زَادَ الْمُشْتَرِي لِلْبَائِعِ لَمْ تَلْزَمِ الزِّيَادَةُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ ؛ لِأَنَّ فِي اعْتِبَارِ الزِّيَادَةِ ضَرَرًا

بیوع میں، اور اگر اضافہ کر دیا مشتری نے بائع کے لیے تو لازم نہ ہو گی زیادتی شفیع کے حق میں؛ کیونکہ زیادتی کا اعتبار کرنے میں ضرر ہے

بِالشَّفِيعِ لِاسْتِحْقَاقِهِ الْأَخْذَ بِمَا دُونَهَا. {۴}بِخِلَافِ الْحَطِّ؛ لِأَنَّ فِيهِ مَنْفَعَةً لَهُ،

شفیع کے حق میں بوجہ اس کے مستحق ہونے کے لینے کا اس سے کم کے عوض، برخلافِ ساقط کرنے کے؛ کیونکہ اس میں نفع ہے شفیع کا

وَنَظِيرُ الزِّيَادَةِ إِذَا جَدَّدَ الْعَقْدَ بِأَكْثَرَ مِنَ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ لَمْ يَلْزَمِ الشَّفِيعَ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ

اور زیادتی کی نظیر یہ کہ جب تجدید کرے عقد کی ثمن اول سے زیادہ کے عوض، تو لازم نہ ہوگی شفیع کو، حتی کہ اختیار ہوگا اس کو کہ

يَأْخُذَهَا بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ لِمَا بَيَّنَّا كَذَا هَذَا. ﴿5﴾ قَالَ وَمَنِ اشْتَرَى دَارًا بِعَرَضٍ

لے لے اس گھر کو اول ثمن کے عوض اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اسی طرح یہ ہے۔ فرمایا: اور جس نے خرید امکان سامان کے عوض

أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِقِيمَتِهِ ، لِأَنَّهُ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ وَإِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ

تو لے لے گا اس کو شفیع سامان کی قیمت کے عوض؛ کیونکہ سامان ذوات القیم میں سے ہے، اور اگر خریدا اس کو کیلی یا موزونی چیز کے عوض

أَخَذَهَا بِمِثْلِهِ ، لِأَنَّهُمَا مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ .وَهَذَا لِأَنَّ الشَّرْعَ أَثْبَتَ

تو لے لے گا اس کو اس کے مثل کے عوض؛ کیونکہ یہ دونوں ذوات الامثال میں سے ہیں، اور یہ اس لیے کہ شریعت نے ثابت کی ہے

لِلشَّفِيعِ وِلَايَةَ التَّمَلُّكِ عَلَى الْمُشْتَرِي بِمِثْلِ مَا تَمَلَّكَهُ فَيُرَاعَى بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ

شفیع کے لیے مالک ہونے کی ولایت مشتری پر اس کے مثل کے عوض جس کے عوض وہ اس کا مالک ہوا تو رعایت کی جائے گی بقدر امکان

كَمَا فِي الْإِتْلَافِ وَالْعَدَدِيِّ الْمُتَقَارِبِ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ ﴿6﴾ وَإِنْ بَاعَ عَقَارًا بِعَقَارٍ أَخَذَ الشَّفِيعُ كُلَّ وَاحِدٍ

جیسا کہ اتلاف میں ہے، اور عددی متقارب ذوات الامثال میں سے ہے، اور اگر فروخت کر دی زمین بعوض زمین تو لے لے گا شفیع ہر ایک

مِنْهُمَا بِقِيمَةِ الْآخَرِ ، لِأَنَّهُ بَدَلُهُ وَهُوَ ذَوَاتُ الْقِيَمِ فَيَأْخُذُهُ بِقِيمَتِهِ

ان دونوں میں سے دوسرے کی قیمت کے عوض؛ کیونکہ وہ ہر ایک بدل ہے دوسرے کا اور وہ ذوات القیم میں سے ہے، پس لے لے گا اس کو اس کی قیمت کے عوض

تشریح:۔ ﴿1﴾ اگر بائع نے مشتری سے بعض ثمن کو ساقط کر دیا مثلاً بارہ سو ثمن میں سے دو سو کو ساقط کر دیا تو اس مقدار کا سقوط شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگا لہٰذا شفیع اگر چاہے تو مبیع ہزار کے عوض لے گا۔ اور اگر بائع نے سارا ثمن مشتری سے ساقط کر دیا تو شفیع سے سارا ثمن ساقط نہ ہوگا؛ اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ بعض ثمن کو ساقط کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا ہے گویا بائع اور مشتری کے درمیان عقد اس ساقط کردہ مقدار کے بغیر ہی ہوا ہے تو یہ کمی شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگی؛ کیونکہ شفیع ثمن کے عوض مبیع لینے کا حقدار ہوتا ہے اور اس صورت میں ثمن وہی ہے جو کمی کے بعد باقی ہے۔

﴿2﴾ اور اگر شفیع نے پورے ثمن کے عوض مبیع لے کر ثمن مشتری کو ادا کر دیا، پھر بائع نے مشتری سے بعض ثمن کو ساقط کر دیا تو مشتری سے ساقط کردہ مقدار شفیع سے بھی ساقط ہوگی حتی کہ شفیع اس مقدار کے بارے میں مشتری سے رجوع کرے گا۔

اس کے برخلاف اگر بائع نے سارا ثمن مشتری سے ساقط کر دیا تو یہ ساقط کرنا کسی حال میں اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کے نتیجے میں شفیع کا حق باطل ہو جائے گا اس لیے کہ یہ عقد بلا ثمن ہو جائے گا اور عقد بلا ثمن میں شفیع کو حق شفعہ

حاصل نہیں، اس لیے پورا ثمن ساقط کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگا لہذا شفیع پورا ثمن ادا کر کے لے لے گا۔ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کو ہم "کتاب البیوع" میں بیان کر چکے ہیں۔

{۳} اور اگر مشتری نے بائع کے لیے ثمن میں زیادتی کر دی مثلاً ہزار کے عوض میں عقد ہوا تھا مشتری نے بارہ سو دیدیئے تو یہ زیادتی شفیع کے حق میں لازم نہ ہوگی؛ کیونکہ زیادتی کا اعتبار کرنے میں شفیع کا ضرر ہے اس لیے کہ وہ زیادتی کے بغیر مبیع کا مستحق ہو چکا ہے اور ضرر زائل کیا جاتا ہے اس لیے یہ زیادتی شفیع کے حق میں لازم نہ ہوگی۔

{۴} باقی ثمن میں سے کچھ ساقط کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اس میں شفیع کا فائدہ ہے اس لیے شفیع کے حق میں اس زیادتی کو ساقط نہیں کیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ زیادتی کی نظیر یہ ہے کہ ہزار کے عوض عقد ہو جانے کے بعد عقد کی تجدید کر کے ثمن اول سے زائد مثلاً بارہ سو کے عوض کیا جائے تو عقد ثانی شفیع کے حق میں لازم نہ ہوگا حتی کہ وہ ثمن اول (ہزار) ہی کے عوض مبیع لے لے گا؛ دلیل وہی ہے جو اوپر ہم بیان کر چکے کہ زیادتی میں شفیع کا ضرر ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی ثمن میں زیادتی شفیع کے حق میں لازم نہ ہوگی۔

{۵} اگر مشتری نے مکان ذوات القیم اسباب کے عوض خریدا مثلاً ایک تھان کپڑے کے عوض خریدا تو شفیع اس کپڑے کی قیمت ادا کر کے لے لے گا؛ کیونکہ اس صورت میں ثمن ذوات القیم (جس کا مثل بازار میں نہ ہو) میں سے ہے اس لیے شفیع اس کی قیمت ادا کر کے لے لے گا۔ اور اگر مشتری نے کسی کیلی یا موزونی چیز کے عوض خریدا ہو تو شفیع اس چیز کا مثل ادا کر کے لے لے گا؛ کیونکہ کیلی اور موزونی چیزیں ذوات الامثال (جس کا بازار میں بلا تفاوت مثل موجود ہو) میں سے ہیں؛ کیونکہ شریعت نے شفیع کو حق دیا ہے کہ جس چیز کے عوض مشتری مبیع کا مالک ہوا ہے اسی کا مثل دے کر مشتری کی رضامندی کے بغیر اس کا مالک ہو جائے تو بقدرِ امکان مثل کی رعایت کی جائے گی، لہذا مثلی چیز کا تو مثل صوری دیا جائے گا اور جو چیز ذوات الامثال میں سے نہ ہو ذوات القیم میں سے ہو اس کا مثل معنوی یعنی قیمت دی جائے گی۔ جیسے کسی کی کوئی چیز تلف کرنے کی صورت میں یہی حکم ہے کہ اگر وہ مثلی چیز ہو تو مالک کو اس کا مثل دیا جائے گا اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت دی جائے گی۔ اور ایسی عددی چیزیں جن کے افراد میں زیادہ تفاوت نہ ہو جیسے اخروٹ وغیرہ تو وہ ذوات الامثال میں سے ہیں، اور جو عددی چیزیں متفاوت ہوں جیسے بکریاں وغیرہ تو وہ ذوات القیم میں سے ہیں۔

﴿٦﴾اگر کسی نے زمین بعوض زمین فروخت کی، تو ہر ایک زمین کا شفیع اس کو دوسری زمین کی قیمت کے عوض لے گا، ہر ایک زمین دوسری زمین کا بدل ہے اور زمین ذوات القیم میں سے ہے اس لیے ہر ایک کا شفیع دوسری زمین کی قیمت دے کر اس زمین کو لے لے گا۔

﴿١﴾قَالَ : وَإِذَا بَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَلِلشَّفِيعِ الْخِيَارُ ، إنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ،

فرمایا: اور اگر فروخت کر دیا ادھار ثمن کے عوض تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے لے اس کو نقد ثمن کے عوض

وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ ثُمَّ يَأْخُذُهَا ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا فِي الْحَالِ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ

اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ گذر جائے میعاد، اور نہیں ہے اس کو اختیار کہ لے لے اس کو فی الحال ادھار ثمن کے عوض

وَقَالَ زُفَرُ : لَهُ ذَلِكَ ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ فِي الْقَدِيمِ ؛ لِأَنَّ كَوْنَهُ مُؤَجَّلًا وَصْفٌ فِي الثَّمَنِ كَالزِّيَافَةِ

اور فرمایا امام زفرؒ نے: اس کو اختیار ہے اس کا، اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا قدیم؛ کیونکہ اس کا ادھار ہونا وصف ہے ثمن میں جیسے کھوٹا ہونا

وَالْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ بِهِ فَيَأْخُذُ بِأَصْلِهِ وَوَصْفِهِ كَمَا فِي الزُّيُوفِ

اور لینا ہے شفعہ میں ثمن ہی کے عوض، پس لے لے گا اس کو اصل ثمن کے عوض اور اس کے وصف کے ساتھ جیسا کہ کھوٹے دراہم میں

﴿٢﴾وَلَنَا أَنَّ الْأَجَلَ إنَّمَا يَثْبُتُ بِالشَّرْطِ ، وَلَا شَرْطَ فِيمَا بَيْنَ الشَّفِيعِ وَالْبَائِعِ أَوِ الْمُبْتَاعِ ، وَلَيْسَ الرِّضَا بِهِ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ میعاد ثابت ہوتی ہے شرط سے اور کوئی شرط نہیں ہے شفیع اور بائع یا مشتری کے درمیان، اور نہیں ہے ادھار پر رضامندی

فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي رِضًا بِهِ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ لِتَفَاوُتِ النَّاسِ فِي الْمَلَاءَةِ ،﴿٣﴾وَلَيْسَ الْأَجَلُ وَصْفَ الثَّمَنِ

مشتری کے حق میں ادھار پر رضامندی شفیع کے حق میں؛ بوجہ متفاوت ہونے لوگوں کے مالداری میں، اور نہیں ہے میعاد ثمن کا وصف

لِأَنَّهُ حَقُّ الْمُشْتَرِي ؛ وَلَوْ كَانَ وَصْفًا لَهُ لَتَبِعَهُ فَيَكُونُ حَقًّا لِلْبَائِعِ كَالثَّمَنِ وَصَارَ كَمَا إذَا اشْتَرَى

کیونکہ وہ مشتری کا حق ہے، اور اگر وصف ہوتی ثمن کا تو اس کا تابع ہوتی، پس ہوگا بائع کا حق ثمن کی طرح، اور ہو گیا جیسا کہ جب خریدے

شَيْئًا بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ ثُمَّ وَلَّاهُ غَيْرَهُ لَا يَثْبُتُ الْأَجَلُ إلَّا بِالذِّكْرِ كَذَا هَذَا ،﴿٤﴾ثُمَّ إنْ أَخَذَهَا

کوئی چیز میعادی ثمن کے عوض پھر بیع تولیہ کرے اس کی غیر سے، تو ثابت نہ ہوگی میعاد مگر ذکر کرنے سے، اسی طرح یہ ہے۔ پھر اگر لے لیا اس مکان کو

بِثَمَنٍ حَالٍّ مِنَ الْبَائِعِ سَقَطَ الثَّمَنُ عَنِ الْمُشْتَرِي لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ ، وَإِنْ أَخَذَهَا

نقد ثمن کے عوض بائع سے تو ساقط ہو جائے گا ثمن مشتری سے اس دلیل کی بنا پر جو ہم بیان کر چکے اس سے پہلے، اور اگر لے لیا وہ مکان

مِنَ الْمُشْتَرِي رَجَعَ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ كَمَا كَانَ ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمَا

مشتری سے تو رجوع کرے گا بائع مشتری پر ادھار ثمن کے لیے حسبِ سابق؛ کیونکہ وہ شرط جو جاری ہوئی ان دونوں کے درمیان

لَمْ يَبْطُلْ بِأَخْذِ الشَّفِيعِ فَبَقِيَ مُوجِبُهُ فَصَارَ كَمَا إذَا بَاعَهُ بِثَمَنٍ حَالٍّ وَقَدِ اشْتَرَاهُ مُؤَجَّلًا ،{٥}وَإِنِ اخْتَارَ

باطل نہیں ہوئی شفیع کے لینے سے پس باقی رہا اس کا حکم، پس ہو گیا جیسا کہ جب فروخت کر دے اس کو نقد ثمن کے عوض، اور اگر شفیع نے اختیار کیا

الِانْتِظَارَ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ لَا يَلْتَزِمَ زِيَادَةَ الضَّرَرِ مِنْ حَيْثُ النَّقْدِيَّةِ .{٦}وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ

انتظار کو تو اس کو یہ حق ہے؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے کہ التزام نہ کرے زیادتی نقصان کو نقد ادائیگی کے اعتبار سے، اور ماتن کا قول کتاب میں

وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ مُرَادُهُ الصَّبْرُ عَنِ الْأَخْذِ ، أَمَّا الطَّلَبُ عَلَيْهِ فِي الْحَالِ حَتَّى لَوْ

"اور اگر چاہے صبر کرے حتی کہ گذر جائے میعاد" اس سے مراد صبر کرنا ہے لینے سے، رہی طلب تو وہ اس پر فی الحال ہے حتی کہ اگر

سَكَتَ عَنْهُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ خِلَافًا لِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ الْآخَرِ ؛{٧}لِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ

خاموش ہوا طلب سے تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ طرفین ؒ کے نزدیک، برخلاف امام ابو یوسف ؒ کے دوسرے قول کے؛ کیونکہ حق شفعہ

إنَّمَا يَثْبُتُ بِالْبَيْعِ، وَالْأَخْذُ يَتَرَاخَى عَنِ الطَّلَبِ، وَهُوَ مُتَمَكِّنٌ مِنَ الْأَخْذِ فِي الْحَالِ بِأَنْ يُؤَدِّيَ الثَّمَنَ حَالًّا فَيُشْتَرَطُ

ثابت ہوتا ہے بیع سے، اور لینا مؤخر ہوتا ہے طلب سے، اور شفیع قادر ہے لینے پر فی الحال یوں کہ ادا کر دے ثمن فی الحال، پس شرط ہے

الطَّلَبُ عِنْدَ الْعِلْمِ بِالْبَيْعِ{٨}قَالَ : وَإِنِ اشْتَرَى ذِمِّيٌّ بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ دَارًا وَشَفِيعُهَا ذِمِّيٌّ أَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ

طلب علم بالبیع کے وقت۔ فرمایا: اور اگر خرید اذمی نے شراب یا خنزیر کے عوض، اور اس کا شفیع بھی ذمی ہے، تو لے لے گا اس کو مثلِ شراب

وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ ؛ لِأَنَّ هَذَا الْبَيْعَ مَقْضِيٌّ بِالصِّحَّةِ فِيمَا بَيْنَهُمْ ، وَحَقُّ الشُّفْعَةِ يَعُمُّ الْمُسْلِمَ وَالذِّمِّيَّ،

اور قیمتِ خنزیر کے عوض؛ کیونکہ اس طرح کی بیع کی صحت کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کے درمیان، اور حق شفعہ عام ہے مسلمان اور ذمی کو،

وَالْخَمْرُ لَهُمْ كَالْخَلِّ لَنَا وَالْخِنْزِيرُ كَالشَّاةِ ، فَيَأْخُذُ فِي الْأَوَّلِ بِالْمِثْلِ وَالثَّانِي بِالْقِيمَةِ.

اور شراب ان کے لیے جیسے سرکہ ہمارے لیے، اور خنزیر بکری کی طرح ہے پس لے لے گا وہ اول میں مثل کے عوض اور ثانی میں قیمت کے عوض

{٩}قَالَ : وَإِنْ كَانَ شَفِيعُهَا مُسْلِمًا أَخَذَهَا بِقِيمَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ أَمَّا الْخِنْزِيرُ فَظَاهِرٌ ، وَكَذَا الْخَمْرُ

فرمایا: اور اگر ہو اس کا شفیع مسلمان تو لے لے گا اس کو قیمتِ شراب اور خنزیر کے عوض، بہر حال خنزیر تو ظاہر ہے، اور اسی طرح شراب ہے

لِامْتِنَاعِ التَّسَلُّمِ وَالتَّسْلِيمِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَالْتَحَقَ بِغَيْرِ الْمِثْلِيِّ ،{١٠}وَإِنْ كَانَ شَفِيعُهَا مُسْلِمًا وَذِمِّيًّا أَخَذَ

بوجہ ممتنع ہونے تسلیم وتسلم کے مسلمان کے حق میں، پس لاحق ہو گئی غیر مثلی کے ساتھ، اور اگر ہو اس کا شفیع مسلمان اور ذمی، تو لے گا

الْمُسْلِمُ نِصْفَهَا بِنِصْفِ قِيمَةِ الْخَمْرِ وَالذِّمِّيُّ نِصْفَهَا بِنِصْفِ مِثْلِ الْخَمْرِ اعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ

مسلمان اس کا نصف قیمتِ شراب کے عوض، اور ذمی اس کا نصف مثل شراب کے نصف کے عوض؛ قیاس کرتے ہوئے بعض کو کل پر،

فَلَوْ أَسْلَمَ الذِّمِّيُّ أَخَذَهَا بِنِصْفِ قِيمَةِ الْخَمْرِ لِعَجْزِهِ عَنْ تَمْلِيكِ الْخَمْرِ وَبِالْإِسْلَامِ

پھر اگر مسلمان ہوا ذمی تو لے گا اس کو نصف قیمتِ شراب کے عوض؛ بوجہ عاجز ہونے اس کے تملیک شراب سے، اور اسلام لانے سے

يَتَأَكَّدُ حَقُّهُ لَا أَنْ يَبْطُلَ ، فَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهَا بِكُرٍّ مِنْ رُطَبٍ فَحَضَرَ الشَّفِيعُ

مؤکد ہوتا ہے اس کا حق، نہ یہ کہ باطل ہوتا ہے، پس ہو گیا جیسا کہ جب خرید لے اس کو ایک کر تر کھجور کے عوض پھر حاضر ہوا شفیع

بَعْدَ الْقِطَاعِهِ يَأْخُذُ بِقِيمَةِ الرُّطَبِ كَذَا هَذَا

اس کے ناپید ہونے کے بعد تو لے گا اس کو کھجور کی قیمت کے عوض، اسی طرح یہ ہے۔

تشریح:۔ [۱] اگر بائع نے مکان ادھار ثمن کے عوض فروخت کیا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو نقد ثمن کے عوض لے لے، اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ مدت گذر جائے پھر مشفوع مکان لے لے شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ادھار ثمن کے عوض مکان فی الحال لے لے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ شفیع ادھار ثمن کے عوض مکان لے سکتا ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قدیم قول ہے؛ کیونکہ ادھار ہونا ثمن کا وصف ہے جیسا کہ کھوٹا ہونا ثمن کا وصف ہے اور شفیع جو شفعہ میں مکان لیتا ہے تو وہ ثمن کے عوض لیتا ہے لہذا اسے ثمن کی اصل اور وصف دونوں کے عوض لے لے گا جیسے کھوٹے دراہم کے عوض فروخت ہونے کی صورت میں شفیع کھوٹے دراہم ہی کے عوض لے لے گا۔

[۲] ہماری دلیل یہ ہے کہ میعاد وصف نہیں ہے بلکہ یہ تو شرط کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور یہ شرط بائع اور مشتری کے درمیان قرار پائی ہے شفیع اور بائع یا شفیع اور مشتری کے درمیان یہ شرط نہیں پائی گئی ہے اور بائع جو مشتری کے لیے میعاد پر راضی ہو گیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ شفیع کے لیے بھی میعاد پر راضی ہو؛ کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں بعض لوگ نیک معاملہ ہوتے ہیں جن سے وصولی آسان ہوتی ہے اور بعض ٹال مٹول کرنے والے ہوتے ہیں جن سے وصولی مشکل ہوتی ہے اس لیے مشتری کے لیے میعاد پر راضی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شفیع کے لیے میعاد پر راضی ہو۔

[۳] امام زفرؒ نے جو فرمایا کہ میعاد ثمن کا وصف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ میعاد ثمن کا وصف نہیں ہے؛ کیونکہ میعاد مشتری کا حق ہے حالانکہ اگر میعاد ثمن کا وصف ہوتا تو ثمن کی طرح ثمن کا تابع ہو کر یہ بھی بائع کا حق ہوتا، بہر حال جب میعاد بائع

کا حق نہیں ہے تو یہ ثمن کا وصف بھی نہیں ہے پس یہ ایسا ہے جیسے کسی نے کوئی چیز ادھار ثمن کے عوض خریدی پھر دوسرے کے ہاتھ بیع تولیہ کر کے فروخت کی تو یہاں دوسرے مشتری کے لیے میعاد ثابت نہ ہوگی مگر یہ کہ میعاد کو علیحدہ ذکر کیا جائے، اسی طرح یہاں بھی شفیع کے لیے میعاد ثابت نہ ہوگی۔

{۴} پھر اگر شفیع نے اس مکان کو نقد ثمن کے عوض بائع سے لے لیا تو ثمن مشتری سے ساقط ہو جائے گا؛ دلیل وہی ہے جو سابق میں ہم بیان کر چکے کہ اس صورت میں مشتری کے حق میں بیع فسخ ہو جاتی ہے اس لیے اس کے ذمہ سے ثمن بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر شفیع نے مکان مشتری سے لے لیا تو بدستور اب مشتری سے میعاد پوری ہونے پر ثمن لے لے گا؛ کیونکہ میعاد کی جو شرط بائع اور مشتری کے درمیان چلی تھی وہ شرط شفیع کے مکان لینے سے باطل نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس کا حکم علی حالہ باقی رہے گا جیسے کسی نے کوئی چیز ادھار خریدی پھر اس کو آگے نقد کے عوض فروخت کر دی تو اس سے بائع اول اور ثانی کے درمیان مشروط میعاد باطل نہ ہوگی بلکہ بدستور رہے گی، اسی طرح یہاں بھی میعاد باطل نہ ہوگی۔

{۵} اور اگر شفیع نے انتظار کرنا چاہا کہ میعاد ختم ہونے کے بعد ثمن دے کر مبیع لے لوں گا تو اس کو اس کا اختیار ہوگا اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ ثمن نقد ادا کر کے مکان لے لو؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے کہ نقد ہونے کے اعتبار سے مشتری سے زیادہ ضرر اپنے اوپر لازم نہ کرے لہٰذا میعاد پوری ہونے تک انتظار کرے پھر ثمن ادا کر کے مکان لے لے۔

{۶} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ متن میں امام قدوریؒ کے قول "وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ" کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال مکان لینے سے صبر کرے یہ مطلب نہیں کہ شفعہ کا مطالبہ کرنے سے صبر کرے بلکہ شفعہ تو فی الحال طلب کرے گا حتیٰ کہ اگر وہ طلبِ شفعہ سے خاموش رہا تو طرفینؒ کے نزدیک اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا، امام ابو یوسفؒ کا اول قول وہی تھا جو طرفینؒ کا ہے، مگر ان کا آخری قول یہ ہے کہ شفعہ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ طلب مقصود نہیں لینا مقصود ہے جبکہ لینے پر وہ فی الحال قادر نہیں ہے تو طلب بھی بے فائدہ ہوگی، اس لیے ترکِ طلب سے شفعہ باطل نہ ہوگا۔

{۷} طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حقِ شفعہ تو بیع ہوتے ہی ثابت ہو جاتا ہے باقی شفعہ میں دار لینا تو وہ طلب کے بعد ہوتا ہے لہٰذا یہ جائز ہے کہ طلب کے بعد میعاد گذرنے تک مکان کو شفعہ میں لینا مؤخر ہو۔ باقی اگر ہم تسلیم کر لیں کہ شفعہ کا اصل مقصود لینا ہی ہے تو پھر کہا جائے گا کہ شفیع کے لیے تو یہ بھی ممکن ہے کہ فی الحال ثمن ادا کر کے مکان لے لے تو جب وہ فی الحال لینے پر قادر ہے تو حسبِ سابق طلب بھی بیع کا علم ہوتے ہی لازم ہوگی۔

فتوی:۔ طرفین کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی:القول الراجح ھو قول الطرفین :قال العلامۃ ابن نجیم قولہ اویصبرعن الاخذ أما الطلب فلا بدّ منہ فی الحال حتی لوسکت و لم یطلب بطلت شفعتہ عند ابی حنیفۃ ومحمد وبہ کان یقول ابویوسف اولاً ثم رجع عنہ وقال لاتبطل الشفعۃ (القول الراجح:2ص273)۔

{۸}اگر ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے مکان شراب یا خنزیر کے عوض خرید لیا اور اس کا شفیع بھی ذمی ہو تو شفیع اس کو شراب کے مثل اور خنزیر کی قیمت کے عوض لے گا؛ کیونکہ اس بیع کے بارے میں حکم یہی ہے کہ یہ بیع ان کے آپس میں صحیح ہے اور شفعہ کا حق مسلمان اور ذمی دونوں کو حاصل ہے ،اور ذمیوں کے لیے شراب ایسی ہے جیسے ہمارے لیے سرکہ اور ان کے لیے خنزیر ایسا ہے جیسے ہمارے بکری، تو شراب چونکہ مثلی چیز ہے اس لیے شفیع اس کے مثل کے عوض لے لے گا اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے اس لیے اس صورت میں شفیع خنزیر کی قیمت کے عوض لے لے گا۔

{۹}اور اگر مذکورہ صورت میں شفیع مسلمان ہو تو شفیع اس کو شراب اور خنزیر میں سے ہر ایک کی قیمت کے عوض لے لے گا، خنزیر کی قیمت کے عوض لینا تو ظاہر ہے کہ وہ ذوات القیم میں سے ہے۔اسی طرح شراب کی صورت میں بھی اس کی قیمت کے عوض لے لے گا؛ کیونکہ شراب کو سپرد کرنا یا اسے وصول کرنا مسلمان کے حق میں ممنوع ہے لہذا شراب غیر مثلی چیزوں کے ساتھ لاحق ہوگئی اس لیے مسلمان شفیع اس کی بھی قیمت ادا کرے گا۔

{۱۰}اور اگر مذکورہ صورت میں مکان کا شفیع مسلمان اور ذمی دونوں ہوں، تو بعض کو کل پر قیاس کرتے ہوئے مسلمان نصف مکان کو نصف شراب کی قیمت کے عوض لے لے گا، اور ذمی اس مکان کا نصف اس جیسی شراب کے نصف کے بقدر شراب کے عوض لے لے گا۔ اور اگر ثبوتِ شفعہ کے بعد ذمی شفیع مسلمان ہو گیا تو وہ بھی قیمتِ شراب کے نصف کے عوض لے لے گا؛ کیونکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ اب شراب کسی کی مِلک میں نہیں دے سکتا ہے، اور اسلام لانے سے اس کا حق پختہ ہو جاتا ہے باطل نہیں ہوتا ہے پس یہی صورت متعین ہے کہ نصف شراب کی قیمت دیدے، اور یہ ایسا ہے جیسے مشتری نے ایک گر پکی تازہ کھجور کے عوض مکان خریدا، پھر شفیع حاضر ہوا مگر اس وقت یہ تازہ کھجور بازار میں ختم ہوگئی ہے اس لیے شفیع کھجور دینے سے عاجز ہوا تو شفیع تازہ کھجور کی قیمت کے عوض لے لے گا اگرچہ کھجور مثلی چیز ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی شفیع نصف شراب کی قیمت کے عوض لے لے گا اگرچہ شراب مثلی چیز ہے۔

فصل

یہ فصل تصرفاتِ مشتری کے احکام میں ہے۔

اصل یہ ہے کہ مشفوع کے اندر تغیر نہ ہو، اور اس میں نقصان یا زیادتی کے ساتھ تغیر عارضی چیز ہے اس لیے اصل کو پہلے اور اس عارضی چیز کو مستقل فصل کے تحت علیحدہ بیان کیا ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا بَنَى الْمُشْتَرِي فِيهَا أَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِيَ لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ أَخَذَهَا

فرمایا: اور اگر عمارت بنادی مشتری نے یا پودا لگادیا، پھر فیصلہ کیا گیا شفعہ کا شفیع کے لیے، تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے لے اس کو

بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ ، وَإِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِيَ قَلْعَهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ

ثمن اور عمارت اور پودے کی قیمت کے عوض، اور اگر چاہے تو مکلف بنائے مشتری کو اسے اکھاڑنے کا، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے

أَنَّهُ لَا يُكَلَّفُ الْقَلْعَ وَيُخَيَّرُ بَيْنَ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ

کہ اسے مکلف نہیں بنایا جائے گا اکھاڑنے کا اور اس کو اختیار ہوگا اس میں کہ لے لے ثمن اور عمارت اور پودے کی قیمت کے عوض

وَبَيْنَ أَنْ يَتْرُكَ ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ ، إلَّا أَنَّ عِنْدَهُ لَهُ أَنْ يَقْلَعَ وَيُعْطِيَ قِيمَةَ الْبِنَاءِ

اور اس میں کہ چھوڑ دے، اور اسی کا قائل ہے امام شافعیؒ، البتہ ان کے نزدیک شفیع کو اختیار ہے کہ اکھاڑ دے اور دیدے قیمت عمارت کی

{۲}لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فِي الْبِنَاءِ لِأَنَّهُ بَنَاهُ عَلَى .أَنَّ الدَّارَ مِلْكُهُ

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری حق پر ہے تعمیر کے سلسلے میں؛ اس لیے کہ اس نے عمارت بنائی اس بنا پر کہ مکان اس کی ملک ہے

وَالتَّكْلِيفُ بِالْقَلْعِ مِنْ أَحْكَامِ الْعُدْوَانِ وَصَارَ كَالْمَوْهُوبِ لَهُ وَالْمُشْتَرِي شِرَاءً فَاسِدًا، وَكَمَا إذَا زَرَعَ الْمُشْتَرِي

اور مکلف بنانا اکھاڑنے کا ظلم کے احکام میں سے ہے، اور ہو گیا جیسے موہوب لہ اور شراءِ فاسد کا مشتری، اور جیسا کہ اگر کھیتی کر لی مشتری نے

فَإِنَّهُ لَا يُكَلَّفُ الْقَلْعَ ،{۳}وَهَذَا لِأَنَّ فِي إيجَابِ الْأَخْذِ بِالْقِيمَةِ دَفْعَ أَعْلَى الضَّرَرَيْنِ

تو اس کو مکلف نہیں بنایا جائے گا اکھاڑنے کا، اور یہ اس لیے کہ بعوضِ قیمت لینے کو واجب کرنے میں دفع کرنا ہے دو ضرروں میں سے اعلیٰ کو

بِتَحَمُّلِ الْأَدْنَى فَيُصَارُ إلَيْهِ .{۴}وَوَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّهُ بَنَى فِي مَحَلٍّ

ادنیٰ کو برداشت کر کے پس رجوع کیا جائے گا اسی کی طرف۔ اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ مشتری نے تعمیر کی ہے ایسی جگہ میں

تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مُتَأَكِّدٌ لِلْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيطٍ مِنْ جِهَةِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ فَيُنْقَضُ كَالرَّاهِنِ إذَا بَنَى

تو متعلق ہو چکا ہے اس کے ساتھ مؤکد حق غیر کا بغیر مسلط کرنے کے صاحبِ حق کی طرف سے، پس توڑ دی جائے گی جیسے راہن جب تعمیر کرے

فِي الْمَرْهُونِ ، وَهٰذَا لِأَنَّ حَقَّهُ أَقْوَى مِنْ حَقِّ الْمُشْتَرِي لِأَنَّهُ يَتَقَدَّمُ عَلَيْهِ وَلِهٰذَا يُنْقَضُ بَيْعُهُ

مرہون میں، اور یہ اس لیے کہ اس کا حق قوی ہے مشتری کے حق سے؛ کیونکہ وہ مقدم ہے مشتری پر، اور اسی لیے توڑ دی جاتی ہے اس کی بیع

وَهِبَتُهُ وَغَيْرُهُ مِنْ تَصَرُّفَاتِهِ ﴿٥﴾ بِخِلَافِ الْهِبَةِ وَالشِّرَاءِ الْفَاسِدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، لِأَنَّهُ حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ جِهَةِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ

اور اس کا ہبہ اور اس کے دیگر تصرفات، برخلاف ہبہ اور شراء فاسد کے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ وہ حاصل ہوا ہے صاحبِ حق کی تسلیط کی وجہ سے

﴿٦﴾ وَلِأَنَّ حَقَّ الِاسْتِرْدَادِ فِيهِمَا ضَعِيفٌ وَلِهٰذَا لَا يَبْقَى بَعْدَ الْبِنَاءِ ، وَهٰذَا الْحَقُّ يَبْقَى فَلَا مَعْنَى

اور اس لیے کہ حق واپسی ان دونوں میں ضعیف ہے، اور اسی وجہ سے باقی نہیں رہتا تعمیر کے بعد، اور یہ حق باقی رہتا ہے، پس کوئی معنی نہیں

لِإِيجَابِ الْقِيمَةِ كَمَا فِي الِاسْتِحْقَاقِ ، ﴿٧﴾ وَالزَّرْعُ يُقْلَعُ قِيَاسًا . وَإِنَّمَا لَا يُقْلَعُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً

قیمت واجب کرنے کا جیسا کہ استحقاق میں ہے، اور کھیتی اکھاڑی جائے گی قیاساً، اور استحساناً چھوڑ دی جاتی ہے؛ کیونکہ اس کے لیے معلوم انتہاء ہے

وَيَبْقَى بِالْأَجْرِ وَلَيْسَ فِيهِ كَثِيرُ ضَرَرٍ ، وَإِنْ أَخَذَ بِالْقِيمَةِ يُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ مَقْلُوعًا

اور باقی رہتی ہے اجرت کے عوض، اور نہیں ہے اس میں زیادہ ضرر، اور اگر لے لیا تعمیر کو قیمت کے عوض تو اعتبار ہوگا اکھڑی ہوئی کی قیمت کا

كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الْغَصْبِ ﴿٨﴾ وَلَوْ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ فَبَنَى فِيهَا أَوْ غَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے غصب میں، اور اگر لے لیا اس کو شفیع نے پس تعمیر کی اس میں یا پودا لگا دیا، پھر وہ کسی اور کی نکلی تو واپس لے گا ثمن

لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّهُ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ ، لَا عَلَى الْبَائِعِ إِنْ أَخَذَهَا

کیونکہ ظاہر ہوا کہ اس نے لے لیا ہے اس کو ناحق، اور رجوع نہیں کر سکتا تعمیر اور پودے کی قیمت کے سلسلے میں، نہ بائع پر اگر زمین لے لی تھی

مِنْهُ ، وَلَا عَلَى الْمُشْتَرِي إِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ ﴿٩﴾ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَرْجِعُ لِأَنَّهُ مُتَمَلِّكٌ

اس سے، اور نہ مشتری پر اگر زمین لے لی تھی اس سے، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ رجوع کر سکتا ہے؛ کیونکہ وہ مالک ہوا ہے

عَلَيْهِ فَنُزِّلَا مَنْزِلَةَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي ، ﴿١٠﴾ وَالْفَرْقُ عَلَى مَا هُوَ الْمَشْهُورُ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ مَغْرُورٌ

اس سے لینے والے پر، پس وہ دونوں اتار لیے گئے بائع اور مشتری کے درجہ، اور فرق مشہور روایت کے مطابق یہ کہ مشتری دھوکہ شدہ ہے

مِنْ جِهَةِ الْبَائِعِ وَمُسَلَّطٌ عَلَيْهِ مِنْ جِهَتِهِ، وَلَا غُرُورَ وَلَا تَسْلِيطَ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ مِنَ الْمُشْتَرِي لِأَنَّهُ مَجْبُورٌ عَلَيْهِ

بائع کی جانب سے، اور مسلط کیا گیا ہے اس پر بائع کی جانب سے، اور نہ دھوکہ ہے اور نہ تسلیط شفیع کے حق میں مشتری کی جانب سے؛ کیونکہ مشتری

مجبور ہے شفعہ دینے پر۔

تشریح:۔{۱} اگر مشتری نے زمین خریدی اور اس میں عمارت بنائی یا پودے لگا دیئے، پھر قاضی نے شفیع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ دیدیا تو شفیع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو زمین کا ثمن اور عمارت اور پودوں کی قیمت دیدے اور سب لے لے، اور اگر چاہے تو مشتری کو اپنی عمارت اور پودوں کو اکھاڑنے کا مکلف بنائے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مشتری کو اکھاڑنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا البتہ شفیع کو دو باتوں کا اختیار دیا جائے گا کہ یا تو زمین کے ثمن اور عمارت اور پودوں کی قیمت کے عوض سب لے لے، اور اگر چاہے تو شفعہ کا دعوی ہی چھوڑ دے، اسی قول کو امام شافعیؒ نے بھی لے لیا ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک شفیع کو ایک تیسری صورت کا بھی اختیار ہے وہ یہ کہ مشتری کو عمارت توڑنے کا مکلف بنائے اور ٹوٹنے سے عمارت کی مالیت میں جو نقصان آئے گا وہ نقصان مشتری کو ادا کر دے۔

{۲} امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری نے ظلماً تعمیر نہیں کی ہے بلکہ اس نے اس بنیاد پر تعمیر کی ہے کہ مکان اس کی ملک ہے لہذا مشتری حق پر ہے اور تعمیر میں حق پر ہونے والے شخص کو اکھاڑنے کا مکلف نہیں بنایا جاتا ہے بلکہ ظالم کو اکھاڑنے کا مکلف بنایا جاتا ہے؛ کیونکہ اکھاڑنے کا مکلف بنانا ظلم کے احکام میں سے ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے کو زمین ہبہ کر دی اور موہوب لہ نے اس پر عمارت بنائی، اب واہب اس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے اور موہوب لہ سے عمارت اکھاڑنے کا مطالبہ کر رہا ہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا، یا مشتری نے شراءِ فاسد کے ساتھ کوئی زمین خریدی، اور اس میں عمارت بنائی اب بائع زمین واپس لینا اور عمارت اکھڑوانا چاہتا ہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا۔ یا جیسے مشتری نے خریدی ہوئی زمین میں کھیتی لگائی اور فصل کھڑی ہے کہ قاضی نے شفیع کے حق میں فیصلہ دیدیا اب شفیع اس کی فصل کٹوا کر زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو شفیع کو یہ اختیار نہ ہوگا، اسی طرح شفیع کو تعمیر اور پودے اکھڑوانے کا بھی اختیار نہ ہوگا۔

{۳} اور یہ اس لیے کہ اگر مشتری کو اکھڑوانے کا مکلف بنایا جائے تو اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا ہے اس لیے اس کا بہت زیادہ نقصان ہو جائے گا، اور اگر شفیع کو کہا جائے کہ قیمت دے کر عمارت لے لو تو اس کا بھی نقصان ہوگا کہ اس کو عمارت کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی قیمت دے کر اسے لے رہا ہے مگر یہ نقصان کم ہے؛ کیونکہ قیمت کے بدلے میں اس کے ہاتھ عمارت آ رہی ہے تو مشتری کے اعلیٰ ضرر کو دفع کرنے کے لیے شفیع کے اس ادنیٰ ضرر کو برداشت کیا جائے گا اس لیے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

{۴} ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ اصول یہ ہے کہ جس چیز میں کسی کا حق ہو اور صاحبِ حق نے دوسرے کو اس میں تصرف کرنے پر مسلط نہیں کیا ہے پھر بھی دوسرے نے اس میں تصرف کیا تو اس کے تصرف کو توڑ دیا جائے گا، یہی حال یہاں ہے کہ

مشتری نے ایسی زمین میں عمارت بنائی ہے جس کے ساتھ شفیع کا مؤکد حق متعلق ہو چکا ہے اور صاحب حق یعنی شفیع نے اس کو تعمیر کرنے پر مسلط بھی نہیں کیا ہے اس لیے مشتری کی اس عمارت کو توڑ دیا جائے گا جیسے راہن ہے کہ جب مرتہن مرہون چیز پر عمارت بنائے تو راہن کو اسے اکھڑوانے کا اختیار ہوگا۔ اور مشتری کو عمارت اکھڑوانے کا حکم اس لیے دیا جائے گا کہ شفیع کا حق مشتری کے حق سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ شفیع مشتری سے مقدم ہے اور جس کا حق قوی ہو اس کے لیے کمزور حق کو توڑ دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مشتری نے مذکورہ زمین فروخت کی ہو یا ہبہ کی ہو یا اس میں کوئی اور تصرف کیا ہو مثلاً اس زمین میں مسجد یا مقبرہ بنایا ہو تو اس کو توڑ دیا جاتا ہے۔

{۵} امام ابو یوسفؒ نے جو مذکورہ صورت کو ہبہ پر قیاس کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہبہ کی صورت میں تو واہب نے موہوب لہ کو موہوبہ زمین میں تصرف کرنے پر مسلط کیا تھا اس لیے یہ قیاس درست نہیں، اسی طرح شراء فاسد پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے؛ کیونکہ شراءِ فاسد میں تو امام صاحبؒ کے نزدیک مشتری کو صاحبِ حق یعنی بائع نے خریدی ہوئی زمین میں تصرف کرنے پر مسلط کیا تھا اس لیے اس پر شفعہ کی مذکورہ صورت کو قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

{٦} دوسری وجہ یہ ہے کہ ہبہ میں موہوب چیز اور بیع فاسد میں مبیع واپس لینے کے اختیار کا حق کمزور حق ہے اس لیے عمارت بنانے کے بعد واپس لینے کا یہ حق باقی نہیں رہتا ہے جبکہ شفعہ میں مشتری سے مشفوعہ زمین واپس لینے میں شفیع کا حق قوی ہے اس لیے شفیع پر عمارت کی قیمت واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے جیسے اگر مشتری نے خریدی ہوئی زمین میں عمارت بنائی پھر اس زمین کا کوئی اور شخص مستحق نکل آیا تو مشتری کو اکھڑوانے کا حکم دیا جائے گا اور مستحق شخص پر عمارت کی قیمت واجب نہیں کی جائے گی، اسی طرح شفیع پر عمارت کی قیمت واجب نہیں کی جائے گی۔

{۷} اور امام ابو یوسفؒ نے جو عمارت اور پودوں کو کھیتی پر قیاس تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ خود کھیتی کے بارے میں بھی قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ اسے اکھڑوانے کا حکم دیا جائے البتہ استحساناً اسے اکھڑوانے کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ کھیتی کے لیے انتہاء معلوم ہے جبکہ عمارت اور پودوں کی کوئی انتہاء نہیں ہے، تو جب کھیتی کی انتہاء معلوم ہے مثلاً ایک ماہ بعد پک کر کاٹی جائے گی تو ایک ماہ کی اجرت کے بدلے اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے اور اسے باقی رکھنے میں شفیع کا زیادہ ضرر نہیں ہے اس لیے عمارت اور پودوں کو کھیتی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

اور اگر شفیع نے یہ صورت اختیار کی کہ قیمت دے کر عمارت اور پودوں کو لینا چاہا تو اکھڑی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے پودوں کا اعتبار ہوگا، اسی اعتبار سے جو ان کی قیمت ہو شفیع وہی ادا کرے گا جیسا کہ "کتاب الغصب" میں ہم اس کو بیان کر چکے ہیں۔

فتوی ہے طرفین کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: (لَوْ بَنَى الْمُشْتَرِي أَوْ غَرَسَ أَوْ كَلَّفَ) الشَّفِيعُ (الْمُشْتَرِيَ قَلْعَهُمَا) إِلَّا إِذَا كَانَ فِي الْقَلْعِ نُقْصَانُ الْأَرْضِ فَإِنَّ الشَّفِيعَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا مَعَ قِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوعَةً غَيْرَ ثَابِتَةٍ قُهُسْتَانِيٌّ، وَعَنْ الثَّانِي إِنْ شَاءَ أَخَذَ بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ أَوْ تَرَكَ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ. قُلْنَا: بَنَى فِيمَا لِغَيْرِهِ فِيهِ حَقٌّ أَقْوَى وَلِذَا تَقَدَّمَ عَلَيْهِ فَيَنْقُضُهُ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار:5ص164)

﴿۸﴾اگر مشفوعہ زمین کو شفیع نے بحق شفعہ لے لی اور اس میں عمارت یا پودے لگادیئے، پھر ایک اور شخص نے دعوی کر کے اس پر اپنی ملکیت ثابت کر لی تو شفیع بائع یا مشتری سے اپنا ثمن واپس لے لے گا؛ کیونکہ غیر کا استحقاق ثابت ہونے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس نے شفیع سے ثمن ناحق لیا ہے؛ کیونکہ جس نے ثمن لیا ہے زمین اس کی نہیں ہے، اور شفیع عمارت اور پودوں کی قیمت کے بارے میں رجوع نہیں کر سکتا ہے؛ نہ بائع سے اگر بائع سے زمین لی ہو اور نہ مشتری سے اگر زمین مشتری سے لی ہو۔

﴿۹﴾امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ عمارت اور پودوں کی قیمت کے بارے میں بھی رجوع کرے گا؛ کیونکہ شفیع نے ان دونوں میں سے کسی ایک سے ملکیت حاصل کی ہے پس شفیع کو مشتری کے درجے میں اتار لیا جائے گا اور بائع یا مشتری کو اس کے بائع کے درجہ میں اتار لیا جائے گا اور بائع و مشتری کی صورت میں مبیع پر استحقاق ثابت ہونے سے مشتری کو بائع سے رجوع کا حق ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں شفیع کو بھی رجوع کا حق ہوگا۔

﴿۱۰﴾اور مشہور روایت کے مطابق شفیع اور مشتری میں فرق ہے اس لیے مشتری رجوع کر سکتا ہے اور شفیع رجوع نہیں کر سکتا ہے، وہ فرق یہ ہے کہ مشتری تو بائع کی طرف سے دھوکہ ہوا ہے اور بائع نے اس کو زمین میں تصرف کرنے پر مسلط کیا ہے اس لیے وہ غیر کا استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں بائع سے رجوع کرے گا۔ جبکہ شفیع کو مشتری نے کوئی دھوکہ نہیں دیا ہے اور نہ مشتری نے اس کو مشفوعہ زمین پر مسلط کیا ہے بلکہ مشتری نے تو قاضی کے فیصلہ سے مجبور ہو کر مشفوعہ زمین شفیع کے حوالہ کی ہے پس اس فرق کی وجہ سے شراء کی صورت میں رجوع صحیح ہے اور شفعہ کی صورت میں رجوع صحیح نہیں ہے۔

﴿۱﴾قَالَ : وَإِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ أَوِ احْتَرَقَ بِنَاؤُهَا أَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ فِعْلِ أَحَدٍ

فرمایا: اور اگر منہدم ہوگیا مکان، یا جل گئی اس کی عمارت، یا خشک ہوگئے باغ کے درخت بغیر کسی کے فعل کے

فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِجَمِيعِ الثَّمَنِ ؛ لِأَنَّ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ تَابِعٌ حَتَّى دَخَلَا فِي الْبَيْعِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ

تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے اس کو پورا ثمن کے عوض؛ کیونکہ عمارت اور پودا تابع ہیں، حتی کہ دونوں داخل ہو جاتے ہیں بیع میں بلا تذکرہ

فَلَا يُقَابِلُهُمَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ مَا لَمْ يَصِرْ مَقْصُودًا وَلِهَذَا جَازَ بَيْعُهَا مُرَابَحَةً بِكُلِّ الثَّمَنِ
پس مقابل نہ ہوگا ان دونوں کا کچھ ثمن میں سے جب تک کہ نہ ہو جائے مقصود، اور اسی لیے جائز ہے اس کی بیع مرابحۃً پورے ثمن کے عوض

فِي هَذِهِ الصُّورَةِ ،﴿۲﴾بِخِلَافِ مَا إذَا غَرِقَ نِصْفُ الْأَرْضِ حَيْثُ يَأْخُذُ الْبَاقِيَ بِحِصَّتِهِ لِأَنَّ الْفَائِتَ
اس صورت میں، بر خلاف اس کے جب غرق ہو جائے نصف زمین کہ لے لے گا باقی اس کے حصہ کے عوض؛ کیونکہ فوت شدہ چیز

بَعْضُ الْأَصْلِ قَالَ : وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ ، لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ عَنْ تَمَلُّكِ الدَّارِ بِمَالِهِ﴿۳﴾قَالَ
اصل کا ایک حصہ ہے۔ فرمایا: اور اگر چاہے تو چھوڑ دے؛ کیونکہ اسے حق ہے کہ رُک جائے مکان کے مالک ہونے سے مال کے عوض۔ فرمایا:

وَإِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ قِيلَ لِلشَّفِيعِ إنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا ، وَإِنْ شِئْتَ فَدَعْ
اور اگر توڑ دی مشتری نے عمارت، تو کہا جائے گا شفیع سے: اگر تم چاہو تو لے لو خالی میدان اس کے حصے کے عوض، اور اگر تم چاہو تو چھوڑ دو

لِأَنَّهُ صَارَ مَقْصُودًا بِالْإِتْلَافِ فَيُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ ، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الْهَلَاكَ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ
کیونکہ وہ مقصود بن گیا تلف کرنے سے، پس اس کے مقابلے میں ہوگا کچھ ثمن، بر خلافِ اول کے؛ کیونکہ وہاں ہلاکت آفتِ سماوی کی وجہ سے

وَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ النَّقْضَ لِأَنَّهُ صَارَ مَفْصُولًا فَلَمْ يَبْقَ تَبَعًا﴿۴﴾قَالَ : وَمَنِ ابْتَاعَ أَرْضًا وَعَلَى نَخْلِهَا الثَّمَرُ
اور اختیار نہیں شفیع کو کہ لے لے ملبہ؛ کیونکہ وہ الگ ہو گیا پس باقی نہیں رہا وہ تابع۔ فرمایا: اور جس نے خریدی کوئی زمین اور اس کے درختوں پر پھل ہو

أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِثَمَرِهَا وَمَعْنَاهُ إِذَا ذُكِرَ الثَّمَرُ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ
تو لے لے گا اس کو شفیع پھلوں کے ساتھ، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تذکرہ کرے پھلوں کا بیع میں؛ کیونکہ پھل داخل نہیں ہوتے تذکرہ کے بغیر

وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ اسْتِحْسَانٌ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَأْخُذُهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَبَعٍ ، أَلَا تَرَى
اور یہ جو کچھ بیان کیا استحسان ہے ، اور قیاس میں نہیں لے گا پھلوں کو ؛ کیونکہ پھل تابع نہیں ہیں، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ

أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ فِي الْبَيْعِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ فَأَشْبَهَ الْمَتَاعَ فِي الدَّارِ﴿۵﴾وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ بِاعْتِبَارِ الِاتِّصَالِ صَارَ تَبَعًا لِلْعَقَارِ
داخل نہیں ہوتے بیع میں تذکرہ کے بغیر، پس یہ مشابہ ہو گیا اس سامان کے گھر میں، وجہِ استحسان یہ ہے کہ اتصال کے اعتبار سے ہو گیا تابع زمین کا

كَالْبِنَاءِ فِي الدَّارِ ، فَيَأْخُذُهُ الشَّفِيعُ قَالَ : وَكَذَلِكَ إنِ ابْتَاعَهَا ۔ وَلَيْسَ فِي النَّخِيلِ ثَمَرٌ
جیسا کہ عمارت مکان میں، اور جو چیز مرکب ہو مکان میں، لے لے گا اس کو شفیع۔ فرمایا: اور اسی طرح اگر خریدلی زمین اور نہ ہوں درختوں میں پھل

فَأَثْمَرَ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي يَعْنِي يَأْخُذُهُ الشَّفِيعُ لِأَنَّهُ مَبِيعٌ تَبَعًا لِأَنَّ الْبَيْعَ سَرَى إِلَيْهِ
پھر پھل دیدئے مشتری کے قبضہ میں یعنی لے لے گا اس کو شفیع؛ کیونکہ وہ مبیع ہے تبعاً؛ اس لیے کہ بیع نے سرایت کی اس کی طرف،

عَلَى مَاعُرِفَ فِي وَلَدِ الْمَبِيعِ ﴿٦﴾قَالَ :فَإِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ جَاءَ الشَّفِيعُ لَايَأْخُذُ الثَّمَرَفِي الْفَصْلَيْنِ جَمِيعًا؛

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے مبیع کے بچے کے بارے میں۔ فرمایا: اگر توڑ دیا پھلوں کو مشتری نے، پھر آیا شفیع: تو نہیں لے سکتا دونوں صورتوں میں

لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ تَبَعًا لِلْعَقَارِ وَقْتَ الْأَخْذِ حَيْثُ صَارَ مَفْصُولًا عَنْهُ فَلَا يَأْخُذُهُ ﴿٧﴾قَالَ فِي الْكِتَابِ وَإِنْ

؛ کیونکہ تابع نہیں رہا وہ زمین کا لینے کے وقت؛ کیونکہ وہ الگ ہو چکا ہے زمین سے، پس نہیں لے گا اس کو، فرمایا قدوری میں: پس اگر

جَدَّهُ الْمُشْتَرِي سَقَطَ عَنِ الشَّفِيعِ حِصَّتُهُ .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَاجَوَابُ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ ، لِأَنَّهُ دَخَلَ فِي الْبَيْعِ مَقْصُودًا

توڑ دیا پھل کو مشتری نے تو ساقط ہوا شفیع سے اس کا حصہ، مصنف ؒ نے فرمایا: اور یہ حکم ہے پہلی صورت کا؛ کیونکہ داخل ہوا پھل بیع میں مقصوداً

فَيُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ (أَمَّا فِي الْفَصْلِ الثَّانِي يَأْخُذُ مَا سِوَى الثَّمَرِبِجَمِيعِ الثَّمَنِ)لِأَنَّ الثَّمَرَلَمْ يَكُنْ مَوْجُودًا

پس مقابل ہو گا اس کا کچھ ثمن، رہی دوسری صورت تو لے گا پھل کے علاوہ پورے ثمن کے عوض؛ کیونکہ پھل موجود نہیں تھے

عِنْدَ الْعَقْدِ فَلَا يَكُونُ مَبِيعًا إِلَّا تَبَعًا فَلَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

بوقتِ عقد پس نہ ہوں گے مبیع مگر تبعاً، پس مقابل نہ ہو گا اس کو ثمن میں سے کچھ، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔﴿۱﴾اگر مشفوعہ مکان گر گیا، یا اس کی عمارت جل گئی، یا باغ کے درخت کسی آفتِ سماوی سے خشک ہو گئے، تو ان تینوں صورتوں میں شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو مشفوعہ مکان اور زمین پورے ثمن کے عوض لے لے؛ کیونکہ مکان اور زمین کی بیع میں عمارت اور پودے تابع اور اوصاف ہیں حتی کہ زمین کی بیع میں یہ بلا تذکرہ داخل ہوتے ہیں، لہٰذا جب تک کہ یہ مقصود نہ بنے ان کے مقابلے میں ثمن میں سے کچھ نہ ہو گا؛ کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا ہے لہٰذا ان کی کمی بیشی سے ثمن میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ اور ان چیزوں کے مقابلے میں ثمن نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر شفیع اس زمین کو اسی حالت میں (عمارت اور پودوں کے بغیر) مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو عمارت اور پودوں کا تذکرہ کئے بغیر پورے ثمن کے عوض مرابحۃً فروخت کر سکتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عمارت اور پودوں کے مقابلے میں ثمن نہیں ہے۔

﴿۲﴾اس کے برخلاف اگر مشفوعہ زمین کا نصف حصہ ڈوب گیا تو شفیع باقی زمین کو اس کے حصۂ ثمن کے عوض لے لے گا؛ کیونکہ یہ وصف کی کمی نہیں ہے بلکہ اصل کی کمی ہے جس کے مقابلے میں ثمن آتا ہے لہٰذا کمی کے بقدر ثمن کو کم کیا جائے گا۔ اور شفیع کو یہ بھی اختیار ہے کہ مکان گرنے، جلنے اور درخت خشک ہونے کی صورت میں شفعہ کا دعوی چھوڑ دے؛ کیونکہ اس کو اختیار ہے کہ اپنے مال کے عوض مشفوعہ مکان کا مالک نہ بنے، اس لیے وہ شفعہ کا دعوی چھوڑ سکتا ہے۔

{۳} اور اگر مشتری نے مشفوعہ زمین کی عمارت کو توڑ دیا تو اب شفیع سے کہا جائے گا کہ اگر چاہے تو خالی میدان کو اس کے حصۂ ثمن کے عوض لے لو، اور اگر چاہے تو شفعہ ہی چھوڑ دو، اس صورت میں عمارت کے مقابلے میں ثمن میں سے کم کیا جائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں عمارت مقصود ہو گئی ہے اس لیے کہ مشتری نے اس کو توڑنے کا قصد کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ وصف مقصود بالاتلاف ہونے سے اس کے مقابلے میں ثمن آتا ہے۔ برخلافِ سابقہ صورت کے؛ کیونکہ وہاں عمارت مقصوداً تلف نہیں کی گئی ہے بلکہ آفتِ سماوی سے ہلاک ہو گئی ہے۔ اور ٹوٹی ہوئی عمارت کے مقابلے میں ثمن کم کرنے کی صورت میں شفیع کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ وہ عمارت کا ملبہ لے لے؛ کیونکہ اب ملبہ زمین سے الگ ہونے کی وجہ سے زمین کا تابع نہیں رہا ہے اس لیے اس میں شفیع کا حق نہیں رہا۔

{۴} جس نے ایسی زمین خریدی جس میں درخت ہوں اور ان درختوں پر پھل قائم ہوں تو شفیع زمین کو پھلوں سمیت لے لے گا، صاحبِ ہدایہ "فرماتے ہیں کہ امام قدوری" کا مطلب یہ ہے کہ فروخت کے وقت بیع میں پھلوں کا ذکر آیا ہو؛ کیونکہ بغیر ذکر کے پھل بیع میں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ جو ذکر فرمایا کہ شفیع پھلوں کو بھی لے لے گا تو یہ استحسانا ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شفیع پھلوں کو نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ پھل زمین کے تابع نہیں ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ بیع میں پھلوں کا ذکر کیے بغیر پھل بیع میں داخل نہیں ہوتے ہیں، لہذا پھل مکان میں موجود سامان کی طرح ہیں کہ وہ مکان کا تابع نہیں تو پھل بھی زمین کے تابع نہیں ہیں۔

{۵} وجہ استحسان یہ ہے کہ پھل زمین کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے زمین کے تابع ہیں جیسے عمارت گھر میں تابع ہوتی ہے، اسی طرح وہ سامان جو گھر میں لگا دیا ہو جیسے دروازے، چوکھٹ اور جنگلے وغیرہ کہ یہ بھی گھر کے تابع ہیں، لہذا شفیع کو حق ہو گا کہ مذکورہ پھلوں کو لے لے۔

اسی طرح اگر خرید کے وقت پھل موجود نہ ہوں، پھر مشتری کے قبضہ کے دوران درختوں پر پھل آ گئے، تو ان پھلوں کو بھی شفیع لے لے گا؛ کیونکہ زمین کے تابع بن کر یہ بھی مبیع میں شامل ہیں؛ اس لیے کہ بیع نے اس کی طرف سرایت کی ہے جیسا کہ مبیع کے بچے کے بارے میں معروف ہے مثلاً کسی نے بکری خریدی اور اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس نے بچہ جنا تو بچہ بھی ماں کا تابع ہو کر بیع میں داخل ہو گا۔

{۶} اور اگر مشتری نے شفیع کے قبضہ سے پہلے پھلوں کو توڑ دیا پھر شفیع آیا تو دونوں صورتوں میں شفیع پھلوں کو نہیں لے سکتا ہے یعنی خواہ پھل بیع سے پہلے پیدا ہوں یا مشتری کے قبضہ میں پیدا ہوئے ہوں دونوں صورتوں میں شفیع ان پھلوں کو نہیں لے

سکتا ہے؛ کیونکہ شفیع کے لینے کے وقت پھل مبیع کے تابع نہیں رہے؛ کیونکہ اس وقت پھل مبیع سے الگ ہو گئے ہیں، اس لیے شفیع پھلوں کو نہیں لے سکتا ہے۔

{۷} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے مطلق ذکر کیا ہے کہ "اگر مشتری نے پھلوں کو توڑ دیا تو شفیع سے پھلوں کے حصے کے بقدر ثمن ساقط ہو جائے گا"، جبکہ یہاں دو صورتیں ہیں یہ ان میں سے اول صورت کا حکم ہے، وہ یہ کہ بیع کے وقت پھل موجود تھے پھر مشتری نے ان کو توڑ دیا تو اس صورت میں شفیع سے پھلوں کے بقدر ثمن کم کیا جائے گا؛ کیونکہ اس وقت پھل بیع میں مقصوداً داخل ہیں اس لیے ان کے مقابلے میں ثمن آئے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کے وقت پھل موجود نہ ہوں بعد میں مشتری کے قبضہ میں پیدا ہو گئے تو اس صورت میں شفیع پھلوں کے بغیر مبیع کو پورے ثمن کے عوض لے لے گا؛ کیونکہ اس صورت میں عقد کے وقت پھل موجود نہیں تھے، لہٰذا پھل مبیع نہیں بلکہ تابع ہیں، اس لیے ان کے مقابلے میں ثمن نہیں آئے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا تَجِبُ فِيهِ الشُّفْعَةُ وَمَا لَا تَجِبُ

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن میں شفعہ واجب ہوتا ہے اور جن میں واجب نہیں ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے سابق میں شفعہ کے اجمالی ثبوت کو بیان کیا، اب اس باب میں تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کن چیزوں میں شفعہ ثابت ہوتا ہے اور کن میں ثابت نہیں ہوتا ہے، تو چونکہ تفصیل اجمال کے بعد ہوتی ہے اس لیے اس کو اجمال کے بعد ذکر کیا ہے۔

{۱} قَالَ : الشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا شُفْعَةَ فِيمَا لَا يُقْسَمُ ، لِأَنَّ

فرمایا: شفعہ ثابت ہوتا ہے زمین میں اگرچہ وہ قابلِ تقسیم نہ ہو، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ شفعہ نہیں ناقابلِ تقسیم چیزوں میں؛ کیونکہ

الشُّفْعَةَ إِنَّمَا وَجَبَتْ دَفْعًا لِمُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ ، وَهَذَا لَا يَتَحَقَّقُ فِيمَا لَا يُقْسَمُ {۲} وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

شفعہ واجب ہوتا ہے دفع کرنے کے لیے تقسیم کی مشقت کو اور یہ محقق نہیں ناقابلِ تقسیم چیزوں میں، اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ عَقَارٍ أَوْ رَبْعٍ[1]} إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْعُمُومَاتِ، وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ سَبَبُهَا الِاتِّصَالُ فِي الْمِلْكِ وَالْحِكْمَةَ

"شفعہ ہر شی میں ہے خواہ زمین ہو یا مکان" اس کے علاوہ دیگر احادیثِ عامہ، اور اس لیے کہ شفعہ کا سبب اتصال فی الملک ہے اور حکمت

([1]) علامہ زیلعیؒ رماتے ہیں: قُلْتُ: رَوَى إِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْهِ فِي مُسْنَدِهِ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى ثَنَا أَبُو حَمْزَةَ السُّكَّرِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الشَّرِيكُ شَفِيعٌ، وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ"، انْتَهَى. وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ فِي تَهْذِيبِ الْآثَارِ

دَفْعُ ضَرَرِ سُوءِ الْجِوَارِ عَلَى مَا مَرَّ ، وَأَنَّهُ يَنْتَظِمُ الْقِسْمَيْنِ مَا يُقْسَمُ وَمَا لَا يُقْسَمُ
دفع ضرر ہے برے پڑوس کا جیسا کہ گذر چکا، اور دفع ضرر شامل ہے دونوں قسموں کو جو قابل تقسیم ہو اور جو قابل تقسیم نہ ہو، اور ناقابل تقسیم

وَهُوَ الْحَمَّامُ وَالرَّحَى وَالْبِئْرُ وَالطَّرِيقُ .{۳}قَالَ : وَلَا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوضِ وَالسُّفُنِ ؛ لِقَوْلِهِ ﷺ { لَا شُفْعَةَ
اور وہ حمام، پن چکی، کنواں اور راستہ ہیں۔ فرمایا: اور شفعہ نہیں ہے سامان اور کشتیوں میں؛ حضورؐ کے ارشاد کی وجہ سے: کہ شفعہ نہیں ہے

إلَّا فِي رَبْعٍ أَوْ حَائِطٍ[1] } وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ فِي إيجَابِهَا فِي السُّفُنِ ، وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ إنَّمَا وَجَبَتْ
مگر مکان میں اور باغ میں، اور یہ حجت ہے امام مالکؒ پر کشتیوں میں شفعہ واجب کرنے کے سلسلے میں، اور اس لیے کہ شفعہ ثابت ہوا ہے

لِدَفْعِ ضَرَرِ سُوءِ الْجِوَارِ عَلَى الدَّوَامِ ، وَالْمِلْكُ فِي الْمَنْقُولِ لَا يَدُومُ حَسَبَ دَوَامِهِ فِي الْعَقَارِ
برے پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے دائمی طور پر، اور ملک منقولی چیز میں دائمی نہیں ہوتی ہے جیسا کہ دائمی ہوتی ہے زمین میں،

فَلَا يُلْحَقُ بِهِ{۴}وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ وَلَا شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ
پس نہیں ملایا جائے گا منقول غیر منقول کے ساتھ، اور قدوری کے بعض نسخوں میں ہے "اور شفعہ نہیں عمارت میں اور درختوں میں

إذَا بِيعَتْ دُونَ الْعَرْصَةِ وَهُوَ صَحِيحٌ مَذْكُورٌ فِي الْأَصْلِ ، لِأَنَّهُ لَا قَرَارَ لَهُ فَكَانَ نَقْلِيًّا ، وَهَذَا
جب فروخت ہو جائے زمین کے بغیر" اور یہی صحیح ہے مذکور ہے مبسوط میں؛ کیونکہ قرار نہیں اس کے لیے پس یہ بھی منقول ہے، اور یہ

بِخِلَافِ الْعُلُوِّ حَيْثُ يُسْتَحَقُّ بِالشُّفْعَةِ وَيُسْتَحَقُّ بِهِ الشُّفْعَةُ فِي السُّفْلِ إذَا لَمْ يَكُنْ طَرِيقُ الْعُلُوِّ فِيهِ
برخلاف بالاخانہ کے ہے کہ مستحق ہوتا ہے شفعہ سے اور ثابت ہوتا ہے اس سے شفعہ نچلی منزل میں بشرطیکہ نہ ہو راستہ بالاخانہ کا نچلی منزل میں

لِأَنَّهُ بِمَا لَهُ مِنْ حَقِّ الْقَرَارِ الْتَحَقَ بِالْعَقَارِ{۵}قَالَ : وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ ؛ لِلْعُمُومَاتِ
کیونکہ بوجہ اس کے کہ بالاخانہ کے لیے حق قرار ہے ملحق کر دیا زمین کے ساتھ۔ فرمایا: اور مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں عام روایات کی وجہ سے

وَلِأَنَّهُمَا يَسْتَوِيَانِ فِي السَّبَبِ وَالْحِكْمَةِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الِاسْتِحْقَاقِ، وَلِهَذَا يَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ
اور اس لیے کہ یہ دونوں برابر ہیں سبب اور حکمت میں، پس برابر ہوں گے استحقاق میں، اور اسی لیے برابر ہیں اس میں مرد اور عورت، بچہ اور بڑا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خُزَيْمَةَ بْنِ رَاشِدٍ ثَنَا يُوسُفُ بْنُ عَدِيٍّ ثَنَا ابْنُ إدْرِيسَ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ الْأَوْدِيُّ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ، (نصب الراية:4ص435)

(١)قُلْت: رَوَاهُ الْبَزَّارُ فِي مُسْنَدِهِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ ثَنَا أَبُو عَاصِمٍ ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا شُفْعَةَ إلَّا فِي رَبْعٍ أَوْ حَائِطٍ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يَسْتَأْمِرَ صَاحِبَهُ، فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ"، انْتَهَى. وَقَالَ: لَا نَعْلَمُ أَحَدًا يَرْوِيهِ بِهَذَا اللَّفْظِ إلَّا جَابِرٌ، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص437)

وَالْبَاغِي وَالْعَادِلُ وَالْحُرُّ وَالْعَبْدُ إِذَا كَانَ مَأْذُونًا أَوْ مُكَاتَبًا {٦} قَالَ: وَإِذَا مَلَكَ الْعَقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيهِ الشُّفْعَةُ؛

باغی اور عادل، آزاد اور غلام جب کہ ہو ماذون یا مکاتب۔ اور جب مالک ہو زمین کا ایسے عوض کے ذریعہ کہ وہ مال ہو تو ثابت ہوگا اس میں شفعہ

لِأَنَّهُ أَمْكَنَ مُرَاعَاةُ شَرْطِ الشَّرْعِ فِيهِ وَهُوَ التَّمَلُّكُ بِمِثْلِ مَا تَمَلَّكَ بِهِ الْمُشْتَرِي صُورَةً أَوْ قِيمَةً عَلَى مَا مَرَّ

کیونکہ ممکن ہے رعایت شرع کی شرط کی اس میں، اور وہ مالک ہونا ہے اس چیز کے مثل سے جس کے ذریعہ مالک ہوا ہے مشتری خواہ صورۃً مثل ہو یا قیمت ہو جیسا کہ گذر چکا۔

تشریح:۔ {۱} شفعہ عقار (غیر منقولی جائیداد) میں ثابت ہے اگرچہ وہ قابل تقسیم نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد کسی کے لیے اس کا حصہ قابل انتفاع نہ ہو جیسے ایک تنگ غسل خانہ جو تقسیم کے بعد کوئی بھی اپنے حصے سے نفع حاصل نہیں کر سکتا ہے تو اس میں بھی شفعہ ثابت ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناقابل تقسیم عقار میں شفعہ نہیں ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک شفعہ کی علت تقسیم کی مؤنت دفع کرنا ہے یعنی تقسیم کی مشقت اور خرچ سے بچنے کے لیے شریک کے لیے حق شفعہ ثابت ہے، اور ناقابل تقسیم عقار میں تقسیم کی مشقت اور خرچہ نہیں پایا جاتا ہے اس لیے اس میں شفعہ بھی ثابت نہ ہوگا۔

{۲} ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "شفعہ ہر چیز میں ہے زمین ہو یا منزل ہو" اور اس کے علاوہ دیگر عام روایات سے ناقابل تقسیم عقار میں شفعہ ثابت ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شفعہ کا سبب اور علت تقسیم کی مؤنت نہیں ہے بلکہ اتصال ملک ہے، اور اس کی حکمت برے پڑوس کے ضرر کو دفع کرنا ہے جیسا کہ "کتاب الشفعۃ" کے شروع میں تفصیل گذر چکی، اور یہ حکمت دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہے خواہ عقار قابل تقسیم ہو یا نہ ہو۔ اور ناقابل تقسیم عقار جیسے حمام، پن چکی، کنواں اور راستہ وغیرہ۔

{۳} سامانوں اور کشتیوں میں شفعہ نہیں ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "شفعہ نہیں ہے مگر منزل اور باغ میں"۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کشتیوں میں شفعہ ثابت ہے، مگر حضور ﷺ کا مذکورہ ارشاد ان پر حجت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شفعہ اس لیے ثابت ہے تاکہ برے پڑوس کے دائمی جوار کے ضرر کو دفع کیا جا سکے، اور یہ بات منقولی چیزوں میں نہیں پائی جاتی ہے؛ کیونکہ منقولی چیزوں میں ملکیت دائمی نہیں ہوتی ہے جیسا کہ عقار میں ہوتی ہے؛ بلکہ منقولی چیزیں تو حسب ضرورت خریدی جاتی ہیں اور فروخت کی جاتی ہے، لہٰذا منقولی چیزیں عقار کے ساتھ لاحق نہ ہوں گی۔

{۴}صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مختصر القدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ عمارت اور درخت جب زمین کے بغیر فروخت کیے جائیں تو ان میں شفعہ نہیں ہے، اور یہ صحیح بھی ہے مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے؛ کیونکہ عمارت اور درختوں کے لیے قرار نہیں ؛ کیونکہ یہ اکھاڑے جاتے ہیں لہذا یہ منقولی چیزیں ہیں اور منقولی چیزوں میں شفعہ نہیں ہوتا ہے۔

البتہ بالائی منزل کا حکم اس کے برخلاف ہے اگرچہ بالائی منزل کے ساتھ زمین نہیں ہے پھر بھی فروخت ہونے پر نچلی منزل کا مالک اس کے شفعہ کا مستحق ہوگا، اور نچلی منزل فروخت ہونے پر بالائی منزل کا مالک اپنی منزل کی وجہ سے نچلی منزل کے شفعہ کا مستحق ہوگا، اگر بالائی منزل کا راستہ نچلی منزل میں نہ گذرتا ہو تو جوار کی وجہ سے شفعہ کا مستحق ہوگا اور اگر اس کا راستہ نچلی منزل میں ہو کر گذرتا ہو تو پھر حقوق مبیع میں شریک ہونے کی وجہ سے مستحق شفعہ ہوگا؛ وجہ یہ ہے کہ بالائی منزل کو حق قرار حاصل ہے اس کو اکھاڑا نہیں جاتا ہے لہذا یہ عقار کے ساتھ لاحق ہوگی یعنی عقار کی طرح اس میں بھی شفعہ ثابت ہوگا۔

{۵}مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں یعنی دونوں کو حق شفعہ حاصل ہے؛ کیونکہ حق شفعہ کے بارے میں مروی روایات عام ہیں ان میں مسلمان کی تخصیص نہیں ہے، لہذا ذمی کو بھی حق شفعہ حاصل ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سببِ شفعہ یعنی اتصال میں دونوں برابر ہیں اور حکمتِ شفعہ یعنی پڑوس کے ضرر کو دور کرنے میں دونوں برابر ہیں، لہذا استحقاق شفعہ میں بھی دونوں برابر ہوں گے ، یہی وجہ ہے کہ استحقاق شفعہ میں مرد وعورت، صغیر اور کبیر، باغی اور عادل، آزاد اور غلام سب برابر ہیں بشرطیکہ غلام ماذون فی التجارۃ یا مکاتب ہو؛ کیونکہ سبب اور حکمت میں یہ سب برابر ہیں۔

{۶}جب کوئی شخص کسی زمین کا ایسے عوض کے بدلے مالک ہو جائے جو عوض مال ہو تو اس زمین میں شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ اس میں شریعت کی طرف سے لگائی گئی شرط کی رعایت ممکن ہے، وہ شرط یہ ہے کہ مشتری جس مال کے بدلے زمین کا مالک بنا ہے شفیع بھی اس مال کا مثل ادا کر کے اس کا مالک بنے گا، البتہ مشتری زمین کا جو عوض ادا کر چکا ہے وہ اگر ذوات الامثال میں سے ہو تو شفیع اس کا مثل صوری (اسی جیسی چیز) ادا کرے گا اور اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو تو شفیع اس کی قیمت ادا کرے گا جیسا کہ سابق میں گذر چکا۔

{۱}قَالَ : وَلَا شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِي يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا أَوْ يُخَالِعُ الْمَرْأَةَ بِهَا أَوْ يَسْتَأْجِرُ

فرمایا: اور شفعہ نہیں اس گھر میں جس پر نکاح کرے مرد یا خلع کر دے عورت اس کے ذریعہ یا اجارہ پر لیتا ہے

بِهَا دَارًا أَوْ غَيْرَهَا أَوْ يُصَالِحُ بِهَا عَنْ دَمِ عَمْدٍ أَوْ يَعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْدًا ؛ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ عِنْدَنَا إنَّمَا تَجِبُ

اس کے ذریعہ مکان وغیرہ کو، یا صلح کر دے اس کے ذریعہ دم عمد سے یا آزاد کر دے اس پر غلام؛ کیونکہ شفعہ ہمارے نزدیک ثابت ہوتا ہے

فِي مُبَادَلَةِ الْمَالِ بِالْمَالِ لِمَا بَيَّنَّا ، وَهَذِهِ الْأَعْوَاضُ لَيْسَتْ بِأَمْوَالٍ ، فَإِيجَابُ الشُّفْعَةِ فِيهَا خِلَافُ الْمَشْرُوعِ

مبادلۃ المال بالمال میں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور یہ عوضیں اموال نہیں ہیں، پس واجب کرنا شفعہ ان میں خلاف مشروع

وَقَلْبُ الْمَوْضُوعِ ﴿٢﴾ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ تَجِبُ فِيهَا الشُّفْعَةُ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَعْوَاضَ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُ فَأَمْكَنَ

اور قلب موضوع ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہوگا ان میں شفعہ؛ کیونکہ یہ عوضیں قیمتی ہیں ان کے نزدیک، پس ممکن ہے

الْأَخْذُ بِقِيمَتِهَا إنْ تَعَذَّرَ بِمِثْلِهَا كَمَا فِي الْبَيْعِ بِالْعَرَضِ ، بِخِلَافِ الْهِبَةِ لِأَنَّهُ لَا عِوَضَ فِيهَا رَأْسًا

لینا ان کی قیمت سے اگر متعذر ہو ان کے مثل سے جیسا کہ بیع بعوض سامان کے، بر خلاف ہبہ کے؛ کیونکہ عوض نہیں ہے اس میں بالکل،

وَقَوْلُهُ يَتَأَتَّى فِيمَا إذَا جَعَلَ شِقْصًا مِنْ دَارٍ مَهْرًا أَوْ مَا يُضَاهِيهِ لِأَنَّهُ لَا شُفْعَةَ عِنْدَهُ إلَّا

اور امام شافعیؒ کا قول متحقق ہوگا اس میں کہ مقرر کر دے مکان کا ایک حصہ مہر یا جو مہر کے مشابہ ہے؛ کیونکہ شفعہ نہیں ان کے نزدیک مگر

فِيهِ ﴿٣﴾ وَنَحْنُ نَقُولُ : إنَّ تَقَوُّمَ مَنَافِعِ الْبُضْعِ فِي النِّكَاحِ وَغَيْرِهَا بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ ضَرُورِيٌّ فَلَا يَظْهَرُ

اسی شرکت میں، اور ہم کہتے ہیں کہ منافع بضع کا قیمتی ہونا نکاح وغیرہ میں عقد اجارہ کی ضرورت کی وجہ سے تھا، پس تقوم ظاہر نہ ہوگا

فِي حَقِّ الشُّفْعَةِ، وَكَذَا الدَّمُ وَالْعِتْقُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ لِأَنَّ الْقِيمَةَ مَا يَقُومُ مَقَامَ غَيْرِهِ فِي الْمَعْنَى الْخَاصِّ الْمَطْلُوبِ وَلَا يَتَحَقَّقُ

شفعہ کے حق میں، اسی طرح دم اور عتق متقوم نہیں؛ کیونکہ قیمت وہ ہے جو غیر کا قائم مقام ہو سکے خاص و مطلوب معنی میں اور یہ متحقق نہیں

فِيهِمَا ، ﴿٤﴾ وَعَلَى هَذَا إذَا تَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ مَهْرٍ ثُمَّ فَرَضَ لَهَا الدَّارَ مَهْرًا لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَفْرُوضِ فِي الْعَقْدِ

دم اور عتق میں، اور ایسے ہی جب نکاح کرے عورت سے بلا مہر، پھر مقرر کر دے اس کے لیے مکان بطور مہر؛ کیونکہ یہ عقد میں مقرر کی طرح ہے

فِي كَوْنِهِ مُقَابَلًا بِالْبُضْعِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ أَوْ بِالْمُسَمَّى لِأَنَّهُ مُبَادَلَةُ مَالٍ بِمَالٍ ، ﴿٥﴾ وَلَوْ

بضع کا مقابل ہونے میں، بر خلاف اس کے جب فروخت کر دے مکان مہر مثل یا مسمّٰی کے عوض؛ کیونکہ یہ مبادلہ مال بمال ہے، اور اگر

تَزَوَّجَهَا عَلَى دَارٍ عَلَى أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ أَلْفًا فَلَا شُفْعَةَ فِي جَمِيعِ الدَّارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

نکاح کیا عورت سے مکان کے عوض اس شرط پر کہ واپس کرے گی شوہر پر ایک ہزار، تو شفعہ نہیں پورے مکان میں امام صاحبؒ کے نزدیک

وَقَالَا : تَجِبُ فِي حِصَّةِ الْأَلْفِ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ مَالِيَّةٌ فِي حَقِّهِ .﴿٦﴾ وَهُوَ يَقُولُ مَعْنَى الْبَيْعِ فِيهِ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ واجب ہے ہزار کے حصہ میں؛ کیونکہ ہزار مبادلہ مالی ہے شوہر کے حق میں، اور وہ کہتے ہیں کہ بیع کا معنی اس میں

تَابِعٌ وَلِهَذَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَلَا يَفْسُدُ بِشَرْطِ النِّكَاحِ فِيهِ، وَلَا شُفْعَةَ فِي الْأَصْلِ
تابع ہے اور اسی لیے منعقد ہو جاتی ہے لفظِ نکاح سے، اور فاسد نہیں ہوتی نکاح کی شرط لگانے سے بیع میں، اور شفعہ نہیں ہے اصل میں،

فَكَذَا فِي التَّبَعِ ﴿٧﴾ وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ شُرِعَتْ فِي الْمُبَادَلَةِ الْمَالِيَّةِ الْمَقْصُودَةِ حَتَّى أَنَّ الْمُضَارِبَ إِذَا بَاعَ دَارًا وَفِيهَا
پس اسی طرح تبع میں، اور اس لیے کہ شفعہ مشروع ہوا ہے مقصودی مبادلہ مالی میں حتی کہ مضارب اگر فروخت کردے مکان اور اس میں

رِبْحٌ لَا يَسْتَحِقُّ رَبُّ الْمَالِ الشُّفْعَةَ فِي حِصَّةِ الرِّبْحِ لِكَوْنِهِ تَابِعًا فِيهِ ﴿٨﴾ قَالَ : أَوْ يُصَالِحُ عَلَيْهَا بِالْإِنْكَارِ ، فَإِنْ
نفع ہو تو مستحق نہ ہو گا رب المال شفعہ کا حصۂ نفع میں؛ کیونکہ وہ تابع ہے اس میں۔ فرمایا: یا صلح کردے اس مکان پر انکار کے ساتھ، اور اگر

صَالَحَ عَلَيْهَا بِإِقْرَارٍ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ ﴿٩﴾ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: هَكَذَا ذُكِرَ فِي أَكْثَرِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ، وَالصَّحِيحُ
صلح کرلی اس پر اقرار کے ساتھ تو واجب ہو گا شفعہ، مصنفؒ فرماتے ہیں: اسی طرح ذکر کیا گیا ہے قدوری کے اکثر نسخوں میں، اور صحیح یہ ہے

أَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِإِنْكَارٍ مَكَانَ قَوْلِهِ أَوْ يُصَالِحُ عَلَيْهَا ، لِأَنَّهُ إِذَا صَالَحَ عَنْهَا بِالْإِنْكَارِ بَقِيَ الدَّارُ
کہ یا صلح کرلے اس سے انکار کے ساتھ، بجائے اس کے قول "یا صلح کرے اس پر" کیونکہ اگر صلح کرلے اس پر انکار کے ساتھ تو باقی رہے گا مکان

فِي يَدِهِ فَهُوَ يَزْعُمُ أَنَّهَا لَمْ تَزُلْ عَنْ مِلْكِهِ ، ﴿١٠﴾ وَكَذَا إِذَا صَالَحَ عَنْهَا بِسُكُوتٍ
اس کے قبضہ میں، تو وہ سمجھ رہا ہے کہ زائل نہیں ہوا ہے مکان اس کی ملک سے، اور اسی طرح جب صلح کرلے اس سے سکوت کے ساتھ

لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ بَذَلَ الْمَالَ افْتِدَاءً لِيَمِينِهِ وَقَطْعًا لِشَغَبِ خَصْمِهِ ، كَمَا إِذَا أَنْكَرَ
کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس نے خرچ کیا مال یمین کے فدیہ کے لیے یا قطع کرتے ہوئے خصم کے شغب کو جیسا کہ جب انکار کرے

صَرِيحًا ، بِخِلَافِ مَا إِذَا صَالَحَ عَنْهَا بِإِقْرَارٍ لِأَنَّهُ مُعْتَرِفٌ بِالْمِلْكِ لِلْمُدَّعِي ، وَإِنَّمَا اسْتَفَادَهُ
صراحۃً، برخلاف اس کے جب صلح کردے اس سے انکار کے ساتھ؛ کیونکہ وہ معترف ہے ملک کا مدعی کے لیے اور اس نے حاصل کیا ہے اس کو

بِالصُّلْحِ فَكَانَ مُبَادَلَةً مَالِيَّةً ﴿١١﴾ أَمَّا إِذَا صَالَحَ عَلَيْهَا بِإِقْرَارٍ أَوْ سُكُوتٍ أَوْ إِنْكَارٍ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ
صلح کے ذریعہ پس یہ مبادلہ مالی ہے، رہی یہ صورت کہ جب صلح کرے اس پر اقرار یا سکوت یا انکار کے ساتھ تو ثابت ہو گا شفعہ ان تمام صورتوں میں

لِأَنَّهُ أَخَذَهَا عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِي زَعْمِهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ جِنْسِهِ فَيُعَامَلُ بِزَعْمِهِ
کیونکہ لے لیا ہے اس نے یہ مکان اپنے حق کے عوض کے طور پر اس کے خیال میں بشرطیکہ نہ ہو اس کی جنس سے تو معاملہ کیا جائے گا اس کی سمجھ کے مطابق

تشریح:۔{۱}شفعہ مبادلۃ المال بالمال میں ثابت ہوتا ہے جہاں مبادلۃ المال بالمال نہ پایا جائے وہاں شفعہ بھی ثابت نہ ہوگا یہاں سے مصنفؒ نے پانچ ایسے مسئلے ذکر کئے ہیں جن میں مبادلۃ المال بالمال نہیں ہے اس لیے ان میں شفعہ بھی ثابت نہ ہوگا، ان میں سے ایک مسئلہ یہ کہ ایک مرد نے اپنے کسی مکان کے عوض کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس مکان کے پڑوس کو اس میں حق شفعہ حاصل نہ ہوگا، دوسرا مسئلہ یہ کہ عورت اپنا کوئی مکان شوہر کو دیدے اور اس کے عوض میں شوہر سے خلع لے لے، تیسرا مسئلہ یہ کہ کوئی اپنے مکان کے بدلے دوسرا مکان یا کوئی اور چیز کرایہ پر لے، چوتھا مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے کسی کو عمداً قتل کر دیا پھر مقتول کے ورثہ کو اپنا کوئی مکان دے کر ان کے ساتھ صلح کر لی، پانچواں مسئلہ یہ کہ کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو نے فلاں مکان مجھے دیدیا تو تم آزاد ہو، تو ان پانچوں صورتوں میں شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ شفعہ مبادلۃ المال بالمال میں ثابت ہوتا ہے جیسا کہ شروع میں گذر چکا، اور نکاح، خلع، منفعت وغیرہ اموال نہیں ہیں لہٰذا ان صورتوں میں مبادلۃ المال بالمال نہیں ہے پس ان میں شفعہ واجب کرنا خلاف مشروع اور قلبِ موضوع ہوگا؛ کیونکہ شفیع مشتری کو ان چیزوں کا مالک نہیں کر سکتا ہے لہٰذا مشتری جس چیز کے بدلے ملک حاصل کر چکا ہے شفیع اس کے مثل کے عوض ملک حاصل نہیں کر سکتا ہے اس لیے شفیع کے لیے شفعہ بھی ثابت نہ ہوگا۔

{۲}امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ چیزوں میں شفعہ ثابت ہوگا؛ کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیزیں ذی قیمت مال ہیں؛ کیونکہ شریعت نے ان کو مضمون قرار دیا ہے اور شی کا ضمان اسی شی کی قیمت ہے، لہٰذا شفیع اگرچہ ان چیزوں کا مثل نہیں دے سکتا ہے مگر ان کی قیمت دے کر مکان کو لے سکتا ہے مثلاً نکاح کی صورت میں مہر مثل اور اجارہ کی صورت میں اجرتِ مثل دے کر مکان لے سکتا ہے۔ البتہ اگر کسی نے اپنا کوئی مکان کسی کو ہبہ کیا تو اس میں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی شفعہ نہیں ہے؛ کیونکہ ہبہ میں بالکل عوض نہیں ہوتا ہے اس لیے اس میں شفعہ بھی نہ ہوگا۔

{۳}چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک شفعہ کا حق شریک کو حاصل ہے اس لیے ان کا قول مذکورہ مثالوں میں اس وقت متحقق ہوگا کہ مشترک مکان کا کوئی حصہ مہر یا مہر کی طرح دیگر چیزوں کے بدلے میں دیدے؛ یہ اس لیے کہ وہ شریک کے علاوہ پڑوس کے لیے شفعہ کے قائل نہیں ہیں۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ نکاح میں منافع بضع اور اجارات میں دیگر چیزوں کے منافع ضرورت کی بناء پر قیمتی قرار دیئے گئے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بناء بر ضرورت ثابت ہو وہ بقدرِ ضرورت ثابت رہے گی، ضرورت کے علاوہ ثابت نہ ہوگی، لہٰذا منافع کا قیمتی ہونا شفعہ کے حق میں ظاہر نہ ہوگا؛ کیونکہ شفیع کے حق میں ضرورت نہیں ہے، اسی طرح دم اور عتق بھی قیمتی نہیں ہیں؛ کیونکہ قیمت وہ

ہے جو خاص مطلوب معنی (مالیت) میں غیر کا قائم مقام ہو جبکہ دم اور عتق میں یہ معنی (مالیت کا معنی) متحقق نہیں ہے اس لیے یہ قیمتی نہیں ہیں اور جب یہ چیزیں قیمتی نہیں ہیں تو مال نہیں ہیں لہذا مبادلۃ المال بالمال نہیں پایا جارہا ہے اس لیے شفعہ واجب نہ ہوگا۔

{۴} اگر کسی شخص نے مہر مقرر کئے بغیر کسی عورت سے نکاح کیا، پھر نکاح کے بعد کوئی مکان اس کے لیے بطورِ مہر مقرر کیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بوقتِ عقد اس کو بطورِ مہر مقرر کیا ہے؛ کیونکہ جیسا کہ عقد کے وقت مقرر کیا ہوا مکان بضع کا مقابل ہوتا ہے اسی طرح عقد کے بعد مقرر کیا ہوا مکان بھی بضع کا مقابل ہے، اس لیے اس میں بھی شفیع کے لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا۔ البتہ اگر عقد کے وقت مہر ہزار روپیہ ہوں یا بوقتِ عقد مہر مقرر نہیں کیا تھا اس لیے مہر مثل واجب ہوا، پھر شوہر نے مہر مسمّٰی یا مہر مثل کے عوض عورت کے ہاتھ کوئی مکان فروخت کر دیا تو اس میں شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہوگا؛ کیونکہ یہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔

{۵} اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر میں ایک مکان مقرر کیا اور ساتھ ہی یہ شرط لگائی کہ یہ پورا مکان مہر ہے مگر چونکہ زیادہ قیمتی ہے اس لیے عورت اس کے عوض ایک ہزار روپیہ بھی مجھے دے گی، تو امام صاحبؒ کے نزدیک پورے مکان میں شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہزار روپیہ کے بقدر مکان میں شفعہ ثابت ہوگا؛ کیونکہ ہزار روپیہ کے بقدر حصے میں مبادلۃ المال بالمال پایا جاتا ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔

{٦} امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بے شک بیع بھی ہے اور نکاح بھی ہے مگر بیع یہاں تابع ہے مقصود نکاح ہے یہی وجہ ہے کہ لفظِ نکاح سے یہ بیع منعقد ہو جاتی ہے تو یہ دلیل ہے کہ بیع اس عقد میں تابع ہے، اسی طرح یہ مسلّم ہے کہ بیع شرطِ فاسد سے باطل ہو جاتی ہے اور یہاں بیع میں نکاح کی شرط لگائی گئی ہے جو کہ شرطِ فاسد ہے تو اس سے بیع فاسد ہونی چاہیئے حالانکہ یہ بیع شرطِ نکاح سے فاسد نہیں ہو رہی ہے تو یہ دلیل ہے کہ بیع یہاں تابع ہے، پس جب نکاح اصل ہے اور بیع تابع ہے اور اصل میں حق شفعہ نہیں ہے تو تابع میں بھی حق شفعہ نہ ہوگا؛ کیونکہ تابع کے لیے الگ حکم نہیں ہوا کرتا ہے۔

{۷} دوسری دلیل یہ ہے کہ شفعہ اس مبادلۂ مالی میں ہوتا ہے جو مبادلۂ مالی مقصود ہو، اور جو تابع ہو اس میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا ہے حتی کہ مضارب نے اگر مالِ مضاربت کے ہزار روپیہ میں تجارت کر کے ایک ہزار نفع حاصل کیا پھر ان دو ہزار کے عوض کوئی مکان خریدا تو اس میں نصف نفع یعنی پانچ سو کے بقدر حصہ مضارب کا ہے اب اگر مضارب نے اس مکان کو فروخت کیا تو مضارب کے

حصے کے بقدر میں ربّ المال کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ یہاں ایک ہزار روپیہ منافع مقصود نہیں ہیں بلکہ مقصود مال مضاربت ہے اور نفع تابع ہے اور تابع میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔

فتوی:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: الراجح ما قاله الامام به جزم فی شرح المجلة و الدر المختار وغیرهما (هامش الهداية: 4ص401)

{۸} اگر ایک شخص نے کسی مکان پر دعوی کیا کہ یہ میرا ہے، اور مدعی علیہ نے کہا کہ ہزار روپیہ لے لو اور اس دعوی کو چھوڑ دو، مدعی نے ہزار روپیہ لے کر دعوی کو چھوڑ دیا تو اس مکان کے پڑوس کو حق شفعہ حاصل ہوگا یا نہیں؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ مدعی علیہ نے مدعی کے دعوے کا انکار کر کے جان چھڑانے کے لیے اس کو ہزار روپیہ دے کر صلح کرلی تو اس صورت میں پڑوس کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی علیہ نے مدعی کے دعوے کا اقرار کیا کہ بے شک مکان تیرا ہے مگر ہزار روپیہ لے لو اور دعوی کو چھوڑ دو، تو اس صورت میں پڑوس کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

{۹} صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مختصر القدوری کے اکثر نسخوں میں "صَالَحَ عَلَيْهَا" ذکر ہے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ "أوْ يُصَالِحُ عَنْهَا" ہے یعنی "عَلَيْهَا" کی بجائے "عَنْهَا" ہے، "صَالَحَ عَلَيْهَا" کا مطلب یہ کہ کسی دعوی سے مکان دے کر صلح کرلی، اور "أوْ يُصَالِحُ عَنْهَا" کا مطلب یہ کہ مکان کے دعوی میں کوئی چیز دے کر صلح کرلی، یہ نسخہ اس لیے صحیح ہے کہ جب مکان کے دعوی میں مدعی کے دعوی کا انکار کرتے ہوئے کوئی چیز مدعی کو دے کر صلح کرلی تو مکان مدعی علیہ کے قبضہ ہی میں رہے گا اور اس کا خیال یہ ہے کہ مکان اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا ہے لہذا مبادلہ نہیں پایا گیا اس لیے شفعہ بھی واجب نہ ہوگا۔

{۱۰} اور اگر مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی پر خاموشی اختیار کی نہ اس کا اقرار کیا اور نہ انکار کیا اور مکان کے بدلے میں مثلاً ہزار روپیہ دے کر صلح کرلی تو بھی اس مکان میں شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس نے ہزار روپیہ اس لیے دیئے ہیں تاکہ یہ اس پر قسم آنے کا فدیہ ہوں اور مدعی کا شور و شغب ختم ہو تو یہ مدعی علیہ کی طرف سے صریح انکار کرنے کے درجے میں ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی کا اقرار کرتے ہوئے ہزار روپیہ دے کر مکان سے صلح کرلی تو اس صورت میں شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ اقرار کر کے اس نے اعتراف کیا کہ اصل ملک مدعی کی ہے اس نے صلح کے ذریعہ سے مکان کی ملکیت حاصل کی ہے، تو یہ مبادلہ مالی ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔

{۱۱} اور اگر دعویٰ کسی اور شی کا ہو مدعی علیہ نے اس شی سے مکان دینے پر صلح کرلی، تو خواہ یہ صلح اقرار کے ساتھ ہو یا انکار یا سکوت کے ساتھ ہو تینوں صورتوں میں مذکورہ مکان میں شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ مدعی کا خیال یہ ہے کہ وہ مکان اپنے حق کے عوض میں لے رہا ہے تو یہ مبادلہ مالی ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ یہ عوض اس کے حق کی جنس سے نہ ہو ورنہ تو وہ اپنے حق کو وصول کرنے والا ہوگا لہٰذا اس میں معاوضہ کا معنی نہیں پایا جا رہا ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا۔

{۱} قَالَ: وَلَا شُفْعَةَ فِي هِبَةٍ لِمَا ذَكَرْنَا، إلَّا أَنْ تَكُونَ بِعِوَضٍ مَشْرُوطٍ؛ لِأَنَّهُ بَيْعٌ انْتِهَاءً

فرمایا: اور شفعہ نہیں ہے ہبہ میں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے مگر یہ کہ ہو مشروط عوض کے ساتھ؛ کیونکہ یہ بیع ہے انتہا کے اعتبار سے

وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبْضِ وَأَنْ لَا يَكُونَ الْمَوْهُوبُ وَلَا عِوَضُهُ شَائِعًا لِأَنَّهُ هِبَةٌ ابْتِدَاءً، وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ فِي كِتَابِ الْهِبَةِ،

اور ضروری ہے قبضہ، اور یہ کہ نہ ہو موہوب اور اس کا عوض شائع؛ کیونکہ یہ ہبہ ہے ابتداءً، اور ہم ثابت کر چکے ہیں اسے کتاب الہبہ میں

{۲} بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَكُنِ الْعِوَضُ مَشْرُوطًا فِي الْعَقْدِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا هِبَةٌ مُطْلَقَةٌ، إلَّا أَنَّهُ أُثِيبَ مِنْهَا

برخلاف اس صورت کے جب نہ ہو عوض مشروط عقد میں؛ کیونکہ ہر ایک ان دونوں میں سے مطلق ہبہ ہے مگر یہ کہ عوض دیا ہے

فَامْتَنَعَ الرُّجُوعُ. {۳} قَالَ: وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ، لِأَنَّهُ يَمْنَعُ زَوَالَ الْمِلْكِ عَنِ الْبَائِعِ، فَإِنْ

تو ممتنع ہوگی واپسی۔ فرمایا: اور جو شخص فروخت کر دے بشرط خیار تو شفعہ نہیں شفیع کے لیے؛ کیونکہ یہ روکتا ہے زوال ملک کو بائع سے، پھر اگر

أَسْقَطَ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ لِأَنَّهُ زَالَ الْمَانِعُ عَنِ الزَّوَالِ {۴} وَيُشْتَرَطُ الطَّلَبُ عِنْدَ سُقُوطِ الْخِيَارِ فِي الصَّحِيحِ

ساقط کر دیا گیا خیار تو ثابت ہوگا شفعہ؛ کیونکہ مانع زائل ہوا زوال ملک کا، اور شرط ہے طلب سقوط خیار کے وقت صحیح قول کے مطابق

لِأَنَّ الْبَيْعَ يَصِيرُ سَبَبًا لِزَوَالِ الْمِلْكِ عِنْدَ ذَلِكَ {۵} وَإِنِ اشْتَرَى بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ لِأَنَّهُ لَا يَمْنَعُ زَوَالَ الْمِلْكِ

کیونکہ بیع ہو جاتی ہے سبب زوال ملک کا اس وقت، اور اگر خریدا خیار شرط کے ساتھ تو ثابت ہوگا شفعہ؛ کیونکہ خیار مانع نہیں ہے زوال ملک کے لیے

عَنِ الْبَائِعِ بِالِاتِّفَاقِ، وَالشُّفْعَةُ تُبْتَنَى عَلَيْهِ عَلَى مَا مَرَّ. وَإِذَا أَخَذَهَا فِي الثَّلَاثِ وَجَبَ

بائع سے بالاتفاق، اور شفعہ مبنی ہوتا ہے زوال ملک پر جیسا کہ گذر چکا ہے، اور جب لے لے اس کو تین دن کے اندر تو واجب ہو جائے گی

الْبَيْعُ لِعَجْزِ الْمُشْتَرِي عَنِ الرَّدِّ، وَلَا خِيَارَ لِلشَّفِيعِ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ بِالشَّرْطِ، وَهُوَ

بیع مشتری کے عاجز ہونے کی وجہ سے واپسی سے، اور خیار نہیں ہوگا شفیع کے لیے؛ کیونکہ خیار ثابت ہوتا ہے شرط کرنے سے اور وہ

لِلْمُشْتَرِي دُونَ الشَّفِيعِ. {۶} وَإِنْ بِيعَتْ دَارٌ إِلَى جَنْبِهَا وَالْخِيَارُ لِأَحَدِهِمَا

مشتری کے لیے تھی نہ کہ شفیع کے لیے، اور اگر فروخت کیا گیا مکان دار مشفوعہ کے برابر میں اور خیار دونوں میں سے ایک کے لیے تھا

فَلَهُ الْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ أَمَّا لِلْبَائِعِ فَظَاهِرٌ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ فِي الَّتِي يَشْفَعُ بِهَا،

تو اس کو اختیار ہے شفعہ میں لینے، بہرحال بائع کے لیے تو ظاہر ہے ابھی باقی ہونے اس کی ملک کے اس مکان میں جس کی وجہ سے وہ شفعہ لے رہا ہے

وَكَذَا إِذَا كَانَ لِلْمُشْتَرِي{۷}وَفِيهِ إِشْكَالٌ أَوْضَحْنَاهُ فِي الْبُيُوعِ فَلَا نُعِيدُهُ،

اور اسی طرح جب خیار ہو مشتری کے لیے، اور اس میں ایک اشکال ہے جس کو ہم نے واضح کر دیا کتاب البیوع میں، پس اعادہ نہیں کریں گے اس کا

وَإِذَا أَخَذَهَا كَانَ إِجَازَةً مِنْهُ لِلْبَيْعِ ،{۸}بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَاهَا وَلَمْ يَرَهَا

اور جب مشتری مکان لے لے تو یہ اجازت ہوگی اس کی طرف سے بیع کی، برخلاف اس کے جب خرید لے مکان حالانکہ اس کو نہ دیکھا ہو

حَيْثُ لَا يَبْطُلُ خِيَارُهُ بِأَخْذِ مَا بِيعَ بِجَنْبِهَا بِالشُّفْعَةِ ، لِأَنَّ خِيَارَ الرُّؤْيَةِ لَا يَبْطُلُ

کہ باطل نہ ہوگا اس کا خیار اس مکان کے لینے سے جو فروخت ہوا ہے اس کے برابر میں بطور شفعہ؛ کیونکہ خیار رؤیت باطل نہیں ہوتا ہے

بِصَرِيحِ الْإِبْطَالِ فَكَيْفَ بِدَلَالَتِهِ ، ثُمَّ إِذَا حَضَرَ شَفِيعُ الدَّارِ الْأُولَى لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا دُونَ الثَّانِيَةِ

صراحۃً باطل کرنے تو کیسا باطل ہوگا دلالت ابطال سے، پھر جب آئے پہلے مکان کا شفیع تو اس کو اختیار ہوگا کہ لے لے اس کو نہ کہ ثانی کو

لِانْعِدَامِ مِلْكِهِ فِي الْأُولَى حِينَ بِيعَتِ الثَّانِيَةُ

بوجہ معدوم ہونے اس کی ملک کے اول میں جس وقت کہ فروخت ہوا ثانی۔

تشریح:۔ {۱} اگر کسی نے اپنا مکان کسی کو ہبہ کر دیا تو اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ یہ معاوضہ مالی ہے۔ البتہ اگر ہبہ میں عوض شرط ہو مثلاً کہا یہ مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے ہزار روپیہ عوض دے تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا؛ کیونکہ یہ ابتداءً اگرچہ ہبہ ہے مگر انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے؛ کیونکہ اس میں معاوضہ مالی کا معنی پایا جا رہا ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت ہوگا، نیز اس ہبہ میں یہ شرط ہے کہ موہوب چیز پر قبضہ کیا جائے، اور یہ شرط ہے کہ موہوب چیز اور اس کا عوض شائع نہ ہوں بلکہ مقسوم ہوں؛ کیونکہ یہ ابتداءً ہبہ ہے اور ہبہ کے لیے قبضہ شرط ہے اور یہ شرط ہے کہ موہوب چیز اور اس کا عوض شائع نہ ہو، اور یہ ہم "کتاب الہبہ" میں بیان کر چکے ہیں۔

{۲} اس کے برخلاف اگر واہب نے مکان ہبہ کیا اور عقد کے اندر عوض کی شرط نہیں لگائی، بعد میں موہوب لہ نے واہب کو اس کا عوض دیدیا تو اس مکان میں ہبہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں مکان اور اس کے عوض میں سے ہر ایک مطلق ہبہ ہے

عوض مالی نہیں ہے اس لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا، البتہ چونکہ واہب کو اس کے مکان کا بدلہ دیدیا گیا اس لیے اب اگر واہب اس مکان کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ ایسا ہبہ جس کا عوض ملے اس میں رجوع کرنا ممتنع ہوتا ہے۔

{۳} اگر بائع نے مکان تین دن کے خیارِ شرط پر فروخت کیا تو اس مکان میں شفیع کے لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ خیارِ شرط بائع کی مِلک کے زائل ہونے کے لیے مانع ہے، تو جب مکان اس کی مِلک سے نہیں نکلا ہے تو اس میں شفعہ بھی ثابت نہ ہوگا۔ پھر اگر بائع نے اپنے خیار کو ساقط کر دیا تو شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ بائع کی مِلک کے زوال کے لیے جو چیز مانع تھی وہ مانع زائل ہو گیا پس زوالِ مِلک پایا گیا اس لیے شفعہ ثابت ہوگا۔

{۴} سابق میں گذر چکا کہ شفیع کی طلب ضروری ہے، مگر یہاں صحیح قول کے مطابق عقد کے موقع پر طلب شرط نہیں ہے بلکہ خیار شرط ساقط کرنے کے وقت شرط ہے؛ کیونکہ بیع خیار شرط ساقط کرنے کے وقت ہی بائع کی مِلک کے زوال کا سبب بنتی ہے اور طلب اسی وقت شرط ہے جس وقت کہ بیع زوالِ مِلک کا سبب بنے، اس لیے عقد کے وقت طلب شرط نہیں بلکہ خیار شرط کے سقوط کے وقت طلب شرط ہے۔

{۵} اگر مشتری نے مکان خیار شرط کے ساتھ خریدا تو اس میں شفیع کے لیے حق شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ سابق میں گذر چکا ہے کہ مشتری کا خیار شرط بالاتفاق بائع کی مِلک کے زوال کے لیے مانع نہیں ہے پس جب بائع کی مِلک زائل ہو گئی تو شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ ثبوتِ شفعہ کی بنیاد زوالِ مِلک پر ہے جیسا کہ "کتاب الشفعة" کے شروع میں گذر چکا۔

اگر تین دن کے خیار شرط کے دوران میں شفیع نے مکان کو شفعہ میں لے لیا تو بائع اور مشتری کے درمیان واقع ہونے والا عقد واجب ہو جائے گی؛ کیونکہ اب مشتری خیار شرط کے تحت مبیع واپس نہیں کر سکتا ہے اس لیے یہ بیع لازم ہو گی۔ اور شفیع کے لیے خیار شرط ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ خیار شرط عقد میں شرط کرنے سے ثابت ہوتا ہے اور عقد میں خیار شرط کی شرط بائع اور مشتری کے درمیان ہوئی تھی نہ کہ بائع اور شفیع کے درمیان، اس لیے شفیع کے لیے خیار شرط نہ ہوگا۔

{٦} جس مکان میں بائع یا مشتری کے لیے خیار شرط ہو اسی مکان کے برابر میں اگر کوئی دوسرا مکان فروخت ہوا تو دونوں میں سے جس کے لیے خیار شرط ہو وہ اس دوسرے مکان کو شفعہ میں لے سکتا ہے، بہر حال بائع کے لیے خیار شرط ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے؛ کیونکہ اس کے خیار شرط سے وہ مکان اس کی مِلک سے نہیں نکلتا ہے جس مکان کی وجہ سے وہ شفعہ کا دعوی کر رہا ہے اس لیے دوسرے مکان میں اس کو شفعہ کا حق ہوگا۔ اسی طرح اگر خیار شرط مشتری کے لیے ہو تو اس کو بھی حق شفعہ حاصل ہوگا۔

{۷} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کے لیے خیارِ شرط ہونے کی صورت میں ایک اشکال ہے جس کو ہم "کتاب البیوع" میں وضاحت کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں اس لیے اسے دوبارہ نہیں لوٹائیں گے۔ وہ اشکال یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں مشتری کے لیے حقِ شفعہ ہونا تو صحیح ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک مشتری کے لیے خیارِ شرط کی صورت میں مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے اس لیے اس کو دوسرے مکان کو شفعہ میں لینے کا حق ہو گا۔ مگر امام صاحبؒ کے نزدیک اس صورت میں اگرچہ مکان بائع کی ملک سے نکل جاتا ہے مگر مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوتا ہے اور شفعہ کی بنیاد ملک پر ہے تو جب ملک ثابت نہ ہوئی تو شفعہ واجب نہیں ہونا چاہیے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب مشتری نے دوسرے مکان کو شفعہ میں لینے پر اقدام کیا تو یہ اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اپنے خیار کو ساقط کر کے بیع لازم کر دی ہے اس لیے اس کے لیے ملک ثابت ہو جائے گی اور وہ شفعہ کا حقدار ہو گا۔

{۸} مشتری کا شفعہ میں مکان لینے سے اس کا خیارِ شرط تو ساقط ہو جاتا ہے، مگر اس کا خیارِ رؤیت ساقط نہیں ہوتا ہے مثلاً مشتری نے ایک مکان خریدا مگر اس کو دیکھا نہیں تھا، پھر اس کے برابر میں دوسرا مکان فروخت ہوا اور مشتری نے اس دوسرے مکان کو شفعہ میں لے لیا، پھر اول مکان کو دیکھ لیا تو وہ خیارِ رؤیت کے تحت اول مکان کو واپس کر سکتا ہے شفعہ پر اقدام کرنا اس کے خیارِ رؤیت کو ساقط نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ خیارِ رؤیت تو صراحتاً اس طرح کہنے سے کہ میرے لیے خیارِ رؤیت نہیں ہے باطل نہیں ہوتا ہے تو دلالتِ ابطال سے کیسے باطل ہو گا۔

پھر جب مشتری نے دوسرا مکان شفعہ میں لے لیا، اب اول مکان کا شفیع آ گیا اور اس نے شفعہ کا دعویٰ کیا تو اس کو فقط اول مکان کو شفعہ میں لے سکتا ہے دوسرے مکان کو نہیں لے سکتا ہے؛ کیونکہ جس وقت دوسرا مکان فروخت ہوا اس وقت آنے والے شفیع کو اول مکان میں ملک حاصل نہیں تھی اور بلا ملک شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

{۱} قَالَ : وَمَنْ ابْتَاعَ دَارًا شِرَاءً فَاسِدًا

۔ فرمایا: اور جو شخص خرید لے مکان شراءِ فاسد کے ساتھ

فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا، أَمَّا قَبْلَ الْقَبْضِ فَلِعَدَمِ زَوَالِ مِلْكِ الْبَائِعِ، وَبَعْدَ الْقَبْضِ لِاحْتِمَالِ الْفَسْخِ، {۲} وَحَقُّ الْفَسْخِ ثَابِتٌ

تو شفعہ نہ ہو گا اس میں، بہر حال قبضہ سے پہلے تو ملکِ بائع زائل نہ ہونے کی وجہ سے، اور قبضہ کے بعد احتمالِ فسخ کی وجہ سے، اور حقِ فسخ ثابت ہے

بِالشَّرْعِ لِدَفْعِ الْفَسَادِ، وَفِي إثْبَاتِ حَقِّ الشُّفْعَةِ تَقْرِيرُ الْفَسَادِ فَلَا يَجُوزُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِي

بحکمِ شرع فساد دور کرنے کے لیے، اور حقِ شفعہ ثابت کرنے میں تقریرِ فساد ہے، پس جائز نہیں ہے، برخلاف اس کے جب ہو خیار مشتری کے لیے

فِي الْبَيْعِ الصَّحِيحِ لِأَنَّهُ صَارَ أَخَصَّ بِهِ تَصَرُّفًا وَفِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ مَمْنُوعٌ عَنْهُ ﴿۳﴾ قَالَ: فَإِنْ سَقَطَ حَقُّ الْفَسْخِ

بیع صحیح میں؛ کیونکہ ہو گیا مشتری اس میں مختص تصرف کے ساتھ، اور بیع فاسد میں ممنوع ہے تصرف سے۔ فرمایا: پس اگر ساقط ہو گیا حق فسخ

وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ لِزَوَالِ الْمَانِعِ، وَإِنْ بِيعَتْ دَارٌ بِجَنْبِهَا وَهِيَ فِي يَدِ الْبَائِعِ بَعْدُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ

تو ثابت ہو گا شفعہ زوالِ مانع کی وجہ سے، اور اگر فروخت ہوا مکان اس کے برابر میں اور وہ بائع کے قبضہ میں ہو اب تک تو اس کے لیے شفعہ ہو گا

لِبَقَاءِ مِلْكِهِ، وَإِنْ سَلَّمَهَا إِلَى الْمُشْتَرِي فَهُوَ شَفِيعُهَا لِأَنَّ الْمِلْكَ لَهُ، ثُمَّ إِنْ سَلَّمَ الْبَائِعُ

اس کی ملک کی بقاء کی وجہ سے، اور اگر سپرد کیا پہلا مکان مشتری کو تو وہ اس کا شفیع ہو گا؛ کیونکہ ملکیت اسی کی ہے، پھر اگر سپرد کیا بائع نے

قَبْلَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ لَهُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ كَمَا إِذَا بَاعَ، بِخِلَافِ مَا إِذَا سَلَّمَ

اس کے لیے شفعہ کا حکم کرنے سے پہلے تو باطل ہو گا اس کا شفعہ جیسا کہ جب فروخت کر دے، برخلاف اس کے جب سپرد کر دے

بَعْدَهُ لِأَنَّ بَقَاءَ مِلْكِهِ فِي الدَّارِ الَّتِي يُشْفَعُ بِهَا بَعْدَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَبَقِيَتِ

فیصلۂ شفعہ کے بعد؛ کیونکہ اس کی ملک کی بقاء اس مکان میں جس کی وجہ سے وہ شفعہ لے رہا ہے حکم بالشفعہ کے بعد شرط نہیں ہے، پس باقی رہا

الْمَأْخُوذَةُ بِالشُّفْعَةِ عَلَى مِلْكِهِ، ﴿۴﴾ وَإِنِ اسْتَرَدَّهَا الْبَائِعُ مِنَ الْمُشْتَرِي قَبْلَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ لَهُ بَطَلَتْ

شفعہ میں لیا ہوا مکان اس کی ملک پر، اور اگر اس کو واپس کیا بائع نے مشتری سے اس کے لیے حکم بالشفعہ سے پہلے تو باطل ہو جائے گا؛

لِانْقِطَاعِ مِلْكِهِ عَنِ الَّتِي يُشْفَعُ بِهَا قَبْلَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ، وَإِنِ اسْتَرَدَّهَا بَعْدَ الْحُكْمِ بَقِيَتِ

بوجہ منقطع اس کی ملک کے اس مکان سے جس کی وجہ سے وہ شفعہ لے رہا ہے حکم بالشفعہ سے پہلے، اور اگر واپس لیا اس کو حکم کے بعد باقی رہے؟

الثَّانِيَةُ عَلَى مِلْكِهِ لِمَا بَيَّنَّا ﴿۵﴾ قَالَ: وَإِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ

دوسرا مکان اس کی ملک پر اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور جب تقسیم کر لیں شرکاء زمین کو تو شفعہ نہیں ان کے پڑوس کے لیے

بِالْقِسْمَةِ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ فِيهَا مَعْنَى الْإِفْرَازِ وَلِهَذَا يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ؛ وَالشُّفْعَةُ مَا شُرِعَتْ

تقسیم کی وجہ سے؛ کیونکہ تقسیم میں علیحدگی کا معنی پایا جاتا ہے، اور اسی لیے جاری ہوتا ہے اس میں جبر، اور شفعہ مشروع نہیں ہوا ہے

إِلَّا فِي الْمُبَادَلَةِ الْمُطْلَقَةِ ﴿۶﴾ قَالَ: وَإِذَا اشْتَرَى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِي بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ

مگر مبادلۂ مطلق میں۔ فرمایا: اور اگر خریدا کوئی مکان، پس چھوڑ دیا شفیع نے شفعہ، پھر واپس کیا اس مکان کو مشتری نے خیارِ رؤیت سے،

أَوْ شَرْطٍ أَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ؛ لِأَنَّهُ فَسْخٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَعَادَ إِلَى قَدِيمِ مِلْكِهِ

یا خیارِ شرط یا کسی عیب کی وجہ سے قضاءِ قاضی سے تو شفعہ نہ ہوگا شفیع کے لیے؛ کیونکہ یہ فسخ ہے ہر طرح سے پس لوٹ آیا اس کی قدیم ملک کی طرف

وَالشُّفْعَةُ فِي إِنْشَاءِ الْعَقْدِ، وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا بَيْنَ الْقَبْضِ وَعَدَمِهِ ﴿٧﴾ وَإِنْ رَدَّهَا بِعَيْبٍ بِغَيْرِ قَضَاءٍ أَوْ تَقَايَلَا الْبَيْعَ

اور شفعہ جدید عقد میں ہوتا ہے، اور فرق نہیں ہے اس میں قبضہ اور عدم قبضہ میں، اور اگر واپس کیا مکان کو قضاءِ قاضی کے بغیر، یا دونوں نے اقالہ کر لیا بیع کا

فَلِلشَّفِيعِ الشُّفْعَةُ ؛ لِأَنَّهُ فَسْخٌ فِي حَقِّهِمَا لِوِلَايَتِهِمَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا وَقَدْ قَصَدَا الْفَسْخَ

تو شفیع کو حقِ شفعہ ہوگا؛ کیونکہ یہ فسخ ہے ان دونوں کے حق میں بوجہ ان کی ولایت کے اپنی ذات پر اور دونوں نے قصد کیا ہے فسخ کا،

وَهُوَ بَيْعٌ جَدِيدٌ فِي حَقِّ ثَالِثٍ لِوُجُودِ حَدِّ الْبَيْعِ وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِي وَالشَّفِيعُ ثَالِثٌ

اور یہ بیع جدید ہے تیسرے کے حق میں؛ بوجہ موجود ہونے تعریفِ بیع کے اور وہ تبادلہ کرنا ہے مال کا مال سے باہمی رضامندی سے، اور شفیع تیسرا ہے

﴿٨﴾ وَمُرَادُهُ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ لِأَنَّ قَبْلَهُ فَسْخٌ مِنَ الْأَصْلِ وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ قَضَاءٍ عَلَى مَا عُرِفَ

اور ماتن کی مراد ردّ بالعیب سے قبضہ کے بعد ہے؛ کیونکہ قبضہ سے پہلے فسخ ہے اصل سے اگرچہ وہ قضاءِ قاضی کے بغیر ہو جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے

﴿٩﴾ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : وَلَا شُفْعَةَ فِي قِسْمَةٍ وَلَا خِيَارِ رُؤْيَةٍ ، وَهُوَ بِكَسْرِ الرَّاءِ ، وَمَعْنَاهُ : لَا شُفْعَةَ

اور جامع صغیر میں ہے: اور شفعہ نہیں ہے تقسیم میں اور نہ خیارِ رؤیت میں، اور وہ راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور اس کا معنی ہے شفعہ نہیں ہے

بِسَبَبِ الرَّدِّ بِخِيَارِ الرُّؤْيَةِ لِمَا بَيَّنَّاهُ ، وَلَا تَصِحُّ الرِّوَايَةُ بِالْفَتْحِ عَطْفًا عَلَى الشُّفْعَةِ لِأَنَّ

بسببِ واپسی خیارِ رؤیت کی وجہ سے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور صحیح نہیں ہے روایت مفتوح عطف کر کے شفعہ پر؛ کیونکہ

الرِّوَايَةَ مَحْفُوظَةٌ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ يَثْبُتُ فِي الْقِسْمَةِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَخِيَارُ الشَّرْطِ لِأَنَّهُمَا يَثْبُتَانِ لِخَلَلٍ فِي الرِّضَا

روایت محفوظ ہے کتاب القسمۃ میں کہ ثابت ہوتے ہیں تقسیم میں خیارِ رؤیت اور خیارِ شرط؛ کیونکہ یہ دونوں ثابت ہوتے ہیں رضا میں خلل کی وجہ سے

فِيمَا يَتَعَلَّقُ لُزُومُهُ بِالرِّضَا ، وَهَذَا الْمَعْنَى مَوْجُودٌ فِي الْقِسْمَةِ ، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ

اس عقد میں کہ متعلق ہوتا ہے اس کا لزوم رضا سے، اور یہ معنی موجود ہے تقسیم میں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تشریح:۔ ﴿١﴾ اگر کسی نے شراءِ فاسد کے ساتھ کوئی مکان خریدا مثلاً بیع میں کوئی شرطِ فاسد لگائی تھی جس کی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی تھی تو اس مکان کے شفیع کو نہ مشتری کے قبضہ سے پہلے اور نہ مشتری کے قبضہ کے بعد حقِ شفعہ حاصل ہوگا، مشتری کے قبضہ سے پہلے اس لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا کہ اس صورت میں مکان سے بائع کی ملک زائل نہیں ہوتی ہے لہٰذا مبادلہ مالی نہیں پایا گیا اس لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا، اور مشتری کے قبضہ کے بعد اس لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کہ اس بیع کے فسخ ہونے کا احتمال ہے اس لیے دفعِ فساد کے لیے

شریعت کی طرف سے عاقدین کو حقِ فسخ حاصل ہے تو حقِ شفعہ ثابت کرنے میں اس فساد کو دفع کرنا نہیں ہے بلکہ اسے اور پختہ کرنا ہے جو شریعت کے مقتضٰی کے خلاف ہے اس لیے اس مکان کو بحقِ شفعہ لینا جائز نہیں ہے۔

{۲}سوال یہ ہے کہ فسخ بیع کا احتمال تو بیع صحیح میں بھی ہے یوں کہ بیع میں خیار شرط مشتری کو حاصل ہو تو وہ اس بیع کو توڑ سکتا ہے لہٰذا بیع صحیح کی اس صورت میں بھی شفعہ ثابت نہیں ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ دونوں بیوع میں فرق ہے وہ یہ کہ بیع صحیح میں مشتری مبیع میں تصرف کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے یعنی اس کو تصرف کا اختیار ہوتا ہے جبکہ بیع فاسد میں مشتری مبیع میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے اس لیے بیع صحیح کو بیع فاسد پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{۳}اور اگر بیع فاسد میں حقِ فسخ ختم ہو گیا بایں طور کہ مشتری نے مبیع کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دی تو اب سابقہ بیع میں حقِ فسخ ساقط ہو جائے گا اس لیے شفیع کے لیے اس میں شفعہ ثابت ہو جائے گا؛ کیونکہ مانع زائل ہو گیا۔ اور اگر بیع فاسد کے طور پر فروخت شدہ مکان کے برابر میں مکان فروخت ہوا اور بیع فاسد کی صورت کی مبیع بائع کے قبضہ میں ہو، تو بائع کو اس دوسرے مکان میں حقِ شفعہ حاصل ہوگا؛ کیونکہ اول مکان میں بائع کی مِلک باقی ہے۔ اور اگر بائع نے اول مکان مشتری کو سپرد کر دیا تھا تو اب دوسرے مکان کا شفیع مشتری ہوگا؛ کیونکہ اول مکان اب مشتری کی مِلک میں ہے۔ اور اگر اول مکان بائع کے قبضہ میں ہو کہ دوسرا مکان فروخت ہوا اور بائع نے عدالت میں شفعہ کا دعوی کیا، مگر اب تک قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا ہے کہ اس نے اول مکان مشتری کو سپرد کر دیا تو بائع کا شفعہ باطل ہو جائے گا جیسا کہ اگر کسی نے ایک مکان میں شفعہ کا دعوی کیا، اور قاضی نے اب تک اس کے حق میں فیصلہ نہ کیا ہو کہ اس نے اپنا وہ مکان فروخت کر دیا جس کی وجہ سے اس نے شفعہ کا دعوی کیا ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر قاضی نے بائع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کر دیا پھر بائع نے مبیع مشتری کے سپرد کر دی تو جس مکان کے شفعہ کا فیصلہ بائع کے حق میں ہو چکا ہے وہ اسی کا رہے گا اس میں شفعہ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ اصول ہے کہ جس مکان کی وجہ سے شفعہ کا فیصلہ شفیع کے حق میں ہو چکا ہے اس میں شفیع کی ملکیت ہمیشہ رہنا شرط نہیں ہے، لہٰذا بحقِ شفعہ لیا ہوا مکان شفیع کی مِلک میں رہے گا اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا۔

{۴}اگر بیع فاسد میں مشتری نے مبیع مکان پر قبضہ کر لیا ہو جس کی وجہ سے اس نے دوسرے مکان میں شفعہ کا دعوی کیا، مگر قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا تھا کہ بائع نے مشتری سے اول مکان واپس لے لیا تو مشتری کا شفعہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ جس مکان کی وجہ سے وہ شفعہ کا مدعی تھا شفعہ سے پہلے اس مکان پر سے اس کی ملکیت ختم ہو گئی لہٰذا وہ اب دوسرے مکان میں

شفعہ کا مستحق نہیں رہے گا۔اور اگر قاضی نے دوسرے مکان کا فیصلہ مشتری کے حق میں کر دیا پھر بائع نے اس سے اول مکان واپس لے لیا تو دوسرا مکان اس کی ملک میں رہے گا؛ دلیل وہی ہے جو سابق میں گذر چکی کہ مشفوع بہ مکان کا ہمیشہ شفیع کی ملک میں رہنا شرط نہیں ہے۔

{۵} اگر شریکوں نے آپس میں زمین کو تقسیم کر دیا تو اس تقسیم کی وجہ سے ان کے پڑوس کو حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ تقسیم میں مبادلہ مالی نہیں پایا جاتا ہے بلکہ اس میں اپنے حصوں کو بانٹنا اور جدا جدا کرنے کا معنی پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ تقسیم میں جبر جاری ہوتا ہے یعنی شریک کو تقسیم پر مجبور کیا جا سکتا ہے جبکہ بیع میں باہمی رضامندی ضروری ہے، اور شفعہ صرف مبادلہ مطلقہ میں مشروع ہے اور تقسیم میں چونکہ مبادلہ نہیں پایا جارہا ہے اس لیے اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا۔

{٦} اگر کسی نے کوئی مکان خریدا اور اس کے شفیع نے شفعہ کو چھوڑ دیا، پھر مشتری نے یہ مکان بائع کو واپس کر دیا خیارِ رؤیت کی وجہ سے، یا خیارِ شرط کی وجہ سے یا کسی عیب کی وجہ سے، اور واپسی قاضی کی قضاء سے ہوئی، تو اس واپسی کی وجہ سے شفیع کے لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ ہر طرح سے سابقہ بیع کو فسخ کرنا ہے اور مبیع بائع کی قدیم ملک میں واپس آگئی ہے لہٰذا یہ سابقہ ملک کا استمرار اور بقاء ہے جدید عقد نہیں ہے حالانکہ شفعہ انشاءِ عقد میں ہوتا ہے استمرارِ ملک میں شفعہ نہیں ہوتا ہے۔اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ مشتری نے قبضہ سے پہلے مبیع واپس کی ہو یا قبضہ کے بعد، دونوں صورتوں میں شفیع کے لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا۔

{۷} اور اگر مشتری نے عیب کی وجہ سے از خود مکان بائع کو واپس کر دیا قاضی کی قضاء سے واپس نہیں کیا، یا بائع اور مشتری نے اقالہ کر کے بیع کو ختم کر دیا، تو ان دو صورتوں میں شفیع کے لیے شفعہ ثابت ہوگا؛ کیونکہ یہ واپسی بائع اور مشتری کے حق میں فسخ بیع ہے؛ کیونکہ ان کو اپنے آپ پر ولایت حاصل ہے اور انہوں نے فسخ کا قصد کیا ہے تو یہ ان کے حق میں فسخ ہوگا، البتہ عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کے حق میں یہ بیع جدید ہے؛ کیونکہ بیع کی تعریف اس پر صادق ہے اور بیع کی تعریف باہمی رضامندی سے مبادلۃ المال بالمال ہے اور یہ تعریف اس واپسی اور اقالہ پر صادق ہے اور شفیع عاقدین کے علاوہ تیسرا شخص ہے اس لیے شفیع کے حق میں یہ بیع جدید ہے لہٰذا شفیع کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔

{۸} اور مذکورہ تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ مشتری قبضہ کے بعد خیارِ عیب کی وجہ سے مبیع واپس کر دے، ورنہ اگر قبضہ سے پہلے قاضی کی قضاء کے بغیر واپس کر دی تو یہ بالکلیہ فسخ بیع ہے اگرچہ قاضی کی قضاء کے بغیر ہو جیسا کہ یہ بات "باب خیار الرؤیۃ" میں معلوم ہو چکی ہے، بہر حال جب یہ بالکلیہ فسخ بیع ہے تو اس میں شفیع کو حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا۔

﴿9﴾ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں ہے کہ نہ تقسیم میں شفعہ ہے اور نہ خیار رؤیت میں شفعہ ہے، خیار رؤیت میں میں خیار راء کے کسرہ کے ساتھ ہے راء پر فتحہ نہیں ہے؛ کیونکہ خیار کا عطف قیمت پر ہے شفعہ پر نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کرنے کی صورت میں شفیع کے لیے شفعہ نہیں ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ یہ ہر طرح سے رفع عقد ہے انشاءِ عقد نہیں ہے اس لیے اس میں شفعہ نہیں ہے۔ اور خیار رؤیت میں خیار کے راء کو مفتوح پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں یہ "شفعۃ" پر عطف ہوگا، اور مطلب ہوگا کہ قسمت میں نہ شفعہ ہے اور نہ خیار رؤیت ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مبسوط کی "کتاب القسمۃ" میں یہ روایت محفوظ ہے کہ قسمت میں خیار رؤیت اور خیار شرط پائے جاتے ہیں؛ اس لیے کہ وہ عقود جن کا لزوم عاقدین کی رضامندی کے ساتھ متعلق ہوتا ہے ان میں رضامندی میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے خیار رؤیت اور خیار شرط ثابت ہوتے ہیں تاکہ اچھی طرح سے واضح ہو کہ عاقدین اس عقد پر راضی ہیں، اور یہ بات قسمت میں بھی پائی جاتی ہے، اس لیے قسمت میں بھی خیار رؤیت اور خیار شرط ثابت ہوں گے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يَبْطُلُ بِهِ الشُّفْعَةُ

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔

چونکہ ثبوت پہلے ہوتا ہے اور بطلان بعد میں ہوتا ہے اس لیے مصنفؒ نے "بَابُ مَا تَجِبُ فِيهِ الشُّفْعَةُ وَمَا لَا تَجِبُ" کو مقدم کیا ہے اور "بَابُ مَا يَبْطُلُ بِهِ الشُّفْعَةُ" کو مؤخر کر دیا ہے۔

﴿1﴾ قَالَ : وَإِذَا تَرَكَ الشَّفِيعُ الْإِشْهَادَ حِينَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى ذَلِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ ، لِإِعْرَاضِهِ

فرمایا: اور جب چھوڑ دے شفیع گواہ بنانے کو جس وقت جان لے بیع کو، حالانکہ وہ قادر ہے اس پر تو باطل ہوگا اس کا شفعہ، بوجہ اعراض کرنے کے

عَنِ الطَّلَبِ وَهَذَا لِأَنَّ الْإِعْرَاضَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ حَالَةَ الِاخْتِيَارِ وَهِيَ عِنْدَ الْقُدْرَةِ وَكَذَلِكَ إِنْ

طلب سے، اور یہ اس لیے کہ اعراض متحقق ہوتا ہے حالتِ اختیار میں اور اختیار کی حالت قدرت کے وقت ہوتی ہے، اور اسی طرح اگر

أَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلَى أَحَدِ الْمُتَبَايِعَيْنِ وَلَا عِنْدَ الْعَقَارِ وَقَدْ أَوْضَحْنَاهُ فِيمَا تَقَدَّمَ ﴿2﴾ قَالَ

گواہ بنا لیا مجلس میں اور گواہ نہ بنائے عاقدین میں سے کسی ایک پر اور نہ زمین کے پاس، اور ہم واضح کر چکے ہیں اس کو ماقبل میں۔ فرمایا:

: وَإِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهِ عَلَى عِوَضٍ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ وَرَدَّ الْعِوَضَ ؛ لِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ لَيْسَ بِحَقٍّ مُتَقَرِّرٍ

اور اگر صلح کرلی اپنے شفعہ سے کسی عوض پر تو باطل ہوجائے گا اس کا شفعہ، اور واپس کرے گا عوض؛ کیونکہ حق شفعہ نہیں ہے ثابت شدہ حق

فِي الْمَحَلِّ، بَلْ هُوَ مُجَرَّدُ حَقِّ التَّمَلُّكِ فَلَا يَصِحُّ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ ﴿٣﴾ وَلَا يَتَعَلَّقُ إسْقَاطُهُ بِالْجَائِزِ مِنَ الشَّرْطِ فَبِالْفَاسِدِ

محل میں، بلکہ وہ محض حق تملک ہے پس صحیح نہیں ہے عوض لینا اس کا، اور متعلق نہ ہوگا اس کا اسقاط جائز شرط کے ساتھ پس فاسد کے ساتھ

أَوْلَى فَيَبْطُلُ الشَّرْطُ وَيَصِحُّ الْإِسْقَاطُ وَكَذَا لَوْ بَاعَ شُفْعَتَهُ بِمَالٍ لِمَا

بدرجۂ اولیٰ (متعلق نہ ہوگا) پس باطل ہوجائے گی شرط اور صحیح ہوگا اسقاط، اور اسی طرح اگر فروخت کیا اپنا شفعہ مال کے عوض؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا ، ﴿٤﴾ بِخِلَافِ الْقِصَاصِ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُتَقَرِّرٌ ، وَبِخِلَافِ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ لِأَنَّهُ اعْتِيَاضٌ عَنْ مِلْكٍ فِي الْمَحَلِّ

جو ہم بیان کرچکے، بر خلاف قصاص کے؛ کیونکہ وہ ثابت شدہ حق ہے، اور بر خلاف طلاق اور عتاق کے؛ کیونکہ یہ عوض لینا ہے ملک کا محل کے اندر

﴿٥﴾ وَنَظِيرُهُ إذَا قَالَ لِلْمُخَيَّرَةِ اخْتَارِينِي بِأَلْفٍ أَوْ قَالَ الْعِنِّينُ لِامْرَأَتِهِ اخْتَارِي

اور حق شفعہ کی نظیر یہ کہ جب شوہر کہے اپنی مخیّرہ بیوی سے کہ تو مجھے اختیار کرلو ایک ہزار کے عوض، یا کہے عنین اپنی بیوی سے تو اختیار کر

تَرْكَ الْفَسْخِ بِأَلْفٍ فَاخْتَارَتْ سَقَطَ الْخِيَارُ وَلَا يَثْبُتُ الْعِوَضُ ، ﴿٦﴾ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِي هَذَا

ترک فسخ کو ایک ہزار کے عوض، پس اس نے اختیار کرلیا تو ساقط ہوجائے گا اختیار اور ثابت نہ ہوگا عوض، اور کفالہ بالنفس اس میں

بِمَنْزِلَةِ الشُّفْعَةِ فِي رِوَايَةٍ ، وَفِي أُخْرَى : لَا تَبْطُلُ الْكَفَالَةُ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ وَقِيلَ هَذِهِ رِوَايَةٌ

بمنزلۂ شفعہ کے ہے ایک روایت میں، اور دوسری روایت میں باطل نہ ہوگا کفالہ اور نہ واجب ہوگا مال، اور کہا گیا ہے کہ یہ روایت ہے

فِي الشُّفْعَةِ ، وَقِيلَ هِيَ فِي الْكَفَالَةِ خَاصَّةً وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ ﴿٧﴾ قَالَ : وَإِذَا مَاتَ الشَّفِيعُ بَطَلَتْ

شفعہ میں، اور کہا گیا ہے کہ یہ کفالہ میں ہے خاص کر، اور معلوم ہوچکا ہے اپنی جگہ میں۔ فرمایا: اور جب مرجائے شفیع تو باطل ہوجائے گا

شُفْعَتُهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تُورَثُ عَنْهُ .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : مَعْنَاهُ إِذَا مَاتَ بَعْدَ الْبَيْعِ

اس کا شفعہ، اور فرمایا امام شافعیؒ نے: میراث ہوگا اس کی طرف سے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جب مر جائے بیع کے بعد

قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالشُّفْعَةِ ، أَمَّا إِذَا مَاتَ بَعْدَ قَضَاءِ الْقَاضِي قَبْلَ نَقْدِ الثَّمَنِ وَقَبْضِهِ فَالْبَيْعُ لَازِمٌ لِوَرَثَتِهِ،

قضاء بالشفعہ سے پہلے، اور اگر مر گیا قضاءِ قاضی کے بعد نقدِ ثمن اور مبیع قبض کرنے سے پہلے تو بیع لازم ہو جائے گی اس کے وارثوں کے لیے

وَهَذَا نَظِيرُ الِاخْتِلَافِ فِي خِيَارِ الشَّرْطِ وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ ،﴿٨﴾وَلِأَنَّهُ بِالْمَوْتِ يَزُولُ مِلْكُهُ عَنْ دَارِهِ

اور یہ نظیر ہے خیارِ شرط میں اختلاف کی، اور وہ گذر چکا کتاب البیوع میں، اور اس لیے کہ موت سے زائل ہوتی ہے اس کی ملک اپنے گھر سے

وَيَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلْوَارِثِ بَعْدَ الْبَيْعِ وَقِيَامُهُ وَقْتَ الْبَيْعِ وَبَقَاؤُهُ لِلشَّفِيعِ إِلَى وَقْتِ الْقَضَاءِ شَرْطًا

اور ثابت ہوتی ہے ملک وارث کے لیے بیع کے بعد، اور ملک کا قائم ہونا وقتِ بیع تک اور اس کی بقاء شفیع کے لیے وقتِ قضاء تک شرط ہے

فَلَا يَسْتَوْجِبُ الشُّفْعَةَ بِدُونِهِ﴿٩﴾ وَإِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِي لَمْ تَبْطُلْ ، لِأَنَّ الْمُسْتَحِقَّ بَاقٍ وَلَمْ يَتَغَيَّرْ سَبَبُ حَقِّهِ

پس مستحق نہ ہوگا شفعہ کا اس شرط کے بغیر۔ اور اگر مر گیا مشتری تو باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ مستحق باقی ہے، اور متغیر نہیں ہوا ہے اس کے حق کا سبب

وَلَا يُبَاعُ فِي دَيْنِ الْمُشْتَرِي وَوَصِيَّتِهِ ،﴿١٠﴾وَلَوْ بَاعَهُ الْقَاضِي أَوِ الْوَصِيُّ أَوْ أَوْصَى

اور مکان فروخت نہیں کیا جائے گا مشتری کے دَین اور اس کی وصیت میں، اور اگر فروخت کیا اس کو قاضی نے یا وصی نے، یا کوئی وصیت کی

الْمُشْتَرِي فِيهَا بِوَصِيَّةٍ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يُبْطِلَهُ وَيَأْخُذَ الدَّارَ لِتَقَدُّمِ حَقِّهِ وَلِهَذَا يُنْقَضُ تَصَرُّفُهُ فِي حَيَاتِهِ

مشتری نے اس میں تو شفیع کو حق ہے کہ باطل کر دے اس کو اور لے لے مکان کو؛ بوجہ مقدم ہونے اس کے حق کے، اور اسی لیے توڑ دیا جاتا ہے مشتری کا تصرف اس کی زندگی میں۔

تشریح:۔﴿١﴾اگر شفیع کو اطلاع ملی کہ تیرے پڑوس میں فلاں مکان فروخت ہوا ہے، اس نے اسی مجلس میں اشہاد کو ترک کر دیا مراد طلبِ مواثبت ہے کہ طلبِ مواثبت کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ اس طلب پر قادر بھی ہے تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جائے

گا؛ کیونکہ قدرت کے باوجود طلبِ مواثبت چھوڑنا اس کے اعراض کی دلیل ہے کہ اس کو شفعہ نہیں چاہیے اور اعراض سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے اس لیے اس کا شفعہ باطل ہو گا۔ اسی طرح اگر مجلس میں طلبِ مواثبت کرنے کے بعد شفیع نے متعاقدین یا عقار پر گواہ نہیں بنائے تو بھی شفعہ باطل ہو جائے گا جس کو "باب طلب الشفعة" میں ہم وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

{۲} اگر شفیع نے مشتری کے ساتھ صلح کر لی کہ مثلاً ایک ہزار روپیہ کے عوض میں شفعہ چھوڑ دوں گا، چنانچہ مشتری نے ایک ہزار روپیہ دیدیئے تو شفیع کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور جو ہزار روپیہ مشتری سے لیے ہیں وہ بھی واپس کرے گا؛ کیونکہ حق شفعہ ایسا حق نہیں ہے جو مکان مشفوعہ میں متقرر اور ثابت ہے بلکہ وہ تو فقط عوض دے کر اس مکان کے مالک بننے کا حق ہے لہٰذا اس کا عوض لے کر صلح کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس طرح کے حق کا عوض لینا رشوت ہے پس رشوت لے کر صلح کرنا شفعہ سے اعراض ہے اس لیے شفعہ باطل ہو جائے گا۔

{۳} اور عوض کو اس لیے واپس کرے گا کہ حق شفعہ کا اسقاط تو جائز شرط کے ساتھ بھی متعلق نہیں ہوتا ہے مثلاً شفیع نے کہا کہ میں اپنے حق شفعہ کو ساقط کرتا ہوں اس شرط پر کہ بائع مجھ سے ثمن کا مطالبہ نہیں کرے گا تو شفعہ کا اسقاط اس شرط کے ساتھ متعلق نہ ہو گا بلکہ وہ تو اس کے قول کہ "میں اپنے حق شفعہ کو ساقط کرتا ہوں" سے ساقط ہو جاتا ہے، پس جب جائز شرط سے حق شفعہ متعلق نہیں ہوتا ہے تو فاسد شرط (مثلاً ایسے حق کا عوض لینے کی شرط جو مال نہیں ہے) سے بطریقہ اولیٰ متعلق نہ ہو گا اس لیے یہ شرط باطل ہے اور شفعہ کا اسقاط صحیح ہے لہٰذا عوض بلا وجہ لیا ہے اس لیے اس کو واپس کرنا پڑے گا۔

اسی طرح اگر شفیع نے اپنا حق شفعہ مال لے کر فروخت کر دیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ حق شفعہ مبیع میں ایسا متقرر اور ثابت حق نہیں ہے کہ جس کا عوض لینا صحیح ہو، اس لیے حق شفعہ کا عوض لے کر فروخت کرنے سے شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض واپس کرنا ضروری ہے۔

{۴} اس کے برخلاف اگر مقتول کے ولی نے قاتل سے قصاص کا عوض لے کر صلح کر لی تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ قصاص متقرر اور ثابت حق ہے جس سے عوض لے کر صلح کر لینا صحیح ہے۔ یاد رہے جو صلح سے متغیر ہو وہ حق متقرر ہے مثلاً صلح سے پہلے قاتل مباح الدم تھا اس سے قصاص لینا صحیح تھا صلح کے بعد وہ معصوم الدم ہو گیا اس سے قصاص لینا صحیح نہیں اس لیے یہ حق متقرر ہے چونکہ مقتول کے ولی نے قاتل میں عصمت پیدا کر دی اس لیے اس کا عوض لینا صحیح ہے، اور شفعہ کی صورت میں مشتری مبیع کا مالک ہو چکا ہے صلح سے پہلے بھی اور صلح کے بعد بھی وہی مالک ہے کوئی تغیر نہیں آیا ہے اس لیے حق شفعہ غیر متقرر حق ہے لہٰذا اس کا عوض لینا درست نہیں ہے۔

اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی کو مال کے بدلے طلاق دیدی، اور مولیٰ نے اپنے غلام کو مال کے بدلے آزاد کردیا تو ان دونوں کا عوض لینا صحیح ہے؛ کیونکہ یہ حق متقرر ہے اور شوہر اور مولیٰ کو محل کے اندر ملکیت حاصل ہے وہ اپنی اس ملکیت کا عوض لے رہا ہے اس لیے یہ عوض لینا صحیح ہے۔

{۵}صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ حق شفعہ کی نظیر یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہاکہ "تو اپنے آپ کو اختیار کر" پھر شوہر نے کہامیں تجھے ہزار روپیہ دیدوں گااس کے بدلے میں تو مجھے اختیار کرلو، عورت نے شوہر کو اختیار کرلیا تو عورت کو جو خیار حاصل تھا وہ ساقط ہوگیا، اور شوہر پر ہزار روپیہ بھی واجب نہ ہوں گے۔اور نامرد شخص کی بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار ملا، مگر شوہر نے اس سے کہاکہ "تو نکاح فسخ مت کراؤ میں تجھے ہزار روپیہ دوں گا" عورت نے فسخ نکاح کو ترک کردیا تو عورت کا اختیار ختم ہوجائے گا اور شوہر پر عوض کے ہزار روپیہ بھی واجب نہ ہوں گے۔

{۶}صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کے نفس کا کفیل ہوا کہ میں اس کو فلاں وقت میں مکفول لہ کے پاس حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں، پھر مکفول لہ سے کہاکہ ہزار روپیہ لے لو مجھے کفالہ سے بری کردو، مکفول لہ نے ہزار روپیہ لے کر اس کو بری کردیا تو ایک روایت کے مطابق اس کا وہی حکم ہے جو شفعہ کا ہے کہ کفیل کفالہ سے بری ہوجائے گا اور مکفول لہ ہزار روپیہ بھی واپس کرے گا، دوسری روایت یہ ہے کہ کفالہ باطل نہ ہوگا، اور کفیل پر عوض کے ہزار روپیہ بھی واجب نہ ہوں گے۔ بعض حضرات نے کہاہے کہ یہی ایک روایت شفعہ میں بھی ہے کہ شفعہ ساقط نہ ہوگا اور مال بھی واجب نہ ہوگا۔اور بعض حضرات نے کہاہے کہ یہ روایت خاص کر کفالہ میں ہے شفعہ میں یہ روایت نہیں ہے، صاحبِ ہدایہ"فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تفصیل مبسوط میں معلوم ہوئی ہے۔

{۷}اگر قاضی کے فیصلہ سے پہلے شفیع مر گیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا، امام شافعی"فرماتے ہیں کہ اس کے وارث اس حق کو اس سے میراث میں حاصل کریں گے۔ مصنف"فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع کے بعد اور قاضی کے شفعہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے شفیع مرجائے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا، اور اگر قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کرلیا مگر ثمن کی ادائیگی اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے شفیع مر گیا تو یہ بیع اب شفیع کے ورثہ کے لیے لازم ہوگی۔ صاحبِ ہدایہ"فرماتے ہیں کہ شفعہ میں میراث جاری ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف اس اختلاف کی نظیر ہے جو "کتاب البیوع" میں خیار شرط کے بارے میں گذر چکاکہ امام شافعی" کے نزدیک خیار شرط میں میراث جاری ہوتی ہے اور احناف" کے نزدیک جاری نہیں ہوتی ہے۔

{۸}ورثہ کی طرف حق شفعہ اس لیے منتقل نہیں ہوتا ہے کہ حق شفعہ کے لیے شرط یہ ہے کہ عقد کے وقت سے قاضی کے فیصلہ تک شفیع مشفوع بہ مکان کا مالک ہو جبکہ یہاں قاضی کے فیصلہ سے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے مشفوع بہ مکان سے اس کی ملکیت زائل ہو گئی اس لیے وہ اس شرط کے بغیر شفعہ کا مستحق نہ ہوگا، اور ورثہ کو اس لیے حق شفعہ نہیں ملے گا کہ وہ عقد کے وقت مشفوع مکان کے مالک نہیں تھے اس لیے وہ بھی شفعہ کے حقدار نہ ہوں گے۔

{۹}اور اگر مشتری مر گیا تو شفیع کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ شفعہ کا مستحق شفیع ہے اور وہ زندہ ہے اور اس کے حق کا سبب (اتصال) بھی متغیر نہیں ہوا ہے اس لیے شفعہ باطل نہ ہوگا۔ اور مشتری پر اگر قرضہ ہو تو اس مکان کو اس کے قرضے کی ادائیگی کے لیے فروخت نہیں کیا جائے گا، بلکہ شفیع سے اس کا ثمن وصول کر کے قرض کو ادا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مشتری نے وصیت کی ہو کہ میرے اتنے روپیہ مسجد میں لگا دینا، مگر اس نے روپیہ نہیں چھوڑے ہیں تو اس مکان کو فروخت کر کے اس کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی بلکہ شفیع کو دیدیا جائے گا اور اس سے جو رقم لی جائے گی اس سے اس کی وصیت شرعی حکم کے مطابق پوری کی جائے گی۔

{۱۰}اگر قاضی یا وصی نے اس مکان کو فروخت کر دیا یا مشتری نے اس کے بارے میں کوئی وصیت کی ہو مثلاً کہ اس کو مسجد بنا دینا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ ان تینوں تصرفات کو باطل کر دے اور مکان خود لے لے؛ کیونکہ شفیع کا حق مقدم ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مشتری نے بذاتِ خود اپنی زندگی میں اس مکان میں کوئی تصرف کر لیا تو اس کے تصرف کو بھی شفیع توڑ دے گا؛ کیونکہ شفیع کا حق مقدم ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا بَاعَ الشَّفِيعُ مَا يَشْفَعُ بِهِ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى لَهُ بِالشُّفْعَةِ

فرمایا: اور اگر فروخت کر دیا شفیع نے وہ مکان جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مدعی ہے اس کے لیے قضاء بالشفعہ سے پہلے

بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ ؛ لِزَوَالِ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ قَبْلَ التَّمَلُّكِ وَهُوَ الِاتِّصَالُ بِمِلْكِهِ وَلِهَذَا

تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ؛ بوجہ زائل ہونے سببِ استحقاق کے مالک بننے سے پہلے اور وہ اتصال ہے اس کی ملک کے ساتھ، اور اسی لیے

يَزُولُ بِهِ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِشِرَاءِ الْمَشْفُوعَةِ كَمَا إِذَا سَلَّمَ صَرِيحًا أَوْ أَبْرَاءَ عَنِ الدَّيْنِ

زائل ہو جاتا ہے فروخت کرنے سے اگرچہ شفیع نہ جانتا ہو مشفوعہ مکان کی فروخت جیسا کہ جب چھوڑ دے صراحۃً، یا جب بری کر دے دین سے

وَهُوَ لَا يَعْلَمُ بِهِ ،{۲}وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الشَّفِيعُ دَارَهُ بِشَرْطِ الْخِيَارِ لَهُ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ الزَّوَالَ

اور وہ نہ جانتا ہو دین کو، اور یہ برخلاف اس کے جب فروخت کر دے شفیع مکان اپنے لیے خیار کی شرط پر؛ کیونکہ یہ مانع ہے زوالِ ملک کے لیے

فَبَقِيَ الِاتِّصَالُ{۳}قَالَ : وَوَكِيلُ الْبَائِعِ إِذَا بَاعَ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ ، وَوَكِيلُ الْمُشْتَرِي إِذَا ابْتَاعَ

پس باقی رہا اتصال۔ فرمایا: اور بائع کا وکیل جب فروخت کر دے اور وہ شفیع ہو تو شفعہ نہ ہوگا اس کے لیے، اور مشتری کا وکیل جب خرید لے

فَلَهُ الشُّفْعَةُ {۴}وَالْأَصْلُ أَنَّ مَنْ بَاعَ أَوْ بِيعَ لَهُ لَا شُفْعَةَ لَهُ ، وَمَنْ اشْتَرَى

تو اس کے لیے شفعہ ہے، اور اصل یہ ہے کہ جو فروخت کر دے یا فروخت کیا جائے اس کے لیے تو شفعہ نہیں ہے اس کے لیے، اور جو خرید لے

أَوْ ابْتِيعَ لَهُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ، لِأَنَّ الْأَوَّلَ بِأَخْذِ الْمَشْفُوعَةِ يَسْعَى فِي نَقْضِ مَا تَمَّ

یا خریدا جائے اس کے لیے تو اس کے لیے شفعہ ہے؛ کیونکہ اول مشفوعہ مکان لینے سے سعی کرتا ہے اس امر کے توڑنے میں جو تام ہوا ہے

مِنْ جِهَتِهِ وَهُوَ الْبَيْعُ ، وَالْمُشْتَرِي لَا يَنْقُضُ شِرَاءَهُ بِالْأَخْذِ بِالشُّفْعَةِ لِأَنَّهُ مِثْلُ الشِّرَاءِ

اس کی طرف سے اور وہ بیع ہے اور مشتری نہیں توڑتا ہے اپنی خرید شفعہ میں لینے کے ذریعہ؛ کیونکہ شفعہ لینا بھی خریدنے کی طرح ہے،

{۵} وَكَذَلِكَ لَوْ ضَمِنَ الدَّرَكَ عَنِ الْبَائِعِ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ وَكَذَلِكَ إِذَا بَاعَ وَشَرَطَ

اور اسی طرح ضامن ہوا تاوان کا بائع کی طرف سے حالانکہ وہ شفیع ہے، تو شفعہ نہ ہوگا اس کے لیے، اور اسی طرح اگر فروخت کیا اور شرط کرلی

الْخِيَارَ لِغَيْرِهِ فَأَمْضَى الْمَشْرُوطُ لَهُ الْخِيَارُ الْبَيْعَ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ ، لِأَنَّ الْبَيْعَ تَمَّ

خیار کی اپنے غیر کے لیے پس نافذ کیا مشروط لہ الخیار نے بیع کو اور وہی شفیع بھی ہے تو شفعہ نہ ہوگا اس کے لیے؛ کیونکہ بیع تام ہوگئی

بِإِمْضَائِهِ ، بِخِلَافِ جَانِبِ الْمَشْرُوطِ لَهُ الْخِيَارُ مِنْ جَانِبِ الْمُشْتَرِي {۶}قَالَ : وَإِذَا بَلَغَ الشَّفِيعَ

اس کے نافذ کرنے سے، برخلاف مشتری کی جانب سے مشروط لہ الخیار کی طرف سے بیع نافذ کرنے کے۔ فرمایا: اور اگر خبر پہنچی شفیع کو

أَنَّهَا بِيعَتْ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِأَقَلَّ أَوْ بِحِنْطَةٍ أَوْ شَعِيرٍ

کہ مکان فروخت ہوا ہزار کے عوض، پس اس نے چھوڑ دیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ تو فروخت ہوا ہے کم کے عوض، یا گندم یا جَو کے عوض

قِيمَتُهَا أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ فَتَسْلِيمُهُ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا سَلَّمَ لِاسْتِكْثَارِ الثَّمَنِ فِي الْأَوَّلِ

جس کی قیمت ہزار یا زیادہ ہے تو اس کا ترک کرنا باطل ہے، اور اس کے لیے شفعہ ہے؛ کیونکہ اس نے چھوڑ دیا تھا استکثارِ ثمن کی وجہ سے اول میں

وَلِتَعَذُّرِ الْجِنْسِ الَّذِي بَلَغَهُ وَ تَيَسُّرِ مَا بِيعَ بِهِ فِي الثَّانِي

اور اس جنس کے متعذر ہونے کی وجہ سے جس کی خبر اس کو پہنچی ہے اور آسان ہونے اس کے جس کے عوض فروخت ہوا ہے ثانی میں؛

إِذِ الْجِنْسُ مُخْتَلِفٌ ، وَكَذَا كُلُّ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ ،﴿٧﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ أَنَّهَا بِيعَتْ

کیونکہ جنس مختلف ہے اور اسی طرح ہر کیلی یا موزونی یا عددی متقارب ہے۔ بر خلافِ اس کے اگر اس کو معلوم ہوا کہ مکان فروخت ہوا ہے

بِعَرَضٍ ، قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقِيمَةُ وَهِيَ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ ،﴿٨﴾وَإِنْ بَانَ أَنَّهَا

ایسے سامان کے عوض جس کی قیمت ہزار یا زیادہ ہے؛ کیونکہ واجب اس میں قیمت ہے اور وہ دراہم یا دنانیر ہیں، اور اگر ظاہر ہوا کہ وہ

بِيعَتْ بِدَنَانِيرَ قِيمَتُهَا أَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ ، وَكَذَا إِذَا كَانَتْ أَكْثَرَ .وَقَالَ زُفَرُ:

فروخت ہوا ہے دنانیر کے عوض جن کی قیمت ہزار ہے تو شفعہ نہیں ہے اس کے لیے، اور اسی طرح اگر وہ زیادہ ہو، اور فرمایا امام زفرؒ نے:

لَهُ الشُّفْعَةُ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ وَلَنَا أَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ فِي حَقِّ الثَّمَنِيَّةِ﴿٩﴾قَالَ : وَإِذَا قِيلَ لَهُ

اس کے لیے شفعہ ہے اختلافِ جنس کی وجہ سے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس متحد ہے ثمنیت کے حق میں۔ فرمایا: اور اگر کہا گیا شفیع سے

إِنَّ الْمُشْتَرِيَ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ غَيْرُهُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ؛ لِتَفَاوُتِ الْجِوَارِ

کہ مشتری فلاں ہے پس اس نے چھوڑ دیا شفعہ، پھر معلوم ہوا کہ مشتری اس کا غیر ہے تو اس کے لیے شفعہ ہے تفاوتِ پڑوس کی وجہ سے،

وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ هُوَ مَعَ غَيْرِهِ فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَ غَيْرِهِ ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ لَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّهِ

اور اگر اس کو معلوم ہوا کہ مشتری وہ اور ایک اور شخص ہے تو اس کو اختیار ہے کہ لے لے دوسرے کا حصہ؛ کیونکہ چھوڑنا نہیں پایا گیا اس کے حق میں

{۱۰} وَلَوْ بَلَغَهُ شِرَاءُ النِّصْفِ فَسَلَّمَ ثُمَّ ظَهَرَ شِرَاءُ الْجَمِيعِ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ

اور اگر خبر پہنچی اس کو نصف کی فروخت کی پس اس نے چھوڑ دیا پھر ظاہر ہوئی کل کی فروخت تو اس کے لیے شفعہ ہے؛ کیونکہ چھوڑنا

لِضَرَرِ الشَّرِكَةِ وَلَا شَرِكَةَ ، وَفِي عَكْسِهِ لَا شُفْعَةَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي الْكُلِّ تَسْلِيمٌ فِي أَبْعَاضِهِ

ضررِ شرکت کی وجہ سے تھا حالانکہ شرکت نہیں ہے، اور اس کے عکس میں شفعہ نہیں ہے ظاہر الروایت میں؛ کیونکہ چھوڑنا کل میں

چھوڑنا ہے اس کے بعض میں۔

تشریح:۔{۱}اگر قاضی نے شفیع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس نے اپنا مشفوع بہ مکان کو فروخت کر دیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ مشفوعہ مکان کے مالک بننے سے پہلے شفیع کے استحقاق کا سبب زائل ہو گیا اور سبب مشفوعہ مکان کے ساتھ شفیع کی مِلک کا اتصال ہے جو اب نہیں رہا اس لیے اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ زوالِ سبب سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مشفوع بہ مکان فروخت کرنے سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے اگرچہ شفیع کو مشفوعہ مکان کی شراء کا علم نہ ہو جیسا کہ اگر شفیع کو مشفوعہ مکان فروخت ہونے کا علم نہ ہو اور اس نے صراحۃً شفعہ کو چھوڑ دیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا، یا جیسے ایک شخص کا دوسرے پر دَین ہو اور قرضخواہ کو اس کا علم نہ ہو اور لاعلمی کی وجہ سے اس نے مقروض کو بری کر دیا تو مقروض بری ہو جائے گا، ایسا ہی مذکورہ صورت میں شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

{۲}اس کے برخلاف اگر شفیع نے اپنے لیے خیارِ شرط کے ساتھ اپنا مکان فروخت کیا تو اس فروخت سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہ ہو گا؛ کیونکہ شفیع کے لیے خیارِ شرط ہونا اس کی ملکیت کو زائل کرنے سے مانع ہے یعنی اس کا مکان اس کی مِلک سے نہیں نکلا ہے اس لیے مشفوعہ مکان کے ساتھ اتصال برقرار ہے اور اتصال ہی شفعہ کا سبب ہے اس لیے اس کا حق شفعہ باطل نہ ہو گا۔

{۳}اگر بائع نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرے اس مکان کو فروخت کر دو اور خود وکیل اس مکان کا شفیع بھی ہے تو اگر اس نے مذکورہ مکان فروخت کر دیا تو اس کے لیے حق شفعہ نہ ہو گا، اور اگر مشتری نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرے لیے یہ مکان خرید لو اور خود وکیل اس مکان کا شفیع بھی ہے پس وکیل نے اس مکان کو خرید لیا تو وکیل کو اب بھی حق شفعہ حاصل رہے گا۔

{۴} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر وکیل نے موکل کا مکان فروخت کیا یا مضارب نے رب المال کے لیے مکان فروخت کر دیا تو وکیل اور رب المال کے لیے اس مکان میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر وکیل نے موکل کے لیے مکان خریدا یا مضارب نے رب المال کے لیے مکان خریدا تو اس مکان میں وکیل اور رب المال کے لیے حق شفعہ ہوگا؛ فروخت کی دونوں صورتوں میں شفعہ باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص (وکیل) مکان کو فروخت کر رہا ہے یا جس (رب المال) کے لیے فروخت کیا جارہا ہے وہی شخص (وکیل، رب المال) اس مکان کو شفعہ میں لے کر اس بیع کو توڑنے کی سعی کر رہا ہے جو بیع خود اسی کی جانب سے تام ہوئی تھی جو درست نہیں ہے؛ اور یہ بیع کو توڑنے کی سعی اس لیے ہے کہ بیع کا انجام دینا ہے اور شفعہ کا انجام لینا ہے تو ان دونوں میں منافات ہے پس ایک کو اختیار کرنے سے دوسرا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور خرید کی دونوں صورت میں شفعہ باطل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شراء اور شفعہ دونوں کا مقصد لینا ہے لہٰذا دونوں میں منافات نہیں ہے لہٰذا شفعہ شراء کی طرح ہے پس شراء کے بعد شفعہ میں لینے کی وجہ سے اس چیز کو توڑنے کی سعی لازم نہیں آتی ہے جو چیز اس کی طرف سے تام ہوئی ہے اس لیے اس سے شفعہ باطل نہ ہوگا۔

{۵} اسی طرح اگر مکان فروخت ہوا اور شفیع بائع کی طرف سے درک کا ضامن ہوا یعنی مشتری سے کہا کہ اگر اس مکان کا کوئی اور شخص مستحق نکل آیا یا کوئی نقصان اس میں ہو تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنا مکان فروخت کر دیا اور ایک تیسرے شخص کے لیے خیار شرط کر لیا، اور اس تیسرے شخص نے بیع کو نافذ کر دیا اور حال یہ کہ یہی تیسرا شخص اس مکان کا شفیع بھی ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ بیع خود اس کے نافذ کرنے سے تام ہوئی ہے پس شفعہ میں لینے سے لازم آتا ہے کہ خود اس کی طرف سے تام ہونے والی بیع کو توڑنے کی سعی کر رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر مشتری نے مکان خریدا اور تیسرے شخص کے لیے خیار کی شرط کر لی اور اس تیسرے شخص نے بیع کو نافذ کر دیا تو اس کا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا؛ کیونکہ شفعہ اور شراء میں منافات نہیں ہے اس لیے کہ دونوں کا انجام لینا ہے لہٰذا شراء سے اس کا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

{۶} اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ فلاں مکان ایک ہزار درہم کے عوض فروخت ہوا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ تو ہزار درہم سے کم میں فروخت ہوا ہے، یا ہزار درہم کے عوض فروخت نہیں ہوا ہے بلکہ اتنے گندم یا جو کے عوض فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار درہم یا زیادہ ہے تو ان صورتوں میں شفیع کا شفعہ چھوڑ دینا باطل ہے اس لیے اس کو حق شفعہ حاصل رہے گا؛ کیونکہ پہلی صورت میں تو اس نے ہزار درہم کو زیادہ سمجھا اس لیے شفعہ سے اعراض کیا اب جب پتہ چلا کہ ثمن ہزار سے کم ہے تو اس نے رغبت ظاہر کی تو شروع میں اس کا شفعہ کو چھوڑ دینا اس کی طرف سے اعراض نہیں ہے لہٰذا اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت

میں اس نے شفعہ اس لیے چھوڑا تھا کہ اس کو جو خبر پہنچی تھی کہ ثمن ہزار درہم ہیں تو ہزار درہم اس کے لیے مہیا کرنا مشکل تھا اب جب پتہ چلا کہ ثمن گندم یا جَو ہے اور گندم اور جَو دینا اس کے لیے آسان ہے اس لیے اس نے رغبت ظاہر کر دی تو شروع میں اس کا شفعہ کو چھوڑ دینا اس کی طرف سے اعراض نہیں ہے اس لیے اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔ پھر گندم اور جَو کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر کیلی اور موزونی چیز اور عددی متقارب چیز کا یہی حکم ہے۔

{۷}اس کے برخلاف اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ مکان ہزار درہم کے عوض فروخت ہوا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر پتہ چلا کہ وہ اتنے سامان کے عوض فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ہزار درہم کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو اس صورت میں اس کے لیے حق شفعہ نہیں رہے گا؛ کیونکہ اس صورت میں سامان کی قیمت ہی لازم ہوتی ہے جو دراہم یا دنانیر ہی ہیں تو ہزار درہم اور اتنا سامان جس کی قیمت ہزار درہم ہو دونوں کا مآل ایک ہے پس ہزار درہم کی صورت سے اعراض مذکورہ سامان کی صورت سے بھی اعراض ہوگا اس لیے اس کا حق شفعہ ساقط ہوگا۔

{۸}اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ مکان ہزار درہم کے عوض فروخت ہوا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر پتہ چلا کہ وہ اتنے دنانیر کے عوض فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار درہم ہے تو شفیع کے لیے حق شفعہ نہ ہوگا اسی طرح اگر ہزار درہم سے دنانیر کی قیمت زیادہ ہو تو بھی شفیع کے لیے حق شفعہ نہ ہوگا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں شفیع کے لیے حق شفعہ ہوگا؛ کیونکہ دراہم اور دنانیر کی جنس مختلف ہے ایک کی صورت میں شفعہ سے اعراض دوسرے کی صورت میں اعراض نہ ہوگا اس لیے اس کا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں کی جنس ایک ہے اس لیے ایک کی صورت میں اعراض دوسرے کی صورت میں بھی اعراض شمار ہوگا لہٰذا شفیع کا حق شفعہ باقی نہیں رہے گا۔

{۹}اگر شفیع سے کہا گیا کہ فلاں مکان مثلاً زید نے خرید لیا ہے، اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر پتہ چلا کہ وہ تو بکر نے خریدا ہے، تو اس کو شفعہ ملے گا؛ کیونکہ پڑوسیوں میں فرق ہوتا ہے ممکن ہے کہ زید شریف ہو اس لیے اس نے شفعہ چھوڑ دیا کہ اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، اور بکر شریر ہو جس سے اس کو ضرر کا خوف ہو، اس لیے اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

اور اگر شفیع کو پتہ چلا کہ زید کے ساتھ بکر بھی مشفوعہ زمین کا مشتری ہے، تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ زید کے علاوہ کا حصہ (بکر کا حصہ) لے لے؛ کیونکہ اس نے تو فقط زید کے حصہ میں شفعہ چھوڑا تھا لہٰذا بکر کے حصہ میں شفعہ چھوڑنا نہیں پایا گیا اس لیے بکر کے حصہ میں اس کو حق شفعہ حاصل رہے گا۔

{۱۰} اور اگر شفیع کو خبر پہنچی کہ فلاں مکان کا نصف فروخت ہوا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر پتہ چلا کہ پورا مکان فروخت ہوا ہے تو اس کو حقِ شفعہ حاصل رہے گا؛ کیونکہ نصف مکان فروخت ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ غیر کے شریک ہونے کے ضرر کی وجہ سے اس نے شفعہ چھوڑ دیا تھا اب جب معلوم ہوا کہ پورا مکان فروخت ہوا ہے تو اس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں رہے گا اس لیے اس کا شفعہ برقرار رہے گا۔

اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی خبر پہنچی کہ پورا مکان فروخت ہوا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر پتہ چلا کہ نصف فروخت ہوا ہے تو ظاہر الروایت کے مطابق اس کے لیے حقِ شفعہ نہ ہوگا؛ کیونکہ جب اس نے پورے مکان میں شفعہ کو چھوڑ دیا تو یہ اس مکان کے اجزاء میں بھی شفعہ چھوڑنا ہے اس لیے نصف مکان کی فروخت ظاہر ہونے پر اس کو حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا۔

فَصْلٌ

یہ فصل شفعہ کو ساقط کرنے والے حیلوں کے بیان میں ہے۔

کبھی شفیع ایسا مضر شخص ہوتا ہے کہ اس کے حقِ شفعہ کو ساقط کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس فصل میں ایسے حیلوں کو ذکر کیا ہے کہ جن سے شریر شفیع کا حقِ شفعہ ساقط ہوتا ہے، تو چونکہ اصل عدمِ حیلہ ہے اور حیلہ عارض کی وجہ سے ہے اس لیے حیلوں کی بحث کو مؤخر کر کے مستقل فصل میں ذکر کیا ہے۔

{۱} قَالَ : وَإِذَا بَاعَ دَارًا إِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ مِنْهَا فِي طُولِ الْحَدِّ الَّذِي يَلِي الشَّفِيعَ

فرمایا: اور جب فروخت کر دے کوئی مکان مگر ایک ذراع کے بقدر اس میں سے اس حد کے طول میں جو ملی ہوئی ہے شفیع کے ساتھ

فَلَا شُفْعَةَ لَهُ ؛ لِانْقِطَاعِ الْجِوَارِ ، وَهَذِهِ حِيلَةٌ ، وَكَذَا إِذَا وَهَبَ مِنْهُ هَذَا الْمِقْدَارَ

تو شفعہ نہیں ہے شفیع کے لیے؛ بوجہ منقطع ہونے جوار کے، اور یہ ایک حیلہ ہے، اور اسی طرح جب ہبہ کر دے اس میں سے اتنی مقدار

وَسَلَّمَهُ إِلَيْهِ لِمَا بَيَّنَّا ، {۲} قَالَ : وَإِذَا ابْتَاعَ مِنْهَا سَهْمًا بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ

اور سپرد کر دے اس کو؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور جب خرید لے کوئی گھر میں سے ایک حصہ ثمن کے عوض، پھر خرید لے

بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي ؛ لِأَنَّ الشَّفِيعَ جَارٌ فِيهِمَا ، إِلَّا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ فِي الثَّانِي شَرِيكٌ

اِس کا بقیہ، تو شفعہ پڑوس کے لیے اول حصہ میں ہے نہ کہ ثانی میں؛ کیونکہ شفیع پڑوس ہے دونوں میں، مگر مشتری ثانی میں شریک ہے

فَيَتَقَدَّمُ عَلَيْهِ ،﴿٣﴾فَإِنْ أَرَادَ الْحِيلَةَ ابْتَاعَ السَّهْمَ بِالثَّمَنِ إلَّا دِرْهَمًا مَثَلًا وَالْبَاقِي بِالْبَاقِي،

پس وہ مقدم ہوگا پڑوس پر، اور اگر ارادہ کرے حیلہ کا تو خرید لے ایک حصہ پورے ثمن کے عوض ایک درہم کے علاوہ مثلاً اور باقی کو باقی کے بدلے

﴿٤﴾وَإِنْ ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ إلَيْهِ ثَوْبًا عِوَضًا عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُونَ الثَّوْبِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ آخَرُ،

اور اگر خرید لیا مکان کو ثمن کے عوض پھر دیدیا اس کو کپڑا ثمن کے عوض، تو شفعہ بعوضِ ثمن ہوگا نہ کہ بعوضِ کپڑا؛ کیونکہ یہ دوسرا عقد ہے

وَالثَّمَنُ هُوَالْعِوَضُ عَنِ الدَّارِقَالَ رَضِيَ اللهُ عَنهُ:وَهَذِهِ حِيلَةٌأُخرَى تَعُمُّ الْجِوَارَوَالشَّرِكَةَ فَيُبَاعُ بِأَضْعَافِ قِيمَتِهِ

اور ثمن ہی عوض ہے دار کا۔ مصنفؒ نے فرمایا: اور یہ دوسرا حیلہ ہے جو عام ہے جوار اور شرکت کو، پس فروخت کیا جائے گھر کو اس کی قیمت سے کئی گنا زیادہ پر

وَيُعْطَى بِهَا ثَوْبٌ بِقَدْرِ قِيمَتِهِ ،﴿٥﴾إلَّا أَنَّهُ لَوِ اسْتُحِقَّتِ الْمَشْفُوعَةُ يَبْقَى كُلُّ الثَّمَنِ عَلَى مُشْتَرِي الثَّوْبِ

اور دیدیا جائے اس کے بدلے کپڑا اس کی قیمت کے بقدر، لیکن اگر مشفوعہ گھر کسی اور کا نکل آیا تو باقی رہے گا کل ثمن کپڑے کے مشتری پر

لِقِيَامِ الْبَيْعِ الثَّانِي فَيَتَضَرَّرُ بِهِ وَالْأَوْجَهُ أَنْ يُبَاعَ بِالدَّرَاهِمِ الثَّمَنُ دِينَارٌ

بوجہ باقی ہونے بیع ثانی کے پس ضرر اٹھائے گا بائع اس سے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ فروخت کیا جائے ثمن والے دراہم کے عوض ایک دینار

حَتَّى إذَا اسْتَحَقَّ الْمَشْفُوعُ يَبْطُلُ الصَّرْفُ فَيَجِبُ رَدُّ الدِّينَارِ لَا غَيْرُ﴿٦﴾قَالَ :.وَلَا تُكْرَهُ الْحِيلَةُ

حتی کہ اگر مستحق ہوا مشفوع مکان تو باطل ہو جائے بیع صرف پس واجب ہو ادینار کی واپسی نہ کہ غیر۔ فرمایا: اور مکروہ نہیں ہے حیلہ

فِي إسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَتُكْرَهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ إنَّمَا وَجَبَتْ لِدَفْعِ الضَّرَرِ ، وَلَوْ أَبَحْنَا

اسقاطِ شفعہ کے لیے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور مکروہ ہے امام محمدؒ کے نزدیک؛ کیونکہ شفعہ ثابت ہوا ہے دفع ضرر کے لیے، اور اگر ہم مباح قرار دیں

الْحِيلَةَ مَادَفَعْنَاهُ﴿٧﴾وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ مَنْعٌ عَنْ إثْبَاتِ الْحَقِّ فَلَايُعَدُّضَرَرًا،وَعَلَى هَذَاالْخِلَافِ الْحِيلَةُفِي إسْقَاطِ الزَّكَاةِ

حیلہ کو تو ہم نے دفع نہیں کیا ضرر کو، اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حیلہ اثباتِ حق سے روکنا ہے پس یہ شمار نہ ہو گا ضرر، اور اسی اختلاف پر ہے حیلہ کرنا اسقاطِ زکوۃ میں۔

تشریح:۔{۱}اگر بائع نے مکان فروخت کر دیا مگر یہ مکان جس جانب سے شفیع کے مکان کے ساتھ ملا ہوا ہے اس جانب میں ایک ہاتھ کے بقدر پٹی چھوڑ دی یعنی اس کو فروخت نہیں کیا، تو شفیع کو فروخت شدہ مکان میں حق شفعہ حاصل نہ ہو گا؛ کیونکہ فروخت شدہ مکان کا وہ پڑوس نہیں ہے بلکہ وہ تو اس پٹی کا پڑوس ہے جو فروخت نہیں ہوئی ہے، پس اسقاطِ شفعہ کے اس حیلہ کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر شفیع کی جانب میں ایک ہاتھ کے بقدر پٹی کسی کو ہبہ کر کے اس کو سپرد کر دیا پھر باقی مکان کو فروخت کر دیا تو بھی شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہو گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ شفیع بقیہ مکان کا پڑوس نہیں ہے، وہ تو اس کے متصل پٹی کا پڑوس ہے جو فروخت نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کو تو ہبہ کیا گیا ہے اور ہبہ میں شفعہ نہیں ہوتا ہے۔

{۲}اگر مشتری نے مکان کا ایک حصہ مثلاً نصف مکان ثمن کے عوض خرید لیا پھر بقیہ مکان کو خرید لیا تو پڑوس کو خریدے گئے اول نصف میں شفعہ کا حق ہو گا بقیہ نصف میں اس کو حق شفعہ نہ ہو گا؛ کیونکہ شفیع مکان کے ان دونوں حصوں کا پڑوس ہے جبکہ مشتری اول نصف کو خریدنے کے بعد دوسرے حصے کے حق میں شریک ہے اور حق شفعہ میں شریک پڑوس سے مقدم ہوتا ہے اس لیے دوسرے حصے میں پڑوس کو حق شفعہ حاصل نہ ہو گا۔

{۳}اور اگر شفیع کے دعوی سے بچنے کا ارادہ ہے تو بہتر حیلہ یہ ہے کہ مکان کا ایک حصہ پورے ثمن کے عوض خرید لے سوائے ایک درہم کے پھر بقیہ مکان اس ایک درہم کے عوض خرید لے مثلاً ہزار درہم کا مکان ہے اس کا ایک ثلث نو سو ننانوے درہم کے عوض خرید لے ظاہر ہے کہ شفیع صرف ایک ثلث پورے مکان کے ثمن کے عوض نہیں خریدے گا، اب چونکہ مشتری مکان میں شریک ہوا اس لیے جب وہ بقیہ مکان ایک درہم کے عوض خریدے گا تو شفیع کو اس میں حق شفعہ حاصل نہ ہو گا؛ کیونکہ شریک کے ہوتے ہوئے پڑوس کو حق شفعہ نہیں ملتا ہے۔

{۴}اگر مشتری نے مکان ثمن کے عوض خریدا مثلاً ہزار درہم کے عوض خریدا، پھر ہزار درہم کے بدلے بائع کو سو درہم کا کپڑا دیدیا، اب شفیع نے شفعہ کا دعوی کیا تو شفیع ثمن (ہزار درہم) کے عوض شفعہ لے گا نہ کہ کپڑے کے عوض؛ کیونکہ مشتری نے جو کپڑا دیا ہے وہ تو مکان کے ثمن کے عوض دوسرا عقد کر کے دیدیا ہے جبکہ مکان کا اصل عوض ثمن (ہزار درہم) ہے اس لیے شفیع پر ثمن دینا لازم ہے، صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حق شفعہ ساقط کرنے کا ایک اور حیلہ ہے جو پڑوس اور شریک دونوں کا حق شفعہ

ساقط کرنے کو شامل ہوگا بایں طور کہ مکان کی قیمت سے کئی گنازائد قیمت کے عوض مکان کو فروخت کردے مثلاً سو درہم کا مکان ہزار درہم کے عوض فروخت کردے پھر ان ہزار درہم کے عوض مکان کی قیمت کے بقدر کپڑا دیدے، تو چونکہ اس صورت میں شفیع پر ثمن کے عوض لینا لازم ہے اور ثمن بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ لینے کو تیار نہ ہوگا یوں اس کے شر سے بچ گیا۔

{۵} البتہ اس حیلہ میں ایک ضرر ہے وہ یہ کہ اگر اس مکان کا کوئی اور شخص مستحق نکل آیا قاضی نے مکان کا فیصلہ مستحق کے حق میں کر دیا تو مشتری کے ہاتھ سے مکان نکل گیا، اس لیے وہ کپڑا خریدنے والے (مکان کے بائع) سے ثمن کے بارے میں رجوع کرے گا تو ثمن ہزار درہم بائع سے وصول کرے گا کپڑا وصول نہیں کرے گا؛ کیونکہ کپڑا تو دوسرے عقد سے بائع کی ملک میں آیا ہے اور وہ دوسرا عقد تو قائم ہے، پس گویا بائع کو سو درہم کا کپڑا ہزار درہم میں پڑا تو اس لیے وہ اس حیلہ سے ضرر اٹھائے گا۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر حیلہ یہ ہے کہ مشتری ثمن کے درہموں کے عوض بائع کے ہاتھ ایک دینار فروخت کردے، پس اگر مشفوعہ مکان پر کسی نے استحقاق ثابت کر کے اس کو مستحق نے لے لیا تو بیع صرف باطل ہوگی، پس فقط دینار واپس کرنا لازم ہوگا؛ کیونکہ استحقاق سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مشتری کے ذمہ بائع کے لیے اس مکان کے ثمن کے ہزار درہم نہیں تھے تو مشتری مجلس میں بیع صرف کے عوض (ہزار درہم) پر قابض نہ ہوا تو بیع صرف باطل ہوگئی لہٰذا فقط دینار واپس کرنا واجب ہوا۔

{۶} امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنا مکروہ نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیونکہ شفعہ اس لیے مشروع ہوا ہے تاکہ شفعہ کے ذریعہ شفیع شریر پڑوس کے ضرر کو دفع کر سکے، تو اگر ہم نے دفع شفعہ کے لیے شریر پڑوس کے لیے حیلہ کو مباح کر دیا تو ہم نے شفیع سے شریر پڑوس کے ضرر کو دور نہیں کیا اس لیے حیلے کے ذریعہ حق شفعہ ساقط کرنا مکروہ ہوگا۔

{۷} امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حیلہ اختیار کرنا شفیع کا حق ثابت کرنے سے روکنا ہے اس لیے یہ شفیع کو ضرر پہنچانا نہیں ہے؛ کیونکہ کسی کے ثابت حق کو دفع کرنا ضرر شمار ہوتا ہے کسی کے لیے حق ثابت ہونے نہ دینا ضرر شمار نہیں ہوتا ہے لہٰذا حیلہ اختیار کر کے مشتری نے شفیع کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا ہے بلکہ اپنے آپ سے ضرر کو دور کر دیا ہے اگرچہ اس کے ضمن میں غیر کا بھی نقصان ہوا ہے اس لیے حیلہ اختیار کرنا مکروہ بھی نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اسی اختلاف پر زکوۃ ساقط کرنے کا حیلہ بھی ہے یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّر المختار: وأما الحيلة لدفع لثبوتها ابتداء فعند ابى يوسف لاتكره وعند محمد تكره و يفتى بقول يوسف فى الشفعة (الدّر المختار على ها مش ردّ المحتار: 173/5)۔ یہی اختلاف زکوۃ ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنے میں بھی ہے۔ یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام

محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے لما فی الشامية: وقيل الفتوى في الشفعة على قول أبي يوسف وفي الزكاة على قول محمد ، و هذا التفصيل حسن(ردّ المحتار: ۲/۲۲)

مَسَائِلُ مُتَفَرِّقَةٌ

یہ مسائل متفرقہ کا بیان ہے۔

مصنفؒ نے مصنفینؒ کی عادت کے مطابق سابقہ ابواب میں سے رہ جانے والے مسائل کو "مسائل متفرقہ" کے عنوان کے تحت یکجا ذکر کیا ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا اشْتَرَى خَمْسَةُ نَفَرٍ دَارًا مِنْ رَجُلٍ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَ أَحَدِهِمْ ، وَإِنِ اشْتَرَاهَا

فرمایا: اور اگر خرید لیا پانچ آدمیوں نے کوئی مکان کسی شخص سے تو شفیع کو اختیار ہے کہ لے لے ان میں سے ایک کا حصہ، اور اگر خرید لیا مکان کو

رَجُلٌ مِنْ خَمْسَةٍ أَخَذَهَا كُلَّهَا أَوْ تَرَكَهَا ، وَالْفَرْقُ أَنَّ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي بِأَخْذِ الْبَعْضِ تَتَفَرَّقُ

ایک شخص نے پانچ آدمیوں سے تو لے لے گا پورا مکان، اور فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں مکان کا بعض حصہ لینے سے متفرق ہو جائے گا

الصَّفْقَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي فَيَتَضَرَّرُ بِهِ زِيَادَةَ الضَّرَرِ ، وَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يَقُومُ الشَّفِيعُ مَقَامَ أَحَدِهِمْ فَلَا تَتَفَرَّقُ

صفقہ مشتری پر پس وہ ضرر اٹھائے گا اس سے زیادہ ضرر، اور اول صورت میں قائم مقام ہو جائے گا شفیع ان میں سے ایک کا پس متفرق نہ ہوگا

الصَّفْقَةُ{۲}وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ ، إِلَّا أَنَّ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا يُمْكِنُهُ أَخْذُ

صفقہ، اور فرق نہیں ہے اس میں کہ ہو قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد اور یہی صحیح ہے، البتہ قبضہ سے پہلے مشتری کے لیے ممکن نہیں ہے لینا

نَصِيبِ أَحَدِهِمْ إِذَا نَقَدَ مَا عَلَيْهِ مَا لَمْ يَنْقُدِ الْآخَرُ حِصَّتَهُ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَفْرِيقِ الْيَدِ

ان میں سے ایک کا حصہ جب ادا کر دے وہ جو اس پر ہے جب تک کہ ادا نہ کرے دوسرا اپنا حصہ تا کہ یہ مفضی نہ ہو تفریق ید کی طرف

عَلَى الْبَائِعِ بِمَنْزِلَةِ أَحَدِ الْمُشْتَرِيَيْنِ ، {۳}بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ سَقَطَتْ يَدُ الْبَائِعِ ، وَسَوَاءٌ سَمَّى

بائع پر دو مشتریوں میں سے ایک کے درجہ میں ہو کر، برخلاف قبضہ کے بعد؛ کیونکہ ساقط ہوا بائع کا قبضہ، اور برابر ہے کہ مقرر کر دے

لِكُلِّ بَعْضٍ ثَمَنًا أَوْ كَانَ الثَّمَنُ جُمْلَةً، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ فِي هَذَا لِتَفْرِيقِ الصَّفْقَةِ لَا لِلثَّمَنِ ، وَهَاهُنَا تَفْرِيعَاتٌ ذَكَرْنَاهَا

ہر بعض کا ثمن یا ہو ثمن مجموعی؛ کیونکہ اعتبار اس میں تفرق صفقہ کا ہے نہ کہ ثمن کا، اور یہاں کچھ تفریعات ہیں ہم نے ذکر کیا ہے ان کو

فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى﴿۴﴾قَالَ :وَمَنِ اشْتَرَى نِصْفَ دَارٍ غَيْرَ مَقْسُومٍ فَقَاسَمَهُ الْبَائِعُ أَخَذَ الشَّفِيعُ النِّصْفَ الَّذِي صَارَ لِلْمُشْتَرِي

"کفایۃ المنتہی" میں۔ فرمایا: اور جس نے خرید انصف مکان غیر تقسیم شدہ پھر تقسیم کی اس سے بائع نے تو لے گا شفیع وہ نصف جو مشتری کے لیے ہے

أَوْ يَدَعُ ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْمِيلِ الِانْتِفَاعِ وَلِهَذَا يَتِمُّ الْقَبْضُ بِالْقِسْمَةِ فِي الْهِبَةِ،

یا چھوڑ دے؛ کیونکہ تقسیم تکمیل قبضہ میں سے ہے؛ اس لیے کہ اس میں تکمیل انتفاع ہے، اور اسی لیے تام ہوتا ہے قبضہ تقسیم سے ہبہ میں

وَالشَّفِيعُ لَا يَنْقُضُ الْقَبْضَ وَإِنْ كَانَ لَهُ نَفْعٌ فِيهِ بِعَوْدِ الْعُهْدَةِ عَلَى الْبَائِعِ ، فَكَذَا لَا يَنْقُضُ مَا

اور شفیع نہیں توڑ سکتا ہے قبضہ اگرچہ اس کا نفع ہے اس میں ذمہ داری لوٹ آنے کی وجہ سے بائع پر، اسی طرح نہیں توڑ سکتا ہے اس چیز کو

هُوَ مِنْ تَمَامِهِ ،﴿۵﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ نَصِيبَهُ مِنَ الدَّارِ الْمُشْتَرَكَةِ

جو قبضہ کے مکملات میں سے ہے، برخلاف اس کے جب فروخت کر دے دو شریکوں میں سے ایک اپنا حصہ مکان مشترک میں سے،

وَقَاسَمَ الْمُشْتَرِيَ الَّذِي لَمْ يَبِعْ حَيْثُ يَكُونُ لِلشَّفِيعِ نَقْضُهُ ، لِأَنَّ الْعَقْدَ مَا وَقَعَ مَعَ الَّذِي

اور تقسیم کرے مشتری اس سے جس نے فروخت نہیں کیا ہے کہ شفیع کو حق ہو گا اس کے توڑنے کا؛ کیونکہ عقد واقع نہیں ہوا ہے اس کے ساتھ

قَاسَمَ فَلَمْ تَكُنِ الْقِسْمَةُ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ الَّذِي هُوَ حُكْمُ الْعَقْدِ بَلْ هُوَ تَصَرُّفٌ بِحُكْمِ الْمِلْكِ فَيَنْقُضُهُ الشَّفِيعُ

جس نے تقسیم کی ہے، پس نہ ہو گی یہ تقسیم مکملات قبضہ میں سے جو کہ عقد کا حکم ہے، بلکہ یہ تصرف ہے بحکم ملک، پس توڑ دے گا اس کو شفیع

كَمَا يَنْقُضُ بَيْعَهُ وَهِبَتَهُ ،﴿۶﴾ثُمَّ إِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الشَّفِيعَ يَأْخُذُ النِّصْفَ الَّذِي

جس طرح کہ توڑ دیتا ہے مشتری کی بیع اور اس کا ہبہ۔ پھر اطلاق جواب کتاب میں دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ شفیع لے لے گا وہ نصف

صَارَ لِلْمُشْتَرِي فِي أَيِّ جَانِبٍ كَانَ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ لَا يَمْلِكُ إِبْطَالَ حَقِّهِ

جو ہو گیا ہے مشتری کے لیے جس بھی جانب میں ہو، اور یہی مروی ہے امام ابو یوسفؒ سے؛ کیونکہ مشتری مالک نہیں ہے اس کے حق کے ابطال کا

بِالْقِسْمَةِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إِنَّمَا يَأْخُذُهُ إِذَا وَقَعَ فِي جَانِبِ الدَّارِ الَّتِي

تقسیم کے ذریعہ، اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ شفیع وہ نصف اس وقت لے گا جب وہ واقع ہو اس کے اس مکان کے برابر میں جس کی وجہ سے

يَشْفَعُ بِهَا لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى جَارًا فِيمَا يَقَعُ فِي الْجَانِبِ الْآخَرِ . ﴿٧﴾ قَالَ : وَمَنْ بَاعَ دَارًا

وہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے؛ کیونکہ وہ باقی نہیں رہتا ہے پڑوسی اس نصف کا جو دوسری جانب میں واقع ہو۔ فرمایا: اور جو شخص فروخت کر دے مکان

وَلَهُ عَبْدٌ مَأْذُونٌ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْعَبْدُ هُوَ الْبَائِعُ فَلِمَوْلَاهُ الشُّفْعَةُ ، لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالشُّفْعَةِ

اور اس کا ماذون غلام ہو جس پر دین ہو تو اس کے لیے شفعہ ہے، اور اسی طرح اگر غلام بائع ہو تو اس کے مولیٰ کے لیے شفعہ ہے؛ کیونکہ شفعہ میں لینا

تَمَلُّكٌ بِالثَّمَنِ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الشِّرَاءِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مُفِيدٌ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ لِلْغُرَمَاءِ ،

مالک بننا ہے ثمن کے عوض، پس اتار لیا جائے گا شراء کے درجے میں، اور یہ اس لیے کہ یہ مفید ہے؛ کیونکہ غلام تصرف کرتا ہے قرضخواہوں کے لیے

بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ لِأَنَّهُ يَبِيعُهُ لِمَوْلَاهُ ، وَلَا شُفْعَةَ لِمَنْ بِيعَ لَهُ

برخلاف اس کے جب نہ ہو اس پر دین؛ کیونکہ اس کی بیع اس کے مولیٰ کے لیے ہے اور شفعہ نہیں اس کے لیے جس کے لیے فروخت کیا جائے

﴿٨﴾ قَالَ : وَتَسْلِيمُ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ الشُّفْعَةَ عَلَى الصَّبِيِّ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ : هُوَ عَلَى شُفْعَتِهِ

فرمایا: اور چھوڑ دینا باپ یا وصی کو شفعہ بچے کی طرف سے جائز ہے شیخینؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے کہ وہ اپنے شفعہ پر رہے گا

إِذَا بَلَغَ ، قَالُوا : وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا بَلَغَهُمَا شِرَاءُ دَارٍ بِجِوَارِ دَارِ الصَّبِيِّ

جب تک کہ بالغ ہو، مشائخ فرماتے ہیں کہ اسی اختلاف پر ہے جب پہنچے باپ اور وصی کو مکان کی فروخت کی خبر بچے کے گھر کے برابر میں

فَلَمْ يَطْلُبَا الشُّفْعَةَ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ تَسْلِيمُ الْوَكِيلِ بِطَلَبِ الشُّفْعَةِ فِي رِوَايَةِ كِتَابِ الْوَكَالَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ

پس ان دونوں نے طلب نہیں کیا شفعہ، اور اسی اختلاف پر ہے چھوڑ دینا وکیل کا طلبِ شفعہ کتاب الوکالۃ کی روایت کے مطابق، اور یہی صحیح ہے

{9} لِمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ أَنَّهُ حَقٌّ ثَابِتٌ لِلصَّغِيرِ فَلَا يَمْلِكَانِ إِبْطَالَهُ كَدِيَتِهِ وَ

امام محمدؒ وامام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ثابت حق ہے بچے کے لیے پس باپ اور وصی مالک نہیں اس کو باطل کرنے کے جیسے بچے کی دیت اور

قَوَدِهِ ، وَلِأَنَّهُ شُرِعَ لِدَفْعِ الضَّرَرِ فَكَانَ إِبْطَالُهُ إِضْرَارًا بِهِ {10} وَلَهُمَا أَنَّهُ

اس کے قصاص کے مالک نہیں، اور اس لیے کہ حق شفعہ مشروع ہے دفع ضرر کے لیے پس اس کا ابطال بچے کو ضرر پہنچانا ہے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے

فِي مَعْنَى التِّجَارَةِ فَيَمْلِكَانِ تَرْكَهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ أَوْجَبَ بَيْعًا

کہ شفعہ تجارت کے معنی میں ہے پس باپ اور وصی مالک ہوں گے اس کے ترک کے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو شخص ایجابِ بیع کرلے

لِلصَّبِيِّ صَحَّ رَدُّهُ مِنَ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ ، وَلِأَنَّهُ دَائِرٌ بَيْنَ النَّفْعِ وَالضَّرَرِ ، وَقَدْ يَكُونُ النَّظَرُ

بچے کے لیے صحیح ہے اس کو رد کرنا باپ اور وصی کی طرف سے، اور اس لیے کہ یہ دائر ہے نفع اور ضرر کے درمیان، اور کبھی رعایت ہوتی ہے

فِي تَرْكِهِ لِيَبْقَى الثَّمَنُ عَلَى مِلْكِهِ وَالْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ فَيَمْلِكَانِهِ وَسُكُوتُهُمَا كَإِبْطَالِهِمَا

اس کے چھوڑنے میں تاکہ باقی رہے ثمن اس کی ملک پر، اور ولایت شفقتی ہے، پس وہ دونوں اس کے مالک ہیں اور ان کا سکوت ان کے ابطال کی طرح

لِكَوْنِهِ دَلِيلَ الْإِعْرَاضِ ، {11} وَهَذَا إِذَا بِيعَتْ بِمِثْلِ قِيمَتِهَا ، فَإِنْ بِيعَتْ بِأَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا

بوجہ اس کے دلیل اعراض ہونے کے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ مکان بیچا جائے اس کی مثل قیمت پر، اور اگر فروخت کیا گیا اس کی قیمت سے

بِمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ قِيلَ جَازَ التَّسْلِيمُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ تَمَحَّضَ نَظَرًا وَقِيلَ

اتنی زیادہ کے عوض جتنی میں لوگ دھوکہ نہیں کھاتے، تو کہا گیا ہے کہ جائز ہے چھوڑنا بالاتفاق؛ کیونکہ یہ خالص بھلائی ہے، اور کہا گیا ہے

لَایَصِحُّ بِالْاِتِّفَاقِ لِأَنَّهُ لَایَمْلِكُ الْأَخْذَفَلَایَمْلِكُ التَّسْلِيمَ كَالْأَجْنَبِيِّ{۲}وَإِنْ بِيعَتْ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهَا مُحَابَاةً كَثِيرَةً

کہ صحیح نہیں ہے بالاتفاق؛ کیونکہ وہ مالک نہیں ہے لینے کا پس مالک نہ ہو گا چھوڑنے کا اجنبی کی طرح، اور اگر فروخت ہو اس کی قیمت سے بہت زیادہ کم کے عوض

فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ التَّسْلِيمُ مِنْهُمَا أَيْضًا وَلَا رِوَايَةَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

توامام صاحبؒ سے مروی ہے کہ صحیح نہیں ہے چھوڑنا ان دونوں کی طرف سے، اور کوئی روایت نہیں امام ابو یوسفؒ سے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱}اگر پانچ آدمیوں نے ایک شخص سے ایک مکان خرید اتو شفیع کو اختیار ہو گا کہ ان میں سے کسی ایک کا حصہ شفعہ میں لے لے، اور ایک شخص نے پانچ آدمیوں سے ان کا مکان خرید لیا تو شفیع یا تو پورا مکان لے لے یا چھوڑدے، کسی ایک کا حصہ نہیں خرید سکتا ہے؛ دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ دوسری صورت میں اگر شفیع ایک حصہ لے لے گا تو اس سے مشتری پر معاملہ متفرق ہو جائے گا جس میں اس کا بہت زیادہ ضرر ہے؛ کیونکہ اس کو پورے مکان کی ضرورت ہے تو جب شفیع نے ایک حصہ لے لیا تو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے مشتری اتنے حصے کو کہیں اور سے طلب کرے گا جس میں مشتری کا ضرر ظاہر ہے لہذا شفیع یا تو سارا مکان لے گا یا سارا چھوڑدے گا۔ اور پہلی صورت میں چونکہ مشتری ان میں سے کسی ایک کا قائم مقام ہو جائے گا اس لیے مشتری کا کسی ایک کا حصہ لینے سے تفرق صفقہ لازم نہیں آتا ہے؛ کیونکہ خریدنے والے پہلے سے متفرق ہیں۔

{۲}اور شفیع کا کسی ایک کا حصہ لینے کے جواز میں صحیح قول کے مطابق اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ اگر خریدنے والے متعدد ہوں اور شفیع نے کسی ایک کا حصہ لے کر اس کا ثمن بائع کو ادا کر دیا تو بائع اس کو اس حصہ پر قبضہ کرنے کی قدرت نہیں دے گا جب تک کہ دوسرے خریدار ثمن ادا نہیں کریں گے؛ یہ اس لیے تاکہ اس کو قبضہ دینا بائع پر تفریق قبضہ کی طرف مفضی نہ ہو، جیسا کہ اگر دو خریدار ہوں دونوں میں سے ایک نے اپنے حصے کا ثمن ادا کر دیا تو دوسرے کے ادا کرنے سے پہلے اس کو قبضہ نہیں دیا جائے گا۔

{۳}اس کے برخلاف اگر اگر خریداروں نے مبیع پر قبضہ کر لیا ہو تو اب شفیع ثمن ادا کر کے اپنے حصے پر قبضہ کر سکتا ہے ؛ کیونکہ بائع کا قبضہ پہلے سے ساقط ہو چکا ہے، عام ہے کہ بائع نے ہر ایک حصے کا ثمن علیحدہ بیان کیا ہو یا پورے مکان کا ثمن اکٹھا بیان کیا ہو دونوں صورتوں میں حکم یہی ہے؛ کیونکہ تفرق صفقہ کا تو اعتبار ہے؛ اس لیے کہ تفرق صفقہ مضر ہے لہذا ممنوع ہے، مگر تفرق ثمن

کا اعتبار نہیں ہے پس اسے الگ الگ بیان کرے یا یکجا بیان کرے عقد پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس موقع پر کئی تفریعات ہیں جن کو ہم نے "کفایۃ المنتھی" میں ذکر کیا ہے۔

{۴} اگر کسی نے نصف مکان غیر مقسوم خرید لیا پھر بائع نے اس کے ساتھ مکان کو تقسیم کر دیا اور مشتری نے اپنے حصے پر قبضہ کر لیا تو شفیع کو اختیار ہو گا کہ جو حصہ مشتری کے حصے میں آیا ہے اسی کو لے لے یا شفعہ چھوڑ دے، اور اگر شفیع مشتری کی تقسیم کو رد کر کے خود بائع کے ساتھ تقسیم کرنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہو گا؛ کیونکہ تقسیم سے قبضہ کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے کہ تقسیم سے انتفاع کی تکمیل ہوتی ہے کہ مکان کو تقسیم کر کے تو نفع اٹھایا جا سکتا ہے، اسی لیے کہ تقسیم سے قبضہ کی تکمیل ہوتی ہے اگر کسی نے دوسرے کو غیر مقسوم مکان ہبہ کیا اور موہوب لہ کے قبضہ میں دیدیا تو جب تک کہ مکان کو تقسیم نہ کرے موہوب لہ کا قبضہ تام نہ ہو گا، بہر حال تقسیم قبضہ کے لیے متمم ہے اور شفیع قبضہ کو نہیں توڑ سکتا ہے اگرچہ قبضہ توڑنے میں شفیع کا فائدہ ہے؛ کیونکہ پہلے بیع کی ذمہ داری مشتری پر تھی قبضہ توڑنے سے بائع کی طرف لوٹ آئے گی جس میں یہ احتمال ہے کہ شفیع کو وہ حصہ ملے جو اس کے مکان کے متصل ہے، مگر شفیع کو قبضہ توڑنے کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ بیع کی جہت سے قبضے کا وہی حکم ہے جو بیع کا ہے تو شفیع جس طرح کہ بیع اول کو نہیں توڑ سکتا ہے اسی طرح بیع کی جہت سے موجود قبضہ کو بھی نہیں توڑ سکتا ہے، اور جب قبضہ نہیں توڑ سکتا ہے تو اس کو تقسیم توڑنے کا بھی اختیار نہ ہو گا؛ کیونکہ تقسیم سے قبضہ کی تکمیل ہوتی ہے تو جیسے وہ قبضہ کو نہیں توڑ سکتا ہے اسی طرح اس کی تکمیل کرنے والی تقسیم کو بھی نہیں توڑ سکتا ہے۔

{۵} اس کے برخلاف اگر کسی مکان کے دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک نے مشترکہ مکان میں سے اپنا حصہ فروخت کر دیا، اور مشتری نے اس شریک کے ساتھ تقسیم کر لی جس نے اپنا حصہ فروخت نہیں کیا ہے، تو اس صورت میں شفیع کو اختیار ہے کہ وہ مشتری کی اس تقسیم کو توڑ دے؛ کیونکہ یہاں مشتری نے عقدِ بیع اس شخص کے ساتھ نہیں کیا ہے جس کے ساتھ تقسیم کی ہے، لہٰذا یہ تقسیم اس قبضہ کو مکمل کرنے والی نہ ہو گی جو قبضہ عقد کا حکم اور عقد کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے بلکہ یہ تقسیم ملکیت کے حکم سے ہوئی ہے کہ نصف مکان کو خرید کر اس کا مالک ہوا ہے اس لیے اس کو تقسیم کیا ہے پس تقسیم کا یہ تصرف وہ اپنی ملکیت کی وجہ سے کر رہا ہے، اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ شفیع مشتری کے تصرفات کو توڑ سکتا ہے تو شفیع جس طرح کہ مشتری کی بیع اور اس کا ہبہ توڑ سکتا ہے اسی طرح اس کی تقسیم کو بھی توڑ سکتا ہے۔

{۶} صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے جو جامع صغیر میں مطلق حکم ذکر کیا ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ شفیع اس نصف کو لے سکتا ہے جو مشتری کے حصہ میں آیا ہے خواہ وہ کسی بھی جانب میں ہو خواہ شفیع کی ملک کے ساتھ متصل ہو یا دوسری جانب ہو، یہی

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے؛ کیونکہ مشتری تقسیم کے ذریعہ شفیع کے حق کو باطل نہیں کر سکتا ہے بایں طور کہ بائع اور مشتری باہمی اتفاق کر لیں اور مشتری کا حصہ اس جانب میں لگائیں جو شفیع کے مکان کے متصل نہیں ہے تو اس میں شفیع کے حق کا ابطال ہے حالانکہ حق ثابت ہونے کے بعد باطل نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر مشتری کا حصہ اس جانب میں آیا جس جانب میں شفیع کا مکان ہے جس کی وجہ سے اس نے شفعہ کا دعویٰ کیا ہے تو شفیع اس کو لے سکتا ہے اور اگر مشتری کا حصہ دوسری جانب میں آگیا تو پھر شفیع کو شفعہ میں لینے کا حق نہ ہوگا؛ کیونکہ شفیع اس صورت میں پڑوس نہیں رہا اس لیے اس کو حق شفعہ نہ ہوگا۔

فتویٰ:۔ راجح یہی ہے شفیع ہر حال میں وہ نصف لے سکتا ہے جو مشتری کے حصہ میں آیا ہے لما فی الدر المنتقیٰ :(وللجار أخذ بعض مشاع بیع فقسم)بعد البیع (وان وقع فی غیر جانبه)به یفتی (الدر المنتقی تحت مجمع الانہر:4ص407)

{۷} مولیٰ نے مکان فروخت کر دیا اور اس کا غلام ہے جس کو اس نے تجارت کی اجازت دی تھی اور وہ اب مقروض ہے ، تو اس غلام کی ملک اگر مولیٰ کے مکان کے متصل ہے تو غلام کو مولیٰ کے اس مکان میں شفعہ کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح اگر ماذون مدیون غلام نے اپنا مکان فروخت کیا تو اگر مولیٰ کی ملک اس کے مکان کے متصل ہے تو مولیٰ کو اس مکان میں حق شفعہ حاصل ہوگا؛ کیونکہ بحق شفعہ مکان لینا اس کا بعوضِ ثمن مالک بننا ہے تو اس کو شراء کے درجے میں اتار لیا جائے گا گویا شفیع نے یہ مکان خرید لیا ہے اور اصول یہ ہے کہ جب غلام پر دَین محیط ہو تو اس وقت مولیٰ اور اس کے غلام میں سے ایک کا دوسرے سے خریدنا جائز ہوتا ہے تو شفعہ لینا بھی جائز ہوگا، اور یہ اس لیے کہ غلام کے مقروض ہونے کی صورت میں شفعہ لینا مفید ہے؛ کیونکہ اس صورت میں غلام اپنے مولیٰ کے لیے خرید و فروخت نہیں کر رہا ہے بلکہ اپنے قرضخواہوں کے لیے تصرف کر رہا ہے اس لیے شفعہ لینا صحیح ہے، اس کے برخلاف اگر غلام مقروض نہ ہو تو اس صورت میں غلام کا مکان فروخت کرنا اپنے مولیٰ کے لیے فروخت کرنا ہے اور سابق میں گذر چکا کہ جس کے لیے مکان فروخت کیا جائے اس کو حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا ہے البتہ جس کے لیے خریدا جائے اس کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔

{۸} اگر نابالغ بچے کے مکان کے متصل مکان فروخت ہوا اور بچے کے باپ یا وصی نے شفعہ لینا چھوڑ دیا تو شیخینؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو وہ اپنے شفعہ پر قائم رہے گا یعنی اب وہ اس مکان میں شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ جب باپ یا وصی کو بچے کے مکان کے متصل مکان کی شراء کی خبر پہنچے اور وہ اس میں شفعہ کو طلب نہ کرے تو شیخینؒ کے نزدیک بچے کے لیے حق شفعہ نہیں رہے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے

لیے حق شفعہ رہے گا۔اور مبسوط کی "کتاب الوکالۃ" کی روایت کے مطابق صحیح یہ ہے کہ یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ اگر کے وکیل نے شفعہ کو طلب کرنا چھوڑ دیا ہو، بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس صورت میں طرفینؒ ایک طرف ہیں اور امام ابو یوسفؒ کا ان کے ساتھ اختلاف ہے، مگر یہ قول صحیح نہیں ہے۔

{9} امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ بچے کے لیے ثابت حق ہے تو باپ اور وصی اس کے اس حق کو باطل نہیں کر سکتے ہیں جیسے اگر بچے کی کسی شخص پر دیت یا قصاص ہو تو وہ دونوں بچے کی دیت اور اس کے قصاص کو معاف نہیں کر سکتے ہیں ؛کیونکہ یہ دونوں شریعت کی جانب سے ثابت حق ہیں۔دوسری دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ اسی لیے مشروع ہوا ہے تاکہ اس کے ذریعہ شفیع سے ضرر دور ہو تو اس حق کے باطل کرنے میں شفیع (بچے) کا ضرر ہے اس لیے باپ اور وصی کو اس حق کے ابطال کا اختیار نہ ہوگا۔

{10} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ لینے میں تجارت کا معنی پایا جاتا ہے؛کیونکہ اس میں مال کا مال کے ساتھ مبادلہ پایا جاتا ہے تو جیسا کہ ان کو اختیار ہے کہ بچے کے لیے خرید و فروخت کو ترک کر دیں مثلاً کسی نے بچے کے لیے بیع کا ایجاب کر دیا تو باپ اور وصی کو اختیار ہے کہ اس ایجاب کو رد کر دیں تو اسی طرح شفعہ کو بھی ترک کر سکتے ہیں۔دوسری دلیل یہ ہے کہ شفعہ لینے میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہے اور کبھی ترکِ شفعہ میں بچے کا فائدہ ہوتا ہے تاکہ ثمن بچے کی ملک میں سالم رہے اور باپ اور وصی کی ولایت شفقتی ہے تو اس صورت میں شفقت اور بھلائی اسی میں ہے کہ شفعہ کو ترک کر دیا جائے اس لیے ان دونوں کو ترکِ طلب کا اختیار ہوگا۔

اسی طرح اگر باپ اور وصی نے اس موقع پر سکوت اختیار کیا تو یہ ایسا ہے جیسا کہ وہ دونوں حق شفعہ کو ساقط کر دیں؛کیونکہ اس موقع پر سکوت اختیار کرنا اعراض کی دلیل ہے،اس لیے اس سے حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

فتویٰ:۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید:الراجح الماخوذ به قول الامام ابی حنیفة وابی یوسف وبه أخذ فی الفتاوی الهندیة والمجلة (هامش الهدایة:4ص407)

{11} لیکن ائمہ کا مذکورہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے کہ مکان اتنی قیمت میں فروخت ہو جتنی اس کی مالیت ہے اور اگر مکان اپنی مالیت سے اتنی زیادہ قیمت میں فروخت ہوا جتنی میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں مثلاً دو ہزار کا مکان دس ہزار میں فروخت ہوا تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس صورت میں بالاتفاق باپ اور ولی کے لیے شفعہ چھوڑنا جائز ہے؛کیونکہ اس صورت میں شفعہ چھوڑنے میں بچے کے حق میں سراسر شفقت ہے اور ان کی ولایت شفقتی ہے۔اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس صورت میں بالاتفاق ترکِ شفعہ جائز نہیں ہے؛کیونکہ اس صورت میں باپ اور وصی کو غبن فاحش کی وجہ سے شفعہ لینے کا حق نہیں ہے تو شفعہ

چھوڑنے کا بھی حق نہ ہوگا کیونکہ کسی شخص کو شفعہ لینے یا چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا بچہ بالغ ہونے تک اپنے حق شفعہ پر برقرار رہے گا۔

فتاوی شامی:۔ راجح یہی ہے کہ بالاتفاق ترک شفعہ جائز نہیں ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: وقول هذا القیل هو الاصح وهو المختار رجحه في البحر الرائق وشرح المجلة للاتاسي. وبه قال وجزم في الفتاوى الهندية (هامش الهداية:4ص408)

﴿۱۲﴾اور اگر بائع نے مکان بہت زیادہ محابات (بہت کم قیمت کے عوض) کے ساتھ فروخت کیا مثلاً دس ہزار کا مکان دو ہزار میں فروخت کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں باپ اور وصی کے لیے شفعہ چھوڑنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں بچے کا کھلا ہوا نقصان ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

یہ کتاب تقسیم کے بیان میں ہے۔

"قسمۃ" اقتسام کا نام ہے جیسے قدرت اقتدار کا نام ہے۔ اور شریعت میں شرکاء کے حقوق کو الگ الگ کرنے اور ان کے حصص کی تعدیل کو قسمت کہتے ہیں۔ اور قسمت کا سبب کل شرکاء یا بعض شرکاء کا اپنی ملک سے ایسے طریقہ پر نفع حاصل کرنے کا مطالبہ کرنا کہ جس میں دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اور قسمت کا رکن وہ فعل ہے جس سے حصص میں افراز (الگ الگ ہونا) اور تمیز حاصل ہو، اور قسمت کی شرط یہ ہے کہ اس سے منفعت فوت نہ ہو۔ اور قسمت کا حکم شریک کا حصہ علیحدہ طور پر متعین کرنا ہے۔

"کتاب الشفعۃ" کے ساتھ "کتاب القسمۃ" کی مناسبت یہ ہے کہ قسمت اور شفعہ دونوں حصہ مشترکہ کے نتائج میں سے ہیں؛ کیونکہ شفعہ کے اسباب میں سے بھی قوی ترین سبب نفس مبیع میں شرکت ہے۔ پھر شفعہ کے احکام کو قسمت کے احکام پر اس لیے مقدم ذکر فرمایا ہے کہ شفعہ جواز کے درجے میں ہے اور قسمت وجوب کے درجے میں ہے تو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے لیے شفعہ کے احکام کو مقدم ذکر فرمایا۔

{۱}الْقِسْمَةُ فِي الْأَعْيَانِ الْمُشْتَرَكَةِ مَشْرُوعَةٌ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَاشَرَهَا فِي الْمَغَانِمِ وَالْمَوَارِيثِ[1]، وَجَرَى التَّوَارُثُ بِهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ

فرمایا: تقسیم اعیانِ مشترکہ میں مشروع ہے؛ کیونکہ حضورؐ نے تقسیم کی ہے غنیمتوں اور مواریث میں، اور جاری ہے توارث اس کے ساتھ بلا نکیر

{۲}ثُمَّ هِيَ لَا تَعْرَى عَنْ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ ، لِأَنَّ مَا يَجْتَمِعُ لِأَحَدِهِمَا بَعْضُهُ كَانَ لَهُ وَبَعْضُهُ كَانَ لِصَاحِبِهِ

پھر وہ خالی نہیں مبادلہ کے معنی سے؛ کیونکہ جو جمع ہوتا ہے دونوں میں سے ایک کے لیے اس کا بعض اسی کے لیے تھا اور بعض اس کے شریک کے لیے

فَهُوَ يَأْخُذُهُ عِوَضًا عَمَّا بَقِيَ مِنْ حَقِّهِ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ فَكَانَ مُبَادَلَةً وَإِفْرَازًا ،{۳}وَالْإِفْرَازُ هُوَ الظَّاهِرُ

پس وہ لیتا ہے اس کو عوض میں اس کے جو باقی رہا اس کا حق اس کے شریک کے حصہ میں پس یہ مبادلہ اور علیحدہ کرنا ہے، اور علیحدہ کرنا ہی ظاہر ہے

فِي الْمَكِيلَاتِ وَالْمَوْزُونَاتِ لِعَدَمِ التَّفَاوُتِ ، حَتَّى كَانَ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَهُ حَالَ غَيْبَةِ صَاحِبِهِ،

کیلی اور موزونی چیزوں میں عدم تفاوت کی وجہ سے، حتیٰ کہ اختیار ہوگا دونوں میں سے ایک کے لیے کہ لے لے اپنا حصہ اس کے شریک کی غیبت کی حالت میں

وَلَوِ اشْتَرَيَاهُ فَاقْتَسَمَاهُ يَبِيعُ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ مُرَابَحَةً بِنِصْفِ الثَّمَنِ،

اور اگر دونوں نے کوئی چیز خریدی اور اس کو تقسیم کیا تو فروخت کر سکتا ہے دونوں میں سے ایک اپنا حصہ مرابحہ کے طور پر نصف ثمن کے عوض

{۴}وَمَعْنَى الْمُبَادَلَةِ هُوَ الظَّاهِرُ فِي الْحَيَوَانَاتِ وَالْعُرُوضِ لِلتَّفَاوُتِ حَتَّى لَا يَكُونَ لِأَحَدِهِمَا أَخْذُ نَصِيبِهِ

اور مبادلہ کا معنی ہی ظاہر ہے حیوانات اور عروض میں؛ تفاوت کی وجہ سے، حتیٰ کہ اختیار نہ ہوگا دونوں میں سے ایک کے لیے اپنا حصہ لینے کا

عِنْدَ غَيْبَةِ الْآخَرِ .وَلَوِ اشْتَرَيَاهُ فَاقْتَسَمَاهُ لَا يَبِيعُ أَحَدُهُمَا

دوسرے کی عدمِ موجودگی میں، اور اگر دونوں نے خریدا اس کو پس دونوں نے تقسیم کیا اس کو تو فروخت نہیں کر سکتا دونوں میں سے ایک

نَصِيبَهُ مُرَابَحَةً بَعْدَ الْقِسْمَةِ{۵}إِلَّا أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ أَجْبَرَ الْقَاضِي عَلَى الْقِسْمَةِ عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِ الشُّرَكَاءِ

اپنا حصہ مرابحہ کے طور پر تقسیم کے بعد۔ البتہ اگر یہ ہوں ایک جنس سے تو جبر کرے گا قاضی تقسیم شرکاء میں سے ایک کی طلب کے وقت

لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْإِفْرَازِ لِتَقَارُبِ الْمَقَاصِدِ وَالْمُبَادَلَةُ مِمَّا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ كَمَا فِي قَضَاءِ الدَّيْنِ،

کیونکہ اس میں الگ کرنے کا معنی ہے؛ تقاربِ مقاصد کی وجہ سے، اور مبادلہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں جاری ہوتا ہے جبر جیسے ادائیگی دین میں

([1])اما قسمة الغنائم ففی الصحیح عن انس :لماقسم النبیﷺ غنائم حنین وغیرہ ذالک من الاحادیث(الدرایۃ تحت الھدایۃ:4ص35) .وَأَمَّا قِسْمَةُ الْمَوَارِيثِ، فَمِنْهَا مَا أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ عَنْ هُذَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، قَالَ: سُئِلَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ عَنْ ابْنَةٍ، وَابْنَةِ ابْنٍ، وَأُخْتٍ، فَقَالَ: لِلْبِنْتِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ، وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ، فَسَيُتَابِعُنِي، فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى، فقال لقد ضَلَلْت إذًا، وَمَا أَنَا مِنْ الْمُهْتَدِينَ، أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلِابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِبِنْتِ الِابْنِ السُّدُسُ، تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ، فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى، فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ، انْتَهَى. (نصب الرایۃ:4ص442)

وَهَذَا لِأَنَّ أَحَدَهُمْ بِطَلَبِ الْقِسْمَةِ يَسْأَلُ الْقَاضِيَ أَنْ يَخُصَّهُ بِالِانْتِفَاعِ بِنَصِيبِهِ

اور یہ اس لیے کہ ان میں سے ایک طلبِ تقسیم سے مطالبہ کرتا ہے قاضی سے کہ مختص کر دے اس کو انتفاع کے ساتھ اپنے حصے سے

وَيَمْنَعَ الْغَيْرَ عَنِ الِانْتِفَاعِ بِمِلْكِهِ ، فَيَجِبُ عَلَى الْقَاضِي إجَابَتُهُ{٦}وَإِنْ كَانَتْ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً

اور روک دیتا ہے غیر کو اس کی ملک سے انتفاع سے، پس واجب ہے قاضی پر اس کی درخواست قبول کرنا، اور اگر ہوں مختلف اجناس

لَا يُجْبِرُ الْقَاضِي عَلَى قِسْمَتِهَا لِتَعَذُّرِ الْمُعَادَلَةِ بِاعْتِبَارِ فُحْشِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَقَاصِدِ ، وَلَوْ تَرَاضَوْا عَلَيْهَا

تو مجبور نہیں کرے گا قاضی ان کی تقسیم پر، بوجہ متعذر ہونے برابری کے بہت زیادہ تفاوت کی وجہ سے مقاصد میں، اور اگر وہ سب راضی ہو گئے

جَازَ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ

اس پر تو جائز ہے؛ کیونکہ حق انہی کا ہے۔

تشریح:۔{۱}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اعیانِ مشترکہ میں تقسیم مشروع ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے غنیمتوں اور میراث کو تقسیم فرمایا ہے، اور شروع سے اب تک بلا نکیر امت کا عمل اعیانِ مشترکہ کو شرکاء میں تقسیم کرنے پر جاری ہے تو یہ قسمت پر امت کا اتفاق ہے اس لیے قسمت جائز ہے۔

{۲}پھر قسمت میں مبادلہ اور اپنے حق کو لینے کا معنی پایا جاتا ہے بایں طور کہ جب دو آدمی ایک مکان میں شریک ہیں تو مکان کا ہر ایک جزء دونوں میں مشترک ہوگا پھر جب تقسیم نے آدھا مکان ایک کو ملا تو اس آدھے میں سے تو نصف خود اسی کا ہے اور نصف دوسرے ساتھی کا ہے اسی طرح دوسرے شریک کو جو نصف ملا ہے اس میں بھی نصف خود اسی کا ہے اور نصف اس کے شریک کا شامل ہے اور ہر ایک کا حصہ جو دوسرے کے حصے میں جا رہا ہے تو یہ اس کا عوض ہے جو اس کے پاس دوسرے کا حصہ آ رہا ہے، پس یہ مبادلہ بھی ہے اور اپنے عینِ حق کو لینا بھی ہے۔

{۳}پھر کیلی اور موزونی چیزوں میں افراز کا معنی ظاہر ہے؛ کیونکہ کیلی اور موزونی چیزوں کے ابعاض میں تفاوت نہیں ہوتا ہے تو جو کچھ ایک شریک لے لیتا ہے وہ صورۃً و معنیً اس کے عینِ حق کی طرح ہے پس اس کا لیا ہوا حصہ اس کا عینِ حق قرار دیا جائے گا اس لیے کہا کہ اس میں عینِ حق لینے کا معنی ظاہر ہے حتی کہ اگر ایک شریک غائب ہو تو بھی دوسرے کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنا حصہ لے لے اگر مبادلہ ہوتا تو دوسرے کی حاضری اور رضامندی شرط ہوتی دوسرے کی غیوبت میں اپنا حصہ لینا جائز نہ

ہو گا۔اور اگر مکیلی یا موزونی چیز کو دونوں نے خریدا پھر دونوں نے اس کو تقسیم کیا تو ہر ایک اپنے حصے کو مرابحۃً نصف ثمن پر فروخت کر سکتا ہے؛کیونکہ ہر ایک نے اپنا عین حق لیا ہے جو اس نے خریدا ہے۔

{۴} مکیلی اور موزونی اشیاء کے علاوہ حیوانات اور سامانوں میں مبادلہ کا معنی ظاہر ہے؛کیونکہ ان کے ابعاض میں تفاوت ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کو اپنا عین حق لینے والا نہیں قرار دیا جاسکتا ہے حتی کہ دونوں میں سے ایک کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ دوسرے کی غیر موجودگی میں اپنا حصہ لے لے،اور اگر دونوں نے مل کر اس طرح کی چیزوں کو خرید لیا پھر دونوں نے اس کو تقسیم کیا تو تقسیم کے بعد کوئی ایک اپنا حصہ مرابحۃً فروخت نہیں کر سکتا ہے؛کیونکہ اس صورت میں ہر ایک کا حصہ بدل جاتا ہے تو جو خریدا تھا بعینہ وہی فروخت نہیں کیا جارہا ہے اس لیے اس صورت میں نصف ثمن پر مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

{۵}البتہ اگر حیوانات سب ایک جنس ہوں مثلاً سب بکریاں ہوں تو اگر ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی دوسرے کو تقسیم کرنے پر مجبور کرے گا؛کیونکہ اس میں افراز کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے کہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے مکیلی اور موزونی چیزوں کی طرح ان کے مقاصد قریب قریب ہوتے ہیں،اور مبادلہ کا معنی بے شک اس میں پایا جاتا ہے مگر جب غیر کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو تو اس میں جبر جاری ہوتا ہے جیسا کہ دَین کی ادائیگی میں جبر جاری ہوتا ہے حالانکہ دَین کو مثل سے ادا کیا جاتا ہے عین دَین نہیں کیا جاتا ہے یعنی مقروض نے جو کچھ لیا ہے بعینہ اس کو ادا نہیں کرتا ہے بلکہ اس کا مثل ادا کرتا ہے تو مبادلہ کا معنی پائے جانے کے باوجود اس میں مقروض کو ادائیگی پر مجبور کیا جاتا ہے،لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی قاضی ایک شریک کے مطالبے پر دوسرے کو تقسیم پر مجبور کرے گا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کر کے قاضی سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ مجھ کو میری ملک سے انتفاع کا خاص حق دیا جائے،اور دوسرے کو میرے حق سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا جائے لہٰذا قاضی پر واجب ہے کہ اس کی درخواست کو قبول کرے اور دونوں میں تقسیم کر دے۔

{۶}اور اگر حیوانات مختلف جنس کے ہوں مثلاً بعض بکریاں ہوں اور بعض گائے ہوں تو قاضی ایک شریک کے مطالبے پر دوسرے کو تقسیم پر مجبور نہیں کرے گا؛کیونکہ اس صورت میں ان حیوانوں کے مقاصد میں بہت زیادہ فرق ہونے کی وجہ سے دونوں میں مساوات اور برابری متعذر ہے لہٰذا باہمی رضامندی کے بغیر جبری تقسیم نہیں کی جاسکتی ہے،البتہ اگر دونوں شریک تقسیم پر راضی ہوں تو پھر جائز ہے؛کیونکہ حق انہیں کا ہے اس لیے دونوں کے مطالبے پر تقسیم کی جائے گی۔

{۱}قَالَ : وَيَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَنْصِبَ قَاسِمًا يَرْزُقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيَقْسِمَ

فرمایا: اور چاہیئے قاضی کو کہ مقرر کردے قاسم، تنخواہ دے اس کو بیت المال سے تاکہ وہ تقسیم کرے

بَيْنَ النَّاسِ بِغَيْرِ أَجْرٍ ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ جِنْسِ عَمَلِ الْقَضَاءِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَتِمُّ بِهِ قَطْعُ الْمُنَازَعَةِ فَأَشْبَهَ

لوگوں کے درمیان بلا اجرت؛ کیونکہ تقسیم عمل قضاء کی جنس سے ہے اس حیثیت سے تام ہوتا ہے اس سے قطع منازعت پس یہ مشابہ ہے

رِزْقَ الْقَاضِي ، وَلِأَنَّ مَنْفَعَةَ نَصْبِ الْقَاسِمِ تَعُمُّ الْعَامَّةَ فَتَكُونَ كِفَايَتُهُ فِي مَالِهِمْ غُرْمًا بِالْغُنْمِ

قاضی کے رزق کے، اور اس لیے کہ قاسم مقرر کرنے کی منفعت سب کو عام ہے پس ہوگی اس کی کفایت انہی کے مال میں تاکہ تاوان بعوض فائدہ ہو

{۲}قَالَ : فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِمًا يَقْسِمُ بِالْأَجْرِ مَعْنَاهُ بِأَجْرٍ عَلَى الْمُتَقَاسِمِينَ،

فرمایا: اور اگر قاضی نے ایسا نہیں کیا تو وہ مقرر کرے کوئی تقسیم کنندہ جو تقسیم کرے اجرت پر، اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی اجرت جو متقاسمین پر ہو

لِأَنَّ النَّفْعَ لَهُمْ عَلَى الْخُصُوصِ ، وَبِقَدْرِ أَجْرِ مِثْلِهِ كَيْ لَا يَتَحَكَّمَ بِالزِّيَادَةِ ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَرْزُقَهُ

کیونکہ نفع ان کا ہے خاص طور پر، اور مقرر کردے اس کی اجرتِ مثل تاکہ وہ حکم نہ کرے زیادتی کا، اور افضل یہ ہے کہ تنخواہ دے اس کو

مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ أَرْفَقُ بِالنَّاسِ وَأَبْعَدُ عَنِ التُّهْمَةِ . {۳} وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَدْلًا مَأْمُونًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ؛

بیت المال سے؛ کیونکہ اس میں زیادہ سہولت ہے لوگوں کے لیے اور بہت دور ہے تہمت سے، اور ضروری ہے کہ ہو عادل، مامون، تقسیم کو جاننے والا

لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِ عَمَلِ الْقَضَاءِ ، وَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْقُدْرَةِ وَهِيَ بِالْعِلْمِ ، وَمِنَ الِاعْتِمَادِ عَلَى قَوْلِهِ وَهُوَ

کیونکہ یہ عمل قضاء کی جنس سے ہے، اور اس لیے کہ قدرت ضروری ہے اور قدرت علم سے ہوتی ہے، اور اعتماد ضروری ہے اس کے قول پر اور وہ

بِالْأَمَانَةِ{۴} وَلَا يُجْبِرُ الْقَاضِي النَّاسَ عَلَى قَاسِمٍ وَاحِدٍ مَعْنَاهُ لَا يُجْبِرُهُمْ عَلَى أَنْ يَسْتَأْجِرُوهُ

امانت داری سے ہے۔ اور مجبور نہیں کرے گا قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر، اس کا معنی ہے کہ مجبور نہ کرے لوگوں کو کہ وہ اجارہ پر لے قاسم کو

لِأَنَّهُ لَا جَبْرَ عَلَى الْعُقُودِ ، وَلِأَنَّهُ لَوْ تَعَيَّنَ لَتَحَكَّمَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى أَجْرِ مِثْلِهِ{۵} وَلَوِ اصْطَلَحُوا فَاقْتَسَمُوا

کیونکہ جبر نہیں ہے عقود میں، اور اس لیے کہ اگر وہ متعین ہو گا تو وہ مطالبہ کرے گا زیادتی کا اپنی اجرت مثل پر، اور اگر شرکاء صلح کر کے تقسیم کرلیں

جَازَ ، إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِمْ صَغِيرٌ فَيُحْتَاجُ إِلَى أَمْرِ الْقَاضِي ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ عَلَيْهِ قَالَ: وَلَا يَتْرُكُ

تو جائز ہے، مگر یہ کہ ہوں ان میں نابالغ، پس ضرورت ہوگی امر قاضی کو؛ کیونکہ ولایت نہیں ان کو نابالغ پر۔ فرمایا: اور نہ چھوڑے

الْقُسَّامَ يَشْتَرِكُونَ ؛ كَيْ لَا تَصِيرَ الْأُجْرَةُ غَالِيَةً بِتَوَاكُلِهِمْ ، وَعِنْدَ عَدَمِ الشَّرِكَةِ يَتَبَادَرُ كُلٌّ مِنْهُمْ

قاسموں کو کہ وہ اشتراک کریں تاکہ نہ ہو جائے اجرت گراں ان کے اتفاق سے، اور عدم شرکت کے وقت جلدی کرے گا ہر ایک ان میں سے

إِلَيْهِ خِيفَةَ الْفَوْتِ فَيَرْخَصُ الْأَجْرُ{6}قَالَ : وَأُجْرَةُ الْقِسْمَةِ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ،

تقسیم کی طرف اندیشہ فوت کی وجہ سے، پس سستی ہو گی اجرت۔ فرمایا: اور تقسیم کی اجرت عدد رؤس کے مطابق ہو گی امام صاحبؒ کے نزدیک

وَقَالَا عَلَى قَدْرِ الْأَنْصِبَاءِ ؛ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ كَأُجْرَةِ الْكَيَّالِ وَالْوَزَّانِ

اور فرمایا صاحبینؒ نے بقدرِ حصص ہو گی؛ کیونکہ یہ خرچہ ہے ملک کا پس ثابت ہو گا ملک کے بقدر جیسے اجرت ناپنے اور وزن کرنے والے کی

وَحَفْرِ الْبِئْرِ الْمُشْتَرَكَةِ وَنَفَقَةِ الْمَمْلُوكِ الْمُشْتَرَكِ{7}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَجْرَ مُقَابَلٌ بِالتَّمْيِيزِ ، وَأَنَّهُ لَا يَتَفَاوَتُ

اور مشترک کنواں کھودنے اور مشترک غلام کا نفقہ، امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت مقابل ہے علیحدہ کرنے اور اس میں تفاوت نہیں ہوتا

وَرُبَّمَا يَصْعُبُ الْحِسَابُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْقَلِيلِ ، وَقَدْ يَنْعَكِسُ الْأَمْرُ فَيَتَعَذَّرُ اعْتِبَارُهُ فَيَتَعَلَّقُ الْحُكْمُ

اور کبھی مشکل ہو جاتا ہے حساب قلیل میں غور کرنے سے، اور کبھی برعکس ہوتا ہے معاملہ، پس متعذر ہے اس کا اعتبار، تو متعلق ہو گا حکم

بِأَصْلِ التَّمْيِيزِ ،{8}بِخِلَافِ حَفْرِ الْبِئْرِ لِأَنَّ الْأَجْرَ مُقَابَلٌ بِنَقْلِ التُّرَابِ وَهُوَ يَتَفَاوَتُ ،وَالْكَيْلُ وَالْوَزْنُ

اصل تمیز کے ساتھ، برخلافِ کنواں کھودنے کے؛ کیونکہ اجرت مقابل ہے مٹی منتقل کرنے کا اور اس میں تفاوت ہوتا ہے، اور کیل اور وزن

إِنْ كَانَ لِلْقِسْمَةِ قِيلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ ،{9}وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْقِسْمَةِ فَالْأَجْرُ مُقَابَلٌ بِعَمَلِ الْكَيْلِ وَالْوَزْنِ وَهُوَ

اگر تقسیم کے لیے ہوں تو کہا گیا ہے کہ وہ اختلاف پر ہے، اور اگر نہ ہوں تقسیم کے لیے تو اجرت مقابل ہے عمل کیل اور وزن کا اور وہ

يَتَفَاوَتُ وَهُوَ الْعُذْرُ لَوْ أَطْلَقَ وَلَا يُفَصِّلُ وَعَنْهُ أَنَّهُ عَلَى الطَّالِبِ دُونَ

متفاوت ہوتا ہے، اور یہی عذر ہے اگر مطلق بولا اور تفصیل بیان نہ کی، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ اجرت طالبِ تقسیم پر ہے نہ کہ

الْمُمْتَنِعِ لِنَفْعِهِ وَمَضَرَّةِ الْمُمْتَنِعِ.

ممتنع پر؛ اس کے نفع کی وجہ سے اور ممتنع کے ضرر کی وجہ سے۔

تشریح:۔{1} قاضی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ ایک تقسیم کنندہ کو مقرر کردے اور اس کو بیت المال سے رزق دیا کرے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان بلا اجرت تقسیم کر دیا کرے؛ کیونکہ شرکاء میں تقسیم کرنا قضاء کے عمل کی جنس سے ہے بایں وجہ کہ لوگوں کا جھگڑا کامل طور پر جب ہی ختم ہو گا کہ فیصلہ کے مطابق تقسیم بھی ہو جائے، اور چونکہ قاسم مقرر کرنے کا نفع سب لوگوں کو پہنچتا ہے

تو اس کا وظیفہ قاضی کے وظیفہ کے مشابہ ہو گیا لہٰذا قاضی کے وظیفہ کی طرح عام لوگوں کے مال (بیت المال) سے اس کا وظیفہ بھی دیا جائے گا؛ کیونکہ تاوان بقدرِ نفع ہوتا ہے یعنی جن کو اس کا نفع پہنچتا ہے اس کا خرچہ بھی ان پر ہو گا۔

{۲} اور اگر قاضی مذکورہ طریقے پر قاسم مقرر نہ کرے تو پھر ایسا قاسم مقرر کر دے جو لوگوں سے اجرت لے کر ان کے درمیان تقسیم کر دیا کرے مطلب یہ ہے کہ اس کی اجرت تقسیم کرنے والوں پر ہو گی؛ کیونکہ یہاں خاص نفع انہیں کا ہے اس لیے اجرت بھی انہیں پر ہو گی۔ البتہ قاضی اس کے لیے اس کے مثل کی اجرت مقرر کر دے تاکہ وہ حکومتی آدمی ہونے کی وجہ سے لوگوں سے زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے۔ مگر افضل بہر حال یہ ہے کہ بیت المال سے اس کو وظیفہ دیا جائے؛ کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے زیادہ سہولت ہے اور تہمت سے بھی دور ہے یعنی یہ تہمت نہ ہو گی کہ ایک شریک نے زیادہ اجرت دی ہے اس لیے قاسم اسی کی طرف مائل ہو گیا۔

{۳} اور ضروری ہے کہ قاسم عادل ہو، امانت دار ہو، اور تقسیم کے مسائل سے واقف ہو؛ کیونکہ تقسیم بھی قضاء کی جنس سے ہے تو جیسا کہ قاضی میں مذکورہ اوصاف کا ہونا ضروری ہے اسی طرح قاسم میں بھی ان اوصاف کا ہونا ضروری ہو گا۔ اور اس لیے کہ تقسیم کے لیے تقسیم پر قادر ہونا ضروری ہے اور قدرت علم سے ہوتی ہے اس لیے علم ضروری ہے، اور اس کے قول پر اعتماد ضروری ہے اور اعتماد امانت سے ہوتا ہے اس لیے قاسم کا امانت دار ہونا ضروری ہے۔

{۴} قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے یعنی ان کو مجبور نہ کرے کہ خاص کر اس قاسم سے تقسیم کرائیں؛ کیونکہ یہ عقد پر مجبور کرنا ہے حالانکہ عقود میں جبر نہیں چلتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قاضی لوگوں کو ایک قاسم سے تقسیم کرانے پر مجبور کرے تو وہ اپنی اجرتِ مثل سے زیادہ اجرت لوگوں سے وصول کرے گا؛ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور قاسم موجود نہیں ہے تو لوگ بہر حال اسی ایک قاسم کے محتاج ہوں گے۔

{۵} اگر شرکاء نے باہمی اتفاق کر کے تقسیم کر لی تو یہ جائز ہے، البتہ اگر شرکاء میں کوئی بچہ ہو اور اس کا باپ یا وصی نہ ہو تو پھر قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہو گی؛ کیونکہ دیگر شرکاء کو بچے پر ولایت حاصل نہیں ہے جبکہ قاضی کی ولایت سب کو شامل ہے لہٰذا قاضی کے حکم سے ان کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔

قاضی قاسموں کو شرکت کرنے کی اجازت نہ دے یہ اس لیے تاکہ وہ زیادہ اجرت لینے پر اتفاق نہ کرلیں، اور جب وہ شرکت نہیں کریں گے تو ہر ایک تقسیم کرنے کی طرف کم اجرت پر سبقت کرے گا اس خوف سے کہ شرکاء کہیں دوسرے قاسم کے پاس نہ جائیں یوں میری اجرت فوت ہو جائے گی، اس طرح قاسموں کی اجرت کم رہے گی اور لوگوں کا فائدہ ہو گا۔

{٦}اور قاسم کی اجرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شرکاء کے عددِ رؤس کے مطابق ہوگی یعنی جتنے شرکاء ہوں گے سب پر برابر برابر تقسیم ہوگی، ان کے حصوں کی کمی بیشی کا لحاظ نہ ہوگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک شریک کا جتنا حصہ ہوگا اسی کے حساب سے اس پر اجرت ہوگی؛ کیونکہ یہ اجرت ملکیت کا خرچہ ہے تو یہ خرچہ ملکیت کے بقدر ہوگا جیسے سامان ناپنے اور تولنے والے مزدور کی اجرت شرکاء پر ان کے حصوں کے بقدر ہوتی ہے، اور مشترک کنواں کھودنے والے مزدور کی اجرت ہر ایک شریک کی ملکیت کے بقدر ہوتی ہے، اور مشترک غلام کا نفقہ شرکاء پر ان کے حصوں کے بقدر ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی قاسم کی اجرت ہر ایک شریک کے حصے کی بقدر ہوگی۔

{٧}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت حصص الگ کرنے کے مقابلے میں ہوتی ہے اور حصص کو الگ کرنے میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا ہے یعنی جس طرح کہ بڑے حصے کو الگ کیا جاتا ہے ایسا ہی چھوٹے حصے کو بھی الگ کیا جاتا ہے بسا اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ چھوٹے حصے کا حساب مشکل ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بڑے حصے کا حساب مشکل ہوتا ہے اس لیے اس کا اعتبار کرنا متعذر ہے لہٰذا حکم کا مدار اصل تمییز پر ہوگا جس میں تفاوت نہیں ہوتا اس لیے کہ قلیل وکثیر میں سے ہر ایک کو الگ کیا جاتا ہے۔

{٨}صاحبینؒ کا کنویں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ کنواں کھودنے میں مٹی منتقل کرنا پڑتا ہے جس میں قلیل وکثیر میں تفاوت ہوتا ہے اس لیے املاک کے مطابق اجرت میں بھی تفاوت ہوگا۔ اور سامان کو ناپنے اور تولنے والے مزدور کی اجرت پر قیاس کرنے کا جواب یہ ہے کہ ناپنا اور تولنا تقسیم کے لیے ہوگا یا تقسیم کے لیے نہ ہوگا، اگر تقسیم کے لیے ہو تو اس میں ائمہ کے درمیان یہی اوپر والا اختلاف ہے تو چونکہ امام صاحبؒ اس میں بھی صاحبینؒ کے ساتھ متفق نہیں ہیں اس لیے اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

فتوی: امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدرّ المنتقی: (وهو) ای ما يقدر (على عدد الرؤوس) عنده (وعندهما على قدر السهام) والاول الصحيح ؛لان المعقود عليه التمييز لا غير كما في المضمرات وغيرها. الدر المنتقى تحت مجمع الانهر ،ج4،ص126)

{۹} اور اگر ناپنا اور تولنا تقسیم کے لیے نہ ہو تو پھر بے شک مزدور کی اجرت بقدرِ ملک ہوگی؛ وجہ یہ ہے کہ یہاں اجرت ناپنے اور تولنے کے عمل کا بدل ہے اور قلیل اور کثیر کو ناپنے اور تولنے کے عمل میں تفاوت پایا جاتا ہے اس لیے اجرت میں بھی تفاوت ہوگا، اور اگر مطلق ناپنے اور تولنے کا ذکر کیا تفصیل بیان نہ کی کہ ناپنا اور تولنا تقسیم کے لیے ہے یا تقسیم کے لیے نہیں ہے تو اس صورت میں ملک کے مطابق اجرت کم و بیش ہوگی اور اس کی بیشی کا یہی عذر ہے کہ زیادہ مقدار ناپنے میں مشقت زیادہ ہے اس لیے اس پر اجرت زیادہ آئے گی اور کم مقدار ناپنے میں مشقت کم ہے اس لیے اجرت کم آئے گی۔

امام صاحبؒ سے دوسری روایت یہ مروی ہے کہ جس شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا اجرت اسی پر ہوگی؛ کیونکہ تقسیم میں اسی کا نفع ہے اس لیے اجرت بھی اسی پر ہوگی، اور جس نے تقسیم کا انکار کیا تھا اس پر اجرت نہ ہوگی؛ کیونکہ تقسیم میں اس کا نقصان ہے۔

{۱} وَإِذَا حَضَرَ الشُّرَكَاءُ عِنْدَ الْقَاضِي وَفِي أَيْدِيهِمْ دَارٌ أَوْ ضَيْعَةٌ وَادَّعَوْا أَنَّهُمْ وَرِثُوهَا
فرمایا: اور اگر حاضر ہو گئے شرکاء قاضی کے پاس اور ان کے قبضہ میں مکان ہو یا زمین ہو اور انہوں نے دعوی کیا کہ انہوں نے اس کو میراث میں پایا ہے

عَنْ فُلَانٍ لَمْ يَقْسِمْهَا الْقَاضِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى يُقِيمُوا الْبَيِّنَةَ عَلَى مَوْتِهِ وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ
فلاں سے تو تقسیم نہیں کرے گا اس کو قاضی امام صاحبؒ کے نزدیک یہاں تک کہ قائم کریں بینہ اس کی موت پر اور اس کے ورثہ کی تعداد پر

وَقَالَ صَاحِبَاهُ : يَقْسِمُهَا بِاعْتِرَافِهِمْ ، وَيَذْكُرُ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ قَسَمَهَا بِقَوْلِهِمْ
اور صاحبینؒ نے فرمایا: تقسیم کرے گا اس کو ان کے اعتراف پر، اور ذکر کرے گا تقسیم کے رجسٹر میں کہ اس نے تقسیم کیا اس کو ان کے قول سے

{۲} وَإِنْ كَانَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ مَا سِوَى الْعَقَارِ وَادَّعَوْا أَنَّهُ مِيرَاثٌ قَسَمَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ، وَلَوِ
اور اگر ہو مال مشترک عقار کے علاوہ اور انہوں نے دعوی کیا کہ یہ میراث ہے، تو تقسیم کرے گا اس کو سب کے قول کے مطابق، اور اگر

ادَّعَوْا فِي الْعَقَارِ أَنَّهُمُ اشْتَرَوْهُ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ ؛{۳} لَهُمَا أَنَّ الْيَدَ دَلِيلُ الْمِلْكِ
انہوں نے دعوی کیا عقار میں کہ انہوں نے اس کو خریدا ہے تو تقسیم کرے گا اس کو ان کے درمیان؛ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ دلیل ملک ہے

وَالْإِقْرَارَ أَمَارَةُ الصِّدْقِ وَلَا مُنَازِعَ لَهُمْ فَيَقْسِمُهُ بَيْنَهُمْ كَمَا فِي الْمَنْقُولِ الْمَوْرُوثِ وَالْعَقَارِ الْمُشْتَرَى،
اور اقرار علامتِ صدق ہے، اور کوئی مخاصم نہیں ان کا، پس تقسیم کرے گا ان کے درمیان جیسے منقولہ میراث میں، اور خریدی گئی زمین میں

وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا مُنْكِرَ وَلَا بَيِّنَةَ إِلَّا عَلَى الْمُنْكِرِ فَلَا يُفِيدُ ، إِلَّا أَنَّهُ يَذْكُرُ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ
اور یہ اس لیے کہ کوئی منکر نہیں ہے اور بینہ واجب نہیں ہوتا مگر منکر پر، پس مفید نہیں، مگر یہ کہ ذکر کرے تقسیم کے رجسٹر میں کہ اس نے

قَسَمْنَا بِإِقْرَارِهِمْ لِيَقْتَصِرَ عَلَيْهِمْ وَلَا يَتَعَدَّاهُمْ ﴿۴﴾ وَلَهُ أَنَّ الْقِسْمَةَ قَضَاءٌ عَلَى الْمَيِّتِ

اس کو تقسیم کیا ہے ان کے اقرار سے، تاکہ منحصر ہو جائے ان پر، اور تجاوز نہ کرے ان سے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم قضاء ہے میت پر

إِذِ التَّرِكَةُ مُبْقَاةٌ على مِلْكِهِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ ، حَتَّى لَوْ حَدَثَتِ الزِّيَادَةُ قَبْلَهَا تَنْفُذُ وَصَايَاهُ فِيهَا وَتُقْضَى

کیونکہ ترکہ باقی رہتا ہے میت کی ملک پر تقسیم سے پہلے، حتی کہ اگر پیدا ہو گئی زیادتی تو نافذ ہوں گی اس کی وصیتیں اس میں، اور ادا کیے جائیں گے

دُيُونُهُ مِنْهَا، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ ﴿۵﴾ وَإِذَا كَانَتْ قَضَاءً عَلَى الْمَيِّتِ فَالْإِقْرَارُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ مُفِيدٌ

اس کے قرضے اس سے، برخلاف تقسیم کے بعد اور جب ہے قضاء میت پر تو اقرار حجت نہیں میت پر، پس ضروری ہے بینہ، اور وہ مفید ہے

لِأَنَّ بَعْضَ الْوَرَثَةِ يَنْتَصِبُ خَصْمًا عَنِ الْمُورِثِ، وَلَا يَمْتَنِعُ ذَلِكَ بِإِقْرَارِهِ كَمَا فِي الْوَارِثِ أَوِ الْوَصِيِّ الْمُقِرِّ بِالدَّيْنِ

کیونکہ بعض ورثہ مقرر کیا جائے گا خصم مورث کی جانب سے اور ممتنع نہیں یہ اس کے اقرار کی وجہ سے جیسا کہ وارث اور مقر بالدین وصی میں

فَإِنَّهُ يُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ مَعَ إِقْرَارِهِ ، ﴿۶﴾ بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ لِأَنَّ فِي الْقِسْمَةِ نَظَرًا لِلْحَاجَةِ إِلَى الْحِفْظِ

کہ قبول کیا جاتا ہے بینہ اس پر اس کے اقرار کے ساتھ۔ برخلاف منقول کے؛ کیونکہ تقسیم میں رعایت ہے بوجہ حاجتِ حفاظت کے،

أَمَّا الْعَقَارُ فَمُحَصَّنٌ بِنَفْسِهِ ، وَلِأَنَّ الْمَنْقُولَ مَضْمُونٌ عَلَى مَنْ وَقَعَ فِي يَدِهِ ، وَلَا كَذَلِكَ الْعَقَارُ عِنْدَهُ،

رہا عقار تو وہ محفوظ ہے بذاتِ خود، اور اس لیے کہ منقول مضمون ہے اس پر جس کے قبضہ میں واقع ہے اور اس طرح نہیں ہے عقار امام صاحبؒ کے نزدیک

﴿۷﴾ وَبِخِلَافِ الْمُشْتَرَى لِأَنَّ الْمَبِيعَ لَا يَبْقَى عَلَى مِلْكِ الْبَائِعِ وَإِنْ لَمْ يُقْسَمْ فَلَمْ تَكُنِ الْقِسْمَةُ قَضَاءً عَلَى الْغَيْرِ

اور برخلاف خریدی ہوئی زمین کے؛ کیونکہ مبیع باقی نہیں رہتی ہے ملکِ بائع پر اگرچہ تقسیم نہ کرے، پس نہ ہو گی تقسیم غیر پر۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر چند شرکاء قاضی کے پاس آئے اور ان کے قبضہ میں کوئی مکان یا زمین ہو، اور انہوں نے دعوی کیا کہ اس مکان یا زمین کو ہم نے اپنے فلاں رشتہ دار سے میراث میں پایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقط ان کے دعوی پر مکان تقسیم نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ گواہ قائم نہ کریں کہ واقعی ان کا وہ رشتہ دار مر چکا ہے اور اس کے وارثوں کی تعداد یہ ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ فقط ان کے اقرار پر مکان ان پر تقسیم کیا جائے گا، البتہ قاضی یادداشت کی غرض سے تقسیم کے رجسٹر میں یہ درج کرے کہ میں نے یہ مکان ان کے کہنے سے تقسیم کیا ہے۔

﴿۲﴾ مذکورہ بالا تو غیر منقولہ جائیداد کا حکم ہے، اور اگر مشترک مال منقولہ سامان ہو اور شرکاء نے دعوی کیا کہ یہ ہمیں میراث میں ملا ہے تو قاضی بالاتفاق سامان کو ان کے درمیان تقسیم کرے گا، اور اگر غیر منقولہ جائیداد میں شرکاء نے دعوی کیا کہ ہم نے اس کو خریدا ہے تو بھی قاضی ان کے درمیان تقسیم کرے گا۔

﴿۳﴾ مختلف فیہ مسئلہ میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مکان پر ان کا قبضہ دلیل ہے کہ یہ لوگ اس کے مالک ہیں، اور ان کا اقرار کرنا ان کے سچے ہونے کی دلیل ہے لہٰذا ان کے کہنے پر قاضی تقسیم کرے گا جیسا کہ منقولی سامان میراث میں پانے کی صورت میں اور خریدی گئی زمین کی صورت میں ان کے کہنے پر تقسیم کی جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ان کے قول کا کوئی انکار کرنے والا نہیں ہے اور بینہ تو منکر پر پیش کیا جاتا ہے اور جب منکر نہیں ہے تو بینہ پیش کرنا مفید بھی نہ ہوگا، البتہ تقسیم کے رجسٹر میں لکھ دے گا کہ میں نے یہ تقسیم ان کے کہنے پر کی ہے تاکہ یہ تقسیم ان پر مقصور ہو کر نافذ رہے ان کے علاوہ اگر کسی نے اس میں شرکت کا دعوی کیا تو قاسم کی تقسیم اس کی طرف متعدی ہو کر نافذ نہ ہو۔

﴿۴﴾ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کرنا میت پر فیصلہ ہے؛ کیونکہ میت کا ترکہ جب تک تقسیم نہ ہو اس وقت تک میت کی مِلک پر باقی رہتا ہے حتی کہ اگر ترکہ میں کوئی زیادتی پیدا ہو گئی مثلاً ترکہ میں باندی ہو اس کا بچہ پیدا ہو تو میت کی وصیت اس زیادتی میں بھی نافذ ہو گی یعنی اگر میت نے باندی کی وصیت کسی کے لیے کی تھی تو یہ وصیت بچے کے بارے میں بھی ہو گی، اور میت کے قرضے اس زیادتی سے ادا کئے جائیں گے، تو یہ علامت ہے کہ تقسیم سے پہلے ترکہ میت کی مِلک پر باقی رہتا ہے، البتہ تقسیم کے بعد میت کی مِلک پر باقی نہیں رہتا ہے بلکہ مِلک ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، بہر حال جب تقسیم میت پر فیصلہ ہے تو ورثہ کا اقرار میت پر حجت نہ ہو گا اس لیے ورثہ پر لازم ہو گا کہ بینہ پیش کر دیں۔

﴿۵﴾ صاحبینؒ نے جو کہا تھا کہ "بینہ قائم کرنا مفید نہیں ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بینہ پیش کرنا مفید ہے؛ کیونکہ یہاں ایک وارث کو میت کا نائب اور دوسروں کو خصم بنایا جائے گا تاکہ قاضی اس پر فیصلہ کر سکے، باقی ورثہ نے اگرچہ اقرار کیا ہے مگر پھر بھی وہ خصم ہو سکتے ہیں ان کے اقرار سے ان کا خصم ہونا ممتنع نہ ہو گا جیسے کسی نے میت پر دَین کا دعوی کیا اور میت کے وارث یا وصی نے اس کے دعوے کا اقرار کیا، مگر صاحبِ دَین اپنے دعوے کو پختہ کرنے کے لیے چاہتا ہے کہ قاضی کے سامنے بینہ پیش کر دے تو اس کے بینہ کو قبول کیا جائے گا تو باوجود کہ وارث یا وصی کا اقرار موجود ہے پھر بھی بینہ پیش کر کے اس کو خصم بنانا ممتنع

نہیں ہے، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں اس کے وارث کے اقرار کے باوجود اس کو خصم بنانا صحیح ہے اور جب اس کا خصم ہونا صحیح ہے تو اس پر بیّنہ پیش کرنا بھی صحیح ہوگا اس لیے یہاں بیّنہ پیش کرنا مفید ہے۔

{٦} باقی صاحبینؒ کا میراث میں منقولی سامان پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ منقولی سامان کو تقسیم کرنے میں شفقت ہے؛ کیونکہ منقولی سامان میں حفاظت کی حاجت ہوتی ہے جبکہ غیر منقولی جائیداد بذاتِ خود محفوظ ہوتی ہے اس لیے اسے منقولی سامان پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ منقولی سامان جس کے قبضہ میں آئے گا وہ اس کا ضامن ہوتا ہے اس لیے اس میں میت پر شفقت ہے جبکہ غیر منقولی جائیداد جس کے قبضہ میں آئے گی وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک غیر منقولی جائیداد کا غصب متحقق نہیں ہوتا ہے، لہذا غیر منقولی جائیداد کو منقولی سامان پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

{٧} اور خریدی ہوئی زمین کا حکم بھی موروث زمین کے برخلاف ہے؛ کیونکہ بیع اور تسلیم کے بعد مبیع بائع کی ملک پر باقی نہیں رہتی ہے اگرچہ خریداروں نے اس کو تقسیم نہ کیا ہو لہذا اس کو تقسیم کرنا غیر (بائع) پر قضاء نہیں ہے جبکہ موروث زمین کو تقسیم کرنا غیر (میت) پر قضاء ہے، اس لیے میراث کی صورت کو خرید کی صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

فتوی:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لماقا الشیخ عبد الحکیم الشہید: الراجح عند الاکثر قولہ لما فیہ من الاحتیاط والصون للقضاء عن الخطاء ودفع التذویر یظہر ذالک من ادلتھم ومن ظاہر عباراتھم فی الفتاوی ولم ار التصریح (ہامش الہدایۃ: 4ص409)

{١} قَالَ: وَإِنِ ادَّعَوْا الْمِلْكَ وَلَمْ يَذْكُرُوا كَيْفَ انْتَقَلَ إِلَيْهِمْ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الْقِسْمَةِ قَضَاءٌ عَلَى الْغَيْرِ، فَإِنَّهُمْ مَا أَقَرُّوا بِالْمِلْكِ لِغَيْرِهِمْ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : هَذِهِ رِوَايَةُ كِتَابِ الْقِسْمَةِ

فرمایا: اور اگر شرکاء نے دعوی کیا ملک کا اور یہ ذکر نہ کریں کہ کیسے منتقل ہوئی ان کی طرف، تو تقسیم کرے گا اس کو ان کے درمیان؛ کیونکہ نہیں ہے تقسیم کرنے میں قضاء غیر پر؛ کیونکہ انہوں نے اقرار نہیں کیا ہے ملک کا غیر کے لیے، مصنفؒ فرماتے ہیں یہ روایت ہے کتاب القسمۃ کی،

{٢} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : أَرْضٌ ادَّعَاهَا رَجُلَانِ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا فِي أَيْدِيهِمَا وَأَرَادَا الْقِسْمَةَ لَمْ يَقْسِمْهَا حَتَّى يُقِيمَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا لَهُمَا ؛ لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ لِغَيْرِهِمَا

اور جامع صغیر میں ہے کہ ایک زمین ہے دعوی کیا اس کا دو آدمیوں نے اور دونوں نے قائم کیا بیّنہ کہ یہ ان کے قبضہ میں ہے اور دونوں نے ارادہ کیا تقسیم کا تو تقسیم نہیں کرے گا اس کو یہاں تک کہ وہ دونوں بیّنہ قائم کریں کہ وہ زمین ان دونوں کی ہے؛ بوجہ اس احتمال کے کہ ہو وہ ان کے غیر کے لیے۔

ثُمَّ قِيلَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقِيلَ قَوْلُ الْكُلِّ ، وَهُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّ قِسْمَةَ الْحِفْظِ فِي الْعَقَارِ

پھر کہا گیا ہے کہ یہ امام صاحبؒ کا قول ہے خاص کر، اور کہا گیا ہے کہ یہ سب کا قول ہے، اور یہی اصح ہے؛ کیونکہ حفاظت کی تقسیم کی عقار میں

غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَيْهِ ، وَقِسْمَةُ الْمِلْكِ تَفْتَقِرُ إِلَى قِيَامِهِ وَلَا مِلْكَ فَامْتَنَعَ الْجَوَازُ{۳}قَالَ : وَإِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ وَ

احتیاج نہیں ہے، اور تقسیم ملک محتاج ہے قیام ملک کا، اور ملک نہیں ہے پس ممتنع ہوا جواز۔ فرمایا: اور اگر حاضر ہوئے دو وارث اور

أَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِي أَيْدِيهِمْ وَمَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَمَهَا

دونوں نے قائم کیا بیّنہ وفات اور عدد ورثہ پر اور مکان ان کے قبضہ میں ہے اور ان کے ساتھ غائب وارث ہے تو تقسیم کرے گا اس کو

الْقَاضِي بِطَلَبِ الْحَاضِرِينَ وَيَنْصِبُ وَكِيلًا يَقْبِضُ نَصِيبَ الْغَائِبِ ، وَكَذَا لَوْ كَانَ مَكَانَ الْغَائِبِ صَبِيٌّ يَقْسِمُ

قاضی حاضرین کے مطالبہ پر، اور مقرر کرے گا وکیل جو قبض کرے گا غائب کا حصہ، اور اسی طرح اگر ہو غائب کے بجائے بچہ تو تقسیم کرے گا

وَيَنْصِبُ وَصِيًّا يَقْبِضُ نَصِيبَهُ ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلْغَائِبِ وَالصَّغِيرِ ، وَلَا بُدَّ مِنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ

اور مقرر کرے گا وصی جو قبض کرے گا اس کا حصہ؛ کیونکہ اس میں رعایت ہے غائب اور بچے کی، اور ضروری ہے بیّنہ قائم کرنا اس صورت میں بھی

عِنْدَهُ أَيْضًا خِلَافًا لَهُمَا كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ{۴} وَلَوْ كَانُوا مُشْتَرِينَ لَمْ يَقْسِمْ

امام صاحبؒ کے نزدیک، اختلاف ہے صاحبینؒ کا جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو اس سے پہلے، اور اگر وہ ہوں خریدنے والے تو تقسیم نہیں کرے گا

مَعَ غَيْبَةِ أَحَدِهِمْ وَالْفَرْقُ أَنَّ مِلْكَ الْوَارِثِ مِلْكُ خِلَافَةٍ حَتَّى يَرُدَّ بِالْعَيْبِ وَيُرَدُّ

ان میں سے ایک کی عدم موجودگی میں، اور فرق یہ کہ ملک وارث ملک خلافت ہے حتی کہ واپس کرے گا عیب کی وجہ سے اور واپس کیا جائے گا

عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ فِيمَا اشْتَرَاهُ الْمُورِثُ أَوْ بَاعَ وَيَصِيرُ مَغْرُورًا بِشِرَاءِ الْمُورِثِ فَانْتَصَبَ

اس پر عیب کی وجہ سے اس چیز میں جس کو خریدا ہے مورث نے یا فروخت کیا، اور ہو جائے گا دھوکہ شدہ مورث کی خرید سے، پس ہو جائے گا

أَحَدُهُمَا خَصْمًا عَنِ الْمَيِّتِ فِيمَا فِي يَدِهِ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ فَصَارَتِ الْقِسْمَةُ قَضَاءً بِحَضْرَةِ الْمُتَخَاصِمِينَ.

دونوں میں سے ایک خصم میت کی طرف اس چیز میں جو اس کے قبضہ میں ہے اور دوسرا اپنی طرف سے، پس ہو گئی تقسیم قضاء متخاصمین کی موجودگی میں

أَمَّا الْمِلْكُ الثَّابِتُ بِالشِّرَاءِ مِلْكٌ مُبْتَدَأٌ وَلِهَذَا لَا يَرُدُّ بِالْعَيْبِ عَلَى بَائِعِ بَائِعِهِ فَلَا يَصْلُحُ

بہر حال خرید سے ثابت ملک جدید ملک ہے، اور اسی وجہ سے رد نہیں کرے گا عیب کی وجہ سے بائع کے بائع پر، پس صلاحیت نہیں رکھتا

الْحَاضِرُ خَصْمًا عَنِ الْغَائِبِ فَوَضَحَ الْفَرْقُ{۵}وَإِنْ كَانَ الْعَقَارُ فِي يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ لَمْ يُقْسَمْ

حاضر خصم ہونے کا غائب کی طرف سے پس واضح ہو گیا فرق۔ اور اگر ہو عقار وارث غائب کے قبضہ میں یا اس میں سے کچھ، تو تقسیم نہیں کیا جائے گا

وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي يَدِ مُودَعِهِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي يَدِ الصَّغِيرِ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ قَضَاءٌ عَلَى الْغَائِبِ وَالصَّغِيرِ بِاسْتِحْقَاقِ يَدِهِمَا

اور اسی طرح اگر ہو اس کے مودَع کے قبضہ میں، اور اسی طرح اگر ہو بچے کے قبضہ میں؛ کیونکہ تقسیم قضاء ہے غائب اور بچے پر ان دونوں کے قبضہ کے استحقاق کی وجہ سے

مِنْ غَيْرِ خَصْمٍ حَاضِرٍ عَنْهُمَا ،{٦}وَأَمِينُ الْخَصْمِ لَيْسَ بِخَصْمٍ عَنْهُ فِيمَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ
خصم کے حضور کے بغیر دونوں کی طرف سے، اور خصم کا امین خصم نہیں ہے اس کی طرف سے اس چیز کے سلسلے میں جو مستحق ہوتی ہے اس پر

وَالْقَضَاءُ مِنْ غَيْرِ الْخَصْمِ لَايَجُوزُ .وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا الْفَصْلِ بَيْنَ إقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَعَدَمِهَا هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا أَطْلَقَ
اور قضاء بغیر خصم کے جائز نہیں، اور فرق نہیں ہے اس فصل میں بیِّنہ قائم کرنے اور قائم نہ کرنے میں، یہی صحیح ہے، جیساکہ مطلق ذکر کیا ہے

فِي الْكِتَابِ{٧}قَالَ : وَإِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يُقْسَمْ وَإِنْ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حُضُورِ خَصْمَيْنِ
کتاب میں۔ فرمایا: اور اگر حاضر ہوا ایک وارث تو تقسیم نہیں کیا جائے گا اگرچہ قائم کرے بیِّنہ؛ کیونکہ ضروری ہے حاضر ہونا دو خصموں کا؛

لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَايَصْلُحُ مُخَاصِمًاوَمُخَاصَمًا،وَكَذَا مُقَاسِمًاوَمُقَاسَمًا،بِخِلَافِ مَاإذَاكَانَ الْحَاضِرُ اثْنَيْنِ عَلَى مَا بَيَّنَّا
کیونکہ ایک قابل نہیں مخاصِم اور مخاصَم ہونے کا اور اسی طرح مقاسِم اور مقاسَم ہونے کا، بر خلاف اس کے جب ہوں حاضر دو جیساکہ ہم بیان کر چکے

{٨}وَلَوْكَانَ الْحَاضِرُ كَبِيرًاوَصَغِيرًانَصَبَ الْقَاضِي عَنِ الصَّغِيرِ وَصِيًّاوَقَسَمَ إذَاأُقِيمَتْ الْبَيِّنَةُ ، وَكَذَا إذَاحَضَرَ
اور اگر ہوں حاضر بڑا اور بچہ تو مقرر کرے قاضی بچے کی طرف سے وصی، اور تقسیم کرے، جب بیِّنہ قائم کیا جائے، اور اسی طرح اگر حاضر ہوا

وَارِثٌ كَبِيرٌ وَمُوصًى لَهُ بِالثُّلُثِ فِيهَا وَطَلَبَا الْقِسْمَةَ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِيرَاثِ وَالْوَصِيَّةِ يَقْسِمُهُ؛
بڑا وارث اور تہائی مکان کا موصی لہٗ اور مطالبہ کیا ان دونوں نے تقسیم کا اور دونوں نے قائم کیا بیِّنہ میراث اور وصیت پر تو تقسیم کرے گا اس کو

لِاجْتِمَاعِ الْخَصْمَيْنِ الْكَبِيرِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالْمُوصَى لَهُ عَنْ نَفْسِهِ ، وَكَذَا الْوَصِيُّ عَنِ الصَّبِيِّ كَأَنَّهُ حَضَرَ
اجتماعِ خصمین کی وجہ سے، بڑا میت کی طرف سے اور موصی لہٗ اپنی طرف سے، اور اسی طرح بچے کی طرف سے وصی گویا کہ حاضر ہوا ہے

بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْبُلُوغِ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ
بذاتِ خود بلوغ کے بعد اس کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے۔

تشریح:۔{١} اگر شرکاء نے قاضی کے سامنے مِلک کا دعوی کیا اور یہ بیان نہیں کیا کہ زمین کس طرح ان کی طرف منتقل ہوئی ہے، اور قاضی سے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی اس زمین کو ان کے درمیان تقسیم کرے گا؛ کیونکہ اس تقسیم میں غیر پر قضاء نہیں پائی جارہی ہے؛ اس لیے کہ شرکاء نے غیر کی مِلک کا اقرار نہیں کیا ہے۔ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں یہ مبسوط کی "کتاب القسمة" کی روایت ہے۔

{۲}اور جامع صغیر میں ہے اگر ایک زمین کے بارے دو آدمیوں نے دعوی کیا اور دونوں نے بیّنہ قائم کیا کہ یہ ان کے قبضہ میں ہے اور انہوں نے اسے تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ اس بات پر بیّنہ پیش کر دیں کہ یہ زمین ان کی مِلک ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ زمین ان کے علاوہ کسی اور شخص کی ہو، بہر حال جامع صغیر کی روایت سے معلوم ہوا کہ بیّنہ پیش کرنا ضروری ہے۔

باقی جامع صغیر میں منقول قول کس کا ہے تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ خاص کر امام صاحبؒ کا قول ہے، اور دیگر بعض نے کہا ہے کہ تینوں ائمہ کا قول ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے؛ کیونکہ تقسیم یا تو اس لیے ہوتی ہے تا کہ مقسوم چیز محفوظ ہو اور یا اس لیے ہوتی ہے تا کہ مالک کو اس کی مِلک ممتاز ہو کر ملے، اور یہاں حفاظت کے لیے تقسیم کی تو ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ زمین بذاتِ خود محفوظ ہے۔ اور ملکیت کے لیے تقسیم اس بات کی محتاج ہے کہ مِلک تو قائم ہو حالانکہ بیّنہ کے بغیر ملک نہیں ہوتی ہے لہٰذا بیّنہ کے بغیر قسمت کا جواز ممتنع ہوگا۔

{۳}اگر دو وارث عدالت میں حاضر ہو گئے اور دونوں نے اپنے مورث کی وفات اور تعدادِ ورثہ پر بیّنہ قائم کیا اور مکان خود ان کے قبضے میں ہو اور ان کے ساتھ ایک ایسا وارث بھی ہو جو غائب ہو، تو قاضی موجود ورثہ کے مطالبہ پر مکان کو تقسیم کرے گا، اور ایک غائب کی طرف سے ایک وکیل مقرر کرے گا جو غائب کے حصہ پر قبضہ کرے، اسی طرح اگر غائب وارث کے بجائے ایک وارث نابالغ بچہ ہو تو بھی قاضی بالغ ورثہ کے مطالبہ پر مکان کو تقسیم کرے گا اور بچے کی طرف سے وصی مقرر کرے گا جو بچے کے حصے کو قبض کرے گا؛ کیونکہ اس طرح کرنے میں غائب وارث اور نابالغ بچے کی رعایت ہے، اور اس صورت میں بھی امام صاحبؒ کے نزدیک حاضرین پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوی پر بیّنہ قائم کریں، اور صاحبینؒ کے نزدیک بیّنہ قائم کرنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اوپر ہم نے ائمہ کے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

{۴}اور اگر عدالت میں حاضر لوگوں نے کہا کہ یہ مکان ہم نے فلاں شخص سے خریدا ہے اور ہمارا ایک ساتھی غائب ہے، اور ہم حاضر تقسیم کا مطالبہ کرتے ہیں تو قاضی اس غائب شریک کی وجہ سے یہاں تقسیم نہیں کرے گا، اور میراث اور خرید کے مسئلے میں وجہ فرق یہ ہے کہ وارث کی ملکیت خلافت کی ملکیت ہے یعنی وارث اپنے مورث کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے حتی کہ اگر مورث نے کوئی چیز خریدی ہو تو وارث عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر سکتا ہے، اور اگر مورث نے کوئی چیز فروخت کی ہو تو عیب کی وجہ سے اسے وارث پر رد کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مورث کی خرید سے وارث مغرور (دھوکہ شدہ) ہو جاتا ہے مثلاً مورث نے کوئی باندی خریدی اور مر گیا، اور وارث نے اس کو ام ولد بنا دیا، پھر کسی نے اس باندی پر دعوی کر کے اپنا استحقاق ثابت کیا تو بچہ تو آزاد ہوگا اور مستحق کے

لیے وارث پر بچے کی قیمت واجب ہوگی اور باندی کا عقر واجب ہوگا، تو چونکہ اس خرید میں بائع کی طرف سے مورث کو دھوکہ دیا گیا ہے اور یہ وارث کو بھی دھوکہ ہے اس لیے وارث بائع سے بچے کی قیمت اور باندی کا ثمن واپس لے گا اور باندی کا عقر واپس نہیں لے گا، پس معلوم ہوا کہ وارث مورث کا خلیفہ اور نائب ہے، لہٰذا دونوں وارثوں میں سے ایک اس مکان کے بارے میں میت کی طرف سے خصم ہوگا جو اس کے قبضے میں ہے اور دوسرا اپنی طرف سے خصم ہوگا، اس لیے قاضی کا فیصلہ متخاصمین کی موجودگی میں ہوگا نائب پر فیصلہ نہ ہوگا اس لیے یہ فیصلہ جائز ہے۔ جبکہ شراء والی صورت میں شراء سے جو ملک ثابت ہوئی ہے وہ جدید ملک ہے ملکِ خلافت نہیں ہے، اسی لیے خریدی ہوئی چیز کو عیب کی وجہ سے اپنے بائع پر تو رد کیا جاسکتا ہے مگر اپنے بائع کے بائع پر رد نہیں کیا جاسکتا ہے، لہٰذا حاضر شخص غائب کی طرف سے خصم نہیں ہوسکتا ہے پس یہ فیصلہ غائب شخص پر ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے، یوں دونوں مسئلوں میں فرق واضح ہوگیا۔

{۵} اور اگر زمین یا اس کا کچھ حصہ غائب شخص کے قبضہ میں ہو، اور حاضر نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا، اسی طرح اگر غائب شخص نے زمین کسی کے پاس ودیعت رکھی ہو اب وہ اس کے مودع کے قبضہ میں ہو تو بھی حاضر کے مطالبہ پر قاضی تقسیم نہیں کرے گا، اور اسی طرح اگر زمین نابالغ بچے کے قبضہ میں ہو تو بھی قاضی حاضر کے مطالبہ پر زمین تقسیم نہیں کرے گا؛ کیونکہ اگر یہاں تقسیم کو جائز قرار دیا جائے تو یہ غائب اور بچے پر ان کے قبضہ کے استحقاق کے بارے میں قضاء ہوگی بغیر ایسے خصم کے جو ان کا نائب ہو کر ان کی جانب سے حاضر ہو، ظاہر ہے کہ یہ غائب اور بچے پر ان کی طرف سے موجود خصم کے بغیر قضاء ہے حالانکہ غائب اور بچے پر ان کی طرف سے خصم موجود ہونے کے بغیر قضاء جائز نہیں ہے۔

{٦} اور غائب شخص کا مودَع اور امین بے شک حفاظت کا ذمہ دار ہے مگر غائب پر کوئی استحقاق کا دعویٰ کرے تو اس سلسلے میں اس کا امین اس کی طرف سے خصم نہیں ہوگا، لہٰذا قاضی کی یہ قضاء خصم کے بغیر قرار پائی اس لیے جائز نہیں ہے۔ اور یہاں زمین یا اس کا کچھ حصہ غائب شخص کے قبضہ میں ہونے کی صورت میں بیّنہ قائم کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جامع صغیر میں مطلق کہا ہے کہ "قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا"۔

{۷} اور اگر فقط ایک وارث حاضر ہوا اور تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی تقسیم نہیں کرے گا اگرچہ وہ بیّنہ قائم کردے؛ کیونکہ قضاء کے لیے دو شریکوں کا حاضر ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ ایک شخص مخاصِم بھی اور مخاصَم بھی، اور مقاسِم بھی ہو اور مقاسَم بھی، تو یہ نہیں ہوسکتا ہے اس لیے فقط ایک شخص کے لیے تقسیم نہیں کی جائے گی، اور اگر دو حاضر ہوں تو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے جیسا کہ اوپر ہم بیان کرچکے۔

{۸}اور اگر عدالت میں حاضر ایک نابالغ بچہ ہو اور ایک بالغ شخص ہو، تو قاضی بچے کی طرف سے ایک وصی مقرر کر کے تقسیم کر دے گا بشرطیکہ بیّنہ قائم کر دیا ہو، اسی طرح اگر بالغ وارث اور مکان میں جس کے لیے وصیت کی ہو وہ حاضر ہو گئے اور دونوں نے میراث اور وصیت پر بیّنہ قائم کر دیا، تو قاضی اس کو تقسیم کر دے گا؛ کیونکہ خصم دونوں جمع ہیں، بالغ شخص میت کی طرف سے خصم ہے اور اور موصی لہ اپنی طرف، اسی طرح اگر بچے کی طرف سے وصی حاضر ہو تو بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ وصی کا حاضر ہونا ایسا ہے گویا کہ بچہ بذاتِ خود بلوغ کے بعد حاضر ہوا ہے؛ اس لیے کہ وصی بچے کا قائم مقام ہوتا ہے۔

فَصْلٌ فِيمَا يُقْسَمُ وَمَا لَا يُقْسَمُ

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن کو تقسیم کیا جائے گا اور جن کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

چونکہ تقسیم کے مسائل قابلِ تقسیم اور ناقابلِ تقسیم دونوں طرح کی چیزوں کو شامل ہیں اس لیے اس فصل میں ان دو قسم کی چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔

{۱}قَالَ : وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيبِهِ قَسَمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ

فرمایا: اور جب ہوں ہر ایک شرکاء میں سے نفع اٹھا سکتا ہو اپنے حصے سے تو تقسیم کرے گا ان میں سے ایک کے مطالبے پر؛ کیونکہ تقسیم

حَقٌّ لَازِمٌ فِيمَا يَحْتَمِلُهَا عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِهِمْ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ{۲} وَإِنْ

حق لازم ہے ان چیزوں میں جو قابلِ تقسیم ہیں ان میں سے ایک کے مطالبے پر جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس کو اس سے پہلے، اور اگر ایک

كَانَ يَنْتَفِعُ أَحَدُهُمْ وَيَسْتَضِرُّ بِهِ الْآخَرُ لِقِلَّةِ نَصِيبِهِ ، فَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيرِ قَسَمَ ، وَإِنْ

ان میں سے فائدہ اٹھاتا ہو اور ضرر اٹھاتا ہو دوسرا اس کے حصہ کی کمی کی وجہ سے، تو اگر طلب کی صاحبِ کثیر نے تو تقسیم کرے، اور اگر

طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيلِ لَمْ يَقْسِمْ ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ يَنْتَفِعُ بِهِ فَيُعْتَبَرُ طَلَبُهُ ، وَالثَّانِي مُتَعَنِّتٌ فِي طَلَبِهِ

طلب کی صاحبِ قلیل نے تو تقسیم نہ کرے؛ کیونکہ اول نفع اٹھانے والا ہے اس سے پس معتبر ہے اس کی طلب، اور ثانی سرکش ہے اپنی طلب میں

فَلَمْ يُعْتَبَرْ{۳}وَذَكَرَ الْجَصَّاصُ عَلَى قَلْبِ هَذَا لِأَنَّ صَاحِبَ الْكَثِيرِ يُرِيدُ الْإِضْرَارَ بِغَيْرِهِ وَالْآخَرُ يَرْضَى

پس معتبر نہیں، اور ذکر کیا ہے جصاص ؒ نے اس کے برعکس؛ کیونکہ صاحبِ کثیر ارادہ رکھتا ہے ضرر پہنچانے کا دوسرے کو اور دوسرا راضی ہے

بِضَرَرِ نَفْسِهِ وَذَكَرَ الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ فِي مُخْتَصَرِهِ أَنَّ أَيَّهُمَا طَلَبَ الْقِسْمَةَ يَقْسِمُ الْقَاضِي،

لیے ضرر پر، اور ذکر کیا ہے حاکم شہیدؒ نے اپنی مختصر میں کہ دونوں میں سے جو بھی طلب کرے تقسیم کو، تقسیم کرے گا قاضی،

وَالْوَجْهُ انْدَرَجَ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْأَصَحُّ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ الْأَوَّلُ﴿۴﴾وَإِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَسْتَضِرُّ

اور وجہ داخل ہے اس میں جو ہم ذکر کر چکے، اور اصح وہ ہے جو مذکور ہے قدوری میں اور وہ اول ہے۔ اور اگر ہر ایک نقصان اٹھاتا ہو

لِصِغَرِهِ لَمْ يَقْسِمْهَا إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا ؛ لِأَنَّ الْجَبْرَ عَلَى الْقِسْمَةِ لِتَكْمِيلِ الْمَنْفَعَةِ ، وَفِي هَذَا

حصہ کم ہونے کی وجہ سے تو تقسیم نہ کرے اس کو مگر دونوں کی رضامندی سے؛ کیونکہ تقسیم پر جبر تکمیل منفعت کے لیے ہوتا ہے اور اس میں

تَفْوِيتُهَا ، وَتَجُوزُ بِتَرَاضِيهِمَا لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمَا وَهُمَا أَعْرَفُ بِشَأْنِهِمَا .أَمَّا الْقَاضِي

منفعت فوت کرنا ہے، اور جائز ہے دونوں کی رضامندی سے؛ کیونکہ حق انہی کا ہے، اور وہ دونوں زیادہ باخبر ہیں اپنے حال سے، رہا قاضی

فَيَعْتَمِدُ الظَّاهِرَ﴿۵﴾قَالَ : وَيَقْسِمُ الْعُرُوضَ إِذَا كَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ؛ لِأَنَّ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ يَتَّحِدُ الْمَقْصُودُ

تو وہ اعتماد کرے گا ظاہر پر۔ فرمایا: اور تقسیم کرے گا سامان اگر وہ ایک ہی نوع کے ہوں؛ کیونکہ اتحادِ جنس کے وقت ایک ہو جاتا ہے مقصود

فَيَحْصُلُ التَّعْدِيلُ فِي الْقِسْمَةِ وَالتَّكْمِيلُ فِي الْمَنْفَعَةِ - وَلَا يَقْسِمُ الْجِنْسَيْنِ بَعْضَهُمَا فِي بَعْضٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا اخْتِلَاطَ

پس حاصل ہوتی ہے برابری تقسیم میں اور تکمیل منفعت میں، اور تقسیم نہیں کرے گا جنس کو بعض کو بعض میں کر کے؛ کیونکہ اختلاط نہیں ہوتا

بَيْنَ الْجِنْسَيْنِ فَلَا تَقَعُ الْقِسْمَةُ تَمْيِيزًا بَلْ تَقَعُ مُعَاوَضَةً ، وَسَبِيلُهَا التَّرَاضِي دُونَ جَبْرِ الْقَاضِي

دو جنسوں میں پس واقع نہ ہوگی تقسیم تمیز بلکہ واقع ہو جاتی ہے معاوضہ، اور معاوضہ کی راہ باہمی رضامندی ہے نہ کہ قاضی کا جبر۔

﴿۶﴾وَيَقْسِمُ كُلَّ مَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ كَثِيرٍ أَوْ قَلِيلٍ وَالْمَعْدُودِ الْمُتَقَارِبِ وَتِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْحَدِيدِ وَالنُّحَاسِ

اور تقسیم کرے گا ہر ایک موزون اور مکیل، خواہ کثیر ہو یا قلیل، اور معدود متقارب، اور ٹکڑے سونے اور چاندی اور لوہے اور پیتل کے،

وَالْإِبِلِ بِانْفِرَادِهَا وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَلَا يَقْسِمُ شَاةً وَبَعِيرًا وَبِرْذَوْنًا وَحِمَارًا وَلَا يَقْسِمُ الْأَوَانِيَ

اور تنہا اونٹ یا گائے یا بکریوں کو، اور تقسیم نہیں کرے گا بکری اور اونٹ اور گھوڑے اور گدھے کو، اور تقسیم نہیں کرے گا برتنوں کو؛

لِأَنَّهَا بِاخْتِلَافِ الصَّنْعَةِ الْتَحَقَتْ بِالْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ .وَيَقْسِمُ الثِّيَابَ الْهَرَوِيَّةَ ؛ لِاتِّحَادِ الصِّنْفِ﴿۷﴾ وَ

کیونکہ اختلافِ صنعت کی وجہ سے وہ ملحق ہیں اجناسِ مختلف کے ساتھ، اور تقسیم کرے گا ہروی کپڑوں کو اتحادِ نوع کی وجہ سے۔ اور

لَا يَقْسِمُ ثَوْبًا وَاحِدًا ؛ لِاشْتِمَالِ الْقِسْمَةِ عَلَى الضَّرَرِ إِذْ هِيَ لَا تَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْقَطْعِ (وَلَا ثَوْبَيْنِ

تقسیم نہیں کرے گا ایک کپڑے کو؛ بوجہ مشتمل ہونے تقسیم کے ضرر پر، اس لیے کہ تقسیم متحقق نہیں ہوتی مگر کاٹنے سے، اور نہ دو کپڑوں کو

إِذَا اخْتَلَفَتْ قِيمَتُهُمَا ؛ لِمَا بَيَّنَّا ، بِخِلَافِ ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ إِذَا جُعِلَ ثَوْبٌ بِثَوْبَيْنِ
جب مختلف ہوان دونوں کی قیمت اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، برخلاف تین کپڑوں کے جب کر دیا جائے ایک کپڑا بالعوض دو کپڑوں کے

أَوْ ثَوْبٌ وَرُبْعُ ثَوْبٍ بِثَوْبٍ وَثَلَاثَةِ أَرْبَاعِ ثَوْبٍ لِأَنَّهُ قِسْمَةُ الْبَعْضِ دُونَ الْبَعْضِ وَذَلِكَ جَائِزٌ.
یا ایک کپڑا اور ربع کپڑا بالعوض ایک کپڑا اور تین ربع ایک کپڑے کے؛ کیونکہ یہ تقسیم ہے بعض کی نہ کہ بعض کی اور یہ جائز ہے،

تشریح:۔{۱} اگر تقسیم کے بعد ہر ایک شریک اپنے حصے سے نفع حاصل کر سکتا ہو تو شرکاء میں سے ایک کے مطالبے پر بھی قاضی تقسیم کرے گا؛ کیونکہ سابق میں ہم بیان کر چکے کہ جو چیز قابل تقسیم ہو اس میں تقسیم ایک لازم حق ہے اور قاضی حقدار کو حق پہنچانے ہی کے لیے مقرر کیا گیا ہے لہذا ایک شریک کے مطالبہ پر قاضی اس کو تقسیم کرے گا۔

{۲} اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ تقسیم کے بعد ایک شریک تو اپنے حصے سے نفع اٹھا سکتا ہو مگر دوسرے کا حصہ کم ہونے کی وجہ سے وہ تقسیم کے بعد اپنے حصے سے نفع نہ اٹھا سکتا ہو، تو اگر زیادہ حصے والے نے تقسیم کا مطالبہ کر دیا تو قاضی تقسیم کر دے گا، اور اگر کم حصے والے نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی تقسیم نہیں کرے گا؛ کیونکہ اول اپنے حصے سے نفع اٹھا سکتا ہے اس لیے اس کا مطالبہ معتبر ہے، اور دوسرا جب اپنے حصے سے نفع نہیں اٹھا سکتا ہے تو وہ تقسیم کا مطالبہ کرنے میں سرکشی سے کام لے رہا ہے اس لیے اس کا مطالبہ معتبر نہیں ہوگا۔

{۳} امام جصاص ؒ نے اس کے برعکس ذکر کیا ہے کہ صاحبِ کثیر کے مطالبے پر تقسیم نہیں کی جائے گی اور صاحبِ قلیل کے مطالبے پر تقسیم کی جائے گی؛ کیونکہ صاحبِ کثیر تقسیم کا مطالبہ کر کے صاحبِ قلیل کو نقصان پہنچا رہا ہے حالانکہ اسلام میں کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے، اور صاحبِ قلیل تقسیم کا مطالبہ کر کے اپنے نقصان پر خود راضی ہے اور وہ اپنی حالت کو اچھی طرح جانتا ہے اس لیے اس کے مطالبے پر تقسیم کی جائے گی۔

اور حاکم شہید ؒ نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ دونوں میں سے جو بھی تقسیم کا مطالبہ کرے قاضی تقسیم کر دے، اور ہر ایک کی وجہ اوپر کے دو قولوں کے دلائل میں آچکی ہے، صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں اقوال میں سے اصح اول قول ہے اور اول وہی ہے جو مختصر القدوری میں مذکور ہے۔

{۴} اور اگر ہر ایک کا حصہ اتنا کم ہو جو تقسیم کے بعد ہر ایک کا نقصان ہو رہا ہو تو قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا جب تک کہ دونوں راضی نہ ہوں؛ کیونکہ تقسیم پر مجبور کرنا تو تکمیلِ منفعت کے لیے ہوتا ہے جبکہ یہاں تو تقسیم سے منفعت کی تفویت لازم آرہی ہے

، البتہ اگر وہ دونوں تقسیم کا مطالبہ کریں تو چونکہ حق انہی کا حق ہے اور وہ اپنی حالت سے اچھی طرح واقف ہیں اس لیے اس صورت میں قاضی تقسیم کرے گا۔باقی قاضی چونکہ ظاہر پر اعتماد کرتا ہے اور ظاہر کے مطابق اس تقسیم میں نقصان ہے اس لیے کسی ایک کے مطالبے پر تقسیم نہیں کرے گا۔

{۵}اگر منقولی چیزیں ایک جنس کی ہوں مثلاً کپڑے ہوں تو قاضی ان کو تقسیم کردے گا؛ کیونکہ اتحادِ جنس کے وقت مقصود ایک ہونے کی وجہ سے برابری ہوسکتی ہے اس لیے تقسیم سے منفعت کی تکمیل ہوجائے گی، لہذا قاضی تقسیم کردے گا۔اور اگر مختلف جنس کی چیزیں ہوں تو قاضی بعض کو بعض کے اندر تقسیم نہیں کرے گا یعنی قاضی تقسیم پر جبر نہیں کرسکتا ہے؛ کیونکہ دو جنسیں خلط ملط تو نہیں ہوسکتی ہیں، لہذا ان کو تقسیم کرنا تمیز نہ ہوگی بلکہ ایک جنس کا بعض دوسری جنس کے بعض کے عوض میں ہوگا لہذا یہ معاوضہ ہے اور معاوضہ کی راہ یہ ہے کہ دونوں شریک باہمی رضامندی سے تقسیم کریں، نہ یہ کہ قاضی ان کو مجبور کردے۔

{٦}ہر وزنی اور کیلی چیز خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو قاضی اس کو جبراً تقسیم کرسکتا ہے، اسی طرح عددی متقارب چیزوں کو تقسیم کرسکتا ہے، اور سونے، چاندی، لوہے اور تانبے کے ٹکڑوں کو بھی تقسیم کرسکتا ہے، اور تنہا اونٹوں اور گائے اور بکری میں قاضی تقسیم کرسکتا ہے؛ کیونکہ ان کے درمیان اتحادِ جنس کی وجہ سے تفاوت کم ہے۔ بکری اور اونٹ، گھوڑے اور گدھے کے درمیان بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے لہذا قاضی ان کو جبراً تقسیم نہیں کرسکتا ہے؛ کیونکہ ایک کے پاس بکری اور دوسرے کے پاس اونٹ جائے گا تو ان میں بہت زیادہ تفاوت ہونے کی وجہ سے برابری نہیں ہوسکتی ہے۔اور برتنوں کی صنعت چونکہ مختلف ہوتی ہے اس لیے ان میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے لہذا اختلافِ صنعت اختلافِ جنس کے درجے میں ہے اس لیے ان کو قاضی جبراً تقسیم نہیں کرسکتا ہے۔اور ہراتی کپڑوں کو قاضی تقسیم کرے گا؛ کیونکہ صنف ایک ہے اس لیے ان میں برابری ممکن ہے۔

{۷}قاضی ایک کپڑا مثلاً کرتہ یا پائجامہ کو تقسیم نہیں کرے گا؛ کیونکہ تقسیم ضرر پر مشتمل ہوگی؛ اس لیے کہ کاٹنے کے بغیر تقسیم نہیں ہوسکتی ہے اور کاٹنے میں ضرر ہے۔اسی طرح دو کپڑوں کو بھی تقسیم نہیں کرے گا جبکہ دونوں کی قیمت مختلف ہو؛ دلیل وہی ہے جو سابق میں گذر چکی کہ اس طرح کی چیزوں کی تقسیم معاوضہ ہے جس کی راہ باہمی رضامندی ہے۔

اور اگر کپڑے تین ہوں تو ان کو جبراً تقسیم کرنا جائز ہے بایں طور ایک قیمتی کپڑے کو دوسرے دو کے مقابلے میں قرار دیا جائے تو تقسیم کی نوبت نہیں آئے گی، یا تین کپڑوں میں سے ایک کامل کپڑا اور دوسرے کپڑے کا ایک ربع ایک کو دیا جائے اور ایک کامل کپڑا اور دوسرے کپڑے کے تین ربع دوسرے کو دیا جائے، اس طرح دو کپڑوں میں تقسیم نہیں ہوئی اور ایک میں ہوگئی اور ایک کپڑے کی تقسیم جائز ہے اس لیے اس صورت میں قاضی تقسیم کردے گا۔

{۱} وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا يَقْسِمُ الرَّقِيقَ وَالْجَوَاهِرَ ، لِتَفَاوُتِهِمَا - وَقَالَا : يَقْسِمُ الرَّقِيقَ؛

اور فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے تقسیم نہیں کرے گا غلاموں اور جواہر کو؛ ان کے تفاوت کی وجہ سے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں تقسیم کرے گا غلاموں کو

لِاتِّحَادِ الْجِنْسِ كَمَا فِي الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَرَقِيقِ الْمَغْنَمِ وَلَهُ أَنَّ التَّفَاوُتَ فِي الْآدَمِيِّ فَاحِشٌ

اتحادِ جنس کی وجہ سے جیسا کہ اونٹ، بکری، اور غنیمت کے غلاموں میں ہوتا ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تفاوت انسانوں میں بہت ہے

لِتَفَاوُتِ الْمَعَانِي الْبَاطِنَةِ فَصَارَ كَالْجِنْسِ الْمُخْتَلِفِ بِخِلَافِ الْحَيَوَانَاتِ لِأَنَّ التَّفَاوُتَ فِيهَا يَقِلُّ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ

باطنی معانی میں تفاوت کی وجہ سے پس ہو گیا جیسا کہ جنس مختلف، بر خلاف حیوانوں کے؛ کیونکہ تفاوت ان میں کم ہوتا ہے اتحادِ جنس کے وقت

أَلَا تَرَى أَنَّ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى مِنْ بَنِي آدَمَ جِنْسَانِ وَمِنَ الْحَيَوَانَاتِ جِنْسٌ وَاحِدٌ، بِخِلَافِ الْمَغَانِمِ لِأَنَّ حَقَّ الْغَانِمِينَ

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مذکر اور مؤنث بنو آدم میں دو جنس ہیں اور حیوانوں میں ایک جنس ہے۔ بر خلافِ غنیمتوں کے؛ کیونکہ غانمین کا حق

فِي الْمَالِيَّةِ حَتَّى كَانَ لِلْإِمَامِ بَيْعُهَا وَقِسْمَةُ ثَمَنِهَا وَهُنَا يَتَعَلَّقُ بِالْعَيْنِ وَالْمَالِيَّةِ جَمِيعًا

مالیت میں ہے حتی کہ امام کو اختیار ہے ان کی فروخت اور ان کا ثمن تقسیم کرنے کا، اور یہاں متعلق ہے عین اور مالیت دونوں کے ساتھ،

فَافْتَرَقَا {۲} وَأَمَّا الْجَوَاهِرُ فَقَدْ قِيلَ إِذَا اخْتَلَفَ الْجِنْسُ لَا يَقْسِمُ كَاللَّآلِي وَالْيَوَاقِيتِ وَقِيلَ

پس دونوں الگ ہو گئے، رہے جواہر تو کہا گیا ہے کہ جب مختلف ہو جنس تو تقسیم نہیں کرے گا جیسے موتی اور یاقوت، اور کہا گیا ہے کہ

لَا يَقْسِمُ الْكِبَارَ مِنْهَا لِكَثْرَةِ التَّفَاوُتِ ، وَيَقْسِمُ الصِّغَارَ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ . وَقِيلَ يَجْرِي

تقسیم نہیں کرے گا بڑے ان میں سے؛ کثرتِ تفاوت کی وجہ سے، اور تقسیم کرے گا چھوٹے قلتِ تفاوت کی وجہ سے، اور کہا گیا ہے کہ جاری ہو گا

الْجَوَابُ عَلَى إِطْلَاقِهِ لِأَنَّ جَهَالَةَ الْجَوَاهِرِ أَفْحَشُ مِنْ جَهَالَةِ الرَّقِيقِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَزَوَّجَ عَلَى لُؤْلُؤَةٍ أَوْ يَاقُوتَةٍ أَوْ خَالَعَ

حکم اپنے اطلاق پر؛ کیونکہ جواہر کی جہالت زیادہ ہے غلاموں کی جہالت سے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر نکاح کیا موتی یا یاقوت پر یا خلع کر لیا

عَلَيْهَا لَا تَصِحُّ التَّسْمِيَةُ، وَيَصِحُّ ذَلِكَ عَلَى عَبْدٍ فَأَوْلَى أَنْ لَا يُجْبَرَ عَلَى الْقِسْمَةِ . {۳} قَالَ : وَلَا يُقْسَمُ حَمَّامٌ

اس پر تو صحیح نہ ہو گا تسمیہ، اور صحیح ہے یہ غلام پر، پس زیادہ بہتر یہی ہے کہ مجبور نہیں کیا جائے گا تقسیم پر۔ فرمایا: اور تقسیم نہیں کیا جائے گا حمام

وَلَا بِئْرٌ، وَلَا رَحًى إِلَّا بِتَرَاضِي الشُّرَكَاءِ ، وَكَذَا الْحَائِطُ بَيْنَ الدَّارَيْنِ ، لِأَنَّهَا تَشْتَمِلُ عَلَى الضَّرَرِ فِي الطَّرَفَيْنِ

اور نہ کنواں، اور نہ پن چکی مگر یہ کہ راضی ہوں شرکاء، اور اسی طرح دیوار دو گھروں کے درمیان؛ اس لیے کہ یہ مشتمل ہے دو طرفوں کے ضرر پر

إِذْ لَا يَبْقَى كُلُّ نَصِيبٍ مُنْتَفَعًا بِهِ انْتِفَاعًا مَقْصُودًا فَلَا يَقْسِمُ الْقَاضِي بِخِلَافِ التَّرَاضِي

اس لیے کہ نہیں رہے گا ہر ایک حصہ مقصودی نفع کے لیے قابلِ انتفاع، پس تقسیم نہیں کرے گا قاضی، بر خلافِ رضامندی کی صورت کے

لِمَا بَيَّنَّا{۴}قَالَ : وَإِذَا كَانَتْ دُورٌ مُشْتَرَكَةٌ فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ قَسَمَ كُلَّ دَارٍ عَلَى حِدَتِهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور اگر ہوں کئی گھر مشترک کسی ایک شہر میں تو تقسیم کرے گا ہر ایک کو علیحدہ امام صاحبؒ کے قول کے مطابق

وَقَالَا: إنْ كَانَ الْأَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِي بَعْضٍ قَسَمَهَا وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْأَقْرِحَةُ الْمُتَفَرِّقَةُ الْمُشْتَرَكَةُ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں اگر ہوں ان کے لیے بہتر بعض کو بعض سے ملا کر تقسیم کرنا تو قاضی تقسیم کرے گا ان کو، اور اسی اختلاف پر ہیں متفرق مشترک زمینیں

لَهُمَا أَنَّهَا جِنْسٌ وَاحِدٌ اسْمًا وَصُورَةً ، وَنَظَرًا إلَى أَصْلِ السُّكْنَى أَجْنَاسٌ مَعْنًى نَظَرًا إلَى اخْتِلَافِ الْمَقَاصِدِ

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جنس واحد ہے نام اور صورت کے اعتبار سے اصل رہائش کو دیکھتے ہوئے، اور اجناس مختلفہ ہیں دیکھتے ہوئے اختلافِ مقاصد

وَوُجُوهِ السُّكْنَى فَيُفَوِّضُ التَّرْجِيحَ إلَى الْقَاضِي{۵}وَلَهُ أَنَّ الِاعْتِبَارَ لِلْمَعْنَى وَهُوَ الْمَقْصُودُ،

اور وجوہ رہائش کو پس سپرد کی جائے گی ترجیح قاضی کو۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار معنی کو ہوتا ہے اور وہی مقصود ہے،

وَيَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِاخْتِلَافِ الْبُلْدَانِ وَالْمَحَالِّ وَالْجِيرَانِ وَالْقُرْبِ إلَى الْمَسْجِدِ وَالْمَاءِ اخْتِلَافًا فَاحِشًا فَلَا يُمْكِنُ التَّعْدِيلُ

اور مقصود مختلف ہوتا ہے شہروں، محلوں، پڑوسیوں کے اختلاف اور قربِ مسجد و پانی کے اعتبار سے بہت زیادہ اختلاف، پس ممکن نہیں برابری

فِي الْقِسْمَةِ وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ التَّوْكِيلُ بِشِرَاءِ دَارٍ، وَكَذَا لَوْ تَزَوَّجَ عَلَى دَارٍ لَا تَصِحُّ التَّسْمِيَةُ كَمَا هُوَ الْحُكْمُ فِيهِمَا

تقسیم میں، اور اسی لیے جائز نہیں وکیل بنانا مکان خریدنے کا، اور اسی طرح اگر نکاح کیا مکان پر تو صحیح نہیں تسمیہ جیسا کہ یہی حکم ہے ان دونوں کا

فِي الثَّوْبِ بِخِلَافِ الدَّارِ الْوَاحِدَةِ إذَا اخْتَلَفَتْ بُيُوتُهَا ، لِأَنَّ فِي قِسْمَةِ كُلِّ بَيْتٍ عَلَى حِدَةٍ ضَرَرًا فَقُسِمَتِ

کپڑے میں، برخلافِ ایک مکان کے جب مختلف ہوں اس کے کمرے؛ کیونکہ ہر ایک کمرہ علیحدہ تقسیم کرنے میں ضرر ہے پس تقسیم کیا جائے گا

الدَّارُ قِسْمَةً وَاحِدَةً{۶}قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: تَقْيِيدُ الْوَضْعِ فِي الْكِتَابِ إشَارَةٌ إلَى أَنَّ الدَّارَيْنِ إذَا كَانَتَا فِي مِصْرَيْنِ

مکان ایک ہی تقسیم کے ساتھ۔ فرمایا: وضع مسئلہ کو مقید کرنے سے کتاب میں اشارہ ہے اس طرف کہ دو دار جب ہوں دو شہروں میں

لَا تَجْتَمِعَانِ فِي الْقِسْمَةِ عِنْدَهُمَا ، وَهُوَ رِوَايَةُ هِلَالٍ عَنْهُمَا وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ

تو ان دونوں جمع نہ ہوں گے تقسیم میں صاحبینؒ کے نزدیک، اور یہی روایت ہے ہلالؒ کا صاحبینؒ سے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ

يُقْسَمُ إحْدَاهُمَا فِي الْأُخْرَى{۷}وَالْبُيُوتُ فِي مَحَلَّةٍ أَوْ مَحَالَّ تُقْسَمُ قِسْمَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ التَّفَاوُتَ فِيمَا بَيْنَهَا

تقسیم کیا جائے گا ایک کو دوسرے میں، اور بیوت کو ایک محلہ میں یا چند محلوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک تقسیم کے ساتھ؛ کیونکہ تفاوت ان میں

يَسِيرٌ ، وَالْمَنَازِلُ الْمُتَلَازِقَةُ كَالْبُيُوتِ وَالْمُتَبَايِنَةُ كَالدُّورِ لِأَنَّهُ بَيْنَ الدَّارِ وَالْبَيْتِ

کم ہے، اور ملی جلی منزلیں بیوت کی طرح ہیں، اور علیحدہ منزلیں مکانوں کی طرح ہیں؛ کیونکہ منزل دار اور بیت کے درمیان ہوتی ہے

عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَأَخَذَ شَبِيهًا مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ. ﴿۸﴾وَ إِنْ كَانَت دَارًا وَضَيعَةً ،أَو دَارًا وَحَانُوتًا قسم

جیسا کہ گذر چکا اس سے پہلے، پس لے لی مشابہت ہر ایک کے ساتھ۔ فرمایا: اور اگر ہو مکان اور زمین یا مکان اور دوکان تو تقسیم کرے گا

كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى حِدَةٍ ؛ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ .قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : جَعَلَ الدَّارَ وَالْحَانُوتَ جِنْسَيْنِ ، وَكَذَا

ہر ایک کو ان دونوں میں سے علیحدہ؛ اختلافِ جنس کی وجہ سے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ قرار دیا دار اور دوکان کو دو جنس، اور اسی طرح

ذَكَرَ الْخَصَّافُ وَقَالَ فِي إِجَارَاتِ الْأَصْلِ : إِنَّ إِجَارَةَ مَنَافِعِ الدَّارِ بِالْحَانُوتِ لَا تَجُوزُ ، وَهَذَا يَدُلُّ

ذکر کیا ہے خصافؒ نے، اور فرمایا مبسوط کے اجارات میں کہ منافع دار کا اجارہ دوکان کے عوض جائز نہیں ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ

عَلَى أَنَّهُمَا جِنْسٌ وَاحِدٌ ، فَيُجْعَلُ فِي الْمَسْأَلَةِ رِوَايَتَانِ أَوْ تُبْنَى حُرْمَةُ الرِّبَا هُنَالِكَ عَلَى شُبْهَةِ الْمُجَانَسَةِ

یہ دونوں ایک جنس ہیں، پس قرار دی جائیں گی مسئلہ میں دو روایتیں، یا مبنی ہو گی ربوا کی حرمت وہاں شبہہ مجانسب پر۔

تشریح:۔﴿۱﴾امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلاموں اور جواہرات میں تفاوت زیادہ ہونے کی وجہ سے قاضی جبراً تقسیم نہیں کر سکتا ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ غلاموں کی جنس متحد ہے اس لیے ان کی تقسیم جائز ہے جیسا کہ اونٹوں اور بکریوں میں تفاوت کے باوجود جنس متحد ہونے کی وجہ سے تقسیم جائز ہے، اسی طرح غنیمت کے غلاموں میں تقسیم جائز ہے اسی طرح یہاں بھی غلاموں کی تقسیم جائز ہو گی۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ آدمیوں میں باطنی معانی اور کمالات کی وجہ سے تفاوت بہت زیادہ ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک انسان الگ جنس کی طرح ہے، آپ دیکھیں انسانوں میں سے مرد اور عورت دو مختلف جنس شمار ہیں جبکہ حیوانات میں مذکر اور مؤنث ایک جنس شمار ہیں لہٰذا انسانوں کو اونٹوں اور بکریوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اور غنیمت کے غلاموں پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ غنیمتوں میں مجاہدین کا حق فقط مالیت میں ہے حتیٰ کہ امام ان کو فروخت کر کے ان کے ثمن کو بھی تقسیم کر سکتا ہے، جبکہ یہاں شرکاء کا حق عین اور مالیت دونوں کے ساتھ متعلق ہے یوں دونوں صورتوں میں فرق ہو گیا اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید:الراجح ما قاله الامام رحمه الله تعالیٰ من اخراج الرقیق من حکم متفق الجنس و هذا هو الظاهر لتفاوت افراد العبید فیما هو المقصود منهم (هامش الهداية:4ص412)

﴿۲﴾باقی جواہرات کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر ان کی جنس مختلف ہو جیسے موتی اور یاقوت تو قاضی ان کو تقسیم نہیں کرے گا، اور بعض دیگر حضرات نے کہا ہے کہ بڑے جواہرات کو تقسیم نہیں کرے گا؛ کیونکہ ان میں تفاوت بہت زیادہ

ہوتا ہے، اور چھوٹے جواہرات میں چونکہ تفاوت کم ہوتا ہے اس لیے ان کو تقسیم کرے گا یہی قول راجح ہے لما فی شرح المجلة للاتاسی: قیل: اذا اختلف الجنس، کاللآلی والیواقیت لایقسم.............. وقیل لایقسم الکبار منها لفحش التفاوت ویقسم الصغار لقلة التفاوت.............. فانت تری ان المجلة قد مشت علی القول الثانی هو الوسط وخیر الامور اوساطها (شرح مجلة الاحکام:4ص81)۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حکم مطلق عدم جواز کا ہے؛ کیونکہ غلاموں کی بنسبت جواہر میں جہالت بہت زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر میں موتی یا یاقوت مقرر کیا، یا موتی یا یاقوت کے بدلے خلع دیدیا تو یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ان میں تفاوت بہت زیادہ ہے، اور اگر مہر میں غلام کو مقرر کردیا تو یہ صحیح ہے، پس جب مہر مقرر کرنے کے بارے میں ان میں فرق ہے تو تقسیم پر بطریقۂ اولیٰ جبر نہیں کیا جائے گا۔

{۳} قاضی حمام، کنویں اور پن چکی کو تقسیم نہیں کرے گا مگر یہ کہ شرکاء راضی ہوں، اسی طرح دو گھروں کے درمیان میں واقع دیوار کو بھی تقسیم نہیں کرے گا؛ کیونکہ یہ تقسیم دونوں طرفوں کے ضرر پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے کہ کسی ایک کا حصہ بھی اس نفع کا قابل نہیں رہتا ہے جو اس سے مقصود ہے لہٰذا قاضی تقسیم نہیں کرے گا، البتہ اگر دونوں شرکاء راضی ہوں تو پھر تقسیم کرے گا؛ دلیل سابق میں ہم بیان کرچکے کہ حق ان کا ہے اور وہ اپنی حالت سے زیادہ واقف ہیں۔

{۴} اگر ایک شہر میں کئی مکان مشترک ہوں تو امام صاحبؒ کے نزدیک ہر مکان کو علیحدہ تقسیم کرے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر شرکاء کے لیے بہتر یہ ہو کہ بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر تقسیم کیا جائے تو اسی طرح تقسیم کرے گا ورنہ ہر ایک مکان کو علیحدہ تقسیم کرے گا، اور یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ کئی زمینیں ایک شہر میں مشترک ہوں۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل سکنی کے لحاظ سے تمام مکانات ایک جنس ہیں کہ سب کا نام بھی ایک ہے اور صورت بھی ایک ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ ہر مکان کا مقصد الگ ہوتا ہے اور ہر ایک میں سکونت کا طریقہ الگ ہوتا ہے اس لیے مکانات مختلف الجنس ہیں اور پہلے گذر چکا کہ متحد الجنس چیزیں ایک ساتھ تقسیم کی جاتی ہیں اور مختلف الجنس چیزیں الگ الگ، لہٰذا کسی ایک طرح کی تقسیم کو اختیار کرنا قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے گا وہ جس طرح کی تقسیم کو مفید سمجھے اسی طرح کی تقسیم کرے۔

{۵} امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار معنی اور مقصود کو ہے اور ظاہر ہے کہ مکانوں سے جو مقصود ہے اس میں کئی اعتبار سے بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے مثلاً شہروں کے اختلاف سے، محلوں کے اختلاف سے، پڑوسیوں کے اعتبار سے، مسجد سے قرب وبعد کے اعتبار سے اور پانی کے اعتبار سے مکانوں کے مقاصد میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے لہٰذا ایک ساتھ ملا کر کے تقسیم کرنے میں

برابری نہیں ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ مکان خریدنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ جس مکان کو خریدنے کے لیے وکیل بنایا ہے وہ مکان مجہول ہے، اسی طرح اگر کسی عورت سے نکاح کرتے ہوئے غیر معین مکان کو مہر بنایا تو یہ تسمیہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ مطلق کپڑا خریدنے کے لیے وکیل بنانا اور مطلق مکان پر کسی عورت سے نکاح کرنے کا یہی حکم ہے کہ یہ توکیل اور تسمیہ صحیح نہیں ہیں۔

اس کے برخلاف اگر مکان ایک ہو اور اس میں کمرے متعدد ہوں تو ان کمروں کو ایک ساتھ ملا کر تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ ہر ایک کمرے کو الگ تقسیم کرنے میں نقصان ظاہر ہے لہذا پورے مکان کو قسمتِ واحدہ کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما في مجمع الانھر: (وَالدُّورُ) الْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كُلُّهَا (فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ يَقْسِمُ كُلٌّ) وَاحِدَةٍ (عَلَى حِدَتِهِ) إلَّا بِتَرَاضِي الشُّرَكَاءِ عِنْدَ الْإِمَامِ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَهَذَا قِسْمَةُ فَرْدٍ لَا قِسْمَةُ جَمْعٍ؛ لِأَنَّ الدُّورَ أَجْنَاسٌ مُخْتَلِفَةٌ بِوُجُوهِ السُّكْنَى وَإِنْ كَانَتْ جِنْسًا وَاحِدًا نَظَرًا إلَى أَصْلِ السُّكْنَى فَيُوجَدُ فُحْشُ التَّفَاوُتِ بِاعْتِبَارِ الْمَقَاصِدِ بِاخْتِلَافِ الْمَحَالِّ وَالْجِيرَانِ وَالْقُرْبِ إلَى الْمَسْجِدِ وَالْمَاءِ وَالسُّوقِ (مجمع الانھر:4ص130)

﴿٦﴾ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ صورتِ مسئلہ میں ایک مکان کی قید لگانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر دو مکان دو شہروں میں ہوں تو بھی صاحبینؒ کے نزدیک تقسیم میں دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر ایک کو الگ تقسیم کیا جائے، اور یہی ہلالؒ نے صاحبینؒ سے روایت کی ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر تقسیم کیا جائے گا۔

﴿٧﴾ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ کمرے اگر ایک محلہ یا چند محلوں میں ہوں تو ان کو ایک ساتھ ملا کر تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ کمروں میں تفاوت کم ہوتا ہے لہذا تقسیم میں برابری ممکن ہے۔ اور منازل کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متصل ہوں تو وہ کمروں کی طرح ہیں لہذا ان کو ایک ساتھ تقسیم کرنا درست ہے، اور اگر الگ الگ ہوں تو پھر وہ دار کی طرح ہیں لہذا ہر ایک کو الگ تقسیم کیا جائے گا؛ وجہ یہ ہے کہ منزل دار اور بیت کے درمیان ہے جیسا کہ "کتاب البیوع" کے "باب الحقوق" میں گذر چکا، لہذا منزل نے دار اور بیت میں سے ہر ایک کی مشابہت اختیار کی ہے اس لیے دونوں مشابہتوں کی رعایت کی جائے گی۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: أَقُولُ: وَلَعَلَّ هَذَا فِي زَمَانِهِمْ وَإِلَّا فَالْمَنَازِلُ وَالْبُيُوتُ وَلَوْ مِنْ دَارٍ وَاحِدَةٍ تَتَفَاوَتُ تَفَاوُتًا فَاحِشًا فِي زَمَانِنَا. يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهُمْ هُنَا لِأَنَّ الْبُيُوتَ لَا تَتَفَاوَتُ فِي مَعْنَى السُّكْنَى وَلِهَذَا تُؤَجَّرُ أُجْرَةً وَاحِدَةً فِي كُلِّ مَحَلَّةٍ، وَكَذَا مَا ذَكَرُوهُ فِي خِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَإِفْتَاؤُهُمْ هُنَاكَ بِقَوْلِ زُفَرَ مِنْ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رُؤْيَةِ دَاخِلِ الْبُيُوتِ لِتَفَاوُتِهَا تَأَمَّلْ (ردّ المحتار:5/184)

{۸} اگر دار اور زمین مشترک ہوں یا دار اور دوکان مشترک ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کیا جائے گا؛ کیونکہ ان کی جنس مختلف ہے اور پہلے گذر چکا کہ مختلف الجنس کو ایک ساتھ ملا کر تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ امام قدوری" نے مکان اور دوکان کو دو مختلف جنس قرار دیا ہے، اسی طرح امام خصاف" نے بھی ان کو مختلف جنس قرار دیا ہے، جبکہ امام محمد" نے مبسوط کی "کتاب الاجارات" میں ذکر کیا ہے کہ "دار کے منافع کو دوکان کے منافع کے بدلے میں کرایہ پر دینا ربوا کے شبہ کی وجہ سے جائز نہیں ہے"، جس سے معلوم ہوا کہ مکان اور دوکان متحد الجنس ہیں، پس یوں سمجھا جائے گا کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک اتحادِ جنس کی اور دوسری اختلافِ جنس کی ہے۔ اور یا کہا جائے گا کہ مکان اور دوکان مختلف الجنس ہیں مگر متحد الجنس ہونے کا شبہ موجود ہے اور باب ربوا میں شبہ حقیقت کے درجے میں ہوتا ہے اس لیے یہاں حرمتِ ربوا کی وجہ سے اس اجارہ کو ناجائز قرار دیا اور ربوا اس طرح ہے کہ جنس ایک ہے اور منافع یکجا نہیں ہوتے ہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس میں ربوا النسا پایا جاتا ہے۔

فَصْلٌ فِي كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ

یہ فصل کیفیتِ تقسیم میں ہے۔

مصنف" نے سابق میں ان چیزوں کو بیان کیا کہ جن کو تقسیم کیا جائے گا اور جن کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، اب یہاں سے قابلِ تقسیم چیز کو تقسیم کرنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کیفیتِ تقسیم کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کیفیت صفت ہے اور صفت ذات سے مؤخر ہوتی ہے۔

{۱} قَالَ : وَيَنْبَغِي لِلْقَاسِمِ أَنْ يُصَوِّرَ مَا يَقْسِمُهُ ، لِيُمْكِنَهُ حِفْظُهُ . وَيَعْدِلَهُ

فرمایا: اور چاہیئے قاسم کے لیے کہ نقشہ بنائے اس چیز کا جس کو وہ تقسیم کر رہا ہے تاکہ ممکن ہو اس کے لیے اس کو یاد رکھنا، اور برابر کرے اس کو

يَعْنِي يُسَوِّيَهُ عَلَى سِهَامِ الْقِسْمَةِ وَيُرْوَى يَعْزِلَهُ : أَيْ يَقْطَعَهُ بِالْقِسْمَةِ عَنْ غَيْرِهِ . وَيَذْرَعَهُ ؛

یعنی تقسیم کے حصوں پر برابر کرے، اور مروی ہے یُعزلہ، یعنی الگ کر دے ایک حصے کو تقسیم کے ذریعہ دوسرے حصے سے اور ناپ لے اس کو

لِيَعْرِفَ قَدْرَهُ . وَيُقَوِّمَ الْبِنَاءَ ؛ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ . وَيُفْرِزَ كُلَّ نَصِيبٍ عَنِ الْبَاقِي بِطَرِيقِهِ

تاکہ معلوم ہو جائے اس کی مقدار، اور قیمت لگائے عمارت کی؛ بوجہ اس کی حاجت کے اس کو بعد میں، اور الگ کر دے ہر حصے کو باقی سے راستے

وَشِرْبِهِ حَتَّى لَايَكُونَ لِنَصِيبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيبِ الْآخَرِ تَعَلُّقٌ ، فَتَنْقَطِعَ الْمُنَازَعَةُ وَيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الْقِسْمَةِ عَلَى التَّمَامِ

اور پانی کے ساتھ تاکہ نہ ہو بعض کے حصے کو بعض کے حصے کے ساتھ تعلق، پس ختم ہو جائے گا جھگڑا اور متحقق ہو جائے گا تقسیم کا معنی مکمل طور پر

{۲} ثُمَّ يُلَقِّبُ نَصِيبًا بِالْأَوَّلِ، وَالَّذِي يَلِيهِ بِالثَّانِي وَالثَّالِثُ عَلَى هَذَا ثُمَّ يُخْرِجُ الْقُرْعَةَ، فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا فَلَهُ

پھر نام دے ایک حصے کو اول اور اس کو جو اس کے متصل ہے ثانی اور ثالث اسی طرح، پھر قرعہ نکالے، پس جس کا نام نکلے اول تو اس کے لیے ہوگا

السَّهْمُ الْأَوَّلُ ، وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِي ، وَالْأَصْلُ أَنْ يَنْظُرَ فِي ذَلِكَ إلَى أَقَلِّ الْأَنْصِبَاءِ ، حَتَّى إذَا

اول حصہ، اور جس کا نام دوسرے نمبر پر نکلے اس کے لیے ہوگا دوسرا حصہ، اور اصول یہ کہ غور کرے اس میں سب سے کم حصے میں حتی کہ اگر

كَانَ الْأَقَلُّ ثُلُثًا جَعَلَهَا أَثْلَاثًا ، وَإِنْ كَانَ سُدُسًا جَعَلَهَا أَسْدَاسًا لِتَمَكُّنِ الْقِسْمَةِ ، وَقَدْ شَرَحْنَاهُ مُشْبَعًا

اقل ثلث ہو تو مکان تین حصے کر دے، اور اگر سدس ہو تو کر دے مکان چھ حصے تاکہ ممکن ہو تقسیم، اور ہم نے کافی تفصیل سے بیان کیا اس کو

فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى {۳} وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ: وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيبٍ بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ بَيَانُ الْأَفْضَلِ ، فَإِنْ

"کفایۃ المنتہی" میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ اور ماتن کا قول قدوری میں "وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيبٍ بِطَرِيقِهِ الخ" بیان افضلیت ہے، پس اگر

لَمْ يَفْعَلْ أَوْ لَمْ يُمْكِنْ جَازَ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ بِتَفْصِيلِهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . وَالْقُرْعَةُ لِتَطْيِيبِ الْقُلُوبِ

ایسا نہیں کیا یا ممکن نہ ہو تو جائز ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں اس کو تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ، اور قرعہ دل خوش کرنے کے لیے

وَإِزَاحَةِ تُهْمَةِ الْمَيْلِ ، حَتَّى لَوْ عَيَّنَ لِكُلٍّ مِنْهُمْ نَصِيبًا مِنْ غَيْرِ إقْرَاعٍ جَازَ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْقَضَاءِ

اور میلان کی تہمت دور کرنے کے لیے ہے حتی کہ اگر متعین کر دیا ہر ایک کا حصہ بغیر قرعہ اندازی کے تو جائز ہے؛ کیونکہ تقسیم قضاء کے معنی میں ہے

فَيَمْلِكُ الْإِلْزَامَ . {۴} قَالَ : وَلَا يُدْخِلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ إلَّا بِتَرَاضِيهِمْ ؛ لِأَنَّهُ لَا شَرِكَةَ

پس قاسم مالک ہوگا لازم کرنے کا۔ فرمایا: اور داخل نہیں کرے گا تقسیم میں دراہم اور دنانیر مگر شرکاء کی رضامندی سے؛ کیونکہ شرکت نہیں ہے

فِي الدَّرَاهِمِ وَالْقِسْمَةُ مِنْ حُقُوقِ الِاشْتِرَاكِ ، وَلِأَنَّهُ يَفُوتُ بِهِ التَّعْدِيلُ فِي الْقِسْمَةِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا يَصِلُ

دراہم میں اور تقسیم حقوق اشتراک میں سے ہے، اور اس لیے کہ فوت ہوتی ہے اس سے برابری تقسیم میں؛ کیونکہ دونوں میں سے ایک پہنچے گا

إلَى عَيْنِ الْعَقَارِ وَدَرَاهِمُ الْآخَرِ فِي ذِمَّتِهِ وَلَعَلَّهَا لَا تُسَلَّمُ لَهُ {۵} وَإِذَا كَانَ أَرْضٌ وَبِنَاءٌ

عین عقار کو اور دوسرے کے دراہم اس کے ذمہ میں ہوں گے، اور شاید کہ سپرد نہ کیے جائیں اس کو۔ اور اگر زمین اور عمارت ہو

فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقْسِمُ كُلَّ ذَلِكَ عَلَى اعْتِبَارِ الْقِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اعْتِبَارُ الْمُعَادَلَةِ إلَّا بِالتَّقْوِيمِ

تو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ قاسم تقسیم کرے گا ہر ایک کو قیمت کے اعتبار سے؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے برابری کا اعتبار مگر قیمت سے

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَقْسِمُ الْأَرْضَ بِالْمَسَاحَةِ لِأَنَّهُ هُوَالْأَصْلُ فِي الْمَمْسُوحَاتِ، ثُمَّ يَرُدُّمَنْ وَقَعَ الْبِنَاءُ فِي نَصِيبِهِ

اورامام صاحب سے مروی ہے کہ تقسیم کرے گا زمین کو پیمائش سے؛ کیونکہ یہی اصل ہے پیمائشی چیزوں میں، پھر دیدے گا وہ جس کے حصہ میں واقع ہو عمارت

أَوْمَنْ كَانَ نَصِيبُهُ أَجْوَدَدَرَاهِمَ عَلَى الْآخَرِحَتَّى يُسَاوِيَهُ فَتَدْخُلَ الدَّرَاهِمُ فِي الْقِسْمَةِ ضَرُورَةً كَالْأَخِ لَا وِلَايَةَ لَهُ

یا جس کا حصہ عمدہ ہو دراہم دوسرے کو تاکہ وہ اس کے برابر ہو پس داخل ہوجائیں گے دراہم تقسیم میں جیسے بھائی کہ اس کو ولایت حاصل نہیں ہے

فِي الْمَالِ ، ثُمَّ يَمْلِكُ تَسْمِيَةَ الصَّدَاقِ ضَرُورَةَ التَّزْوِيجِ ﴿٦﴾ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَرُدُّ عَلَى شَرِيكِهِ بِمُقَابَلَةِ الْبِنَاءِ

مال میں پھر بھی وہ مالک ہے مہر متعین کرنے کا ضرورتِ تزویج کی بنا پر۔ اورامام محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ دیدے گا اپنے شریک کو عمارت کے مقابلے میں

مَا يُسَاوِيهِ مِنَ الْعَرْصَةِ ، وَإِذَا بَقِيَ فَضْلٌ وَلَمْ يُمْكِنْ تَحْقِيقُ التَّسْوِيَةِ بِأَنْ كَانَ لَا تَفِي الْعَرْصَةُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ

وہ جو اس کے مساوی ہو یعنی خالی میدان، اوراگر باقی ہو کچھ زیادتی اور ممکن نہ ہو برابری کو ثابت کرنا یوں کہ ناکافی ہو میدان عمارت کی قیمت کے لیے

فَحِينَئِذٍ يَرُدُّ لِلْفَضْلِ دَرَاهِمَ ؛ لِأَنَّ الضَّرُورَةَ فِي هَذَا الْقَدْرِ فَلَا يُتْرَكُ الْأَصْلُ إِلَّا بِهَا.

تو اس وقت دیدے گا زیادتی کے بدلے دراہم؛ کیونکہ ضرورت اسی مقدار میں ہے پس نہیں چھوڑا جائے گا اصل کو مگر اس ضرورت کی وجہ سے

وَهَذَا يُوَافِقُ رِوَايَةَ الْأَصْلِ ﴿٧﴾ قَالَ : فَإِنْ قَسَمَ بَيْنَهُمْ وَلِأَحَدِهِمْ مَسِيلٌ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ

اور یہ موافق ہے روایتِ مبسوط کے۔ فرمایا: اگر تقسیم کی شرکاء کے درمیان، اوران میں سے کسی ایک کے لیے نالی ہو دوسرے کے حصے میں

أَوْطَرِيقٌ لَمْ يَشْتَرِطْ فِي الْقِسْمَةِ، فَإِنْ أَمْكَنَ صَرْفُ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ عَنْهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَطْرِقَ وَيَسِيلَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ

یا راستہ ہو جو مشروط نہ ہو تقسیم میں، تو اگر ممکن ہو پھیرنا راستے اور نالی کا اس سے تو اختیار نہیں اس کو کہ راستہ نکالے یا پانی بہائے دوسرے کے حصے میں

لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيقُ مَعْنَى الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مُخْتَلَّةٌ لِبَقَاءِ الِاخْتِلَاطِ

؛کیونکہ ممکن ہے ثابت کرنا تقسیم کا معنی بغیر ضرر کے، اوراگر ممکن نہ ہو تو فسخ کردی جائے تقسیم؛ کیونکہ تقسیم میں خلل ہے بقاءِ اختلاط کی وجہ سے

فَتُسْتَأْنَفُ ﴿٨﴾ بِخِلَافِ الْبَيْعِ حَيْثُ لَا يَفْسُدُ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ تَمَلُّكُ الْعَيْنِ ، وَأَنَّهُ يُجَامِعُ

پس از سرِ نو تقسیم کی جائے، برخلاف بیع کے کہ وہ فاسد نہیں ہوتی ہے اس صورت میں؛ کیونکہ مقصود اس سے مالک بننا ہے عین کا اور یہ جمع ہوتا ہے

تَعَذُّرَ الِانْتِفَاعِ فِي الْحَالِ ، أَمَّا الْقِسْمَةُ لِتَكْمِيلِ الْمَنْفَعَةِ وَلَا يَتِمُّ ذَلِكَ إِلَّا بِالطَّرِيقِ ، ﴿٩﴾ وَلَوْ ذَكَرَ

تعذرِ انتفاع کے ساتھ فی الحال، رہی تقسیم تو وہ تکمیلِ منفعت کے ہوتی ہے اور تام نہیں ہوتی ہے یہ مگر راستے کے ساتھ۔ اوراگر ذکر کیا

الْحُقُوقَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ كَذَلِكَ الْجَوَابُ، لِأَنَّ مَعْنَى الْقِسْمَةِ الْإِفْرَازُ وَالتَّمْيِيزُ، وَتَمَامُ ذَلِكَ بِأَنْ لَا يَبْقَى لِكُلِّ وَاحِدٍ

حقوق کو پہلی صورت میں تو اسی طرح جواب ہے؛ کیونکہ تقسیم کا معنی افراز اور تمیز ہے اور اس کی تکمیل جب ہے کہ باقی نہ رہے ہر ایک کے لیے

تَعَلُّقٌ بِنَصِيبِ الْآخَرِ وَقَدْ أَمْكَنَ تَحْقِيقُهُ بِصَرْفِ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ إِلَى غَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ فَيُصَارُ
تعلق دوسرے کے حصے کے ساتھ، اور ممکن ہے تقسیم کے معنی کو ثابت کرنا راستہ اور نالی پھیرنے سے غیر کی طرف بلاضرر پس رجوع کیا جائے گا

إِلَيْهِ{۱۰}بِخِلَافِ الْبَيْعِ إِذَا ذُكِرَ فِيهِ الْحُقُوقُ حَيْثُ يَدْخُلُ فِيهِ مَا كَانَ لَهُ مِنَ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيقُ مَعْنَى الْبَيْعِ
اسی کی طرف، برخلاف بیع کے جب ذکر کیا جائے اس میں حقوق کو کہ داخل ہوگا جو تھا اس کے لیے راستہ اور نالی؛ کیونکہ ممکن ہے بیع کا معنی ثابت کرنا

وَهُوَ التَّمْلِيكُ مَعَ بَقَاءِ هَذَا التَّعَلُّقِ بِمِلْكِ غَيْرِهِ{۱۱}وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يَدْخُلُ فِيهَا لِأَنَّ الْقِسْمَةَ
اور وہ مالک کرنا ہے باوجود باقی ہونے اس تعلق کے غیر کی ملک کے ساتھ، اور دوسری صورت میں داخل ہوں گے تقسیم میں؛ کیونکہ تقسیم

لِتَكْمِيلِ الْمَنْفَعَةِ وَذَلِكَ بِالطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ فَيَدْخُلُ عِنْدَ التَّنْصِيصِ بِاعْتِبَارِهِ ، وَفِيهَا
تکمیلِ منفعت کے لیے اور یہ راستے اور نالی سے ہوگی پس داخل ہوں گی یہ چیزیں تصریح کے وقت تکمیل کے اعتبار سے، اور تقسیم میں

مَعْنَى الْإِفْرَازِ وَذَلِكَ بِانْقِطَاعِ التَّعَلُّقِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، فَبِاعْتِبَارِهِ لَا يَدْخُلُ مِنْ غَيْرِ تَنْصِيصٍ ، بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ
افراز کا معنی ہے اور یہ انقطاعِ تعلق سے ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے پس افراز کے اعتبار سے داخل نہ ہوں گے بغیر تصریح کے، برخلاف اجارہ کے

حَيْثُ يَدْخُلُ فِيهَا بِدُونِ التَّنْصِيصِ، لِأَنَّ كُلَّ الْمَقْصُودِ الِانْتِفَاعُ وَذَلِكَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِإِدْخَالِ الشُّرْبِ وَالطَّرِيقِ
کہ اس میں داخل ہوں گے بغیر تصریح کے؛ کیونکہ کل مقصود انتفاع ہے اور یہ حاصل نہ ہوگا مگر شرب اور طریق داخل کرنے سے

فَيَدْخُلُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ
پس یہ داخل ہوں گے بلا ذکر۔

تشریح:۔{۱} قاسم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ جس چیز کو تقسیم کرے گا پہلے اس کا نقشہ بنالے تاکہ اس کی یادداشت ممکن ہو اور اس کے کتنے حصے دار ہیں ان کے اعتبار سے اس کے حصے برابر کر دے، اور ایک روایت میں "وَيَعْدِلَهُ" کے بجائے "يَعْزِلَهُ" ہے یعنی ہر ایک حصے کو تقسیم کے ذریعہ دوسرے سے الگ کر دے، اور گزوں کے ذریعہ اس کی پیمائش کر دے؛ تاکہ اس کی مقدار معلوم ہو، اور عمارت کی قیمت لگائے؛ کیونکہ قیمت کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اور ہر ایک حصے کو دوسرے حصوں سے راستے اور شرب کے ساتھ الگ کر دے؛ یہ سب اس لیے تاکہ بعض شرکاء کے حصوں کو دوسرے بعض کے حصوں کے ساتھ تعلق نہ رہے اس سے جھگڑا بالکل ختم ہو جائے گا اور تقسیم کا معنی کامل طور پر متحقق ہو جائے گا۔

{۲} پھر ایک حصے کا نام اول رکھے، اور اس کے متصل کا نام ثانی پھر ثالث رکھے اسی طرح آخر تک حصوں کے نام رکھے پھر قرعہ اندازی کرے پس جس کا نام پہلے نکلے اس کو اول حصہ دے اور جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے اس کو دوسرا حصہ دے، آخر تک

اسی طرح دیا جائے۔ اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر شرکاء کے حصے برابر ہوں تو حصے ان کے عدد رؤس کے مطابق بنائے جائیں گے مثلاً شرکاء تین ہیں تو تین حصے بنائے جائیں گے، اور اگر شرکاء کے حصے برابر نہ ہوں تو کم حصے کو لے کر اس پر زمین کو تقسیم کیا جائے حتی کہ اگر کم حصہ ثلث ہو تو زمین تین حصوں پر تقسیم کی جائے گی اور اگر کم حصہ سدس ہو تو زمین چھ حصوں پر تقسیم کی جائے یہ اس لیے کہ تاکہ تقسیم ممکن ہو مثلاً تین شرکاء ہیں ایک کا حصہ نصف ہے، دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس ہے تو اس صورت میں سدس سب سے کم حصہ ہے لہذا زمین کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے نصف والے کو تین حصے، اور ثلث والے کو دو اور سدس والے کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کی پوری شرح "کفایۃ المنتہی" میں کی ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔

[۳] صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے جو متن میں فرمایا ہے کہ "ہر ایک حصہ راستے اور شرب کے ساتھ الگ کر دے" تو یہ انتہائی کا بیان ہے ورنہ اگر قاضی اس طرح ہر ایک حصے کا راستہ نہ بنائے یا اس طرح کرنا ممکن نہ ہو تو بھی تقسیم جائز ہے جیسا کہ عنقریب اسی اصل میں ہم تفصیل بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور قرعہ اندازی کرنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ شرکاء کے دل خوش کرنے کے لیے ہے اور قاضی کا کسی ایک شریک کی طرف مائل ہونے کی تہمت کو دور کرنے کے لیے ہے حتی کہ اگر قرعہ اندازی کے بغیر ہر ایک کا حصہ متعین کر دیا تو بھی جائز ہے؛ کیونکہ تقسیم قضاء کے درجے میں ہے اس لیے قاضی اس کو شرکاء پر لازم کرنے کا مالک ہے۔

[۴] اور زمین کی تقسیم میں شرکاء کی رضامندی کے بغیر دراہم اور دنانیر شامل نہ کرے کہ ایک کو زیادہ زمین دے اور دوسرے کو کم زمین کچھ دراہم کے ساتھ دیدے؛ کیونکہ شرکاء کی شرکت دراہم میں نہیں ہے زمین میں ہے، اور تقسیم اشتراک کے توابع میں سے ہے تو جس میں اشتراک ہے تقسیم بھی اسی کی ہوگی اور وہ زمین ہے نہ کہ دراہم اور دنانیر۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دراہم شامل کرنے سے تقسیم میں برابری نہیں ہو سکتی ہے؛ کیونکہ جس شریک کو زمین ملی وہ تو اس پر قابض ہو گیا اور جس شریک کے لیے دراہم ہیں وہ تو اس کو نہیں ملے ہیں بلکہ دراہم تو اول شریک کے ذمہ پر ہیں اور ممکن ہے کہ دراہم کسی وجہ سے اس کو سپرد نہ ہوں تو برابری کہاں رہی، اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے۔

[۵] اور اگر کچھ عمارت ہو اور کچھ خالی زمین ہو، تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کی الگ قیمت لگا کر قیمت کے ذریعہ تقسیم کی جائے؛ کیونکہ مساحت کے ذریعہ زمین اور عمارت کو برابر نہیں کیا جا سکتا ہے لہذا قیمت کے بغیر یہاں برابری ممکن نہیں ہے اس لیے قیمت ہی سے تقسیم کرنا پڑے گا۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کو الگ پیائش کے ذریعہ تقسیم کیا جائے؛ کیونکہ ممسوحات میں اصل یہی ہے کہ پیائش کے ذریعہ تقسیم کی جائے، پھر جس کے حصے میں عمارت آگئی یا جس کا حصہ عمدہ ہو وہ دوسرے کو دراہم دیدے تاکہ اس کو اس کے برابر حق پہنچے، بہر حال یہاں ضرورت کی بناء پر تقسیم میں دراہم داخل ہوں گے، پس یہ ایسا ہے جیسا کہ بھائی کو اپنی نابالغ بہن کے مال میں تصرف کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے، مگر جب اس کو نکاح کی ولایت حاصل ہو گی تو اس ضرورت سے مہر کو متعین کرنے کی ولایت بھی اس کو حاصل ہو گی حالانکہ مہر مال ہے مگر تبعاً اور ضرورۃً بھائی کو اس کا حق حاصل ہو گا اسی طرح یہاں بھی ضرورۃً دراہم کو تقسیم میں شامل کیا جائے گا۔

{٦} امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جس کے حصے میں عمارت آئے وہ عمارت کے مقابلے میں مکان کے صحن میں سے اتنا حصہ دوسرے کو دیدے جو عمارت کی قیمت کے برابر ہو، اور اگر عمارت کی کچھ قیمت باقی رہی اور برابری کو ثابت کرنا ممکن نہ رہا مثلاً مکان کا صحن عمارت کی قیمت کے لیے کافی نہ ہو تو اس وقت زیادتی کے بقدر عمارت والا دوسرے کو دراہم دیدے؛ کیونکہ دراہم شامل کرنے کی ضرورت فقط اسی مقدار میں ہے لہذا اصل (پیائش کے ذریعہ تقسیم) کو بلا ضرورت نہیں چھوڑا جائے گا، اور یہ توجیہ مبسوط کی روایت کے موافق ہے مبسوط میں یہی کہا ہے کہ مکان کو گزوں کی پیائش سے تقسیم کیا جائے اور کسی شریک پر دوسرے کے لیے درہموں کی زیادتی نہ رکھی جائے۔

فتوی:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی مجمع الانہر: وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَرُدُّ عَلَى شَرِيكِهِ مِنْ الْأَرْضِ فِي مُقَابَلَةِ الْبِنَاءِ فَإِذَا بَقِيَ فَضْلٌ وَلَا يُمْكِنُ التَّسْوِيَةُ بِأَنْ لَا تَفِيَ الْأَرْضُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ فَحِينَئِذٍ يَرُدُّ فِي مُقَابَلَةِ الْفَضْلِ دَرَاهِمَ؛ لِأَنَّ الضَّرُورَةَ فِي هَذَا الْقَدْرِ .وَفِي الِاخْتِيَارِ وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ أَحْسَنُ وَأَوْفَقُ لِلْأُصُولِ.(مجمع الانہر:4ص133)

{٧} اگر قاضی نے اس طرح تقسیم کر دی کہ ایک کے حصہ میں دوسرے کی پانی بہانے کی نالی ہے یا راستہ ہے اور تقسیم میں اس کی شرط نہیں لگائی تھی، تو اگر ممکن ہو کہ ایک کے راستے اور نالی کو دوسرے کے حصے سے پھیر دے تو اس کو حق نہ ہو گا کہ دوسرے کے حصے میں اپنا راستہ یا پانی بہانے کی نالی بنائے؛ کیونکہ یہاں بغیر کسی ضرر کے تقسیم کا معنی ثابت کرنا ممکن ہے یوں کہ راستے اور نالی کو اس دوسرے کے حصے سے پھیر دے، اور اگر راستے اور پانی بہانے کی نالی کو دوسرے کے حصے سے پھیرنا ممکن نہ ہو، تو تقسیم کو فسخ کر دے؛ کیونکہ اختلاط باقی رہنے کی وجہ سے تقسیم میں خلل پایا جارہا ہے لہذا دوبارہ تقسیم کر دے تاکہ اختلاط کا ضرر ختم ہو۔

{٨} بیع کا حکم اس کے بر خلاف ہے مثلاً ایک نے دوسرے سے نصف مکان خریدا اور خریدار کے حصے میں راستہ ممکن نہ ہو اس لیے راستہ دوسرے کے حصے میں رکھا تو بیع فسخ نہ ہو گی؛ کیونکہ یہاں مقصود عین کا مالک ہونا ہے اور یہ مقصود فی الحال عین سے

انتفاع کے متعذر ہونے کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے پس حصول مقصود پایا گیا اس لیے بیع فسخ نہ ہوگی، جبکہ تقسیم کا مقصود تکمیل منفعت ہے اور یہ مقصود راستے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے لہذا مقصود حاصل نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم کو فسخ کیا جائے گا۔

{9} اور اگر تقسیم میں حقوق کو ذکر کیا کہ اس کے حقوق دوسرے کے حصے میں ہوں گے، اور راستہ اس کے حصے سے پھیرنا ممکن ہو، تو اب بھی یہی حکم ہے کہ راستے کو پھیرنا ضروری ہے؛ کیونکہ تقسیم کا مقصود اپنا حصہ وصول کرنا اور دوسرے کے حصے سے الگ کرنا ہے اور یہ مقصود پوری طرح سے اس وقت حاصل ہوگا کہ ہر ایک کا تعلق دوسرے کے حصے کے ساتھ نہ رہے اور یہ مقصود حاصل کرنا ممکن بھی ہے بایں طور کہ راستے اور مسیل کو اس کے حصے سے پھیر دیا جائے اور اس میں کسی قسم کا ضرر بھی نہیں ہے، لہذا اسی طریقے کو اختیار کیا جائے گا۔

{10} اس کے برخلاف اگر بیع میں حقوق کا ذکر کر لیا مثلاً مشتری کہے کہ یہ حصہ اس کے حقوق کے ساتھ میں نے تجھ سے خرید لیا تو اس میں راستہ اور مسیل بھی داخل ہوں گے بائع کے حصے سے راستے اور مسیل کو پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ غیر کے حصے کے ساتھ اس تعلق کے باوجود بیع کے مقصود یعنی تملیک کا اثبات ممکن ہے اس لیے راستے اور مسیل کو پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

{11} اور دوسری صورت جس میں تقسیم کے وقت حقوق کا ذکر کیا ہو کہ ایک کے حصے کے حقوق دوسرے کے حصے میں ہوں گے تو راستہ اور مسیل تقسیم میں داخل ہوں گے؛ کیونکہ تقسیم سے مقصود تکمیل منفعت ہے اور تکمیل منفعت راستے اور مسیل کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے تو تکمیل منفعت کا اعتبار کرتے ہوئے حقوق کی تصریح کرنے کے وقت راستہ اور مسیل تقسیم میں داخل ہوں گے، اور تقسیم میں چونکہ افراز (اپنا عین حق وصول کرنے) کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور افراز اس وقت ہوگا کہ دوسرے کا تعلق اس کے ساتھ نہ رہے جیسا کہ ماقبل میں ہم ذکر کر چکے، تو افراز کا اعتبار کرتے ہوئے تصریح کے بغیر راستہ اور مسیل تقسیم میں داخل نہ ہوں گے اس لیے تقسیم کو فسخ کر کے دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔

{1} وَلَوِ اخْتَلَفُوا فِي رَفْعِ الطَّرِيقِ بَيْنَهُمْ فِي الْقِسْمَةِ، إِنْ كَانَ يَسْتَقِيمُ لِكُلِّ وَاحِدٍ طَرِيقٌ يَفْتَحُهُ فِي نَصِيبِهِ قَسَمَ الْحَاكِمُ مِنْ غَيْرِ طَرِيقٍ يُرْفَعُ لِجَمَاعَتِهِمْ؛ لِتَحَقُّقِ الْإِفْرَازِ بِالْكُلِّيَّةِ دُونَهُ. وَإِنْ كَانَ لَا يَسْتَقِيمُ ذَلِكَ

اور اگر شرکاء نے راستہ چھوڑنے میں اختلاف کیا تقسیم میں تو اگر ہو سکتا ہو ہر ایک کے لیے راستہ جو وہ کھولے اس کے حصہ میں تو تقسیم کر دے حاکم بغیر راستہ کے جو ان کی جماعت کے لیے چھوڑا جائے گا؛ کیونکہ ثابت ہو جاتا ہے افراز بالکلیہ راستہ کے بغیر، اور اگر یہ نہ ہو سکتا ہو

رَفَعَ طَرِيقًا بَيْنَ جَمَاعَتِهِمْ ؛ لِيَتَحَقَّقَ تَكْمِيلُ الْمَنْفَعَةِ فِيمَا وَرَاءَ الطَّرِيقِ{۲} وَلَوِ اخْتَلَفُوا فِي مِقْدَارِهِ

توچھوڑدے راستہ ان کی جماعت کے درمیان تاکہ محقق ہو تکمیل منفعت راستہ کے علاوہ میں۔اوراگر شرکاء نے اختلاف کیا راستے کی مقدار میں

جُعِلَ عَلَى عَرْضِ بَابِ الدَّارِ وَطُولِهِ) لِأَنَّ الْحَاجَةَ تَنْدَفِعُ بِهِ . وَالطَّرِيقُ عَلَى سِهَامِهِمْ

توکردیا جائے گا مکان کے دروازے کی چوڑائی اور بلندی کے مطابق؛کیونکہ حاجت دور ہو جاتی ہے اس سے،اورراستہ ان کے سہام کے مطابق ہوگا

كَمَا كَانَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ فِيمَا وَرَاءَ الطَّرِيقِ لَا فِيهِ . وَلَوْ شَرَطُوا أَنْ يَكُونَ الطَّرِيقُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا

جیسا کہ تقسیم سے پہلے تھا؛کیونکہ تقسیم راستے کے علاوہ میں ہے نہ کہ راستے میں،اوراگر لوگوں نے شرط لگائی کہ ہو راستہ ان کے درمیان تین تہائی

جَازَ وَإِنْ كَانَ أَصْلُ الدَّارِ نِصْفَيْنِ ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ عَلَى التَّفَاضُلِ جَائِزَةٌ بِالتَّرَاضِي .{۳}قَالَ : وَإِذَا كَانَ سُفْلٌ

توجائز ہے،اگرچہ اصل دار دو حصوں میں ہو؛کیونکہ تقسیم تفاضل کے ساتھ جائز ہے باہمی رضامندی سے۔فرمایا:اوراگر نچلی منزل ہو

لَا عُلُوَّ عَلَيْهِ وَعُلُوٌّ لَا سُفْلَ لَهُ وَسُفْلٌ لَهُ عُلُوٌّ قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلَى حِدَتِهِ

بالاخانہ نہ ہو اس پر،اور بالاخانہ ہو نچلی منزل نہ ہو اس کے لیے،اور نچلی منزل ہو جس کے لیے بالاخانہ ہو تو قیمت لگائی جائے گی ہر ایک کی علیحدہ

وَقُسِمَ بِالْقِيمَةِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِغَيْرِ ذَلِكَ , قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:هَذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ:وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: يُقْسَمُ

اور تقسیم کی جائے گی قیمت سے اوراعتبار نہیں ہے اس کے علاوہ کا۔مصنفؒ نے فرمایا:یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے،اور فرمایا شیخینؒ نے کہ تقسیم ہوگی

بِالذَّرْعِ ؛{۴}لِمُحَمَّدٍ أَنَّ السُّفْلَ يَصْلُحُ لِمَا لَا يَصْلُحُ لَهُ الْعُلُوُّ مِنِ اتِّخَاذِهِ بِئْرَ مَاءٍ

پیمائش سے،امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ نچلی منزل قابل ہے ان امور کے لیے جن کے لیے قابل نہیں ہے بالاخانہ یعنی اس کو پانی کا کنواں بنانا

أَوْ سِرْدَابًا أَوْ إصْطَبْلًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَتَحَقَّقُ التَّعْدِيلُ إلَّا بِالْقِيمَةِ ، وَهُمَا يَقُولَانِ إنَّ الْقِسْمَةَ بِالذَّرْعِ هِيَ الْأَصْلُ,لِأَنَّ

یا تہ خانہ یا اصطبل یا اس کے علاوہ،پس محقق نہ ہوگی برابری مگر قیمت سے،اور شیخینؒ کہتے ہیں کہ تقسیم پیمائش کے ذریعہ اصل ہے؛کیونکہ

الشَّرِكَةَ فِي الْمَذْرُوعِ لَا فِي الْقِيمَةِ فَيُصَارُ إلَيْهِ مَا أَمْكَنَ ، وَالْمُرَاعَى التَّسْوِيَةُ فِي السُّكْنَى لَا فِي الْمَرَافِقِ

شرکت مذروع میں ہے نہ کہ قیمت میں،پس رجوع کیا جائے گا اسی کی طرف بقدر امکان،اور ملحوظ برابری ہے سکنیٰ میں نہ کہ منافع میں،

{۵}ثُمَّ اخْتَلَفَا فِيمَا بَيْنَهُمَا فِي كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ بِالذَّرْعِ فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : ذِرَاعٌ مِنْ سُفْلٍ

پھر دونوں نے آپس میں اختلاف کیا ذراع سے تقسیم کرنے کی کیفیت میں،پس کہا امام صاحب رحمہ اللہ نے کہ نچلی منزل کا ایک ذراع

بِذِرَاعَيْنِ مِنْ عُلُوٍّ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : ذِرَاعٌ بِذِرَاعٍ قِيلَ أَجَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ

بالاخانہ کے دو ذراع کے بدلے ہوگا۔اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے ایک ذراع بعوض ایک ذراع ہوگا،کہا گیا ہے کہ جواب دیا ہے ہر ایک نے ان میں سے

عَلَى عَادَةِ أَهْلِ عَصْرِهِ أَوْ أَهْلِ بَلَدِهِ فِي تَفْضِيلِ السُّفْلِ عَلَى الْعُلُوِّ وَاسْتِوَائِهِمَا وَتَفْضِيلِ السُّفْلِ مَرَّةً

اپنے زمانے والوں کی عادت پر یا اپنے شہر والوں کی عادت کے مطابق برتری دینے میں نچلی منزل کو بالاخانہ پر اور برابری میں، اور نچلی منزل کو کبھی

وَالْعُلُوِّ أُخْرَى .﴿٦﴾وَقِيلَ هُوَ اخْتِلَافُ مَعْنًى وَوَجْهُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ مَنْفَعَةَ السُّفْلِ تَرْبُو

اور بالاخانہ کو کبھی، اور کہا گیا ہے کہ یہ معنوی اختلاف ہے، اور امام صاحبؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نچلی منزل کی منفعت بڑھ کر ہوتی ہے

عَلَى مَنْفَعَةِ الْعُلُوِّ بِضِعْفِهِ لِأَنَّهَا تَبْقَى بَعْدَ فَوَاتِ الْعُلُوِّ ، وَمَنْفَعَةُ الْعُلُوِّ لَا تَبْقَى بَعْدَ فَنَاءِ السُّفْلِ،

بالاخانہ پر دوگنی؛ کیونکہ نچلی منزل باقی رہتی ہے بالاخانہ فوت ہونے کے بعد، اور بالاخانہ کی منفعت باقی نہیں رہتی ہے نچلی منزل فانی ہونے کے بعد

وَكَذَا السُّفْلُ فِيهِ مَنْفَعَةُ الْبِنَاءِ وَالسُّكْنَى ، وَفِي الْعُلُوِّ السُّكْنَى لَا غَيْرُ إذْ لَا يُمْكِنُهُ الْبِنَاءُ

اور اسی طرح نچلی منزل میں منفعت ہے بناء اور سکنی کی، اور بالاخانہ میں سکنی کی ہے نہ کہ غیر؛ کیونکہ ممکن نہیں ہے اس کے لیے تعمیر کرنا

عَلَى عُلُوِّهِ إلَّا بِرِضَا صَاحِبِ السُّفْلِ ، فَيُعْتَبَرُ ذِرَاعَانِ مِنْهُ بِذِرَاعٍ مِنَ السُّفْلِ

اپنے بالاخانہ پر مگر نچلی منزل کے مالک کی رضا سے، پس اعتبار ہوگا دو ذراع کا بالاخانہ میں سے نچلی منزل کے ایک ذراع کے ساتھ۔

﴿٧﴾وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ أَصْلُ السُّكْنَى وَهُمَا يَتَسَاوَيَانِ فِيهِ ، وَالْمَنْفَعَتَانِ مُتَمَاثِلَتَانِ لِأَنَّ

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ مقصود اصل سکنیٰ ہے اور وہ دونوں برابر ہیں اس میں اور دونوں منفعتیں برابر ہیں؛ کیونکہ

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَفْعَلَ مَا لَا يَضُرُّ بِالْآخَرِ عَلَى أَصْلِهِ﴿٨﴾وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَنْفَعَةَ

ان دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ کرلے وہ کام جو مضر نہ ہو دوسرے کے حق میں امام ابو یوسفؒ کی اصل کے مطابق، اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ منفعت

تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ بِالْإِضَافَةِ إلَيْهِمَا فَلَا يُمْكِنُ التَّعْدِيلُ إلَّا بِالْقِيمَةِ ، وَالْفَتْوَى

مختلف ہوتی ہے گرمی اور سردی کی تبدیلی سے سفل اور علو کی طرف نسبت کرتے ہوئے پس ممکن نہیں ہے برابری مگر قیمت سے، اور فتوی

الْيَوْمَ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَقَوْلُهُ لَا يَفْتَقِرُ إلَى التَّفْسِيرِ﴿٩﴾وَتَفْسِيرُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ أَنْ

آج کل امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے، اور ان کا قول محتاج نہیں ہے توضیح کو۔ اور توضیح امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی یہ ہے کہ

يُجْعَلَ بِمُقَابَلَةِ مِائَةِ ذِرَاعٍ مِنَ الْعُلُوِّ الْمُجَرَّدِ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ وَثُلُثُ ذِرَاعٍ مِنَ الْبَيْتِ الْكَامِلِ لِأَنَّ الْعُلُوَّ مِثْلُ نِصْفِ السُّفْلِ

کر دیے جائیں علو مجرد کے سو ذراع کے مقابلے میں تینتیس ذراع اور ایک ثلث ذراع بیتِ کامل کے؛ کیونکہ علو نصفِ سفل کی طرح ہے،

فَثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ وَثُلُثٌ مِنَ السُّفْلِ سِتَّةٌ وَسِتُّونَ وَثُلُثَانِ مِنَ الْعُلُوِّ الْمُجَرَّدِ وَمَعَهُ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ وَثُلُثُ ذِرَاعٍ

پس تینتیس ذراع اور ایک ثلثِ ذراع سفل کے بمقابلہ چھیاسٹھ ذراع و دو ثلثِ ذراع علو کے ہوں گے اور ان کے ساتھ تینتیس ذراع اور ایک ثلثِ ذراع

مِنَ الْعُلْوِ فَبَلَغَتْ مِائَةَ ذِرَاعٍ تُسَاوِي مِائَةً مِنَ الْعُلْوِ الْمُجَرَّدِ، وَيُجْعَلُ بِمُقَابَلَةِ مِائَةِ ذِرَاعٍ مِنَ السُّفْلِ الْمُجَرَّدِ مِنَ الْبَيْتِ الْكَامِلِ

علو کے ہیں تو یہ سو ذراع ہو گئے جو برابر ہیں علوِ مجرد کے سو ذراع کے، اور کر دئے جائیں گے سفل مجرد کے سو ذراع کے مقابلے بیت کامل کے

سِتَّةٌ وَسِتُّونَ وَثُلُثَا ذِرَاعٍ، لِأَنَّ عُلْوَهُ مِثْلُ نِصْفِ سُفْلِهِ فَبَلَغَتْ مِائَةَ ذِرَاعٍ كَمَا ذَكَرْنَا، وَالسُّفْلُ الْمُجَرَّدُ

چھیاسٹھ ذراع اور دو ثلث ذراع؛ کیونکہ بیت کامل کا علو اس کے سفل کے نصف کے مثل ہے، تو یہ سو ذراع ہو گئے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور سفل مجرد

سِتَّةٌ وَسِتُّونَ وَثُلُثَانِ لِأَنَّهُ ضِعْفُ الْعُلْوِ فَيُجْعَلُ بِمُقَابَلَةِ مِثْلِهِ ﴿۱۰﴾ وَتَفْسِيرُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَنْ

ترسٹھ اور دو ثلث ہیں؛ کیونکہ یہ دوگنا ہے علو کا پس قرار دیا جائے گا اس کے مثل کے مقابلے میں اور توضیح امام ابو یوسفؒ کے قول کی یہ ہے

يُجْعَلَ بِإِزَاءِ خَمْسِينَ ذِرَاعًا مِنَ الْبَيْتِ الْكَامِلِ مِائَةُ ذِرَاعٍ مِنَ السُّفْلِ الْمُجَرَّدِ، وَمِائَةُ ذِرَاعٍ مِنَ الْعُلْوِ الْمُجَرَّدِ، لِأَنَّ السُّفْلَ وَالْعُلْوَ

کہ کر دئے جائیں بیت کامل کے پچاس ذراع کے مقابلے میں سو ذراع سفل مجرد کے اور سو ذراع علو مجرد کے؛ کیونکہ سفل اور علو

عِنْدَهُ سَوَاءٌ فَخَمْسُونَ ذِرَاعًا مِنَ الْبَيْتِ الْكَامِلِ بِمَنْزِلَةِ مِائَةِ ذِرَاعٍ خَمْسُونَ مِنْهَا سُفْلٌ وَخَمْسُونَ مِنْهَا عُلْوٌ

ان کے نزدیک برابر ہیں پس پچاس ذراع بیتِ کامل کے بمنزلہ سو ذراع کے ہیں پچاس ان میں سے سفل کے اور پچاس ان میں علو کے۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر شرکاء نے تقسیم کے وقت اختلاف کیا کہ راستہ چھوڑا جائے یا نہیں، تو اگر ہر ایک کے لیے ایسا راستہ ممکن ہو جو حاکم اس کے حصے میں کھول دے گا تو حاکم پوری جماعتِ شرکاء کے لیے راستہ چھوڑنے کے بغیر تقسیم کرلے؛ کیونکہ راستہ چھوڑے بغیر بھی ہر ایک بالکلیہ اپنا عین حق وصول کر سکتا ہے اس لیے پوری جماعتِ شرکاء کے لیے راستہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر ہر ایک کے حصے میں راستہ ممکن نہ ہو تو حاکم پوری جماعتِ شرکاء کے لیے راستہ چھوڑدے تاکہ راستہ کے علاوہ میں تکمیلِ منفعت متحقق ہو؛ کیونکہ اس صورت میں اجتماعی راستے کے بغیر پورے طور پر منفعت حاصل نہیں کی جاسکتی ہے۔

﴿۲﴾ اور اگر شرکاء نے راستے کی مقدار میں اختلاف کیا تو مکان کے دروازے کے بقدر چوڑا اور اسی کے بقدر بلند راستہ چھوڑا جائے گا؛ کیونکہ اتنے راستے سے ان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اور راستہ شرکاء کے حصوں کے بقدر ہو گا جیسا کہ تقسیم سے پہلے راستے میں ہر ایک کا حصہ اتنا ہی تھا؛ کیونکہ تقسیم راستہ کے علاوہ مکان کے باقی اجزاء میں ہے راستے میں نہیں ہے، تو ان کی ملکیت مکان کے باقی اجزاء میں جس تناسب سے ہو راستے میں بھی وہی تناسب رکھا جائے گا۔ اور اگر دونوں شرکاء نے باہمی اتفاق سے یہ شرط کرلی کہ راستہ ان دونوں کے درمیان اثلاثاً ہو یعنی دو حصے ایک کی زمین کے اور ایک حصہ دوسرے کی زمین کا راستہ میں آئے تو یہ جائز ہے اگرچہ مکان ان کے درمیان نصف نصف مشترک ہو؛ کیونکہ اموالِ ربویہ کے علاوہ میں کمی بیشی کے ساتھ تقسیم باہمی رضامندی سے جائز ہے۔

{۳}اگر دو آدمی ایک مکان کی نچلی منزل میں شریک ہوں جس کی بالائی منزل ان کی نہ ہو، اور ایک مکان کی بالائی منزل میں شریک ہوں نچلی منزل ان کی نہ ہو، اور تیسرے مکان کی نچلی اور بالائی دونوں منزلوں میں شریک ہوں، اب انہوں نے قاضی سے تقسیم کا مطالبہ کیا، تو قاضی ہر ایک منزل کی قیمت لگائے اور قیمت کے اعتبار سے تقسیم کردے، قیمت کے علاوہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل امام محمدؒ کے نزدیک ہے، جبکہ شیخینؒ کے نزدیک پیمائش کے ذریعہ تقسیم کی جائے گی۔

{۴}امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ نچلی منزل کنویں، تہ خانہ اور اصطبل وغیرہ کی صلاحیت رکھتی ہے جبکہ بالا منزل ان چیزوں کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے تو یہ ان میں بہت زیادہ فرق ہے اس لیے ان میں برابری نہیں ہو سکتی ہے اس لیے ان کو قیمت کے ذریعہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ تقسیم گزوں کے ذریعہ ہو اس لیے کہ شرکت گزوں سے نپنے والی چیز میں ہے نہ کہ قیمت میں لہٰذا جہاں تک ممکن ہو گزوں سے تقسیم کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور ملحوظ نفس سکنیٰ میں برابری ہے اور یہ برابری نچلی اور بالائی منزل میں ممکن ہے، دیگر منافع میں برابری ملحوظ نہیں ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہو گا کہ نچلی منزل میں کنواں وغیرہ بن سکتے ہیں اور بالائی منزل میں نہیں بن سکتے ہیں۔

{۵}پھر نچلی اور بالائی منزل کو گزوں سے ناپنے کا طریقہ کیا ہو؟ تو اس میں شیخینؒ کا آپس میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نچلی منزل کا ایک گز بالائی منزل کے دو گزوں کے مقابلے میں ہو گا، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ذراع بمقابلہ ذراع ہو گا کمی بیشی نہ ہو گی۔

بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ اختلاف اس لیے ہے کہ ہر ایک نے اپنے زمانے یا اپنے شہر کے لوگوں کی عادت کے مطابق جواب دیا ہے چنانچہ امام صاحبؒ کے زمانے میں کوفہ والے نچلی منزل کو بالائی منزل پر ترجیح دیتے تھے اس لیے انہوں نے فرمایا کہ نچلی منزل کا ایک گز بالائی منزل کے دو گزوں کے مقابلے میں ہو گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے زمانے میں بغداد والے نچلی اور بالائی منزل کو برابر سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے کہا کہ ذراع بمقابلہ ذراع ہو گا، اور امام محمدؒ کے زمانے میں موسم کے مطابق کبھی نچلی منزل کو ترجیح دیتے تھے اور کبھی بالائی منزل کو، اس لیے انہوں نے کہا کہ پیمائش سے برابری مشکل ہے اس لیے قیمت کے ذریعہ تقسیم کی جائے گی۔

{۶}اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اختلاف دلائل کا اختلاف ہے زمانے کا اختلاف نہیں ہے؛ چنانچہ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ نچلی منزل کی منفعت بالائی منزل سے دوگنی بڑھی ہوئی ہے؛ کیونکہ بالائی منزل گرنے

کے بعد بھی نچلی منزل باقی رہتی ہے ؛جبکہ نچلی منزل فناء ہونے کے بعد بالائی منزل باقی نہیں رہ سکتی ہے ،اسی طرح نچلی منزل میں صاحبِ علو کی رضامندی کے بغیر عمارت بنانے کی منفعت بھی ہے اور سکونت کی منفعت بھی ہے جبکہ بالائی منزل میں فقط سکونت کی منفعت ہے عمارت کی منفعت نہیں ہے ؛کیونکہ بالائی منزل کے اوپر تعمیر ممکن نہیں ہے مگر نچلی منزل والے کی رضامندی سے منزل کے دوگزوں کا نچلی منزل کے ایک گز کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا۔

{۷}امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقصود اصل سکونت ہے اور سکونت میں دونوں منزلیں برابر ہیں اور دونوں منزلوں کی منفعتیں بھی برابر ہیں ؛کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے حصے میں ہر وہ تصرف کرلے جو دوسرے کے لیے مضر نہ ہو،لہٰذا صاحبِ علو بھی غیر مضر عمارت بناسکتا ہے اور صاحبِ سفل بھی غیر مضر عمارت بناسکتا ہے اس لیے دونوں منزلیں برابر ہیں لہٰذا گز بعوض گز تقسیم ہوگی۔

{۸}امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بالائی اور نچلی منزل کی طرف نسبت کرتے ہوئے گرمی اور سردی کے اختلاف سے منفعت بدل جاتی ہے چنانچہ گرمیوں میں رات کو بالائی منزل اور دن کو نچلی منزل بہتر ہوتی ہے اور سردیوں میں اس کے برعکس ہے لہٰذا موسم کے اعتبار سے منفعت بدل جاتی ہے اس لیے قیمت کے بغیر برابری ممکن نہیں ہے۔صاحبِ ہدایہ ؒفرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے،اور آپؒ کا قول آسان ہونے کی وجہ سے محتاج تفسیر نہیں ہے كذا في مجمع الانهر: (وَعَلَيْهِ) أَيْ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ (الْفَتْوَى) كَمَا فِي أَكْثَرِ الْمُعْتَبَرَاتِ. (مجمع الانهر:4ص133)۔

{۹}صاحبِ ہدایہ ؒفرماتے ہیں کہ متن کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تفسیر یہ ہے کہ جب ایک طرف فقط بالائی منزل ہو اور دوسری طرف بیتِ کامل ہو تو بالائی منزل کے سو گز بیتِ کامل کے تینتیس گز اور ایک ثلثِ گز کے مقابلے میں ہوں گے ؛کیونکہ بالائی منزل نچلی منزل کے نصف کی طرح ہے تو نچلی منزل کے تینتیس گز اور ایک گز کا ثلث بالائی منزل کے چھیاسٹھ گزوں اور ایک گز کے دو ثلث کے مقابلے ہوں گے اور اس کے ساتھ بیتِ کامل کی بالائی منزل کے تینتیس گز اور ایک ثلثِ گز ہیں اس طرح بیت کامل کے تمام گزوں کو ملا کر سو گز ہو جائیں گے جو فقط بالائی منزل کے سو گزوں کے برابر ہیں۔اور فقط نچلی منزل کے سو گزوں کے مقابلے میں بیت کامل کے چھیاسٹھ گز اور ایک گز کے دو ثلث ہوں گے ؛کیونکہ بیتِ کامل کی بالائی منزل فقط نچلی منزل کے نصف کے برابر ہے ،پس نچلی منزل کے چھیاسٹھ گز اور ایک گز کے دو ثلث ،بیتِ کامل کے نچلے حصے کے چھیاسٹھ گز اور ایک گز کے دو ثلث کے برابر ہوں گے ،اور نچلی منزل کے سو گزوں میں سے تینتیس گز اور ایک ثلثِ گز رہ گئے اور یہ بیتِ کامل کی بالائی منزل کے چھیاسٹھ گز اور ایک گز کے دو ثلث کے مقابلے میں ہوں گے یوں نچلی منزل کے سو گز ہوں گے اور بیتِ کامل کے بالائی حصے کے بھی چھیاسٹھ

گزاور ایک گز کے دو ثلث ہوں گے اور نچلے حصے کے بھی چھیاسٹھ گزاور ایک گز کے دو ثلث ہوں گے اور یہ نچلی منزل کے سو گزوں کے برابر ہوں گے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے۔

{۱۰}اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ نچلی منزل کا ایک گز بالائی منزل کے ایک گز کے برابر ہے اس لیے ان کے نزدیک بیتِ کامل کے پچاس گز فقط نچلی منزل کے سو گزوں کے مقابلے میں ہوں گے، اسی طرح بیتِ کامل کے پچاس گز فقط بالائی منزل کے سو گزوں کے مقابلے میں ہوں گے؛ کیونکہ ان کے نزدیک نچلی منزل اور بالائی منزل برابر ہیں لہذا بیت کامل کے پچاس گز سو گزوں کے برابر ہیں اس لیے کہ بیتِ کامل میں پچاس گز نیچے اور پچاس گز اوپر ہیں دونوں ملا کر سو ہو جائیں گے اس لیے بیتِ کامل کے پچاس گز فقط نچلی منزل یا فقط بالائی منزل کے سو گزوں کے برابر ہوں گے۔

{۱}قَالَ: وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُونَ وَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا، قَالَ رضيَ اللهُ عَنْهُ : هٰذَا الَّذِي ذَكَرَهُ

فرمایا: اور جب اختلاف کریں متقاسمین اور گواہی دیں دو تقسیم کرنے والے، تو قبول کی جائے گی ان دونوں کی شہادت۔ مصنفؒ نے فرمایا: یہ جس کو ذکر کیا ہے

قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا تُقْبَلُ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ.

امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ قبول نہیں کی جائے گی اور یہی امام ابو یوسفؒ کا اول قول ہے اور اسی کا قائل ہے امام شافعیؒ

وَذَكَرَ الْخَصَّافُ قَوْلَ مُحَمَّدٍ مَعَ قَوْلِهِمَا وَقَاسِمَا الْقَاضِي وَغَيْرُهُمَا سَوَاءٌ ، {۲}لِمُحَمَّدٍ

اور ذکر کیا ہے امام خصافؒ نے امام محمدؒ کا قول شیخینؒ کے قول کے ساتھ، اور قاضی کے دونوں قاسم اور ان دونوں کے علاوہ برابر ہیں۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے

أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى فِعْلِ أَنْفُسِهِمَا فَلَا تُقْبَلُ ، كَمَنْ عَلَّقَ عِتْقَ عَبْدِهِ بِفِعْلِ غَيْرِهِ

کہ ان دونوں نے گواہی دی ہے اپنے فعل پر، پس قبول نہیں کی جائے گی جیسے وہ شخص جو معلق کر دے اپنے غلام کی آزادی غیر کے فعل پر

فَشَهِدَ ذَلِكَ الْغَيْرُ عَلَى فِعْلِهِ{۳}وَلَهُمَا أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى فِعْلِ غَيْرِهِمَا وَهُوَ الِاسْتِيفَاءُ وَالْقَبْضُ

پس گواہی دے وہ غیر اپنے فعل پر، اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے گواہی دی ہے اپنے غیر کے فعل پر اور وہ استیفاء اور قبضہ ہے

لَا عَلَى فِعْلِ أَنْفُسِهِمَا ، لِأَنَّ فِعْلَهُمَا التَّمْيِيزُ وَلَا حَاجَةَ إِلَى الشَّهَادَةِ عَلَيْهِ ، أَوْ لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ مَشْهُودًا بِهِ

نہ کہ اپنے فعل پر؛ کیونکہ ان دونوں کا فعل تمیز ہے اور حاجت نہیں اس پر گواہی دینے کی، یا اس لیے کہ وہ قابل نہیں مشہود بہ ہونے کا

لِمَا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ ، وَإِنَّمَا يَلْزَمُهُ بِالْقَبْضِ وَالِاسْتِيفَاءِ وَهُوَ فِعْلُ الْغَيْرِ فَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ {۴}وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ

کیونکہ وہ لازم نہیں ہے، اور وہ تو لازم ہوتا ہے قبضہ اور استیفاء سے، اور وہ فعل غیر ہے پس قبول کی جائے گی گواہی اس پر۔ اور فرمایا امام طحاویؒ نے

إِذَا قَسَمَا بِأَجْرٍ لَا تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِلَيْهِ مَالَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ لِأَنَّهُمَا
جب وہ دونوں تقسیم کرلیں اجرت پر تو قبول نہیں کی جائے گی گواہی بالاتفاق، اور اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں بعض مشائخ؛ کیونکہ یہ دونوں

يَدَّعِيَانِ إِيفَاءَ عَمَلٍ اُسْتُؤْجِرَا عَلَيْهِ فَكَانَتْ شَهَادَةً صُورَةً وَدَعْوَى مَعْنًى فَلَا تُقْبَلُ
دعوی کر رہے ہیں اس عمل کو پورا کرنے کا جس پر ان دونوں کو اجیر بنایا گیا پس یہ شہادت ہے صورۃً اور دعوی ہے معنیً، پس قبول نہیں کی جائے گی

{۵} إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: هُمَا لَا يَجُرَّانِ بِهَذِهِ الشَّهَادَةِ إِلَى أَنْفُسِهِمَا مَغْنَمًا لِاتِّفَاقِ الْخُصُومِ عَلَى إِيفَائِهِمَا الْعَمَلَ الْمُسْتَأْجَرَ عَلَيْهِ
مگر ہم کہتے ہیں کہ قاسمین نہیں کھینچتے ہیں اس شہادت سے اپنی طرف منفعت کو؛ بوجہ اتفاق خصوم کے ان دونوں کے عمل کو پورا کرنے پر جس پر ان کو اجیر بنایا ہے

وَهُوَ التَّمْيِيزُ ، وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ فِي الِاسْتِيفَاءِ فَانْتَفَتِ التُّهْمَةُ . وَلَوْ شَهِدَ قَاسِمٌ وَاحِدٌ لَا تُقْبَلُ ؛ لِأَنَّ
اور وہ تمیز ہے، اور اختلاف تو وصول کرنے میں ہے پس منتفی ہوگئی تہمت۔ اور اگر گواہی دی ایک قاسم نے تو قبول نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ

شَهَادَةَ الْفَرْدِ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ عَلَى الْغَيْرِ ، {٦} وَلَوْ أَمَرَ الْقَاضِي أَمِينَهُ بِدَفْعِ الْمَالِ إِلَى آخَرَ يُقْبَلُ قَوْلُ الْأَمِينِ
ایک شخص کی گواہی قبول نہیں غیر پر، اور اگر امر کیا قاضی نے اپنے امین کو مال دینے کا دوسرے کو تو قبول کیا جائے گا امین کا قول

فِي دَفْعِ الضَّمَانِ عَنْ نَفْسِهِ وَلَا يُقْبَلُ فِي إِلْزَامِ الْآخَرِ إِذَا كَانَ مُنْكِرًا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ
اپنے آپ سے دفع ضمان میں، اور قبول نہیں کیا جائے دوسرے پر لازم کرنے میں جب ہو وہ منکر، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱} اگر تقسیم کرنے والے شرکاء نے اختلاف کیا مثلاً ایک نے کہا کہ میرا کامل حصہ مجھے نہیں ملا ہے؛ کیونکہ میرے حصے میں فلاں کمرہ بھی تھا، دوسرے شرکاء نے کہا کہ تیرا پورا حصہ تجھے مل چکا ہے، اور دو قاسموں نے گواہی دی کہ مدعی نے اپنا حصہ پورا لے لیا ہے تو قاسموں کی یہ گواہی قبول کی جائے گی۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ جو امام قدوریؒ نے ذکر کیا ہے یہ شیخینؒ کا قول ہے، جبکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قاسموں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کا اول قول بھی یہی ہے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ بھی ہیں۔ اور امام خصافؒ نے امام محمدؒ کا قول شیخینؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر دونوں قاسم خواہ قاضی نے مقرر کئے ہوں یا متقاسمین نے اجرت دے کر مقرر کئے ہوں دونوں قسم کے قاسموں کا حکم ایک ہے۔

{۲} امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ اس صورت میں دونوں قاسم اپنے فعل (تقسیم) پر گواہی دے رہے ہیں اس لیے ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کی آزادی کو دوسرے شخص کے کسی فعل پر معلق کر دی، پھر اس

دوسرے شخص نے گواہی دی کہ وہ فعل میں کر چکا جس پر تو نے اپنے غلام کی آزاد کو معلق کیا تھا، تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ؛کیونکہ یہ اپنے فعل پر گواہی ہے۔

{۳} شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاسموں نے غیر کے فعل پر گواہی دی ہے یعنی اس بات پر گواہی دی ہے کہ ہر ایک متقاسم نے اپنا حصہ وصول کر کے قبض کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ قاسموں کا فعل نہیں بلکہ متقاسمین کا فعل ہے۔ قاسموں نے اپنے فعل پر گواہی نہیں دی ہے ؛کیونکہ قاسموں کا فعل تو شرکاء کے حصوں کو الگ کرنا ہے جس پر گواہی کی حاجت نہیں ہے، یا یوں کہئے کہ تمیز میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس پر گواہی دی جائے ؛کیونکہ گواہی الزام کے لیے ہوتی ہے اور تمیز وصولیابی اور قبضہ کے بعد شرکاء پر لازم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وصولیابی اور قبضہ غیر کا فعل ہے قاسموں کا فعل نہیں ہے اس لیے اس پر قاسموں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

فتوی:۔ شیخینؒ کا قول راجح ہے لما في الدر المختار: (أَنْكَرَ بَعْضُ الشُّرَكَاءِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ اسْتِيفَاءَ نَصِيبِهِ وَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ بِالِاسْتِيفَاءِ) لِحَقِّهِ (تُقْبَلُ) وَإِنْ قَسَمَا بِأَجْرٍ فِي الْأَصَحِّ ابْنُ مَلَكٍ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار: 5ص186)

{۴} امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر قاسموں نے اجرت لے کر تقسیم کی ہو تو اس پر بالاتفاق ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور اسی قول کی جانب بعض مشائخ مائل ہوئے ہیں ؛کیونکہ اس صورت میں قاسمان گویا یہ دعوی کر رہے ہے کہ جس عمل کے لیے ہم کو اجیر رکھا تھا وہ عمل ہم نے پورا کر دیا تو ان کی یہ شہادت صورۃً تو شہادت ہے مگر معنیً دعوی ہے تو قاسمان مدعی ہوئے اور قاعدہ یہ ہے کہ مدعی کی گواہی معتبر نہیں ہوتی ہے اس لیے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

{۵} صاحبِ ہدایہؒ نے امام طحاویؒ کی مذکورہ دلیل پر نکیر فرمائی ہے، کہ قاسمان تو اپنی اس شہادت سے اپنے لیے کوئی مال حاصل نہیں کر رہے ہیں ؛کیونکہ خصوم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عمل کے لیے ان کو اجیر رکھا تھا وہ عمل انہوں نے پورا کر دیا ہے اور وہ عمل شرکاء کے حصوں کو الگ الگ کرنا ہے لہٰذا وہ اپنا عمل پورا کر کے اجرت کے مستحق ہو چکے ہیں اب گواہی دے کر وہ اپنے لیے کوئی مال حاصل نہیں کر رہے ہیں، البتہ شرکاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ہر ایک نے اپنا پورا حصہ وصول کیا ہے یا نہیں کیا ہے، لہٰذا قاسموں پر کوئی تہمت نہیں ہے اس لیے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

اور اگر مذکورہ صورت میں فقط ایک قاسم نے گواہی دی تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی ؛کیونکہ غیر پر ایک گواہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی ہے۔

{٦}اگر قاضی نے اپنے امین سے کہا کہ فلاں شخص کو مال دیدو، اب امین کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو مال دیدیا، اور فلاں شخص انکار کرتا ہے، تو اپنے اوپر سے ضمان کو دفع کرنے کے سلسلے میں تو امین کا قول قبول ہوگا، مگر غیر پر مال لازم کرنے کے سلسلے میں امین کا قول معتبر نہ ہوگا بشرطیکہ وہ غیر منکر ہو؛ کیونکہ امین کا قول حجت قاصرہ ہے جو دفع کا فائدہ تو دیتا ہے مگر الزام کا فائدہ نہیں دیتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ دَعْوَى الْغَلَطِ فِي الْقِسْمَةِ وَالِاسْتِحْقَاقُ فِيهَا

یہ باب تقسیم میں غلطی کا دعوی کرنے اور اس میں استحقاق ثابت ہونے کے بیان میں ہے۔

چونکہ تقسیم اصل اور اس میں غلطی کا وقوع اور استحقاق کا دعوی عوارض میں سے ہیں اس لیے مصنفؒ نے اصل کو پہلے ذکر فرمایا اور عوارض کو بعد میں۔

{١}قَالَ : وَإِذَا ادَّعَى أَحَدُهُمْ الْغَلَطَ وَزَعَمَ أَنَّ مِمَّا أَصَابَهُ شَيْئًا فِي يَدِ صَاحِبِهِ

فرمایا: اور اگر دعوی کیا شرکاء میں سے کسی ایک نے غلطی کا، اور یہ خیال کیا کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے اس میں سے کچھ اس کے قبضہ میں ہے،

وَقَدْ أَشْهَدَ عَلَى نَفْسِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ لَمْ يُصَدَّقْ عَلَى ذَلِكَ إلَّا بِبَيِّنَةٍ ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي فَسْخَ الْقِسْمَةِ

حالانکہ اس نے گواہ بنائے تھے اپنے نفس پر وصولی کے تو تصدیق نہیں کی جائے گی اس پر مگر بیّنہ سے؛ کیونکہ وہ دعوی کر رہا ہے فسخ تقسیم کا

بَعْدَ وُقُوعِهَا فَلَا يُصَدَّقُ إلَّا بِحُجَّةٍ{٢} فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ اسْتَحْلَفَ الشُّرَكَاءَ

اس کے واقع ہونے کے بعد پس تصدیق نہیں کی جائے گی مگر حجت سے، اور اگر قائم نہ ہوا اس کے لیے بیّنہ تو قسم لے شرکاء سے،

فَمَنْ نَكَلَ مِنْهُمْ جَمَعَ بَيْنَ نَصِيبِ النَّاكِلِ وَالْمُدَّعِي فَيُقْسَمُ بَيْنَهُمَا عَلَى قَدْرِ أَنْصِبَائِهِمَا ؛

پس جس نے انکار کیا ان میں سے تو جمع کر دے منکر اور مدعی کے حصوں کو اور تقسیم کر دے ان دونوں کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر

لِأَنَّ النُّكُولَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ خَاصَّةً فَيُعَامَلَانِ عَلَى زَعْمِهِمَا{٣}قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:

کیونکہ انکار حجت ہے اس کے حق میں خاص کر، پس معاملہ کیا جائے گا ان دونوں کے ساتھ ان کے خیال کے مطابق۔ مصنفؒ نے فرمایا:

يَنْبَغِي أَنْ لَاتُقْبَلَ دَعْوَاهُ أَصْلًا لِتَنَاقُضِهِ، وَإِلَيْهِ أَشَارَ مِنْ بَعْدُ {٤}وَإِنْ قَالَ قَدِ اسْتَوْفَيْتُ

چاہیئے کہ مقبول نہ ہو اس کا دعوی بالکل تناقض کی وجہ سے، اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے بعد میں۔ اور اگر کہا کہ میں نے وصول کر لیا تھا

حَقِّي وَأَخَذْتَ بَعْضَهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ خَصْمِهِ مَعَ يَمِينِهِ ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي عَلَيْهِ الْغَصْبَ

اپنا حق اور لے لیا تو نے اس میں سے بعض، تو قول اس کے خصم کا معتبر ہو گا اس کی یمین کے ساتھ؛ کیونکہ وہ دعوی کر رہا ہے اس پر غصب کا

وَهُوَ مُنْكِرٌ - وَإِنْ قَالَ أَصَابَنِي إِلَى مَوْضِعِ كَذَا فَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيَّ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى نَفْسِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ

حالانکہ وہ منکر ہے، اور اگر کہا کہ مجھے پہنچا تھا فلاں جگہ تک، لیکن اس نے نہیں دیا وہ مجھے، اور اس نے اقرار نہیں کیا تھا اپنے اوپر وصولی کا،

وَكَذَّبَهُ شَرِيكُهُ تَحَالَفَا وَفُسِخَتْ الْقِسْمَةُ ؛ لِأَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي مِقْدَارِ مَا

اور اس کی تکذیب کی اس کے شریک نے، تو دونوں قسم کھائیں گے اور فسخ کردی جائے گی تقسیم؛ کیونکہ اختلاف اس مقدار میں ہے

حَصَلَ لَهُ بِالْقِسْمَةِ فَصَارَ نَظِيرَ الِاخْتِلَافِ فِي مِقْدَارِ الْمَبِيعِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ أَحْكَامِ التَّحَالُفِ فِيمَا تَقَدَّمَ

جو حاصل ہوئی ہے اس کو تقسیم سے، پس ہو گئی اس اختلاف کی نظیر جو مقدارِ مبیع میں ہو جیسا کہ ہم ذکر کر چکے تحالف کے احکام ماقبل میں

﴿۵﴾ وَلَوِ اخْتَلَفَا فِي التَّقْوِيمِ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ دَعْوَى الْغَبْنِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ فِي الْبَيْعِ

اور اگر دونوں نے اختلاف کیا قیمت لگانے میں تو التفات نہیں کیا جائے اس کی طرف؛ کیونکہ اس نے دعوی کیا غبن کا اور اعتبار نہیں اس کا بیع میں

فَكَذَا فِي الْقِسْمَةِ لِوُجُودِ التَّرَاضِي ، إِلَّا إِذَا كَانَتِ الْقِسْمَةُ بِقَضَاءِ الْقَاضِي وَالْغَبْنُ فَاحِشٌ - لِأَنَّ تَصَرُّفَهُ

پس اسی طرح تقسیم میں ہے؛ باہمی رضامندی موجود ہونے کی وجہ سے، مگر جبکہ ہو تقسیم قضاءِ قاضی سے اور غبن فاحش ہو؛ کیونکہ اس کا تصرف

مُقَيَّدٌ بِالْعَدْلِ) ﴿٦﴾ وَلَوِ اقْتَسَمَا دَارًا وَأَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ طَائِفَةً فَادَّعَى أَحَدُهُمَا

مقید ہے عدل کے ساتھ۔ اور اگر دونوں نے تقسیم کیا مکان اور مل گیا ہر ایک کو ایک حصہ، پس دعوی کیا دونوں میں سے ایک نے

بَيْتًا فِي يَدِ الْآخَرِ أَنَّهُ مِمَّا أَصَابَهُ بِالْقِسْمَةِ وَأَنْكَرَ الْآخَرُ فَعَلَيْهِ إِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ ؛ لِمَا

دوسرے کے قبضہ میں بیت کا کہ یہ وہ ہے جو مجھے پہنچا تھا تقسیم سے، اور انکار کیا دوسرے نے، تو اس پر بیِّنہ قائم کرنا ہے اس دلیل کی وجہ سے

قُلْنَا ﴿۷﴾ وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ يُؤْخَذُ بِبَيِّنَةِ الْمُدَّعِي ؛ لِأَنَّهُ خَارِجٌ ، وَبَيِّنَةُ الْخَارِجِ تَتَرَجَّحُ

جو ہم کہہ چکے، اور اگر قائم کیا دونوں نے بیِّنہ تو لے لیا جائے گا مدعی کا بیِّنہ؛ کیونکہ وہ غیر قابض ہے اور بیِّنہ غیر قابض کا راجح ہوتا ہے

عَلَى بَيِّنَةِ ذِي الْيَدِ - وَإِنْ كَانَ قَبْلَ الْإِشْهَادِ عَلَى الْقَبْضِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا ،﴿۸﴾ وَكَذَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي الْحُدُودِ

قابض کے بیِّنہ سے، اور اگر ہو قبضہ پر گواہ بنانے سے پہلے تو دونوں قسم کھائیں اور تقسیم لوٹا دیں، اور اسی طرح اگر اختلاف کیا دونوں نے حدود میں

وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ يُقْضَى لِكُلِّ وَاحِدٍ بِالْجُزْءِ الَّذِي هُوَ فِي يَدِ صَاحِبِهِ ؛ لِمَا

اور دونوں نے قائم کیا بیّنہ تو فیصلہ کیا جائے گا ہر ایک کے لیے اس جزء کا جو جزء اس کے ساتھی کے قبضہ میں ہے اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا . وَإِنْ قَامَتْ لِأَحَدِهِمَا بَيِّنَةٌ قُضِيَ لَهُ ، وَإِنْ لَمْ تَقُمْ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا

جو ہم کہہ چکے، اور اگر قائم ہوا ایک کے لیے بیّنہ تو فیصلہ کیا جائے گا اسی کے لیے۔ اور اگر بیّنہ قائم نہ ہوا دونوں میں سے ایک کے لیے

تَحَالَفَا ، كَمَا فِي الْبَيْعِ .

تو دونوں قسم کھائیں جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

تشریح:۔ {۱} اگر تقسیم اور قبضہ کے بعد ایک شریک نے دعوی کیا کہ فلاں چیز جو تقسیم میں مجھے پہنچی تھی وہ میرے فلاں ساتھی کے قبضہ میں ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے اپنے اوپر اپنے حق کی وصولیابی کا اقرار کر چکا ہے تو فقط اس کے اس دعوی کی تصدیق نہیں کی جائے گی، البتہ اگر اس نے گواہ پیش کئے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی؛ کیونکہ مدعی تقسیم ہو جانے کے بعد یہ چاہ رہا ہے کہ تقسیم کو فسخ کیا جائے، تو حجت کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

{۲} اور اگر اس مدعی کے پاس گواہ ہوں تو بہتر، اور اگر گواہ نہ ہوں، تو قاضی دیگر شرکاء سے قسم لے، اگر انہوں نے قسم لی تو مسئلہ ختم، اور اگر ان میں سے بعض نے قسم کھائی اور بعض نے قسم کھانے سے انکار کیا تو قاضی منکر اور مدعی کے حصوں کو جمع کر دے اور ان کے حصوں کے بقدر پھر تقسیم کر دے؛ کیونکہ جس نے قسم کھانے سے انکار کیا اس کا انکار خاص کر اسی کے حق میں حجت ہوگا لہٰذا دونوں کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

{۳} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ گواہ قائم کرنے کے بعد بھی مدعی کا دعوی قبول نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ وہ پہلے اپنے حق کی وصولیابی کا اقرار کر چکا ہے اور اب اپنے حق کی بقاء کا دعوی کر رہا ہے تو اس کے دعوے میں تعارض وتناقض ہے اس لیے اس کا دعوی قبول نہیں ہونا چاہیے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ آگے "وَإِنْ قَالَ أَصَابَنِي إِلَى مَوْضِعِ كَذَا" سے امام قدوریؒ نے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ مذکورہ صورت میں مدعی کا دعوی قبول نہیں ہونا چاہیے۔

{۴} اور اگر ایک شریک نے کہا کہ میں اپنا حق وصول کر چکا تھا، اور تو نے اس میں سے کچھ لے لیا، اور اس کا خصم منکر ہے تو قسم کے ساتھ اس کے خصم کا قول معتبر ہوگا؛ کیونکہ مدعی اس پر اس کے بعض حصے کو غصب کرنے کا دعوی کر رہا ہے اور مدعی علیہ منکر ہے اور قول منکر کا قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

اگر مدعی نے کہا کہ مجھے فلاں جگہ تک حصہ ملا تھا مگر اس نے مجھے فلاں جگہ تک نہیں دیا، مگر اس نے اپنے اوپر وصولیابی کا اقرار نہیں کیا ہے، اور اس کے شریک نے اس کی تکذیب کی کہ فلاں جگہ تک تجھے نہیں ملا تھا، تو اس صورت میں دونوں قسم کھائیں گے اور تقسیم کو فسخ کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ اس مقدار میں اختلاف ہے جو اس کو تقسیم سے حاصل ہوئی ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اگر بائع اور مشتری مبیع کی مقدار میں اختلاف کریں جیسا کہ "کتاب الدعوی" کے "باب التحالف" میں ہم اس کا یہ حکم ذکر کر چکے ہیں کہ دونوں سے قسم لے کر بیع کو فسخ کر دیا جائے اسی طرح یہاں بھی دونوں سے قسم لے کر تقسیم کو فسخ کر دیا جائے۔

{۵} اگر سامان کی قیمت لگا کر تقسیم کی، پھر دونوں نے قیمت میں اختلاف کیا ایک کہتا ہے کہ یہ قیمت کم لگائی ہے تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ قیمت لگانے میں غبن کا الزام ہے، اور غبن کا الزام بیع میں معتبر نہیں ہے مثلاً باہمی رضامندی سے معلوم ثمن کے بدلے کوئی چیز خریدی پھر کہتا ہے کہ اس میں غبن ہے تو اس کا دعوی قبول نہ ہوگا، پس تقسیم میں بھی اسکا دعوی معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ قیمت باہمی رضامندی سے لگائی گئی تھی۔

اور اگر تقسیم قاضی کی قضاء سے ہوئی ہو اور غبن فاحش کے ساتھ کی ہو تو اس کا دعوی قبول ہوگا؛ کیونکہ قاضی کا تصرف عدل کے ساتھ مقید ہے جبکہ یہاں اس نے عدل کے ساتھ تصرف نہیں کیا ہے اس لیے اب دعوی قبول ہوگا۔

{۶} اگر دو شریکوں نے مکان کو تقسیم کیا اور ہر ایک کو مکان کا ایک حصہ پہنچ گیا، اب دونوں میں سے ایک نے دعوی کیا کہ فلاں کمرہ جو دوسرے کے قبضہ میں ہے تقسیم میں میرے حصے میں آیا تھا اور دوسرے نے اس کا انکار کیا، تو مدعی پر بینہ پیش کرنا لازم ہے؛ دلیل سابق میں ہم بیان کر چکے کہ یہ تقسیم واقع ہو جانے کے بعد اسے فسخ کرنے کا دعوی ہے اس لیے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

{۷} اور اگر دونوں نے بینہ پیش کر دیا تو مدعی کا بینہ معتبر ہوگا؛ کیونکہ مدعی غیر قابض ہے اور مدعی علیہ قابض ہے اور اصول یہ ہے کہ قابض کے بینہ پر غیر قابض کے بینہ کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر حصص پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ اختلاف ہوا تو دونوں قسم کھائیں گے اور تقسیم کو دوبارہ لوٹائیں گے۔

{۸} اگر دونوں شریکوں نے حدود میں اختلاف کیا یعنی دونوں کے حصوں کو جس مقام پر تقسیم کیا ہے بالکل اسی کنارے پر ایک ٹکڑا ایک کے قبضے میں ہے اور دوسرا ٹکڑا دوسرے کے قبضے میں ہے، اب ہر ایک نے دوسرے کے قبضہ میں موجود ٹکڑے کا دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور میرے شریک نے اس پر قبضہ کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے دعوی پر بینہ قائم کیا تو ہر ایک کے قبضہ میں موجود حصے کا فیصلہ دوسرے کے لیے کیا جائے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ غیر قابض کا بینہ قابض کے بینہ سے راجح

ہوتا ہے اس لیے ہر ایک کا بینہ دوسرے کے قبضہ میں موجود ٹکڑے کے بارے میں قبول ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے صرف ایک نے بینہ قائم کیا تو اسی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے اور تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا جیسا کہ بیع میں بھی ہوتا ہے چنانچہ سابق میں گذر چکا۔

فَصلٌ

یہ فصل استحقاق کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ غلطی کے دعوی کے بیان سے فارغ ہو گئے تو استحقاق کے بیان کو شروع فرمایا۔

{۱} قَالَ : وَإِذَا اسْتُحِقَّ بَعْضُ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ تُفْسَخْ الْقِسْمَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَرَجَعَ بِحِصَّةِ ذَلِكَ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ذَكَرَ الِاخْتِلَافَ فِي اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ بِعَيْنِهِ، وَهَكَذَا ذَكَرَ فِي الْأَسْرَارِ. وَالصَّحِيحُ أَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ شَائِعٍ مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا. فَأَمَّا فِي اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ مُعَيَّنٍ لَا تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَوْ اسْتُحِقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ فِي الْكُلِّ تُفْسَخُ بِالِاتِّفَاقِ ، فَهَذِهِ ثَلَاثَةُ أَوْجُهٍ .وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ مُحَمَّدٍ ، وَذَكَرَهُ أَبُو سُلَيْمَانَ مَعَ أَبِي يُوسُفَ وَأَبُو حَفْصٍ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْأَصَحُّ.

فرمایا: اور جب مستحق ہو جائے دونوں میں سے ایک کا متعین حصہ تو فسخ نہ ہوگی تقسیم امام صاحبؒ کے نزدیک، اور واپس لے یہ حصہ اپنے شریک کے حصے سے، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے فسخ ہوگی تقسیم۔ مصنفؒ نے فرمایا: ذکر کیا اختلاف کو بعض متعین کے استحقاق میں اسی طرح ذکر کیا ہے اسرار میں، اور صحیح یہ ہے کہ اختلاف بعض شائع کے استحقاق میں ہے کسی ایک کے حصے میں سے، بہر حال بعض متعین کے استحقاق میں فسخ نہ ہوگی تقسیم بالاتفاق، اور اگر مستحق ہو ابعض شائع کل میں تو فسخ ہوگی کل میں بالاتفاق، پس یہ تین صورتیں ہیں، اور ذکر نہیں کیا ہے امام محمدؒ کا قول، اور ذکر کیا ہے اس کو ابو سلیمانؒ نے امام ابو یوسفؒ کے ساتھ، اور ابو حفصؒ نے امام صاحبؒ کے ساتھ، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

{۲} لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ بِاسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ شَائِعٍ ظَهَرَ شَرِيكٌ ثَالِثٌ لَهُمَا ، وَالْقِسْمَةُ بِدُونِ رِضَاهُ بَاطِلَةٌ، كَمَا إِذَا اسْتُحِقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ فِي النَّصِيبَيْنِ ، وَهَذَا لِأَنَّ بِاسْتِحْقَاقِ جُزْءٍ شَائِعٍ يَنْعَدِمُ مَعْنَى الْقِسْمَةِ وَهُوَ الْإِفْرَازُ لِأَنَّهُ يُوجِبُ الرُّجُوعَ بِحِصَّتِهِ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ شَائِعًا ، بِخِلَافِ الْمُعَيَّنِ {۳} وَلَهُمَا أَنَّ

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بعض شائع کے استحقاق سے ظاہر ہوا تیسرا شریک ان دونوں کا، اور تقسیم اس کی رضامندی کے بغیر باطل ہے جیسا کہ جب مستحق ہو جائے بعض شائع دونوں حصوں میں، اور یہ اس لیے کہ جزء شائع کا استحقاق معدوم کر دیتا ہے تقسیم کا معنی اور وہ افراز ہے

کیونکہ یہ ثابت کر دیتا ہے رجوع کو بطریق شیوع اس کے حصے کے بقدر دوسرے کے حصے میں، برخلاف معین کے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے

مَعْنَى الْإِفْرَازِ لَا يَنْعَدِمُ بِاسْتِحْقَاقِ جُزْءٍ شَائِعٍ فِي نَصِيبِ أَحَدِهِمَا وَلِهَذَا جَازَتِ الْقِسْمَةُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ

کہ افراز کا معنی معدوم نہیں ہوتا ہے دونوں میں سے ایک کے حصے میں جزء شائع کے استحقاق سے، اور اسی لیے جائز ہے تقسیم اس طریقہ پر

فِي الِابْتِدَاءِ بِأَنْ كَانَ النِّصْفُ الْمُقَدَّمُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ ثَالِثٍ وَالنِّصْفُ الْمُؤَخَّرُ بَيْنَهُمَا لَا شَرِكَةَ لِغَيْرِهِمَا

ابتداء میں یوں کہ نصف مقدم مشترک ہو ان دونوں اور ثالث کے درمیان اور نصف مؤخر ان دونوں کے درمیان ہو، شرکت نہ ہو ان دونوں کے علاوہ کی

فِيهِ فَاقْتَسَمَا عَلَى أَنَّ لِأَحَدِهِمَا مَا لَهُمَا مِنَ الْمُقَدَّمِ وَرُبُعَ الْمُؤَخَّرِ

اس میں، پس یہ دونوں تقسیم کریں اس طرح کہ ان دونوں میں سے ایک کے لیے وہ ہو جو ان دونوں کے لیے ہے یعنی مقدم اور ربع مؤخر

يَجُوزُ فَكَذَا فِي الِانْتِهَاءِ وَصَارَ كَاسْتِحْقَاقِ شَيْءٍ مُعَيَّنٍ. {۴} بِخِلَافِ الشَّائِعِ فِي النَّصِيبَيْنِ لِأَنَّهُ لَوْ بَقِيَتِ

تو یہ جائز ہے، پس اسی طرح انتہاء میں ہے، اور ہو گیا شئ معین کے استحقاق کی طرح، برخلاف دونوں میں شائع کی صورت؛ کیونکہ اگر باقی رہے

الْقِسْمَةُ لَتَضَرَّرَ الثَّالِثُ بِتَفَرُّقِ نَصِيبِهِ فِي النَّصِيبَيْنِ، أَمَّا هَاهُنَا لَا ضَرَرَ بِالْمُسْتَحِقِّ فَافْتَرَقَا.

تقسیم تو ضرر اٹھائے گا تیسرا اس کے حصے کا دونوں حصوں میں بٹ جانے سے، رہا یہاں تو کوئی ضرر نہیں مستحق کا، پس دونوں مسئلے الگ ہو گئے

{۵} وَصُورَةُ الْمَسْأَلَةِ: إِذَا أَخَذَ أَحَدُهُمَا الثُّلُثَ الْمُقَدَّمَ مِنَ الدَّارِ وَالْآخَرُ الثُّلُثَيْنِ مِنَ الْمُؤَخَّرِ وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ

اور صورت مسئلہ یہ کہ جب لے لے دونوں میں سے ایک ثلث مقدم مکان میں سے اور دوسرا دو ثلث مؤخر میں سے، اور دونوں کی قیمت برابر ہو

ثُمَّ اسْتَحَقَّ نِصْفُ الْمُقَدَّمِ، فَعِنْدَهُمَا إِنْ شَاءَ نَقَضَ الْقِسْمَةَ دَفْعًا لِعَيْبِ التَّشْقِيصِ، وَإِنْ

پھر مستحق ہو جائے مقدم کا نصف، تو طرفین کے نزدیک اگر وہ چاہے تو توڑ دے تقسیم دفع کرتے ہوئے بکھرنے کے عیب کو، اور اگر

شَاءَ رَجَعَ عَلَى صَاحِبِهِ بِرُبُعِ مَا فِي يَدِهِ مِنَ الْمُؤَخَّرِ، لِأَنَّهُ لَوِ اسْتَحَقَّ كُلُّ الْمُقَدَّمِ رَجَعَ

چاہے تو واپس لے اپنے شریک سے اس کا ربع جو اس کے قبضہ میں ہے مؤخر میں سے؛ کیونکہ اگر مستحق ہو جاتا کل مقدم تو واپس لیتا

بِنِصْفِ مَا فِي يَدِهِ، فَإِذَا اسْتَحَقَّ النِّصْفُ رَجَعَ بِنِصْفِ النِّصْفِ وَهُوَ الرُّبُعُ اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ،

نصف اس کا جو اس کے قبضہ میں ہے، پس جب مستحق ہو انصف تو واپس لے گا نصف کا نصف اور وہ ربع ہے قیاس کرتے ہوئے جزء کو کل پر

{۶} وَلَوْ بَاعَ صَاحِبُ الْمُقَدَّمِ نِصْفَهُ ثُمَّ اسْتَحَقَّ النِّصْفَ الْبَاقِي شَائِعًا رَجَعَ بِرُبُعِ مَا فِي يَدِ الْآخَرِ عِنْدَهُمَا

اور اگر فروخت کیا صاحب مقدم نے اپنا نصف، پھر مستحق ہوا باقی نصف تو واپس لے گا نصف اس کا جو دوسرے کے قبضہ میں ہے طرفین کے نزدیک

لِمَا ذَكَرْنَا وَسَقَطَ خِيَارُهُ بِبَيْعِ الْبَعْضِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ: مَا فِي يَدِ صَاحِبِهِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور ساقط ہو گا اس کا خیار بعض کی بیع سے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ جو اس کے شریک کے قبضہ میں ہے

بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَيَضْمَنُ قِيمَةَ نِصْفِ مَا بَاعَ لِصَاحِبِهِ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَنْقَلِبُ فَاسِدَةً

دونوں کے درمیان نصف نصف ہو گا، اور ضامن ہو گا اس کے نصف کی قیمت کا جو فروخت کیا ہے اپنے شریک کے لیے؛ کیونکہ تقسیم فاسد ہو جاتی ہے

عِنْدَهُ ، وَالْمَقْبُوضُ بِالْعَقْدِ الْفَاسِدِ مَمْلُوكٌ فَنَفَذَ الْبَيْعُ فِيهِ وَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ فَيَضْمَنُ نِصْفَ نَصِيبِ صَاحِبِهِ

ان کے نزدیک، اور مقبوض بعقدِ فاسد مملوک ہے پس نافذ ہو گی بیع اس میں، اور بیع مضمون بالقیمت ہوتی ہے پس ضامن ہو گا اپنے شریک کے حصے کے نصف کا

{7} قَالَ: وَلَوْ وَقَعَتِ الْقِسْمَةُ ثُمَّ ظَهَرَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ مُحِيطٌ رُدَّتِ الْقِسْمَةُ ؛ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ وُقُوعَ الْمِلْكِ لِلْوَارِثِ

فرمایا: اور اگر واقع ہو گئی تقسیم، پھر ظاہر ہوا ترکہ میں دَین محیط تو رد کر دی جائے گی تقسیم؛ کیونکہ یہ روکتا ہے وقوعِ ملک کو وارث کے لیے

وَكَذَا إذَا كَانَ غَيْرَ مُحِيطٍ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْغُرَمَاءِ بِالتَّرِكَةِ ، إلَّا إذَا بَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ مَا يَفِي بِالدَّيْنِ

اور اسی طرح جب ہو غیر محیط؛ حقِ غرماء کے تعلق کی وجہ سے ترکہ کے ساتھ، مگر جب بچ جائے ترکہ سے اتنی مقدار جو کافی ہو دَین کے لیے

وَرَاءَ مَا قَسَمَ لِأَنَّهُ لَا حَاجَةَ إلَى نَقْضِ الْقِسْمَةِ فِي إيفَاءِ حَقِّهِمْ ، {8} وَلَوْ أَبْرَأَهُ الْغُرَمَاءُ

اس مقدار کے علاوہ جو تقسیم کی گئی؛ کیونکہ حاجت نہیں ہے تقسیم توڑنے کی ان کا حق پورا کرنے کے لیے۔ اور اگر بری کر دیا میت کو

بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَوْ أَدَّاهُ الْوَرَثَةُ مِنْ مَالِهِمْ وَالدَّيْنُ مُحِيطٌ أَوْ غَيْرُ مُحِيطٍ جَازَتِ الْقِسْمَةُ ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ قَدْ زَالَ.

قرضخواہوں نے تقسیم کے بعد یا ادا کر دیا اس کو ورثہ نے اپنے مال سے اور دَین محیط ہو یا غیر محیط ہو تو جائز ہے تقسیم؛ کیونکہ مانع زائل ہو گیا،

{9} وَلَوِ ادَّعَى أَحَدُ الْمُتَقَاسِمَيْنِ دَيْنًا فِي التَّرِكَةِ صَحَّ دَعْوَاهُ؛ لِأَنَّهُ لَا تَنَاقُضَ ، إذِ الدَّيْنُ يَتَعَلَّقُ بِالْمَعْنَى

اور اگر دعویٰ کیا متقاسمین میں سے ایک نے دَین کا ترکہ میں تو صحیح ہے اس کا دعویٰ؛ کیونکہ تناقض نہیں ہے؛ اس لیے کہ دَین کا تعلق معنی کے ساتھ ہے

وَالْقِسْمَةُ تُصَادِفُ الصُّورَةَ ، وَلَوِ ادَّعَى عَيْنًا بِأَيِّ سَبَبٍ كَانَ لَمْ يُسْمَعْ ؛ لِلتَّنَاقُضِ ، إذِ الْإِقْدَامُ عَلَى الْقِسْمَةِ

اور تقسیم ملتی ہے صورت کے ساتھ، اور اگر دعویٰ کیا عین کا خواہ کسی بھی سبب سے ہو تو نہیں سنا جائے گا؛ تناقض کی وجہ سے؛ کیونکہ تقسیم پر اقدام

اعْتِرَافٌ بِكَوْنِ الْمَقْسُومِ مُشْتَرَكًا .

اعتراف ہے مقسوم کے مشترک ہونے کا۔

تشریح:۔{1} دو شریکوں نے مکان کو تقسیم کیا اب کسی ایک کے حصے میں ایک معین ٹکڑے کا کوئی اور شخص مستحق ثابت ہوا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تقسیم فسخ نہیں کی جائے گی بلکہ اپنے اس حصے کے بارے میں اپنے شریک کے حصے میں رجوع کرے گا، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم فسخ کر دی جائے گی۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں قدوریؒ نے معین ٹکڑے میں استحقاق ثابت

ہونے کے حکم میں اختلاف ذکر کیاہے اور قاضی ابوزید الدبوسیؒ نے اپنی کتاب "اشارات الاسرار" میں بھی اسی طرح ذکر کیاہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ کسی ایک کے حصے میں بعض شائع کا استحقاق ثابت ہوتو امام صاحبؒ کے نزدیک تقسیم فسخ نہیں کی جائے گی اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک فسخ کی جائے گی، باقی بعض معین حصے میں استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں بالاتفاق تقسیم فسخ نہیں کی جائے گی، اور اگر ایسے بعض حصے میں استحقاق ثابت ہوا جو کل مکان میں شائع ہو تو بالاتفاق تقسیم کو فسخ کر دیا جائے، پس یہ تین صورتیں ہو گئیں، اول کے حکم میں امام صاحبؒ اور امام ابویوسفؒ کا اختلاف ہے اور باقی دو کے حکم میں اتفاق ہے۔

اور یہاں امام محمدؒ کا قول ذکر نہیں کیاہے، جبکہ ابو سلیمانؒ نے امام محمدؒ کو امام ابویوسفؒ کے ساتھ ذکر کیاہے اور ابو حفصؒ نے امام محمدؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ذکر کیاہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کہ امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

ف:۔صاحبِ ہدایہؒ نے جو "اشارات الاسرار" کا حوالہ دیاہے کہ اس میں پہلی صورت میں اختلاف ہے، یہ سہو ہے؛ کیونکہ "اشارات الاسرار" میں یہ اختلاف دوسری صورت میں مذکور ہے۔

{۲}امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بعض شائع حصے میں استحقاق ثابت ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ مکان میں تیسرا شریک ثابت ہوا اور چونکہ یہ تقسیم اس تیسرے شریک کی رضامندی کے بغیر ہوئی ہے اور شریک کی رضامندی کے بغیر تقسیم باطل ہوتی ہے اس لیے اس تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا، جیساکہ دونوں شریکوں کے حصوں میں بعض شائع کا استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں تقسیم باطل ہو جاتی ہے، اور یہ اس لیے کہ شائع جزء کے استحقاق سے تقسیم کا معنی اور مقصود معدوم ہو جاتاہے اور تقسیم کا معنی افراز (اپنے عین حق کو الگ کر کے لینا) ہے تو اس صورت میں یہ مقصود حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ ایک کے حصے میں شائع استحقاق دوسرے کے حصے میں شائع طور پر اس کے حصے کے بقدر رجوع کو واجب کرتاہے، لہذا تقسیم کا مقصود جو اپنے عین حق کو لیناہے حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ ایک نے بھی اپنے عین حق کو حاصل نہیں کیاہے، اس کے برخلاف اگر مستحق نے ایک کے حصے کے متعین جزء میں اپنا استحقاق ثابت کیا تو وہ اپنے شریک سے متعین جزء کے بارے میں رجوع کرے گا اس لیے مستحق حصے کے علاوہ میں تقسیم کا معنی برقرار رہے گا لہذا تقسیم فسخ نہیں کی جائے گی۔

{۳}طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کسی ایک کے حصے میں جزءِ شائع کے استحقاق سے افراز کا معنی معدوم نہیں ہوتاہے؛ کیونکہ یہ دوسرے کے حصے میں شیوع کو واجب نہیں کرتاہے اسی وجہ سے ابتداء میں اس طریقہ پر تقسیم جائز ہے کہ ایک مکان کے اگلے نصف میں ان دونوں کے ساتھ ایک تیسرا آدمی بھی شریک ہے مثلاً زید، عمرو اور بکر میں مشترک ہے اور پچھلے نصف میں فقط دو شریک

زید اور عمرو ہیں تیسرا ان کے ساتھ شریک نہیں ہے اب زید اور عمرو نے اس طرح تقسیم کی کہ اگلے حصے میں سے عمرو نے اپنا حصہ زید کو دیدیا اور پچھلے حصے میں زید کو بجائے نصف کے ربع دیدیا، تو یہ جائز ہے یعنی ابتداء میں پچھلے حصے میں غیر معین ربع کا استحقاق اس شریک (زید) کو ہے جس نے اگلے نصف کا دونوں کا حصہ لیا ہے، پس اسی طرح جب تقسیم کے بعد جس قدر مستحق شخص نے ایک کے حصے میں سے لے لیا اسی کے حساب سے دوسرے کے حصہ میں سے اس کو استحقاق بطورِ غیر معین ہو، تو یہ بھی جائز ہے، اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی معین جزء میں مستحق کا استحقاق ثابت ہونے میں ہے کہ افراز کا معنی معدوم نہیں ہوتا ہے۔

{۴}اس کے برخلاف اگر مستحق شخص کا استحقاق ایسے جزء غیر معین میں ثابت ہو جو دونوں حصوں میں شائع ہو یعنی استحقاق کل میں سے اس ایک جزء میں نہ ہو تو تقسیم معدوم ہو جاتی ہے؛ کیونکہ اگر تقسیم باقی رہے تو تیسرے شریک کو ضرر پہنچے گا؛ کیونکہ اس کا حصہ ان دونوں حصوں میں متفرق ہو جائے گا مثلاً دونوں نے نصف نصف بانٹ لیا اور تیسرے نے کل میں سے ایک ثلث میں اپنا استحقاق ثابت کیا تو وہ ہر ایک کے حصے میں سے چھٹا حصہ لے گا اور ایسا کرنے میں اس کا حق دونوں حصوں میں متفرق ہو جائے گا، باقی یہاں چونکہ مستحق کا کوئی ضرر نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا حق ایک حصہ میں ہے دونوں میں متفرق نہیں ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔

{۵}کتاب کے مسئلے کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک نے مکان کے اگلے حصے میں سے ایک ثلث لیا اور دوسرے نے پچھلے دو ثلث لیے اور ان دونوں حصوں کی قیمت مساوی ہو یعنی اگلے ایک ثلث کی قیمت پچھلے دو ثلث کے برابر ہو پھر اگلے ثلث میں سے ایک نصف میں کسی نے استحقاق ثابت کر کے لے لیا، تو طرفینؒ کے نزدیک اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو تقسیم کو توڑ دے؛ کیونکہ اس کے حصے میں متفرق ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور متفرق ٹکڑے ہونا عیب ہے اس لیے اس کو اختیار ہے، اور چاہے تو دوسرے شریک سے اس کے مؤخر مقبوض حصے میں سے ایک ربع واپس لے لے یعنی تقسیم توڑنا لازم نہیں ہے بلکہ عیب کی وجہ سے اس کو توڑنے کا اختیار ہے اور اگر چاہے تقسیم نہ توڑے اور دوسرے کے مؤخر حصے میں سے ربع لے لے؛ کیونکہ اگر کل مقدم نصف استحقاق میں لیا جاتا تو وہ دوسرے سے اس کے مقبوض حصے کا نصف لے لیتا تو جب اس سے نصف ہی لیا گیا تو وہ دوسرے سے نصف کا نصف لے گا، اور نصف کا نصف ربع ہے؛ جزء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے، یعنی جیسے کل میں ہوتا ہے اسی طرح نصف وغیرہ جزء میں بھی ہو گا۔

فتوی:۔ طرفینؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی:القول الراجح هو قول الامام ابی حنیفة؛ لان محمداً معه فی الاصح واذا کان مع الامام احد صاحبیه فقولهما راجح(القول الراجح:2ص282).

{۶} پھر مذکورہ بالا تقسیم توڑنے یا مؤخر حصے میں سے ایک ربع واپس لینے کا اختیار اس وقت ہے کہ اس نے اپنے حصے میں کچھ تصرف نہ کیا ہو۔ اور اگر مقدم والے نے اپنا نصف حصہ فروخت کیا پھر باقی نصف پر مستحق نے استحقاق ثابت کر کے اس سے لے لیا تو وہ طرفین کے نزدیک دوسرے کے حصے میں سے ربع واپس لے گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ اگر کل مقدم نصف استحقاق میں لیا جاتا تو وہ دوسرے سے اس کے مقبوض حصے کا نصف لے لیتا تو جب اس سے نصف ہی لیا گیا تو وہ دوسرے سے نصف کا نصف لے گا ، اور تقسیم توڑنے کا اختیار اس وجہ سے ساقط ہوا کہ اس نے بعض حصہ فروخت کر دیا ہے۔

اور امام ابو یوسف کے نزدیک جو کچھ دوسرے ساتھی کے قبضہ میں ہے وہ دونوں میں نصف نصف ہو گا اور اس نے جو کچھ فروخت کیا اس کی نصف قیمت کا اپنے ساتھی کے لیے ضامن ہو گا؛ کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک تقسیم فاسد ہو گئی ہے یعنی جو تقسیم مبادلہ اول میں ہوئی تھی استحقاق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ فاسد تھی تو مبادلہ فاسد ہوا، اور جو چیز عقد فاسد کے ساتھ قبضہ میں لی جائے وہ مملوک ہو جاتی ہے پس شریک کا اس حصہ کو فروخت کرنا ملکیت کی وجہ سے نافذ ہو جائے گا اور وہ مضمون بالقیمۃ ہے یعنی اپنے شریک کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہے پس فروخت شدہ کی نصف قیمت کا شریک کے لیے ضامن ہو گا۔

{۷} اگر ورثہ نے ترکہ کو تقسیم کیا پھر ظاہر ہوا کہ میت پر تو قرضخواہوں کا اتنا قرضہ ہے جو اس کے تمام ترکہ کو محیط ہے تو ورثہ کی تقسیم کو مسترد کر دیا جائے گا؛ کیونکہ محیط قرضہ وارثوں کی ملک کے لیے مانع ہے تو چونکہ وارثوں نے غیر کا مال تقسیم کیا ہے اس لیے اس تقسیم کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر قرضخواہوں کا قرضہ محیط نہ ہو تو بھی ان کی تقسیم کو ختم کر دیا جائے گا؛ کیونکہ جس ترکہ کو انہوں نے تقسیم کیا ہے اس کے ساتھ قرضخواہوں کا حق متعلق ہے اس لیے وارثوں کی تقسیم کو ختم کیا جائے گا، البتہ اگر ان کی تقسیم کے بعد ترکہ میں اب تک اتنی مقدار باقی ہو جو مقدار قرضخواہوں کے قرضوں کو ادا کر سکتی ہو تو اس صورت میں تقسیم کو نہیں توڑا جائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں قرضخواہوں کے حق کی ادائیگی کے لیے تقسیم کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

{۸} اور اگر میت کو تقسیم کے بعد قرضخواہوں نے قرضے سے بری کر دیا، یا میت کا قرضہ ورثہ نے اپنے مال سے ادا کر دیا تو قرضخواہوں کا قرضہ خواہ محیط ہو یا غیر محیط ہو، بہر دو صورت یہ تقسیم جائز ہے؛ کیونکہ اس تقسیم سے مانع قرضخواہوں کا حق تھا اور قرضخواہوں کا حق اب نہیں رہا ہے اس لیے تقسیم کو نہیں توڑا جائے گا۔

{۹} اگر تقسیم کرنے والوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ میت پر میرا ہزار درہم قرضہ تھا تو اس کا دعویٰ صحیح ہے؛ کیونکہ اس کے دعویٰ میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ تقسیم کو شروع کرنے کے اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا میت پر قرضہ

نہیں ہے تو اس کے قول و فعل میں تناقض ہے لہذا اس کا دعوی صحیح نہیں ہونا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ تقسیم صورتِ ترکہ کی ہوتی ہے اور قرضہ ترکہ کی مالیت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اس لیے کوئی تناقض نہیں ہے۔ اور اگر اس نے کسی متعین چیز کا دعوی کیا خواہ کسی بھی سبب سے ہو یعنی خواہ ودیعت کا دعوی ہو یا غصب وغیرہ کا بہر صورت اس کا قول نہیں سنا جائے؛ کیونکہ تقسیم پر اقدام کرنا اس کی طرف سے اعتراف ہے کہ مقسوم چیز شرکاء میں مشترک ہے پس اس کا خصوص کا دعوی کرنا اس کے منافی ہے اس لیے اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا۔

فَصْلٌ فِي الْمُهَايَاةِ

یہ فصل مہایات کے بیان میں ہے۔

مہایات کا معنی ہے منافع کو حاصل کرنے کے لیے باری مقرر کرنا، اور مصنف جب اعیان کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے اعراض کی تقسیم کو شروع فرمارہے ہیں، چونکہ اعراض اعیان کی فرع ہیں ہے اس لیے ان کے بیان کو مؤخر کر دیا۔

{1} الْمُهَايَأَةُ جَائِزَةٌ اسْتِحْسَانًا لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ، إِذْ قَدْ يَتَعَذَّرُ الِاجْتِمَاعُ عَلَى الِانْتِفَاعِ فَأَشْبَهَ الْقِسْمَةَ.

مہایات جائز ہے استحساناً بوجہ حاجت کے اس کی طرف، اس لیے کہ کبھی متعذر ہوتا ہے اجتماع انتفاع پر، پس یہ مشابہ ہو گیا تقسیم کے،

وَلِهَذَا يَجْرِي فِيهِ جَبْرُ الْقَاضِي كَمَا يَجْرِي فِي الْقِسْمَةِ {2} إِلَّا أَنَّ الْقِسْمَةَ أَقْوَى مِنْهُ فِي اسْتِكْمَالِ الْمَنْفَعَةِ لِأَنَّهُ

اور اسی لیے جاری ہوتا ہے اس میں قاضی کا جبر جیسا کہ جاری ہوتا ہے تقسیم میں، البتہ تقسیم قوی ہے اس سے منفعت کی تکمیل میں؛ کیونکہ

جَمْعُ الْمَنَافِعِ فِي زَمَانٍ وَاحِدٍ، وَالتَّهَايُؤُ جَمْعٌ عَلَى التَّعَاقُبِ، وَلِهَذَا لَوْ طَلَبَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْقِسْمَةَ

یہ جمع ہے منافع کا ایک ہی زمانے میں، اور مہایات جمع کرنا ہے یکے بعد دیگرے، اور اسی لیے اگر مطالبہ کرے دونوں شریکوں میں سے ایک تقسیم کا

وَالْآخَرُ الْمُهَايَأَةَ يَقْسِمُ الْقَاضِي لِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي التَّكْمِيلِ. وَلَوْ وَقَعَتْ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ثُمَّ طَلَبَ

اور دوسرا مہایات کا، تو تقسیم کرے گا قاضی؛ کیونکہ تقسیم زیادہ کامل ہے تکمیل میں، اور اگر واقع ہوئی اس میں جو قابل تقسیم ہے پھر طلب کیا

أَحَدُهُمَا الْقِسْمَةَ يَقْسِمُ وَتَبْطُلُ الْمُهَايَأَةُ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ، وَلَا يَبْطُلُ التَّهَايُؤُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا

دونوں میں سے ایک نے تقسیم کو، تو تقسیم کرے اور باطل ہو جائے گی مہایات؛ کیونکہ اس میں مبالغہ زیادہ ہے، اور مہایات باطل نہیں ہوتی ہے دونوں میں سے ایک کی موت

وَلَا بِمَوْتِهِمَا لِأَنَّهُ لَوِ انْتَقَضَ لَاسْتَأْنَفَهُ الْحَاكِمُ فَلَا فَائِدَةَ فِي النَّقْضِ ثُمَّ الِاسْتِئْنَافِ {3} وَلَوْ تَهَايَأَ

یا دونوں کی موت سے؛ کیونکہ اگر ٹوٹ جائے تو حاکم از سر نو بحال کرے گا اور کوئی فائدہ نہیں ٹوٹنے پھر بحال کرنے میں۔ اور اگر دونوں نے مہایات کی

فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ عَلَى أَنْ يَسْكُنَ هَذَا طَائِفَةً وَهَذَا طَائِفَةً أَوْ هَذَا عُلْوَهَا وَهَذَا سُفْلَهَا جَازَ ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ جَائِزَةٌ

ایک مکان میں اس طرح کہ رہے گا یہ ایک حصے میں اور یہ دوسرے میں، یا یہ بالاخانہ میں اور یہ نچلی منزل میں تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ تقسیم اس طور پر جائز ہے

فَكَذَا الْمُهَايَأَةُ ، وَالتَّهَايُؤُ فِي هَذَا الْوَجْهِ إِفْرَازٌ لِجَمِيعِ الْأَنْصِبَاءِ لَا مُبَادَلَةٌ وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّأْقِيتُ

تو اسی طرح مہایات بھی جائز ہوگی، اور مہایات اس صورت میں افراز ہے تمام حصوں کا نہ کہ مبادلہ، اور اسی لیے شرط نہیں ہے اس میں وقت کی تعین

وَلِكُلِّ وَاحِدٍ أَنْ يَسْتَغِلَّ مَا أَصَابَهُ بِالْمُهَايَأَةِ شُرِطَ ذَلِكَ فِي الْعَقْدِ أَوْ لَمْ يُشْتَرَطْ ؛ لِحُدُوثِ

اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ کرایہ پر دے وہ حصہ تو اس کو پہنچا ہے مہایات میں خواہ شرط کی ہو اس کی عقد میں یا شرط نہ کی ہو؛ بوجہ پیدا ہونے

الْمَنَافِعِ عَلَى مِلْكِهِ{۴} وَلَوْ تَهَايَئَا فِي عَبْدٍ وَاحِدٍ عَلَى أَنْ يَخْدُمَ هَذَا يَوْمًا وَهَذَا يَوْمًا

منافع کے اس کی ملک پر۔ اور اگر دونوں نے مہایات کی ایک غلام میں اس طور پر کہ خدمت کرے گا اس کی ایک دن اور اس کی ایک دن

جَازَ ، وَكَذَا هَذَا فِي الْبَيْتِ الصَّغِيرِ - لِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ قَدْ تَكُونُ فِي الزَّمَانِ ، وَقَدْ تَكُونُ مِنْ حَيْثُ الْمَكَانِ

تو یہ جائز ہے، اور اسی طرح یہ چھوٹے کمرے میں بھی جائز ہے؛ کیونکہ مہایات کبھی ہوتی ہے زمانے میں اور کبھی من حیث المکان ہوتی ہے

وَالْأَوَّلُ مُتَعَيِّنٌ هَاهُنَا{۵} وَلَوِ اخْتَلَفَا فِي التَّهَايُؤِ مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ فِي مَحَلٍّ يَحْتَمِلُهُمَا

اور اول متعین ہے یہاں، اور اگر دونوں نے اختلاف کیا مہایات میں زمان و مکان کی حیثیت سے ایسے محل میں جو احتمال رکھتا ہے دونوں کا

يَأْمُرُهُمَا الْقَاضِي بِأَنْ يَتَّفِقَا ؛ لِأَنَّ التَّهَايُؤَ فِي الْمَكَانِ أَعْدَلُ وَفِي الزَّمَانِ أَكْمَلُ ، فَلَمَّا اخْتَلَفَتِ الْجِهَةُ

تو امر کرے دونوں کو قاضی کہ اتفاق کریں؛ کیونکہ مہایات مکان میں اعدل ہے اور زمان میں اکمل ہے، پس جب مختلف ہوگئی جہت

لَا بُدَّ مِنَ الِاتِّفَاقِ - فَإِنِ اخْتَارَاهُ مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ يُقْرِعُ فِي الْبِدَايَةِ ؛ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ{۶} وَلَوْ تَهَايَئَا

تو ضروری ہے اتفاق، پس اگر دونوں نے اختیار کیا زمان کی حیثیت سے تو قرعہ کریں شروع میں ختم کرتے ہوئے تہمت کو۔ اور اگر دونوں نے مہایات کی

فِي الْعَبْدَيْنِ عَلَى أَنْ يَخْدُمَ هَذَا هَذَا الْعَبْدُ وَالْآخَرَ الْآخَرُ جَازَ عِنْدَهُمَا ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ

دو غلاموں میں اس طور پر کہ خدمت کرے گا اس کی یہ غلام اور دوسرے کی دوسرا غلام تو جائز ہے صاحبین ؒ کے نزدیک؛ کیونکہ تقسیم اس طریقہ پر

جَائِزَةٌ عِنْدَهُمَا جَبْرًا مِنَ الْقَاضِي وَبِالتَّرَاضِي فَكَذَا الْمُهَايَأَةُ .وَقِيلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

جائز ہے صاحبین ؒ کے نزدیک قاضی کی طرف سے جبر اور باہمی رضامندی سے، پس اسی طرح مہایات ہے، اور کہا گیا ہے امام صاحب ؒ کے نزدیک

لَا يَقْسِمُ الْقَاضِي .وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْهُ لِأَنَّهُ لَا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ عِنْدَهُ.

تقسیم نہیں کرے گا قاضی، اور اسی طرح مروی ہے امام صاحب ؒ سے؛ کیونکہ نہیں جاری ہوتا ہے اس میں جبر امام صاحب ؒ کے نزدیک،

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَقْسِمُ الْقَاضِي عِنْدَهُ أَيْضًا ، لِأَنَّ الْمَنَافِعَ مِنْ حَيْثُ الْخِدْمَةِ قَلَّمَا تَتَفَاوَتُ،

اور اصح یہ ہے کہ تقسیم کرے گا قاضی امام صاحبؒ کے نزدیک بھی؛ کیونکہ منافع خدمت کے اعتبار سے بہت کم متفاوت ہوتے ہیں،

بِخِلَافِ أَعْيَانِ الرَّقِيقِ لِأَنَّهَا تَتَفَاوَتُ تَفَاوُتًا فَاحِشًا عَلَى مَا تَقَدَّمَ{۷} وَلَوْ تَهَايَئَا فِيهِمَا عَلَى أَنَّ نَفَقَةَ كُلِّ عَبْدٍ

برخلافِ اعیانِ رقیق کے؛ کیونکہ وہ متفاوت ہوتے ہیں بہت زیادہ جیسا کہ گذر چکا۔ اور اگر دونوں نے مہایات کی اس شرط پر کہ نفقہ ہر غلام کا

عَلَى مَنْ يَأْخُذُهُ جَازَ ؛ اسْتِحْسَانًا لِلْمُسَامَحَةِ فِي إِطْعَامِ الْمَمَالِيكِ بِخِلَافِ شَرْطِ الْكِسْوَةِ

اس پر ہوگا جو لے گا اس کو تو جائز ہے استحساناً چشم پوشی کرتے ہوئے غلاموں کو کھلانے کے سلسلے میں برخلافِ کپڑے کی شرط لگانے کے

لَا يُسَامَحُ فِيهَا{۸} وَلَوْ تَهَايَئَا فِي دَارَيْنِ عَلَى أَنْ يَسْكُنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دَارًا

کیونکہ چشم پوشی نہیں کی جاتی ہے اس میں۔ اور اگر دونوں نے مہایات کی دو گھروں میں اس شرط پر کہ رہے گا ہر ایک ان دونوں میں سے ایک گھر میں

جَازَ وَيُجْبِرُ الْقَاضِي عَلَيْهِ ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا ظَاهِرٌ ، لِأَنَّ الدَّارَيْنِ عِنْدَهُمَا كَدَارٍ وَاحِدَةٍ.

تو جائز ہے، اور مجبور کرے گا قاضی اس پر، بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ دو گھر ان کے نزدیک ایک گھر کی طرح ہیں،

وَقَدْ قِيلَ لَا يُجْبِرُ عِنْدَهُ اعْتِبَارًا بِالْقِسْمَةِ . {۹}وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ

اور کہا گیا ہے کہ جبر نہیں کرے گا امام صاحبؒ کے نزدیک؛ قیاس کرتے ہوئے تقسیم پر، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ جائز نہیں ہے

التَّهَايُؤُ فِيهِمَا أَصْلًا بِالْجَبْرِ لِمَا قُلْنَا ، وَبِالتَّرَاضِي لِأَنَّهُ بَيْعُ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى،

مہایات دو گھروں میں بالکل، جبر سے تو اس وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور باہمی رضامندی سے اس لیے کہ یہ بیع ہے رہائش کی رہائش کے عوض

بِخِلَافِ قِسْمَةِ رَقَبَتِهِمَا لِأَنَّ بَيْعَ بَعْضُ أَحَدِهِمَا بِبَعْضِ الْآخَرِ جَائِزٌ.

برخلاف ان گھروں کے رقبوں کی تقسیم کے؛ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے بعض کی بیع دوسرے کے بعض کے عوض جائز ہے؛

{۱۰}وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ التَّفَاوُتَ يَقِلُّ فِي الْمَنَافِعِ فَيَجُوزُ بِالتَّرَاضِي وَيَجْرِي فِيهِ جَبْرُ الْقَاضِي

ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ تفاوت کم ہوتا ہے منافع میں، پس یہ جائز ہے باہمی رضامندی سے، اور جاری ہوگا اس میں قاضی کا جبر،

وَيُعْتَبَرُ إِفْرَازًا أَمَّا يَكْثُرُ التَّفَاوُتُ فِي أَعْيَانِهِمَا فَاعْتُبِرَ مُبَادَلَةً

اور مانا جائے گا اسے افراز، رہا کثرتِ تفاوت ان کے اعیان میں تو اسے مانا گیا ہے مبادلہ۔

تشریح:۔{۱} مشترک چیز سے نفع حاصل کرنے کے لیے باری مقرر کرنا استحسانًا جائز ہے؛ کیونکہ اس کی ضرورت ہے اس لیے کہ کبھی شرکاء کا اجتماعی طور پر نفع حاصل کرنا متعذر ہوتا ہے اس لیے باری مقرر کرنا ضروری ہو جاتا ہے پس یہ تقسیم کے مشابہ ہے کہ جیسے وہاں عین پر اجتماع مشکل ہونے کی وجہ سے عین کو تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں منافع پر اجتماع مشکل ہونے کی وجہ سے باری مقرر کرنا ضروری ہوتا ہے اور جیسا کہ قسمت میں قاضی بعض شرکاء کے مطالبے پر دوسرے شرکاء کو تقسیم پر مجبور کر سکتا ہے اسی طرح یہاں بھی بعض شرکاء کے مطالبے پر قاضی دوسروں کو مہایات پر مجبور کر سکتا ہے۔

{۲} البتہ قسمت منفعت کی تکمیل میں مہایات سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ تقسیم میں ایک زمانے میں منافع کو جمع کیا جاتا ہے اور مہایات میں یکے بعد دیگرے جمع کیا جاتا ہے، اسی لیے اگر ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے مہایات کا تو قاضی تقسیم کرے گا؛ کیونکہ تقسیم تکمیلِ منفعت میں مہایات سے زیادہ بلیغ ہے، اسی طرح اگر قابلِ تقسیم چیز میں باری مقرر ہوگئی تھی پھر ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو تقسیم کی جائے گی اور مہایات کو باطل ہو جائے گی؛ کیونکہ قسمت مہایات سے زیادہ قوی ہے۔

اور مہایات ایک یا دونوں شریکوں کی موت سے باطل نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ اگر ٹوٹ جائے تو حاکم اس کو از سرِ نو دوبارہ مقرر کرے گا، ظاہر ہے کہ توڑنے میں اور پھر دوبارہ مقرر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ کسی کی موت سے باطل ہی نہ ہوگی۔

{۳} اگر دو شریکوں نے ایک مکان میں اس طرح باری مقرر کی کہ ایک مکان کے ایک حصے میں رہے گا اور دوسرا مکان کے دوسرے حصے میں رہے گا، یا ایک بالائی منزل میں رہے گا اور دوسرا نچلی منزل میں رہے گا تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ ایک مشترک مکان کو اس طرح تقسیم کرنا جائز ہے تو مہایات بھی جائز ہوگی۔ اور اس طرح باری مقرر کرنا تمام حصوں کا افراز ہے اس صورت میں مبادلہ نہیں ہے، اور اگر مہایات دارِ واحدہ میں دو زمانوں میں ہوتی تو وہ مبادلہ ہوتا افراز نہ ہوتا گویا ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کا حصہ قرض لے رہا ہے لہٰذا اس میں وقت کی تعیین شرط نہیں ہے، اور اگر یہ مبادلہ ہوتا تو اس میں وقت کی تعیین ضروری ہوتی؛ کیونکہ مبادلہ کی صورت میں منافع کی تملیک عوض کے بدلے میں ہوتی ہے تو وہ اجارہ کے درجہ میں ہوتا جس میں تعیینِ وقت ضروری ہے تو یہاں بھی تعیینِ وقت ضروری ہوتی۔

اور ہر ایک شریک کو مہایات میں جو حصہ ملا ہے وہ کرایہ پر دے سکتا ہے خواہ عقد میں اس کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو؛ کیونکہ منافع ہر ایک کی ملک پر الگ الگ پیدا ہو رہے ہیں اور ضابطہ ہے کہ جس کی ملک پر منافع پیدا ہوں وہ بلا شرط اسے اجارہ پر دے سکتا ہے۔

{۴}اور اگر شریکوں نے ایک غلام میں اس طرح باری مقرر کی کہ ایک دن ایک کی خدمت کرے گا اور دوسرا دن دوسرے کی خدمت کرے گا تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر ایک چھوٹے کمرے میں اس طرح باری مقرر کی کہ ایک دن ایک اس میں رہے گا اور دوسرا دن دوسرا اس میں رہے گا تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ مہایات کبھی زمان میں ہوتی ہے اور کبھی مکان کے اعتبار سے ہوتی ہے، پھر یہاں زمانے کے اعتبار سے مہایات متعین ہے اس لیے مہایات کی یہ صورت جائز ہے۔

{۵}اگر دونوں شریکوں نے ایک ایسے محل میں مہایات فی الزمان اور مہایات فی المکان کے اعتبار سے اختلاف کیا جو محل ان دونوں کا احتمال رکھتا ہے یعنی ایک کہتا ہے کہ مہایات یہ تھی کہ میں اس مکان کے اگلے حصے میں رہوں گا اور میرا شریک پچھلے حصے میں رہے گا، اور دوسرا کہتا ہے کہ مہایات یہ مقرر ہوئی تھی کہ ایک مہینہ میں رہوں گا اور ایک مہینہ شریک رہے گا تو مکان ان دونوں قسموں کا احتمال رکھتا ہے، پس قاضی ان دونوں کو کسی ایک پر اتفاق کرنے کا حکم کرے گا؛ کیونکہ عدل وانصاف مہایات فی المکان میں زیادہ ہے یوں کہ دونوں بیک وقت نفع حاصل کر رہے ہیں، اور کمال منفعت مہایات فی الزمان میں ہے یوں کہ پورے مکان میں سے اپنی باری میں نفع اٹھانے کا موقع ملتا ہے تو جب جہت مختلف ہوگئی تو اتفاق ضروری ہے۔ پھر اگر دونوں نے مہایات فی الزمان کو اختیار کیا تو دونوں میں سے کون سکونت کی ابتداء کرے گا؟ تو فرمایا کہ قاضی دونوں میں قرعہ اندازی کرے جس کا نام نکلے پہلا مہینہ وہی رہے گا؛ یہ اس لیے کہ اگر قاضی بلا قرعہ کسی ایک کو پہلے موقع دے گا تو اس میں تہمت ہے کہ قاضی بلا وجہ اس کو ترجیح دے رہا ہے پس تہمت سے بچنے کے لیے قاضی دونوں میں قرعہ اندازی کرے۔

{۶}اگر دونوں نے دو غلاموں میں اس طرح باری مقرر کی کہ ایک غلام ایک شریک کی خدمت کرے گا اور دوسرا دوسرے کی تو صاحبینؒ کے نزدیک یہ جائز ہے؛ کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک اس طرح تقسیم جائز ہے قاضی کی طرف سے جبراً بھی اور دونوں کی باہمی رضامندی سے بھی، تو مہایات بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی اس طریقہ پر مہایات کو تقسیم نہ کرے، اور امام خصافؒ نے اسی طرح امام صاحبؒ سے نقل کیا ہے؛ کیونکہ جنس مختلف ہے اس لیے امام صاحبؒ کے نزدیک اس میں جبر جاری نہ ہوگا۔ مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک بھی کسی ایک شریک کی طلب پر قاضی جبراً اس طرح کی تقسیم کر سکتا ہے؛ کیونکہ خدمت کے اعتبار سے منافع میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے لہٰذا یہ جنس متحد ہے مختلف نہیں ہے، برخلافِ عین غلاموں کے؛ کیونکہ ان میں تفاوت بہت زیادہ ہے لہٰذا یہ مختلف جنس ہیں جیسا کہ سابق میں گذر چکا۔

[7] اگر دونوں نے مہایات کی دوغلاموں میں اس طریقہ پر کہ ہر ایک غلام کا نفقہ اسی پر ہوگا جو اس کو لے گا تو یہ استحساناً جائز ہے؛ کیونکہ غلاموں کو کھلانے میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے بخل سے کام نہیں لیا جاتا ہے لہذا اس میں جہالت مفضی الی النزاع نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر کپڑوں کی اس طرح شرط لگائی کہ جو جس کو لے گا اس کے کپڑے اسی پر ہیں، تو یہ جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ کپڑوں میں چشم پوشی نہیں کی جاتی ہے بلکہ بخل سے کام لیا جاتا ہے لہذا کپڑوں میں جہالت مفضی للنزاع ہے اس لیے جائز نہیں۔

[8] اگر دو مکانوں میں اس طرح باری مقرر کی کہ ایک مکان میں ایک شریک رہے گا اور دوسرے میں دوسرا، تو یہ جائز ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کی طلب پر قاضی جبراً یہ مہایات مقرر کرے گا، بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک دو مکان ایک مکان کی طرح ہیں اور اس میں تقسیم کو جائز قرار دیتے ہیں لہذا مہایات بھی جائز ہے، اور امام صاحبؒ سے بھی روایت کیا ہے، مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک تقسیم پر قیاس کرتے ہوئے قاضی اس طرح کی مہایات پر جبر نہیں کرے گا، البتہ اگر وہ باہم راضی ہوں تو جائز ہے۔

[9] اور امام صاحبؒ سے نوادر کی روایت میں مروی ہے کہ دونوں مکانوں میں مہایات بالکل جائز نہیں نہ جبراً اور نہ باہمی رضامندی سے: جبراً جائز نہ ہونے کی وجہ تو وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اختلاف بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے تقسیم جائز نہیں ہے لہذا مہایات بھی جائز نہیں ہے، اور باہمی رضامندی سے اس لیے جائز نہیں ہے کہ یہ سکنی بعوض سکنی کی بیع ہے اور اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے تو مہایات بھی جائز نہ ہوگی۔ اس کے برخلاف دونوں مکانوں کے عین کو باہمی رضامندی سے تقسیم کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ایک مکان کے جزء کو دوسرے مکان کے جزء کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، اور مہایات میں چونکہ دونوں طرف سے منفعت ہوتی ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

[10] امام صاحبؒ سے ظاہر الروایت چونکہ یہی مروی ہے کہ مہایات کی مذکورہ صورت جائز ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منافع میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے پس یہ جنس واحد کی طرح ہیں لہذا باہمی رضامندی سے بھی جائز ہے اور کسی ایک کے مطالبے کی صورت میں قاضی جبر بھی کر سکتا ہے اور اس کو افراز قرار دیا جائے گا یعنی ہر ایک کا اپنا اپنا نفع حاصل کرنا قرار دیا جائے گا۔ باقی دو مکانوں کی ذات میں چونکہ تفاوت بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان میں تقسیم کو مبادلہ قرار دیا جائے گا اور مبادلہ میں جبر جاری نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ راجح یہ ہے کہ اس طرح کی مہایات پر بالاتفاق مجبور کیا جائے گا لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: الراجح الله يجبر علی هذا النوع من التهايؤ وهو قول المتنا الثلاثة فی الصحیح من الروایة لاکما زعم الامام الکرخی قیاساً علی تقسیم ذوات الدور الخ (ھامش الھدایۃ:4ص421)

﴿۱﴾ وَفِي الدَّابَّتَيْنِ لَا يَجُوزُ التَّهَايُؤُ عَلَى الرُّكُوبِ

اور دو جانوروں پر سوار ہونے میں مہایات جائز نہیں

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ ، اعْتِبَارًا بِقِسْمَةِ الْأَعْيَانِ .وَلَهُ أَنَّ الِاسْتِعْمَالَ يَتَفَاوَتُ

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے قیاس کرتے ہوئے تقسیم اعیان پر، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ استعمال مختلف ہوتا ہے

بِتَفَاوُتِ الرَّاكِبِينَ فَإِنَّهُمْ بَيْنَ حَاذِقٍ وَأَخْرَقَ ﴿۲﴾ وَالتَّهَايُؤُ فِي الرُّكُوبِ فِي دَابَّةٍ وَاحِدَةٍ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ لِمَا

سوار ہونے والوں کے تفاوت سے؛ کیونکہ سوار ماہر اور اناڑی ہوتے ہیں، اور مہایات ایک جانور پر سوار ہونے میں اسی اختلاف پر ہے اس دلیل کی وجہ سے

قُلْنَا ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَخْدُمُ بِاخْتِيَارِهِ فَلَا يَتَحَمَّلُ زِيَادَةً عَلَى طَاقَتِهِ وَالدَّابَّةُ

جو ہم کہہ چکے، برخلاف غلام کے؛ کیونکہ وہ خدمت کرتا ہے اپنے اختیار سے پس وہ برداشت نہیں کرے گا اپنی طاقت سے زیادہ، اور جانور

تَحْمِلُهَا ﴿۳﴾ وَأَمَّا التَّهَايُؤُ فِي الِاسْتِغْلَالِ يَجُوزُ فِي الدَّارِ الْوَاحِدَةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَفِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ وَالدَّابَّةِ الْوَاحِدَةِ لَا يَجُوزُ

برداشت کرے گا اس کو۔ رہی مہایات اجرت منافع میں تو جائز ہے ایک گھر میں ظاہر الروایت کے مطابق، اور ایک غلام اور ایک جانور میں جائز نہیں ہے

وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ أَنَّ النَّصِيبَيْنِ يَتَعَاقَبَانِ فِي الِاسْتِيفَاءِ ، وَالِاعْتِدَالُ ثَابِتٌ فِي الْحَالِ .وَالظَّاهِرُ بَقَاؤُهُ فِي الْعَقَارِ

اور وجہ فرق یہ ہے کہ دونوں حصے یکے بعد دیگرے آتے ہیں وصولیابی میں، اور اعتدال ثابت ہے فی الحال، اور ظاہر اس کی بقاء ہے عقار میں

وَتَغَيُّرُهُ فِي الْحَيَوَانِ لِتَوَالِي أَسْبَابِ التَّغَيُّرِ عَلَيْهِ فَتَفُوتُ الْمُعَادَلَةُ .﴿۴﴾ وَلَوْ زَادَتِ الْغَلَّةُ فِي نَوْبَةِ أَحَدِهِمَا

اور اس کا تغیر ہے حیوان میں لگاتار تغیر اسباب کی وجہ سے حیوانات پر، پس فوت ہو جائے گی برابری ۔ اور اگر بڑھ جائے آمدنی کسی ایک کی نوبت میں

عَلَيْهَا فِي نَوْبَةِ الْآخَرِ يَشْتَرِكَانِ فِي الزِّيَادَةِ لِيَتَحَقَّقَ التَّعْدِيلُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ التَّهَايُؤُ عَلَى الْمَنَافِعِ

آمدنی پر دوسرے کی نوبت میں، تو وہ دونوں شریک ہوں گے زیادتی میں؛ تاکہ متحقق ہو جائے برابری، برخلاف اس کے اگر ہو مہایات منافع پر

فَاسْتَغَلَّ أَحَدُهُمَا فِي نَوْبَتِهِ زِيَادَةً ، لِأَنَّ التَّعْدِيلَ فِيمَا وَقَعَ عَلَيْهِ التَّهَايُؤُ حَاصِلٌ

پس اجرت حاصل کرے دونوں میں سے ایک اپنی باری میں زیادہ؛ کیونکہ برابری حاصل ہے اس چیز میں جس پر واقع ہوئی ہے مہایات،

وَهُوَ الْمَنَافِعُ فَلَا تَضُرُّهُ زِيَادَةُ الِاسْتِغْلَالِ مِنْ بَعْدُ ﴿۵﴾ وَالتَّهَايُؤُ عَلَى الِاسْتِغْلَالِ فِي الدَّارَيْنِ جَائِزٌ أَيْضًا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

اور وہ منافع ہیں پس معتبر نہ ہوگی مہایات کے لیے اجرت کی زیادتی برابری کے بعد۔ اور مہایات دو گھروں کی اجرت پر بھی جائز ہے ظاہر الروایت کے مطابق

لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَوْ فَضَلَ غَلَّةُ أَحَدِهِمَا لَا يَشْتَرِكَانِ فِيهِ بِخِلَافِ الدَّارِ الْوَاحِدَةِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے، اور اگر بڑھ گئی اجرت دونوں میں سے ایک کی تو وہ دونوں شریک نہ ہوں گے اس میں، برخلاف ایک گھر کے

وَالْفَرْقُ أَنَّ فِي الدَّارَيْنِ مَعْنَى التَّمْيِيزِ، وَالْإِفْرَازُ رَاجِحٌ لِاتِّحَادِ زَمَانِ الِاسْتِيفَاءِ، وَفِي الدَّارِ الْوَاحِدَةِ يَتَعَاقَبُ الْوُصُولُ

اور فرق یہ ہے کہ دو گھروں میں تمیز اور افراز کا معنی راجح ہے؛ زمانہ وصولیابی متحد ہونے کی وجہ سے، اور ایک گھر میں یکے بعد دیگرے ہوتی ہے وصولیابی

فَاعْتُبِرَ قَرْضًا وَجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ فِي نَوْبَتِهِ كَالْوَكِيلِ عَنْ صَاحِبِهِ فَلِهَذَا يَرُدُّ

پس مان لیا گیا اسے قرض، اور قرار دیا گیا ہر ایک اپنی باری میں وکیل کی طرح اپنے ساتھی کی طرف سے، پس اسی لیے وہ واپس کرے گا

عَلَيْهِ حِصَّتَهُ مِنَ الْفَضْلِ ، {٦}وَكَذَا يَجُوزُ فِي الْعَبْدَيْنِ عِنْدَهُمَا اعْتِبَارًا بِالتَّهَايُؤِ فِي الْمَنَافِعِ،

اپنے ساتھی کو اس کا حصہ زیادتی سے۔ اور اسی طرح جائز ہے دو غلاموں میں صاحبینؒ کے نزدیک؛ قیاس کرتے ہوئے منافع میں مہایات پر

وَلَا يَجُوزُ عِنْدَهُ لِأَنَّ التَّفَاوُتَ فِي أَعْيَانِ الرَّقِيقِ أَكْثَرُ مِنْهُ مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ فِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ

اور جائز نہیں ہے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ تفاوت غلاموں کے اعیان میں زیادہ ہے زمانے کے اعتبار سے ایک غلام میں تفاوت سے

فَأَوْلَى أَنْ يَمْتَنِعَ الْجَوَازُ ، {٧}وَالتَّهَايُؤُ فِي الْخِدْمَةِ جُوِّزَ ضَرُورَةً ، وَلَا ضَرُورَةَ فِي الْغَلَّةِ لِإِمْكَانِ قِسْمَتِهَا

پس اولیٰ ہے کہ ممتنع ہو جواز، اور مہایات خدمت میں جائز قرار دی گئی ہے ضرورۃً، اور ضرورت نہیں ہے اجرت میں؛ بوجہ ممکن ہونے اس کی تقسیم کے

لِكَوْنِهَا عَيْنًا ، وَلِأَنَّ الظَّاهِرَ هُوَ التَّسَامُحُ فِي الْخِدْمَةِ وَالِاسْتِقْصَاءُ فِي الِاسْتِغْلَالِ فَلَا يَتَقَاسَانِ

اس کے عین ہونے کی وجہ سے، اور اس لیے کہ ظاہر چشم پوشی ہے خدمت میں، اور پوری وصولیابی ہے اجرت میں، پس یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں

وَلَا يَجُوزُ فِي الدَّابَّتَيْنِ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا ؛ وَالْوَجْهُ مَا بَيَّنَّاهُ فِي الرُّكُوبِ

اور جائز نہیں ہے دو جانوروں میں امام صاحبؒ کے نزدیک، اختلاف ہے صاحبینؒ کا اور وجہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے سواری کے مسئلے میں

{٨} وَلَوْ كَانَ نَخْلٌ أَوْ شَجَرٌ أَوْ غَنَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَتَهَايَآ عَلَى أَنْ يَأْخُذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا طَائِفَةً يَسْتَثْمِرُهَا

اور اگر ہو کھجور یا درخت یا بکری دو میں مشترک، پس دونوں نے مہایات کی اس پر کہ لے گا ہر ایک ان دونوں میں سے ایک حصہ، کہ اس سے پھل حاصل کرے

أَوْ يَرْعَاهَا وَيَشْرَبُ أَلْبَانَهَا لَا يَجُوزُ ، لِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ فِي الْمَنَافِعِ ضَرُورَةَ أَنَّهَا لَا تَبْقَى فَيَتَعَذَّرُ

یا بکریاں چرا کر اس کا دودھ پیئے، تو جائز نہیں؛ کیونکہ مہایات منافع میں اس ضرورت سے ہے کہ وہ باقی نہیں رہتے ہیں، پس متعذر ہے

قِسْمَتُهَا ، وَهَذِهِ أَعْيَانٌ بَاقِيَةٌ تَرِدُ عَلَيْهَا الْقِسْمَةُ عِنْدَ حُصُولِهَا .{٩}وَالْحِيلَةُ أَنْ يَبِيعَ

ان کی تقسیم، اور یہ اعیان باقی رہنے والے ہیں وارد ہوتی ہے ان پر تقسیم ان کے حصول کے وقت، اور حیلہ یہ ہے کہ فروخت کردے

حِصَّتَهُ مِنَ الْآخَرِ ثُمَّ يَشْتَرِيَ كُلَّهَا بَعْدَ مُضِيِّ نَوْبَتِهِ أَوْ يَنْتَفِعَ بِاللَّبَنِ بِمِقْدَارٍ مَعْلُومٍ اسْتِقْرَاضًا

اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ پھر خرید لے کل اس کی نوبت گذرنے کے بعد یا نفع اٹھاتا رہے معلوم مقدار دودھ سے قرض لینے کے طور پر

لِنَصِيبِ صَاحِبِهِ ، إذْ قَرْضُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ .

اپنے ساتھی کے حصہ سے؛ کیونکہ مشاع کا قرض جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱} اور اگر سواری کے دو مشترک جانوروں پر سوار ہونے میں باری مقرر کی، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے ، اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے؛ صاحبینؒ مہایات کو اعیان کی تقسیم پر قیاس کرتے ہیں یعنی جس طرح کہ ایک جنس کے جانوروں میں ان کے اعیان کو تقسیم کرنا جائز ہے اسی طرح ان کی منفعت میں مہایات بھی جائز ہوگی۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ سواروں کے اختلاف سے استعمال میں تفاوت ہوتا ہے؛ کیونکہ سوار بعض حاذق اور ہوشیار ہوتے ہیں اور بعض احمق اور جاہل ہوتے ہیں، پس ہوشیار کی سواری سے جانور کو ضرر نہیں پہنچتا ہے جبکہ اناڑی کی سواری سے جانور کو ضرر پہنچتا ہے اس لیے اس طرح کی مہایات جائز نہیں ہے۔

{۲} اور ایک جانور کی سواری میں باری مقرر کرنے میں بھی یہی اختلاف ہے؛ دلیل وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کی۔ اس کے برخلاف غلام میں اس طرح خدمت کے اعتبار سے باری مقرر کرنا جائز ہے؛ کیونکہ غلام اپنے اختیار سے خدمت کرتا ہے تو وہ اپنی طاقت سے زیادہ مشقت نہیں اٹھائے گا، اور جانور بے چارہ کبھی مجبور ہو کر اپنی طاقت سے زیادہ مشقت برداشت کر لیتا ہے۔

{۳} رہا آمدنی میں باری مقرر کرنا تو یہ ظاہر الروایت کے مطابق ایک مکان میں جائز ہے مثلاً مکان کی ایک سال کی آمدنی ایک کی ہو اور دوسرے سال کی دوسرے کی ہو، مگر ایک غلام اور ایک جانور میں کی آمدنی میں باری مقرر کرنا جائز نہیں ہے؛ وجہ فرق یہ ہے کہ دونوں حصے وصولیابی کے اعتبار سے یکے بعد دیگرے ہیں اور فی الحال دونوں حصوں میں اعتدال ثابت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ عقار میں اعتدال بعد میں بھی برقرار رہے گا؛ کیونکہ عقار میں تغیر نہیں آتا ہے، جبکہ غلام اور حیوانوں میں اعتدال باقی نہیں رہتا ہے ؛ کیونکہ حیوان کبھی کمزور کبھی بیمار ہوتا ہے یوں اس پر تغیر کے اسباب آتے رہتے ہیں اس لیے ان سے نفع حاصل کرنے میں برابری باقی نہیں رہ سکتی ہے۔

{۴} اور اگر ایک شریک کی باری میں آمدنی میں اضافہ ہوا دوسرے شریک کی باری کی آمدنی سے مثلاً مکان کا کرایہ ایک کی باری میں سو روپیہ ہے اور دوسرے کی باری میں ایک سو دس روپیہ ہے تو ان زائد دس روپیہ میں دونوں شریک ہوں گے تاکہ دونوں میں

برابری ثابت ہو۔ اور اگر دونوں نے یکے بعد دیگرے اس مکان میں رہنے کے منافع کے بارے میں باری مقرر کی تھی مگر پھر دونوں نے کرایہ پر دے کر ایک نے اپنی باری میں دوسرے سے زیادہ آمدنی حاصل کی تو اس زیادتی میں دونوں شریک نہ ہوں گے؛ کیونکہ برابری اسی چیز میں ضروری ہے جس پر باری مقرر کی گئی ہو اور وہ یہاں منافع ہیں جن میں برابری حاصل ہے پس اس کے بعد آمدنی میں زیادتی مضر نہیں ہے۔

{۵} اور دو گھروں کی آمدنی میں باری مقرر کرنا ظاہر الروایت کے مطابق جائز ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ فی الحال اعتدال ثابت ہے اور مکان میں تغیر نہیں آتا ہے لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اعتدال بعد میں بھی برقرار رہے گا۔ اور اگر ایک کی آمدنی زیادہ ہو جائے مثلاً ایک نے مکان سو روپیہ کرایہ پر دیا اور دوسرے نے ایک سو دس روپیہ کرایہ پر دیا تو زائد آمدنی میں دونوں شریک نہ ہوں گے، اس کے برخلاف ایک مکان کی آمدنی اگر ایک کی باری میں زیادہ ہو تو اس میں دونوں شریک ہوں گے جیسا کہ اوپر گذر چکا، دونوں صورتوں میں وجہِ فرق یہ ہے کہ دو مکانوں کی صورت میں تمیز اور افراز کا معنی راجح ہے؛ کیونکہ دونوں مکانوں سے منافع حاصل کرنے کا زمانہ ایک ہے جبکہ ایک مکان کی صورت میں منافع یکے بعد دیگرے حاصل کئے جاتے ہیں تو اس کو قرض شمار کیا جائے گا گویا ایک نے اس مہینے کی آمدنی کا اپنا حصہ دوسرے کو اس شرط پر قرض پر دیا ہے کہ دوسرے مہینے میں اس کے حصے سے وصول کرے گا اور ہر ایک کو اس کی باری میں یہ شمار کیا جائے گا کہ یہ اپنے ساتھی کا حصہ کرایہ پر دینے میں اس کا وکیل ہے پس جب دوسرا دوسرے مہینے میں اپنے قرض کے بقدر حاصل کرلے تو اس سے زائد مقدار میں وہ اول کی طرف سے وکیل ہے اس لیے زائد مقدار میں سے اول کا حصہ واپس کرے گا۔

{٦} اسی طرح صاحبینؒ کے نزدیک دو غلاموں میں آمدنی کے اعتبار سے باری مقرر کرنا جائز ہے وہ قیاس کرتے ہیں کہ دو غلاموں سے منافع (خدمت) حاصل کرنے میں باری مقرر کرنے پر کہ حصولِ منافع کے لیے باری مقرر کرنا جائز ہے تو آمدنی میں باری مقرر کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ایک غلام میں یکے بعد دیگرے آمدنی میں باری مقرر کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ایک مہینے میں اتنا کمائے جو دوسرے مہینے میں اتنا نہ کما سکے تو جب ایک غلام کی آمدنی میں اس طرح باری مقرر کرنا جائز نہیں ہے تو دو میں بطریقِ اولیٰ جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ دو غلاموں کی ذات میں زمانے کے اعتبار سے ایک غلام سے تفاوت زیادہ ہے اس لیے کہ دو غلاموں کی صورت میں اعیان الگ الگ ہیں ایک ہوشیار اور دوسرا احمق ہو سکتا ہے۔

{۷} سوال یہ ہے کہ غلام ایک ہو یا دو ہوں، منافع حاصل کرنے کے اعتبار سے ان میں باری مقرر کرنا جائز ہے تو آمدنی کے اعتبار سے کیوں جائز نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ منافع حاصل کرنے کی صورت میں ضرورت ہے؛ کیونکہ منافع باقی نہیں رہتے ہیں کہ

ان کو تقسیم کیا جائے اس لیے باری مقرر کی جائے گی، اور آمدنی چونکہ ایسا عین ہے جو باقی رہتی ہے پس ان کو تقسیم کرنا ممکن ہے اس لیے آمدنی میں باری مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ منافع (خدمت) حاصل کرنے میں آدمی چشم پوشی سے کام لیتا ہے بخل نہیں کرتا ہے جبکہ آمدنی کے بارے میں پورے طور پر حاصل کر کے بخل سے کام لیتا ہے اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اور دو جانوروں میں آمدنی کے اعتبار سے باری مقرر کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے؛ ہر ایک فریق کی دلیل وہی ہے جو رکوب کے مسئلہ میں گذر چکی۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی: القول الراجح هو قول الصاحبین ،قال العلامة الحصكفي :او دارين يسكن كل داراً اني ان قال صح التهايؤ في الوجوه الستة استحساناً اتفاقاً و الاصح ان القاضي يهايئ بينهما جبراً بطلب احدهما (القول الراجح:2ص283).

{۸} اور اگر کھجور یا دیگر درخت یا بکریاں دو آدمیوں میں مشترک ہوں دونوں نے اس طرح باری مقرر کی کہ ہر ایک کچھ لے کر اس سے پھل حاصل کرے یا ہر ایک کچھ بکریاں لے کر ان کو چرائے اور ان کا دودھ پیئے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ منافع میں مہایات تو اس ضرورت سے ہوتی ہے کہ منافع باقی نہیں رہتے ہیں لہٰذا ان کی تقسیم متعذر ہے اس لیے ان میں باری مقرر کی جاتی ہے جبکہ یہاں تو حاصل ہونے والا دودھ اور پھل اعیان میں سے ہیں جن کے لیے بقاء ہے پس ان کے حصول کے وقت ان کی تقسیم متعذر نہیں ہے لہٰذا ان کو تقسیم کیا جائے گا اس لیے باری مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

{۹} اگر کوئی دودھ اور پھلوں میں مہایات کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ ایک شریک درختوں اور بکریوں میں اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے وہ اپنی باری میں ان تمام سے نفع اٹھائے پھر جب اس کی باری پوری ہو جائے تو اول شریک تمام درختوں اور بکریوں کو خرید لے اور اپنی باری میں ان سے نفع اٹھائے۔ یا یہ حیلہ اختیار کرے کہ ایک شریک دوسرے کی بکریاں اپنے پاس رکھے اور اپنی باری میں شریک کے دودھ کی متعین مقدار کو قرض لے کر اس سے نفع حاصل کرے، پھر جب دوسرے کی باری آئے تو وہ تمام بکریاں اپنے پاس رکھے اور اول شریک کے دودھ سے اپنا قرض وصول کر لے، یہاں بے شک اس نے ایسے دودھ کو قرض لیا ہے جو مشاع ہے، مگر مشاع کا قرض لینا جائز ہے اس لیے یہ حیلہ صحیح ہے۔

كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ

یہ کتاب مزارعت کے بیان میں ہے۔

"مزارعة" ماخوذ ہے "زرع" بمعنی بونے، بیج ڈالنے سے، اور شریعت میں "عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ" یعنی پیداوار کے بعض حصہ پر کھیتی کرنے کے عقد کو مزارعت کہتے ہیں، مزارعت کو مخابرہ اور محاقلہ بھی کہتے ہیں۔

"كتاب المزارعة" اور "كتاب القسمة" میں مناسب ظاہر ہے؛ کیونکہ مزارعت میں بھی زمین کی پیداوار مالک اور مزارع کے درمیان تقسیم کی جاتی ہے، پس تقسیم املاک کی حد تک دونوں میں اشتراک پایا جاتا ہے اس لیے قسمت کے بعد مزارعت کے احکام کو ذکر فرمایا ہے۔

{1} قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : الْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَةٌ ، اعْلَمْ أَنَّ الْمُزَارَعَةَ لُغَةً : مُفَاعَلَةٌ مِنَ الزَّرْعِ

فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے کہ مزارعت تہائی اور چوتھائی پر باطل ہے۔ جان لو: کہ مزارعت لغت میں مفاعلة کے وزن پر زرع سے ہے،

وَفِي الشَّرِيعَةِ : هِيَ عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ .وَهِيَ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَ

اور شریعت میں ایک عقد ہے جو واقع ہوتا ہے کاشت پر بعض پیداوار کے عوض، اور زراعت فاسد ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور

قَالَ:هِيَ جَائِزَةٌ لِمَارُوِيَ{أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَعَلَى نِصْفِ مَايَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٍأَوزَرْعٍ[1]}{2} وَلِأَنَّهُ عَقْدُ شَرِكَةٍ

صاحبینؒ نے فرمایا جائز ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے معاملہ کیا اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پھل یا کھیتی پر، اور اس لیے کہ یہ عقد شرکت ہے

بَيْنَ الْمَالِ وَالْعَمَلِ فَيَجُوزُ اعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ وَالْجَامِعُ دَفْعُ الْحَاجَةِ ، فَإِنَّ ذَا الْمَالِ قَدْ لَا يَهْتَدِي إِلَى الْعَمَلِ

مال اور عمل کے درمیان، پس جائز ہے قیاس کرتے ہوئے مضاربت پر، اور جامع حاجت دور کرنا ہے؛ کیونکہ صاحب مال کبھی راہ نہیں پاتا ہے کام کی

وَالْقَوِيُّ عَلَيْهِ لَايَجِدُالْمَالَ،فَمَسَّتِ الْحَاجَةُإِلَى انْعِقَادِهَذَاالْعَقْدِبَيْنَهُمَا{3} بِخِلَافِ دَفْعِ الْغَنَمِ وَالدَّجَاجِ وَدُودِالْقَزِّ

اور کام پر قادر شخص نہیں پاتا ہے مال کو پس پیش آئی حاجت اس عقد کے انعقاد کی دونوں کے درمیان، برخلاف بکری، مرغی اور ریشم کے کیڑے

([1]) قُلْت: أَخْرَجَهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ، أَوْ زَرْعٍ، وَفِي لَفْظٍ: لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ سَأَلَ الْيَهُودُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِرَّهُمْ فِيهَا عَلَى أَنْ يَعْمَلُوا عَلَى نِصْفِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نُقِرُّكُمْ فِيهَا عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا"، وَاخْتَصَرَ الْحَدِيثَ، ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ فِي مَوَاضِعَ مِنْ كِتَابِهِ وَمُسْلِمٌ، وَأَبُو دَاوُد فِي الْبُيُوعِ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ فِي الْأَحْكَامِ، (نصب الراية:4ص454)

مُعَامَلَةً بِنِصْفِ الزَّوَائِدِ لِأَنَّهُ لَا أَثَرَ هُنَاكَ لِلْعَمَلِ فِي تَحْصِيلِهَا فَلَمْ تَتَحَقَّقْ شَرِكَةٌ .﴿۴﴾وَلَهُ مَا

دینے کا معاملہ نصف زوائد کے عوض؛ کیونکہ کوئی اثر نہیں یہاں عمل کو زوائد کو حاصل کرنے میں، پس متحقق نہ ہوئی شرکت۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل وہ ہے

رُوِيَ { أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَهِيَ الْمُزَارَعَةُ[1] } وَلِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ بِبَعْضِ مَا

جو مروی ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا مخابرہ سے اور مخابرہ مزارعت ہے، اور اس لیے کہ یہ اجیر رکھنا ہے بعوض بعض اس پیداوار کے

يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ ، وَلِأَنَّ الْأَجْرَ مَجْهُولٌ أَوْ مَعْدُومٌ وَكُلُّ ذَلِكَ مُفْسِدٌ،

جو نکلتی ہے اجیر کے عمل سے، پس ہو گا یہ قفیز طحان کے معنی میں، اور اس لیے کہ اجرت مجہول یا معدوم ہے، اور یہ ہر ایک مفسد ہے،

﴿۵﴾وَمُعَامَلَةُ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَ خَيْبَرَ كَانَ خَرَاجَ مُقَاسَمَةٍ بِطَرِيقِ الْمَنِّ وَالصُّلْحِ وَهُوَ جَائِزٌ﴿۶﴾وَإِذَا فَسَدَتْ عِنْدَهُ

اور حضورؐ کا معاملہ اہل خیبر کے ساتھ خراج مقاسمت تھا بطورِ احسان اور صلح، اور وہ جائز ہے۔ اور جب فاسد ہے امام صاحبؒ کے نزدیک،

فَإِنْ سَقَى الْأَرْضَ وَكَرَبَهَا وَلَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ مِنْهُ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى إجَارَةٍ فَاسِدَةٍ،

تو اگر سیراب کیا زمین کو اور ہل چلایا اس میں، اور کچھ پیداوار نہ ہوئی، تو اس کے لیے اجرتِ مثل ہو گی؛ کیونکہ یہ اجارہ فاسدہ کے معنی میں ہے

وَهَذَا إذَا كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ صَاحِبِ الْأَرْضِ .وَإِذَا كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِهِ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ وَالْخَارِجُ

اور یہ اس وقت ہے کہ بیج صاحبِ زمین کی طرف سے ہو، اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو اس پر اجرتِ مثل ہے زمین کی، اور پیداوار

فِي الْوَجْهَيْنِ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ وَلِلْآخَرِ الْأَجْرُ كَمَا فَصَّلْنَا،

دونوں صورتوں میں صاحبِ بیج کی ہے؛ کیونکہ یہ بڑھوتری ہے اس کی ملک کی، اور دوسرے کے لیے اجرت ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے،

﴿۷﴾إلَّا أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا لِحَاجَةِ النَّاسِ إلَيْهَا وَلِظُهُورِ تَعَامُلِ الْأُمَّةِ بِهَا .وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ

البتہ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے؛ لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اس کی طرف، اور تعامل امت ظاہر ہونے کی وجہ سے اس پر، اور قیاس ترک کیا جاتا ہے

بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الِاسْتِصْنَاعِ

تعامل کی وجہ سے جیسا کہ استصناع میں ہوتا ہے۔

([1])اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ، وَالْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، قَالَ عَطَاءٌ: فَسَّرَهَا لَنَا جَابِرٌ، قَالَ: أَمَّا الْمُخَابَرَةُ: فَالْأَرْضُ الْبَيْضَاءُ يَدْفَعُهَا الرَّجُلُ إلَى الرَّجُلِ، فَيُنْفِقُ فِيهَا، ثُمَّ يَأْخُذُ مِنَ الثَّمَرِ، وَالْمُحَاقَلَةُ: بَيْعُ الزَّرْعِ الْقَائِمِ بِالْحَبِّ، كَيْلًا، وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ الرُّطَبِ فِي النَّخْلِ بِالتَّمْرِ، كَيْلًا، مُخْتَصَرٌ. (نصب الرایۃ:4ص456)

تشریح:۔{۱}امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ثلث اور ربع وغیرہ کے عوض مزارعت باطل ہے۔صاحب ہدایہؒ نے مزارعت کی اصطلاحی تعریف کی ہے کہ شریعت میں پیداوار کے بعض حصہ پر کھیتی کرنے کے عقد کو مزارعت کہتے ہیں،امام صاحبؒ کے نزدیک مزارعت فاسد ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے؛کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے یہودیوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھا اور یہ طے پایا کہ جو پیداوار پھلوں اور کھیتی کی شکل میں ہو اس کا نصف مسلمانوں کو دیں گے ،جس سے معلوم ہوا کہ مزارعت جائز ہے ورنہ حضور ﷺ اختیار نہ فرماتے۔

{۲}دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح کہ مضاربت جائز ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے مزارعت بھی جائز ہوگی؛کیونکہ جس طرح کہ مضاربت میں مال اور عمل کے درمیان شرکت کا عقد ہوتا ہے کہ ایک کا مال ہے دوسرے کی طرف سے عمل ہے اسی طرح مزارعت میں بھی ایک کا مال (زمین) ہے اور دوسرے کی طرف سے عمل ہے اور دونوں میں علت جامعہ حاجت ہے کہ مسلمانوں کو مضاربت کی طرح مزارعت کی بھی ضرورت ہے،دلیل حاجت یہ ہے کہ بسا اوقات آدمی کے پاس مال ہوتا ہے مگر وہ کام کرنا نہیں جانتا ہے جبکہ دوسرا کام پر قادر ہوتا ہے مگر اس کے پاس مال نہیں ہوتا ہے اس لیے ان دونوں کو ضرورت ہے کہ آپس میں مال اور عمل کے اشتراک کا عقد کرلیں،اس لیے مضاربت اور مزارعت دونوں جائز ہیں۔

{۳}سوال یہ ہے کہ پھر تو چاہیے کہ یہ تین عقود بھی نصف نصف منافع پر جائز ہوں (1) ایک اپنی بکریاں دوسرے کو اس شرط پر دے کہ وہ ان کو چرائے اور ان سے حاصل شدہ بچے اور دودھ دونوں میں مشترک ہوں (2) ایک اپنا مرغیاں دوسرے کو اس شرط پر دے کہ وہ ان کی حفاظت کرے اور ان سے حاصل شدہ بچے اور دودھ دونوں میں مشترک ہوں (3) ایک ریشم کے کیڑے دوسرے کو اس شرط پر دے کہ وہ ان کی حفاظت کرے اور ان سے حاصل شدہ ریشم دونوں میں مشترک رہے،حالانکہ یہ عقود جائز نہیں ہیں؟جواب یہ ہے کہ کام کرنے والے کے کام کا اثر پیداوار میں ظاہر ہونا ضروری ہے اور یہاں دودھ ،بچوں،انڈوں اور ریشم میں کام کرنے والے کے عمل کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا ہے لہٰذا دونوں میں شرکت نہیں پائی گئی اس لیے یہ عقود جائز نہیں ہیں۔

{۴}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے اور مخابرہ مزارعت کو کہتے ہیں اس لیے مزارعت باطل ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ مزارعت میں مزارع کو اجارہ پر لیا جاتا ہے اور اجرت میں اس کے عمل سے پیدا شدہ پیداوار میں سے کچھ دیا جاتا ہے تو یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے اور قفیز الطحان جائز نہیں ہے اس لیے مزارعت بھی جائز نہ ہوگی

۔تیسری وجہ یہ ہے کہ مزارعت میں مزارع کی اجرت یا تو مجہول ہوتی ہے یا بالکل معدوم ہوتی ہے؛کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ پیداوار ہوگی یا نہیں، اور اگر ہوگی تو کتنی ہوگی، اور اجرت خواہ معدوم ہو یا مجہول ہو دونوں مفسدِ عقد ہیں اس لیے مزارعت فاسد ہے۔
ف:۔قفیز الطحان یہ ہے کہ چکی کا مالک دوسرے کا آٹا پیس دے اور آٹے کا مالک اسی آٹے میں سے چکی کے مالک کو پسائی کی اجرت دیدے تو اس کا عدمِ جواز نص سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

{۵}صاحبینؒ نے جو اہلِ خیبر کے واقعہ سے استدلال کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کا معاملہ مزارعت نہیں تھا بلکہ خراج مقاسمت تھا، خراجِ مقاسمت یہ ہے کہ سلطان کفار سے کہہ دیں کہ زمینوں کی پیداوار میں سے جزء شائع مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ ادا کیا کرو، تو یہ حضور ﷺ نے ان پر احسان اور صلح کے طور پر مقرر فرمایا تھا، اور احسان کے طور پر کفار پر خراج مقاسمت مقرر کرنا جائز ہے۔

{٦}امام صاحبؒ کے نزدیک جب مزارعت فاسد ہے پھر بھی اگر دو آدمیوں نے عقدِ مزارعت کرلیا، اور مزارع نے زمین کو سیراب کیا اور اس میں ہل چلایا، مگر پیداوار کچھ نہ ہوئی، تو مزارع کو اجرتِ مثل ملے گی؛کیونکہ یہ اجارہ فاسدہ کے معنی میں ہے کہ زمین کے مالک نے مزارع کو مزدور رکھا ہے اور اجارہ فاسدہ میں مزدور کو اجرتِ مثل ملتی ہے۔صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہو، اور اگر بیج مزارع کی جانب سے ہو تو مزارع پر زمین کی اجرتِ مثل لازم ہوگی اور پیداوار دونوں صورتوں (یعنی خواہ بیج مالک کی طرف سے ہو یا مزارع کی طرف سے ہو) میں بیج کے مالک کو ملے گی؛کیونکہ پیداوار بیج کے مالک کی ملک (بیج) کی بڑھوتری ہے اس لیے پیداوار بیج کے مالک کو ملے گی اور دوسرے کو اجرتِ مثل ملے گی جیسا کہ ہم نے تفصیل بیان کی۔

{۷}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے ؛کیونکہ مزارعت کی جانب لوگوں کی حاجت ہے۔نیز مزارعت پر امت کا تعامل ہے اور تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ آرڈر دے کر کوئی چیز تیار کرانے کی صورت میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو اس لیے کہ مبیع معدوم ہے مگر لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اسی طرح مزارعت کو بھی تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا جائے گا۔

{۱} ثُمَّ الْمُزَارَعَةُ لِصِحَّتِهَا عَلَى قَوْلِ مَنْ يُجِيزُهَا شُرُوطٌ:

پھر صحتِ مزارعت کے لیے ان کے قول کے مطابق جو اس کو جائز سمجھتے ہیں چند شرطیں ہیں

أَحَدُهَا كَوْنُ الْأَرْضِ صَالِحَةً لِلزِّرَاعَةِ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِدُونِهِ. وَالثَّانِي أَنْ يَكُونَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالْمُزَارِعُ مِنْ أَهْلِ الْعَقْدِ

ایک ان میں سے زمین کا قابلِ زراعت ہونا ہے؛ کیونکہ مقصود حاصل نہیں ہوتا اس کے بغیر، ثانی یہ کہ صاحبِ زمین اور مزارع اہل عقد ہوں

وَهُوَ لَا يَخْتَصُّ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ مَا لَا يَصِحُّ إِلَّا مِنَ الْأَهْلِ . وَالثَّالِثُ بَيَانُ الْمُدَّةِ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ

اور یہ شرط مختص نہیں اس عقد کے ساتھ؛ کیونکہ کوئی عقد صحیح نہیں ہوتا ہے مگر اہل عقد سے، اور ثالث بیان مدت ہے؛ کیونکہ یہ عقد ہے

عَلَى مَنَافِعِ الْأَرْضِ أَوْ مَنَافِعِ الْعَامِلِ وَالْمُدَّةُ هِيَ الْمِعْيَارُ لَهَا لِيُعْلَمَ بِهَا {۲} وَالرَّابِعُ بَيَانُ مَنْ عَلَيْهِ الْبَذْرُ؛

منافع زمین پر یا منافع عامل پر، اور مدت ہی معیار ہے اس کے لیے تاکہ معلوم ہو سکے اس سے، اور رابع بیان ہے اس کا جس پر بیج ہے؛

قَطْعًا لِلْمُنَازَعَةِ وَإِعْلَامًا لِلْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ مَنَافِعُ الْأَرْضِ أَوْ مَنَافِعُ الْعَامِلِ . وَالْخَامِسُ بَيَانُ نَصِيبِ مَنْ

منازعت قطع کرنے کے لیے، اور معقود علیہ بتانے کے لیے اور وہ زمین کے منافع ہیں یا عامل کے منافع ہیں۔ اور خامس بیان کرنا ہے اس شخص کے حصے کا

لَا بَذْرَ مِنْ قِبَلِهِ ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ عِوَضًا بِالشَّرْطِ فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مَعْلُومًا ، وَمَا لَا يُعْلَمُ

جس کی طرف سے بیج نہیں ہے؛ کیونکہ وہ حصے کا مستحق ہوتا ہے بطورِ عوض شرط کے طور پر پس ضروری ہے کہ ہو معلوم، اور جو چیز معلوم نہ ہو

لَا يَسْتَحِقُّ شَرْطًا بِالْعَقْدِ . {۳} وَالسَّادِسُ أَنْ يُخَلِّيَ رَبُّ الْأَرْضِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعَامِلِ ، حَتَّى لَوْ شَرَطَ

وہ مستحق نہیں ہوتی بطورِ شرط عقد کے ذریعہ، اور سادس یہ کہ تخلیہ کر دے صاحبِ زمین زمین اور عامل کے درمیان، حتی کہ اگر شرط کرلیا

عَمَلَ رَبِّ الْأَرْضِ يَفْسُدُ الْعَقْدُ ؛ لِفَوَاتِ التَّخْلِيَةِ . وَالسَّابِعُ الشَّرِكَةُ فِي الْخَارِجِ بَعْدَ حُصُولِهِ؛

صاحبِ زمین کے عمل کو تو فاسد ہو جائے گا عقد؛ تخلیہ فوت ہونے کی وجہ سے، اور سابع شرکت ہے پیداوار میں اس کے حصول کے بعد؛

لِأَنَّهُ يَنْعَقِدُ شَرِكَةً فِي الِانْتِهَاءِ ، فَمَا يَقْطَعُ هَذِهِ الشَّرِكَةَ كَانَ مُفْسِدًا لِلْعَقْدِ . وَالثَّامِنُ بَيَانُ جِنْسِ الْبَذْرِ؛

کیونکہ یہ منعقد ہوتا ہے شرکت انتہاء میں، تو جو چیز قطع کر دے اس شرکت کو وہ مفسد ہے عقد کے لیے، اور ثامن جنس بیج بیان کرنا ہے؛

لِيَصِيرَ الْأَجْرُ مَعْلُومًا {۴} قَالَ : وَهِيَ عِنْدَهُمَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: إِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ جَازَتِ

تاکہ اجرت معلوم ہو۔ اور مزارعت صاحبینؒ کے نزدیک چار قسم پر ہے، اگر ہو زمین اور بیج ایک کی اور بیل اور کام دوسرے کا، تو جائز ہے

الْمُزَارَعَةُ ؛ لِأَنَّ الْبَقَرَ آلَةُ الْعَمَلِ فَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ خَيَّاطًا لِيَخِيطَ بِإِبْرَةِ الْخَيَّاطِ ، وَإِنْ كَانَ الْأَرْضُ لِوَاحِدٍ

مزارعت؛ کیونکہ بیل آلہ ہے عمل کا، پس ہو گیا جیسے کسی نے اجارہ پر لیا ہو درزی کو تاکہ وہ سلائی کرے اپنی سوئی سے۔ اور اگر ہو زمین ایک کی

وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ؛ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارُ الْأَرْضِ بِبَعْضٍ مَعْلُومٍ مِنَ الْخَارِجِ فَيَجُوزُ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَهَا

اور عمل، بیل اور بیج دوسرے کے تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ اجارہ پر لینا ہے زمین کو بعض معلوم پیداوار کے عوض، پس جائز ہے جیسا کہ اگر کرایہ پر لے زمین کو

بِدَرَاهِمَ مَعْلُومَةٍ - وَإِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ مِنْ آخَرَ جَازَتْ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ

معلوم دراہم کے عوض۔ اور اگر ہو زمین، بیج اور بیل ایک کے اور عمل دوسرے کا تو جائز ہے؛ کیونکہ اس نے اجارہ پر لیا ہے اجیر کو

لِلْعَمَلِ بِآلَةِ الْمُسْتَأْجِرِ فَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ خَيَّاطًا لِيَخِيطَ ثَوْبَهُ بِإِبْرَتِهِ أَوْ طَيَّانًا

کام کے لیے مستاجر کے آلہ کے ساتھ، پس ہو گیا جیسا کہ جب اجارہ پر لے درزی کو تاکہ سی لے اس کا کپڑا اپنی سوئی سے، یا لپائی کرنے والے کو

لِيُطَيِّنَ بِمَرِّهِ﴿۵﴾ وَإِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ

تاکہ لیپ دے اس کی کرنی سے۔ اور اگر ہو زمین اور بیل ایک کے، اور بیج و عمل دوسرے کے، تو یہ باطل ہے اور یہ جو انہوں نے ذکر کی ہے

ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجُوزُ أَيْضًا ، لِأَنَّهُ لَوْ شَرَطَ الْبَذْرَ وَالْبَقَرَ عَلَيْهِ يَجُوزُ فَكَذَا

ظاہر الروایت ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ اگر شرط لگائی بیج اور بیل کی اس پر تو جائز ہے، پس اسی طرح

إِذَا شَرَطَ وَحْدَهُ وَصَارَ كَجَانِبِ الْعَامِلِ.﴿۶﴾وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ مَنْفَعَةَ الْبَقَرِ لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ مَنْفَعَةِ الْأَرْضِ

جب شرط لگائی ایک کی اور ہو گیا جانب عامل کی طرف سے شرط کی طرح۔ اور وجہ ظاہر الروایت کی یہ ہے کہ بیل کی منفعت زمین کی منفعت کی جنس سے نہیں ہے

لِأَنَّ مَنْفَعَةَ الْأَرْضِ قُوَّةٌ فِي طَبْعِهَا يَحْصُلُ بِهَا النَّمَاءُ ، وَمَنْفَعَةُ الْبَقَرِ صَلَاحِيَةٌ يُقَامُ بِهَا الْعَمَلُ

کیونکہ زمین کی منفعت اس کی فطری قوت ہے جس سے حاصل ہوتی ہے بڑھوتری، اور بیل کی منفعت صلاحیت ہے جس سے قائم ہوتا ہے عمل

كُلُّ ذَلِكَ بِخَلْقِ اللهِ تَعَالَى فَلَمْ يَتَجَانَسَا فَتَعَذَّرَ أَنْ تُجْعَلَ تَابِعَةً لَهَا ، بِخِلَافِ

یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، لہٰذا دونوں ہم جنس نہیں، پس متعذر ہے کہ کر دی جائے بیل کی منفعت تابع زمین کی منفعت کے، برخلاف

جَانِبِ الْعَامِلِ لِأَنَّهُ تَجَانَسَتِ الْمَنْفَعَتَانِ فَجُعِلَتْ تَابِعَةً لِمَنْفَعَةِ الْعَامِلِ .﴿۷﴾وَهَاهُنَا وَجْهَانِ آخَرَانِ

جانب عامل کے؛ کیونکہ ہم جنس ہیں دونوں منفعتیں، پس منفعتِ بیل قرار دی جائے گی تابع منفعتِ عامل کے۔ اور یہاں دو وجہ اور ہیں

لَمْ يَذْكُرْهُمَا : أَحَدُهُمَا أَنْ يَكُونَ الْبَذْرُ لِأَحَدِهِمَا وَالْأَرْضُ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ

جن کو ماتنؒ نے ذکر نہیں کیا ہے، ایک ان دونوں میں سے یہ کہ بیج ایک کی طرف سے ہو، اور زمین، بیل اور عمل دوسرے کی طرف سے ہو

فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَتِمُّ شَرِكَةً بَيْنَ الْبَذْرِ وَالْعَمَلِ وَلَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ.

اور یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ عقد تام ہوتا ہے شرکت بن کر بیج اور عمل کے درمیان، اور وارد نہیں ہوئی ہے اس کے بارے میں شریعت،

وَالثَّانِي أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الْبَذْرِ وَالْبَقَرِ .وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ عِنْدَ الِانْفِرَادِ فَكَذَا عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ،

اور ثانی یہ کہ جمع کر دے بیج اور بیل کے درمیان، اور یہ بھی جائز نہیں؛ کیونکہ جائز نہیں ہے انفراد کے وقت، پس اسی طرح اجتماع کے وقت ہے

{۸}وَالْخَارِجُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فِي رِوَايَةٍ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْمُزَارَعَاتِ الْفَاسِدَةِ ، وَفِي رِوَايَةٍ

اور پیداوار دونوں صورتوں میں صاحب بیج کی ہے ایک روایت میں؛ قیاس کرتے ہوئے دیگر مزارعاتِ فاسدہ پر، اور دوسری روایت میں

لِصَاحِبِ الْأَرْضِ وَيَصِيرُ مُسْتَقْرِضًا لِلْبَذْرِ قَابِضًا لَهُ لِاتِّصَالِهِ بِأَرْضِهِ .

صاحبِ زمین کی ہے، اور ہوگا قرض لینے والا بیج کو قبضہ کرنے والا اس پر بوجہ اس کے اتصال کے اس کی زمین کے ساتھ۔

تشریح:۔{۱} پھر جو لوگ مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں ان کے نزدیک صحتِ مزارعت کے لیے چند شرطیں ہیں (1) پہلی شرط یہ ہے کہ زمین قابلِ کاشت ہو، پس جو زمین کسی وجہ سے قابلِ کاشت نہ ہو اس کو مزارعت پر لینا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس شرط کے بغیر مزارعت کا مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے۔(2) دوسری شرط یہ ہے کہ زمین کا مالک اور کاشت کار دونوں عقد کے اہل ہوں مجنون یا نابالغ بچہ نہ ہو، مگر یہ شرط مزارعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر عقد کے لیے عاقدین کا اہل ہونا ضروری ہے عاقدین کی اہلیت کے بغیر صحیح نہیں ہے۔(3) تیسری شرط یہ ہے کہ زراعت کی مدت بیان کرے؛ کیونکہ یہ عقد یا تو زمین کے منافع پر ہے اور یا عامل کے منافع پر ہے، اور ان دونوں کے منافع کے لیے معیار مدت ہے کہ مدت سے ان کی مقدار معلوم ہوتی ہے اس لیے مدت کو بیان کرنا ضروری ہے ورنہ منافع کی مقدار مجہول ہوگی۔

{۲}(4) چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ بیان کرے کہ بیج کس کے ذمہ ہوگا؛ یہ اس لیے تاکہ آگے بیج کے بارے میں ان کے درمیان جھگڑا پیدا نہ ہو جائے، اور یہ معلوم ہو جائے کہ معقود علیہ زمین کے منافع ہے یا عامل کے منافع، یعنی اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عامل زمین کے منافع حاصل کر رہا ہے اس لیے معقود علیہ زمین کے منافع ہے، اور اگر بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہو تو اس کا مطلب یہ کہ وہ عامل کے منافع حاصل کر رہا ہے اس لیے معقود علیہ عامل کے منافع ہے۔

(5) پانچویں شرط یہ ہے کہ جس کی طرف سے بیج نہیں ہے اس کا حصہ بیان کیا جائے؛ کیونکہ وہ شرط کی وجہ سے ہی اپنے حصے کا مستحق ہوتا ہے تو اس کا حصہ متعین ہونا ضروری ہے ورنہ اگر اس کا حصہ معلوم نہ ہو تو عقد کی وجہ سے شرط بن کر اس کا استحقاق نہ ہوگا یعنی عقد کے ذریعہ جس چیز کا استحقاق ہو اس حال میں کہ وہ عقد میں مشروط ہو تو بھی اس کا استحقاق نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ معلوم نہ ہو اس لیے اس کا حصہ معلوم ہونا ضروری ہے۔

{۳}(6) چھٹی شرط یہ ہے کہ زمین کا مالک زمین اور عامل کے درمیان تخلیہ کرے زمین میں خود دخل نہ دے حتی کہ اگر خود زمین کے مالک کے عمل کی شرط لگائی تو عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گا؛ کیونکہ تخلیہ نہ رہا حالانکہ تخلیہ شرط ہے۔(7) ساتویں

شرط یہ ہے کہ پیداوار میں دونوں شریک ہوں پس جو شرط اس شرکت کو ختم کرے وہ مفسدِ عقد ہوگی مثلاً پیداوار میں سے ایک کے لیے دو من شرط ہوں اور باقی دونوں میں مشترک ہو تو چونکہ اس شرط سے اشتراک ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ پیداوار فقط دو من ہی ہو اور وہ ایک کے لیے مشروط ہے دوسرا اس میں شریک نہیں ہے۔(8) آٹھویں شرط یہ ہے کہ بیج کی جنس بیان کرے یہ اس لیے تاکہ اجرت کی جنس معلوم ہو؛ کیونکہ یہاں اجرت پیداوار ہی کی جنس سے ہے اس لیے اجرت کی معلوم ہونے کے لیے پیدوار کی جنس کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

﴿۴﴾ پھر صاحبینؒ کے نزدیک مزارعت کی چار صورتیں ہیں (1) ایک یہ کہ زمین اور بیج ایک کا ہو اور بیل اور کام دوسرے کی طرف سے ہو تو مزارعت کی یہ صورت جائز ہے؛ کیونکہ بیل کام کا آلہ ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی درزی کو اجیر رکھے تاکہ وہ اپنی سوئی سے کپڑا سی لے تو جس طرح کہ درزی اپنے آلہ (سوئی) سے کام کررہا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی مزارع اپنے آلہ (بیل) سے کام لے رہا ہے۔

(2) دوسری صورت یہ کہ زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہ پیداوار میں سے بعض معلوم مقدار کے عوض زمین کو کرایہ پر لینا ہے اس لیے یہ جائز ہے جیسا کہ زمین کو معلوم دراہم کے عوض کرایہ پر لینا جائز ہے۔(3) تیسری صورت یہ کہ زمین، بیج اور بیل ایک کی جانب سے ہوں اور کام دوسرے کی جانب سے ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے؛ کیونکہ زمین کے مالک نے عامل کو اجارہ پر لیا ہے تاکہ وہ مستاجر کے آلہ (بیل) سے کام کرے تو یہ ایسا ہے جیسے درزی کو اجیر رکھا تاکہ کپڑا سی لے کپڑے کے مالک کی سوئی سے، اور یہ جائز ہے تو مذکورہ صورت بھی جائز ہوگی، یا جیسے مکان کو گارے سے لیپنے والے کو اجیر رکھا تاکہ وہ مکان کے مالک کی کرنی سے لپائی کرے، اور یہ جائز ہے، تو مذکورہ صورت بھی جائز ہوگی۔

﴿۵﴾ (4) چوتھی صورت یہ کہ زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور عمل دوسرے کی طرف سے ہوں تو یہ صورت باطل ہے یہ جو امام قدوریؒ نے ذکر کی ہے یہ ظاہر الروایت ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے؛ کیونکہ اگر بیل اور بیج دونوں کو زمین کے مالک پر شرط کرلے تو یہ جائز ہے تو فقط بیل کو شرط کرنے کی صورت بھی جائز ہوگی، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ بیل عامل پر شرط ہو تو یہ جائز ہے لہٰذا مذکورہ صورت بھی جائز ہوگی۔

﴿۶﴾ ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ بیل کی منفعت زمین کی منفعت کی جنس سے نہیں ہے؛ کیونکہ زمین کی منفعت اُگانا ہے اور بیل کی منفعت زمین کو پھاڑنا ہے، پھر زمین کی منفعت حاصل ہوتی ہے زمین کی طبیعت میں اس قوت کی وجہ سے جس سے پیداوار میں بڑھوتری حاصل ہوتی ہے، اور بیل کی منفعت حاصل ہوتی ہے بیل کی اس صلاحیت کی وجہ سے جس کی وجہ سے کام قائم ہوتا ہے، اور یہ

سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وجہ سے ہے لہٰذا دونوں منفعتوں میں مجانست نہیں ہے اس لیے بیل کی منفعت کو زمین کی منفعت کا تابع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اس لیے یہ بیل کو مقصودی طور پر بعض پیداوار کے بدلے اجارہ پر لینا ہے جس کے بارے میں شریعت وارد نہیں ہے اس لیے اس شرط سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ برخلافِ عامل کی جانب کے؛ کیونکہ عامل اور بیل کی منفعت میں مجانست پائی جاتی ہے لہٰذا بیل کی منفعت کو عامل کی منفعت کا تابع قرار دیا جائے گا اس لیے اس صورت میں بیل کو مقصودی طور پر بعض پیداوار کے بدلے اجارہ پر لینا نہیں ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔

فتویٰ:۔ ظاہر الروایت راجح ہے لما فی الهندية: وَأَمَّا الثَّلَاثَةُ الْفَاسِدَةُ فَأَحَدُهَا أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَالْبَاقِي مِنْ الْآخَرِ فَذَلِكَ فَاسِدٌ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - أَنَّهُ يَجُوزُ لِمَكَانِ الْعُرْفِ وَالْفَتْوَى عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِأَنَّ مَنْفَعَةَ الْأَرْضِ لَا تُجَانِسُ مَنْفَعَةَ الْبَقَرِ فَإِنَّ مَنْفَعَةَ الْأَرْضِ إنْبَاتُ الْبَذْرَةِ لِقُوَّةٍ فِي طَبْعِهَا وَمَنْفَعَةَ الْبَقَرِ الْعَمَلُ. (الهندية:5ص238)

{7} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو صورتیں اور ہیں جن کو امام قدوری نے ذکر نہیں کیا ہے (1) ایک یہ کہ بیج ایک کی طرف سے ہو اور زمین، بیل اور عمل دوسرے کی جانب سے ہوں، یہ صورت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ صورت بیج اور کام میں دونوں کی شراکت سے تام ہوتی ہے، حالانکہ اس کے جواز کے بارے میں کوئی دلیل شرعی وارد نہیں ہوئی ہے یعنی نہ نص ہے نہ اجماع اور نہ قیاس ہے اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے۔ (2) دوسری صورت یہ ہے کہ بیج اور بیل کو جمع کیا جائے یعنی بیج اور بیل ایک کی جانب سے ہوں اور زمین اور کام دوسرے کی جانب سے ہوں تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جب بیج اور بیل میں سے ہر ایک انفرادا کسی ایک کی جانب سے ہو تو یہ صورت جائز نہیں، تو جب یہ دونوں ایک کی جانب سے ہوں تو یہ صورت بھی جائز نہ ہوگی۔

{8} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں ایک روایت کے مطابق پیداوار بیج والے کی ہوگی؛ اس صورت کو مزارعت کی دیگر فاسد صورتوں پر قیاس کیا جائے گا کہ مزارعت کی دیگر فاسد صورتوں میں پیداوار بیج والے کی ہوتی ہے تو ان دو صورتوں میں بھی پیداوار بیج والے کی ہوگی۔ اور دوسری روایت کے مطابق پیداوار زمین کے مالک کی ہوگی، اور زمین کا مالک دوسرے کے بیج کو قرض لینے والا شمار ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ قرض کے لیے ضروری ہے کہ قرضہ لینے والا قرض پر قبضہ کرلے جبکہ یہاں قبضہ نہیں پایا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ زمین کا مالک بیج کو اپنی زمین میں ملانے سے بیج پر قبضہ کرنے والا شمار ہوگا اس لیے قبضہ پایا گیا ہے۔

{1} قَالَ : وَلَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ إلَّا عَلَى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ ؛ لِمَا بَيَّنَّا - وَأَنْ يَكُونَ الْخَارِجُ شَائِعًا بَيْنَهُمَا؛

فرمایا: اور صحیح نہیں ہے مزارعت مگر معلوم مدت پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے، اور یہ کہ ہو پیداوار مشترک دونوں کے درمیان

تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الشَّرِكَةِ . فَإِنْ شَرَطَا لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ ؛ لِأَنَّ

ثابت کرتے ہوئے شرکت کا معنی، پس اگر شرط لگائی دونوں میں سے ایک کے لیے معلوم قفیزوں کو تو یہ مزارعت باطل ہے؛ کیونکہ

بِهِ تَنْقَطِعُ الشَّرِكَةُ لِأَنَّ الْأَرْضَ عَسَاهَا لَا تُخْرِجُ إِلَّا هَذَا الْقَدْرَ ، فَصَارَ كَاشْتِرَاطِ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ لِأَحَدِهِمَا

اس سے منقطع ہوتی ہے شرکت؛ اس لیے کہ ممکن ہے کہ نہ اگائے زمین مگر یہی مقدار، اور ہو گیا جیسے شرط کرنا معدود دراہم کو کسی ایک کے لیے

فِي الْمُضَارَبَةِ ،﴿۲﴾وَكَذَا إِذَا شَرَطَا أَنْ يَرْفَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ بَذْرَهُ وَيَكُونَ الْبَاقِي بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ

مضاربت میں، اور اسی طرح اگر دونوں نے شرط کر لی کہ صاحبِ بیج اٹھالے گا اپنا بیج، اور ہو باقی دونوں کے درمیان نصف نصف؛ کیونکہ

يُؤَدِّي إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ فِي بَعْضٍ مُعَيَّنٍ أَوْ فِي جَمِيعِهِ بِأَنْ لَمْ يُخْرِجْ إِلَّا قَدْرَ الْبَذْرِ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَرَطَا رَفْعَ الْخَرَاجِ

یہ شرط مفضی ہے قطع شرکت کو بعض معین میں یا کل میں، یوں کہ پیداوار نہ ہو مگر بقدرِ بیج، اور ہو گیا جیسے جب شرط کرلیں رفع پیداوار کی

وَالْأَرْضُ خَرَاجِيَّةٌ وَأَنْ يَكُونَ الْبَاقِي بَيْنَهُمَا﴿۳﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا شَرَطَ صَاحِبُ الْبَذْرِ عُشْرَ الْخَارِجِ لِنَفْسِهِ أَوْ لِلْآخَرِ

اور زمین خراجی ہو، اور یہ کہ ہو باقی دونوں کے درمیان۔ برخلاف اس کے جب شرط کرلے صاحبِ بیج پیداوار کا عشر اپنے لیے یا دوسرے کے لیے

وَالْبَاقِي بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ مُشَاعٌ فَلَا يُؤَدِّي إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ ، كَمَا إِذَا شَرَطَا رَفْعَ الْعُشْرِ

اور باقی دونوں کے درمیان ہو؛ کیونکہ یہ متعین مشاع ہے پس مفضی نہ ہوگا قطع شرکت کو جیسا کہ اگر دونوں نے شرط کر لی رفع عشر کی

وَقِسْمَةَ الْبَاقِي بَيْنَهُمَا وَالْأَرْضُ عُشْرِيَّةٌ .﴿۴﴾قَالَ : وَكَذَا إِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِي

اور باقی دونوں کے درمیان تقسیم کرنے کی اور زمین عشری ہو۔ فرمایا: اور اسی طرح اگر دونوں نے شرط کر لی وہ جو نالیوں کے کنارے پر ہے

مَعْنَاهُ لِأَحَدِهِمَا ، لِأَنَّهُ إِذَا شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا زَرْعَ مَوْضِعٍ مُعَيَّنٍ

اس کا معنی ہے کہ دونوں میں سے ایک کے لیے شرط کر لی؛ کیونکہ جب شرط کر لی دونوں میں سے ایک کے لیے مخصوص جگہ کی زراعت

أَفْضَى ذَلِكَ إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ ، لِأَنَّهُ لَعَلَّهُ لَا يَخْرُجُ إِلَّا مِنْ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ ، وَعَلَى هَذَا إِذَا شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا

تو مفضی ہوگی یہ قطع شرکت کو؛ کیونکہ شاید نہ ہو پیداوار مگر اسی مخصوص جگہ سے، اور اسی طرح اگر شرط کی گئی ہو دونوں میں سے ایک کے لیے

مَا يَخْرُجُ مِنْ نَاحِيَةٍ مُعَيَّنَةٍ وَلِآخَرَ مَا يَخْرُجُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرَى﴿۵﴾ وَكَذَا إِذَا شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا التِّبْنَ

وہ جو پیدا ہو ایک معین کنارہ سے، اور دوسرے کے لیے وہ جو پیدا ہو دوسرے کنارے سے، اور اسی طرح جب شرط کرلے دونوں میں سے ایک کے لیے

وَلِلْآخَرِ الْحَبَّ ؛ لِأَنَّهُ عَسَى أَنْ يُصِيبَهُ آفَةٌ فَلَا يَنْعَقِدُ الْحَبُّ وَلَا يَخْرُجُ إِلَّا التِّبْنُ . وَكَذَا إِذَا شَرَطَا

بھوسا اور دوسرے کے لیے غلہ؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پہنچ جائے اس کو آفت پس پیدا نہ ہو غلہ اور نہ نکلے مگر بھوسہ، اور اسی طرح اگر شرط لگائی

التِّبْنَ نِصْفَيْنِ وَالْحَبُّ لِأَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ ، لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ الْحَبُّ

بھوسہ نصف نصف کرنے کی اور غلہ دونوں میں سے ایک متعین کے لیے؛ کیونکہ یہ سبب ہے کی قطع شرکت اس میں جو مقصود ہے اور وہ غلہ ہے

{٦} وَلَوْ شَرَطَا الْحَبَّ نِصْفَيْنِ وَلَمْ يَتَعَرَّضَا لِلتِّبْنِ صَحَّتْ ، لِاشْتِرَاطِهِمَا الشَّرِكَةَ

اور اگر دونوں نے شرط لگائی غلہ کے نصف نصف کی اور تعرض نہیں کیا بھوسے سے تو صحیح ہے؛ دونوں کے شرط کرنے کی وجہ سے شرکت کی

فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ ، ثُمَّ التِّبْنُ يَكُونُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ ، لِأَنَّهُ نَمَاءُ بَذْرِهِ وَفِي حَقِّهِ لَا يَحْتَاجُ إلَى الشَّرْطِ

اس میں جو مقصود ہے، پھر بھوسہ ہوگا صاحب بیج کے لیے؛ کیونکہ یہ بڑھوتری ہے اس کی ملک کی، اور اس کے حق میں احتیاج نہیں ہے شرط کی

وَالْمُفْسِدُ هُوَ الشَّرْطُ وَهَذَا سُكُوتٌ عَنْهُ . وَقَالَ مَشَايِخُ بَلْخٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ : التِّبْنُ بَيْنَهُمَا أَيْضًا اعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ

اور مفسد شرط ہی ہے، اور یہ سکوت عنہ ہے، اور فرمایا مشائخ بلخ نے کہ بھوسہ بھی دونوں میں مشترک ہوگا؛ اعتبار کرتے ہوئے عرف کا

فِيمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ الْمُتَعَاقِدَانِ ، وَلِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْحَبِّ وَالتَّبَعُ يَقُومُ بِشَرْطِ الْأَصْلِ {٧} وَلَوْ

اس میں کہ تصریح نہ کریں اس کی متعاقدین، اور اس لیے کہ بھوسہ تابع ہے غلہ کا، اور تابع قائم ہوتا ہے اصل کی شرط کے مطابق۔ اور اگر

شَرَطَا الْحَبَّ نِصْفَيْنِ وَالتِّبْنَ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ صَحَّتْ ، لِأَنَّهُ حُكْمُ الْعَقْدِ . وَإِنْ

دونوں نے شرط کرلی غلہ کے بارے میں نصف نصف کی، اور بھوسہ صاحب بیج کے لیے ہو تو صحیح ہے؛ کیونکہ یہی حکم عقد ہے، اور اگر

شَرَطَا التِّبْنَ لِلْآخَرِ فَسَدَتْ ، لِأَنَّهُ شَرْطٌ يُؤَدِّي إلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ بِأَنْ لَا يَخْرُجَ إلَّا التِّبْنُ

دونوں نے شرط کرلیا بھوسہ دوسرے کے لیے تو فاسد ہوگی؛ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مفضی ہوگی قطع شرکت کو بایں طور کہ نہ نکلے مگر بھوسہ

وَاسْتِحْقَاقُ غَيْرِ صَاحِبِ الْبَذْرِ بِالشَّرْطِ

اور صاحب بیج کے علاوہ کا استحقاق شرط سے ہوتا ہے۔

تشریح۔ {۱} مزارعت کے لیے مدت بیان کیے بغیر مزارعت صحیح نہیں ہوتی ہے؛ جس کی دلیل شرط ثالث کے بیان میں گذر چکی ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ پیداوار دونوں میں مشترک بطریق شیوع ہو؛ تاکہ شرکت کا معنی متحقق ہو، پس اگر کسی ایک کے لیے چند متعین قفیزوں کی شرط کرلی مثلاً پانچ قفیز ایک کو دینے کے بعد جو پیداوار بچے وہ دونوں میں مشترک ہوگی تو یہ صورت باطل ہوگی؛ کیونکہ اس سے دونوں میں اشتراک ختم ہوجاتا ہے؛ اس لیے کہ ممکن ہے کہ زمین کی پیداوار بھی پانچ قفیز ہی ہو جو کسی ایک کے لیے مشروط ہیں تو اشتراک کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ پس یہ ایسا ہے جیسا کہ مضاربت میں کسی ایک کے لیے نفع میں سے متعین دراہم کو شرط

کیا جائے کہ اس شرط سے مضاربت باطل ہو جاتی ہے اسی طرح مزارعت میں پیداوار میں متعین مقدار کسی ایک کے لیے شرط کرنے سے مزارعت باطل ہو جائے گی۔

{۲} اسی طرح اگر یہ شرط کرلی کہ بیج والا پیداوار میں سے بیج کے بقدر لے لے گا باقی پیداوار دونوں میں نصف نصف مشترک ہوگی، تو اس شرط سے مزارعت فاسد ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ شرط بعض متعین مقدار (بقدرِ بیج) میں شرکت کو قطع کر دیتی ہے یا پوری پیداوار میں شرکت ختم ہو جائے گی اگر بیج سے زیادہ پیداوار نہ ہو، اور یہ ایسا ہے جیسے زمین خراجی ہو اور شرط کرلے کہ پیداوار میں سے پہلے خراج کو نکالا جائے گا پھر جو بچے وہ دونوں میں مشترک ہوگی تو اس شرط سے بعض متعین پیداوار میں یا پوری پیداوار میں شرکت ختم ہو جاتی ہے یہی صورت مزارعتِ مذکورہ کی بھی ہے۔

{۳} اس کے برخلاف اگر بیج والے نے پیداوار کا دسواں حصہ اپنے لیے شرط کرلی یا دوسرے ساتھی کے لیے اور باقی پیداوار کو دونوں پر تقسیم کیا جائے گا تو یہ صورت جائز ہے؛ کیونکہ یہ معین مشاع ہے جو دونوں کے درمیان شرکت ختم ہونے کو مفضی نہیں ہے اس لیے کہ جب دسواں حصہ ایک کا ہو تو بقیہ نو حصوں میں شرکت باقی رہے گی اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اگر زمین عشری ہو اور یہ شرط کرلیں کہ پیداوار کا عشر نکال کر باقی دونوں پر تقسیم ہوگی تو یہ صورت جائز ہے؛ کیونکہ اس سے اشتراک ختم نہیں ہوتا ہے۔

{۴} اسی طرح اگر یہ شرط کرلی کہ نالیوں کے کناروں پر جو پیداوار ہو وہ کسی ایک کے لیے ہوگی بقیہ پیداوار دونوں میں مشترک ہوگی تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جب کسی ایک کے لیے متعین جگہ کی پیداوار کو شرط کرلیا تو یہ شرط اشتراک کے ختم ہونے کو مفضی ہوگی؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نالیوں کے کناروں کے علاوہ میں کھیتی اُگے ہی نہیں، جس سے شرکت ختم ہو جاتی ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی ایک کے لیے وہ پیداوار شرط ہو جو کسی معین کونہ سے پیدا ہو اور دوسرے کے لیے وہ جو دوسرے کونے سے پیدا ہو تو اس سے بھی شرکت ختم ہو جاتی ہے اس لیے یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔ ماذیانات اور سواقی مترادف الفاظ ہیں بمعنی نالیاں۔

{۵} اسی طرح اگر کسی ایک کے لیے بھوسہ کی شرط ہو اور دوسرے لیے غلہ کی تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کھیتی کو کوئی آفت پہنچ جائے جس کی وجہ سے بھوسہ کے علاوہ غلہ پیدا ہی نہ ہو، تو چونکہ اس سے شرکت ختم ہو جاتی ہے اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شرط کرلی کہ بھوسہ نصف نصف ہوگا اور غلہ دونوں میں سے ایک کے لیے ہوگا تو یہ صورت بھی فاسد ہے؛ کیونکہ یہ مقصود میں شرکت منقطع ہونے کو مفضی ہے اور مقصود غلہ ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

{۶}اور اگر یہ شرط کرلی کہ غلہ نصف نصف ہوگا اور بھوسے کا کوئی ذکر نہیں کیا تو یہ صورت صحیح ہے؛ کیونکہ انہوں نے مقصود میں شرکت کو شرط قرار دیا ہے پس مقصودی پیداوار میں شرکت موجود ہونے کی وجہ سے یہ صورت جائز ہے۔ باقی بھوسہ بیج والے کے لیے ہوگا؛ کیونکہ بھوسہ اس کی ملک (بیج) کی بڑھوتری ہے اور صاحب بیج کے حق میں بھوسے کو شرط کرنے کی احتیاج نہیں ہے، اور جن صورتوں میں مزارعت فاسد ہوتی ہے وہ شرط کی وجہ سے ہوتی ہے یہاں چونکہ شرط نہیں ہے بلکہ سکوت ہے اور سکوت مفسد نہیں ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔

اور مشائخ بلخ نے فرمایا ہے کہ بھوسہ بھی دونوں کے مابین نصف نصف ہوگا؛ کیونکہ جس شئی کے بارے میں متعاقدین تصریح نہ کریں اس میں عرف کا اعتبار ہوگا اور عرف یہی ہے کہ بھوسہ دونوں کے مابین مشترک ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ بھوسہ غلہ کا تابع ہے اور تابع بھی اسی شرط کے ساتھ ثابت ہوتا ہے جو اصل کی شرط ہے اور اصل میں یہاں شرط یہ ہے کہ نصف نصف ہو تو بھوسہ بھی نصف نصف ہوگا۔

فتویٰ:۔ چونکہ اس قسم کے مسائل کا مدار عرف ہے لہٰذا جہاں جو عرف ہو وہی صحیح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: و لا یخفی علی الفقیه ان ما قاله علماء بلخ ایضاً صحیح فی بلادهم ان کان العرف کذالک و کذا فی کل بلد استقر عرفهم کذالک و لا مانع من الشرع فی هذا النوع من التعامل والعرف(هامش الهدایة:4ص425)

{۷}اور اگر دونوں نے یہ شرط کرلی کہ غلہ دونوں میں نصف نصف ہوگا اور بھوسہ بیج والے کے لیے ہوگا، تو یہ صورت صحیح ہے؛ کیونکہ یہ تو مذکورہ عقد کا حکم ہے یعنی یہ شرط ایسی ہے کہ خود عقد اس کو مقتضی ہے حتیٰ کہ اگر یہ شرط نہ لگائی جائے تو بھی بھوسہ بیج والے کے لیے ہوگا، اور قاعدہ ہے کہ حکم عقد کی شرط لگانے سے وصفِ عقد متغیر نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ اور اگر شرط لگائی کہ بھوسہ بیج والے کے علاوہ کے لیے ہوگا تو مزارعت فاسد ہوجائے گی؛ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو شرکت ختم ہونے کو مفضی ہے بایں طور کہ کسی آفت کی وجہ سے بھوسہ کے علاوہ کوئی چیز پیدا نہ ہو، اور بیج والے کے علاوہ دوسرا ساتھی تو بھوسہ کا مستحق ہوتا ہے شرط کی وجہ سے عقد کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا ہے اور شرط فاسد ہوگئی تو وہ مستحق نہیں رہے گا لہٰذا پوری پیداوار بیج والے کے لیے ہوگی اس لیے اشتراک کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہی اس لیے یہ صورت فاسد ہے۔

{۱}قَالَ: وَإِذَا صَحَّتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ؛ لِصِحَّةِ الِالْتِزَامِ

فرمایا: اور جب صحیح ہوجائے مزارعت تو پیداوار شرط کے مطابق ہوگی: صحتِ التزام کی وجہ سے

وَإِنْ لَمْ تُخْرِجِ الْأَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ شَرِكَةً، وَلَا شَرِكَةَ

اور اگر نہیں اگائی زمین نے کوئی چیز، تو کچھ نہ ہو گا عامل کے لیے؛ کیونکہ عامل مستحق ہوتا ہے شرکت کی وجہ سے، اور شرکت نہیں ہے

فِي غَيْرِ الْخَارِجِ ، وَإِنْ كَانَتْ إِجَارَةً فَالْأَجْرُ مُسَمًّى فَلَا يَسْتَحِقُّ غَيْرَهُ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا فَسَدَتْ

پیداوار کے علاوہ میں، اور اگر تھا اجارہ تو اجرت متعین تھی، پس وہ مستحق نہ ہو گا غیر متعین کا، بر خلاف اس کے جب مزارعت فاسد ہو؛

لِأَنَّ أَجْرَ الْمِثْلِ فِي الذِّمَّةِ وَلَا تَفُوتُ الذِّمَّةُ بِعَدَمِ الْخَارِجِ [۲] قَالَ : وَإِذَا فَسَدَتْ فَالْخَارِجُ

کیونکہ اجرتِ مثل ذمہ میں واجب ہوتی ہے، اور ذمہ فوت نہیں ہوتا ہے عدم پیداوار کی وجہ سے۔ فرمایا: اور جب فاسد ہو گئی تو پیداوار

لِصَاحِبِ الْبَذْرِ ؛ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ ، وَاسْتِحْقَاقُ الْأَجْرِ بِالتَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ

صاحبِ بیج کے لیے؛ کیونکہ یہ بڑھوتری ہے اس کی ملک کی، اور استحقاق اجرت تسمیہ سے ہے اور تسمیہ فاسد ہوئی تو باقی رہی

النَّمَاءُ كُلُّهُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ [۳] قَالَ : وَلَوْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْأَرْضِ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ لَا يُزَادُ عَلَى مِقْدَارِ

پوری بڑھوتری صاحبِ بیج کے لیے۔ فرمایا: اور اگر ہو بیج صاحبِ زمین کی جانب سے تو عامل کے لیے اجرتِ مثل ہے جو زیادہ نہ ہو گی اس مقدار سے

مَا شُرِطَ لَهُ مِنَ الْخَارِجِ ؛ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِسُقُوطِ الزِّيَادَةِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَهُ

جو شرط کی گئی ہے اس کے لیے؛ کیونکہ وہ راضی ہو گیا ہے زیادتی کے سقوط پر، اور یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے: اس کے لیے

أَجْرُ مِثْلِهِ بَالِغًا مَا بَلَغَ ، لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَهُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَتَجِبُ عَلَيْهِ قِيمَتُهَا

اجرتِ مثل ہے جتنی بھی ہو؛ کیونکہ مالک نے وصول کیے ہیں اس کے منافع عقدِ فاسد کے ذریعہ، پس واجب ہے اس پر ان کی قیمت؛

إِذْ لَا مِثْلَ لَهَا) وَقَدْ مَرَّ فِي الْإِجَارَاتِ [۴] وَإِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْأَرْضِ أَجْرُ مِثْلِ أَرْضِهِ؛

کیونکہ کوئی مثل نہیں منافع کا، اور گذر چکا یہ مسئلہ اجارات میں، اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو صاحبِ زمین کے لیے اس کی زمین کی اجرتِ مثل ہے

لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ الْأَرْضِ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَجِبُ رَدُّهَا وَقَدْ تَعَذَّرَ ،وَلَا مِثْلَ لَهَا

کیونکہ عامل نے وصول کیے ہیں زمین کے منافع عقدِ فاسد کے ذریعہ، پس واجب ہے ان کا ردّ، حالانکہ ردّ متعذر ہے، اور کوئی مثل نہیں منافع کا

فَيَجِبُ رَدُّ قِيمَتِهَا .وَهَلْ يُزَادُ عَلَى مَا شُرِطَ لَهُ مِنَ الْخَارِجِ ؟ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ

پس واجب ہے ردّ کرنا ان کی قیمت کو، اور کیا بڑھائی جائے گی اس پر جو شرط کی گئی ہے پیداوار میں سے، تو یہ اسی اختلاف پر ہے جس کو ہم ذکر کر چکے

[۵] وَلَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْبَقَرِ حَتَّى فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَعَلَى الْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ وَالْبَقَرِ، هُوَ الصَّحِيحُ ، لِأَنَّ لَهُ مَدْخَلًا

اور اگر جمع کر دیا زمین اور بیل کو حتی کہ فاسد ہو گئی مزارعت، تو عامل پر زمین اور بیل کی اجرتِ مثل ہے، یہی صحیح ہے؛ کیونکہ بیل کا دخل ہے

فِي الْإِجَارَةِ وَهِيَ إِجَارَةٌ مَعْنًى﴿٦﴾ وَإِذَا اسْتَحَقَّ رَبُّ الْأَرْضِ الْخَارِجَ لِبَذْرِهِ فِي الْمُزَارَعَةِ الْفَاسِدَةِ

اجارہ میں، اور مزارعت اجارہ ہے معنیً۔ اور جب مستحق ہو جائے صاحبِ زمین پیداوار کا اس کے بیج کی وجہ سے مزارعتِ فاسدہ میں،

طَابَ لَهُ جَمِيعُهُ ؛ لِأَنَّ النَّمَاءَ حَصَلَ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ لَهُ . وَإِنْ اسْتَحَقَّهُ الْعَامِلُ أَخَذَ

تو حلال ہے اس کے لیے پوری پیداوار؛ کیونکہ بڑھوتری حاصل ہو گئی ہے اس کی مملوک زمین میں۔ اور اگر مستحق ہوا اس کا عامل تو لے لے

قَدْرَ بَذْرِهِ وَقَدْرَ أَجْرِ الْأَرْضِ وَتَصَدَّقَ بِالْفَضْلِ ؛ لِأَنَّ النَّمَاءَ يَحْصُلُ مِنَ الْبَذْرِ وَيَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ، وَفَسَادُ الْمِلْكِ

اپنے بیج اور زمین کی اجرت کے بقدر، اور صدقہ کرے زیادتی؛ کیونکہ بڑھوتری حاصل ہوتی ہے بیج سے اور نکلتی ہے زمین سے، اور ملک کا فساد

فِي مَنَافِعِ الْأَرْضِ أَوْجَبَ خُبْثًا فِيهِ . فَمَا سُلِّمَ لَهُ بِعِوَضٍ طَابَ لَهُ وَمَا لَا عِوَضَ لَهُ

زمین کے منافع میں واجب کرتا ہے اس میں خُبث، اور جو ملا اس کو عوض کے بدلے وہ حلال ہے اس کے لیے، اور جس کا عوض نہیں

تَصَدَّقَ بِهِ﴿٧﴾ قَالَ : وَإِذَا عُقِدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ

صدقہ کرے اس کو۔ فرمایا: اور جو عقدِ مزارعت ہو جائے پھر رُک جائے صاحبِ بیج عمل کرنے سے، تو جبر نہیں کیا جائے گا اس پر؛ کیونکہ ممکن نہیں اس کے لیے

الْمُضِيُّ فِي الْعَقْدِ إِلَّا بِضَرَرٍ يَلْزَمُهُ . فَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا لِيَهْدِمَ دَارَهُ﴿٨﴾ وَإِنِ امْتَنَعَ الَّذِي

نافذ کرنا عقد مگر ایسے ضرر سے جو اس پر لازم ہو گا، پس ہو گیا جیسے کرایہ پر لے اجیر کو تاکہ گرائے اس کا مکان، اور اگر رُک گیا وہ

لَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْعَمَلِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ بِالْوَفَاءِ بِالْعَقْدِ ضَرَرٌ وَالْعَقْدُ

جس کی طرف سے بیج نہیں ہے تو مجبور کرے اس کو حاکم کام کرنے پر؛ کیونکہ لاحق نہیں ہوتا ہے اس کو عقد پورا کرنے سے ضرر، اور عقد

لَازِمٌ بِمَنْزِلَةِ الْإِجَارَةِ، إِلَّا إِذَا كَانَ عُذْرٌ يُفْسَخُ بِهِ الْإِجَارَةُ فَيُفْسَخُ بِهِ الْمُزَارَعَةُ﴿٩﴾ قَالَ : وَلَوِ امْتَنَعَ رَبُّ الْأَرْضِ

لازم ہے عقدِ اجارہ کی طرح، مگر جب ہو کوئی عذر جس سے فسخ ہوتا ہو اجارہ تو فسخ ہو گی اس سے مزارعت۔ فرمایا: اور اگر رُک گیا زمین کا مالک

وَالْبَذْرُ مِنْ قِبَلِهِ وَقَدْ كَرَبَ الْمُزَارِعُ الْأَرْضَ فَلَا شَيْءَ لَهُ فِي عَمَلِ الْكِرَابِ ، قِيلَ

حالانکہ بیج اسی کی طرف سے ہے حالانکہ جوت لیا ہے مزارع نے زمین کو، تو کچھ نہیں اس کے لیے جوتنے کے عمل کے عوض، کہا گیا ہے

هَذَا فِي الْحُكْمِ ، فَأَمَّا فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى يَلْزَمُهُ اسْتِرْضَاءُ الْعَامِلِ لِأَنَّهُ غَرَّهُ فِي ذَلِكَ .

یہ قضاءً ہے، رہا دیانۃً تو لازم ہے اس پر راضی کرنا عامل کو؛ کیونکہ اس نے دھوکہ دیا عامل کو اس میں۔

تشریح:۔{۱} جب مزارعت مذکورہ بالا شرائط کے مطابق صحیح ہوگئی تو پیداوار شرط کے مطابق تقسیم کی جائے گی؛ کیونکہ دونوں نے جو التزام کیا وہ صحیح ہے۔اور اگر کسی وجہ سے کچھ پیدا نہ ہوا تو عامل کو کچھ نہیں ملے گا؛ کیونکہ وہ تو جس چیز کا مستحق ہوتا تھا وہ شرکت کے طور پر مستحق ہوتا تھا اور شرکت پیداوار میں ہے پیداوار کے علاوہ میں شرکت نہیں ہے اس لیے وہ شرکت کے علاوہ مال سے اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

اور اگر کہا جائے کہ مزارعت ابتداءً اجارہ ہوتی ہے اور اجارہ میں تو اجرت لازم ہوتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اجرت تو یہاں بیان ہوگئی ہے اور وہ پیداوار کا نصف یا ربع وغیرہ ہے تو چونکہ یہاں پیداوار نہیں ہوئی ہے لہٰذا مقرر نصف اور ربع وغیرہ معدوم ہیں ،اور یہ اجارہ صحیحہ ہے جس میں مقررہ چیز کے علاوہ کا استحقاق نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ اس مقرر نصف وغیرہ کے علاوہ کا مستحق نہ ہوگا۔اس کے برخلاف اگر مزارعت فاسد ہو تو اجرتِ مسمّٰی تو لازم نہ ہوگی البتہ اجرتِ مثل لازم ہوگی اس لیے کہ اجرتِ مثل ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے ذمہ فوت نہیں ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں عامل اجرتِ مثل کا مستحق ہوگا۔

{۲} اور جب مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج کے مالک کے لیے ہوگی؛ کیونکہ پیداوار اس کی مِلک (بیج) کی بڑھوتری ہے ،اور دوسرا ساتھی پیداوار کا مستحق ہوتا ہے تسمیہ اور شرط کرنے کی وجہ سے اور تسمیہ یہاں فاسد ہوگیا، لہٰذا پوری بڑھوتری بیج والے کے لیے باقی رہی اس لیے پوری بڑھوتری اسی کو ملے گی۔

{۳} اگر بیج مالکِ زمین کی جانب سے ہو تو شیخین ؒ کے نزدیک عامل کے لیے اس کی اجرتِ مثل ہوگی جو اس کے لیے مشروط مقدار سے زائد نہ ہوگی مثلاً ایک ثلث پیداوار پر عقد ہوا تھا پھر مزارعت فاسد ہونے کی وجہ سے اس کے لیے اجرتِ مثل واجب ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اجرتِ مثل پیداوار کے ثلث سے زیادہ ہو تو زائد مقدار کو کم کر کے پیداوار کے ثلث کے بقدر اجرتِ مثل دی جائے گی؛ کیونکہ پیداوار کے ثلث کے بقدر پر عامل خود راضی ہوا تھا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عامل کے لیے اجرتِ مثل ہے جتنی بھی ہو؛ کیونکہ زمین کے مالک نے عامل کے منافع کو عقدِ فاسد کے ذریعہ حاصل کیا ہے چونکہ منافع کا کوئی مثل نہیں ہے اس لیے ان کی قیمت واجب ہوگی،اور یہ "کتاب الاجارۃ" میں گذر چکا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے میں شرکت کی اور شرکت فاسد ہوگئی تو امام محمدؒ کے نزدیک اجیر کو پوری اجرتِ مثل ملے گی چاہے جس قدر ہو،اسی طرح یہاں بھی ہے؛ کیونکہ لکڑیاں جمع کرنے کی طرح اس میں بھی پیداوار ہونے سے پہلے اجرت معلوم نہیں ہے۔

"لَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ بَالِغًا مَا بَلَغَ" میں "بَالِغًا" منصوب ہے "أَجْرُ" سے حال ہونے کی بناء پر اور "مَا" موصولہ ہے یا موصوفہ ہے محل نصب میں ہے "بَالِغًا" کے لیے مفعول ہونے کی بناء پر، اور "بَلَغَ" صلہ ہے "مَا" کے لیے یا صفت ہے۔

{۴}اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو زمین کے مالک کے لیے اس کی زمین کی اجرتِ مثل ہوگی؛ کیونکہ عامل نے عقدِ فاسد کے ذریعہ زمین کے منافع کو حاصل کیا ہے لہٰذا زمین کے منافع واپس کرنا ضروری ہے، مگر چونکہ منافع کو واپس کرنا متعذر ہے اور منافع کا کوئی مثل بھی نہیں ہے اس لیے منافع کی قیمت واجب ہوگی، پھر یہ قیمت ربّ الارض کے لیے مشروط پیداوار سے زائد ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی ہے، تو اس میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا مذکورہ بالا اختلاف ہے۔

{۵}ما قبل میں بیان کیا کہ اگر زمین اور بیل ربّ الارض کی طرف سے ہوں اور باقی عامل کی طرف سے تو یہ مزارعت فاسد ہے، اور پیداوار عامل کے لیے ہوگی؛ کیونکہ بیج اسی کی طرف سے ہے، اور صحیح قول کے مطابق عامل پر زمین اور بیل دونوں کی اجرتِ مثل ہوگی؛ کیونکہ اجارہ میں بیل کا دخل ہے اس لیے کہ بیل بھی اجارہ پر دیا جاتا ہے اور مزارعت معنیً اجارہ ہے لہٰذا مزارعت میں بھی بیل کا دخل ہوگا پس بیل پر فاسدہ اجارہ منعقد ہوا ہے اس لیے بیل کی اجرتِ مثل بھی واجب ہوگی۔

{٦}جب مزارعتِ فاسدہ میں زمین کا مالک اپنے بیج کی وجہ سے پیداوار کا مستحق ہوا تو اس کے لیے پوری پیداوار حلال ہوگی؛ کیونکہ بیج اور زمین دونوں اس کی مِلک ہیں لہٰذا بڑھوتری اس کی مملوکہ زمین اور بیج سے پیدا ہوئی ہے اور اپنی مِلک کی بڑھوتری حلال ہوتی ہے۔ اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو عامل اپنے بیج کی وجہ سے پیداوار کا مستحق ہوگا، مگر وہ بیج کے بقدر اور زمین کی جو اجرت اس نے تاوان میں ادا کی ہے اس کے بقدر لے لے گا اور اس سے زائد مقدار کو دیانۃً صدقہ کرے گا؛ کیونکہ یہ بڑھوتری بے شک اس کے بیج سے پیدا ہوئی ہے مگر ربّ الارض کی زمین کی وجہ سے اُگی ہے اور فسادِ عقد کی وجہ سے زمین کے منافع میں اس کی مِلک فاسد ہے اس لیے یہ فساد اس کی مِلک میں خبث پیدا کرے گا، لہٰذا عامل کے لیے جو پیداوار عوض کے بدلے میں رہی وہ تو اس کے لیے حلال ہے اور جس مقدار کا اس نے عوض نہیں دیا ہے وہ صدقہ کرے گا۔

{۷}اگر عقدِ مزارعت منعقد ہو گیا پھر بیج والے نے کام کرنے سے انکار کیا تو اس کو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ منافع تو بعد میں حاصل ہوتے ہیں فی الحال اس کا یہ نقصان ہوگا کہ بیج کو زمین میں ملانا پڑے گا لہٰذا اس کے لیے اس عقد کو پورا کرنا بغیر ضرر کے ممکن نہیں ہے اور جو شخص تجاوز کرنے والا نہ ہو اس پر ضرر واقع کرنا جائز نہیں ہے، پس یہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی کو اس لیے مزدور رکھے تاکہ وہ اس کو گھر گرا دے پھر گھر کا مالک پشیمان ہوا تو حاکم اس کو مجبور نہیں کرے گا؛ کیونکہ اس میں اس کا ضرر ہے اور ضرر پر کسی کو مجبور کرنا درست نہیں ہے۔

{۸}اور اگر انعقادِ عقد کے بعد وہ کام سے رُک گیا جس کی طرف سے بیج نہیں ہے تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا؛ کیونکہ عقد کو پورا کرنے سے اس کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا ہے اور عقد کو پورا کرنا لازم ہے جیسا کہ اجارہ کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی ایسا عذر در پیش ہو جائے جس سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہو مثلاً عامل کو ایسی بیماری لاحق ہوئی جو کام کرنے سے مانع ہو، تو اس طرح کے عذر سے مزارعت بھی فسخ ہو جائے گی۔

{۹}اور اگر بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہو اور وہ زمین میں بیج ڈالنے سے رُک گیا اور کاشت کار نے زمین کو جوت لیا ہو، تو اس کو زمین جوتنے کا کوئی عوض نہیں ملے گا، پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ زمین کے مالک کے لیے یہ حکم قضاءً ہے باقی دیانۃً فی ما بینہ وبین اللہ زمین کے مالک پر لازم ہے کہ کاشت کار کو راضی کر دے؛ کیونکہ اس نے عامل کو زمین جوتنے کے بارے میں دھوکہ دیا ہے کہ اس سے کام کرایا اور پھر عقد سے رُک گیا۔

{۱}قَالَ: وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ؛ اعْتِبَارًا بِالْإِجَارَةِ، وَقَدْ مَرَّ الْوَجْهُ فِي الْإِجَارَاتِ.

فرمایا: اور اگر مر گیا متعاقدین میں سے کوئی ایک تو باطل ہو جائے گی مزارعت؛ قیاس کرتے ہوئے اجارہ پر، اور گذر چکی وجہ اجارات میں

{۲}فَلَوْ كَانَ دَفَعَهَا فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فَلَمَّا نَبَتَ الزَّرْعُ فِي السَّنَةِ الْأُولَى وَلَمْ يَسْتَحْصِدِ الزَّرْعُ حَتَّى مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ تُرِكَ

پس اگر دیدی زمین تین سال کے لیے، پس جب اگی کھیتی پہلے سال میں، اور کاٹی نہیں گئی تھی کھیتی یہاں تک کہ مر گیا زمین کا مالک تو چھوڑ دے

الْأَرْضُ فِي يَدِ الْمُزَارِعِ حَتَّى يَسْتَحْصِدَ الزَّرْعَ وَيَقْسِمَ عَلَى الشَّرْطِ، وَتَنْتَقِضُ الْمُزَارَعَةُ فِيمَا بَقِيَ مِنَ السَّنَتَيْنِ

زمین کو کاشت کار کے قبضہ میں یہاں تک کہ کاٹ دے کھیتی کو، اور تقسیم کر دے شرط کے مطابق، اور ٹوٹ جائے گی مزارعت باقی ماندہ دو سالوں میں

لِأَنَّ فِي إِبْقَاءِ الْعَقْدِ فِي السَّنَةِ الْأُولَى مُرَاعَاةً لِلْحَقَّيْنِ، بِخِلَافِ السَّنَةِ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ ضَرَرٌ

کیونکہ عقد باقی رکھنے میں پہلے سال میں رعایت ہے دونوں حقوں کی، برخلاف دوسرے اور تیسرے سال؛ کیونکہ نہیں ہے اس میں ضرر

بِالْعَامِلِ فَيُحَافَظُ فِيهِمَا عَلَى الْقِيَاسِ {۳}وَلَوْ مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ قَبْلَ الزِّرَاعَةِ بَعْدَمَا كَرَبَ الْأَرْضَ وَحَفَرَ الْأَنْهَارَ

عامل کا پس محافظت کی جائے گی ان دونوں میں قیاس کی۔ اور اگر مر گیا زمین کا مالک زراعت سے پہلے زمین جوتنے اور نہریں کھودنے کے بعد

انْتَقَضَتِ الْمُزَارَعَةُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ إِبْطَالُ مَالٍ عَلَى الْمُزَارِعِ. وَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ بِمُقَابَلَةِ مَا عَمِلَ؛

تو ٹوٹ جائے گی زراعت؛ کیونکہ نہیں ہے اس میں ابطال مال مزارع کا، اور کوئی چیز نہیں عامل کے لیے بمقابلہ اس کام کے جو اس نے کیا

لِمَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. {۴} وَإِذَا فُسِخَتِ الْمُزَارَعَةُ بِدَيْنٍ فَادِحٍ لَحِقَ صَاحِبَ الْأَرْضِ فَاحْتَاجَ

جیسا کہ ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالی، اور جب فسخ ہو جائے مزارعت بھاری قرض کی وجہ سے صاحب زمین کے حق کی بنا پر پس وہ محتاج ہوا

إِلَى بَيْعِهَا جَازَ ؛ كَمَا فِي الْإِجَارَةِ - وَلَيْسَ لِلْعَامِلِ أَنْ يُطَالِبَهُ بِمَا كَرَبَ الْأَرْضَ

اس کی بیع کو، پس اس نے فروخت کی تو جائز ہے جیسا کہ اجارہ میں ہے، اور نہیں ہے عامل کے لیے کہ مطالبہ کرے اس سے زمین جوتنے

وَحَفَرَ الْأَنْهَارَ بِشَيْءٍ ؛ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ إِنَّمَا تَتَقَوَّمُ بِالْعَقْدِ وَهُوَ إِنَّمَا قُوِّمَ بِالْخَارِجِ فَإِذَا انْعَدَمَ الْخَارِجُ

اور نہریں کھودنے کی کسی شی کا؛ کیونکہ منافع قیمتی ہوتے ہیں عقد سے، اور منافع کی قیمت لگائی گئی ہے پیداوار سے، پس جب پیداوار معدوم ہو گئی

لَمْ يَجِبْ شَيْءٌ {5} وَلَوْ نَبَتَ الزَّرْعُ وَلَمْ يُسْتَحْصَدْ لَمْ تُبَعِ الْأَرْضُ فِي الدَّيْنِ حَتَّى يُسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ؛

تو واجب نہ ہوگی کوئی چیز۔ اور اگر اُگی کھیتی، اور کاٹی نہ گئی ہو تو فروخت نہیں کی جائے گی زمین دین میں، یہاں تک کہ کاٹ دے کھیتی کو

لِأَنَّ فِي الْبَيْعِ إِبْطَالَ حَقِّ الْمُزَارِعِ، وَالتَّأْخِيرُ أَهْوَنُ مِنَ الْإِبْطَالِ - وَيُخْرِجُهُ الْقَاضِي مِنَ الْحَبْسِ إِنْ كَانَ حَبَسَهُ

کیونکہ بیع میں ابطال ہے حق کاشت کار کا، اور تاخیر زیادہ آسان ہے ابطال سے، اور نکال دے گا اس کو قاضی قید سے اگر اس کو قید کیا ہو

بِالدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَمَّا امْتَنَعَ بَيْعُ الْأَرْضِ لَمْ يَكُنْ هُوَ ظَالِمًا وَالْحَبْسُ جَزَاءُ الظُّلْمِ {6} قَالَ: وَإِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ

دین کے بدلے؛ کیونکہ جب ممتنع ہو گئی زمین کی فروخت تو نہ ہوگا وہ ظالم حالانکہ قید سزا ہے ظلم کی۔ فرمایا: اور اگر گذر گئی مدتِ زراعت

وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى أَنْ يَسْتَحْصِدَ وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا

اور کھیتی نہ پکی ہو تو ہوگی مزارع پر اجرتِ مثل اس کے حصہ کے بقدر زمین کی یہاں تک کہ کھیتی کاٹے، اور خرچہ کھیتی پر ان دونوں پر ہے

عَلَى مِقْدَارِ حُقُوقِهِمَا، مَعْنَاهُ حَتَّى يَسْتَحْصِدَ ، لِأَنَّ فِي تَبْقِيَةِ الزَّرْعِ بِأَجْرِ الْمِثْلِ تَعْدِيلَ النَّظَرِ

ان کے حقوق کے بقدر، اس کا معنی ہے یہاں تک کہ کاٹ دے؛ کیونکہ کھیتی باقی رکھنے میں اجرتِ مثل کے عوض برابری میں رعایت ہے

مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَيُصَارُ إِلَيْهِ ، وَإِنَّمَا كَانَ الْعَمَلُ عَلَيْهِمَا لِأَنَّ الْعَقْدَ قَدِ انْتَهَى بِانْتِهَاءِ الْمُدَّةِ وَهَذَا عَمَلٌ

جانبین کی، پس رجوع کیا جائے گا اسی کی طرف، اور کام دونوں پر ہوگا؛ کیونکہ عقد انتہا کو پہنچ گیا مدت ختم ہونے کی وجہ سے، اور یہ کام ہے

فِي الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ {7} وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالزَّرْعُ بَقْلٌ حَيْثُ يَكُونُ الْعَمَلُ فِيهِ عَلَى الْعَامِلِ، لِأَنَّ هُنَاكَ

مالِ مشترک میں، اور یہ برخلاف اس کے جب مر جائے صاحبِ زمین اور کھیتی کچی ہو کہ ہوگا کام اس میں عامل پر؛ کیونکہ یہاں

أَبْقَيْنَا الْعَقْدَ فِي مُدَّتِهِ وَالْعَقْدُ يَسْتَدْعِي الْعَمَلَ عَلَى الْعَامِلِ، أَمَّا هَاهُنَا الْعَقْدُ قَدِ انْتَهَى فَلَمْ يَكُنْ هَذَا إِبْقَاءَ ذَلِكَ الْعَقْدِ فَلَمْ يَخْتَصَّ

باقی رکھا ہم نے عقد کو اپنی مدت میں، اور عقد تقاضا کرتا ہے عمل کا عامل پر، بہر حال یہاں تو عقد ختم ہو گیا، پس نہیں ہے یہ باقی رکھنا اس عقد کو، پس مختص نہ ہوگا

الْعَامِلُ بِوُجُوبِ الْعَمَلِ عَلَيْهِ {8} فَإِنْ أَنْفَقَ أَحَدُهُمَا بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ وَأَمْرِ الْقَاضِي فَهُوَ

عامل اس پر عمل واجب کرنے کے ساتھ، پس اگر خرچ کیا دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کی اجازت اور امر قاضی کے بغیر تو وہ

مُتَطَوِّعٌ ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِ . وَلَوْ أَرَادَ رَبُّ الْأَرْضِ أَنْ يَأْخُذَ الزَّرْعَ بَقْلًا لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ ؛

تبرع کرنے والا ہے؛ کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں اپنے ساتھی پر۔ اور اگر ارادہ کیا مالکِ زمین نے کچی کھیتی لینے کا، تو اس کو یہ اختیار نہیں اس کا

لِأَنَّ فِيهِ إِضْرَارًا بِالْمُزَارِعِ ، وَلَوْ أَرَادَ الْمُزَارِعُ أَنْ يَأْخُذَهُ بَقْلًا قِيلَ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ اقْلَعِ الزَّرْعَ فَيَكُونَ

کیونکہ اس میں ضرر پہنچانا ہے مزارع کو، اور اگر ارادہ کیا مزارع نے کچی کھیتی لینے کا، تو کہا جائے گا صاحبِ زمین سے کہ اکھاڑ دو کھیتی پس ہو گی

بَيْنَكُمَا أَوْ أَعْطِهِ قِيمَةَ نَصِيبِهِ أَوْ أَنْفِقْ أَنْتَ عَلَى الزَّرْعِ وَارْجِعْ بِمَا تُنْفِقُهُ فِي حِصَّتِهِ ؛ لِأَنَّ الْمُزَارِعَ لَمَّا امْتَنَعَ

تم دونوں کے درمیان، یا دیدو اس کو اس کا حصہ، یا تو کھیتی پر خرچہ کرو اور واپس لو وہ جو تو خرچ کرتا ہے اس کے حصہ میں؛ کیونکہ مزارع جب رُک گیا

مِنَ الْعَمَلِ لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ ، لِأَنَّ إِبْقَاءَ الْعَقْدِ بَعْدَ وُجُودِ الْمُنْهِيِّ نَظَرٌ لَهُ وَقَدْ تَرَكَ النَّظَرَ لِنَفْسِهِ.

کام سے تو مجبور نہیں کیا جائے گا کام پر؛ کیونکہ عقد باقی رکھنے میں وجودِ مُنہی کے بعد رعایت ہے اس کی، حالانکہ اس نے ترک کر دی رعایت اپنے لیے

وَرَبُّ الْأَرْضِ مُخَيَّرٌ بَيْنَ هَذِهِ الْخِيَارَاتِ لِأَنَّ بِكُلِّ ذَلِكَ يَسْتَدْفِعُ الضَّرَرَ {۹} وَلَوْ مَاتَ الْمُزَارِعُ بَعْدَ نَبَاتِ الزَّرْعِ

اور زمین کے مالک کو اختیار دیا گیا ہے ان خیارات کے درمیان؛ کیونکہ ہر ایک سے وہ دفع کرتا ہے ضرر کو۔ اور اگر مر گیا کاشت کار کھیتی اُگنے کے بعد

فَقَالَتْ وَرَثَتُهُ نَحْنُ نَعْمَلُ إِلَى أَنْ يَسْتَحْصِدَ الزَّرْعُ وَأَبَى رَبُّ الْأَرْضِ فَلَهُمْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ

پس کہا اس کے وارثوں نے ہم کام کرتے ہیں یہاں تک کہ کاٹی جائے کھیتی، اور انکار کیا صاحبِ زمین نے، تو ان کو یہ اختیار ہے؛ کیونکہ

لَا ضَرَرَ عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ . وَلَا أَجْرَ لَهُمْ بِمَا عَمِلُوا ؛ لِأَنَّا أَبْقَيْنَا الْعَقْدَ نَظَرًا لَهُمْ،

کوئی ضرر نہیں ہے ربّ المال پر، اور اجرت نہ ہوگی ان کے لیے ان کے کام کی؛ کیونکہ ہم نے باقی رکھا ہے عقد کو ان کی رعایت کے لیے،

فَإِنْ أَرَادُوا قَلْعَ الزَّرْعِ لَمْ يُجْبَرُوا عَلَى الْعَمَلِ لِمَا بَيَّنَّا ، وَالْمَالِكُ عَلَى الْخِيَارَاتِ الثَّلَاثِ

پس اگر انہوں نے ارادہ کیا کھیتی اکھاڑنے کا تو مجبور نہیں کیے جائیں گے کام پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور مالک کو تین اختیار ہیں

لِمَا بَيَّنَّا . {۱۰} قَالَ : وَكَذَلِكَ أُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدِّيَاسِ وَالتَّذْرِيَةِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور اسی طرح کٹائی، کلیان میں لانے، گاہنے، اور پیداوار بھوسے سے الگ کرنے کی اجرت

عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ . فَإِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ ، وَهَذَا الْحُكْمُ لَيْسَ بِمُخْتَصٍّ

ان دونوں پر حصص کے مطابق ہو گا، پس اگر ان دونوں نے اجرت شرط کر لی مزارعت میں عامل پر تو فاسد ہو جائے گی، اور یہ حکم مختص نہیں

بِمَا ذُكِرَ مِنَ الصُّورَةِ وَهُوَ انْقِضَاءُ الْمُدَّةِ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ بَلْ هُوَ عَامٌّ فِي جَمِيعِ الْمُزَارَعَاتِ. وَوَجْهُ ذَلِكَ

اس صورت کے ساتھ جوذکر کی اور وہ مدت گذرنے کی صورت ہے جبکہ کھیتی نہ پکی ہو، بلکہ یہ عام ہے تمام مزارعات کو، اور وجہ اس کی یہ ہے

أَنَّ الْعَقْدَ يَتَنَاهَى بِتَنَاهِي الزَّرْعِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ فَيَبْقَى مَالٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَلَا عَقْدَ فَيَجِبُ

کہ عقد تام ہو جاتی ہے کھیتی پکنے سے حصول مقصود کی وجہ سے پس باقی رہے گا مال مشترک دونوں کے درمیان اور عقد نہیں رہتا، پس واجب ہے

مُؤْنَتُهُ عَلَيْهِمَا . ﴿۱۱﴾وَإِذَا شُرِطَ فِي الْعَقْدِ ذَلِكَ وَلَا يَقْتَضِيهِ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِهِمَا يَفْسُدُ

اس کا خرچہ دونوں پر۔ اور جب شرط کی جائے عقد میں یہ حالانکہ عقد تقاضا نہیں کر رہا ہے اس کا، اور اس میں نفع ہو دونوں میں سے ایک کا تو فاسد ہو جائے گا

الْعَقْدُ كَشَرْطِ الْحَمْلِ أَوِ الطَّحْنِ عَلَى الْعَامِلِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجُوزُ إِذَا شَرَطَ ذَلِكَ عَلَى الْعَامِلِ لِلتَّعَامُلِ اعْتِبَارًا

عقد جیسے شرط کرنا اٹھانے یا پیسنے کی عامل پر، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جائز ہے جب یہ شرط کی جائے عامل پر تعامل کی وجہ سے قیاس کرتے ہوئے

بِالِاسْتِصْنَاعِ وَهُوَاخْتِيَارُمَشَايِخِ بَلْخٍ.قَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِالسَّرَخْسِيُّ:هَذَاهُوَالْأَصَحُّ فِي دِيَارِنَا﴿۱۲﴾فَالْحَاصِلُ أَنَّ

استصناع پر، اور یہی مختار ہے مشائخ بلخ کا، فرمایا شمس الائمہ سرخسیؒ نے: یہی زیادہ صحیح ہے ہمارے علاقوں میں۔ پس حاصل یہ کہ جو کام ہو

مَاكَانَ مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ كَالسَّقْيِ وَالْحِفْظِ فَهُوَعَلَى الْعَامِلِ،وَمَاكَانَ مِنْهُ بَعْدَالْإِدْرَاكِ قَبْلَ الْقِسْمَةِفَهُوَعَلَيْهِمَا

کھیتی پکنے سے پہلے جیسے سینچنا اور حفاظت کرنا تو وہ عامل پر ہے، اور جو کام ہو کھیتی پکنے کے بعد تقسیم سے پہلے تو وہ دونوں پر ہے

فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَالْحَصَادِوَالدِّيَاسِ وَأَشْبَاهِهِمَاعَلَى مَابَيَّنَّاهُ،وَمَاكَانَ بَعْدَالْقِسْمَةِفَهُوَعَلَيْهِمَا .وَالْمُعَامَلَةُعَلَى قِيَاسِ هَذَا

ظاہر الروایت میں جیسے کاٹنا اور گاہنا اور ان دونوں کے مشابہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ اور جو ہو تقسیم کے بعد تو وہ دونوں پر ہے اور مساقات بھی اسی قیاس پر ہے

مَاكَانَ قَبْلَ إِدْرَاكِ الثَّمَرِمِنَ السَّقْيِ وَالتَّلْقِيحِ وَالْحِفْظِ فَهُوَعَلَى الْعَامِلِ﴿۱۳﴾وَمَاكَانَ بَعْدَالْإِدْرَاكِ كَالْجِدَادِوَالْحِفْظِ فَهُوَ

جو پھل پکنے سے پہلے ہو یعنی سیرابی، پیوند کاری، اور حفاظت تو وہ عامل پر ہے، اور جو ہو پھل پکنے کے بعد جیسے پھل توڑنا اور حفاظت تو وہ

عَلَيْهِمَا وَلَوْ شَرَطَ الْجِدَادَ عَلَى الْعَامِلِ لَا يَجُوزُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ لَا عُرْفَ فِيهِ .وَمَا كَانَ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ عَلَيْهِمَا

دونوں پر ہے اور اگر شرط کیا گیا کاٹنا عامل پر تو یہ جائز نہیں بالاتفاق؛ کیونکہ کوئی عرف نہیں اس بارے میں، اور جو ہو تقسیم کے بعد تو وہ دونوں پر ہے

لِأَنَّهُ مَالٌ مُشْتَرَكٌ وَلَا عَقْدَ ، وَلَوْ شَرَطَ الْحَصَادَ فِي الزَّرْعِ عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ لَا يَجُوزُ بِالْإِجْمَاعِ لِعَدَمِ الْعُرْفِ

کیونکہ یہ مال مشترک ہے، اور عقد نہیں ہے، اور اگر شرط لگائی کاٹنے کی کھیتی میں صاحبِ زمین پر تو جائز نہیں ہے بالاتفاق؛ عرف نہ ہونے کی وجہ سے

فِيهِ .﴿۱۴﴾وَلَوْ أَرَادَا فَصْلَ الْقَصِيلِ أَوْ جَدَّ التَّمْرِ بُسْرًا أَوِ الْتِقَاطَ الرُّطَبِ فَذَلِكَ عَلَيْهِمَا لِأَنَّهُمَا أَنْهَيَا

اس میں، اور اگر ارادہ کیا کچی کھیتی کاٹنے کا یا کچی کھجور کاٹنے کا، یا پختہ کھجور چننے کا تو یہ ان دونوں پر ہے؛ کیونکہ ان دونوں نے پورا کیا

الْعَقْدَ لَمَّا عَزَمَا عَلَى الْفَصْلِ وَالْجِدَادِ بُسْرًا فَصَارَ كَمَا بَعْدَ الْإِدْرَاكِ ، وَاللهُ أَعْلَمُ

عقد کو جب دونوں نے عزم کیا کچی کھیتی کاٹنے اور گدر کھجور توڑنے کا پس ہو گیا جیسے پکنے کے بعد، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱} اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مر گیا تو اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے عقدِ مزارعت باطل ہو جائے گا وجہ اجارات میں گذر چکی ہے کہ اگر عقد کو باقی رکھا جائے تو عقد کی وجہ سے مملوک منفعت یا اجرت غیر عاقد کے لیے واجب ہو جائے گی؛ کیونکہ موت سے وارث کی طرف منتقل ہو جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے۔

{۲} اگر زمین زراعت پر تین سال کے لیے دی ہو اور ابھی پہلا سال ہو اور کھیتی اگی ہو مگر کاٹی نہ گئی ہو حتی کہ زمین کا مالک مر گیا تو زمین کو مزارع کے قبضے میں چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ کھیتی کو کاٹ دے اور شرط کے مطابق تقسیم کر دے، اور باقی دو سالوں میں مزارعت ٹوٹ جائے گی؛ کیونکہ اول سال میں مزارعت باقی رکھنے میں دونوں کے حق کی رعایت ہے لہٰذا مزارعت استحساناً باطل نہ ہو گی۔ اس کے برخلاف باقی دو سالوں میں مزارعت توڑنے میں چونکہ عامل کا کوئی ضرر نہیں ہے اس لیے ان دو سالوں میں قیاس کی رعایت کرتے ہوئے مزارعت کو فسخ کر دیا جائے گا۔

{۳} اور اگر عامل نے زمین کی جتائی کر لی اور نالیاں بنالی اور ابھی کاشت نہیں کی تھی کہ زمین کا مالک مر گیا تو مزارعت ٹوٹ جائے گی؛ کیونکہ اس میں کاشت کے مال کا ابطال لازم نہیں آتا ہے، اور عامل نے جو کام کیا ہے اس کے مقابلے میں اس کو کچھ نہیں ملے گا جیسا کہ آگے "لِأَنَّ الْمَنَافِعَ إِنَّمَا تَتَقَوَّمُ بِالْعَقْدِ" سے ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

{۴} اگر زمین کے مالک کو لاحق کسی بھاری قرض کی وجہ سے مزارعت کو فسخ کر دیا گیا پس مالک زمین کو فروخت کرنے کو محتاج ہوا اور اس نے زمین فروخت کر دی تو فسخ مزارعت جائز ہے جیسا کہ اجارات میں اس طرح کے موقع پر زمین کو فروخت کرنے سے اجارہ کو فسخ کرنا جائز ہے، اور عامل کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ زمین کو جوتنے اور نالیاں کھودنے کے بدلے رب الارض سے کچھ طلب کرے؛ کیونکہ زمین جوتنا اور نالیاں کھودنا عامل کے منافع میں سے ہیں اور منافع عقد کی وجہ سے ذی قیمت ہو جاتے ہیں اور یہاں منافع کی قیمت پیداوار کے ساتھ لگائی گئی ہے، پس جب پیداوار معدوم ہو گئی تو کچھ واجب نہ ہو گا۔

{۵} اگر کھیتی اگ آئی ہو اور ابھی تک کاٹی نہ گئی ہو تو رب الارض پر لازم دَین میں اس زمین کو فروخت نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ کھیتی کاٹ لی جائے؛ کیونکہ زمین کو فروخت کرنے سے کاشت کار کے حق کا ابطال لازم آتا ہے اور عامل کے حق کے ابطال سے قرضخواہ کے حق کی تاخیر آسان ہے اس لیے آسان کو اختیار کیا جائے گا۔ اور اگر قاضی نے رب الارض کو دَین کی وجہ سے قید میں ڈال

دیاتوزمین کی فروخت ممنوع ہونے کی وجہ سے قاضی اس کو قید سے رہاکردے؛کیونکہ جب زمین کی فروخت ممنوع ہے تومالک ظالم نہ ہوگاحالانکہ قید کرناظلم ہی کابدلہ ہے اس لیے قاضی ربّ الارض کورہاکردے۔

{٦}اگرمزارعت کی مدت گذرگئی مگرکھیتی اب تک پکی نہ ہوتوکھیتی کوزمین پربرقراررکھاجائے گاالبتہ کاشت کارپراس کے حصے کے بقدرکھیتی کاٹنے تک زمین کی اجرتِ مثل لازم ہوگی،اورکھیتی کاخرچہ ان دونوں پران کے حقوق کے بقدرہوگا،مطلب یہ ہے کہ کھیتی کی کٹائی تک جوخرچہ آئے گاوہ دونوں پران کے حقوق کے بقدرہوگا؛اوریہ اس لیے کہ اجرتِ مثل کے عوض کھیتی کوبرقراررکھنے میں جانبین سے رعایت کی برابری ہے لہٰذااسی کی طرف رجوع کیاجائے گا۔اوراس صورت میں عمل(خرچہ)دونوں پراس لیے ہوگاکہ عقدِ مزارعت مدت پوری ہونے کی وجہ سے انتہاء کوپہنچ چکاہے لہٰذااب جوخرچہ ہوگاوہ مالِ مشترک میں ہوگااورمالِ مشترک کاخرچہ شریکین پرہوتاہے۔

{٧}اس کے برخلاف اگرربّ الارض مرگیااورکھیتی اب تک کچی ہو،تواس صورت میں کام اورخرچہ عامل پرہوگا؛کیونکہ مزارعات میں عمل عامل پرہوتاہے،اورموت کی صورت میں ہم نے عقدکومدتِ عقدتک برقراررکھاہے اورعقدکاتقاضایہ ہے کہ عمل عامل ہی پرہواس لیےاس صورت میں عمل عامل پرہوگا،رہی مدت گذرنے کی صورت توچونکہ اس میں عقدانتہاءکوپہنچ جاتاہے لہٰذایہ اس عقدکوبرقراررکھنانہیں ہے اس لیے عامل وجوبِ عمل کے ساتھ مختص نہ ہوگابلکہ عمل عامل اورربّ الارض دونوں پرہوگا۔

{٨}اگرعاقدین میں سے کسی ایک نے اپنے ساتھی کی اجازت اورقاضی کے حکم کے بغیرکھیتی پرخرچہ کیاتووہ اس میں متبرع ہوگا؛کیونکہ ایک کودوسرے پرولایت حاصل نہیں ہے اوربلاولایت خرچہ کرنے والامتبرع ہوتاہے لہٰذاوہ اپنے ساتھی سے رجوع نہیں کرسکتاہے۔

اگرمدتِ کھیتی گذرنے کے بعدربّ الارض نے چاہاکہ کچی کھیتی کولے لےتواس کواس کاحق نہ ہوگا؛کیونکہ اس میں مزارع کوضررپہنچاناہے اورضررشریعت میں مدفوع ہے۔اوراگرکاشت کارنے چاہاکہ کچی کھیتی لے لےتوربّ الارض کوتین باتوں کااختیارہوگا،ایک یہ کہ کھیتی اُکھاڑدواورکچی کھیتی تم دونوں کے درمیان مشترک ہوگی،دوسری یہ کہ کاشت کارکواس کے حصے کی قیمت دیدےاورپوری کھیتی کامالک ہوجائے،تیسری یہ کہ کھیتی پراپنی طرف سے خرچہ کرتارہےاورکاشت کارکے حصے کے بقدرخرچہ اس سے وصول کرلے؛یہ اس لیے کہ کاشت کارجب عمل سے رُک جائےتواس کوعمل پرمجبورنہیں کیاجائے گا؛کیونکہ مدت ختم ہونے کے بعدعقدکوختم کرنے والی چیزیں موجودہیں پھربھی جوہم نے بقاءِعقدکواختیارکیاہے تویہ کاشت کارکی رعایت کے لیے ہے،اوروہ

خود اپنے لیے رعایت کو چھوڑ رہا ہے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، اور ربّ الارض کو ان تین باتوں کا اختیار ہو گا؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک بات کو اختیار کرنے سے وہ ضرر کو دفع کر سکتا ہے۔

{9} اگر کھیتی اُگنے کے بعد کاشت کار مر گیا اور اس کے ورثہ نے کہا کہ ہم اس کا کام کریں گے یہاں تک کہ کھیتی کاٹی جائے ، مگر ربّ الارض نے اس کا انکار کیا تو ورثہ کے لیے کام کا حق ہو گا؛ کیونکہ ان کے کام کرنے میں ربّ الارض کا کوئی ضرر نہیں ہے اور جس کام میں دوسرے کا ضرر نہ ہو اس کام کو کرنے کا بندہ کو اختیار ہوتا ہے۔ اور ورثہ جو کام کریں گے اس کی اجرت ان کو نہیں ملے گی؛ کیونکہ ہم نے عقد کو انہی کی رعایت کے لیے باقی رکھا ہے لہٰذا یہ کسی اور سے اجرت نہیں لے سکتے ہیں۔ اور اگر ورثہ نے کچی کھیتی کاٹنا چاہا تو ان کو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ عقد کو برقرار رکھنا ان کی رعایت کے لیے ہے جب وہ اپنی رعایت نہیں چاہتے ہیں تو ہم ان کو مجبور نہیں کریں گے، البتہ مالک کو مذکورہ بالا تین باتوں کا اختیار ہو گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ وہ ان میں سے کسی بھی ایک سے اپنے ضرر کو دفع کر سکتا ہے۔

{10} اسی طرح کھیتی پک جانے کے بعد کٹائی، کھلیان میں لانے، گاہنے اور اڑانے کی اجرت ان دونوں پر ان کے حصص کے بقدر ہو گی، پس اگر ان دونوں نے ان چیزوں کی اجرت کو عامل پر شرط کر لی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم (کہ کٹائی وغیرہ کی اجرت دونوں پر ہے) مذکورہ صورت کے ساتھ مختص نہیں ہے، مذکورہ صورت سے مراد یہ ہے کہ مدت پوری ہو جائے اور کھیتی پکی نہ ہو، بلکہ یہ حکم تمام مزارعات کو شامل ہے کہ مذکورہ چیزوں کی اجرت دونوں پر ہو گی؛ وجہ یہ ہے کہ جب کھیتی پک کر تیار ہو گئی تو مزارعت کا مقصود پورا ہو گیا لہٰذا مزارعت ختم ہو گئی اور جب مزارعت ختم ہو جاتی ہے تو مال بلاعقد دونوں میں مشترک ہو گا پس شرکت کی وجہ سے واجب ہے کہ خرچہ دونوں پر ہو۔

{11} اور اگر عقد میں یہ شرط کر لی کہ کٹائی وغیرہ سارے کام عامل پر ہوں گے حالانکہ عقدِ مزارعت اس شرط کا تقاضا نہیں کر رہا ہے اور اس میں عاقدین میں سے ایک (ربّ الارض) کا فائدہ بھی ہے تو یہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی جیسے اس طرح کی شرط لگانا کہ غلہ کو عامل لاد کر ربّ الارض کے پاس پہنچائے گا یا پیس کر اس کو دیدے گا تو یہ شرط مفسدِ عقد ہے اسی طرح کٹائی وغیرہ کو عامل کے ذمہ لگانا بھی مفسدِ عقد ہو گا۔

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ عامل پر ان کاموں کو شرط کرنا جائز ہے؛ کیونکہ لوگوں کا تعامل اسی پر ہے، اور آرڈر پر کوئی چیز بنوانے پر قیاس کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا جائے گا، یہی قول مشائخ بلخ کا مختار ہے، اور شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے

دیار میں یہی زیادہ صحیح ہے کذا فی الدر المختار: (وَصَحَّ اشْتِرَاطُ الْعَمَلِ) كَحَصَادٍ وَدِيَاسٍ وَنَسْفٍ عَلَى الْعَامِلِ (عِنْدَ الثَّانِي لِلتَّعَامُلِ وَهُوَ الْأَصَحُّ) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُلْتَقًى (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار:5ص198)۔

{۱۲}صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ سابقہ مسائل کا حاصل یہ ہے کہ جو کام کھیتی پکنے سے پہلے ہو جیسے سیراب کرنا، اور حفاظت کرنا تو یہ کام عامل کے ذمہ ہیں، اور جو کام کھیتی پکنے کے بعد اور تقسیم سے پہلے ہوں وہ ظاہر الروایت کے مطابق دونوں پر ہوں گے جیسے کٹائی، گہائی اور ان کے مشابہ کام دونوں پر ہوں گے جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور جو کام تقسیم کے بعد ہو جیسے گھر تک اٹھا کر لادنا تو وہ بھی ان دونوں پر ہوگا، اور مساقات (باغ کو بٹائی پر دیا) اسی قیاس پر ہے کہ جو کام پھل پکنے سے پہلے ہوں جیسے سیراب کرنا، پیوند کاری (نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں ڈالنا) کرنا اور حفاظت کرنا تو یہ عامل پر ہوں گے۔

{۱۳}اور جو کام پھل پکنے کے بعد ہوں جیسے پھل توڑنا اور پھلوں کی حفاظت کرنا تو یہ دونوں پر ہوں گے، اور اگر پھل توڑنے کو عامل پر شرط کیا ہو تو بالاتفاق جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں اس طرح کا عرف نہیں ہے لہٰذا یہ شرط مفسدِ عقد ہے اس لیے کہ اس میں ایک عاقد کا فائدہ ہے۔ اور جو کام تقسیم کے بعد ہوں جیسے گھر تک اٹھا کر لادنا تو وہ دونوں پر ہوں گے؛ کیونکہ مجموعہ بہر حال دونوں میں مشترک ہے اور اس بارے میں کوئی عقد نہیں ہے لہٰذا یہ کام دونوں پر ہوگا۔ اور اگر کھیتی میں کٹائی کے کام کی شرط زمین کے مالک پر لگائی تو یہ بالاتفاق جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس بارے میں کوئی عرف نہیں ہے۔

{۱۴}اگر دونوں نے ارادہ کیا کچی کھیتی کاٹنے کا یا گدر کھجور توڑنے کا یا پختہ کھجور چننے کا تو یہ کام دونوں پر ہوں گے؛ کیونکہ جب ان دونوں نے کچی کھیتی کاٹنے اور کچی کھجور توڑنے کا عزم کیا تو انہوں نے عقد کو ختم کر دیا لہٰذا یہ کام ان دونوں پر ہوں گے جیسا کہ کھیتی اور کھجور پکنے کے بعد یہ کام دونوں پر ہوتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ

یہ کتاب درختوں کو بٹائی پر دینے کے بیان میں ہے۔

درختوں کو بٹائی پر دینے کو مساقات کہتے ہیں مثلاً باغ کسی کے سپرد کردے کہ تم اس کی حفاظت کرو اور اس کو سیراب کرتے رہو، پھر جب پھل حاصل ہوں تو وہ ہم دونوں میں مشترک ہوں گے۔

مزارعت اور مساقات میں مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں بعض پیداوار کے عوض معاملہ کرنا ہے۔ مزارعت اور مساقات میں سے مساقات کے قائل زیادہ علماء ہیں اور حضور ﷺ کا اہل خیبر کے ساتھ معاملہ بھی حدیث سے ثابت ہے، پھر بھی مزارعت کو مساقات سے مقدم کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مزارعت کی حاجت زیادہ ہے اور اس کے فروعی مسائل زیادہ ہیں اس لیے مزارعت کے احکام کو مساقات سے مقدم ذکر فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : الْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرِ بَاطِلَةٌ ، وَقَالَا : جَائِزَةٌ إِذَا ذَكَرَ مُدَّةً مَعْلُومَةً

فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے مساقات پھل کے کسی جزء کے ساتھ باطل ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے جب ذکر کرے معلوم مدت

وَسَمَّى جُزْءًا مِنَ الثَّمَرِ مُشَاعًا ، وَالْمُسَاقَاةُ : هِيَ الْمُعَامَلَةُ وَالْكَلَامُ فِيهَا كَالْكَلَامِ فِي الْمُزَارَعَةِ.

اور متعین کردے پھلوں کا کوئی جزء مشاع، اور مساقات معاملہ ہے درختوں میں اور اس میں بحث مزارعت میں بحث کی طرح ہے،

﴿۲﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: الْمُعَامَلَةُ جَائِزَةٌ، وَلَاتَجُوزُ الْمُزَارَعَةُ إِلَّاتَبَعًا لِلْمُعَامَلَةِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي هَذَا الْمُضَارَبَةُ

اور فرمایا امام شافعیؒ نے مساقات جائز ہے، اور جائز نہیں ہے مزارعت مگر تابع ہو کر مساقات کی؛ کیونکہ اصل اس میں مضاربت ہے،

وَالْمُعَامَلَةُ أَشْبَهُ بِهَا لِأَنَّ فِيهِ شَرِكَةً فِي الزِّيَادَةِ دُونَ الْأَصْلِ .وَفِي الْمُزَارَعَةِ لَوْ شَرَطَا الشَّرِكَةَ

اور مساقات زیادہ مشابہ ہے اس کے؛ کیونکہ مساقات میں شرکت ہے زیادتی میں نہ کہ اصل میں، اور مزارعت میں اگرچہ شرط کرلی شرکت

فِي الرِّبْحِ دُونَ الْبَذْرِ بِأَنْ شَرَطَا رَفْعَهُ مِنْ رَأْسِ الْخَارِجِ تَفْسُدُ ، فَجَعَلْنَا

منافع میں نہ کہ بیج میں بایں طور کہ شرط کی جائے پیداوار سے اس کو رفع کرنے کی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی، پس ہم نے قرار دیا

الْمُعَامَلَةَ أَصْلًا، وَجَوَّزْنَا الْمُزَارَعَةَ تَبَعًا لَهَا كَالشُّرْبِ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ وَالْمَنْقُولِ فِي وَقْفِ الْعَقَارِ ﴿۳﴾ وَشَرْطُ الْمُدَّةِ

مساقات کو اصل اور جائز قرار دی مزارعت اس کے تابع بنا کر جیسے شرب زمین کی بیع میں اور منقول چیز زمین کے وقف میں، اور مدت کی شرط

قِيَاسٌ فِيهَا لِأَنَّهَا إجَارَةٌ مَعْنًى كَمَا فِي الْمُزَارَعَةِ. وَفِي الِاسْتِحْسَانِ: إذَا لَمْ يُبَيِّنِ الْمُدَّةَ يَجُوزُ

قیاس ہے مساقات میں؛ کیونکہ مساقات اجارہ ہے معنیً جیسا کہ مزارعت میں ہے، اور استحسان میں جب بیان نہ کرے مدت تو جائز ہے

وَيَقَعُ عَلَى أَوَّلِ ثَمَرٍ يَخْرُجُ ، لِأَنَّ الثَّمَرَ لِإِدْرَاكِهَا وَقْتٌ مَعْلُومٌ وَقَلَّمَا يَتَفَاوَتُ وَيَدْخُلُ

اور واقع ہوجائے گا اول پھل پر جب وہ نکلے؛ کیونکہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہے، اور بہت کم تفاوت ہوتا ہے، اور داخل ہوں گے

فِيمَا مَا هُوَ الْمُتَيَقَّنُ ،{۴}وَإِدْرَاكُ الْبَذْرِ فِي أُصُولِ الرَّطْبَةِ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ إدْرَاكِ الثِّمَارِ،لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً

اس میں وہ پھل جو متیقن ہیں۔ اور بیج کا پکنا برسیم کی جڑوں میں مساقات میں بمنزلۂ پھل پکنے کے ہے؛ کیونکہ اس کے لیے معلوم انتہاء ہے

فَلَا يُشْتَرَطُ بَيَانُ الْمُدَّةِ ، بِخِلَافِ الزَّرْعِ لِأَنَّ ابْتِدَاءَهُ يَخْتَلِفُ كَثِيرًا خَرِيفًا وَصَيْفًا وَرَبِيعًا ، وَالِانْتِهَاءُ بِنَاءٌ

پس شرط نہ ہوگا مدت کا بیان، برخلاف کھیتی کے؛ کیونکہ اس کی ابتداء بہت زیادہ مختلف ہوتی ہے موسم خریف، گرما اور بہار سے، اور انتہاء مبنی ہے

عَلَيْهِ فَتَدْخُلُهُ الْجَهَالَةُ ،{۵}وَبِخِلَافِ مَا إذَا دَفَعَ إلَيْهِ غَرْسًا قَدْ عَلِقَ وَلَمْ يَبْلُغِ الثَّمَرَ مُعَامَلَةً

ابتداء پر پس داخل ہوگی اس میں جہالت۔ اور برخلاف اس کے جب دے کسی کو پودا جو اگ آیا ہو اور نہ پہنچا ہو پھل کو مساقات کے طور پر

حَيْثُ لَا يَجُوزُ إلَّا بِبَيَانِ الْمُدَّةِ لِأَنَّهُ يَتَفَاوَتُ بِقُوَّةِ الْأَرَاضِي وَضَعْفِهَا تَفَاوُتًا فَاحِشًا ،{۶}وَبِخِلَافِ مَا إذَا دَفَعَ

کہ یہ جائز نہیں ہے مگر مدت بیان کرنے سے؛ کیونکہ مختلف ہوتا ہے زمین کی قوت اور ضعف کے ساتھ بہت زیادہ، اور برخلاف اس کے جب دے

نَخِيلًا أَوْ أُصُولَ رَطْبَةٍ عَلَى أَنْ يَقُومَ عَلَيْهَا أَوْ أَطْلَقَ فِي الرُّطْبَةِ تَفْسُدُ الْمُعَامَلَةُ ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِذَلِكَ

کھجور کا درخت یا برسیم کی جڑیں اس شرط پر کہ ان کی نگرانی کرے گا یا مطلق چھوڑے برسیم میں تو فاسد ہوجائے گی مساقات؛ کیونکہ اس کے لیے نہیں ہے

نِهَايَةٌ مَعْلُومَةٌ ، لِأَنَّهَا تَنْمُو مَا تُرِكَتْ فِي الْأَرْضِ فَجُهِلَتِ الْمُدَّةُ{۷} وَيُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْجُزْءِ مُشَاعًا؛ لِمَا

انتہاء معلوم؛ کیونکہ یہ بڑھتی ہے جب تک کہ چھوڑی جائے زمین میں پس مجہول ہوگی مدت، اور شرط ہے متعین کرنا جزء مشاعاً؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا فِي الْمُزَارَعَةِ إذْ شَرْطُ جُزْءٍ مُعَيَّنٍ يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ. فَإِنْ سَمَّيَا فِي الْمُعَامَلَةِ وَقْتًا

جو ہم بیان کر چکے مزارعت میں؛ کیونکہ جزءِ معین کی شرط قطع کردیتی ہے شرکت کو۔ اور اگر دونوں نے متعین کیا مساقات میں ایسا وقت

يُعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَخْرُجُ الثَّمَرُ فِيهَا فَسَدَتِ الْمُعَامَلَةُ ؛ لِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الشَّرِكَةُ فِي الْخَارِجِ

جو معلوم ہو کہ نہیں نکلتا ہے پھل اس میں تو فاسد ہوجائے گی مساقات؛ مقصود فوت ہونے کی وجہ سے اور وہ شرکت ہے پیداوار میں،

{۸} وَلَوْ سَمَّيَا مُدَّةً قَدْ يَبْلُغُ الثَّمَرُ فِيهَا وَقَدْ يَتَأَخَّرُ عَنْهَا جَازَتْ ؛ لِأَنَّا لَا نَتَيَقَّنُ

اور اگر متعین کی ایسی مدت کہ کبھی پک جاتا ہے پھل اس میں اور کبھی متاخر ہوتا ہے اس سے تو جائز ہے؛ کیونکہ ہمیں یقین نہیں ہے

بِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ، ثُمَّ لَوْ خَرَجَ فِي الْوَقْتِ الْمُسَمَّى فَهُوَ عَلَى الشَّرِكَةِ؛ لِصِحَّةِ الْعَقْدِ، وَإِنْ تَأَخَّرَ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ الْمِثْلِ

مقصود فوت ہونے کا، پھر اگر نکل آیا وقتِ مقررہ میں تو وہ شرکت پر ہے صحتِ عقد کی وجہ سے، اور اگر مؤخر ہوا تو عامل کے لیے اجرتِ مثل ہے

لِفَسَادِ الْعَقْدِ؛ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ الْخَطَأُ فِي الْمُدَّةِ الْمُسَمَّاةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا عَلِمَ ذَلِكَ فِي الِابْتِدَاءِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَخْرُجْ

فسادِ عقد کی وجہ سے؛ کیونکہ ظاہر ہوگئی خطاء مدتِ مقررہ میں پس ہو گیا جیسے جب یہ معلوم ہوا ابتداء میں، برخلاف اس کے جب نہ نکلے

أَصْلًا لِأَنَّ الذَّهَابَ بِآفَةٍ فَلَا يَتَبَيَّنُ فَسَادُ الْمُدَّةِ فَيَبْقَى الْعَقْدُ صَحِيحًا ، وَلَا شَيْءَ لِكُلِّ وَاحِدٍ

بالکل؛ کیونکہ پھلوں کا ختم ہونا آفت کی وجہ سے ہے پس ظاہر نہ ہوگا فسادِ مدت، پس باقی رہا عقد صحیح سالم، اور کچھ نہیں کسی ایک کے لیے

مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ . {٩} قَالَ : وَتَجُوزُ الْمُسَاقَاةُ فِي النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ

ان دونوں میں سے اپنے ساتھی پر۔ فرمایا: اور جائز ہے مساقات کھجور کے درختوں اور عام درختوں، انگور، سبزیات اور بینگن کے پودوں میں

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْجَدِيدِ : لَا تَجُوزُ إِلَّا فِي الْكَرْمِ وَالنَّخْلِ ، لِأَنَّ جَوَازَهَا بِالْأَثَرِ وَقَدْ خَصَّهُمَا

اور فرمایا امام شافعیؒ نے جدید قول میں جائز نہیں ہے مگر انگور اور کھجور میں؛ کیونکہ مساقات کا جواز اثر سے ثابت ہے اور اثر نے ان دونوں کی تخصیص کی ہے

وَهُوَ حَدِيثُ خَيْبَرَ . {١٠} وَلَنَا أَنَّ الْجَوَازَ لِلْحَاجَةِ وَقَدْ عَمَّتْ ، وَأَثَرُ خَيْبَرَ لَا يَخُصُّهُمَا

اور وہ حدیثِ خیبر ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جواز حاجت کی وجہ سے ہے اور حاجت عام ہے، اور حدیثِ خیبر ان کی تخصیص نہیں کرتی ہے

لِأَنَّ أَهْلَهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فِي الْأَشْجَارِ وَالرِّطَابِ أَيْضًا ، وَلَوْ كَانَ كَمَا زَعَمَ فَالْأَصْلُ فِي النُّصُوصِ أَنْ تَكُونَ

کیونکہ اہلِ خیبر معاملہ کرتے تھے درختوں اور سبزیات میں بھی، اور اگر مسئلہ ایسا ہی ہو جو امام شافعیؒ نے سمجھا ہے تو اصل نصوص میں یہ ہے

مَعْلُولَةً سِيَّمَا عَلَى أَصْلِهِ {١١} وَلَيْسَ لِصَاحِبِ الْكَرْمِ أَنْ يُخْرِجَ الْعَامِلَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ عَلَيْهِ

کہ معلول بالعلۃ ہو خاص کر امام شافعیؒ کی اصل پر۔ اور نہیں ہے صاحبِ انگور کو حق کہ نکال دے عامل کو بلا عذر؛ کیونکہ کوئی ضرر نہیں ہے اس پر

فِي الْوَفَاءِ بِالْعَقْدِ- وَكَذَا لَيْسَ لِلْعَامِلِ أَنْ يَتْرُكَ الْعَمَلَ بِغَيْرِ عُذْرٍ بِخِلَافِ الْمُزَارَعَةِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى صَاحِبِ الْبَذْرِ

اتمامِ عقد میں، اور اسی طرح حق نہیں عامل کو کہ ترک کر دے عمل کو بلا عذر، برخلاف مزارعت کے صاحبِ بیج کی طرف نسبت کرتے ہوئے

عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ . {١٢} قَالَ : فَإِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيهِ تَمْرٌ مُسَاقَاةً وَالتَّمْرُ يَزِيدُ

جیسے ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ فرمایا: اگر دیدیا کھجور کا ایسا درخت جس میں پھل ہوں مساقات پر، اور کھجور میں اضافہ ہوتا ہو

بِالْعَمَلِ جَازَ وَإِنْ كَانَتْ قَدِ انْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ وَكَذَا عَلَى هَذَا إِذَا دَفَعَ الزَّرْعَ وَهُوَ بَقْلٌ جَازَ ، وَلَوْ اسْتُحْصِدَ

عمل سے تو جائز ہے، اور اگر وہ انتہاء کو پہنچی ہو تو جائز نہیں، اور اسی طرح جب دیدے کھیتی اس حال میں کہ وہ کچی ہو تو جائز ہے، اور اگر کھیتی کاٹنے کے قابل ہو

وَأُدْرِكَ لَمْ يَجُزْ ، لِأَنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يَسْتَحِقُّ بِالْعَمَلِ ، وَلَا أَثَرَ لِلْعَمَلِ بَعْدَ التَّنَاهِي وَالْإِدْرَاكِ ، فَلَوْ جَوَّزْنَاهُ

اور پک گئی تو جائز نہیں؛ کیونکہ عامل مستحق اجرت ہوتا ہے کام سے، اور کوئی اثر نہیں ہے کام کا انتہاء کو پہنچنے اور پکنے کے بعد، پس اگر ہم اس کو جائز قرار دے

لَكَانَ اسْتِحْقَاقًا بِغَيْرِ عَمَلٍ وَلَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ ذَلِكَ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى الْعَمَلِ.

تو یہ استحقاق بلا عمل ہوگا، اور وارد نہیں اس کے بارے میں شریعت، برخلاف اس سے پہلے تحقق حاجت کی وجہ سے عمل کی طرف۔

تشریح:۔ {۱} امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پھلوں کے ایک حصے کے عوض مساقات باطل ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مساقات کی یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ اس کے لیے معلوم مدت ذکر کی جائے، اور پھلوں میں سے اس کا حصہ بطریق شیوع معین کیا جائے ۔ اور مساقات اہل مدینہ کی لغت میں درختوں میں معاملہ کرنے کو کہتے ہیں، اور مساقات میں کلام اسی طرح ہے جیسا کہ مزارعت میں تھا یعنی اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور ہر ایک فریق کے دلائل اور شرائط وہی ہیں جو مزارعت میں ہم بیان کر چکے۔

فتوی:۔ مزارعت کی طرح مساقات میں بھی صاحبینؒ کے قول پر فتوی ہے لما فی مجمع الانہر: (وَهِيَ) الْمُسَاقَاةُ (كَالْمُزَارَعَةِ حُكْمًا) حَيْثُ يُفْتِي عَلَى صِحَّتِهَا (وَخِلَافًا) حَيْثُ تَبْطُلُ عِنْدَ الْإِمَامِ وَتَصِحُّ عِنْدَهُمَا كَالْمُزَارَعَةِ وَبِهِ قَالَتِ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ. (مجمع الانہر:4ص148)

{۲} امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مساقات جائز ہے، اور مزارعت جائز نہیں ہے، مگر مساقات کا تابع ہو کر بناء بر تبعیت جائز ہے مثلاً باغ کے ساتھ خالی زمین پڑی ہے تو مساقات کے ساتھ خالی زمین میں مزارعت کا معاملہ بھی کیا تو جائز ہے؛ کیونکہ اس باب میں اصل مضاربت ہے اور وہ جائز ہے، پھر مساقات اور مزارعت میں سے مساقات مضاربت کے ساتھ مزارعت سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے؛ کیونکہ مضاربت اور مساقات دونوں میں اصل (رأس المال اور درختوں) میں شرکت نہیں ہوتی ہے منافع اور زوائد میں شرکت ہوتی ہے، جبکہ مزارعت اس کے برعکس ہے کہ اس میں بیج میں شرکت ہوتی ہے حتی کہ اگر بیج والے نے یہ شرط لگائی کہ میں پہلے بیج کی مقدار پیداوار سے لے لوں گا بقیہ پیداوار مشترک ہوگی تو اس شرط سے مزارعت فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا مضاربت کے ساتھ مساقات کی مشابہت زیادہ ہے اس لیے ہم نے مساقات کا جواز اصل قرار دیا اور مزارعت کو اس کی تبعیت میں جائز قرار دیا جیسا کہ پانی کے حصے کی بیع مستقلاً جائز نہیں ہے مگر زمین کی بیع میں پانی کا حصہ تبعاً داخل ہو جاتا ہے، اور جیسا کہ منقول چیز کا وقف مستقلاً جائز نہیں ہے مگر زمین کا تابع ہو کر جائز ہے جیسے حمام کے ساتھ اس کے لوٹے بھی وقف ہو جاتے ہیں۔

{۳} پھر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مزارعت کی طرح مساقات میں بھی مدت کو بیان کرنا شرط ہو؛ کیونکہ مساقات بھی مزارعت کی طرح معنیً اجارہ ہے اور اجارہ میں مدت بیان کرنا شرط ہے لہذا مساقات میں بھی مدت کو بیان کرنا ضروری ہونا چاہیے، مگر استحساناً اگر مساقات میں مدت کو بیان نہیں کیا تو بھی جائز ہے؛ کیونکہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہے اور اس میں تفاوت بہت کم پایا جاتا ہے اور اس میں وہ پھل داخل ہوں گے جو متیقن ہیں لہذا عقدِ مساقات پہلے پیدا ہونے والے پھلوں پر واقع ہوگا؛ کیونکہ وہ متیقن ہیں۔

{۴} اور برسیم (شپشت) کی جڑوں میں بیج کا پکنا بیانِ مدت کے سلسلے میں پھلوں کے پکنے کے درجے میں ہے؛ کیونکہ پھلوں کی طرح برسیم کے بیج کے پکنے کے لیے بھی ایک وقت معلوم ہے لہذا اس کے لیے مدت بیان کرنا شرط نہ ہوگا۔ اور کھیتی کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اس کی ابتداء میں موسم خزاں، موسم گرما اور موسم بہار کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اور انتہاء ابتداء پر مبنی ہے لہذا اس کی انتہاء میں بھی بہت زیادہ فرق ہوگا اس لیے اس کی انتہاء میں جہالت پائی جاتی ہے لہذا بیانِ مدت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

ف: رَطبہ سے مراد ایسی گھاس ہے جس کو کاشتکار اوپر سے بار بار کاٹتا ہے اور وہ پھر اگ آتی ہے، اور آخری مرتبہ اس کو بیج کے لیے چھوڑ دیتا ہے جس کی میعاد معلوم ہے اس لیے مدت بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

{۵} اس کے برخلاف اگر عامل کو ایسا پودا دیا جو جم کر اگ آیا ہو مگر اب تک پھل دینے کی حد کو نہ پہنچا ہو بطورِ معاملہ کے دیا کہ اس کی حفاظت کرو پھل دونوں میں مشترک ہوں گے تو یہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کے لیے مدت بیان کرے؛ کیونکہ بعض زمین قوی ہوتی ہے جو دو سالوں میں پودوں کو پھل دار بنا دیتی ہے اور بعض کمزور ہوتی ہے جو پانچ سالوں میں پودوں کو پھل دار بنا دیتی ہے تو یہ بہت زیادہ تفاوت ہے لہذا مدت بیان کیے بغیر اس کی انتہاء میں بہت زیادہ جہالت ہوگی اس لیے جائز نہیں ہے۔

{۶} اس کے برخلاف اگر کھجور کے درخت دیئے کہ ان کی بقاء تک ان کی حفاظت کرو، یا برسیم کی جڑیں دیں کہ ان کے خشک ہونے تک ان کی حفاظت کرو، یا برسیم کی جڑیں مطلق دیں ان کے خشک ہونے کا ذکر نہیں کیا تو یہ معاملہ فاسد ہوگا؛ کیونکہ کھجور کے درختوں کی بقاء اور برسیم کے لیے کوئی انتہاء نہیں ہے اس کو جب تک کہ زمین میں چھوڑی جائے یہ بڑھتی رہتی ہے لہذا اس کی مدت مجہول ہے اس لیے بیانِ مدت کے بغیر یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

{7} اور یہ شرط ہے کہ پھلوں کا حصہ بطریقہ شیوع مقرر کیا جائے؛ دلیل وہی ہے جو ہم مزارعت میں بیان کر چکے کہ پھلوں کا معین حصہ (مثلاً ایک من) مقرر کرنے سے شرکت ختم ہو سکتی ہے؛ کیونکہ احتمال ہے کہ اتنے ہی پھل یا اس سے بھی کم پیدا ہوں جس سے شرکت ختم ہو جاتی ہے اور انقطاعِ شرکت مفسدِ عقد ہے۔

اگر دونوں نے مساقات میں ایسا وقت مقرر کیا کہ یہ معلوم ہو کہ اس مدت میں پھل نہیں نکلے گا، تو یہ معاملہ بے قاعدہ ہو جائے گا؛ کیونکہ مساقات سے مقصود پیداوار میں شرکت ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ مقصود حاصل نہ ہوگا اور قاعدہ ہے کہ شئی کا مقصود فوت ہونے سے شئی فاسد ہو جاتی ہے۔

{8} اور اگر ایسی مدت مقرر کی جس میں کبھی پھل آتا ہے اور کبھی نہیں آتا ہے تو یہ عقد جائز ہے؛ کیونکہ اس صورت میں مقصود فوت ہونا یقینی نہیں ہے لہٰذا اس عقد پر فساد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ پھر اگر مقررہ وقت میں پھل نکل آئے تو یہ پھل دونوں میں مشترک ہوں گے؛ کیونکہ یہ عقد صحیح ہے۔ اور اگر اس مدت سے پھلوں کا نکل آنا مؤخر ہوا تو اس صورت میں عامل کو اجرتِ مثل ملے گی؛ کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اس لیے کہ مدتِ مقررہ میں غلطی ظاہر ہو گئی تو یہ ایسا ہے جیسا کہ ابتداء ہی سے یہ بات یقینی معلوم ہو کہ اس مدت میں پھل نہیں نکلیں گے تو یہ عقد فاسد ہو گا اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی عقد فاسد ہو گا۔

اس کے برخلاف اگر پھل بالکل ہی نہ نکلے تو یہ عقد صحیح ہو گا؛ کیونکہ بالکل پھل نہ آنا اس بات کی علامت ہے کہ مدت تو درست ہے مگر کوئی آفت ہے جس کی وجہ سے پھل نہیں آئے، اس لیے یہ عقد صحیح ہے جس کا موجب پیداوار میں شرکت ہے مگر جب پیداوار نہیں ہے تو عاقدین میں سے ایک کے لیے دوسرے پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔

{9} مساقات کھجور کے درخت، دیگر درخت، انگور، سبزیوں اور بینگن کے پودوں میں جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ انگور اور کھجور کے علاوہ میں جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مساقات کا جواز حدیثِ خیبر سے ثابت ہے جس میں خاص کر انگور اور کھجور کا ذکر ہے اس لیے دیگر چیزوں میں مساقات جائز نہیں ہے۔

{10} ہماری دلیل یہ ہے کہ مساقات کا جواز حاجت اور ضرورت کی وجہ سے ہے اور حاجت جس طرح کہ انگور اور کھجور میں ہے اسی طرح دیگر درختوں اور سبزیوں میں بھی ہے۔ باقی حدیثِ خیبر سے انگور اور کھجور کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ خیبر والے درختوں اور سبزیوں میں بھی معاملہ کرتے تھے اس لیے ان دو کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اگر ہم تخصیص کو مان لیں جیسا کہ امام شافعیؒ کا خیال ہے تو پھر جواب یہ ہے کہ نصوص میں اصل یہ ہے کہ وہ معلول ہوتی ہیں خاص کر امام شافعیؒ کے

نزدیک نص معلول ہوتی ہے؛ کیونکہ تعلیل کا باب ان کے نزدیک زیادہ وسیع ہے، اور نص معلول اس لیے ہوتی ہے کہ اس سے ثابت حکم کسی معنی اور مصلحت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور جب وہ معنی معلوم ہو جائے تو ضروری ہے کہ غیر میں موجود ہونے کی صورت میں حکم اس غیر کی طرف بھی متعدی ہو اور یہاں علت حاجت ہی ہے اور حاجت عام ہے انگور اور کھجور کے علاوہ کو بھی شامل ہے اس لیے مذکورہ سب چیزوں میں مساقات جائز ہے۔

{۱۱}انگور کے باغ کے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ بلاعذر عامل کو عمل سے خارج کر دے؛ کیونکہ عقد کو پورا کرنے میں مالک کا کوئی نقصان نہیں ہے، اسی طرح عامل کو حق نہیں ہے کہ وہ بلاعذر کام چھوڑ دے، اس کے برخلاف مزارعت میں بیج والے کو کام پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے جیسا کہ "کتاب المزارعت" میں ہم اس کو بیان کر چکے۔

{۱۲}اگر کسی نے بطورِ مساقات کھجور کے ایسے درخت دیدیئے جن میں عامل کے عمل سے کھجور بڑھ سکتی ہوں تو یہ جائز ہے، اور اگر کھجور انتہاء کو پہنچ چکی ہوں تو پھر جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کچی کھیتی دیدی تو جائز ہے، اور اگر وہ کاٹنے کے قابل ہو گئی ہو اور پک چکی ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ عامل کام کرنے کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے جبکہ کھیتی میں اس کے انتہاء کو پہنچ جانے اور پک جانے کے بعد عامل کے عمل کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے تو اگر ہم اس حالت میں بھی اس کو جائز قرار دیں تو عامل کا استحقاق بلا عمل ہو جائے گا حالانکہ اس کے جواز کے بارے میں شریعت وارد نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر کھیتی انتہاء کو نہ پہنچی ہو اور ابھی تک پکی نہ ہو تو اس میں عامل کے عمل کی حاجت ہے لہٰذا عامل اپنے عمل کے عوض کا مستحق ہوگا۔

{۲}قَالَ : وَإِذَا فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ ، وَصَارَ كَالْمُزَارَعَةِ

فرمایا: اور جب فاسد ہو جائے مساقات تو عامل کے لیے اجرتِ مثل ہے؛ کیونکہ یہ اجارہ فاسدہ کے معنی میں ہے اور ہو گئی مزارعت کی طرح

إِذَا فَسَدَتْ .{۲}قَالَ : وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ ؛ لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الْإِجَارَةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِيهَا،

جب فاسد ہو جائے۔ فرمایا: اور باطل ہو جاتی ہے مساقات موت سے؛ کیونکہ مساقات اجارہ کے معنی میں ہے اور ہم بیان کر چکے اس کو اجارہ میں

فَإِنْ مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالْخَارِجُ بُسْرٌ فَلِلْعَامِلِ أَنْ يَقُومَ عَلَيْهِ كَمَا كَانَ يَقُومُ قَبْلَ ذَلِكَ إِلَى أَنْ

پس اگر مر گیا صاحبِ زمین اور پیداوار کچی ہے تو عامل کو چاہیئے کہ دیکھ بھال کرے اس کی جیسا کہ وہ دیکھ بھال کرتا رہا اس سے پہلے یہاں تک

يُدْرِكَ الثَّمَرَ ، وَإِنْ كَرِهَ ذَلِكَ وَرَثَةُ رَبِّ الْأَرْضِ اسْتِحْسَانًا فَيَبْقَى الْعَقْدُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ،

کہ کھجور پک جائے، اگرچہ ناپسند کرے اس کو صاحبِ زمین کے وارث یہ استحسانا ہے، پس باقی رہے گا عقد دفع کرتے ہوئے ضرر کو عامل سے

وَلَا ضَرَرَ فِيهِ عَلَى الْآخَرِ {۳} وَلَوِ الْتَزَمَ الْعَامِلُ الضَّرَرَ يَتَخَيَّرُ وَرَثَةُ الْآخَرِ بَيْنَ أَنْ يَقْسِمُوا الْبُسْرَ

اور کوئی ضرر نہیں ہے اس میں دوسرے پر، اور اگر التزام کرے عامل ضرر کا تو اختیار ہوگا دوسرے کے ورثہ کو اس میں کہ تقسیم کریں گدر

عَلَى الشَّرْطِ وَبَيْنَ أَنْ يُعْطُوهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ مِنَ الْبُسْرِ وَبَيْنَ أَنْ يُنْفِقُوا عَلَى الْبُسْرِ حَتَّى يَبْلُغَ

شرط کے مطابق، اور اس میں کہ دیں اس کو اس کے حصے کی قیمت گدر میں سے، اور اس میں کہ خرچ کرے گدر پر یہاں تک کہ وہ پک جائے

فَيَرْجِعُوا بِذَلِكَ فِي حِصَّةِ الْعَامِلِ مِنَ الثَّمَرِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ إِلْحَاقُ الضَّرَرِ بِهِمْ ، وَقَدْ بَيَّنَّا نَظِيرَهُ

پھر لے یہ مقدار عامل کے حصۂ کھجور سے؛ کیونکہ اختیار نہیں عامل کو ضرر پہنچانے کا مالک کے ورثہ کو، اور ہم بیان کر چکے اس کی نظیر

فِي الْمُزَارَعَةِ . وَلَوْ مَاتَ الْعَامِلُ فَلِوَرَثَتِهِ أَنْ يَقُومُوا عَلَيْهِ وَإِنْ كَرِهَ رَبُّ الْأَرْضِ ؛ لِأَنَّ فِيهِ النَّظَرَ

مزارعت میں۔ اور اگر مر گیا عامل تو اس کے ورثہ کو اختیار ہے کہ دیکھ بھال کرے مساقات کی اگرچہ ناپسند کرے زمین کا مالک؛ کیونکہ اس میں رعایت ہے

مِنَ الْجَانِبَيْنِ . فَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَصْرِمُوهُ بُسْرًا كَانَ صَاحِبُ الْأَرْضِ بَيْنَ الْخِيَارَاتِ الثَّلَاثَةِ الَّتِي بَيَّنَّاهَا.

دونوں جانب کی، پس اگر انہوں نے ارادہ کیا کہ کاٹ دے اس کو گدر، تو ہوگا مالکِ زمین ان تین اختیارات کے درمیان جن کو ہم بیان کر چکے

{۴} وَإِنْ مَاتَا جَمِيعًا فَالْخِيَارُ لِوَرَثَةِ الْعَامِلِ ؛ لِقِيَامِهِمْ مَقَامَهُ ، وَهَذَا خِلَافَةٌ فِي حَقٍّ مَالِيٍّ وَهُوَ تَرْكُ

اور اگر دونوں مر گئے تو اختیار عامل کے ورثہ کو ہوگا؛ کیونکہ وہ عامل کے قائم مقام ہیں، اور یہ نیابت ہے حقِ مالی میں اور وہ چھوڑنا ہے

الثِّمَارِ عَلَى الْأَشْجَارِ إِلَى وَقْتِ الْإِدْرَاكِ لَا أَنْ يَكُونَ وِرَاثَةً فِي الْخِيَارِ. فَإِنْ أَبَى وَرَثَةُ الْعَامِلِ أَنْ يَقُومُوا عَلَيْهِ كَانَ

پھلوں کو درختوں پر پکنے تک، نہ یہ کہ یہ وراثت ہے اختیار ہے، پس اگر انکار کیا عامل کے وارثوں نے کہ نگرانی کریں اس کی، تو ہوگا

الْخِيَارُ فِي ذَلِكَ لِوَرَثَةِ رَبِّ الْأَرْضِ ، عَلَى مَا وَصَفْنَا {۵} قَالَ : وَإِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُعَامَلَةِ وَالْخَارِجُ بُسْرٌ أَخْضَرُ

اختیار اس میں صاحبِ زمین کے ورثہ کو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ فرمایا: اور جب گذر جائے مساقات کی مدت، اور پیداوار کچی سبز ہو

فَهَذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ ، وَلِلْعَامِلِ أَنْ يَقُومَ عَلَيْهَا إِلَى أَنْ يُدْرِكَ لَكِنْ بِغَيْرِ أَجْرٍ ؛ لِأَنَّ الشَّجَرَ لَا يَجُوزُ اسْتِئْجَارُهُ

تو یہ اور اول برابر ہیں، اور عامل کو اختیار ہے کہ نگرانی کرے اس کی یہاں تک کہ پک جائے، لیکن بلا اجرت؛ کیونکہ درختوں کو اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے

{۶} بِخِلَافِ الْمُزَارَعَةِ فِي هَذَا ؛ لِأَنَّ الْأَرْضَ يَجُوزُ اسْتِئْجَارُهَا ، وَكَذَلِكَ الْعَمَلُ كُلُّهُ عَلَى الْعَامِلِ هَاهُنَا وَفِي الْمُزَارَعَةِ فِي هَذَا

بر خلاف مزارعت کے اس میں؛ کیونکہ زمین کو اجارہ پر لینا جائز ہے۔ اور اسی طرح پورا عمل یہاں عامل پر ہوگا اور مزارعت میں اس صورت میں

عَلَيْهِمَا ، لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ بَعْدَ انْتِهَاءِ الْمُدَّةِ عَلَى الْعَامِلِ لَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَهَاهُنَا لَا أَجْرَ

دونوں پر ہے؛ کیونکہ جب واجب ہوگئی زمین کی اجرتِ مثل مدت ختم ہونے کے بعد عامل پر تو واجب نہ ہوگا اس پر عمل، اور یہاں کوئی اجرت نہیں

فَجَازَ أَنْ يَسْتَحِقَّ الْعَمَلُ كَمَا يَسْتَحِقُّ قَبْلَ انْتِهَائِهَا .﴿7﴾قَالَ : وَتَفْسَخُ بِالْأَعْذَارِ

پس جائز ہے کہ واجب ہو جائے عمل جیسا کہ واجب ہوتا ہے مدت ختم ہونے سے پہلے۔ فرمایا: اور مساقات فسخ ہو جاتی ہے عذروں سے

لِمَا بَيَّنَّا فِي الْإِجَارَاتِ ، وَقَدْ بَيَّنَّا وُجُوهَ الْعُذْرِ فِيهَا .وَمِنْ جُمْلَتِهَا أَنْ يَكُونَ الْعَامِلُ سَارِقًا يَخَافُ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے اجارات میں، اور ہم بیان کر چکے وجوہِ عذر اس میں، اور من جملہ ان میں سے یہ کہ ہو عامل چور ڈر ہو اس سے

عَلَيْهِ سَرِقَةَ السَّعَفِ وَالثَّمَرِ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ لِأَنَّهُ يُلْزِمُ صَاحِبَ الْأَرْضِ ضَرَرًا لَمْ يَلْتَزِمْهُ فَتَفْسَخُ

شاخیں اور پھل پکنے سے پہلے چوری کرنے کا؛ کیونکہ یہ لازم کر دیتا ہے صاحبِ زمین کو ایسا ضرر جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے پس فسخ ہو گی

بِهِ .وَمِنْهَا مَرَضُ الْعَامِلِ إِذَا كَانَ يُضْعِفُهُ عَنِ الْعَمَلِ ، لِأَنَّ فِي إِلْزَامِهِ اسْتِئْجَارَ الْأُجَرَاءِ

اس سے، اور ان میں عامل کا مرض ہے جبکہ وہ اس کو کمزور کرے کام کرنے سے؛ کیونکہ اس پر مزدوروں کو اجرت پر لینے کو لازم کرنے میں

زِيَادَةَ ضَرَرٍ عَلَيْهِ وَلَمْ يَلْتَزِمْهُ فَيُجْعَلُ ذَلِكَ عُذْرًا ،﴿8﴾وَلَوْ أَرَادَ الْعَامِلُ تَرْكَ ذَلِكَ الْعَمَلِ

زیادہ ضرر ہے اس کا حالانکہ اس نے التزام نہیں کیا ہے اس کا، پس قرار دیا جائے گا اس کو عذر، اور اگر ارادہ کیا عامل نے اس عمل کو چھوڑنے کا

هَلْ يَكُونُ عُذْرًا ؟ فِيهِ رِوَايَتَانِ .وَتَأْوِيلُ إِحْدَاهُمَا أَنْ يَشْتَرِطَ الْعَمَلَ بِيَدِهِ فَيَكُونُ عُذْرًا

تو کیا یہ عذر ہے؟ تو اس میں دو روایتیں ہیں اور تاویل دونوں میں سے ایک کی یہ ہے کہ اگر شرط ہو عمل عامل ہی کے ہاتھ سے تو یہ عذر ہے

مِنْ جِهَتِهِ﴿9﴾وَمَنْ دَفَعَ أَرْضًا بَيْضَاءَ إِلَى رَجُلٍ سِنِينَ مَعْلُومَةً يَغْرِسُ فِيهَا شَجَرًا عَلَى أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ وَالشَّجَرُ

اس کی طرف سے۔ اور جس نے دیدی خالی زمین کسی شخص کو معلوم سالوں کے لیے پودا لگانے کے لیے اس شرط پر کہ ہوں زمین اور درخت

بَيْنَ رَبِّ الْأَرْضِ وَالْغَارِسِ نِصْفَيْنِ لَمْ يَجُزْ ذَلِكَ ، لِاشْتِرَاطِ الشَّرِكَةِ فِيمَا كَانَ حَاصِلًا قَبْلَ الشَّرِكَةِ

صاحبِ زمین اور غارس کے درمیان نصف نصف، تو جائز نہیں ہے یہ؛ بوجہ اشتراک شرکت کے اس چیز میں جو حاصل تھی شرکت سے پہلے

لَا بِعَمَلِهِ. وَجَمِيعُ الثَّمَرِ وَالْغَرْسِ لِرَبِّ الْأَرْضِ وَلِلْغَارِسِ قِيمَةُ غَرْسِهِ

نہ کہ اس کے عمل سے، اور تمام پھل اور پودے صاحبِ زمین کے لیے ہوں گے، اور پودا لگانے والے کے لیے اس کے پودوں کی قیمت ہے

وَأَجْرُ مِثْلِهِ فِيمَا عَمِلَ : لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ : إِذْ هُوَ اسْتِئْجَارٌ بِبَعْضِ مَا

اور اس کے لیے اجرت مثل ہے اس کے کام کی؛ اس لیے کہ یہ قفیز طحان کے معنی میں ہے اس لیے کہ یہ کرایہ پر لینا ہے اس چیز کے بعض کے عوض

يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ وَهُوَ نِصْفُ الْبُسْتَانِ فَيَفْسُدُ وَتَعَذَّرَ رَدُّ الْغِرَاسِ لِاتِّصَالِهَا

جو نکلتی ہے اس کے عمل سے اور وہ نصف باغ ہے، پس عقد فاسد ہو جائے گا، اور متعذر ہے پودے واپس کرنا؛ بوجہ ان کے متصل ہونے کے

بِالْأَرْضِ فَيَجِبُ قِيمَتُهَا وَأَجْرُ مِثْلِهِ لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ فِي قِيمَةِ الْغِرَاسِ لِتَقَوُّمِهَا
زمین کے ساتھ پس واجب ہے ان کی قیمت اور عامل کی اجرتِ مثل ؛ کیونکہ اجرتِ مثل داخل نہ ہوگی پودوں کی قیمت میں بوجہ ان کے متقوم ہونے کے

بِنَفْسِهَا ﴿١٠﴾ وَفِي تَخْرِيجِهَا طَرِيقٌ آخَرُ بَيَّنَّاهُ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي ، وَهَذَا أَصَحُّهُمَا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.
بذاتِ خود، اور اس مسئلے کی تخریج میں ایک اور طریقہ ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں "کفایۃ المنتہی" میں، اور یہ ان دونوں میں زیادہ صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔﴿١﴾ اگر مساقات کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو عامل کو اجرتِ مثل ملے گی ؛ کیونکہ مساقاتِ فاسدہ ایسی ہے جیسا کہ اجارہ فاسدہ، اور اجارہ فاسدہ میں اجیر کو اجرتِ مثل ملتی ہے اسی طرح مساقات میں بھی عامل کو اجرتِ مثل ملے گی، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ مزارعت فاسد ہو جائے تو اس کو اجرتِ مثل ملتی ہے۔

﴿٢﴾ مساقات موت سے فاسد ہو جاتی ہے ؛ کیونکہ مساقات اجارہ کے معنیٰ ہے تو جس طرح کہ اجارہ عاقدین کی موت سے فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح مساقات بھی فاسد ہو جائے گی، اور ہم اس کو "کتاب الاجارات" میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر اگر زمین کا مالک مر گیا اور پیداوار اب تک کچی ہو تو عامل کو چاہیئے کہ پھلوں کے پکنے تک ان کی دیکھ بھال کرے اگرچہ میت کے ورثہ اس کو ناپسند کریں تب بھی استحساناً یہی حکم ہے لہٰذا عامل سے ضرر کو دفع کرنے کے لیے عقد بر قرار رہے گا، اس لیے کہ اس میں میت کے ورثہ کا کوئی ضرر نہیں ہے۔

﴿٣﴾ اگر عامل نے اپنا نقصان کا التزام کیا یوں کہ گدر کھجوروں کو تقسیم کرنا چاہا، تو ربّ الارض کے ورثہ کو تین باتوں کا اختیار ہوگا، ایک یہ کہ گدر کھجوروں کو شرط کے مطابق تقسیم کر دیں، دوسری یہ کہ گدر کھجوروں میں سے اس کے حصے کی قیمت دیدیں، تیسری یہ کہ ورثہ گدر کھجوروں پر خرچ کریں یہاں تک کہ وہ پک جائیں پھر پکی کھجوروں میں سے عامل کے حصے سے یہ خرچہ واپس لے لیں ؛ یہ اس لیے کہ عامل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ربّ الارض کے ورثہ کو نقصان پہنچائے، اور اس کی نظیر ہم "کتاب المزارعت" میں بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر عامل مر گیا تو اس کے ورثہ کو یہ حق ہے کہ اس کی دیکھ بھال کریں اگرچہ ربّ الارض کو یہ ناپسند ہو ؛ کیونکہ اس میں جانبین کی رعایت ہے۔ اور اگر عامل کے ورثہ نے چاہا کہ پھلوں کو کچے توڑ دیں تو ربّ الارض کو مذکورہ بالا تین اختیارات ہوں گے جن کو ہم بیان کر چکے۔

﴿۴﴾اور اگر ربّ الارض اور عامل دونوں مر گئے تو عامل کے ورثہ کو اختیار ہوگا کہ وہ بدستور کام کریں یا کام کو چھوڑ دیں ؛کیونکہ عامل کے ورثہ عامل کے قائم ہیں اور عامل کو ربّ الارض کی موت کی صورت میں یہ اختیار ہوتا ہے لہٰذا اس کے ورثہ کو بھی اختیار ہوگا۔سوال یہ ہے کہ سابق میں گذر چکا ہے کہ اختیار عرض ہے جو نقل کو قبول نہیں کرتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں میراث جاری نہ ہو؟تو جواب یہ ہے کہ ورثہ کو یہ اختیار وارثت میں نہیں ملا ہے بلکہ یہ مالی حق ہے،اور یہ حق پھلوں کو پکنے تک درختوں پر چھوڑنا ہے،اور مالی حق میں ورثہ عامل کے قائم مقام ہوتے ہیں یوں نہیں کہ ان کو خیار میراث میں ملا ہے۔

اور اگر عامل کے ورثہ نے اس کی حفاظت کرنے سے انکار کیا تو اس میں خیار ربّ الارض کے ورثہ کو ہوگا اس تفصیل کے مطابق جو خیاراتِ ثلاثہ کے بیان میں ہم ذکر کر چکے۔

﴿۵﴾اور جب معاملہ کی مدت گذر جائے اور پیداوار گذر اور سبز ہو تو انقضاءِ مدت کی یہ صورت اور موت کی صورت عامل کے خیار میں برابر ہیں کہ عامل اگر چاہے تو اپنا کام جاری رکھے اور اگر اس نے انکار کیا تو ربّ الارض کو خیارات ثلاثہ ہوں گے۔اور عامل کو یہ اختیار ہے کہ پھل پکنے تک اس کی حفاظت کرے مگر اس پر درختوں کی اجرت لازم نہ ہوگی؛کیونکہ درختوں کو اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے جیسا کہ "کتاب الاجارات" میں گذر چکا۔

﴿۶﴾اور مزارعت کا حکم انقضاءِ مدت کی صورت میں اس کے برخلاف ہے کہ عامل کا حصۂ زراعت پکنے تک عامل پر زمین کی اجرتِ مثل واجب ہوگی؛کیونکہ زمین کو اجارہ پر لینا درست ہے مثلاً کسی نے زمین میں کھڑی کھیتی خریدی پھر زمین کو معلوم مدت کے لیے اجارہ پر لیا تو یہ جائز ہے۔اسی طرح مساقات میں انقضاءِ مدت کی صورت میں کل عمل عامل پر ہوگا مالک پر عمل نہیں ہوگا،اور مزارعت میں انقضاءِ مدت کی صورت میں کام دونوں پر ہوتا ہے؛کیونکہ جب عامل پر مدت ختم ہونے کے بعد زمین کی اجرتِ مثل واجب ہوگئی تو عامل پر کام کرنا واجب نہ ہوگا،اور یہاں عامل پر کوئی اجرت نہیں ہے تو جائز ہے کہ عامل پر کام کا استحقاق رہے جیسا کہ مدت کے ختم ہونے سے پہلے اس پر استحقاق تھا۔

﴿۷﴾اور مساقات فسخ کی جا سکتی ہے عذروں کی وجہ سے؛اس دلیل کی وجہ سے جس کو ہم اجارات میں بیان کر چکے ہیں اور ہم نے عذر کی قسمیں بھی اجارات میں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ کہ عامل چور ہے یہ اندیشہ ہے کہ وہ بھوسہ اور پھل پکنے سے پہلے چوری کر دے گا؛کیونکہ اس میں ربّ الارض پر ایسا ضرر لازم آئے گا جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے اور ایسے ضرر کا لزوم فسخ مساقات کا عذر ہے اس لیے مساقات کو فسخ کیا جا سکتا ہے،اور ان عذروں میں سے ایک یہ ہے کہ عامل ایسا بیمار ہو جو اس کو کام کرنے سے

کمزور کردے؛ کیونکہ اس صورت میں وہ خود تو کام کر نہیں سکتا ہے لازمی بات ہے کہ وہ مزدوروں کو کرایہ پر لائے گا جس میں اس پر بہت زیادہ ضرر ہے اور عقد کے وقت اس نے اس ضرر کا التزام نہیں کیا ہے اس لیے یہ فسخ مساقات کا عذر ہے۔

{۸}اور اگر عامل نے اس کام کو ترک کرنے کا قصد کیا تو کیا یہ عذر ہے؟صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ عذر نہیں ہے؛کیونکہ عقد لازم ہے فقط ایسے عذر کی وجہ سے اسے فسخ کیا جاسکتا ہے جس میں اس کو کوئی ضرر لاحق ہو رہا ہو جبکہ یہاں اس کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عذر ہے، مگر اس کی تاویل یہ ہے کہ عقد کے وقت یہ شرط کرلی ہو کہ کام وہ بذاتِ خود کرے گا تو جب وہ اس کام کو چھوڑدے گا تو یہ عذر ہے، اور اگر کام اس پر شرط نہ ہو تو وہ مزدوروں سے کام کراسکتا ہے لہٰذا اس صورت میں اس کے لیے یہ کام چھوڑنا فسخِ معاملہ کا عذر نہیں ہے، یہی روایت اصح ہے لما في الدر المنتقی:ولو أراد العامل ترک ذالک العمل هل يكون عذرا؟ روايتان ،أصحهما لا ، وتاويل الاخرى أن يشترط العمل بيده فيكون عذراً من جهته (الدر المنتقی تحت مجمع الانہر:4ص151)۔

{۹}اگر ایک شخص نے اپنی خالی زمین کسی کو چند سالوں کے لیے دیدی کہ وہ اس میں پودے لگائے گا اس شرط پر کہ زمین اور درخت مالکِ زمین اور غارس کے درمیان نصف نصف کے حساب سے مشترک ہوں گے تو یہ جائز نہیں ہے؛کیونکہ اس میں ایسی چیز (زمین) میں شرکت کی شرط لگائی ہے جو چیز شرکت سے پہلے حاصل ہے اور یہ حصول عامل کے عمل سے نہیں ہوا ہے اور یہ ضابطہ ہے کہ جو چیز شرکت سے پہلے حاصل ہو اس میں شرکت کی شرط لگانا باطل ہے۔

اور اس صورت میں تمام پھل اور پودے زمین والے کے ہوں گے اور پودے لگانے والے کو اس کے پودوں کی قیمت ملے گی اور جو کام اس نے کیا ہے اس کی اجرتِ مثل ملے گی؛عدمِ جواز کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے؛کیونکہ یہاں گویا ربّ الارض نے عامل کو اس چیز کے بعض حصے کے عوض مزدور رکھا جو چیز اس کے عمل سے حاصل ہوئی ہے اور وہ آدھا باغ ہے، لہٰذا یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے اس لیے یہ عقد فاسد ہے۔

اور پودے زمین کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے ان کا واپس کرنا متعذر ہے؛کیونکہ اکھاڑ کر دینا درختوں کا دینا نہ ہوا بلکہ لکڑیوں کا دینا ہوا اس لیے ان کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے اور خود عامل کی اجرتِ مثل واجب ہوگی اور اجرتِ مثل پودوں کی قیمت میں داخل نہ ہوگی؛کیونکہ دونوں میں مجانست نہیں ہے اس لیے کہ پودے عین ہیں بذاتِ خود متقوّم ہیں جبکہ عمل عرض ہے عقد سے متقوّم ہوتا ہے اس لیے عامل کی اجرتِ مثل الگ دینا واجب ہے۔

{۱۰} صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تخریج کا اور بھی طریقہ ہے جس کو ہم نے "كفاية المنتهى" میں ذکر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کے فساد کی ایک اور دلیل ہے وہ یہ کہ ربّ الارض نے نصف زمین کے بدلے وہ آدھے پودے عامل سے خریدے ہیں جو وہ لگائے گا تو چونکہ پودے ابھی معدوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہیں اس لیے یہ عقد فاسد ہے، مگر صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ ہدایہ میں مذکور دلیل "كفاية المنتهى" کی دلیل سے زیادہ صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الذَّبَائِحِ

یہ کتاب جانوروں کو ذبح کرنے کے بیان میں ہے۔

"ذَبَائح" جمع ہے "ذَبِيحَة" کی، اور "ذَبِيحَة" نام ہے اس کا جس کو ذبح کیا جائے، اور "ذبح" مصدر ہے گردن کی رگیں کاٹنے کو کہتے ہیں، اور ذکاۃ بمعنی طہارت ہے مراد ذبح کرنا ہے۔ "كتاب الذبائح" کی "كتاب المساقات" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ذبائح اور مساقات میں سے ہر ایک میں جو چیز فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے وہ مآل میں قابل انتفاع بنتی ہے یعنی مساقات میں پودے اور ذبائح میں ذبیحہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہیں آگے جا کر قابل انتفاع بنتے ہیں۔

{۱} قَالَ : الذَّكَاةُ شَرْطُ حِلِّ الذَّبِيحَةِ ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ } وَلِأَنَّ بِهَا يَتَمَيَّزُ

فرمایا: ذبح کرنا شرط ہے ذبیحہ حلال ہونے کے لیے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "مگر جس کو تم ذبح کرلو" اور اس لیے کہ ذبح سے الگ ہوجاتا ہے

الدَّمُ النَّجِسُ مِنَ اللَّحْمِ الطَّاهِرِ .وَكَمَا يَثْبُتُ بِهِ الْحِلُّ يَثْبُتُ بِهِ الطَّهَارَةُ فِي الْمَأْكُولِ وَغَيْرِهِ،

نجس خون پاک گوشت سے، اور جیسا کہ اس سے ثابت ہوتی ہے حلت اسی طرح ثابت ہوتی ہے اس سے طہارت ماکول اور غیر ماکول میں

فَإِنَّهَا تُنْبِئُ عَنْهَا .وَمِنْهَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { ذَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا[1] } {۲} وَهِيَ اخْتِيَارِيَّةٌ

کیونکہ لفظ ذکاۃ خبر دیتا ہے طہارت سے، اور اسی قبیل سے حضور کا ارشاد ہے: زمین کی پاکی اس کا خشک ہوجانا ہے، اور ذبح اختیاری ہوتا ہے

كَالْجُرْحِ فِيمَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ، وَاضْطِرَارِيَّةٌ وَهِيَ الْجُرْحُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ .وَالثَّانِي كَالْبَدَلِ عَنِ الْأَوَّلِ

جیسے زخم کرنا سینے اور جبڑوں کے درمیان، اور اضطراری ہوتا ہے اور وہ زخم کرنا ہے کسی بھی جگہ میں بدن میں سے، اور ثانی بدل کی طرح ہے اول سے

لِأَنَّهُ لَا يُصَارُ إِلَيْهِ إِلَّا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنِ الْأَوَّلِ .وَهَذَا آيَةُ الْبَدَلِيَّةِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَوَّلَ أَعْمَلُ

([1]) علامہ زیلعی فرماتے ہیں: تقدم في الأنجاس. (نصب الراية:4ص465)

کیونکہ رجوع نہیں کیا جاتا ہے اس کی طرف مگر بوقتِ عجزِ اول سے اور یہ علامت ہے بدلیت کی، اور یہ اس لیے کہ اول زیادہ مؤثر ہوتا ہے

فِي إِخْرَاجِ الدَّمِ وَالثَّانِي أَقْصَرُ فِيهِ ، فَاكْتُفِيَ بِهِ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنِ الْأَوَّلِ ، إِذِ التَّكْلِيفُ بِحَسَبِ الْوُسْعِ.

خون نکالنے میں، اور ثانی قاصر ہے اس بارے میں لہٰذا اکتفا کیا جائے گا اس پر بوقتِ عجزِ اول سے؛ اس لیے کہ تکلیف طاقت کے مطابق ہوتی ہے

﴿۳﴾وَمِنْ شَرْطِهِ أَنْ يَكُونَ الذَّابِحُ صَاحِبَ مِلَّةِ التَّوْحِيدِ إِمَّا اعْتِقَادًا كَالْمُسْلِمِ أَوْ دَعْوَى كَالْكِتَابِيِّ، وَأَنْ يَكُونَ حَلَالًا خَارِجَ

اور اس کی شرط یہ ہے کہ ہو ذبح کرنے والا ملتِ توحید والا خواہ اعتقاداً ہو جیسے مسلمان یا دعوی ہو جیسے کتابی، اور یہ کہ حلال ہو باہر ہو

الْحَرَمِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .﴿۴﴾قَالَ : وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ ؛ لِمَا تَلَوْنَا

حرم سے جیسے ہم بیان کریں گے اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے

وَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ } وَيَحِلُّ إِذَا كَانَ

اور باری تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے "اور کھانا ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے حلال ہے تمہارے لئے" اور حلال ہے بشرطیکہ

يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ وَالذَّبِيحَةَ وَيَضْبِطُ وَإِنْ كَانَ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا أَوِ امْرَأَةً، أَمَّا إِذَا كَانَ لَا يَضْبِطُ وَلَا يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ وَالذَّبِيحَةَ لَا تَحِلُّ

ذابح جانتا ہو تسمیہ اور ذبح اور اوداج پر قادر ہو اگرچہ بچہ یا مجنون یا عورت ہو، اور اگر وہ قادر نہ ہو اور نہ جانتا ہو تسمیہ اور ذبح، تو حلال نہیں

لِأَنَّ التَّسْمِيَةَ عَلَى الذَّبِيحَةِ شَرْطٌ بِالنَّصِّ وَذَلِكَ بِالْقَصْدِ .وَصِحَّةُ الْقَصْدِ بِمَا ذَكَرْنَا .﴿۵﴾وَالْأَقْلَفُ وَالْمَخْتُونُ

کیونکہ تسمیہ ذبیحہ پر شرط ہے نص سے، اور یہ قصد سے ہوتا ہے اور صحتِ قصد ہوتا ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور غیر مختون اور مختون

سَوَاءٌ لِمَا ذَكَرْنَا، وَإِطْلَاقُ الْكِتَابِيِّ يَنْتَظِمُ الْكِتَابِيَّ وَالذِّمِّيَّ وَالْحَرْبِيَّ وَالْعَرَبِيَّ وَالتَّغْلِبِيَّ ، لِأَنَّ الشَّرْطَ قِيَامُ الْمِلَّةِ

برابر ہیں؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور اطلاقِ کتاب شامل ہے ذمی کتابی، حربی، عربی اور تغلبی کو؛ کیونکہ شرط قیامِ ملت ہے

عَلَى مَا مَرَّ﴿۶﴾قَالَ :وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِيِّ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ

جیسا کہ گذر چکا۔ فرمایا: اور نہیں کھایا جائے گا مجوسی کا ذبیحہ؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "طریقہ اختیار کرو مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا

غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ[1] } وَلِأَنَّهُ لَا يَدَّعِي التَّوْحِيدَ فَانْعَدَمَتِ الْمِلَّةُ اعْتِقَادًا

البتہ نکاح نہ کیا کرو ان کی عورتوں سے اور کھاؤ مت ان کا ذبیحہ" اور اس لیے کہ وہ دعوی نہیں کرتا ہے توحید کا، پس معدوم ہو گئی ملت اعتقاداً

---

(1) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَأَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفَيْهِمَا عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إلَى مَجُوسِ هَجَرَ يَعْرِضُ عَلَيْهِمْ الْإِسْلَامَ، فَمَنْ أَسْلَمَ قُبِلَ مِنْهُ، وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ ضُرِبَتْ عَلَيْهِ الْجِزْيَةُ، غَيْرَ نَاكِحِي

وَدَعْوَى .﴿۷﴾قَالَ : وَالْمُرْتَدِّ ؛ لِأَنَّهُ لَا مِلَّةَ لَهُ .فَإِنَّهُ لَا يُقَرُّ عَلَى مَا انْتَقَلَ إِلَيْهِ،

اور دعوی کے اعتبار سے۔فرمایا: اور مرتد کا؛ کیونکہ ملت نہیں ہے اس کی؛ اس لیے کہ برقرار نہیں رکھا جاتا ہے اس ملت پر جس کی طرف وہ نقل ہوا ہے

بِخِلَافِ الْكِتَابِيِّ إِذَا تَحَوَّلَ إِلَى غَيْرِ دِينِهِ لِأَنَّهُ يُقَرُّ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فَيُعْتَبَرُ مَا

برخلاف کتابی کے جب پھر جائے اپنے دین کے علاوہ کی طرف؛ کیونکہ وہ برقرار رکھا جاتا ہے اس پر ہمارے نزدیک پس معتبر ہوگی وہ حالت

هُوَ عَلَيْهِ عِنْدَ الذَّبْحِ لَا مَا قَبْلَهُ .قَالَ : وَالْوَثَنِيِّ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَعْتَقِدُ الْمِلَّةَ .﴿۸﴾قَالَ : وَالْمُحْرِمُ يَعْنِي مِنَ الصَّيْدِ

جس پر وہ ہے ذبح کے وقت نہ کہ اس سے پہلے۔فرمایا: اور بت پرست کا؛ کیونکہ وہ اعتقاد نہیں رکھتا ہے ملت کا۔فرمایا: اور محرم کا ذبیحہ یعنی شکار میں سے

وَكَذَالَايُؤْكَلُ مَاذُبِحَ فِي الْحَرَمِ مِنَ الصَّيْدِ،وَالْإِطْلَاقُ فِي الْمُحْرِمِ يَنْتَظِمُ الْحِلَّ وَالْحَرَمَ،وَالذَّبْحُ فِي الْحَرَمِ يَسْتَوِي فِيهِ

اور اسی طرح نہیں کھایا جائے جو ذبح کیا حرم میں یعنی شکار، اور اطلاق محرم میں شامل ہے حل اور حرم کو، اور ذبح حرم میں برابر ہیں اس میں

الْحَلَالُ وَالْمُحْرِمُ،وَهَذَالِأَنَّ الذَّكَاةَفِعْلٌ مَشْرُوعٌ وَهَذَاالصَّنِيعُ مُحَرَّمٌ فَلَمْ تَكُنْ ذَكَاةً، بِخِلَافِ مَا إِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ غَيْرَ الصَّيْدِ

حلال اور محرم؛ اور یہ اس لیے کہ ذبح فعل مشروع ہے اور یہ کام حرام ہے پس یہ ذبح نہ ہوگا، برخلاف اس کے جب ذبح کردے محرم غیر شکار،

أَوْ ذَبَحَ فِي الْحَرَمِ غَيْرَ الصَّيْدِصَحَّ لِأَنَّهُ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ،إِذِالْحَرَمُ لَايُؤَمِّنُ الشَّاةَ،وَكَذَالَايُحَرِّمُ ذَبْحَهُ عَلَى الْمُحْرِمِ

یا ذبح کردے حرم میں شکار کے علاوہ، تو صحیح ہے؛ کیونکہ یہ فعل مشروع ہے اس لیے کہ حرم امن نہیں دیتا ہے بکری کو اور اسی طرح حرام نہیں ہے
اس کا ذبح کرنا محرم پر۔

تشریح:۔﴿۱﴾ذبح کرنا ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ[1]﴾ (حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا، اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے، اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مر جائے اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جائے، اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مر جائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھالیا مگر وہ جسے تم ذبح کرلو)۔دوسری دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنے سے نجس خون پاک گوشت سے الگ ہو جاتا ہے اس لیے گوشت پاک رہے گا۔اور ذبح سے جس طرح کہ گوشت کی حلت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس سے ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا گوشت پاک بھی ہو جاتا ہے چنانچہ ایسا گوشت پانی میں پڑنے سے پانی نجس نہیں ہوتا ہے، اور لفظِ ذکاۃ لغۃً طہارت کی

لِسَانِهِمْ، وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ، انْتَهَى. قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِهِ: هَذَا مُرْسَلٌ، وَمَعَ إرْسَالِهِ فَفِيهِ قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ، وَهُوَ ابْنُ الرَّبِيعِ، وَقَدْ اُخْتُلِفَ فِيهِ، وَهُوَ مِمَّنْ سَاءَ حِفْظُهُ بِالْقَضَاءِ، كَشَرِيكٍ، وَابْنِ أَبِي لَيْلَى، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص465)

[1] المائدة:3.

خبر دیتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو لفظ جس معنی کی خبر دے وہی معنی شرعاً مراد ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی اسی معنی میں مستعمل ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ذَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا"[1] (زمین کی طہارت اس کا خشک ہونا ہے) جس میں ذکاۃ طہارت کے معنی میں ہے

{۲} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ذبح کی دو قسمیں ہیں، ایک اختیاری ہے، دوسری غیر اختیاری۔ اختیاری یہ ہے کہ سینہ اور دونوں جبڑوں کے درمیان زخمی کر دے، اور اضطراری یہ ہے کہ بدن میں سے کسی بھی جگہ زخم لگایا جائے۔ مگر اصل ذبح اختیاری ہے، باقی ذبح اضطراری گویا ذبح اختیاری کا بدل ہے؛ کیونکہ اضطراری کی طرف رجوع نہیں کیا جاسکتا ہے مگر یہ کہ اختیاری سے عاجز ہو تو یہ اس کی ذبح اختیاری سے بدل ہونے کی علامت ہے، اور "كَالْبَدَلِ عَنِ الْأَوَّلِ" اس لیے کہا کہ بدل تو وہ ہے جس کے بارے میں نص وارد ہو یہاں نص نہیں ہے بلکہ علامت سے اس کی بدلیت معلوم ہو رہی ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ذبح اختیاری خون نکالنے میں زیادہ مؤثر ہے اور ثانی میں اس بارے میں کوتاہی پائی جاتی ہے اس لیے ثانی پر تب اکتفا کیا جائے گا کہ اول سے بندہ عاجز ہو اس لیے کہ بندہ بقدرِ طاقت مکلف ہوتا ہے۔

{۳} اور ذبح کی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ملتِ توحید والا ہو یعنی دینِ سماوی کو مانتا ہو خواہ اعتقاداً مانتا ہو جیسے مسلمان اعتقاداً دینِ سماوی کو مانتا ہے اور یا دینِ سماوی کا دعوی رکھتا ہو جیسے کتابی دینِ سماوی کا دعویدار ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حلال ہو محرم نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حرم سے باہر ہو ورنہ حرم کے اندر اگر شکار کو ذبح کیا تو حلال نہ ہوگا جیسا کہ آگے ہم اس کو بیان کریں گے، تیسری شرط شکار کے ساتھ خاص ہے۔

{۴} مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے؛ دلیل وہی باری تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اوپر ہم تلاوت کر چکے یعنی ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ جس میں خطاب عام ہے مسلمان اور کتابی دونوں کو شامل ہے۔ نیز باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ[2]﴾ (آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے)۔ اور ذبیحہ حلال تب ہوگا کہ ذبح کرنے والا تسمیہ کو جانتا ہو، ذبح سے واقف ہو، اور جو رگیں کاٹی جاتی ہیں ان سے واقف ہو اگرچہ ذبح کرنے والا بچہ ہو یا مجنون (معتوہ)، اور یا عورت ہو۔ اور اگر ذابح کاٹی جانے والی رگوں سے واقف نہ ہو یا تسمیہ اور ذبح سے واقف نہ ہو تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں؛ کیونکہ ذبیحہ پر تسمیہ

([1]) تقدم فی الانجاس (نصب الراية: 4ص465)
([2]) المائدة: 5

پڑھنے کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور تسمیہ قصد سے ہوگا اور قصد کی صحت انہی چیزوں (رگوں اور ذبح سے واقف ہونے) سے ہوگی جن کو ہم نے ذکر کیا۔

{۵} اور ذابح کا مختون اور غیر مختون ہونا برابر ہیں؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ ذابح مسلمان ہو یا کتابی ہو ختنہ پر مدار نہیں ہے۔ پھر کتابی کو مطلق ذکر کیا ہے تو یہ ہر قسم کے کتابی کو شامل ہوگا خواہ ذمی ہو یا حربی، عربی ہو یا تغلبی؛ کیونکہ شرط ملتِ توحید کا قیام ہے خواہ اعتقاداً ہو یا بطورِ دعویٰ ہو جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ بنو تغلب عرب کے مشرکین کی ایک قوم ہے جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ طلب کیا، انہوں نے انکار کیا پھر زکوۃ کے دوگنے پر ان سے مصالحت ہوگئی۔

{٦} آتش پرست کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "معاملہ کرو ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا مگر تم نکاح کرنے والے نہ ہوں ان کی عورتوں کے ساتھ اور نہ کھانے والے ہوں ان کے ذبیحوں کو" جس میں تصریح ہے کہ مسلمان آتش پرستوں کا ذبیحہ نہ کھائیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آتش پرست توحید کا دعویٰ نہیں کر رہا ہے لہٰذا اس کے حق میں ملت معدوم ہوگئی اعتقاد اور دعویٰ دونوں اعتبار سے۔

{۷} مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا؛ کیونکہ وہ جس دین کی طرف پھر گیا ہے اس پر اس کو نہیں چھوڑا جائے گا لہٰذا اس کی کوئی ملت نہیں ہے اس لیے اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر کتابی اپنے دین سے پھر گیا دوسرے دین کو اختیار کر لیا تو ہمارے نزدیک اس کو اس پر برقرار رکھا جائے گا اس لیے وہ جس دین پر ہے ذبح کے وقت وہی معتبر ہوگا اگر وہ دین سماوی ہے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا ورنہ حلال نہ ہوگا، اور ذبح سے پہلے والا دین معتبر نہ ہوگا۔ اور بت پرست کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا؛ کیونکہ وہ نہ ملتِ توحید کا اعتقاد رکھتا ہے اور نہ اس کا مدعی ہے۔

{۸} حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا جس شکار کو ذبح کر دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، اسی طرح جو شکار حرم میں ذبح کیا جائے اس کو بھی نہیں کھایا جائے گا، اور محرم میں تعمیم ہے خواہ حرم میں ہو یا حل میں ہو بہر دو صورت اس کا ذبح کردہ شکار حرام ہوگا۔ اور حرم میں شکار ذبح کرنے میں تعمیم ہے خواہ حلال شخص اس کو ذبح کر دے یا محرم ذبح کر دے بہر دو صورت حرام ہوگا؛ اور یہ اس لیے کہ ذبح کرنا مشروع فعل ہے اور حرم میں شکار کو ذبح کرنا یا محرم کا شکار کو ذبح کرنا ممنوع فعل ہے اور قاعدہ ہے کہ مشروع اور ممنوع جمع نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے حرم میں شکار ذبح کرنا یا محرم کا شکار ذبح کرنا ذبح نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر محرم نے شکار کے علاوہ جانور کو ذبح کیا یا حرم میں شکار کے علاوہ جانور کو ذبح کیا تو وہ حلال ہوگا؛ کیونکہ یہ مشروع فعل ہے اس لیے کہ حرم

بکری وغیرہ دیگر جانوروں کو امن نہیں دیتا ہے اس لیے اس طرح کا جانور ذبح کرنے سے حلال ہوگا، اسی طرح شکار کے علاوہ جانور کو ذبح کرنا محرم کے لیے حرام نہ ہوگا۔

﴿۱﴾قَالَ : وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمْدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ وَإِنْ

فرمایا: اور اگر چھوڑ دیا تسمیہ ذبح کرنے والے نے قصداً، تو ذبیحہ مردار ہے اسے نہیں کھایا جائے گا، اور اگر

تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : أُكِلَ فِي الْوَجْهَيْنِ .وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يُؤْكَلُ

چھوڑ دیا بھول کر تو کھایا جائے گا، اور فرمایا امام شافعیؒ نے کھایا جائے گا دونوں صورتوں میں، اور فرمایا امام مالکؒ نے نہیں کھایا جائے گا

فِي الْوَجْهَيْنِ وَالْمُسْلِمُ وَالْكِتَابِيُّ فِي تَرْكِ التَّسْمِيَةِ سَوَاءٌ،وَعَلَى هَذَاالْخِلَافِ إِذَاتَرَكَ التَّسْمِيَةَ عِنْدَإِرْسَالِ الْبَازِي وَالْكَلْبِ

دونوں صورتوں میں، اور مسلمان اور کتابی ترکِ تسمیہ میں برابر ہیں، اور اسی اختلاف پر ہے جب چھوڑ دے تسمیہ باز اور کتے کو چھوڑنے

وَعِنْدَ الرَّمْيِ ،﴿۲﴾وَهَذَا الْقَوْلُ مِنَ الشَّافِعِيِّ مُخَالِفٌ لِلْإِجْمَاعِ فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَهُ

اور تیر پھینکنے کے وقت۔ اور یہ قول امام شافعیؒ کا مخالف ہے اجماع کا؛ کیونکہ کوئی اختلاف نہیں ہے ان فقہاء میں جو ان سے پہلے تھے

فِي حُرْمَةِمَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا ، وَإِنَّمَا الْخِلَافُ بَيْنَهُمْ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ نَاسِيًا .فَمِنْ مَذْهَبِ ابْنِ عُمَرَؓ

متروک التسمیہ عامداً کی حرمت کے سلسلے، البتہ اختلاف ہے فقہاء میں متروک التسمیہ ناسیاً کے سلسلے میں، پس حضرت ابن عمر کا مذہب یہ ہے

أَنَّهُ يَحْرُمُ،وَمِنْ مَذْهَبِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّهُ يَحِلُّ،بِخِلَافِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِعَامِدًا،وَلِهَذَاقَالَ أَبُويُوسُفَ وَالْمَشَايِخُ

کہ حرام ہے، اور حضرت علی و ابن عباسؓ کا مذہب یہ کہ حلال ہے، بر خلاف متروک التسمیہ عامداً کے، اور اسی لیے فرمایا امام ابو یوسفؒ اور مشائخؒ نے

إنَّ مَتْرُوكَ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا لَا يَسَعُ فِيهِ الِاجْتِهَادُ ، وَلَوْ قَضَى الْقَاضِي بِجَوَازِ بَيْعِهِ لَا يَنْفُذُ لِكَوْنِهِ مُخَالِفًا

کہ متروک التسمیہ عامداً میں گنجائش نہیں ہے اجتہاد کا، اور اگر فیصلہ کیا قاضی نے اس کی بیع کے جواز کا تو نافذ نہ ہوگا؛ بوجہ اس کے مخالف ہونے کے

لِلْإِجْمَاعِ﴿۳﴾لَهُ قَوْلُهُ ﷺ {الْمُسْلِمُ يَذْبَحُ عَلَى اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى سَمَّى أَوْلَمْ يُسَمِّ[1]} وَلِأَنَّ التَّسْمِيَةَلَوْكَانَتْ شَرْطًالِلْحِلِّ

اجماع کے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان ذبح کرتا ہے اللہ کے نام پر تسمیہ کہے یا نہ کہے، اور اس لیے کہ تسمیہ اگر شرط ہوتی حلال ہونے کے لیے

([1])علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:قُلْتُ: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَفِي مَعْنَاهُ أَحَادِيثُ: مِنْهَا مَا أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ الْجَزَرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْلِمُ يَكْفِيهِ اسْمُهُ، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ حِينَ يَذْبَحُ فَلْيُسَمِّ، وَلْيَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ، ثُمَّ لِيَأْكُلْ"، انْتَهَى. قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِهِ: لَيْسَ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ مَنْ يُتَكَلَّمُ فِيهِ غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ، وَكَانَ صَدُوقًا صَالِحًا، لَكِنَّهُ كَانَ شَدِيدَ الْغَفْلَةِ، انْتَهَى. وَقَالَ غَيْرُهُ: مَعْقِلُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ مِنْ رِجَالِ مُسْلِمٍ لَكِنَّهُ أَخْطَأَ فِي رَفْعِ هَذَا الْحَدِيثِ،(نصب الرایۃ:4ص466)

لَمَاسَقَطَتْ بِعُذْرِ النِّسْيَانِ كَالطَّاهِرَةِفِي بَابِ الصَّلَاةِ ، وَلَوْ كَانَتْ شَرْطًا فَالْمِلَّةُ أُقِيمَتْ مَقَامَهَا كَمَا فِي النَّاسِي

تو ساقط نہ ہوتا ہے نسیان کے عذر سے جیسے طہارت بابِ صلاۃ میں، اور اگر ہو شرط تو ملت توحید اس کا قائم مقام ہے جیسا کہ بھولنے والے کے حق میں

{۴}وَلَنَا الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْله تَعَالَى { وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ } الْآيَةَ ، نَهْيٌ

اور ہماری دلیل کتاب ہے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور مت کھاؤ تم لوگ ان چیزوں میں سے جن پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا" نہی ہے

وَهُوَ لِلتَّحْرِيمِ .وَالْإِجْمَاعُ وَهُوَ مَا بَيَّنَّا .وَالسُّنَّةُ وَهُوَ حَدِيثُ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

اور وہ تحریم کے لیے، اور اجماع ہے اور وہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے، اور سنت ہے اور وہ حضرت عدی بن حاتم الطائی کی حدیث ہے کہ

فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ فِي آخِرِهِ{ فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْت عَلَى كَلْبِك وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبِ غَيْرِكَ } عَلَّلَ

حضور ﷺ نے کہا اس کے آخر میں "کہ تو نے تو تسمیہ کہا ہے اپنے کتے پر اور نہیں کہا ہے تیرے غیر کے کتے پر" علت بیان فرمائی ہے

الْحُرْمَةَ بِتَرْكِ التَّسْمِيَةِ .{۵}وَمَالِكٌ يَحْتَجُّ بِظَاهِرِ مَا ذَكَرْنَا ، إذْ لَا فَصْلَ فِيهِ وَلَكِنَّا نَقُولُ:

حرمت کی ترکِ تسمیہ سے۔ اور امام مالکؒ استدلال کرتے ہیں ان دلیلوں کے ظاہر سے جو ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ تفصیل نہیں ان میں، لیکن ہم کہتے ہیں

فِي اعْتِبَارِ ذَلِكَ مِنَ الْحَرَجِ مَالَايَخْفَى، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ كَثِيرُ النِّسْيَانِ وَالْحَرَجُ مَدْفُوعٌ{۶}وَالسَّمْعُ غَيْرُ مُجْرًى

کہ اس کا اعتبار کرنے میں حرج ہے جو مخفی نہیں ہے؛ کیونکہ انسان بکثرت بھولنے والا ہے، اور حرج دور کیا گیا ہے، اور نقلی دلائل جاری نہیں

عَلَى ظَاهِرِهِ، إذْلَوْأُرِيدَ بِهِ لَجَرَتِ الْمُحَاجَّةُ وَظَهَرَ الِانْقِيَادُ وَارْتَفَعَ الْخِلَافُ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ.{۷}وَالْإِقَامَةُ

اپنے ظاہر پر؛ اس لیے کہ اگر ظاہر مراد ہوتا اس سے تو جاری ہوتا محاجہ، اور ظاہر ہوتا انقیاد اور دور ہوتا اختلاف پہلے زمانے میں، اور ملت کو قائم مقام بنانا

فِي حَقِّ النَّاسِي وَهُوَ مَعْذُورٌ لَا يَدُلُّ عَلَيْهَا فِي حَقِّ الْعَامِدِ وَلَا عُذْرَ ، وَمَا رَوَاهُ

بھولنے والے کے حق میں حالانکہ وہ معذور ہے دلالت نہیں کرتا ہے اس پر عامد کے حق میں حالانکہ وہ معذور نہیں، اور جو امام شافعیؒ نے روایت کی ہے

مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ النِّسْيَانِ{۸}ثُمَّ التَّسْمِيَةُفِي ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ تَشْتَرِطُ عِنْدَالذَّبْحِ وَهِيَ عَلَى الْمَذْبُوحِ.وَفِي الصَّيْدِتَشْتَرِطُ

وہ محمول ہے حالتِ نسیان پر۔ پھر تسمیہ ذبح اختیاری میں شرط ہے ذبح کے وقت اور وہ مذبوح جانور پر ہوگا، اور شکار میں شرط ہے

عِنْدَالْإِرْسَالِ وَالرَّمْيِ وَهِيَ عَلَى الْآلَةِ ، لِأَنَّ الْمَقْدُورَ لَهُ فِي الْأَوَّلِ الذَّبْحُ وَفِي الثَّانِي الرَّمْيُ وَالْإِرْسَالُ دُونَ الْإِصَابَةِ

ارسال اور تیر پھینکنے کے وقت اور وہ آلہ پر ہوگا؛ کیونکہ اس کے لیے مقدور اول میں ذبح ہے اور ثانی میں تیر پھینکنا اور جانور چھوڑنا ہے نہ کہ شکار کو پہنچنا،

فَتُشْتَرَطُ عِنْدَ فِعْلٍ يَقْدِرُ عَلَيْهِ ، حَتَّى إذَا أَضْجَعَ شَاةً وَسَمَّى فَذَبَحَ غَيْرَهَا بِتِلْكَ التَّسْمِيَةِ لَا يَجُوزُ

پس شرط ہے اس فعل کے وقت جس پر وہ قادر ہے حتیٰ کہ اگر لٹا دیا بکری اور تسمیہ پڑھا پھر ذبح کیا اس کا غیر اسی تسمیہ سے تو جائز نہیں ہے

{۹}وَلَوْ رَمَى إِلَى صَيْدٍ وَسَمَّى وَأَصَابَ غَيْرَهُ حَلَّ ، وَكَذَا فِي الْإِرْسَالِ ، وَلَوْ أَضْجَعَ شَاةً وَسَمَّى ثُمَّ رَمَى بِالشَّفْرَةِ وَذَبَحَ بِالْأُخْرَى أُكِلَ ، وَلَوْ سَمَّى عَلَى سَهْمٍ ثُمَّ رَمَى بِغَيْرِهِ صَيْدًا لَا يُؤْكَلُ

اور اگر تیر پھینکا شکار کی طرف اور تسمیہ پڑھا اور وہ لگ گیا اس کے غیر کو تو حلال ہے، اور اسی طرح ارسال میں ہے، اور اگر لٹادی بکری اور تسمیہ پڑھا پھر پھینک دی چھری اور ذبح کر دی دوسری سے تو کھائی جائے گی، اور اگر تسمیہ پڑھا تیر پر پھر مارا اس کے علاوہ سے شکار کو تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح:۔{۱}اگر ذابح نے ذبح کے وقت قصداً تسمیہ کو چھوڑ دیا تو ایسا ذبیحہ مردار ہو گا اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اور اگر بھول کر تسمیہ چھوڑ دیا تو اسے کھایا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نہیں کھایا جائے گا۔ اور تسمیہ کے بارے میں مسلمان اور کتابی برابر ہیں دونوں کے بارے میں ائمہ کا مذکورہ بالا اختلاف ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے تیر پھینکتے ہوئے یا شکار پر باز یا کتا چھوڑتے ہوئے تسمیہ کو چھوڑ دیا تو اس میں بھی ائمہ کرام کا مذکورہ اختلاف ہے کہ ہمارے نزدیک عمد کی صورت میں شکار مردار ہو گا اور بھول کی صورت میں حلال ہو گا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال اور امام مالکؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حرام ہو گا۔

{۲}امام شافعیؒ کا مذکورہ قول اجماع کے خلاف ہے؛ کیونکہ آپؒ سے پہلے مشائخ کے نزدیک متروک التسمیہ عامداً کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں تھا سب کے نزدیک حرام تھا، البتہ بھول کر تسمیہ ترک کرنے کی صورت میں اختلاف تھا چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو حرام سمجھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو حلال کہتے تھے جبکہ متروک التسمیہ عامداً کی حرمت کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، اسی لیے امام ابو یوسفؒ اور دیگر مشائخؒ نے کہا ہے کہ متروک التسمیہ عامداً میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اگر ایسا ذبیحہ فروخت کر دیا گیا اور قاضی نے اس کے جواز کا فیصلہ کیا تو قاضی کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہو گا؛ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مختلف فیہ مسئلہ میں نافذ ہوتا ہے جبکہ یہ مختلف فیہ نہیں ہے پس قاضی کا یہ فیصلہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سب کے اجماع کے خلاف ہے اس لیے یہ نافذ نہ ہو گا۔

{۳}امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتا ہے خواہ تسمیہ کہے یا نہ کہے" ظاہر ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے عمد اور نسیان کی اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے اس لیے دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال

ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر تسمیہ حلت کی شرط ہو تو پھر نسیان کے عذر سے یہ شرط ساقط نہ ہو گی جیسا کہ باب نماز میں طہارت شرط ہے تو خواہ عمداً اسے ترک کر دے یا بھول کر بہر دو صورت نماز نہ ہو گی اسی طرح ترکِ تسمیہ کی دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال نہیں ہونا چاہیے حالانکہ تم نسیان کی صورت میں حلال سمجھتے ہو۔ اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ تسمیہ شرط ہے تو پھر جیسا کہ نسیان کی صورت میں ملتِ توحید تسمیہ کے قائم مقام ہوتی ہے اسی طرح عمد کی صورت میں بھی قائم مقام ہو گی اس لیے ذبیحہ بہر دو صورت حلال ہونا چاہیے۔

{۴} ہماری دلیل کتاب اللہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾[1] (اور تم نہ کھاؤ ان چیزوں میں سے جن پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو بیشک یہ نافرمانی ہے) جس میں "لَاتَاكُلُوا" نہی کا صیغہ ہے جو تحریم کے لیے ہے جس سے معلوم ہوا کہ جس ذبیحہ پر تسمیہ ترک کر دیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اجماعِ امت سے متروک التسمیہ کا حرام ہونا ثابت ہے جس کو ہم بیان کر چکے کہ امام شافعیؒ سے پہلے تمام مشائخ متروک التسمیہ عامداً کی حرمت پر متفق تھے۔ اور سنت سے اس کی حرمت ثابت ہے اور وہ حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ بسا اوقات میں شکار پر اپنا کتا چھوڑتا ہوں تو اس کے ساتھ ایک اور کتا شریک ہو جاتا ہے مجھے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کونسے کتے نے شکار کو پکڑا ہے تو کیا میں اس شکار کو کھا سکتا ہوں؟ تو اس کے آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا: "تو نے تو اپنے کتے پر تسمیہ پڑھا ہے اور تو نے تیرے غیر کے کتے پر تسمیہ نہیں پڑھا ہے"[2] مطلب یہ کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے اور حرمت کی علت ترکِ تسمیہ کو بیان کیا ہے پس معلوم ہوا کہ عمداً ترکِ تسمیہ سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔

{۵} امام مالکؒ نے مذکورہ بالا آیت اور حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے؛ کیونکہ ان میں عمد اور نسیان کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہو گا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ متروک تسمیہ ناسیاً کو بھی اگر معتبر مانیں کہ یہ بھی حرام ہے تو اس میں ایسا حرج ہے جو مخفی نہیں ہے؛ کیونکہ انسان بکثرت بھول جاتا ہے اور حرج شریعت میں مدفوع ہے اس لیے ہم نے نسیان کی صورت میں ترکِ تسمیہ کا اعتبار نہیں کیا لہٰذا اس صورت میں ذبیحہ حلال ہو گا۔

{۶} اور نقلی دلیل (آیت اور حدیث) اپنے ظاہر پر جاری نہیں ہے؛ کیونکہ اگر وہ اپنے ظاہر پر جاری ہوتی تو اس کے ذریعہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر حجت پیش کرتے یعنی حضرت ابن عمرؓ اس کو حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے خلاف

([1]) الانعام:121.
([2]) قلت: أخرجه الأئمة الستة في كتبهم عن عدي بن حاتم، قلت: يا رسول الله إني أرسل كلبي، وأسمي، فقال: "إذا أرسلت كلبك، وسميت، فأخذ، فقتل، فكل، فإن أكل منه، فلا تأكل، فإنما أمسك على نفسه"، قلت: إني أرسل كلبي فأجد معه كلبا آخر، لا أدري أيهما أخذه، فقال: "لا تأكل فإنك إنما سميت على كلبك، ولم تسم على كلب آخر".(نصب الراية:4ص468)

بلورِ حجت پیش فرماتے اور چونکہ یہ نص قطعی ہے اس لیے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ اس کا انکار نہ کر سکتے یوں جھگڑا صحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں ختم ہو جاتا، حالانکہ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو استدلال میں پیش نہیں فرمایا ہے تو یہ دلیل ہے کہ نقلی دلیل اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔

{۷} امام شافعیؒ نے بھول کر تسمیہ چھوڑنے والے پر عمداً چھوڑنے والے کو قیاس کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ناسی کے حق میں ملتِ توحید کا تسمیہ کے قائم مقام ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ عامد کے حق میں بھی تسمیہ کے قائم مقام ہو؛ کیونکہ ناسی معذور ہے اور عامد کے حق میں کوئی عذر نہیں ہے اور ملتِ توحید کا تسمیہ کے قائم مقام ہونے کی علت عذر ہے تو جہاں عذر نہ ہو وہاں ملتِ توحید تسمیہ کا قائم مقام نہ ہوگی۔ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ نسیان کی حالت پر محمول ہے اس لیے اس سے عمد کی صورت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

{۸} پھر ذبح اختیاری کی صورت میں شرط یہ ہے کہ تسمیہ ذبح کے وقت پڑھے اور تسمیہ مذبوح پر پڑھے، اور شکار کی صورت میں کتا یا باز چھوڑنے اور تیر پھینکنے کے وقت پڑھنا شرط ہے، اور تسمیہ آلہ پر پڑھے؛ کیونکہ ذبح اختیاری کی صورت میں اس کو ذبح پر قدرت حاصل ہے اور ذبح اضطراری میں اس کو تیر پھینکنے اور کتا اور باز چھوڑنے پر قدرت حاصل ہے نہ کہ شکار کو پکڑ لینے پر لہذا تسمیہ ایسے فعل پر پڑھنا شرط ہے جس پر وہ قادر ہے حتی کہ اگر کسی نے بکری ذبح کرنے کے لیے لٹائی اور تسمیہ پڑھا، پھر اسی تسمیہ سے اس بکری کے علاوہ دوسری بکری ذبح کر دی تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ ذبح اختیاری ہے اور یہاں تسمیہ کا محل مذبوحہ بکری ہے اور تسمیہ اس نے پہلی بکری پر پڑھی ہے نہ کہ دوسری بکری پر اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

{۹} اسی طرح اگر شکاری نے تسمیہ پڑھ کر شکار کی طرف تیر پھینکا اور وہ اسی شکار کے بجائے دوسرے شکار کو لگا تو دوسرا شکار حلال ہوگا؛ کیونکہ یہاں اس کا مقدور آلہ ہے جس پر اس نے تسمیہ پڑھا اس لیے دوسرا شکار حلال ہوگا، اسی طرح کتا اور باز چھوڑنے کے وقت تسمیہ پڑھنے اور اس کا دوسرے شکار کو مار دینے کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے بکری لٹائی اور تسمیہ پڑھا، پھر چھری پھینک دی اور بکری کو دوسری چھری سے ذبح کر دیا تو اس کو کھایا جائے گا؛ کیونکہ مذبوح پر تسمیہ پڑھنا پایا گیا، اور اگر تیر پر تسمیہ پڑھا پھر دوسرے تیر سے شکار کو مارا تو نہیں کھایا جائے گا؛ کیونکہ جس آلہ پر تسمیہ پڑھا ہے اس سے شکار نہیں مارا ہے اور جس سے مارا ہے اس پر تسمیہ نہیں پڑھا ہے۔

{۱} قَالَ : وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْكُرَ مَعَ اسْمِ اللهِ تَعَالَى شَيْئًا غَيْرَهُ . وَأَنْ يَقُولَ عِنْدَ الذَّبْحِ : اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ

فرمایا: اور مکروہ ہے کہ ذکر کرے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی اور چیز اس کے علاوہ، اور یہ کہ کہے ذبح کے وقت "اے اللہ قبول کر

مِنْ فُلَانٍ . وَهَذِهِ ثَلَاثُ مَسَائِلَ : إِحْدَاهَا أَنْ يَذْكُرَ مَوْصُولًا لَا مَعْطُوفًا فَيُكْرَهُ وَلَا تَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ.

فلاں سے" اور یہ تین مسائل ہیں، ایک ان میں سے یہ کہ ذکر کرے متصل نہ کہ معطوف کر کے، تو مکروہ ہے، اور حرام نہیں ذبیحہ،

وَهُوَ الْمُرَادُ بِمَا قَالَ .وَنَظِيرُهُ أَنْ يَقُولَ : بِاسْمِ اللهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ .لِأَنَّ الشَّرِكَةَ

اور یہی مراد ہے جو ماتن ؒ نے کہا، امام محمدؒ نے فرمایا: اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کہے "اللہ کے نام سے محمدؐ اللہ کے رسول ہیں"؛ کیونکہ شرکت

لَمْ تُوجَدْ فَلَمْ يَكُنِ الذَّبْحُ وَاقِعًا لَهُ .إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِوُجُودِ الْقِرَانِ صُورَةً فَيُتَصَوَّرُ بِصُورَةِ الْمُحَرَّمِ.

نہیں پائی گئی پس نہ ہوگا ذبح کا وقوع حضورؐ کے لیے، البتہ یہ مکروہ ہے صورۃً اتصال موجود ہونے کی وجہ سے پس متصور ہوگا حرام کی صورت میں.

{۲}وَالثَّانِيَةُ أَنْ يَذْكُرَ مَوْصُولًا عَلَى وَجْهِ الْعَطْفِ وَالشَّرِكَةِ بِأَنْ يَقُولَ: بِاسْمِ اللهِ وَاسْمِ فُلَانٍ، أَوْيَقُولَ : بِاسْمِ اللهِ وَفُلَانٍ

اور ثانی یہ کہ ذکر کرے متصل عطف اور شرکت کے طور پر بایں طور کہ کہے "اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے" یا کہے "اللہ کے نام سے اور فلاں سے"

أَوْبِاسْمِ اللهِ وَمُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ بِكَسْرِ الدَّالِ فَتَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ لِأَنَّهُ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ.وَالثَّالِثَةُ أَنْ يَقُولَ مَفْصُولًا عَنْهُ صُورَةً وَمَعْنًى

یا "اللہ کے نام اور محمدٍ رسول اللہ" دال کے کسرہ کے ساتھ، تو حرام ہوگا ذبیحہ؛ اس لیے کہ نام لیا اس پر غیر اللہ کا۔ اور تیسرا یہ کہ کہے الگ اس سے صورۃً ومعنیً

بِأَنْ يَقُولَ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ وَقَبْلَ أَنْ يُضْجِعَ الذَّبِيحَةَ أَوْ بَعْدَهُ ، وَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ لِمَا رُوِيَ عَنْ { النَّبِيِّ ﷺ

بایں طور کہ کہے تسمیہ سے پہلے اور ذبیحہ لٹانے سے پہلے یا اس کے بعد، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لیے کہ مروی ہے حضورؐ سے کہ

أَنَّهُ قَالَ بَعْدَ الذَّبْحِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ هَذِهِ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ مِمَّنْ شَهِدَ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَلِي

انہوں نے کہا ذبح کے بعد "اے اللہ قبول کر اس کو امتِ محمدؐ میں سے ان کی طرف سے جو گواہی دیں تیرے لیے وحدانیت کی اور میرے لیے

بِالْبَلَاغِ}{۳}وَالشَّرْطُ هُوَ الذِّكْرُ الْخَالِصُ الْمُجَرَّدُ عَلَى مَاقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رضي الله عنه جَرِّدُوا التَّسْمِيَةَ حَتَّى لَوْقَالَ عِنْدَ الذَّبْحِ

تبلیغ کی"۔ اور شرط ذکر خالص اور مجرد ہے جیسا کہ کہا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے: خالی کر دو تسمیہ کو، حتی کہ اگر کہا ذبح کے وقت

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي لَا يَحِلُّ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ وَسُؤَالٌ ، وَلَوْ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْ سُبْحَانَ اللهِ يُرِيدُ التَّسْمِيَةَ حَلَّ،

"اے اللہ میری مغفرت فرمایا" تو حلال نہیں؛ کیونکہ یہ دعا اور سوال ہے۔ اور اگر کہا "الحمد للہ" یا "سبحان اللہ" اور ارادہ تسمیہ کا ہو تو حلال ہے

وَلَوْ عَطَسَ عِنْدَ الذَّبْحِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا يَحِلُّ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ .لِأَنَّهُ يُرِيدُ بِهِ

اور اگر چھینک کی ذبح کے وقت پس اس نے کہا "الحمد للہ" تو حلال نہیں دو روایتوں میں سے اصح کے مطابق؛ کیونکہ اس کا مقصد اس سے

الْحَمْدَعَلَى نِعَمِهِ دُونَ التَّسْمِيَةِ{۴}وَمَاتَدَاوَلَتْهُ الْأَلْسُنُ عِنْدَالذَّبْحِ وَهُوَقَوْلُهُ بِاسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُمَنْقُولٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما

حمد کرنا ہے لغت پر نہ کہ تسمیہ، اور جو لوگوں کی زبان زد ہے ذبح کے وقت اور وہ اس کا قول "بِاسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ" ہے تو یہ منقول ہے حضرت ابن عباس سے

فِي قَوْلِهِ تَعَالَى { فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ }[5] وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ،

باری تعالیٰ کے ارشاد "چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، ان پر اللہ کا نام لو" کی تفسیر میں۔ فرمایا: اور ذبح حلق اور سینے کے درمیان ہوتا ہے

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : لَا بَأْسَ بِالذَّبْحِ فِي الْحَلْقِ كُلِّهِ وَسَطَهُ وَأَعْلَاهُ وَأَسْفَلَهُ. وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ ﷺ

اور جامع صغیر میں ہے کوئی حرج نہیں پورے حلق میں ذبح کرنے لیعنی درمیان میں اوپر کے حصے میں اور نچلے حصے میں اور اصل اس سلسلے میں

{ الذَّكَاةُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ } ، وَلِأَنَّ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ مَجْمَعُ الْعُرُوقِ وَالْمَجْرَى

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ذبح سینے اور دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے" اور اس لیے کہ حلق جمع ہونے کی جگہ ہے کھانے کی نالی اور رگوں کے

فَيَحْصُلُ بِالْفِعْلِ فِيهِ إِنْهَارُ الدَّمِ عَلَى أَبْلَغِ الْوُجُوهِ، وَكَانَ حُكْمُ الْكُلِّ سَوَاءً[6] قَالَ : وَالْعُرُوقُ الَّتِي تُقْطَعُ فِي الذَّكَاةِ

پس حاصل ہو جائے گا اس میں فعل کرنے سے خون بہانا کامل طریقے پر، پس ہو گا کل کا حکم برابر۔ فرمایا: اور وہ رگیں جو کاٹی جاتی ہیں ذبح میں

أَرْبَعَةٌ: الْحُلْقُومُ، وَالْمَرِيءُ، وَالْوَدَجَانِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْتَ» وَهِيَ اسْمُ جَمْعٍ

چار ہیں، حلقوم، نرخرہ، اور گردن کی دونوں رگیں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے " اوداج کو کاٹ دو جس سے چاہو " اور یہ اسم جمع ہے

وَأَقَلُّهُ الثَّلَاثُ فَيَتَنَاوَلُ الْمَرِيءَ وَالْوَدَجَيْنِ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي الِاكْتِفَاءِ بِالْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ،

جس کا اقل تین ہے پس یہ شامل ہو گا نرخرہ اور گردن کی دو رگوں کو، اور یہ حجت ہے امام شافعیؒ پر اکتفا کرنے میں حلقوم اور نرخرہ پر،

إِلَّا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ قَطْعُ هَذِهِ الثَّلَاثَةِ إِلَّا بِقَطْعِ الْحُلْقُومِ فَيَثْبُتُ قَطْعُ الْحُلْقُومِ بِاقْتِضَائِهِ، [7] وَبِظَاهِرِ مَا

البتہ ممکن نہیں ہے ان تین کو قطع کرنا مگر حلقوم کو قطع کرنے سے پس ثابت ہو گا قطع حلقوم اس کے اقتضاء سے، اور اس کے ظاہر سے

ذَكَرْنَا يَحْتَجُّ مَالِكٌ وَلَا يُجَوِّزُ الْأَكْثَرَ مِنْهَا بَلْ يَشْتَرِطُ قَطْعَ جَمِيعِهَا وَعِنْدَنَا

جو ہم ذکر کر چکے امام مالک استدلال کرتے ہیں، اور جائز نہیں قرار دیتے ان میں سے اکثر کو، بلکہ شرط ہے سب کو قطع کرنا، اور ہمارے نزدیک

إِنْ قَطَعَهَا حَلَّ الْأَكْلُ، وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَهَا فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا:

اگر قطع کر دیا سب کو تو حلال ہے کھانا اور اگر قطع کر دیا ان کے اکثر کو تو بھی حلال ہے امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں

لَا بُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ وَأَحَدِ الْوَدَجَيْنِ[8] قَالَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: هَكَذَا ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ الِاخْتِلَافَ

کہ ضروری ہے قطع کرنا حلقوم، نرخرہ اور گردن کی دو رگوں میں سے ایک۔ مصنفؒ فرماتے ہیں اسی طرح ذکر کیا ہے امام قدوریؒ نے اختلاف

فِي مُخْتَصَرِهِ. وَالْمَشْهُورُ فِي كُتُبِ مَشَايِخِنَا: أَنَّ هٰذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَحْدَهُ. وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: إِنْ قَطَعَ

اپنی مختصر میں، اور مشہور ہمارے مشائخ کی کتابوں میں یہ ہے کہ یہ فقط امام ابویوسفؒ کا قول ہے، اور فرمایا جامع صغیر میں کہ اگر قطع کر دیا

نِصْفَ الْحُلْقُومِ وَنِصْفَ الْأَوْدَاجِ لَمْ يُؤْكَلْ. وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَ الْأَوْدَاجِ وَالْحُلْقُومِ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ أُكِلَ [9] وَلَمْ يَحْكِ

نصف حلقوم اور نصف اوداج کو، تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر قطع کر دیا اکثر اوداج اور حلقوم کا مرنے سے پہلے تو کھایا جائے گا، اور نقل نہیں کیا ہے

خِلَافًا فَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا قَطَعَ الثَّلَاثَ: أَيَّ ثَلَاثٍ كَانَ يَحِلُّ،

اختلاف کو، اور مختلف ہیں روایات اس سلسلے میں۔ پس حاصل یہ کہ امام صاحبؒ کے نزدیک جب قطع کر دے کوئی بھی تین تو حلال ہوگا،

وَبِهِ كَانَ يَقُولُ أَبُو يُوسُفَ أَوَّلًا ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرْنَا. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ أَكْثَرَ كُلِّ فَرْدٍ

اور اسی کا قائل تھے امام ابویوسفؒ پہلے پھر رجوع فرمایا اس کی طرف جو ہم نے ذکر کیا، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ اعتبار کرتا ہے ہر ایک کے اکثر کا

وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ -، لِأَنَّ كُلَّ فَرْدٍ مِنْهَا أَصْلٌ بِنَفْسِهِ لِانْفِصَالِهِ عَنْ غَيْرِهِ

اور یہی ایک روایت ہے امام ابوحنیفہؒ سے؛ کیونکہ ہر فرد ان میں سے اصل ہے بذاتِ خود؛ بوجہ اس کے منفصل ہونے کے غیر سے،

وَلِوُرُودِ الْأَمْرِ بِفَرْيِهِ فَيُعْتَبَرُ أَكْثَرُ كُلِّ فَرْدٍ مِنْهَا. وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ قَطْعِ الْوَدَجَيْنِ

اور بوجہ ورودِ امر کے اس کے کاٹنے کا پس معتبر ہوگا اکثر ہر ایک فرد کا ان میں سے، اور امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقصود قطع ودجین سے

إِنْهَارُ الدَّمِ فَيَنُوبُ أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ، إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَجْرَى الدَّمِ. أَمَّا الْحُلْقُومُ فَيُخَالِفُ الْمَرِيءَ

خون بہانا ہے پس قائم مقام ہوگا ایک دوسرے کا، اس لیے کہ ہر ایک ان میں سے خون بہنے کی نالی ہے، رہا حلقوم تو وہ الگ ہے نرخرہ سے

فَإِنَّهُ مَجْرَى الْعَلَفِ وَالْمَاءِ، وَالْمَرِيءُ مَجْرَى النَّفَسِ فَلَابُدَّ مِنْ قَطْعِهِمَا [10] وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَكْثَرَ يَقُومُ مَقَامَ الْكُلِّ

کیونکہ حلقوم نالی ہے گھاس اور پانی کی، اور نرخرہ نالی ہے سانس کی۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اکثر قائم مقام ہوتا ہے کل کا

فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَحْكَامِ، وَأَيَّ ثَلَاثٍ قَطَعَهَا فَقَدْ قَطَعَ الْأَكْثَرَ مِنْهَا وَمَا هُوَ الْمَقْصُودُ يَحْصُلُ بِهَا هُوَ

بہت سے احکام میں اور جس تین کو قطع کر دے تو اس نے قطع کر دیا اکثر کو ان میں سے، اور جو مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے اس سے اور وہ

إِنْهَارُ الدَّمِ الْمَسْفُوحِ وَالتَّوْحِيَةُ فِي إِخْرَاجِ الرُّوحِ، لِأَنَّهُ لَا يَحْيَا بَعْدَ قَطْعِ مَجْرَى النَّفَسِ أَوِ الطَّعَامِ، وَيَخْرُجُ الدَّمُ

بہانا ہے بہنے والا خون، اور جلدی کرنا ہے اخراج روح میں؛ کیونکہ زندہ نہیں رہتا ہے سانس کی نالی اور طعام کی نالی کاٹنے کے بعد، اور نکل جاتا ہے خون

بِقَطْعِ أَحَدِ الْوَدَجَيْنِ فَيُكْتَفَى بِهِ تَحَرُّزًا عَنْ زِيَادَةِ التَّعْذِيبِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَطَعَ النِّصْفَ لِأَنَّ الْأَكْثَرَ بَاقٍ

ودجین میں سے ایک کاٹنے سے پس اکتفا کیا جائے گا اسی پر بچتے ہوئے زیادہ عذاب دینے سے، برخلاف اس کے جب قطع کر دے نصف کو؛ کیونکہ اکثر باقی ہے

فَكَأَنَّهُ لَمْ يَقْطَعْ شَيْئًا احْتِيَاطًا لِجَانِبِ الْحُرْمَةِ. {١١}قَالَ: وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِالظُّفُرِ وَالسِّنِّ وَالْقَرْنِ إِذَا كَانَ مَنْزُوعًا حَتَّى

پس گویا نہیں کاٹا ہے کچھ بھی احتیاطاً جانبِ حرمت میں۔ فرمایا: اور جائز ہے ذبح ناخن، دانت اور سینگ سے بشرطیکہ وہ علیحدہ ہو حتی کہ

لَا يَكُونَ بِأَكْلِهِ بَأْسٌ، إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ هَذَا الذَّبْحُ - وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْمَذْبُوحُ مَيْتَةٌ لِقَوْلِهِ ﷺ {كُلُّ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ

حرج نہیں اس کے کھانے میں، البتہ مکروہ ہے یہ ذبح، اور فرمایا امام شافعیؒ نے یہ ذبیحہ مردار ہے؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "ہر وہ چیز جو بہائے خون

وَأَفْرَى الْأَوْدَاجَ مَا خَلَا الظُّفُرَ وَالسِّنَّ فَإِنَّهُمَا مُدَى الْحَبَشَةِ} وَلِأَنَّهُ فِعْلٌ غَيْرُ مَشْرُوعٍ

اور کاٹ ڈالے رگیں سوائے ناخن اور دانت کے؛ کیونکہ یہ دونوں چھری ہیں حبشیوں کی" اور اس لیے کہ یہ فعل غیر مشروع ہے

فَلَا يَكُونُ ذَكَاةً كَمَا إِذَا ذَبَحَ بِغَيْرِ الْمَنْزُوعِ. {١٢}وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {أَنْهِرِ الدَّمَ بِمَا شِئْتَ}

پس یہ ذبح نہ ہوگا جیسا کہ جب ذبح کر دے اکھڑے ہوئے کے غیر سے۔ اور ہماری دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے "بہادو خون جس چیز سے چاہو"

وَيُرْوَى {أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْتَ} وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى غَيْرِ الْمَنْزُوعِ فَإِنَّ الْحَبَشَةَ

اور مروی ہے "کاٹ دو اوداج جس چیز سے چاہو"، اور جو امام شافعیؒ نے روایت کی ہے وہ محمول ہے غیر منزوع پر؛ کیونکہ حبشی لوگ

كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ. {١٣}وَلِأَنَّهُ آلَةٌ جَارِحَةٌ فَيَحْصُلُ بِهِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ إِخْرَاجُ الدَّمِ

کرتے تھے اسی طرح، اور اس لیے کہ یہ زخمی کرنے والا آلہ ہے پس حاصل ہوتا ہے اس سے وہ جو مقصود ہے اور وہ اخراجِ خون ہے،

وَصَارَ كَالْحَجَرِ وَالْحَدِيدِ. {١٤}بِخِلَافِ غَيْرِ الْمَنْزُوعِ لِأَنَّهُ يَقْتُلُ بِالثِّقَلِ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى الْمُنْخَنِقَةِ،

اور ہو گیا پتھر اور لوہے کی طرح، برخلاف غیر منزوع کے؛ کیونکہ وہ قتل کر دیتا ہے وزن سے پس یہ گلا گھونٹے جانور کے معنی میں ہے،

وَإِنَّمَا يُكْرَهُ لِأَنَّ فِيهِ اسْتِعْمَالَ جُزْءِ الْآدَمِيِّ وَلِأَنَّ فِيهِ إِعْسَارًا عَلَى الْحَيَوَانِ وَقَدْ أُمِرْنَا فِيهِ بِالْإِحْسَانِ.

اور مکروہ اس لیے کہ اس میں جزءِ آدمی کا استعمال ہے، اور اس لیے کہ اس میں سختی ہے جانور پر حالانکہ ہمیں حکم کیا گیا ہے ذبح کے سلسلے میں احسان کا

تشریح:۔ {١} ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کوئی اور شئی ذکر کرنا مکروہ ہے، اور یہ مکروہ ہے کہ ذبح کے وقت اس طرح کہے کہ "اے اللہ! فلاں کی جانب سے قبول فرما"۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں یہاں تین مسائل ہیں (1) ایک یہ کہ ذبح کے وقت دوسری چیز کو ذکر کر لے مگر عطف کے طور پر ذکر نہ کرے بلکہ وصل کے طور پر ذکر کرے تو یہ صورت مکروہ ہے مگر ذبیحہ حرام نہ ہوگا اور امام محمدؒ نے جس کو مکروہ کہا ہے وہ یہی صورت ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اس طرح کہے "بِاسْمِ اللهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ" تو یہ صورت مکروہ ہے اور ذبیحہ حلال ہے؛ اور حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آپ ﷺ کو شریک نہیں

کیا گیا ہے؛ کیونکہ اگر شریک کرنا مقصود ہوتا ہے تو محمد کو مجرور پڑھتا، لہٰذا ذبح آپ کے لیے نہیں ہوا ہے اس لیے حلال ہے۔ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ صورۃً غیر کے نام کا قران اور اتصال پایا گیا اور صورۃً موجود حقیقۃً متصور کی طرح ہے لہٰذا بصورتِ حرام متصور ہوگا اس لیے یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

﴿۲﴾(2) دوسرا مسئلہ یہ کہ اللہ کے نام کے ساتھ غیر کو عطف اور شرکت کے طور پر متصل ذکر کیا جائے مثلاً اس طرح کہے "بِاسْمِ اللهِ وَاسْمِ فُلَانٍ" یا کہے "بِاسْمِ اللهِ وَفُلَانٍ" یا کہے "بِاسْمِ اللهِ وَمُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ" لفظ محمد کے دال پر کسرہ پڑھے تو اس صورت میں ذبیحہ حرام ہوگا؛ کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے اور جس ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے وہ مردار ہے۔

(3) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے غیر کا نام صورۃً اور معنیً ہر دو اعتبار سے الگ ذکر کیا جائے مثلاً غیر اللہ کا نام ذکر کرے تسمیہ سے پہلے، اور ذبیحہ لٹانے سے پہلے یا بعد، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی ذبح کرنے کے بعد فرمایا: اے اللہ! اس کو قبول فرما محمد ﷺ کی امت کی طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں تیرے لیے وحدانیت کی گواہی دی ہے اور میرے لیے اسلام پہنچانے کی گواہی دی ہے[1]۔

﴿۳﴾ اور شرط یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور اپنے سوال اور غرض سے خالی ہو؛ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تسمیہ کو الگ رکھا کرو[2]۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے ذبح کے وقت کہا: اے اللہ! میری مغفرت فرما، تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ دعا اور سوال ہے ذکرِ خالص نہیں ہے۔ ہاں اگر تسمیہ کے ارادہ سے ذابح نے الحمد للہ کہا، یا سبحان اللہ کہا تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ خالص ذکر ہے اس میں ذابح کی کوئی اور غرض نہیں ہے۔ اور اگر ذبح کے وقت چھینک آئی جس پر اس نے الحمد للہ کہا تو اصح روایت کے مطابق ذبیحہ حلال نہ ہوگا؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا ارادہ ذبیحہ پر تسمیہ پڑھنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت (چھینک) پر اس کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے۔

([1]) حَدِيثٌ آخَرُ: أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ضَحَّى اشْتَرَى كَبْشَيْنِ، أَمْلَحَيْنِ، أَقْرَنَيْنِ، فَإِذَا خَطَبَ وَصَلَّى، ذَبَحَ أَحَدَ الْكَبْشَيْنِ بِنَفْسِهِ بِالْمُدْيَةِ، ثُمَّ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ هَذَا عَنْ أُمَّتِي جَمِيعًا، مَنْ شَهِدَ لَكَ بِالتَّوْحِيدِ، وَشَهِدَ لِي بِالْبَلَاغِ"، ثُمَّ أُتِيَ بِالْآخَرِ، فَذَبَحَهُ، وَقَالَ: "اللهُ هَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ"، ثُمَّ يُطْعِمُهُمَا الْمَسَاكِينَ، وَيَأْكُلُ هُوَ وَأَهْلُهُ مِنْهُمَا، فَمَكَثْنَا سِنِينَ قَدْ كَفَانَا اللهُ الْغُرْمَ، وَالْمُؤْنَةَ، لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ يُضَحِّي، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، انْتَهَى. (نصب الراية: 4ص470)

([2]) قَوْلُهُ: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ: جَرِّدُوا التَّسْمِيَةَ، قُلْت: غَرِيبٌ. (نصب الراية: 4ص470)

﴿۴﴾اور یہ جو ذبح کے وقت زبان زد ہے کہ لوگ "بِاسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ" کو واؤ عاطفہ کے ساتھ کہتے ہیں تو یہ اس لیے کہ باری تعالیٰ کے ارشاد﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ[1]﴾(چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، ان پر اللہ کا نام لو) کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے[2]۔ مگر علامہ حلوانیؒ نے واؤ کے بغیر اللہ اکبر کہنا ذکر کیا ہے؛ کیونکہ واؤ کے ساتھ کہنے سے اتصال فوت ہوجاتا ہے لما فی الدر المختار: (وَالْمُسْتَحَبُّ) (أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ بِلَا وَاوٍ، وَكُرِهَ بِهَا) لِأَنَّهُ يَقْطَعُ فَوْرَ التَّسْمِيَةِ كَمَا عَزَاهُ الزَّيْلَعِيُّ لِلْحَلْوَانِيِّ وَقَالَ قَبْلَهُ: وَالْمُتَدَاوَلُ الْمَنْقُولُ عَنْ النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – بِالْوَاوِ. وقال ابن عابدين: (قَوْلُهُ وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ) بِإِظْهَارِ الْهَاءِ، فَإِنْ لَمْ يُظْهِرْهَا إنْ قَصَدَ ذِكْرَ اللَّهِ يَحِلُّ، وَإِنْ لَمْ يَقْصِدْ وَقَصَدَ تَرْكَ الْهَاءِ لَا يَحِلُّ أَتْقَانِيٌّ عَنْ الْخُلَاصَةِ (قَوْلُهُ لِأَنَّهُ يَقْطَعُ فَوْرَ التَّسْمِيَةِ) قَالَ الْأَتْقَانِيُّ: وَفِيهِ نَظَرٌ اهـ. وَوَجْهُهُ يَظْهَرُ مِمَّا يَأْتِي قَرِيبًا فِيمَا يَقْطَعُ الْفَوْرَ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ كَمَالُ الْفَوْرِيَّةِ وَإِلَّا لَزِمَ أَنْ تَكُونَ الذَّبِيحَةُ مَيْتَةً، وَأَنْ يَكُونَ الْفَصْلُ حَرَامًا لَا مَكْرُوهًا لَكِنْ فِيهِ أَنَّهُ لَوْ اقْتَصَرَ عَلَى قَوْلِهِ اللَّهُ أَكْبَرُ قَاصِدًا بِهِ التَّسْمِيَةَ يَكْفِي تَأَمَّلْ(الدر المختار مع ردّ المحتار:5ص212)۔

﴿۵﴾ذبح حلق اور سینہ کے درمیان ہوتا ہے، اور جامع صغیر میں ہے کہ پورے حلق میں ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ اوپر کے حصہ میں ہو یا درمیانی حصہ میں ہو یا نچلے حصہ میں ہو سب برابر ہیں؛ اس بارے میں اصل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ذبح سینہ اور دو جبڑوں کے درمیان ہے[3]" جس میں ذبح کی جگہ یہی بتائی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حلق

([1])الحج:36۔

([2])قُلْت: رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي الذَّبَائِحِ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قوله تعالى: {فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ} قَالَ: قِيَامًا عَلَى ثَلَاثَةِ قَوَائِمَ مَعْقُولَةٍ، يَقُولُ: بِسْمِ اللَّهِ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ مِنْك وَإِلَيْك، انْتَهَى. وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، انْتَهَى. وَعِنْدَهُ فِيهِ رِوَايَةٌ أُخْرَى، أَخْرَجَهُ فِي التَّفْسِيرِ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: {فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ} قَالَ: إذَا أَرَدْت أَنْ تَنْحَرَ الْبَدَنَةَ، فَأَقِمْهَا، ثُمَّ قُلْ: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، مِنْك وَلَك، ثُمَّ سَمِّ، ثُمَّ انْحَرْهَا، وَقَالَ: صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ أَيْضًا، وَلَقَدْ حَجَّرَ الْمُصَنِّفُ عَلَى نَفْسِهِ، فَفِيهِ حَدِيثٌ مَرْفُوعٌ، أَخْرَجَهُ الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ فِي كُتُبِهِمْ فِي الضَّحَايَا عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، يَذْبَحُهُمَا بِيَدِهِ، وَيُسَمِّي، وَيُكَبِّرُ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا، وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ، وَالْبُخَارِيِّ وَيَقُولُ: "بِسْمِ اللَّهِ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ"، انْتَهَى. إلَّا أَنْ يَكُونَ أَرَادَ الِاسْتِدْلَالَ بِالْقُرْآنِ مُفَسَّرًا بِقَوْلِ صَحَابِيٍّ، فَيَكُونُ حَسَنًا، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ. (نصب الراية:4ص470)

([3])قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَأَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَّامٍ الْعَطَّارِ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُدَيْلٍ الْخُزَاعِيُّ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدَيْلَ بْنَ وَرْقَاءَ الْخُزَاعِيَّ عَلَى جَمَلٍ أَوْرَقَ، يَصِيحُ فِي فِجَاجِ مِنًى: أَلَا إنَّ الذَّكَاةَ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ، انْتَهَى. قَالَ فِي التَّنْقِيحِ: هَذَا إسْنَادٌ ضَعِيفٌ بِمَرَّةٍ: وَسَعِيدُ بْنُ سَلَّامٍ أَجْمَعَ الْأَئِمَّةُ عَلَى تَرْكِ الِاحْتِجَاجِ بِهِ، وَكَذَّبَهُ ابْنُ نُمَيْرٍ، وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: يُذْكَرُ بِوَضْعِ الْحَدِيثِ، وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: يُحَدِّثُ بِالْأَبَاطِيلِ، مَتْرُوكٌ، انْتَهَى. وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَلَى عُمَرَ: الذَّكَاةُ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ،(نصب الراية:4ص471)۔

کھانا اور سانس جانے اور رگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے تو اس میں کاٹنے کا عمل کرنے سے خون کامل طور پر بہہ جائے گا لہذا پورے حلق کو کاٹنے کا حکم ایک ہوگا۔

{۶}وہ رگیں جو ذبح میں کاٹی جاتی ہیں چار ہیں، حلقوم جس سے کھانا اور پانی نیچے جاتا ہے، نرخرہ جس سے سانس لیا جاتا ہے، اور دو شہ رگیں جو گلے کے دائیں اور بائیں ہوتی ہیں؛ ان کو کاٹنے کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کاٹ دو اوداج کو جس چیز سے تو چاہے"[1] جس میں اوداج اسم جمع ہے جس کے کم از کم افراد تین ہیں پس یہ نرخرہ اور دو شہ رگوں کو شامل ہے، اور یہ امام شافعیؒ پر حجت ہے وہ کہتے ہیں کہ حلقوم اور نرخرہ کاٹنے پر اکتفا جائز ہے، بہر حال اس روایت سے نرخرہ اور دو شہ رگوں کو کاٹنا ثابت ہوا اور یہ تین حلقوم کے بغیر نہیں کٹتی ہیں اس لیے اقتضاءً حلقوم بھی ثابت ہوا۔

{۷}اور جو دلیل ہم نے احنافؒ کے مسلک کی ذکر کی اسی کے ظاہر سے امام مالکؒ نے استدلال کیا ہے کہ چاروں کو کاٹنا شرط ہے اور وہ ان میں سے اکثر کو کاٹنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں بلکہ سب کے کٹنے کو ضروری قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک اگر سب کو کاٹ دیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حلال ہے، اور اگر ان میں سے اکثر (تین) کو کاٹ دیا تو بھی امام صاحبؒ کے نزدیک حلال ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حلقوم، نرخرہ اور شہ رگوں میں سے ایک کو کاٹنا ضروری ہے۔

{۸}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے اپنی مختصر میں اختلاف اسی طرح ذکر کیا ہے، جبکہ ہمارے مشائخ کی کتابوں میں مشہور یہ ہے کہ یہ فقط امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر حلقوم کا آدھا حصہ کاٹ دیا اور اوداج کا آدھا آدھا حصہ کاٹ دیا تو اس ذبیحہ کو نہیں کھایا جائے گا، اور اگر جانور کے مرنے سے پہلے اوداج اور حلقوم کا اکثر حصہ کاٹ دیا تو یہ حلال ہے اور اس کو کھایا جائے گا۔

{۹}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نقل نہیں فرمایا ہے حالانکہ اس میں روایت مختلف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چاروں میں سے جو سی تین کاٹ دی جائیں تو ذبیحہ حلال ہوگا، اور امام

([1])قُلْت: غَرِيبٌ، لَمْ يُحْسِنْ شَيْخُنَا عَلَاءُ الدِّينِ مُقَلِّدًا لِغَيْرِهِ إذْ اسْتَشْهَدَ لَهُ بِحَدِيثٍ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْت أَحَدَنَا يُصِيبُ صَيْدًا، وَلَيْسَ مَعَهُ سِكِّينٌ، أَيَذْبَحُ بِالْمَرْوَةِ، وَشِقَّةِ الْعَصَا؟ فَقَالَ: "أَمْرِرْ الدَّمَ بِمَا شِئْت، وَاذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ"، انْتَهَى. فَإِنَّ مَقْصُودَ الْمُصَنِّفِ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ الِاسْتِدْلَال عَلَى قَطْعِ الْعُرُوقِ الْأَرْبَعَةِ، أَوْ الثَّلَاثَةِ، قَالَ: لِأَنَّ الْأَوْدَاجَ جَمْعٌ، وَأَقَلُّهُ ثَلَاثٌ، وَإِنَّمَا اسْتَدَلَّ عَلَى إرَاقَةِ الدَّمِ بِغَيْرِ السِّكِّينِ بِالْحَدِيثِ الَّذِي بَعْدَ هَذَا الْحَدِيثِ، وَرَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَأَلْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الذَّبْحِ بِاللِّيطَةِ، فَقَالَ: "كُلُّ مَا أَفْرَى الْأَوْدَاجَ، إلَّا سِنًّا أَوْ ظُفُرًا".(نصب الرایۃ:4ص471)

ابو یوسفؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے، پھر آپؒ نے اس قول کی طرف رجوع فرمایا جو ہم نے ذکر کیا کہ حلقوم، نرخرہ اور دوشہ رگوں میں سے ایک کا کٹنا ضروری ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ چاروں کو کاٹا جائے گا البتہ ان میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک بذاتِ خود اصل ہے دوسری کا تابع نہیں ہے اس لیے کہ ہر ایک دوسروں سے الگ ہے اس لیے ہر ایک کا کٹنا ضروری ہے، اور سابقہ حدیث میں کاٹنے کا امر وارد ہے لہٰذا ہر ایک کا اکثر حصہ کٹنا معتبر ہوگا؛ کیونکہ اکثر کل کا قائم مقام ہوتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوشہ رگوں کو کاٹنے سے مقصود خون بہانا ہے تو ایک دوسرے کی نیابت کرے گی؛ کیونکہ ہر ایک خون جاری ہونے کی جگہ ہے، رہا حلقوم تو وہ نرخرہ کے مخالف ہے؛ کیونکہ حلقوم گھاس اور پانی کی نالی ہے اور نرخرہ سانس جاری رہنے کی نالی ہے لہٰذا ان دونوں کا کٹنا ضروری ہے۔

{۱۰} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہت سارے احکام میں اکثر کو کل کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے پس چار میں سے جن تین کو کاٹ دیا جائے تو اکثر کٹ جاتی ہیں اور جو مقصود ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے اور مقصود بہنے والا خون بہانا ہے اور روح کو جلدی نکالنا ہے اور یہ مقصود تین رگوں کو کاٹنے سے حاصل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ جب سانس یا گھاس کی نالی کٹ گئی تو جانور زندہ نہیں رہ سکتا ہے اور دونوں شہ رگوں میں سے جو بھی کٹ جائے تو خون سارا نکل جاتا ہے لہٰذا جانور کو زیادہ تکلیف سے بچانے کے لیے تین پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ اس کے برخلاف اگر چار میں سے نصف (دو) کو کاٹ دیا تو احتیاطاً جانبِ حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے باقی نصف (دو) کو اکثر قرار دیا جائے گا لہٰذا اکثر باقی ہونے کی وجہ سے ایسا گویا کوئی رگ کٹی ہی نہیں ہے اس لیے ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

{۱۱} ناخن، دانت اور سینگ سے ذبح کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ چیزیں قائم نہ ہوں بلکہ اپنی جگہ سے الگ ہو چکی ہوں، حتی کہ ایسے ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ یہ ذبح مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا مذبوحہ مردار ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اس جانور کو کھاؤ جس کا خون بہا دیا گیا ہو اور جس کی اوداج کاٹ دی گئی ہوں سوائے ناخن اور دانت کے اس لیے کہ یہ چیزیں حبشیوں کی چھری ہے[1]" جس میں ناخن اور دانت سے ذبح کئے ہوئے کے کھانے سے منع فرمایا ہے جو اس کے

(1) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: هُوَ مُلَفَّقٌ مِنْ حَدِيثَيْنِ، فَرَوَى الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ مِنْ حَدِيثِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إنَّا نَكُونُ فِي الْمَغَازِي فَلَا تَكُونُ مَعَنَا مُدًى، فَقَالَ: "مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ، فَكُلُوا، مَا لَمْ يَكُنْ سِنًّا أَوْ ظُفْرًا"، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذَلِكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ، انْتَهَى. أَخْرَجُوهُ مُخْتَصَرًا، وَمُطَوَّلًا. الثَّانِي: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَأَلْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الذَّبْحِ بِاللِّيطَةِ، فَقَالَ: "كُلُّ مَا أَفْرَى الْأَوْدَاجَ إلَّا سِنًّا أَوْ ظُفُرًا"، (نصب الراية:4ص472)

مردار ہونے کی علامت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ناخن اور دانت سے ذبح کرنا غیر مشروع فعل ہے لہذا یہ ذبح نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ ایسے ناخن اور دانت سے ذبح کرنا ذبح نہیں ہے جو ناخن اور دانت جدا نہ کیے گئے ہوں اسی طرح جدا کیے ہوئے ناخن اور دانت کا حکم بھی ہے۔

{۱۲} ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خون بہادو جس چیز سے چاہو[1]" اور مروی ہے "کاٹ دو اوداج کو جس چیز سے تو چاہو" ان دونوں روایتوں میں تعمیم ہے کہ خون بہانا ضروری ہے جس چیز سے چاہے اس لیے ناخن اور دانت سے ذبح کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ نے جس روایت کو نقل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ قائم ناخن اور دانت کے بارے میں ہے؛ کیونکہ حبشی لوگ ایسے ہی ناخنوں اور دانت سے کاٹتے تھے اس لیے یہ روایت ہم پر حجت نہیں ہے۔

{۱۳} ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ ناخن اور دانت دونوں آلۂ جارحہ (زخمی کرنے والا آلہ) ہے اس لیے ان سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور مقصود خون نکالنا ہے جو ناخن اور دانت سے حاصل ہو جاتا ہے لہذا ناخن اور دانت پتھر اور لوہے کی طرح ہیں اس لیے ان سے ذبح کرنا جائز ہوگا۔ باقی اپنی جگہ قائم ناخن اور دانت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ اس صورت میں جانور قتل ہو جاتا ہے ذابح کے بوجھ سے لہذا یہ ذبح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ گلا گھونٹے ہوئے کے معنی میں ہے اور جس جانور کا گلا گھونٹ کر قتل کیا جائے وہ حلال نہیں اسی طرح اپنی جگہ قائم ناخن اور دانت سے جانور کا گلا کاٹنے سے بھی جانور حلال نہ ہوگا۔

{۱۴} اپنی جگہ سے الگ ناخن اور دانت سے ذبح کرنا مکروہ ہے؛ وجۂ کراہت یہ ہے کہ ان میں آدمی کا جزء استعمال کیا جاتا ہے جس میں انسان کی اہانت ہے اس لیے مکروہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں حیوان پر سختی ہوتی ہے حالانکہ حیوان کے بارے میں ہمیں احسان اور بھلائی کا حکم کیا گیا ہے چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو[2]" لہذا ناخن اور دانت سے حیوان کا گلا کاٹ کر تکلیف دینا مکروہ ہے۔

{۱} قَالَ: وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِاللِّيطَةِ وَالْمَرْوَةِ وَكُلِّ شَيْءٍ أَنْهَرَ الدَّمَ إِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَ وَالظُّفُرَ الْقَائِمَ؛ فَإِنَّ الْمَذْبُوحَ بِهِمَا

فرمایا: اور جائز ہے ذبح بانس کے چھلکے، دھاردار پتھر اور ہر اس چیز سے جو بہائے خون، مگر اپنی جگہ قائم دانت اور ناخن؛ کیونکہ ان دو سے ذبح کیا ہوا جانور

([1]) قُلْت: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد، وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ مُرِيِّ بْنِ قَطَرِيٍّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْت أَحَدَنَا أَصَابَ صَيْدًا، وَلَيْسَ مَعَهُ سِكِّينٌ، أَنَذْبَحُ بِالْمَرْوَةِ، وَشِقَّةِ الْعَصَا؟ فَقَالَ: "أَمْرِرْ الدَّمَ بِمَا شِئْت، وَاذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ". (نصب الراية: 4ص474)

([2]) قُلْت: أَخْرَجَهُ الْجَمَاعَةُ إلَّا الْبُخَارِيَّ عَنْ شَرَاحِيلَ بْنِ آدَةَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ". (نصب الراية: 4ص474)

مَيْتَةٌ لِمَا بَيَّنَّا ، وَنَصَّ مُحَمَّدٌ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ عَلَى أَنَّهَا مَيْتَةٌ لِأَنَّهُ وَجَدَ فِيهِ نَصًّا.
مردار ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور تصریح کی ہے امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہ یہ مردار ہے؛ کیونکہ پائی اس میں نص

وَمَا لَمْ يَجِدْ فِيهِ نَصًّا يُحْتَاطُ فِي ذَلِكَ ، فَيَقُولُ فِي الْحِلِّ لَا بَأْسَ بِهِ وَفِي الْحُرْمَةِ
اور جس میں نہ پائی نص احتیاط کی جائے گی اس میں، پس کہے حلت کے بارے میں کوئی حرج نہیں اس میں، اور حرمت کے بارے میں

يَقُولُ يُكْرَهُ أَوْلَمْ يُؤْكَلْ . ﴿۲﴾قَالَ : وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُحِدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { إنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَتَبَ
کہے مکروہ ہے یا نہیں کھایا جائے گا۔ فرمایا: اور مستحب ہے کہ تیز کر دے ذابح اپنی چھری؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "اللہ نے فرض کیا ہے

الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ ، وَلْيُحِدَّ
احسان ہر چیز پر پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے کرلو قتل، اور جب تم ذبح کرلو تو اچھی طرح سے کرلو ذبح، اور چاہیئے کہ تیز کر دے

أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ } وَيُكْرَهُ أَنْ يُضْجِعَهَا ثُمَّ يُحِدَّ الشَّفْرَةَ لِمَا
تم میں سے کوئی ایک اپنی چھری، اور چاہیئے کہ راحت پہنچائے اپنے ذبیحہ کو" اور مکروہ ہے کہ لٹائے جانور کو پھر تیز کرے چھری کو؛ کیونکہ

رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا أَضْجَعَ شَاةً وَهُوَ يُحِدُّ شَفْرَتَهُ فَقَالَ : لَقَدْ أَرَدْتَ
مروی ہے حضورؐ سے کہ انہوں نے دیکھا ایک شخص کو کہ انہوں نے لٹائی بکری اور وہ تیز کر رہا تھا اپنی چھری، پس کہا "تو نے ارادہ کیا ہے

أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ ، هَلَّا حَدَدْتَهَا قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا }﴿۳﴾قَالَ : وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّينِ النُّخَاعَ
کہ تو مار دے اس بکری کو موتوں سے، کیوں نہیں تو نے تیز کی چھری کو اس کو لٹانے سے پہلے"۔ فرمایا: جو شخص پہنچا دے چھری نخاع تک

أَوْ قَطَعَ الرَّأْسَ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ . وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ : قَطَعَ مَكَانَ بَلَغَ . وَالنُّخَاعُ
یا قطع کر دے سر، تو مکروہ ہے اس کے لیے یہ، اور کھایا جائے گا اس کا ذبیحہ، اور بعض نسخوں میں "قَطَعَ" ہے بجائے "بَلَغَ" کے، اور نخاع

عِرْقٌ أَبْيَضُ فِي عَظْمِ الرَّقَبَةِ،أَمَّاالْكَرَاهَةُ فَلِمَارُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُوَالسَّلَامُ{ أَنَّهُ نَهَى أَنْ تُنْخَعَ الشَّاةُ إذَا
سفید رگ ہے گردن کی ہڈی میں، بہر حال کراہت تو اس لیے کہ مروی ہے حضورؐ سے کہ انہوں نے منع فرمایا بکری کے نخاع سے جس وقت

ذُبِحَتْ } وَتَفْسِيرُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ ، وَقِيلَ مَعْنَاهُ : أَنْ يَمُدَّ رَأْسَهُ حَتَّى يَظْهَرَ
ذبح کی جائے، اور اس کی تفسیر وہی ہے جس کو ہم ذکر کر چکے، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کھینچا جائے اس کا سر یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے

مَذْبَحُهُ ، وَقِيلَ أَنْ يَكْسِرَ عُنُقَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْكُنَ مِنَ الِاضْطِرَابِ ، وَكُلُّ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ ، وَهَذَا لِأَنَّ
اس کا مذبح، اور کہا گیا ہے کہ توڑ دے اس کی گردن پہلے اس سے کہ وہ سکون میں آجائے اضطراب سے، اور یہ سب مکروہ ہے، اور یہ اس لیے

فِي جَمِيعِ ذَلِكَ وَفِي قَطْعِ الرَّأْسِ زِيَادَةَتَعْذِيبِ الْحَيَوَانِ بِلَافَائِدَةٍوَهُوَمَنْهِيٌّ عَنْهُ.وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَافِيهِ زِيَادَةَإِيلَامٍ

کہ ان سب میں اور سر کاٹنے میں حیوان کو زیادہ عذاب دینا ہے بلا فائدہ، اور یہ منہی عنہ ہے، اور حاصل یہ کہ جس میں زیادہ تکلیف ہو

لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الذَّكَاةِ مَكْرُوهٌ .﴿۴﴾وَيُكْرَهُ أَنْ يَجُرَّ مَا يُرِيدُ ذَبْحَهُ بِرِجْلِهِ إِلَى الْمَذْبَحِ،

جس کی طرف احتیاج نہ ہو ذبح میں مکروہ ہے، اور مکروہ ہے کہ کھینچ لے اس جانور کو جس کے ذبح کا تو ارادہ رکھتا ہے پیروں سے مذبح تک

وَأَنْ تُنْخَعَ الشَّاةُ قَبْلَ أَنْ تَبْرُدَ : يَعْنِي تَسْكُنَ مِنَ الِاضْطِرَابِ ، وَبَعْدَهُ لَا أَلَمَ

اور یہ کہ گردن توڑ دی جائے بکری کی پہلے اس سے کہ وہ ٹھنڈی ہو جائے یعنی سکون میں آجائے اضطراب سے، اور اس کے بعد تکلیف نہیں رہتی

فَلَا يُكْرَهُ النَّخْعُ وَالسَّلْخُ ، إِلَّا أَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى زَائِدٍ وَهُوَ زِيَادَةُ الْأَلَمِ قَبْلَ الذَّبْحِ أَوْ بَعْدَهُ

پس مکروہ نہیں سر الگ کرنا اور کھال اتارنا، البتہ کراہت ایک زائد معنی کی وجہ سے ہے اور وہ زیادہ تکلیف دینا ہے ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد

فَلَا يُوجِبُ التَّحْرِيمَ فَلِهَذَا قَالَ : تُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ .﴿۵﴾قَالَ : فَإِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَبَقِيَتْ

پس واجب نہیں کرتا ہے حرمت کو، پس اسی لیے کہا کھایا جائے گا اس کا ذبیحہ۔ فرمایا: اور اگر ذبح کر لی بکری گدی کی طرف سے پس وہ باقی رہی

حَيَّةً حَتَّى قَطَعَ الْعُرُوقَ حَلَّ ؛ لِتَحَقُّقِ الْمَوْتِ بِمَا هُوَ ذَكَاةٌ ، وَيُكْرَهُ لِأَنَّ فِيهِ زِيَادَةَ الْأَلَمِ

زندہ یہاں تک کہ قطع کر دی رگیں، تو حلال ہے؛ بوجہ متحقق ہونے موت کے اس چیز سے جو ذبح ہے، اور مکروہ ہے؛ کیونکہ اس میں زیادہ تکلیف ہے

مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا جَرَحَهَا ثُمَّ قَطَعَ الْأَوْدَاجَ . وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوقِ لَمْ تُؤْكَلْ؛

بلا حاجت، پس ہو گیا جیسا کہ جب زخمی کر دے جانور کو پھر قطع کر دے رگوں کو، اور اگر ذبیحہ مر گیا رگوں کے کٹنے سے پہلے تو نہیں کھایا جائے گا

لِوُجُودِ الْمَوْتِ بِمَا لَيْسَ بِذَكَاةٍ فِيهَا .﴿۶﴾قَالَ : وَمَا اسْتَأْنَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ ، وَمَا تَوَحَّشَ

بوجہ موجود ہونے موت کے ایسی چیز سے جو ذبح نہیں ہے بکری میں۔ فرمایا: اور جو شکار مانوس ہو جائے اس کی ذکاۃ ذبح ہے، اور جو وحشی ہو جائے

مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجَرْحُ ؛ لِأَنَّ ذَكَاةَ الِاضْطِرَارِ إِنَّمَا يُصَارُ إِلَيْهِ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ عَلَى مَا

چوپایوں میں تو اس کی ذکاۃ عقر اور زخمی کرنا ہے؛ کیونکہ ذکاۃ اضطراری کی طرف رجوع کیا جاتا ہے بوقت عجز ذکاۃ اختیاری سے اس دلیل کی وجہ سے

مَرَّ وَالْعَجْزُ مُتَحَقِّقٌ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ﴿۷﴾وَكَذَا مَا تَرَدَّى مِنَ النَّعَمِ فِي بِئْرٍ وَوَقَعَ الْعَجْزُ عَنْ ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ لِمَا بَيَّنَّا.

جو گذر چکی، اور عجز متحقق ہے دوسری وجہ میں نہ کہ اول میں، اور اسی طرح جو گر جائے جانور کنویں میں اور واقع ہو جائے عجز اختیاری ذبح سے؛ اس دلیل کی وجہ سے

وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يَحِلُّ بِذَكَاةِ الِاضْطِرَارِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ ذَلِكَ نَادِرٌ .وَنَحْنُ نَقُولُ : الْمُعْتَبَرُ

جو ہم نے بیان کی فرمایا امام مالکؒ نے حلال نہ ہوگا اضطراری ذکاۃ سے دونوں صورتوں میں؛ کیونکہ یہ نادر ہے، اور ہم کہتے ہیں کہ معتبر

حَقِيقَةُ الْعَجْزِ وَقَدْ تَحَقَّقَ فَيُصَارُ إِلَى الْبَدَلِ ، كَيْفَ وَإِنَّا لَا نُسَلِّمُ النُّدْرَةَ بَلْ هُوَ غَالِبٌ.

حقیقتِ عجز ہے اور وہ محقق ہو گئی تو رجوع کیا جائے گا بدل کی طرف، کیوں نہیں، اور ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں نادر ہونے کو، بلکہ یہ کثیر الوقوع ہے

﴿۸﴾وَفِي الْكِتَابِ أَطْلَقَ فِيمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ .وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ الشَّاةَ إذَا نَدَّتْ فِي الصَّحْرَاءِ

اور کتاب میں مطلق حکم بیان کیا ہے اس میں جو وحشی ہو جائے جانوروں میں، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ بکری جب بدک جائے صحراء میں

فَذَكَاتُهَا الْعَقْرُ ، وَإِنْ نَدَّتْ فِي الْمِصْرِ لَا تَحِلُّ بِالْعَقْرِ لِأَنَّهَا لَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا

تو اس کی ذکاۃ زخمی کرنا ہے، اور اگر بدک جائے شہر میں تو حلال نہیں ہوگی عقر سے؛ کیونکہ وہ مدافعت نہیں کر سکتی ہے اپنے آپ سے،

فَيُمْكِنُ أَخْذُهَا فِي الْمِصْرِ فَلَا عَجْزَ ، وَالْمِصْرُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ فِي الْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ لِأَنَّهُمَا يَدْفَعَانِ عَنْ أَنْفُسِهِمَا

پس ممکن ہے اس کو پکڑنا شہر سے، لہٰذا عجز نہیں ہے، اور شہر وغیرہ برابر ہیں بیل اور اونٹ میں؛ کیونکہ یہ دونوں مدافعت کر سکتے ہیں اپنے آپ سے

فَلَا يَقْدِرُ عَلَى أَخْذِهِمَا ، وَإِنْ نَدَّا فِي الْمِصْرِ فَيَتَحَقَّقُ الْعَجْزُ ، وَالصَّيَّالُ كَالنَّدِّ

پس وہ قادر نہیں ان دونوں کو پکڑنے پر، اور اگر یہ دونوں بدک گئے شہر میں، پس محقق ہو گیا عجز، اور حملہ آور بدکے ہوئے کی طرح ہے

إذَا كَانَ لَا يَقْدِرُ عَلَى أَخْذِهِ ، حَتَّى لَوْ قَتَلَهُ الْمَصُولُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُرِيدُ الذَّكَاةَ حَلَّ أَكْلُهُ.

جب مالک قادر نہ ہو اس کے پکڑنے پر، حتی کہ اگر قتل کیا اس کو اس نے جس پر حملہ کیا گیا اور وہ ارادہ کرے ذکاۃ کا تو حلال ہے اس کا کھانا

تشریح:۔﴿۱﴾ذبح جائز ہے بانس کے دھاردار چھلکے اور دھار والے پتھر اور ہر اس چیز سے جو خون بہائے، البتہ اپنی جگہ قائم دانت اور اپنی جگہ قائم ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان دو سے ذبح کیا ہوا جانور مردار ہوگا؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اس صورت میں جانور بوجھ سے مرے گا لہٰذا یہ گلا گھونٹے ہوئے کے معنی میں ہے، امام محمدؒ نے جامع صغیر میں تصریح کی ہے کہ اس صورت میں جانور مردار ہے؛ اس لیے کہ اس بارے میں انہوں نے نص پائی ہے، حالانکہ ان کی عادت یہ ہے کہ جہاں ان کو کوئی نص نہیں ملتی ہے تو وہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے حلت کی صورت میں کہتے ہیں "لَا بَأْسَ بِهِ"، اور حرمت کی صورت میں کہتے ہیں "يُكْرَهُ" یا "لَمْ يُؤْكَلْ"۔

﴿۲﴾اور مستحب ہے کہ ذبح کے وقت ذابح اپنی چھری کو تیز کر دے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کرنے کو فرض کیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو اور چاہیئے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کو تیز کر دے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے"۔ اور یہ مکروہ ہے کہ پہلے جانور کو لٹائے پھر چھری کو تیز کر دے؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے بکری لٹائی ہے اور وہ اپنی چھری

تیز کر رہا ہے، تو آپؐ نے فرمایا: تو نے ارادہ کیا ہے کہ اس کو مار دے چند موتوں سے، کیوں تو نے اپنی چھری تیز نہیں کی اس کو لٹانے سے پہلے[1]۔

{۳}ذبح کے وقت چھری حرام مغز تک پہنچانا یا ذبیحہ کا سر کاٹنا مکروہ ہے، البتہ جانور حلال ہے اس لیے اسے کھایا جائے گا، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں "بَلَغَ" کے بجائے "قَطَعَ" (حرام مغز کو کاٹنا) ہے، اور گردن کی ہڈی میں ایک سفید رگ ہے اس کو نخاع کہتے ہیں؛ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بکری ذبح کرتے وقت اس کے تنخع سے منع فرمایا ہے[2]، پھر تنخع کی تفسیر میں اختلاف ہے، ایک تفسیر وہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ ذبح کے وقت حرام مغز تک چھری پہنچانا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ تنخع یہ ہے کہ بکری کا سر کھینچ دے یہاں تک کہ ذبح کی جگہ ظاہر ہو جائے، اور بعض نے کہا ہے کہ اضطراب سے سکون کی طرف آنے سے پہلے اس کی گردن کو توڑنا تنخع ہے، بہر حال مذکورہ بالا کاموں میں سے جو بھی کام کیا جائے وہ مکروہ ہے؛ کیونکہ ان سب میں اور جانور کا سر کاٹنے میں بلا فائدہ حیوان کو زیادہ تکلیف پہنچانا ہے حالانکہ بلا فائدہ حیوان کو تکلیف پہنچانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے[3]، حاصل یہ کہ جس کام میں ایسی زائد تکلیف ہو کہ ذبح میں اس کی حاجت نہ ہو تو وہ مکروہ ہے۔

{۴}اور یہ مکروہ ہے کہ جس بکری کو ذبح کرنے کا ارادہ ہو اس کو ذبح کی جگہ تک پیر سے پکڑ کر لے جائے، اور یہ مکروہ ہے کہ بکری ٹھنڈی ہونے سے پہلے اس کا تنخع کر دے یعنی اضطراب سے سکون کی طرف آنے سے پہلے اس کی گردن توڑ دے، اور سکون میں آنے کے بعد چونکہ اس کو تکلیف نہیں ہوتی ہے اس لیے اب اس کی گردن توڑنا اور کھال اتارنا مکروہ نہیں ہے، اور چونکہ نفس ذبح میں برائی نہیں ہے بلکہ کراہت زائد معنی کی وجہ سے ہے اور زائد معنی جانور کو ذبح کرنے سے پہلے یا ذبح کرنے کے بعد تکلیف پہنچانا ہے لہٰذا یہ جانور کے حرام ہونے کو واجب نہیں کرتا ہے اسی لیے امام قدوریؒ نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

---

(1) قُلْت: أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي الضَّحَايَا عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَجُلًا أَضْجَعَ شَاةً يُرِيدُ أَنْ يَذْبَحَهَا، وَهُوَ يُحِدُّ شَفْرَتَهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ! هَلَّا حَدَدْت شَفْرَتَك قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا"؟!، انْتَهَى. وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ،(نصب الراية:4ص475)

(2) قُلْت: غَرِيبٌ، وَبِمَعْنَاهُ مَا رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي مُعْجَمِهِ حَدَّثَنَا أَبُو خَلِيفَةَ الْفَضْلُ بْنُ الْحُبَابِ ثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ ثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَهْرَامَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ الذَّبِيحَةِ أَنْ تُفْرَسَ، انْتَهَى. وَرَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ، وَأَعَلَّهُ بِشَهْرٍ، وَقَالَ: إنَّهُ مِمَّنْ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ، وَلَا يُتَدَيَّنُ بِهِ، انْتَهَى. قَالَ إبْرَاهِيمُ الْحَرْبِيُّ فِي غَرِيبِ الْحَدِيثِ: الْفَرْسُ أَنْ يَذْبَحَ الشَّاةَ فَتُنْخَعَ، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص475)

(3) حَدِيثُ النَّهْيِ عَنْ تَعْذِيبِ الْحَيَوَانِ تَقَدَّمَ فِي النَّفَقَاتِ. (نصب الراية:4ص476)

{۵}اگر بکری کو گدی کی جانب سے ذبح کیا پھر وہ زندہ رہی یہاں تک کہ اس نے اس کی رگوں کو کاٹ دیا تو بکری حلال ہوگی ؛کیونکہ اس صورت میں بکری کی موت ذبح ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے؛کیونکہ اس میں جانور کو بلا ضرورت زیادہ تکلیف پہنچانا ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ پہلے بکری کو زخمی کر دے اور پھر اس کی رگوں کو کاٹ دے تو یہ مکروہ ہے؛کیونکہ زخمی کرنے سے اس کو بلاضرورت تکلیف پہنچائی۔ اور اگر گدی کی طرف سے ذبح کرنے کی صورت میں اس کی رگیں کٹنے سے پہلے وہ مرگئی تو یہ حلال نہ ہوئی اس لیے اسے نہیں کھایا جائے گا؛کیونکہ اس کی موت ایسی چیز (گدی کی طرف سے زخمی کرنے) سے واقع ہوئی جو ذبح نہیں ہے۔

{۶}ماقبل میں ہم بیان کر چکے کہ ذبح کی دو قسمیں ہیں، اختیاری اور اضطراری، تو کس جانور کا ذبح اختیاری ہے اور کس کا اضطراری؟ تو فرماتے ہیں کہ جو شکار گھر میں پالنے سے مانوس ہو جائے اس کو اختیاری ذبح سے ذبح کرنا ضروری ہے اضطراری ذبح کافی نہیں ہے، اور اگر کوئی گھریلو جانور بدک کر وحشی ہو گیا تو اس کا ذبح اس کے پاؤں کاٹنا اور زخمی کرنا ہے؛کیونکہ اضطراری ذبح کی طرف رجوع اس وقت کیا جاتا ہے جب اختیاری ذبح سے بندہ عاجز ہو جائے جیسا کہ سابق میں گذر چکا، اور یہاں دوسری صورت میں عجز ثابت ہے اس لیے اس میں ذبح اضطراری ہوگا اور پہلی صورت میں عجز ثابت نہیں ہے اس لیے اس میں ذبح اختیاری ضروری ہے۔

{۷}اسی طرح جو جانور کنویں میں گر گیا اور اس کو اختیاری ذبح نہ کیا جا سکتا ہو تو اضطراری ذبح کفایت کرے گا؛اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ ذبح اضطراری کی طرف عجز کے وقت رجوع کیا جائے گا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جانور کے وحشی ہونے اور کنویں میں گرنے کی دونوں صورتوں میں ذبح اضطراری سے حلال نہ ہوگا؛کیونکہ یہ نادر صورتیں ہیں اور احکام میں نادر صورتوں کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ اعتبار حقیقۃً عجز کو ہے اور حقیقۃً عجز ثابت ہے اس لیے بدل (ذبح اضطراری) کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں ذبح اضطراری کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا حالانکہ ہمیں ان صورتوں کا نادر ہونا تسلیم نہیں ہے بلکہ یہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔

{۸}صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے مطلق ذکر فرمایا کہ جو جانور وحشی ہو جائے اس کا ذبح اضطراری ہے، جبکہ امام محمدؒ سے اس بارے میں تھوڑی سی تفصیل مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بکری اگر جنگل میں بدک گئی تو اس کا ذبح کو نچیں کاٹنا ہے یعنی ذبح اضطراری ہے، اور اگر شہر میں بدک گئی تو وہ ذبح اضطراری سے حلال نہ ہوگی؛کیونکہ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتی ہے لہذا شہر میں اس کو پکڑنا ممکن ہے، اس لیے اس کے ذبح اختیاری سے عجز نہیں پایا گیا، امام محمدؒ کی یہ تفصیل صحیح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَكَفَى

جَرْحُ نَعَمٍ إلخ) النَّعَمُ بِفَتْحَتَيْنِ وَقَدْ يُسَكَّنُ قُهُسْتَانِيٌّ. قَالَ فِي الْهِدَايَةِ: أَطْلَقَ فِيمَا تَوَحَّشَ مِنْ النَّعَمِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ الشَّاةَ إذَا نَدَّتْ فِي الصَّحْرَاءِ فَذَكَاتُهَا الْعَقْرُ، وَإِنْ نَدَّتْ فِي الْمِصْرِ لَا تَحِلُّ بِالْعَقْرِ لِأَنَّهَا لَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا فَيُمْكِنُ أَخْذُهَا فِي الْمِصْرِ فَلَا عَجْزَ، وَالْمِصْرُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ فِي الْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ لِأَنَّهُمَا يَدْفَعَانِ عَنْ أَنْفُسِهِمَا فَلَا يُقْدَرُ عَلَى أَخْذِهِمَا وَإِنْ نَدَّا فِي الْمِصْرِ اهـ. وَبِهَذَا التَّفْصِيلِ جَزَمَ فِي الْجَوْهَرَةِ وَالدُّرَرِ، وَهُوَ مُقْتَضَى التَّعْلِيلِ فِي ذَكَاةِ الِاضْطِرَارِ (ردّ المحتار:5ص213)۔اور بیل اوراونٹ کے بارے میں شہر اور جنگل برابر ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں اپنے نفس سے دفاع کرسکتے ہیں لہذا کوئی ان کو پکڑنے پر قادر نہ ہوگا اگرچہ وہ شہر میں بدک جائے اس لیے ذبح اختیاری سے عجز ثابت ہے۔اور جو جانور حملہ کردے وہ بدکنے والے کی طرح ہے بشرطیکہ کوئی اس کو پکڑنے پر قادر نہ ہو حتی کہ اگر اس شخص نے اس کو قتل کردیا جس پر اس نے حملہ کیا ہے اور وہ اس کو قتل کرنے سے اس کے ذبح کا قصد کرے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔

{۱}قَالَ :وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ،فَإِنْ ذَبَحَهَاجَازَوَيُكْرَهُ.وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِوَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهُمَا

فرمایا:اور مستحب اونٹ میں نحر ہے،اور اگر ذبح کیا اس کو تو جائز ہے اور مکروہ ہے،اور مستحب بیل اور بکری میں ذبح ہے،پس اگر نحر کیا ان دونوں کو

جَازَ وَيُكْرَهُ ، أَمَّا الِاسْتِحْبَابُ فَلِمُوَافَقَةِ السُّنَّةِ الْمُتَوَارَثَةِ{۲}وَلِاجْتِمَاعِ الْعُرُوقِ

تو جائز ہے اور مکروہ ہے ، بہرحال استحباب اس میں تو وہ سنتِ متوارثہ کی موافقت کی وجہ سے ہے اور اجتماعِ عروق کی وجہ سے

فِيهَا فِي الْمَنْحَرِ وَفِيهِمَا فِي الْمَذْبَحِ ، وَالْكَرَاهَةُ لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ وَهِيَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ

اونٹ کے منحر میں،اور بیل و بکری میں مذبح میں،اور کراہت مخالفتِ سنت کی وجہ سے،اور وہ ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو اس کے علاوہ میں ہے

فَلَا تَمْنَعُ الْجَوَازَ وَالْحِلَّ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ مَالِكٌ إنَّهُ لَا يَحِلُّ .{۳}قَالَ : وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً

پس منع نہیں کرتی ہے جواز اور حلت کو، برخلاف اس کے جو کہا ہے امام مالکؒ نے کہ یہ حلال نہیں ہے۔فرمایا:اور جس نے نحر کیا اونٹنی کو

أَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِينًا مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ أَشْعَرَ أَوْ لَمْ يُشْعِرْ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.

یا ذبح کردے گائے پس پایا اس کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ تو نہیں کھایا جائے گا خواہ بال اُگے ہوں یا نہ اُگے ہوں،اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے

وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : إذَا تَمَّ خَلْقُهُ أُكِلَ

اور یہی قول ہے امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ کا،اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے جب تام ہوجائے اس کی خلقت تو کھایا جائے گا،

وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُوَالسَّلَامُ { ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ }{۴}وَلِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْأُمِّ حَقِيقَةً

اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ حضورﷺ کا ارشاد ہے "جنین کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے" اور اس لیے کہ یہ جزء ہے ماں کا حقیقۃً

لِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ بِهَا حَتَّى يُفْصَلَ بِالْمِقْرَاضِ وَيَتَغَذَّى بِغِذَائِهَا وَيَتَنَفَّسُ بِتَنَفُّسِهَا،
کیونکہ وہ متصل ہوتا ہے ماں کے ساتھ حتی کہ الگ کیا جاتا ہے قینچی سے، اور غذا حاصل کرتا ہے ماں کی غذا سے، اور سانس لیتا ہے ماں کے سانس لینے

وَكَذَا حُكْمًا حَتَّى يَدْخُلَ فِي الْبَيْعِ الْوَارِدِ عَلَى الْأُمِّ وَيَعْتِقَ بِإِعْتَاقِهَا .وَإِذَا كَانَ جُزْءًا مِنْهَا فَالْجُرْحُ فِي الْأُمِّ
اور اسی طرح حکماً ہے حتی کہ داخل ہوتا ہے ماں پر وارد بیع میں اور آزاد ہو جاتا ہے ماں کے آزاد ہونے سے، اور جب وہ جزء ہے ماں کا تو ماں میں زخم

ذَكَاةٌ لَهُ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ ذَكَاتِهِ كَمَا فِي الصَّيْدِ. ﴿۵﴾وَلَهُ أَنَّهُ أَصْلٌ فِي الْحَيَاةِ حَتَّى
ذکاۃ ہے اس، ذکاۃ سے عاجز ہونے کے وقت جیسا کہ شکار میں ہوتا ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جنین اصل ہے حیاۃ میں حتی کہ

تُتَصَوَّرَ حَيَاتُهُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَعِنْدَ ذَلِكَ يُفْرَدُ بِالذَّكَاةِ ، وَلِهَذَا يُفْرَدُ بِإِيجَابِ الْغُرَّةِ
متصور ہے اس کی حیاۃ ماں کی موت کے بعد اور اس وقت متفرد ہوتا ہے ذکاۃ کے ساتھ، اور اسی لیے متفرد ہوتا ہے ایجابِ غرہ میں

وَيَعْتِقُ بِإِعْتَاقٍ مُضَافٍ إِلَيْهِ ، وَتَصِحُّ الْوَصِيَّةُ لَهُ وَبِهِ ،﴿٦﴾وَهُوَ حَيَوَانٌ دَمَوِيٌّ،
اور آزاد ہوتا ہے ایسے اعتاق سے جو اس کی طرف منسوب ہو، اور صحیح ہے وصیت اس کے لیے اور اس کی، اور وہ حیوان ہے خون والا،

وَمَا هُوَ الْمَقْصُودُ مِنَ الذَّكَاةِ وَهُوَ الْمَيْزُ بَيْنَ الدَّمِ وَاللَّحْمِ لَا يَتَحَصَّلُ بِجُرْحِ الْأُمِّ ، إِذْ هُوَ
اور جو مقصود ہے ذکاۃ سے وہ تمیز ہے خون اور گوشت کے درمیان، وہ حاصل نہیں ہوتا ہے ماں کو زخمی کرنے سے؛ اس لیے کہ ماں کا زخم

لَيْسَ بِسَبَبٍ لِخُرُوجِ الدَّمِ عَنْهُ فَلَا يُجْعَلُ تَبَعًا فِي حَقِّهِ ، بِخِلَافِ الْجُرْحِ فِي الصَّيْدِ
سبب نہیں ہے خروج خون کا بچے سے، پس اس کو تابع نہیں قرار دیا جائے گا خروج خون کے حق میں، بر خلاف شکار کو زخمی کرنے کے

لِأَنَّهُ سَبَبٌ لِخُرُوجِهِ نَاقِصًا فَيُقَامُ مَقَامَ الْكَامِلِ فِيهِ عِنْدَ التَّعَذُّرِ . ﴿۷﴾وَإِنَّمَا يَدْخُلُ فِي الْبَيْعِ تَحَرِّيًا
کیونکہ وہ سبب ہے تھوڑا خون نکلنے کا پس یہ قائم مقام کر دیا جائے گا کل کا بوقتِ عذر، اور داخل کیا جاتا ہے بیع میں جواز کو طلب کرتے ہوئے

لِجَوَازِهِ كَيْ لَا يَفْسُدَ بِاسْتِثْنَائِهِ ، وَيَعْتِقُ بِإِعْتَاقِهَا كَيْ لَا يَنْفَصِلَ مِنَ الْحُرَّةِ وَلَدٌ رَقِيقٌ.
تاکہ فاسد نہ ہو جائے اس کے استثناء سے، اور آزاد ہوتا ہے ماں کو آزاد کرنے سے تاکہ جدا نہ ہو جائے آزاد ماں سے رقیق بچہ۔

تشریح:۔﴿۱﴾اونٹ میں نحر مستحب ہے، سینہ سے اوپر جو حلقوم کا حصہ ملا ہوا ہے جہاں گوشت کم ہوتا ہے اس کو قطع کرنے کو نحر کہتے ہیں، لیکن اگر کسی نے اونٹ کو ذبح کیا تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے، اور گائے اور بکری میں ذبح مستحب ہے، جبڑوں سے نیچے قطع کرنے کو ذبح کہتے ہیں، لیکن اگر کسی نے ان کو نحر کیا تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

بہر حال اونٹ میں نحر کا استحباب اور گائے اور بکری میں ذبح کا استحباب اس لیے ہے کہ ہر ایک میں سنتِ متوارثہ کی موافقت پائی جاتی ہے چنانچہ گائے کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً[1]﴾ جس میں گائے کو ذبح کرنے کا ذکر ہے، اور دنبے یا بکری کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ[2]﴾ (اور ہم نے ان کو ان کے بیٹے کے عوض ایک بڑی عظیم قربانی سے نواز دیا) جس میں بھی ذبح کا ذکر ہے، اور اونٹ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ[3]﴾ جس میں اونٹ کی ذکاۃ کے بارے میں نحر کا ذکر ہے۔

{۲} نیز اونٹ میں رگیں نحر کی جگہ میں جمع ہوتی ہیں اور گائے اور بکری میں ذبح کی جگہ میں جمع ہوتی ہیں اور مقصود رگوں کو کاٹنا ہے اور یہ مقصود اونٹ کے نحر اور گائے و بکری کے ذبح سے اچھی طرح سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اونٹ میں ذبح اور گائے و بکری میں نحر اس لیے مکروہ ہے کہ ہر ایک میں سنت کی مخالفت پائی جاتی ہے، البتہ کراہت ذکاۃ میں موجود معنی کی وجہ سے نہیں ہے؛ کیونکہ ذکاۃ تو ذبح اور نحر دونوں سے حاصل ہو جاتی ہے بلکہ ترکِ سنت کی وجہ سے کراہت پائی جاتی ہے اس لیے جواز اور ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے مانع نہیں ہے۔ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اونٹ کو ذبح کرنے سے اونٹ حلال نہ ہوگا۔ مگر ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اگر اونٹ کو ضرورت کی بنا پر ذبح کیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ اس کا کھانا مکروہ ہے۔

{۳} اگر کسی نے اونٹنی نحر کی یا گائے ذبح کی اور اس کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ پایا تو اس بچے کو نہیں کھایا جائے گا خواہ اس پر بال اُگے ہوں یا نہ اُگے ہوں، یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور یہی امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی خلقت تام ہو چکی ہو تو اس کو کھایا جائے گا، یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛ ان کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جنین کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے[4]" جس میں ماں کی ذکاۃ کو بچے کی ذکاۃ قرار دیا ہے اس لیے ماں کو ذبح کرنے سے بچہ بھی حلال ہوگا۔

{۴} دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ حقیقۃً اور حکماً ہر دو اعتبار سے ماں کا جزء ہے، حقیقۃً تو اس لیے کہ بچہ ماں کے ساتھ متصل ہوتا ہے حتی کہ پیدائش کے وقت اس کو قینچی کے ذریعہ ماں سے الگ کیا جاتا ہے، اور ماں کی غذا سے بچہ بھی غذا پاتا ہے اور ماں کے سانس لینے سے بچہ بھی سانس لیتا ہے تو یہ اس کے حقیقۃً جزء ہونے کی علامت ہے، اور حکماً اس لیے بچہ ماں کا جزء ہے کہ ماں

([1]) البقرة:67.
([2]) الصافات:107.
([3]) الكوثر:2.
([4]) أخرجهُ أبو داوُد، والترمذيُّ، وابنُ ماجة عن مُجالدٍ عن أبي الوداكِ عن الخدريّ أنّ النبيّ صلّى اللهُ عليهِ وسلّم، قال: "ذكاةُ الجنينِ ذكاةُ أمّهِ"، انتهى. قال الترمذيُّ: حديثٌ حسنٌ، وهذا لفظهُ، ولفظُ أبي داود، قال: قلنا: يا رسولَ اللهِ، ننحرُ الناقةَ، ونذبحُ البقرةَ، أو الشاةَ، في بطنها الجنينُ، أنلقيهِ أم نأكلُ؟ فقال: "كلوهُ إن شئتم، فإنّ ذكاتهُ ذكاةُ أمّهِ"، انتهى. (نصب الراية:4ص477)

پروارد ہونے والی بیع میں بچہ بھی داخل ہوتا ہے اور ماں کو آزاد کرنے سے بچہ بھی آزاد ہو جاتا ہے لہذا حکم کے اعتبار سے بھی بچہ ماں کا جزء ہے، اور جب بچہ ہر دو اعتبار سے ماں کا جزء ہے تو بچے کو ذبح کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں ماں کو زخمی کر کے ذبح کرنا بچے کا بھی ذبح شمار ہو گا جیسا کہ شکار میں ذکاۃ اختیاری سے عاجز ہونے کی صورت میں ذکاۃ اضطراری پر اکتفا کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بچے کی ذکاۃ سے عجز کی وجہ سے ماں کی ذکاۃ پر اکتفا کیا جائے گا۔

{۵}امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنی حیاۃ میں مستقل ہے حتیٰ کہ ماں کی موت کے بعد بھی اس کا زندہ ہونا متصور ہے اس لیے اس وقت وہ ذکاۃ کے ساتھ متفرد ہو گا، یہی وجہ ہے کہ اگر حاملہ عورت کو کسی نے پیٹ پر مارا جس سے اس کے پیٹ میں بچہ مر گیا اور ماں زندہ رہی تو مارنے والے پر ایک غرہ (ایک غلام یا باندی) واجب ہو گا، تو یہ اس کے مستقل ہونے کی علامت ہے، اسی طرح اگر مولیٰ نے عتق کو بچہ کی طرف منسوب کیا یعنی کہا کہ اس باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ آزاد ہے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے تو یہ بھی اس کے استقلال کی علامت ہے، اسی طرح اگر کسی نے وصیت کی کہ فلاں عورت کے پیٹ میں جو بچہ ہے میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے اتنا اس کو دیا جائے تو یہ وصیت صحیح ہے، اسی طرح اگر کہا کہ میری گھوڑی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ فلاں شخص کے لیے وصیت ہے تو یہ وصیت بھی صحیح ہے، پس یہ مسائل بھی اس کے استقلال کی دلیل ہیں اس لیے اس کو مستقل ذبح کرنا ضروری ہے ماں کی ذکاۃ اس کے لیے کافی نہیں ہے۔

{۶}نیز پیٹ میں موجود بچہ ایسا حیوان ہے جس میں خون ہوتا ہے اور ذبح کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خون اور گوشت الگ الگ ہو جائیں، ظاہر ہے کہ ماں کو ذبح کرنے سے بچے کا خون نہیں نکلتا ہے لہذا بچہ خروج خون کے حق میں ماں کا تابع نہ ہو گا، اس لیے ذبح میں بھی بچہ ماں کا تابع نہ ہو گا۔

باقی شکار کو زخمی کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ وہ حلال ہو جاتا ہے؛ کیونکہ شکار کو زخمی کرنا خروج دم کا ناقص طریقہ ہے لہذا کامل طریقہ متعذر ہونے کی صورت میں ناقص طریقہ اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے اس لیے شکار کو زخمی کرنا کفایت کرے گا۔

{۷}باقی بچہ ماں کی بیع میں اس لیے داخل نہیں ہوتا ہے کہ بچہ ماں کا جزء ہے بلکہ بیع کو فساد سے بچانے کی وجہ سے بچہ بیع میں داخل ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر بیع میں بچے کو داخل نہ کیا جائے تو یہ بیع میں سے بچے کو مستثنیٰ کر دینا ہو گا جس سے بیع فاسد ہو جائے گی، پس فسادِ بیع سے بچنے کے لیے بچے کو بیع میں داخل کر دیا گیا۔ اور ماں کی آزادی سے بچہ اس لیے آزاد نہیں ہوتا ہے کہ بچہ ماں کا جزء ہے بلکہ اس لیے کہ اگر ماں آزاد ہو جائے اور بچہ آزاد نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آزاد عورت سے غلام بچہ پیدا ہو گا حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

فتوی:۔امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الدر المنتقی:(و قالا یحل ان تم خلقه) لقوله ﷺ:ذكاة الجنين ذكاة أمه ، وبه قالت الائمة الثلاثة ، وحمله الامام على التشبيه اى كذكاة أمه بدليل أنه روى بالنصب ، ومتى اجتمع موجب الحل والحرمة غلب المحرم وتذكية نفس لاتذكی نفسين ، وقد ينفصل حياً ليذبح ،والصحيح قوله كما فی المضمرات(الدر المنتقی تحت مجمع الانہر:4ص160)

فَصلٌ فِيمَا يَحِلّ أكلُه وَمَالَايَحِلّ

یہ فصل ان حیوانوں کے بیان میں ہے جن کا کھانا حلال ہے اور جن کا کھانا حلال نہیں ہے۔

ماقبل میں مصنفؒ نے ذبح کے احکام کو ذکر فرمایا،اوراس فصل میں مذبوح جانوروں میں سے ان کو ذکر فرمایاہے جن کو کھایاجاتاہے اور جن کو نہیں کھایاجاتاہے؛کیونکہ ذبح سے مقصوداس کا کھانے کاوسیلہ ہوناہے توچونکہ ذبح حلال جانوروں کے کھانے کے لیے شرط ہے اور شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے اس لیے ذبح کے احکام کو پہلے ذکر فرمایاہے۔

{۱}قَالَ :وَلَايَجُوزُأَكْلُ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَاذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُورِ؛لِأَنَّ {النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ

فرمایا:اور جائز نہیں کھانا نوکیلے دانت والا جانوروں میں اور نہ پنجہ والا پرندوں میں سے؛کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایاہے ہر ذی مخلب کے کھانے سے

مِنَ الطُّيُورِ وَكُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ } .وَقَوْلُهُ مِنَ السِّبَاعِ ذُكِرَ عَقِيبَ النَّوْعَيْنِ فَيَنْصَرِفُ

پرندوں میں اور ہر نوکیلے دانت والے سے درندوں میں،اور حضورؐ کا قول "مِنَ السِّبَاعِ"مذکور ہے دونوں نوعوں کے بعد،پس یہ راجع ہوگا

إلَيْهِمَا فَيَتَنَاوَلُ سِبَاعَ الطُّيُورِ وَالْبَهَائِمِ لَاكُلَّ مَا لَهُ مِخْلَبٌ أَوْ نَابٌ .وَالسَّبُعُ

دونوں کی طرف،پس شامل ہوگا پرندوں اور چوپائے دونوں کے درندوں کو،نہ کہ ہر اس نوع کو جس کا پنجہ ہو یا نوکدار دانت ہو،اور سبع

كُلُّ مُخْتَطِفٍ مُنْتَهِبٍ جَارِحٍ قَاتِلٍ عَادٍ عَادَةً .{۲}وَمَعْنَى التَّحْرِيمِ وَاللهُ أَعْلَمُ كَرَامَةُ

ہر وہ جانور ہے جو اچکنے والا،لوٹ مار کرنے والا،زخمی کرنے والا،قاتل اور سرکش ہو عادۃً۔اور حرام کرنے کی وجہ واللہ اعلم کرامت ہے

بَنِي آدَمَ كَيْ لَا يَعْدُوَ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ الْأَوْصَافِ الذَّمِيمَةِ إلَيْهِمْ بِالْأَكْلِ ، وَيَدْخُلُ فِيهِ الضَّبُعُ وَالثَّعْلَبُ،

بنو آدم کی تاکہ متعدی نہ ہو کوئی چیز ان اوصافِ مذمومہ میں سے ان کی طرف کھانے کی وجہ سے،اور داخل ہے اس میں بجو اور لومڑی،

فَيَكُونُ الْحَدِيثُ حُجَّةً عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فِي إبَاحَتِهِمَا ، وَالْفِيلُ ذُو نَابٍ فَيُكْرَهُ ، وَالْيَرْبُوعُ

پس ہوگی حدیث حجت امام شافعیؒ پر ان دونوں کو مباح قرار دینے میں،اور فیل نوکیلے دانت والاہے اس لیے مکروہ ہے،اور جنگلی چوہا

وَابْنُ عِرْسٍ مِنَ السِّبَاعِ الْهَوَامِّ وَكَرِهُوا أَكْلَ الرَّخَمِ وَالْبُغَاثِ لِأَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ الْجِيَفَ

اور نیولا زمین پر رینگنے والے درندوں میں سے ہیں، اور مکروہ قرار دیا ہے فقہاء نے گدھ اور بغاث کھانے کو؛ کیونکہ یہ دونوں مردار کھاتے ہیں

{۳}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِغُرَابِ الزَّرْعِ ؛ لِأَنَّهُ يَأْكُلُ الْحَبَّ وَلَا يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَلَيْسَ مِنْ سِبَاعِ الطَّيْرِ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں کھیتی کا کوا کھانے میں؛ کیونکہ وہ کھاتا ہے دانہ اور نہیں کھاتا ہے مردار، اور نہیں ہے پھاڑ کھانے والے پرندوں میں سے

قَالَ :وَلَا يُؤْكَلُ الْأَبْقَعُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ، وَكَذَا الْغُدَافُ ، وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْعَقْعَقِ ؛ لِأَنَّهُ

فرمایا: اور نہیں کھایا جائے گا چتکبرا کوا جو کھاتا ہے مردار، اور غداف کوا، فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے کوئی حرج نہیں عقعق کھانے میں؛ کیونکہ یہ

يُخَلِّطُ فَأَشْبَهَ الدَّجَاجَةَ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ غَالِبَ أَكْلِهِ الْجِيَفُ{۴}قَالَ

خلط کرتا ہے پس یہ مشابہ ہے مرغی کے، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ غالب غذا اس کی مردار ہے۔ فرمایا:

وَيُكْرَهُ أَكْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالسُّلَحْفَاةِ وَالزُّنْبُورِ وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا، أَمَّا الضَّبُعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا ، وَأَمَّا الضَّبُّ فَلِأَنَّ

اور مکروہ ہے بجّو، گوہ، کچھوا، بھڑ اور سب کیڑے مکوڑے کھانا، بہر حال بجّو تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے، اور رہی گوہ تو اس لیے

النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حِينَ سَأَلَتْهُ عَنْ أَكْلِهِ .وَهِيَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ

کہ حضورؐ نے منع فرمایا تھا حضرت عائشہؓ کو جس وقت انہوں دریافت کیا تھا اس کے کھانے کے متعلق، اور یہ حدیث حجت ہے امام شافعیؒ پر

فِي إِبَاحَتِهِ ، وَالزُّنْبُورُ مِنَ الْمُؤْذِيَاتِ .وَالسُّلَحْفَاةُ مِنْ خَبَائِثِ الْحَشَرَاتِ وَلِهَذَا لَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ

گوہ مباح قرار دینے میں، اور بھڑ موذی جانوروں میں سے ہے، اور کچھوا خبیث کیڑوں میں سے ہے، اور اسی لیے واجب نہیں ہے محرم پر

بِقَتْلِهِ شَيْءٌ ، وَإِنَّمَا تُكْرَهُ الْحَشَرَاتُ كُلُّهَا اسْتِدْلَالًا بِالضَّبِّ لِأَنَّهُ مِنْهَا .{۵}قَالَ

اس کو قتل کرنے میں کوئی چیز، اور مکروہ ہیں کیڑے مکوڑے سب استدلال کرتے ہوئے گوہ سے؛ کیونکہ گوہ انہی میں سے ہے۔ فرمایا:

:وَلَا يَجُوزُ أَكْلُ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَالْبِغَالِ ؛لِمَا رَوَى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ رضي الله عنه {أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ

اور جائز نہیں ہے کھانا پالتو گدھوں کا اور خچروں کا؛ کیونکہ روایت کی ہے حضرت خالد بن الولیدؓ نے کہ حضورؐ نے منع فرمایا گھوڑوں، خچروں

وَالْحَمِيرِ } وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ " { أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَهْدَرَ الْمُتْعَةَ وَحَرَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ

اور گدھوں کے گوشت سے، اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے باطل کر دیا متعہ اور حرام کر دیا پالتو گدھوں کا گوشت خیبر کے دن

{٦}قَالَ : وَيُكْرَهُ لَحْمُ الْفَرَسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ

فرمایااور مکروہ ہے گھوڑے کا گوشت امام صاحبؒ کے نزدیک اور یہی قول ہے امام مالکؒ کا، اور فرمایا صاحبینؒ اور امام شافعیؒ نے: کوئی حرج نہیں

بِأَكْلِهِ لِحَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ { نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ، وَأَذِنَ

اس کے کھانے میں حضرت جابرؓ کی حدیث کی وجہ سے انہوں نے کہا کہ منع فرمایا ہے حضورؐ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے اور اجازت دی

فِي لُحُومِ الْخَيْلِ يَوْمَ خَيْبَرَ } وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْله تَعَالَى { وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا

گھوڑوں کے گوشت کی خیبر کے دن۔ امام صاحبؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور گھوڑے خچر، گدھے بھی، تاکہ تم ان پر سواری بھی کرو

وَزِينَةً } خَرَجَ مَخْرَجَ الِامْتِنَانِ وَالْأَكْلُ مِنْ أَعْلَى مَنَافِعِهَا ، وَالْحَكِيمُ لَا يَتْرُكُ

اور وہ تمہاری رونق بھی بنیں" جو وارد ہوا ہے احسان جتلانے کے موقع پر اور کھانا اس کے اعلیٰ منافع میں سے ہے، اور حکیم نہیں چھوڑتا ہے

الِامْتِنَانَ بِأَعْلَى النِّعَمِ وَيَمْتَنُّ بِأَدْنَاهَا ، وَلِأَنَّهُ آلَةُ إرْهَابِ الْعَدُوِّ فَيُكْرَهُ

احسان جتلانا اعلیٰ نعمت کے ساتھ اور احسان جتلائے ادنیٰ نعمت کے ساتھ، اور اس لیے کہ گھوڑا آلہ ہے دشمن کو ڈرانے کا، پس مکروہ ہے

أَكْلُهُ احْتِرَامًا لَهُ وَلِهَذَا يُضْرَبُ لَهُ بِسَهْمٍ فِي الْغَنِيمَةِ ، وَلِأَنَّ فِي إبَاحَتِهِ

اس کا کھانا اس کے احترام کی وجہ سے، اور اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے اس کے لیے حصہ غنیمت میں، اور اس لیے کہ اس کی اباحت میں

تَقْلِيلَ آلَةِ الْجِهَادِ ،{7}وَحَدِيثُ جَابِرٍ مُعَارَضٌ بِحَدِيثِ خَالِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ،وَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ{8}ثُمَّ قِيلَ: الْكَرَاهَةُ

آلہ جہاد کی تقلیل ہے، اور حدیثِ جابرؓ کا معارضہ ہوا ہے حدیثِ خالد بن ولیدؓ سے، اور ترجیح محرم کو ہوتی ہے، پھر کہا گیا ہے کہ کراہت

عِنْدَهُ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ .وَقِيلَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ .وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ .وَأَمَّا لَبَنُهُ فَقَدْ قِيلَ : لَا بَأْسَ بِهِ

امام صاحبؒ کے نزدیک تحریمی ہے، اور کہا گیا ہے کراہتِ تنزیہی ہے، اور اول اصح ہے، اور رہا اس کا دودھ تو کہا گیا کہ کوئی حرج نہیں اس میں

لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي شُرْبِهِ تَقْلِيلُ آلَةِ الْجِهَادِ{9}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ ؛ لِأَنَّ { النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْهُ حِينَ

کیونکہ نہیں ہے اس کے پینے میں آلہ جہاد کی تقلیل۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں خرگوش کھانے میں؛ کیونکہ حضورؐ نے کھایا اس سے جس وقت

أُهْدِيَ إلَيْهِ مَشْوِيًّا وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِالْأَكْلِ مِنْهُ } ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ السِّبَاعِ

کہ ہدیہ کیا گیا آپؐ کو بھنا ہوا خرگوش اور امر کیا اپنے صحابہ کرامؓ کو اس میں سے کھانے کا؛ اور اس لیے کہ خرگوش نہ درندوں میں سے ہے

وَلَا مِنْ أَكَلَةِ الْجِيَفِ فَأَشْبَهَ الظَّبْيَ

اور نہ مردار کھانے والوں میں، پس یہ مشابہ ہے ہرن کے۔

تشریح:۔ {۱} درندوں میں سے ذوناب (اگلے اوپر نیچے چاروں دانتوں کے متصل نوکیلے دانت رکھنے والے جانور) کا کھانا جائز نہیں ہے، اور پرندوں میں سے ذومخلب (پنجہ والے) کا کھانا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ پرندوں میں سے ذومخلب اور چوپایوں میں ذوناب درندوں کے کھانے سے[1]، جس میں "مِنَ السِّبَاعِ" کا لفظ حضور ﷺ نے ذومخلب اور ذوناب دونوں کے بعد ذکر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ذومخلب اور ذوناب میں سے وہی حرام ہے جو درندہ ہو یعنی جو اپنے پنجوں اور دانتوں کے ذریعہ دوسرے پرندوں اور چوپایوں کو چیر پھاڑ کر کھاتے ہوں، ہر وہ پرندہ مراد نہیں ہے جس کا پنجہ ہو لہٰذا کبوتر کا پنجہ ہے مگر وہ چیر پھاڑنے والا درندہ نہیں ہے اس لیے اس کا کھانا حلال ہے، اور نہ ہر وہ چوپایہ مراد ہے جو ذوناب ہو لہٰذا اونٹ ذوناب ہے مگر چیر پھاڑنے والا درندہ نہیں ہے اس لیے اس کا کھانا حلال ہے۔ اور درندہ ہر وہ حیوان ہے جو عادۃً اُچک کر لے جانے والا ہو، لوٹ مار کرنے والا ہو، زخمی کرنے والا ہو، قتل کرنے والا ہو، اور حملہ کرنے والا ہو۔

{۲} اور ایسے پرندوں اور جانوروں کے حرام ہونے کی وجہ شاید بنو آدم کی کرامت اور اعزاز ہو؛ کیونکہ ان جانوروں میں خباثت اور شرارت ہے تو ایسا نہ ہو کہ بنو آدم ان کو کھا کر ان کی یہ بری صفات بنو آدم کی طرف منتقل ہو جائیں اس لیے ان کو حرام قرار دیا ہے۔ اور درندوں میں بجّو اور لومڑی بھی داخل ہیں، لہٰذا مذکورہ بالا حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے، انہوں نے بجّو اور لومڑی کو حلال قرار دیا ہے حالانکہ یہ دونوں درندے ہیں اس لیے حدیث کی رُو سے یہ حرام ہیں۔ اور ہاتھی ذوناب ہے البتہ وہ پھاڑ کر نہیں کھاتا ہے اس لیے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ اور جنگلی چوہا اور نیولا زمین پر رینگنے والے درندوں میں سے ہیں اس لیے حرام ہیں۔ اور علماء نے گدھ اور بغاث (گدھ کی ہم شکل اس سے کچھ چھوٹا پرندہ ہے) کو مکروہ قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ دونوں گندگی کھاتے ہیں۔

{۳} کھیتی کا کوّا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ وہ دانہ کھاتا ہے، گندگی نہیں کھاتا ہے، اور پرندوں میں سے چیر پھاڑنے والا بھی نہیں ہے۔ اور کوّوں میں سے ابقع (جو سیاہ اور سفید ہوتا ہے) کو نہیں کھایا جائے گا؛ کیونکہ وہ مردار خور ہے، اسی طرح غداف (ایک قسم کا کوّا ہے جو موٹا اور بڑے پروں والا ہوتا ہے) کو نہیں کھایا جائے گا؛ کیونکہ یہ بھی گندگی خور ہے۔

([1]) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِي الصَّيْدِ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنْ السَّبُعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنْ الطَّيْرِ، انْتَهَى. قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِهِ: وَهَذَا الْحَدِيثُ لَمْ يَسْمَعْهُ مَيْمُونُ بْنُ مِهْرَانَ مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، بَلْ بَيْنَهُمَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، هَكَذَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُد فِي سُنَنِهِ مِنْ حَدِيثِ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَكَذَلِكَ رَوَاهُ الْبَزَّارُ فِي مُسْنَدِهِ، وَقَالَ: لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنْ مَيْمُونٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ إلَّا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ، وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو بِشْرٍ وَالْحَكَمُ عَنْ مَيْمُونٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوا سَعِيدًا بَيْنَهُمَا، انْتَهَى كَلَامُ الْبَزَّارِ. قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ: وَذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ عَنْ عَلِيٍّ الْأَرْقَطِ، أَنَّهُ قَالَ: أَظُنُّ بَيْنَ مَيْمُونٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يَعْنِي فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: وَعَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ ثِقَةٌ، وَثَّقَهُ النَّسَائِيّ، وَأَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ، انْتَهَى كَلَامُ ابْنِ الْقَطَّانِ. (نصب الراية:4ص480)

امام صاحبؒ فرماتے ہیں عقعق کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ یہ گندگی اور دانہ ملا کر کھاتا ہے پس یہ مرغی کے مشابہ ہے اس لیے اس کا کھانا جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عقعق کا کھانا مکروہ ہے؛ کیونکہ غالب خوراک اس کی گندگی ہے۔ عقعق کبوتر کی شکل کا کوا ہے جس کی دم لمبی سیاہ اور سفید ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ بجّو، گوہ، کچھوا، بھڑ، اور زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے کھانا مکروہ ہے؛ بجّو تو اس لیے جو ہم ذکر کر چکے کہ یہ درندوں میں داخل ہے، اور گوہ اس لیے مکروہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا[1]۔ امام شافعیؒ گوہ کو مباح سمجھتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ان پر حجت ہے۔ اور بھڑ چونکہ موذی ہے اس لیے اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اور کچھوا خبیث کیڑے مکوڑوں میں سے ہے اسی لیے احرام باندھنے والے شخص نے اگر اس کو قتل کر ڈالا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا کھانا مکروہ ہے، اور خبیث وہ ہے جس کو عرب اور سلیم الطبع لوگ خبیث سمجھیں۔ اور تمام کیڑے مکوڑوں کی کراہت پر گوہ کی کراہت سے استدلال کیا جاتا ہے یعنی گوہ چونکہ حشرات الارض میں سے ہے اور مکروہ ہے لہٰذا دیگر حشرات الارض بھی مکروہ ہوں گے۔

﴿۵﴾ گھریلو گدھوں اور خچروں کو کھانا جائز نہیں؛ کیونکہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا ہے[2]، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشتوں کو حرام قرار دیا[3]۔

([1])قُلْت: غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَ أَبُو دَاوُد فِي الْأَطْعِمَةِ عَنْ إسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ ضَمْضَمِ بْنِ زُرْعَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ أَبِي رَاشِدٍ الْحُبْرَانِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شِبْلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ أَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ، انْتَهَى. وَضَمْضَمُ بْنُ زُرْعَةَ شَامِيٌّ، وَرِوَايَةُ ابْنِ عَيَّاشٍ عَنْ الشَّامِيِّينَ صَحِيحَةٌ، قَالَ الْمُنْذِرِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ: وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، وَضَمْضَمٌ فِيهِمَا مَقَالٌ، وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ: ليس إسناده بذاك، وقال الْبَيْهَقِيُّ: لَمْ يَثْبُتْ إسْنَادُهُ، إنَّمَا تَفَرَّدَ بِهِ إسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، وَلَيْسَ بِحُجَّةٍ، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص483)

([2])قُلْت: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد وَالنَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ عَنْ بَقِيَّةَ حَدَّثَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ صَالِحِ بْنِ يَحْيَى بْنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُحُومِ الْخَيْلِ، وَالْبِغَالِ، وَالْحَمِيرِ،(نصب الراية:4ص484)

([3])قُلْت: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ أَكْلِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ، انْتَهَى. ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ، وَمُسْلِمٌ فِي الذَّبَائِحِ، وَأَخْرَجَاهُ فِي النِّكَاحِ أَيْضًا كَذَلِكَ، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: عَامَ خَيْبَرَ، وَفِي لَفْظٍ لَهُ: زَمَنَ خَيْبَرَ. (نصب الراية:4ص486)

{٦} امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور یہی امام مالک ؒ کا قول ہے۔ اور صاحبین ؒ اور امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشتوں کی اجازت دیدی۔

امام ابو حنیفہ ؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً[1]﴾ (اور گھوڑے خچر، گدھے بھی، اس نے تمہارے لیے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سواری بھی کرو اور وہ تمہاری رونق بھی بنیں) جس میں باری تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتا رہے ہیں تو یہ احسان کا موقع ہے اور کھانا سب سے اعلیٰ منفعت ہے اور باری تعالیٰ حکیم ذات ہیں اور حکیم اس طرح نہیں کرتے کہ احسان جتاتے ہوئے ادنیٰ نعمت کو ذکر کردے اور اعلیٰ کو چھوڑدے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا کھانے کی نعمت کو چھوڑنا اس بات کی علامت ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ گھوڑے دشمن کو مرعوب کرنے کا آلہ ہیں لہٰذا اس کے احترام کے پیش نظر اس کا کھانا مکروہ ہوگا، چونکہ گھوڑا دشمن کو مرعوب کرنے کا آلہ ہے اسی لیے غنیمت میں سے اس کے لیے حصہ مقرر کیا جاتا ہے، نیز اس کو مباح قرار دینے سے آلۂ جہاد کی تقلیل لازم آئے گی اس لیے اس کا کھانا مکروہ ہے۔

{٧} باقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بے شک گھوڑے کا گوشت کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر یہ معارض ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جس میں گھوڑوں کا گوشت کھانے سے ممانعت آئی ہے اور محرم و مبیح میں تعارض کے وقت ترجیح محرم کو ہوتی ہے لہٰذا حضرت خالد بن الولید ؓ کی حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی۔

{٨} پھر امام صاحب ؒ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی ہے، دونوں قول ہیں، مگر کراہتِ تحریمی والا قول اصح ہے۔ باقی گھوڑی کے دودھ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ گھوڑی کا دودھ پینے میں آلۂ جہاد کی تقلیل لازم نہیں آتی ہے لہٰذا مکروہ بھی نہ ہوگا۔

فتویٰ:۔ راجح یہ ہے کہ امام صاحب ؒ نے کراہتِ تحریمی والے قول سے رجوع فرمایا ہے لہٰذا گوڑے کا گوشت مکروہ تنزیہی ہے لما في الدر المختار: وَقِيلَ إنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَجَعَ عَنْ حُرْمَتِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى عِمَادِيَّةٌ وَلَا بَأْسَ بِلَبَنِهَا عَلَى الْأَوْجَهِ .وقال العلامة ابن عابدين: (قَوْلُهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) فَهُوَ مَكْرُوهٌ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ كَمَا فِي كِفَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَلَى مَا ذَكَرَهُ فَخْرُ الْإِسْلَامِ وَغَيْرُهُ قُهُسْتَانِيٌّ، ثُمَّ نَقَلَ تَصْحِيحَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ عَنْ الْخُلَاصَةِ وَالْهِدَايَةِ وَالْمُحِيطِ وَالْمُغْنِي وَقَاضِي خَانْ وَالْعِمَادِيِّ وَغَيْرِهِمْ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ، وَأَفَادَ أَبُو السُّعُودِ أَنَّهُ عَلَى

[1] النحل:8.

الْأَوَّلِ لَا خِلَافَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَصَاحِبَيْهِ لِأَنَّهُمَا وَإِنْ قَالَا بِالْحِلِّ لَكِنْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْبُرْهَانِ. قَالَ ط: وَالْخِلَافُ فِي خَيْلِ الْبَرِّ، أَمَّا خَيْلُ الْبَحْرِ فَلَا تُؤْكَلُ اتِّفَاقًا (الدر المختار مع رد المحتار:5ص214)

{۹}خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ جس وقت کہ خرگوش کو بھون کر حضور ﷺ کو پیش کیا گیا تو آپؐ نے اس میں سے تناول فرمایا اور صحابہ کرامؓ کو اس میں سے کھانے کا حکم فرمایا[1]۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خرگوش درندوں میں سے نہیں ہے اور نہ گندگی کھانے والوں میں سے ہے لہٰذا یہ ہرن کے مشابہ ہے اس لیے اس کا کھانا حلال ہے۔

{۱}قَالَ: وَإِذَا ذُبِحَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ إلَّا الْآدَمِيَّ وَالْخِنْزِيرَ؛ فَإِنَّ الذَّكَاةَ

فرمایا: اور جب ذبح کیا جائے غیر ماکول اللحم جانور تو پاک ہو جائے گی اس کی کھال اور اس کا گوشت، مگر آدمی اور خنزیر؛ کیونکہ ذبح

لَا تَعْمَلُ فِيهِمَا، أَمَّا الْآدَمِيُّ فَلِحُرْمَتِهِ وَكَرَامَتِهِ وَالْخِنْزِيرُ لِنَجَاسَتِهِ

اثر نہیں کرتا ہے ان دونوں میں، بہر حال آدمی میں تو اس کی حرمت اور اعزاز کی وجہ سے، اور خنزیر میں اس کی نجاست کی وجہ سے

كَمَا فِي الدِّبَاغِ. {۲}وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الذَّكَاةُ لَا تُؤَثِّرُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّهُ لَا يُؤَثِّرُ فِي إبَاحَةِ اللَّحْمِ أَصْلًا

جیسا کہ دباغت میں ہے۔ اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ ذبح اثر نہیں کرتا ہے ان سب میں؛ کیونکہ ذبح اثر نہیں کرتا ہے اباحتِ گوشت میں بالکل

وَفِي طَهَارَتِهِ وَطَهَارَةِ الْجِلْدِ تَبَعًا وَلَا تَبَعَ بِدُونِ الْأَصْلِ وَصَارَ كَذَبْحِ الْمَجُوسِيِّ. {۳}وَلَنَا

اور اس کی طہارت اور طہارتِ کھال میں تبعاً، اور تبع نہیں ہوتا ہے اصل کے بغیر، اور ہو گیا جیسے مجوسی کا ذبح کرنا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے

أَنَّ الذَّكَاةَ مُؤَثِّرَةٌ فِي إزَالَةِ الرُّطُوبَاتِ وَالدِّمَاءِ السَّيَّالَةِ وَهِيَ النَّجِسَةُ دُونَ ذَاتِ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ، فَإِذَا زَالَتْ

کہ ذبح اثر کرتا ہے رطوبات اور بہتا ہوا خون زائل کرنے میں اور یہی نجس ہے نہ کہ ذات کھال اور گوشت، پس جب یہ زائل ہو جائے

[1]قُلْت: كِلَاهُمَا حَدِيثَانِ: فَالْأَوَّلُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ فِي كِتَابِ الْهِبَةِ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوا، فَأَدْرَكْتُهَا، فَأَخَذْتُهَا، فَأَتَيْت بِهَا أَبَا طَلْحَةَ، فَذَبَحَهَا، وَبَعَثَ بِوَرِكِهَا إلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ: فَخِذَيْهَا، فَقَبِلَهُ، قُلْت: وَأَكَلَ مِنْهُ؟ قَالَ: وَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: قَبِلَهُ، انْتَهَى. وَكَذَلِكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَحَجَّاجٌ، قَالَا: ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ، بِلَفْظِهِ سَوَاءً، وَفِي آخِرِهِ: قَالَ حَجَّاجٌ: قَالَ شُعْبَةُ: فَقُلْت لَهُ: أَكَلَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ أَكَلَهُ، ثُمَّ قَالَ لِي بَعْدُ: قَبِلَهُ، انْتَهَى. وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الذَّبَائِحِ فَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ الْأَكْلَ، وَلَا ذَكَرَ فِيهِ غَيْرُهُ مِنْ أَصْحَابِ الْكُتُبِ السِّتَّةِ، الْحَدِيثَ، وَرَوَاهُ النَّسَائِيّ فِي سُنَنِهِ فِي الصَّوْمِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إلَى النَّبِيِّ بِأَرْنَبٍ قَدْ شَوَاهَا، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَأَمْسَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَأْكُلْ، وَأَمَرَ الْقَوْمَ أَنْ يَأْكُلُوا، وَزَادَ فِي لَفْظٍ: وَقَالَ: "فَإِنِّي لَوْ اشْتَهَيْتهَا أَكَلْتهَا"، (نصب الراية:4ص488)

طَهُرَ كَمَا فِي الدِّبَاغِ . وَهَذَا الْحُكْمُ مَقْصُودٌ فِي الْجِلْدِ كَالتَّنَاوُلِ فِي اللَّحْمِ وَفِعْلُ الْمَجُوسِيِّ إمَاتَةٌ

تو ذبح پاک ہو جائے گا جیسا کہ دباغت میں ہوتا ہے، اور یہ حکم مقصود ہے کھال میں جیسا کہ کھانا گوشت میں، اور مجوسی کا فعل مار ڈالنا ہے

فِي الشَّرْعِ فَلَا بُدَّ مِنَ الدِّبَاغِ ، ﴿۴﴾وَكَمَا يَطْهُرُ لَحْمُهُ يَطْهُرُ شَحْمُهُ ، حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ

شریعت میں، پس ضروری ہے دباغت، اور جیسا کہ پاک ہوتا ہے اس کا گوشت پاک ہوتی ہے اس کی چربی، حتی کہ اگر وہ گر جائے تھوڑے پانی میں

لَا يُفْسِدُهُ خِلَافًا لَهُ . وَهَلْ يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ فِي غَيْرِ الْأَكْلِ ؟ قِيلَ : لَا يَجُوزُ

تو وہ فاسد نہیں کرتی ہے پانی کو، اختلاف ہے امام شافعیؒ کا، اور کیا جائز ہے فائدہ اٹھانا چربی سے کھانے کے علاوہ میں؟ تو کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے

اعْتِبَارًا بِالْأَكْلِ . وَقِيلَ يَجُوزُ كَالزَّيْتِ إذَا خَالَطَهُ وَدَكُ الْمَيْتَةِ . وَالزَّيْتُ غَالِبٌ لَا يُؤْكَلُ

قیاس کرتے ہوئے کھانے پر، اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے جیسے زیتون جب مل جائے اس میں مردار کی چربی، اور زیتون غالب ہو، تو نہیں کھایا جائے گا

وَيُنْتَفَعُ بِهِ فِي غَيْرِ الْأَكْلِ﴿۵﴾قَالَ : وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إلَّا السَّمَكُ ، وَقَالَ مَالِكٌ

اور فائدہ اٹھایا جائے اس سے کھانے کے علاوہ میں۔ فرمایا: اور نہیں کھایا جائے گا پانی کے حیوانوں میں سے مگر مچھلی، اور فرمایا امام مالکؒ نے

وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِإِطْلَاقِ جَمِيعِ مَا فِي الْبَحْرِ . وَاسْتَثْنَى بَعْضُهُمْ الْخِنْزِيرَ وَالْكَلْبَ وَالْإِنْسَانَ

اور ایک جماعت اہل علم جواز کی قائل ہے ان تمام جانوروں کے جو سمندر میں ہیں، اور استثناء کیا ہے بعض لوگوں نے خنزیر، کتے اور انسان کا

وَعَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ أَطْلَقَ ذَلِكَ كُلَّهُ ، وَالْخِلَافُ فِي الْأَكْلِ وَالْبَيْعِ وَاحِدٌ﴿۶﴾لَهُمْ قَوْله تَعَالَى

اور امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے جائز قرار دیا ہے ان سب کو، اور کھانے اور بیع میں ایک ہی اختلاف ہے۔ ان کی دلیل باری تعالی کا ارشاد ہے

{ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ } مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْبَحْرِ { هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ

"حلال کر دیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار پکڑنا" بغیر تفصیل کے، اور حضورؐ کا ارشاد ہے سمندر کے بارے میں کہ پاک ہے اس کا پانی

وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ } وَلِأَنَّهُ لَا دَمَ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ إذِ الدَّمَوِيُّ لَا يَسْكُنُ الْمَاءَ وَالْمُحَرَّمُ هُوَ الدَّمُ

اور حلال ہے اس کا مردار، اور اس لیے کہ خون نہیں ان اشیاء میں؛ اس لیے کہ خون والا جانور نہیں رہتا ہے پانی میں، اور حرام خون ہی ہے

فَأَشْبَهَ السَّمَكَ . ﴿۷﴾قُلْنَا : قَوْله تَعَالَى { وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ } وَمَا سِوَى السَّمَكِ خَبِيثٌ.

پس یہ مشابہ ہو گیا مچھلی کے۔ اور ہماری دلیل باری تعالی کا ارشاد ہے "اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا" اور مچھلی کے علاوہ خبیث ہیں

{وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ دَوَاءٍ يُتَّخَذُ فِيهِ الضُّفْدَعُ } ، وَنَهَى عَنْ بَيْعِ السَّرَطَانِ ﴿۸﴾وَالصَّيْدُ الْمَذْكُورُ فِيمَا

اور منع فرمایا ہے حضورؐ نے ایسی دواء سے جو ڈالا گیا ہو اس میں مینڈک، اور منع فرمایا ہے کیکڑے کی بیع سے، اور صید جو مذکور ہے اس آیت میں

تَلَا مَحْمُولٌ عَلَى الِاصْطِيَادِ وَهُوَ مُبَاحٌ فِيمَا لَا يَحِلُّ ، وَالْمَيْتَةُ الْمَذْكُورَةُ فِيمَا رُوِيَ

جو تلاوت کی محمول ہے اصطیاد پر، اور اصطیاد مباح ہے اس چیز کا جو حلال نہیں ہے، اور میتہ جو مذکور ہے اس حدیث میں جو مروی ہے

مَحْمُولَةٌ عَلَى السَّمَكِ وَهُوَ حَلَالٌ مُسْتَثْنًى مِنْ ذَلِكَ لِقَوْلِهِ ﷺ " { أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ ، أَمَّا

محمول ہے مچھلی پر، اور وہ حلال ہے مستثنیٰ ہے اس سے؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے " حلال کیے گئے ہیں ہمارے لیے دو مردار اور دو خون، بہر حال

الْمَيْتَتَانِ فَالسَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ } ﴿٩﴾ قَالَ : وَيُكْرَهُ أَكْلُ الطَّافِي مِنْهُ. وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ

دو مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں، اور رہے دو خون تو وہ کلیجہ اور تلی ہیں"۔ فرمایا: اور مکروہ ہے طافی مچھلی میں سے، اور فرمایا امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے

لَا بَأْسَ بِهِ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ مَيْتَةَ الْبَحْرِ مَوْصُوفَةٌ بِالْحِلِّ بِالْحَدِيثِ.

کوئی حرج نہیں اس میں؛ بوجہ اس حدیث کے اطلاق کے جو ہم روایت کر چکے، اور اس لیے کہ سمندر کا مردار موصوف ہے حلت کے ساتھ حدیث کی بنا پر

﴿١٠﴾ وَلَنَا مَا رَوَى جَابِرٌ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ { مَا نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلُوا ، وَمَا لَفَظَهُ

اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو روایت کی ہے حضرت جابرؓ نے حضورؐ سے کہ انہوں کہا "جس سے چلا جائے پانی تو اسے کھاؤ، اور جس کو پھینک دے

الْمَاءُ فَكُلُوا ، وَمَا طَفَا فَلَا تَأْكُلُوا } وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِثْلُ مَذْهَبِنَا،

پانی تو اسے کھاؤ، اور جو مر کر الٹی ہو جائے اسے مت کھاؤ"۔ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے مروی ہے ہمارے مذہب کی طرح،

وَمَيْتَةُ الْبَحْرِ مَا لَفَظَهُ الْبَحْرُ لِيَكُونَ مَوْتُهُ مُضَافًا إِلَى الْبَحْرِ لَا مَا مَاتَ فِيهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ.

اور دریا کا مردار وہ ہے جس کو پھینک دے دریا؛ تاکہ ہو اس کی موت منسوب دریاء کی طرف، نہ وہ جو مر جائے دریا میں کسی آفت کے بغیر

﴿١١﴾ قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْجِرِّيثِ وَالْمَارْمَاهِيِّ وَأَنْوَاعِ السَّمَكِ وَالْجَرَادِ بِلَا ذَكَاةٍ. وَقَالَ مَالِكٌ: لَا يَحِلُّ الْجَرَادُ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں جریث، بام مچھلی، اور اقسام مچھلی، اور ٹڈی بلا ذبح کھانے میں، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حلال نہیں ہے ٹڈی

إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ الْآخِذُ رَأْسَهُ وَ يَشْوِيَهُ لِأَنَّهُ صَيْدُ الْبَرِّ ، وَلِهَذَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِقَتْلِهِ

مگر یہ کہ قطع کر دے پکڑنے والا اس کا سر اور بھون لے؛ کیونکہ ٹڈی خشکی کا شکار ہے، اسی لیے واجب ہے محرم پر اس کو قتل کرنے کی وجہ سے

جَزَاءٌ يَلِيقُ بِهِ فَلَا يَحِلُّ إِلَّا بِالْقَتْلِ كَمَا فِي سَائِرِهِ. ﴿١٢﴾ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا.

اس کی جزاء جو اس کے مناسب ہو، پس نہیں ہوگی مگر قتل کرنے سے جیسا کہ دیگر خشکی کے شکار میں، اور حجت ان پر وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے

وَسُئِلَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ الْجَرَادِ يَأْخُذُهُ الرَّجُلُ مِنَ الْأَرْضِ وَفِيهَا الْمَيِّتُ وَغَيْرُهُ فَقَالَ:

اور سوال کیا گیا حضرت علیؓ سے ٹڈی کے بارے میں جو پکڑتا ہے اس کو آدمی زمین سے اور ان میں مردہ اور زندہ ہوتی ہیں، تو آپؓ نے فرمایا

كُلْهُ كُلَّهُ .وَهَذَا عُدَّ مِنْ فَصَاحَتِهِ ، وَدَلَّ عَلَى إبَاحَتِهِ وَإِنْ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ ، بِخِلَافِ السَّمَكِ

کھاؤ سب کو، اور یہ جملہ شمار کیا گیا ہے ان کی فصاحت میں سے اور دلالت کرتا ہے ٹڈی کی اباحت پر اگرچہ وہ مرے اپنی موت، برخلاف مچھلی کے

إذَا مَاتَ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ لِأَنَّا خَصَّصْنَاهُ بِالنَّصِّ الْوَارِدِ فِي الطَّافِي .﴿۱۳﴾ثُمَّ الْأَصْلُ فِي السَّمَكِ

جب وہ مرجائے کسی آفت کے بغیر؛ کیونکہ ہم نے مخصوص کی ہے مچھلی کو اس نص سے جو وارد ہے طافی کے بارے میں۔ پھر اصل مچھلی کے بارے میں

عِنْدَنَا أَنَّهُ إذَا مَاتَ بِآفَةٍ يَحِلُّ كَالْمَأْخُوذِ ، وَإِذَا مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ لَا يَحِلُّ

ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جو مرجائے کسی آفت سے تو حلال ہے پکڑی گئی کی طرح، اور جو مرجائے اپنی موت بغیر کسی آفت کے تو حلال نہیں

كَالطَّافِي ، وَتَنْسَحِبُ عَلَيْهِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ بَيَّنَّاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى.

مر کر الٹی ہوجانے والی کی طرح، اور متفرع ہوتی ہیں اس اصل پر بہت ساری فروع جن کو ہم بیان کرچکے ہیں "کفایۃ المنتہی" میں،

وَعِنْدَ التَّأَمُّلِ يَقِفُ الْمُبَرِّزُ عَلَيْهَا : مِنْهَا إذَا قَطَعَ بَعْضَهَا فَمَاتَ يَحِلُّ أَكْلُ مَا

اور غور کے وقت واقف ہوجائے گا فائق شخص ان پر، ان میں سے یہ کہ جب قطع کردے ان کا بعض پس وہ مرجائے تو حلال ہے کھانا اس کا

أُبِينَ وَمَا بَقِيَ .لِأَنَّ مَوْتَهُ بِآفَةٍ وَمَا أُبِينَ مِنْ الْحَيِّ وَإِنْ كَانَ مَيِّتًا فَمَيْتَتُهُ

جو کاٹا گیا ہے اور جو باقی ہے؛ کیونکہ اس کی موت آفت سے ہے، اور جو حصہ الگ کردیا جائے زندہ سے اگرچہ وہ میتہ ہے تو بھی اس کا میتہ

حَلَالٌ .وَفِي الْمَوْتِ بِالْحَرِّ وَالْبَرْدِ رِوَايَتَانِ .وَاللَّهُ أَعْلَمُ

حلال ہے، اور موت میں گرمی اور سردی کی وجہ سے دو روایتیں ہیں، واللہ اعلم بالصواب

تشریح:۔﴿۱﴾اگر ایسا حیوان ذبح کیا گیا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے تو اس کی کھال اور اس کا گوشت پاک ہوجائے گا اگرچہ حلال نہیں ہوتا ہے، البتہ آدمی اور خنزیر کی کھال اور گوشت پاک نہ ہوگا؛ کیونکہ ذبح ان میں اثر نہیں کرتا ہے؛ پھر آدمی کا یہ حکم اس کے احترام اور اعزاز کی وجہ سے ہے، اور خنزیر کا یہ حکم اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ دباغت سے ان کی کھال پاک نہیں ہوتی ہے اسی طرح ذبح سے بھی پاک نہ ہوگی۔

﴿۲﴾امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غیر ماکول اللحم میں ذکاۃ اثر نہیں کرتی ہے یعنی ذبح کرنے سے غیر ماکول اللحم جانور کی کھال اور گوشت پاک نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ ذبح کرنا تو اصالۃً گوشت کو حلال کرنے میں اثر کرتا ہے پھر حلت کی تبعیت میں گوشت اور چمڑا پاک بھی ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ غیر ماکول اللحم میں ذبح کرنے سے اصل (حلت) ثابت نہیں ہوتی ہے تو تابع (طہارت) بھی حاصل نہ

ہوگا؛ کیونکہ تابع بغیر اصل کے نہیں ہوتا ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ مجوسی کے ذبح کرنے سے اصل (حلت) ثابت نہیں ہوتی ہے تو تابع (طہارت) بھی حاصل نہ ہوگی۔

{۳} ہماری دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا بہنے والا خون اور رطوبات کو زائل کرنے میں اثر کرتا ہے اور حیوان میں نجس بھی خون اور رطوبات ہی ہیں، کھال اور گوشت بذاتِ خود نجس نہیں ہیں، پس جب ذبح کرنے سے بہنے والا خون اور نجس رطوبتیں زائل ہو گئیں تو گوشت اور چمڑا پاک ہو جائیں گے جیسا کہ چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے، اور چمڑے کی طہارت مقصود ہے جیسا کہ گوشت تناول کرنا مقصود ہے۔

اور مجوسی کے ذبح کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ مجوسی کا ذبح کرنا شریعت کی رُو سے حیوان کو مار ڈالنا ہے اس لیے مجوسی کے ذبح کرنے سے طہارت حاصل نہ ہوگی بلکہ طہارت کے لیے دباغت ضروری ہے۔

{۴} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے سے جس طرح کہ غیر ماکول اللحم کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اسی طرح اس کی چربی بھی پاک ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر ماءِ قلیل میں گر گئی تو پانی کو ناپاک نہیں کرے گی، امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ماءِ قلیل نجس ہو جائے گا۔ کھانے کے علاوہ میں اس چربی سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جس طرح کہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے اسی طرح اس سے کوئی اور نفع اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اور بعض دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ کھانے کے علاوہ نفع اٹھانا جائز ہے جیسا کہ روغن زیتون میں جب مردار کی چربی مل جائے اور روغن زیتون غالب ہو تو کھایا تو نہیں جائے گا البتہ کھانے کے علاوہ نفع اس سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

{۵} پانی کے جانوروں میں سے مچھلی کے علاوہ کوئی اور جانور نہیں کھایا جائے گا۔ امام مالکؒ اور اہلِ علم کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ سمندر کے تمام جانور حلال ہیں، اور بعض حضرات نے سمندری خنزیر، کتا اور انسان کو مستثنیٰ کر دیا ہے کہ ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ سے ایک روایت مروی ہے کہ یہ سب جائز نہیں، پھر کھانے اور فروخت کرنے میں ایک ہی اختلاف ہے یعنی جس طرح سمندری جانوروں کے کھانے میں علماء کا اختلاف ہے اسی طرح ان کی بیع میں بھی اختلاف ہے۔

{۶} امام مالکؒ اور دیگر علماء کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ[1]﴾ (حلال کر دیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار پکڑنا، اور اس کا کھانا) جس میں حلال اور حرام جانوروں کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے جس سے معلوم

[1] المائدۃ: 96

ہوا کہ دریائی تمام جانور حلال ہیں۔ دوسری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ"[1] کہ دریا کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے، جس میں بھی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے لہذا دریائی تمام جانور حلال ہیں۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ دریائی جانوروں میں خون نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ خون والا جانور پانی میں زندگی نہیں گذار سکتا ہے اور حرام خون ہی ہے پس ان جانوروں میں حرام چیز نہ ہونے کی وجہ سے یہ مچھلی کے مشابہ ہو گئے اس لیے یہ حلال ہیں۔

﴿۷﴾ ہماری دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ[2]﴾ (اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا) جس میں خبیث چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے اور مچھلی کے علاوہ دیگر سمندری جانور خبیث ہیں؛ کیونکہ نفیس طبیعت ان سے نفرت کرتی ہے۔ اور حضور ﷺ سے کسی طبیب نے پوچھا کہ دوائی میں مینڈک ملا سکتا ہوں؟ تو حضور ﷺ نے ایسی دوائی سے منع فرمایا[3]، تو اگر مینڈک جائز ہوتا تو حضور ﷺ اس دواء سے کیوں منع فرماتے۔ اور حضور ﷺ نے کیکڑے کی بیع سے منع فرمایا ہے[4] اور سابق میں معلوم ہو چکا کہ بیع اور کھانے کا ایک ہی حکم ہے۔

﴿۸﴾ اور فریق مخالف نے جس آیت کی تلاوت کر کے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں صید سے مراد اصطیاد (شکار کرنا) ہے کہ تمہارے لیے دریا میں شکار کرنا حلال کیا گیا ہے اور شکار کرنا ان جانوروں کا بھی جائز ہے جن کا کھانا حلال نہیں ہے لہذا اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔ اور حدیث میں دریا کے مردار سے مراد مچھلی ہے اور مچھلی حلال ہے دریائی مردار جانوروں سے مچھلی مستثنیٰ ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "حلال کر دیئے ہیں ہمارے لیے دو مردار اور دو خون، بہر حال

---

(1) قُلْت: تَقَدَّمَ فِي الطَّهَارَةِ. (نصب الراية:4ص490)

(2) الاعراف:157-

(3) قُلْت: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد فِي الطِّبِّ وَفِي الْأَدَبِ، وَالنَّسَائِيُّ فِي الصَّيْدِ عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ الْقُرَشِيِّ أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الضُّفْدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ، فَنَهَى عَنْ قَتْلِهَا، انْتَهَى. وَرَوَاهُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْهِ، وَأَبُو دَاوُد الطَّيَالِسِيُّ فِي مَسَانِيدِهِمْ، وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي الْفَضَائِلِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، وَسَكَتَ عَنْهُ، وَأَعَادَهُ فِي الطِّبِّ، وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ: هُوَ أَقْوَى مَا وَرَدَ فِي الضُّفْدَعِ، وَسَعِيدُ بْنُ خَالِدٍ هُوَ الْقَارِظِيُّ ضَعَّفَهُ النَّسَائِيّ، وَوَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: مَدَنِيٌّ، يُحْتَجُّ بِهِ، قَالَ الْمُنْذِرِيُّ فِي حَوَاشِيهِ: فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى تَحْرِيمِ أَكْلِ الضُّفْدَعِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ قَتْلِهِ، وَالنَّهْيُ عَنْ قَتْلِ الْحَيَوَانِ، إمَّا لِحُرْمَتِهِ، كَالْآدَمِيِّ، وَإِمَّا لِتَحْرِيمِ أَكْلِهِ كَالصُّرَدِ، وَالْهُدْهُدِ وَالضُّفْدَعِ، لَيْسَ بِمُحْتَرَمٍ، فَكَانَ النَّهْيُ مُنْصَرِفًا إلَى الْوَجْهِ الْآخَرِ، (نصب الراية:4ص490)

(4) قُلْت: غَرِيبٌ جِدًّا. (نصب الراية:4ص491)

مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہے، اور رہے خون تو وہ کلیجہ اور تلی ہے"[1] لہذا حدیث میں جو دریا کے مردار کو حلال کہا ہے تو اس سے مچھلی ہی مراد ہے۔

{9} مچھلیوں میں سے طافی (جو دریا میں مر کر الٹی ہو جائے) کا کھانا مکروہ ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طافی کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ سابقہ حدیث میں دریا کے مردار کو حلال کہا تھا جس میں طافی وغیر طافی کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے لہذا دونوں طرح کی مچھلی کھانا درست ہے۔ نیز دریا کے مردار کو حلال کہا ہے تو طافی بھی تو دریا کا مردار ہے اس لیے اس کا کھانا درست ہے۔

{10} ہماری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس مچھلی سے پانی خشک ہو جائے تو اس کو کھاؤ، اور جس کو دریا پھینک دے اس کو کھاؤ، اور جو الٹی ہو گئی اس کو مت کھاؤ[2]" جس میں طافی کھانے سے ممانعت کی تصریح موجود ہے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ہمارے مذہب کے مثل منقول ہے[3]۔ اور فریق مخالف کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ دریا کے مردار سے مراد وہ مچھلی ہے جس کو دریا باہر پھینک دے تاکہ اس کی موت دریا کی طرف مضاف ہو سکے تو اس کو تو ہم بھی حلال کہتے ہیں، باقی وہ مراد نہیں ہے جو دریا میں بغیر کسی آفت کے مر جائے جس کو طافی کہتے ہیں اس لیے اس حدیث سے فریق مخالف کا استدلال درست نہیں ہے۔

{11} جرّیث مچھلی (جو کالی ہوتی ہے) اور مارماہی (بام مچھلی جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے) اور مچھلی کی دیگر تمام اقسام اور ٹڈی ذبح کئے بغیر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ٹڈی حلال نہیں ہے مگر یہ کہ پکڑنے والا اس کا سر کاٹے اور اس کو بھون لے؛ کیونکہ یہ خشکی کا شکار ہے تو خشکی کے شکار کی طرح اس کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے، اور چونکہ ٹڈی خشکی

([1]) قُلْت: وَلَهُ طَرِيقٌ آخَرُ، قَالَ ابْنُ مَرْدُوَيْهِ فِي تَفْسِيرِهِ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْبَاقِي بْنُ قَانِعٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَطَرٍ ثَنَا دَاوُد بْنُ رَاشِدٍ ثَنَا سُوَيْد بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ثَنَا أَبُو هِشَامٍ الْأَيْلِيُّ، قَالَ: سَمِعْت زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ يُحَدِّثُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَحِلُّ مِنْ الْمَيْتَةِ اثْنَانِ، وَمِنْ الدَّمِ اثْنَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَةُ فَالسَّمَكُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمُ، فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ"، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص492)

([2]) قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَأَخْرَجَ أَبُو دَاوُد، وَابْنُ مَاجَهْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ إسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا أَلْقَاهُ الْبَحْرُ، أَوْ جَزَرَ عَنْهُ، فَكُلُوهُ، وَمَا مَاتَ فِيهِ، وَطَفَا، فَلَا تَأْكُلُوهُ"، انْتَهَى. وَضَعَّفَهُ الْبَيْهَقِيُّ، فَقَالَ: وَيَحْيَى بْنُ سليم كثير الوهم، سيء الْحِفْظِ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُهُ مَوْقُوفًا، انْتَهَى. وَفِيهِ نَظَرٌ، فَإِنَّ يَحْيَى بْنَ سُلَيْمٍ أَخْرَجَ لَهُ الشَّيْخَانِ، فَهُوَ ثِقَةٌ، وَزَادَ فِيهِ الرَّفْعَ، وَنَقَلَ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِهِ عَنْ ابْنِ مَعِينٍ، قَالَ: هُوَ ثِقَةٌ، وَلَكِنْ فِي حِفْظِهِ شَيْءٌ، وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ تَكَلَّمَ النَّاسُ فِيهِ، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص492)

([3]) قُلْت: رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي الصَّيْدِ كَرَاهِيَتَهُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَعَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَكَذَا عَنْ ابْنِ الْمُسَيِّبِ، وَأَبِي الشَّعْثَاءِ، وَالنَّخَعِيِّ، وَطَاوُسٍ، وَالزُّهْرِيِّ، وَكَذَلِكَ فَعَلَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ، وَأَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي سُنَنِهِ إبَاحَتَهُ عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَأَبِي أَيُّوبَ. (نصب الراية:4ص494)

کا شکار ہے اس لیے اگر محرم نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر اس کے مناسب جزاء واجب ہوگی، لہٰذا خشکی کے دیگر جانوروں کی طرح اس کو بھی قتل کرنا ضروری ہے۔

{۱۲} امام مالکؒ پر حجت وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے جس میں فرمایا تھا کہ کہ ہمارے لیے دو مردار (مچھلی اور ٹڈی) حلال کر دیئے گئے ہیں اس لیے ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا ٹڈیوں کے بارے میں کہ کوئی شخص ان کو زمین سے پکڑتا ہے ان میں سے بعض مری ہوئی ہوتی ہیں اور بعض زندہ ہوتی ہیں، تو آپؓ نے فرمایا: "كُلْهُ كُلَّهُ[1]" (ان سب کو کھاؤ) یہ جملہ حضرت علیؓ کی فصاحت میں سے شمار کیا گیا ہے؛ کیونکہ اس میں دو ہم شکل کلموں کو جمع کیا ہے اور معنیٰ ہر ایک کا الگ ہے، بہر حال یہ ٹڈی کے حلال ہونے پر دلالت کرتا ہے اگرچہ وہ اپنی موت مری ہو۔ البتہ مچھلی کا حکم اس کے برخلاف ہے جب وہ کسی آفت کے بغیر مر جائے کہ یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ طافی مچھلی کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث وارد ہے اس لیے ہم نے تخصیص کر دی کہ مچھلی کی یہ قسم مکروہ ہے۔

{۱۳} پھر مچھلی کے بارے میں ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی آفت سے مر جائے مثلاً کسی نے اس کو پکڑ کر پانی سے نکال دیا تو ایسی مچھلی حلال ہے، اور اگر وہ بغیر کسی آفت کے اپنی موت مرے تو وہ حلال نہیں ہے جیسے طافی مچھلی، اور اس ضابطہ پر بہت ساری وہ فروع متفرع ہو سکتی ہیں جن کو ہم نے "كفاية المنتهى" میں بیان کیا، اور کوئی فائق شخص غور و فکر کے وقت ان پر مطلع ہو سکتا ہے، ان فروعات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی نے مچھلی کا بعض حصہ کاٹ دیا گیا جس سے وہ مر گئی تو جو حصہ الگ کیا گیا ہے اور جو باقی ہے دونوں حلال ہیں؛ کیونکہ جو باقی ہے اس کی موت تو آفت (کاٹنے) کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اس لیے حلال ہے، اور جو حصہ زندہ مچھلی سے کاٹا گیا ہے اور زندہ جانور سے کاٹا گیا ٹکڑا اگرچہ حلال نہیں ہوا کرتا ہے مگر چونکہ یہ مچھلی کا ٹکڑا ہے جو دریائی جانور ہے اور دریا کا مردار بھی حلال ہوتا ہے اس لیے یہ حصہ بھی حلال ہوگا۔

جو مچھلی شدتِ گرمی یا شدتِ سردی کی وجہ سے مر جائے اس کے بارے میں مشائخ کے دو قول ہیں ایک جواز کا اور دوسرا عدمِ جواز، مگر مختار جواز کا قول ہے لما فی مجمع الانہر: (وَإِنْ مَاتَ لِحَرٍّ أَوْ بَرْدٍ) أَوْ فِي كَدَرِ الْمَاءِ (فَفِيهِ رِوَايَتَانِ) فِي رِوَايَةِ

---

[1] قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَرَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: الْحِيتَانُ وَالْجَرَادُ ذَكِيٌّ كُلُّهُ، انْتَهَى. ثُمَّ أَخْرَجَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: الْحُوتُ ذَكِيٌّ كُلُّهُ، وَالْجَرَادُ ذَكِيٌّ كُلُّهُ، انْتَهَى. (نصب الراية:4ص494)

يُؤْكَلُ لِوُجُودِ السَّبَبِ بِمَوْتِهَا وَفِي الْمِنَحِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَحِلُّ أَكْلُهُ وَبِهِ أَخَذَ أَبُو اللَّيْثِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَفِي أُخْرَى لَا، لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يَقْتُلُ السَّمَكَ حَارًّا أَوْ بَارِدًا وَبِهِ أَخَذَ السَّرْخَسِيُّ. (مجمع الانہر:164/4)

كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ

یہ کتاب اضحیہ کے بیان میں ہے۔

اضحیہ لغت میں اس جانور کو کہتے ہیں جس کو ایام اضحیٰ میں ذبح کیا جائے تو یہ تسمیۃ الشیٔ باسم وقتہ کی قبیل سے ہے، اور شریعت میں مخصوص حیوان کو قربت کی نیت سے مخصوص وقت میں ذبح کرنے کو اضحیہ کہتے ہیں۔

"كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ" کی "كِتَابُ الذَّبَائِحِ" کے ساتھ مناسبت عموم خصوص مطلق کی ہے ذبائح عام مطلق اور اضحیہ خاص مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ خاص عام کے بعد ہوتا ہے اس لیے اضحیہ کو ذبائح کے بعد ذکر فرمایا ہے۔

{۱}قَالَ :الْأُضْحِيَةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ مُوسِرٍ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى عَنْ نَفْسِهِ وَعَنْ وَلَدِهِ الصِّغَارِ ؛أَمَّا

فرمایا: اور اضحیہ واجب ہے ہر آزاد، مسلمان، مقیم اور غنی پر اضحیہ کے دن اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے، بہر حال

الْوُجُوبُ فَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللهُ .وَعَنْهُ

وجوب تو امام صاحبؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ کا قول ہے اور دو روایتوں میں سے امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے، اور ان سے مروی ہے

أَنَّهَا سُنَّةٌ ، ذَكَرَهُ فِي الْجَوَامِعِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ .وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَاجِبَةٌ،

کہ سنت ہے ذکر فرمایا ہے اس کو جوامع میں اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا، اور ذکر کیا ہے امام طحاویؒ نے کہ امام صاحبؒ کے قول پر واجب ہے

وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ،وَهَكَذَا ذَكَرَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ الِاخْتِلَافَ{۲}وَجْهُ السُّنَّةِ قَوْلُهُ ﷺ

اور طرفینؒ کے قول پر سنتِ مؤکدہ ہے، اور اسی طرح ذکر کیا ہے بعض مشائخ نے اختلاف کو؛ سنت ہونے کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے

{ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ مِنْكُمْ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ شَيْئًا } وَالتَّعْلِيقُ بِالْإِرَادَةِ يُنَافِي

"جو شخص ارادہ رکھتا ہے کہ قربانی کرے تم میں سے تو نہ کاٹے اپنے بال اور اپنے ناخن میں سے کچھ" اور ارادہ کے ساتھ معلق کرنا منافی ہے

الْوُجُوبَ،وَلِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ وَاجِبَةً عَلَى الْمُقِيمِ لَوَجَبَتْ عَلَى الْمُسَافِرِ لِأَنَّهُمَا لَا يَخْتَلِفَانِ فِي الْوَظَائِفِ الْمَالِيَّةِ كَالزَّكَاةِ

وجوب کے، اور اس لیے کہ اگر قربانی واجب ہوتی مقیم پر تو واجب ہوتی مسافر پر؛ کیونکہ یہ دونوں مختلف نہیں وظائف مالیہ میں جیسے زکوۃ

وَصَارَ كَالْعَتِيرَةِ .﴿۳﴾وَوَجْهُ الْوُجُوبِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ
اور ہو گئی عتیرہ کی طرح۔ اور وجوب کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے "جو شخص وسعت پائے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہر گز قریب نہ آئے
مُصَلَّانَا } وَمِثْلُ هَذَا الْوَعِيدِ لَا يَلْحَقُ بِتَرْكِ غَيْرِ الْوَاجِبِ ، وَلِأَنَّهَا قُرْبَةٌ يُضَافُ
ہماری عید گاہ میں" اور اس طرح کی وعید لاحق نہیں ہوتی ہے غیر واجب چھوڑنے پر، اور اس لیے کہ قربانی ایسی قربت ہے جو منسوب ہوتا ہے
إلَيْهَا وَقْتُهَا . يُقَالُ يَوْمُ الْأَضْحَى ، وَذَلِكَ يُؤْذِنُ بِالْوُجُوبِ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ لِلِاخْتِصَاصِ وَهُوَ بِالْوُجُودِ
اس کی طرف اس کا وقت کہا جاتا ہے یوم الاضحیٰ، اور یہ خبر دیتا ہے وجوب کا؛ کیونکہ اضافت اختصاص کے لیے ہے اور اختصاص وجود سے ہوتا ہے
وَالْوُجُوبُ هُوَ الْمُفْضِي إلَى الْوُجُودِ ظَاهِرًا بِالنَّظَرِ إلَى الْجِنْسِ ،﴿۴﴾غَيْرَ أَنَّ الْأَدَاءَ يَخْتَصُّ بِأَسْبَابٍ يَشُقُّ
اور وجوب ہی پہنچاتا ہے وجود تک ظاہر میں جنس کی طرف نظر کرتے ہوئے، البتہ ادائیگی مختص ہے ایسے اسباب کے ساتھ جو دشوار ہے
عَلَى الْمُسَافِرِ اسْتِحْضَارُهَا وَيَفُوتُ بِمُضِيِّ الْوَقْتِ فَلَا تَجِبُ عَلَيْهِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ ،﴿۵﴾وَالْمُرَادُ بِالْإِرَادَةِ
مسافر کے لیے ان کو حاصل کرنا، اور فوت ہو جاتی ہے وقت گذرنے سے پس واجب نہ ہوگی مسافر پر جمعہ کی طرح، اور مراد ارادہ سے
فِيمَا رُوِيَ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ مَا هُوَ ضِدُّ السَّهْوِ لَا التَّخْيِيرُ .وَالْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ ، وَهِيَ شَاةٌ تُقَامُ
اس حدیث میں جو روایت کی گئی واللہ أعلم وہ ہے جو سہو کی ضد ہے نہ کہ تخییر، اور عتیرہ منسوخ ہے، اور عتیرہ وہ بکری ہے جو ذبح کی جاتی تھی
فِي رَجَبٍ عَلَى مَا قِيلَ ،﴿۶﴾وَإِنَّمَا اخْتَصَّ الْوُجُوبُ بِالْحُرِّيَّةِ لِأَنَّهَا وَظِيفَةٌ مَالِيَّةٌ لَا تَتَأَدَّى إلَّا بِالْمِلْكِ،
رجب میں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اور مختص ہے وجوب حریت کے ساتھ اس لیے کہ قربانی مالی وظیفہ ہے جو ادا نہیں ہوتا ہے مگر ملک سے
وَالْمَالِكُ هُوَ الْحُرُّ ؛ وَبِالْإِسْلَامِ لِكَوْنِهَا قُرْبَةً ، وَبِالْإِقَامَةِ لِمَا بَيَّنَّا،
اور مالک آزاد ہی ہوتا ہے، اور اسلام کے ساتھ؛ کیونکہ قربانی قربت ہے، اور اقامت کے ساتھ؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے،
وَالْيَسَارِ لِمَا رَوَيْنَامِنِ اشْتِرَاطِ السَّعَةِ ؛ وَمِقْدَارُهُ مَا
اور مالداری کے ساتھ؛ اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم روایت کر چکے یعنی وسعت کا شرط ہونا، اور مقدار مالداری کی وہ ہے جس سے
يَجِبُ بِهِ صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَقَدْ مَرَّ فِي الصَّوْمِ ، وَبِالْوَقْتِ وَهُوَ يَوْمُ الْأَضْحَى لِأَنَّهَا مُخْتَصَّةٌ بِهِ،
واجب ہوتا ہے صدقۂ فطر، اور گذر چکا روزے کی بحث میں، اور وقت کے ساتھ، اور وہ یوم اضحیٰ ہے؛ کیونکہ قربانی مختص ہے اسی کے ساتھ
وَسَنُبَيِّنُ مِقْدَارَهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .﴿۷﴾وَتَجِبُ عَنْ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ أَصْلٌ فِي الْوُجُوبِ عَلَيْهِ

اور ہم عنقریب بیان کریں گے اس کی مقدار ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور واجب ہے اپنی طرف سے؛ کیونکہ انسان اصل ہے اپنے اوپر وجوب کے اعتبار سے

عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَعَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ فَيُلْحَقُ بِهِ

جیسا ہم بیان کر چکے اس کو، اور اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے؛ کیونکہ وہ انسان کے نفس کے درجہ میں ہے پس وہ انسان کے ساتھ مل جاتا ہے

كَمَا فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ .وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللهُ .وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَنْ وَلَدِهِ

جیسا کہ صدقۂ فطر میں ہے، اور یہ روایت ہے حسنؒ کی امام صاحبؒ سے، اور مروی ہے امام صاحبؒ سے کہ واجب نہیں ہے بچے کی طرف سے

وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ .{8}بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَاكَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ

اور یہی ظاہر الروایت ہے، بر خلافِ صدقۂ فطر کے؛ کیونکہ سبب وہاں ایسی ذات ہے جس کا خرچہ انسان برداشت کرتا ہے اور اس کا والی ہوتا ہے

وَهُمَا مَوْجُودَانِ فِي الصَّغِيرِ وَهَذِهِ قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ .وَالْأَصْلُ فِي الْقُرَبِ أَنْ لَا تَجِبَ عَلَى الْغَيْرِ بِسَبَبِ الْغَيْرِ

اور یہ دونوں باتیں موجود ہیں بچے میں، اور یہ محض قربت ہے، اور اصل قربتوں میں یہ ہے کہ وہ واجب نہیں ہوتی ہیں ایک پر غیر کے سبب سے

وَلِهَذَا لَا تَجِبُ عَنْ عَبْدِهِ وَإِنْ كَانَ يَجِبُ عَنْهُ صَدَقَةُ فِطْرِهِ .{9}وَإِنْ كَانَ لِلصَّغِيرِ مَالٌ يُضَحِّي

اور اسی لیے واجب نہیں ہوتی ہے غلام کی طرف سے اگرچہ واجب ہوتا ہے اس کی طرف سے صدقۂ فطر۔ اور اگر بچے کا مال ہو تو قربانی کرے

عَنْهُ أَبُوهُ أَوْ وَصِيُّهُ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ.وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ:يُضَحِّي مِنْ مَالِ نَفْسِهِ

اس کی طرف سے اس کا باپ یا اس کا وصی اس کے مال سے شیخینؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے قربانی کرے اپنے مال سے

لَا مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ ،فَالْخِلَافُ فِي هَذَا كَالْخِلَافِ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ .وَقِيلَ لَا تَجُوزُ التَّضْحِيَةُ مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ ،فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا

نہ کہ بچے کے مال سے، پس اختلاف اس میں جیسا کہ اختلاف صدقۂ فطر میں ہے، اور کہا گیا ہے کہ قربانی جائز نہیں ہے بچے کے مال سے سب کے نزدیک

لِأَنَّ هَذِهِ الْقُرْبَةَ تَتَأَدَّى بِالْإِرَاقَةِ وَالصَّدَقَةُ بَعْدَهَا تَطَوُّعٌ ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ

کیونکہ قربت ادا ہوتی ہے خون بہانے سے اور صدقہ کرنا اس کے بعد تطوع ہے، پس جائز نہیں یہ بچے کے مال سے، اور بچے کے لیے ممکن نہیں

أَنْ يَأْكُلَ كُلَّهُ . {10}وَالْأَصَحُّ أَنْ يُضَحِّيَ مِنْ مَالِهِ وَيَأْكُلَ مِنْهُ مَا أَمْكَنَهُ وَيَبْتَاعَ بِمَا بَقِيَ مَا

کہ کھائے پورا گوشت، اور اصح یہ ہے کہ قربانی کرے اس کے مال سے اور کھائے اس نے جتنا ممکن ہو اور خرید لے باقی ماندہ سے ایسی چیز

يَنْتَفِعُ بِعَيْنِهِ

جس کے عین سے نفع اٹھایا جاسکے۔

تشریح:۔{۱} قربانی واجب ہے ہر مقیم اور مالدار مسلمان پر اضحیٰ کے دن اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ۔بہر حال قربانی کا وجوب طرفینؒ، امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ کا مسلک ہے اور ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے بھی وجوب کی مروی ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ مروی ہے کہ قربانی سنت ہے جس کو امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب "الجوامع" میں ذکر فرمایا ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اور امام طحاویؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ قربانی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ سنتِ مؤکدہ ہے، اور بعض مشائخ نے بھی اسی طرح اختلاف ذکر کیا ہے۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما في الدر المنتقى: (هي واجبة) على الصحيح عملاً لا اعتقاداً بقدرة ممكنة لا ميسرة كما مر في الفطرة ؛ بدليل وجوب تصدقه بعينه اوبقمتها لو مضت أيامها (الدر المنتقى تحت مجمع الانهر: 4ص166)

{۲} قربانی سنت ہونے کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "تم میں جو شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بالوں اور ناخن میں سے کچھ نہ کاٹے[1]" جس میں قربانی کو ارادہ پر معلق فرمایا ہے اور ارادہ پر معلق کرنا وجوب کے منافی ہے اس لیے قربانی واجب نہیں سنت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر قربانی مقیم پر واجب ہوتی ہے تو مسافر پر بھی واجب ہوتی ؛ کیونکہ عباداتِ مالیہ میں مقیم اور مسافر برابر ہوتے ہیں جیسے زکوۃ مقیم اور مسافر دونوں پر واجب ہے، اور جیسے عتیرہ مسافر پر واجب نہیں تو مقیم پر واجب نہیں ہے، بہر حال جب قربانی مسافر پر واجب نہیں ہے تو مقیم پر بھی واجب نہ ہوگی ورنہ عبادتِ مالی میں دونوں کا حکم مختلف ہو جائے گا۔ عتیرہ کی تعریف آگے ذکر کی ہے۔

{۳} قربانی کے وجوب کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے[2]" اور اس طرح کی وعید واجب کے علاوہ کو ترک کرنے پر لاحق نہیں ہوتی ہے اس لیے قربانی واجب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قربانی ایسی عبادت ہے جس کی طرف اس کا وقت مضاف ہوتا ہے کہا جاتا ہے "يَوْمُ الْأَضْحَى" اور کسی عبادت کی طرف وقت کی اضافت اس کے وجوب کی خبر دیتی ہے جیسے "يَوْمُ الْحَجِّ" اور "يَوْمُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ" میں یوم کی اضافت حج

([1])قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْجَمَاعَةُ إلَّا الْبُخَارِيَّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ مِنْكُمْ، وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ، وَأَظْفَارِهِ"،(نصب الراية:4ص496)

([2])قُلْتُ: أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ فِي سُنَنِهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا"، (نصب الراية:4ص497)

اور صدقۂ فطر کی طرف ان کے وجوب کی خبر دیتی ہے؛ کیونکہ اضافت اختصاص کے لیے ہے اور اختصاص اس وقت ثابت ہوگا کہ قربانی کا وجود ہو اور پوری جنسِ مکلفین کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر وجوب ہی وجود کی طرف مفضی ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر قربانی کو سنت قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ کسی وقت تمام مکلفین ترکِ قربانی پر اتفاق کرلیں اس طرح قربانی کا وجود نہیں پایا جائے گا پس اختصاص نہیں رہے گا لہٰذا وجودِ قربانی کے لیے وجوب ضروری ہے تاکہ اختصاص ثابت ہوسکے۔

{۴} باقی مسافر پر اس لیے واجب نہیں کہ قربانی ایسے اسباب کے ساتھ مختص ہے جن کا استحضار مسافر کے لیے مشکل ہوتا ہے مثلاً مخصوص قسم کا جانور خریدنا، اور اس کی حفاظت کرنا اور مخصوص ایام میں ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا اور تقسیم کرنا ایسے امور ہیں جو مسافر کے لیے مشکل ہیں اس لیے مسافر پر واجب نہیں۔ نیز قربانی کے مخصوص ایام ہیں جن کے گذرنے سے وہ فوت ہوجاتی ہے تو یہ نمازِ جمعہ کی طرح ہے کہ وہ مخصوص وقت کے گذرنے سے فوت ہوجاتی ہے تو جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے مسافر پر قربانی کو واجب نہیں کیا۔

{۵} اور فریقِ مخالف نے روایت میں موجود لفظ ارادہ سے جو استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ یہاں اختیار کے معنی میں نہیں ہے کہ جو چاہے قربانی کرلے اور جو چاہے چھوڑدے جس سے اس کے سنت ہونے پر استدلال کیا جائے، بلکہ یہ سہو کی ضد ہے یعنی جو اس واجب کو ادا کرنے کا قصد رکھتا ہے تو وہ بال اور ناخن نہ کاٹے، پس یہ "مَن اَرَادَ فَلیَتَوَضا" کی طرح ہے اس لیے اس سے سنت ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔ اور عتیرہ پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ عتیرہ منسوخ ہے اور منسوخ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور عتیرہ وہ بکری ہے جو زمانہ جاہلیت میں ماہ رجب میں ذبح کی جاتی تھی ابتداءِ اسلام میں بھی ذبح کی جاتی تھی پھر اسلام نے اس کو منسوخ کردیا۔

{٦} وجوبِ قربانی حریت کے ساتھ مختص ہے کہ آزاد پر واجب ہے غلام پر واجب نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اضحیہ مالی عبادت ہے جو ملک کے بغیر ادا نہیں ہوسکتی ہے اور مالک آزاد ہوتا ہے غلام مالک نہیں ہوتا ہے۔ اور اسلام کے ساتھ مختص ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کافر پر واجب نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ اور اقامت کے ساتھ مختص ہے مسافر پر واجب نہیں ہے؛ دلیل وہی ہے جو اوپر ہم بیان کرچکے۔ اور مالداری کے ساتھ مختص ہے فقیر پر واجب نہیں ہے؛ کیونکہ حدیث ہم روایت کرچکے کہ "جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے" جس میں وسعت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور مالداری کی وہ مقدار معتبر ہے جس کی وجہ سے صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے یعنی نصاب کا مالک

ہونا جس کی تفصیل "کتاب الصوم" کے "باب صدقة الفطر" میں گذر چکی ہے۔ اور قربانی وقت کے ساتھ مختص ہے اور وہ یوم الاضحیٰ ہے؛ کیونکہ قربانی انہیں ایام کے ساتھ مختص ہے، اور وقت کی مقدار کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کریں گے۔

﴿۷﴾ اور قربانی اپنی طرف سے واجب ہے؛ کیونکہ انسان اپنے اوپر وجوب کے سلسلے میں اصل ہے اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم باب صدقۃ الفطر میں بیان کر چکے کہ اس کا سبب وہ سر ہے جس پر بندہ کو ولایت حاصل ہو اور جس کا خرچہ بندہ پر ہو۔ اور اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے قربانی واجب ہے؛ کیونکہ چھوٹا بچہ آدمی کے نفس کے درجے میں ہے لہٰذا بچہ آدمی کے ساتھ لاحق ہو گا جیسے صدقۃ الفطر میں بچہ آدمی کے ساتھ لاحق ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے نفس اور چھوٹے بچے کی طرف سے صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اسی طرح قربانی بھی ان دونوں کی طرف سے واجب ہے، یہ امام صاحب ؒ سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے، اور دوسری روایت امام صاحب ؒ سے یہ مروی ہے کہ آدمی پر بچے کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہے، اور یہی ظاہر الروایت ہے۔

فتویٰ:۔ ظاہر الروایت راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ عَلَى الظَّاهِرِ) قَالَ فِي الْخَانِيَّةِ: فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ وَلَا يَجِبُ، بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ. وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يَجِبُ أَنْ يُضَحِّيَ عَنْ وَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ الَّذِي لَا أَبَ لَهُ، وَالْفَتْوَى عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ اهـ (ردّ المحتار: 5ص222)

﴿۸﴾ برخلافِ صدقۃ الفطر کے کہ وہ آدمی پر بچے کی طرف سے بھی واجب ہوتا ہے؛ کیونکہ وہاں سبب ایسا رأس (ذات) ہے جس کے نفقہ کا وہ ذمہ دار ہو اور اس پر اس کو ولایت حاصل ہو اور بچے میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں اس لیے بچے کا صدقۃ الفطر باپ پر ہو گا۔ جبکہ قربانی محض قربت اور عبادت ہے اور عبادات میں اصل یہ ہے کہ وہ کسی پر غیر کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ مولیٰ پر اپنے غلام کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہوتی ہے اگرچہ مولیٰ پر اپنے غلام کی طرف سے صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے لہٰذا باپ پر بچے کی طرف سے قربانی واجب نہ ہو گی۔

﴿۹﴾ اور اگر بچے کے پاس مال ہو تو شیخینؒ کے نزدیک بچے کا باپ یا وصی اس کی طرف سے اس کے مال سے قربانی کرے۔ اور امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باپ اپنے مال سے بچے کی طرف سے قربانی کرے بچے کے مال سے قربانی نہ کرے، پس قربانی میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے جیسا کہ صدقۃ الفطر میں ہے کہ شیخینؒ کے نزدیک بچے کے مال سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک بچے کے مال سے ادا نہیں کیا جائے گا۔

بعض مشائخؒ نے کہا ہے کہ بچے کے مال سے کسی کے نزدیک بھی قربانی نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ قربانی میں عبادت خون بہانے سے ادا ہو جاتی ہے اور خون بہانا بچے کے مال کو تلف کرنا ہے، اور خون بہانے کے بعد گوشت صدقہ کرنا تطوع ہے اور باپ کو نہ

بچے کا مال تلف کرنے کا اختیار ہے اور نہ اسے صدقہ کرنے کا اختیار ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بچہ سارا گوشت خود کھالے لہذا بچے کے مال سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

{۱۰}صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ بچے کے مال سے قربانی کی جائے گی اور وہ جتنا گوشت کھا سکے وہ کھالے اور باقی گوشت ایسی چیز کے بدلے فروخت کیا جائے جس کا عین باقی رہے اور بچہ اس سے نفع اٹھاتا رہے جیسے کپڑا اور گھریلو سامان وغیرہ۔

فتوی:۔ مگر فتویٰ صاحب ہدایہ کی تصحیح کے برخلاف ہے لما في الدر المختار: (وَيُضَحِّي عَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ مِنْ مَالِهِ) صَحَّحَهُ فِي الْهِدَايَةِ (وَقِيلَ لَا) صَحَّحَهُ فِي الْكَافِي. قَالَ: وَلَيْسَ لِلْأَبِ أَنْ يَفْعَلَهُ مِنْ مَالِ طِفْلِهِ، وَرَجَّحَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ. قُلْت: وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ لِمَا فِي مَتْنِ مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ مِنْ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا يُفْتَى بِهِ. وَعَلَّلَهُ فِي الْبُرْهَانِ بِأَنَّهُ إنْ كَانَ الْمَقْصُودُ الْإِتْلَافَ فَالْأَبُ لَا يَمْلِكُهُ فِي مَالِ وَلَدِهِ كَالْعِتْقِ أَوْ التَّصَدُّقِ بِاللَّحْمِ فَمَالُ الصَّبِيِّ لَا يَحْتَمِلُ صَدَقَةَ التَّطَوُّعِ، وَعَزَاهُ لِلْمَبْسُوطِ فَلْيُحْفَظْ. (الدر المختار على هامش ردّ المحتار:223/5)

{۱}قَالَ : وَيَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً أَوْ يَذْبَحُ بَقَرَةً أَوْ بَدَنَةً عَنْ سَبْعَةٍ ؛ وَالْقِيَاسُ أَنْ

فرمایا: اور ذبح کردے ہر ایک کی جانب سے ان میں سے بکری، اور ذبح کردے گائے یا اونٹ سات کی طرف سے، اور قیاس یہ ہے کہ

لَا تَجُوزَ إلَّا عَنْ وَاحِدٍ ، لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْقُرْبَةُ ، إلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْأَثَرِ وَهُوَ

جائز نہ ہو مگر ایک کی جانب سے؛ کیونکہ خون بہانا ایک ہے اور وہی قربت ہے، مگر ہم نے چھوڑ دیا قیاس کو اثر کی وجہ سے اور اثر وہ ہے

مَارُوِيَ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ {نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ}.

جو مروی حضرت جابرؓ سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے ذبح کی رسول اللہ کے ساتھ گائے سات کی طرف سے اور اونٹ سات کی طرف سے

وَلَا نَصَّ فِي الشَّاةِ، فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ. وَتَجُوزُ عَنْ سِتَّةٍ أَوْ خَمْسَةٍ أَوْ ثَلَاثَةٍ {۲}ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ،

اور نص نہیں ہے بکری میں پس وہ باقی رہی اصل قیاس پر، اور جائز ہے پانچ یا چھ یا تین کی طرف سے ذکر کیا ہے اس کو امام محمدؒ نے مبسوط میں

لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ عَنِ السَّبْعَةِ فَعَمَّنْ دُونَهُمْ أَوْلَى ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ ثَمَانِيَةٍ أَخْذًا

کیونکہ جب جائز ہے سات کی طرف سے تو ان سے کم کی طرف سے بطریقہ اولیٰ جائز ہے، اور جائز نہیں ہے آٹھ کی طرف عمل کرتے ہوئے

بِالْقِيَاسِ فِيمَا لَا نَصَّ فِيهِ {۳}وَكَذَا إذَا كَانَ نَصِيبُ أَحَدِهِمْ أَقَلَّ مِنَ السُّبُعِ ، وَلَا تَجُوزُ

قیاس پر ان چیزوں میں جن کے بارے میں نص نہیں ہے، اور اسی طرح جب حصہ ان میں سے ایک کا کم ہو ساتویں حصے سے تو جائز نہ ہوگی

عَنِ الْكُلِّ لِانْعِدَامِ وَصْفِ الْقُرْبَةِ فِي الْبَعْضِ ، وَسَنُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .{۴}وَقَالَ مَالِكٌ:

کل کی طرف سے؛ بوجہ معدوم ہونے وصفِ قربت کے بعض میں اور ہم عنقریب بیان کریں گے اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور فرمایا امام مالکؒ نے

تَجُوزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتَيْنِ وَإِنْ كَانُوا أَقَلَّ مِنْهَا

جائز ہے ایک گھر والوں کی جانب سے اگرچہ وہ زیادہ ہوں سات سے، اور جائز نہیں ہے دو گھر والوں کی طرف سے اگرچہ کم ہوں سات سے

لِقَوْلِهِ ﷺ "{عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحَاةٌ وَعَتِيرَةٌ } قُلْنَا : الْمُرَادُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ قَيِّمُ أَهْلِ الْبَيْتِ

کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "ہر گھر والوں پر ہر سال میں اضحیہ اور عتیرہ ہے"، ہم کہتے ہیں مراد اس سے واللہ اعلم منتظم ہے گھر والوں کا

لِأَنَّ الْيَسَارَ لَهُ يُؤَيِّدُهُ مَا يُرْوَى " { عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحَاةٌ وَعَتِيرَةٌ }

کیونکہ مالداری اسی کے لیے ہوتی ہے، اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث جو مروی ہے "ہر مسلمان پر ہر سال میں قربانی اور عتیرہ ہے"

{۵}وَلَوْ كَانَتِ الْبَدَنَةُ بَيْنَ اثْنَيْنِ نِصْفَيْنِ تَجُوزُ فِي الْأَصَحِّ ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ

اور اگر ہو بدنہ دو آدمیوں میں مشترک نصف نصف تو جائز ہے اصح روایت کے مطابق؛ کیونکہ جب جائز ہے سات میں سے تین حصے

جَازَ نِصْفُ السُّبُعِ تَبَعًا ،{۶}وَإِذَا جَازَ عَلَى الشَّرِكَةِ فَقِسْمَةُ اللَّحْمِ بِالْوَزْنِ لِأَنَّهُ مَوْزُونٌ،

تو جائز ہوگا نصف سات کا تابع ہو کر اس کا، اور جب جائز ہے شرکت کے طور پر تو گوشت کی تقسیم وزن سے ہوگی؛ کیونکہ گوشت موزونی چیز ہے

وَلَوِ اقْتَسَمُوا جُزَافًا لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا كَانَ مَعَهُ شَيْءٌ مِنَ الْأَكَارِعِ وَالْجِلْدِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ{۷}قَالَ : وَلَوِ

اور اگر انہوں نے تقسیم کیا اٹکل سے تو جائز نہیں، مگر جبکہ ہو اس کے ساتھ کچھ کھر اور کھال میں سے قیاس کرتے ہوئے بیع پر۔ فرمایا: اور اگر

اشْتَرَى بَقَرَةً يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا عَنْ نَفْسِهِ ثُمَّ اشْتَرَكَ فِيهَا سِتَّةٌ مَعَهُ جَازَ اسْتِحْسَانًا ؛ وَفِي الْقِيَاسِ

خرید لی گائے اس ارادہ سے کہ قربانی کرے گا اس کو اپنی طرف سے پھر شریک کئے اس میں چھ اپنے ساتھ تو جائز ہے استحساناً، اور قیاس کے مطابق

لَا يَجُوزُ ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّهُ أَعَدَّهَا لِلْقُرْبَةِ فَيُمْنَعُ عَنْ بَيْعِهَا تَمَوُّلًا

جائز نہیں ہے، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ اس نے مہیا کیا اس کو قربت کے لیے پس ممتنع ہے اس کو فروخت کرنا مال لینے کی غرض سے

وَالِاشْتِرَاكُ هَذِهِ صِفَتُهُ .وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ قَدْ يَجِدُ بَقَرَةً سَمِينَةً يَشْتَرِيهَا وَلَا يَظْفَرُ بِالشُّرَكَاءِ وَقْتَ الْبَيْعِ،

اور اشتراک کی یہی صفت ہے، وجہِ استحسان یہ ہے کہ کبھی پالیتا ہے موٹی گائے اور خرید لیتا ہے اس کو، اور کامیاب نہیں ہوتا شرکاء پانے پر بیع کے وقت

وَإِنَّمَا يَطْلُبُهُمْ بَعْدَهُ فَكَانَتِ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ مَاسَّةً فَجَوَّزْنَاهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ ، وَقَدْ أَمْكَنَ
اور طلب کرتا ہے ان کو اس کے بعد، پس حاجت درپیش ہے اس کی، پس ہم نے جائز قرار دیا اس کو دفع کرتے ہوئے حاجت کو، اور یہ ممکن ہے

لِأَنَّ بِالشِّرَاءِ لِلتَّضْحِيَةِ لَا يَمْتَنِعُ الْبَيْعُ، وَالْأَحْسَنُ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ قَبْلَ الشِّرَاءِ لِيَكُونَ أَبْعَدَ عَنِ الْخِلَافِ، وَعَنْ صُورَةِ الرُّجُوعِ
کیونکہ قربانی کے لیے خرید سے ممتنع نہیں ہوتی ہے بیع، اور بہتر یہ ہے کہ اشتراک کر لے خرید سے پہلے؛ تاکہ دور ہو اختلاف اور صورت رجوع سے

فِي الْقُرْبَةِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُكْرَهُ الِاشْتِرَاكُ بَعْدَ الشِّرَاءِ لِمَا بَيَّنَّا{٨}قَالَ : وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيرِ
قربت میں، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ مکروہ ہے اشتراک خرید کے بعد اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ فرمایا: اور نہیں ہے فقیر

وَالْمُسَافِرِ أُضْحِيَّةٌ ؛ لِمَا بَيَّنَّا .وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانَا لَا يُضَحِّيَانِ إِذَا كَانَا مُسَافِرَيْنِ ، وَعَنْ عَلِيٍّ:
اور مسافر پر قربانی؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما قربانی نہیں کرتے تھے جب وہ ہوتے مسافر، اور حضرت علیؓ سے مروی ہے

وَلَيْسَ عَلَى الْمُسَافِرِ جُمُعَةٌ وَلَا أُضْحِيَّةٌ{٩}قَالَ :وَوَقْتُ الْأُضْحِيَّةِ يَدْخُلُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ
کہ نہیں ہے مسافر پر جمعہ اور اضحیہ، مصنفؒ نے فرمایا: اور وقت قربانی کا داخل ہوتا ہے طلوع فجر سے عید کے دن، البتہ جائز نہیں ہے

لِأَهْلِ الْأَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتَّى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ الْعِيدَ، فَأَمَّا أَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُونَ بَعْدَ الْفَجْرِ .وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ ﷺ
شہر والوں کے لیے قربانی یہاں تک کہ نماز پڑھے امام عید کی، رہے دیہاتی تو وہ ذبح کریں گے فجر کے بعد، اور اصل اس بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ مَنْ ذَبَحَ شَاةً قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ ذَبِيحَتَهُ ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ }
"جس نے قربانی ذبح کر لی نماز سے پہلے تو وہ لوٹائے اپنی قربانی، اور جو ذبح کرلے نماز کے بعد تو تام ہوگئی اس کی قربانی، اور پالیا مسلمانوں کا طریقہ"

وَقَالَ ﷺ {إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ الصَّلَاةُ ثُمَّ الْأُضْحِيَّةُ}{١٠}غَيْرَ أَنَّ هَذَا الشَّرْطَ فِي حَقِّ مَنْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَهُوَ الْمِصْرِيُّ
اور فرمایا: "ہماری پہلی عبادت اس دن میں نماز ہے پھر قربانی ہے" البتہ یہ شرط ہے اس کے حق میں جس پر نماز ہے، اور وہ شہری ہے

دُونَ أَهْلِ السَّوَادِ ، لِأَنَّ التَّأْخِيرَ لِاحْتِمَالِ التَّشَاغُلِ بِهِ عَنِ الصَّلَاةِ ، وَلَا مَعْنَى لِلتَّأْخِيرِ فِي حَقِّ الْقَرَوِيِّ
نہ کہ دیہات والوں پر، اور اس لیے کہ تاخیر نماز سے مشغول ہونے کے احتمال پر ہے، اور کوئی معنی نہیں ہے تاخیر کا دیہاتی کے حق میں

وَلَا صَلَاةَ عَلَيْهِ{١١}وَمَا رَوَيْنَاهُ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ فِي نَفْيِهِمَا الْجَوَازَ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَبْلَ نَحْرِ الْإِمَامِ،
حالانکہ نماز نہیں ہے اس پر، اور ہم نے جو حدیث روایت کی وہ حجت ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ پر نفی جواز کے سلسلے میں نماز کے بعد امام کی قربانی سے پہلے

{١٢}ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ، حَتَّى لَوْ كَانَتْ فِي السَّوَادِ وَالْمُضَحِّي فِي الْمِصْرِ يَجُوزُ كَمَا انْشَقَّ الْفَجْرُ

پھر معتبر اس میں قربانی کا مکان ہے، حتی کہ اگر قربانی دیہات میں ہو اور قربانی کرنے والا شہر میں ہو تو جائز ہے جیسا ہی طلوع فجر ہو،

وَلَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ لَا يَجُوزُ إِلَّا بَعْدَ الصَّلَاةِ .وَحِيلَةُ الْمِصْرِيِّ إِذَا أَرَادَ التَّعْجِيلَ أَنْ يَبْعَثَ بِهَا

اور اگر ہو اس کے برعکس تو جائز نہیں ہے مگر نماز کے بعد، اور شہری کے لیے حیلہ یہ ہے اگر وہ ارادہ رکھتا ہو جلدی کا کہ بھیج دے قربانی

إِلَى خَارِجِ الْمِصْرِ فَيُضَحِّي بِهَا كَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ .{۱۳}لِأَنَّهَا تُشْبِهُ الزَّكَاةَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا تَسْقُطُ

شہر سے باہر پس ذبح کرے اسے جیسا ہی طلوع فجر ہو، اور یہ اس لیے کہ قربانی مشابہ ہے زکوۃ کے اس اعتبار سے کہ یہ ساقط ہو جاتی ہے

بِهَلَاكِ الْمَالِ قَبْلَ مُضِيِّ أَيَّامِ النَّحْرِ كَالزَّكَاةِ بِهَلَاكِ النِّصَابِ فَيُعْتَبَرُ فِي الصَّرْفِ مَكَانُ الْمَحَلِّ لَا مَكَانُ الْفَاعِلِ

مال ہلاک ہونے سے ایام نحر گذرنے سے پہلے جیسے زکوۃ نصاب ہلاک ہونے سے، پس معتبر ہو گا ادائیگی کے لیے مکان محل (مال) نہ کہ مکان فاعل

اعْتِبَارًا بِهَا ، بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِأَنَّهَا لَا تَسْقُطُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ

قیاس کرتے ہوئے زکوۃ پر، برخلاف صدقہ فطر کے؛ کیونکہ وہ ساقط نہیں ہوتا ہے مال ہلاک ہونے سے طلوع فجر کے بعد عید الفطر کے دن

{۱۴}وَلَوْ ضَحَّى بَعْدَمَا صَلَّى أَهْلُ الْمَسْجِدِ وَلَمْ يُصَلِّ أَهْلُ الْجَبَّانَةِ أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مُعْتَبَرَةٌ ، حَتَّى

اور اگر قربانی کی بعد اس کے کہ نماز پڑھی اہل مسجد نے حالانکہ نہ پڑھی ہو عید گاہ والوں نے تو جائز ہے استحساناً؛ کیونکہ یہ معتبر نماز ہے حتی

لَوِ اكْتَفَوْا بِهَا أَجْزَأَتْهُمْ وَكَذَا عَلَى عَكْسِهِ .وَقِيلَ هُوَ جَائِزٌ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا

کہ اگر لوگوں نے اکتفا کیا اس پر تو ان کی نماز کافی ہو جائے گی، اور اسی طرح اس کے برعکس ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے قیاساً و استحساناً

تشریح:۔{۱} آدمی اور اس کی اولاد میں سے ہر ایک کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، یا گائے یا اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ گائے اور اونٹ فقط ایک شخص کی طرف سے جائز ہو؛ کیونکہ خون بہانا ایک ہے متعدد نہیں ہے اور خون بہانا ہی قربت ہے لہٰذا ایک کی طرف سے صحیح ہونا چاہیے، مگر ہم نے اس قیاس کو حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا[1]، لہٰذا گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہو جائیں گے، مگر بکری کے بارے میں چونکہ حدیث وارد نہیں ہے لہٰذا وہ اصل قیاس پر باقی ہے کہ ایک کی طرف سے ایک بکری کافی ہو گی۔

([1])قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيَّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحُدَيْبِيَةِ، الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، انْتَهَى. وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهِلِّينَ بِالْحَجِّ، فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْتَرِكَ فِي الْإِبِلِ، وَالْبَقَرِ، كُلُّ سَبْعَةٍ مِنَّا فِي بَدَنَةٍ، (نصب الراية:4ص500)

{۲}صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے مبسوط میں ذکر فرمایا ہے کہ گائے اور اونٹ پانچ یا چھ یا تین کی طرف سے ذبح کرنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ جب سات کی طرف سے جائز ہے تو سات سے کم کی طرف سے بطریقۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ البتہ آٹھ آدمیوں کی طرف سے جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جس عدد کے بارے میں نص نہیں ہے اس میں اصل قیاس پر عمل کیا جائے گا کہ ایک گائے یا اونٹ ان کی طرف سے جائز نہ ہو۔

{۳}اسی طرح اگر سات آدمیوں میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو تو بھی کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ جس کا حصہ کم ہے اس میں وصفِ قربت نہیں رہا اور جب بعض میں وصفِ قربت نہ رہا تو کل میں نہیں رہے گا؛ کیونکہ وصفِ قربت میں تجزی نہیں ہے، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم آگے بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

{۴}امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے جائز ہے اگرچہ وہ گھر والے سات سے زیادہ ہوں ،اور دو گھر والوں کی طرف سے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ سات سے کم ہوں؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے[1]" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے گھر والوں پر ایک قربانی ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے گھر کا منتظم اور نگران مراد ہو کہ قربانی فقط اسی کی طرف سے ہوگی؛ کیونکہ گھر کا منتظم ہی غنی ہوتا ہے جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری حدیث مروی ہے کہ "ہر مسلمان پر ہر سال میں قربانی اور عتیرہ ہے" چونکہ یہ روایت محکم ہے اور امام مالکؒ کی پیش کردہ روایت محتمل ہے لہٰذا محتمل کو محکم پر محمول کیا جائے گا۔

{۵}اگر اونٹ دو آدمیوں کے درمیان نصف نصف مشترک ہو اور دونوں نے اس کی قربانی کی تو اصح روایت کے مطابق یہ جائز ہے؛ کیونکہ ہر ایک کے حصے میں ساڑھے تین حصے آئیں گے جن میں سے اونٹ کے تین سالم ساتویں حصے ایک کی جانب سے صحیح ہیں تو سات حصوں میں سے ساتویں حصے کا آدھا بھی تبعاً صحیح ہوگا۔

{۶}اور قربانی جب شرکت کے طریقہ پر جائز ہے تو شرکاء پر گوشت کی تقسیم وزن سے ہوگی اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ گوشت وزنی چیز ہے اور وزنی چیز کو اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ایک کے حصے کے ساتھ پائے اور چمڑا وغیرہ ہوں تو پھر اندازے سے تقسیم کرنا بھی جائز ہوگا؛ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ گوشت کی بیع گوشت کے عوض

---

(1)قلت: أخرجه أصحاب السنن الأربعة عن ابن عون عن أبي رملة ثنا مخنف بن سليم، قال: كنا وقوفا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعرفات، فقال: "يا أيها الناس على كل أهل بيت في كل عام أضحاة، وعتيرة، أتدرون ما العتيرة؟ هي التي يقول الناس: إنها الرجبية"، (نصب الراية:4ص502)

اندازے سے جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی طرف سے گوشت کے ساتھ پائے وغیرہ ہوں تو پھر اندازے سے بیع جائز ہے اسی طرح حکم بھی ہے۔

{7} اگر کسی نے گائے خریدی اور ارادہ یہ تھا کہ اس کو اپنی طرف سے قربانی کروں گا، پھر اس میں اپنے ساتھ چھ لوگوں کو شریک کر دیا تو یہ استحساناً جائز ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ کیونکہ یہ گائے اس نے قربت کے لیے مہیا کی ہے تو مال حاصل کرنے کے لیے اس کو فروخت کرنے سے منع کیا جائے گا حالانکہ شریک کرنے میں یہی بات پائی جاتی ہے کہ تمول کے لیے اس کے چھ حصے فروخت کئے جا رہے ہیں۔

وجہِ استحسان یہ ہے کہ کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ بندہ موٹی گائے پالیتا ہے اور اس کو خرید لیتا ہے اور بیع کے وقت وہ شرکاء کو نہیں پاتا ہے، بلکہ اس کے بعد شرکاء کو طلب کرتا ہے لہٰذا اس صورت کی ضرورت ہے پس دفع حرج کے لیے ہم نے اس کو جائز قرار دیا اور اس اشراک سے دفع حرج ممکن بھی ہے اس لیے کہ قربانی کے لیے خریدنے سے بیع ممتنع نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اضحیہ خرید لیا، پھر اس کو فروخت کیا اور اس جیسا اور جانور خرید اتو اس میں کوئی حرج نہیں ہے معلوم ہوا کہ قربانی کے لیے خریدنے سے بیع ممتنع نہیں ہوتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے چھ آدمیوں کے ساتھ اشتراک کر دے؛ تاکہ اختلاف سے دور ہو اور دوسرے کو شریک کر کے تنہا اس کو ذبح کرنے کی قربت سے رجوع کرنے کی صورت سے دور ہو۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ خرید کے بعد اشتراک مکروہ ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ قربت کے لیے مہیا کرنے کی وجہ سے تمول کے لیے اس کی بیع ممتنع ہے۔

{8} فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ قربانی کے وجوب کے لیے مالدار ہونا اور مقیم ہونا شرط ہے۔ نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مسافر ہوتے تو وہ قربانی نہیں کرتے تھے[1]، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسافر پر جمعہ اور اضحیہ نہیں ہے[2]۔

{9} قربانی کا وقت عید کے دن طلوع فجر سے داخل ہوتا ہے، البتہ شہر والوں کے لیے قربانی اس وقت تک ذبح کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ امام عید کی نماز نہیں پڑھے گا، ہاں گاؤں والے طلوع فجر کے بعد قربانی ذبح کر سکتے ہیں؛ اس بارے میں

---

(1) قوله: رُوِيَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ كَانَا لَا يُضَحِّيَانِ إِذَا كَانَا مُسَافِرَيْنِ، قُلْتُ: غَرِيبٌ. (نصب الراية:4ص502)

(2) قوله: وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه: لَيْسَ عَلَى الْمُسَافِرِ جُمُعَةٌ، وَلَا أُضْحِيَّةٌ، قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَجَهِلَ مَنْ قَالَ: إنَّهُ تَقَدَّمَ فِي الْجُمُعَةِ، وَالَّذِي تَقَدَّمَ فِي الْجُمُعَةِ إنَّمَا حَدِيثُ عَلِيٍّ مَرْفُوعًا: لَا جُمُعَةَ، وَلَا تَشْرِيقَ، وَلَا أَضْحَى، وَلَا فِطْرَ، إلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ، لَمْ يَتَقَدَّمْ غَيْرُهُ. (نصب الراية:4ص502)

اصل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کردی وہ اپنے ذبیحہ کا اعادہ کرے اور جس نے نماز کے بعد ذبح کردی تو اس کی قربانی تام ہوگئی اور وہ پہنچ گیا مسلمانوں کے طریقے کو"[1]، اور حضور ﷺ نے فرمایا "اس دن ہمارا پہلا عمل نماز ہے پھر اضحیہ ہے"[2] جس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد ہے۔

{۱۰} البتہ قربانی کا نماز سے مؤخر ہونے کی شرط اس شخص کے حق میں ہے جس پر عید کی نماز واجب ہو اور وہ شہری آدمی ہے دیہاتی کے حق میں یہ شرط نہیں ہے؛ کیونکہ نص من علیہ الصلوۃ کے حق میں وارد ہے اور من علیہ الصلوۃ شہری ہے نہ کہ دیہاتی۔ اور اس لیے کہ یہ تاخیر اس احتمال کی وجہ سے ہے کہ کہیں قربانی کے ساتھ مشغول ہو کر نماز نہ چھوٹ جائے پس دیہاتی کے حق میں تاخیر کا کوئی معنی نہیں ہے؛ کیونکہ اس پر نمازِ عید واجب نہیں ہے۔

{۱۱} امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی نماز کے بعد بھی اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ پہلے امام قربانی نہ کرے، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو حدیث روایت کی یعنی "جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی تام ہوگئی" وہ ان دونوں حضرات پر حجت ہے؛ کیونکہ اس میں امام کی قربانی کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ نماز کا ذکر ہے۔

{۱۲} پھر اس سلسلے میں اضحیہ کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں ہے حتی کہ اگر اضحیہ دیہات میں ہو اور قربانی کرنے والا شہر میں ہو تو جیسے ہی طلوعِ فجر ہو جائے اس قربانی کو ذبح کرنا جائز ہے نمازِ عید سے تاخیر شرط نہیں ہے، اور اگر اس کے برعکس ہو کہ اضحیہ شہر میں ہو اور قربانی کرنے والا دیہات میں ہو تو نمازِ عید سے پہلے جائز نہیں۔ اور اگر شہری آدمی نے چاہا کہ اس کی قربانی نمازِ عید سے پہلے ذبح ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اضحیہ شہر سے باہر بھیج دے اور وہاں جیسا ہی طلوعِ فجر ہو جائے اس کو ذبح کردے تو یہ جائز ہے نماز سے مؤخر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

{۱۳} اضحیہ کا مکان معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اضحیہ زکوۃ کے مشابہ ہے یوں کہ نصاب ہلاک ہونے کی وجہ سے زکوۃ کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح ایام نحر گذرنے سے پہلے اگر مال ہلاک ہو جائے تو قربانی بھی ساقط ہو جاتی ہے اور زکوۃ میں محل (مال) کی جگہ کا اعتبار ہے فاعل کا اعتبار نہیں یعنی مال جہاں ہے وہاں کے فقراء کو زکوۃ دی جائے گی مالک کا اعتبار نہیں ہے جہاں بھی

([1]) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: ضَحَّى خَالِي أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ"، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إنَّ عِنْدِي جَذَعَةً مِنْ الْمَعْزِ، فَقَالَ: "ضَحِّ بِهَا، وَلَا تَصْلُحُ لِغَيْرِك"، ثُمَّ قَالَ: "مَنْ ضَحَّى قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ، وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ". (نصب الرایۃ:4ص503)

([2]) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ بِمَعْنَاهُ عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ، فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ، فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ، قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنْ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ". (نصب الرایۃ:4ص504)

تشریح الہدایہ

ہو، اسی طرح قربانی میں بھی محل (مال) کی جگہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ فاعل کی جگہ کا، باقی صدقۂ فطر کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ عید الفطر کے دن طلوعِ فجر کے بعد مال ہلاک ہونے سے صدقۂ فطر ساقط نہیں ہوتا ہے اس لیے زکوۃ کے ساتھ اس کی مشابہت نہیں ہے لہٰذا صدقۂ فطر میں فاعل کا اعتبار ہوگا نہ کہ محل کا پس صدقۂ فطر ادا کرنے والا جہاں ہو وہاں صدقہ ادا کرے گا بچے اور غلام وغیرہ جہاں ہیں وہاں کا اعتبار نہ ہوگا۔

{۱۴} اگر کسی نے قربانی اس وقت ذبح کرلی کہ مسجد والوں نے عید کی نماز پڑھ لی، مگر عید گاہ والوں نے ابھی تک نہ پڑھی ہو تو استحساناً یہ کفایت کرے گی؛ کیونکہ مسجد میں عید کی نماز پڑھنا معتبر نماز ہے حتی کہ اگر لوگوں نے اسی پر اکتفا کیا تو یہ ان کے لیے کافی ہو جائے گی، اسی طرح اگر اس کے برعکس ہو یعنی عید گاہ والوں نے نماز پڑھی اور مسجد والوں نے نہ پڑھی ہو تو بھی یہی حکم ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ صورت قیاساً واستحساناً دونوں اعتبار سے جائز ہے؛ کیونکہ عید کی نماز میں مسنون عید گاہ کی طرف نکلنا ہے پس عید گاہ والے اصل ہیں اور عید گاہ والوں نے نماز پڑھ لی ہے اس لیے یہ صورت قیاس واستحسان ہر دو اعتبار سے جائز ہے۔

{۱} قَالَ : وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ : يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ - وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ

فرمایا: اور قربانی جائز ہے تین دنوں میں یعنی یوم النحر اور دو دن اس کے بعد، اور فرمایا امام شافعیؒ نے تین دن تک یوم النحر کے بعد؛

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا أَيَّامُ ذَبْحٍ} {۲} وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہم

حضورؐ کا ارشاد ہے "ایام التشریق سب ایام ذبح ہیں" اور ہمارے لیے دلیل وہ حدیث ہے جو مروی ہے حضرت عمر، حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے

أَنَّهُمْ قَالُوا : أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا وَقَدْ قَالُوهُ سَمَاعًا لِأَنَّ الرَّأْيَ لَا يَهْتَدِي إِلَى الْمَقَادِيرِ،

انہوں نے فرمایا: ایام نحر تین ہیں ان میں سے اول سب سے افضل ہے، اور انہوں نے کہا ہے سن کر؛ کیونکہ رائے راہ نہیں پاتی ہے مقدار کی طرف

وَفِي الْأَخْبَارِ تَعَارُضٌ فَأَخَذْنَا بِالْمُتَيَقَّنِ وَهُوَ الْأَقَلُّ ، وَأَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا كَمَا قَالُوا وَلِأَنَّ

اور اخبار میں تعارض ہے پس ہم نے لے لیا متیقن اور وہ اقل ہے، اور ان دنوں میں سے افضل اول دن ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا؛ اور اس لیے کہ

فِيهِ مُسَارَعَةً إِلَى أَدَاءِ الْقُرْبَةِ وَهُوَ الْأَصْلُ إِلَّا لِمُعَارِضٍ . {۳} وَيَجُوزُ الذَّبْحُ فِي لَيَالِيهَا إِلَّا أَنَّهُ

اس میں سبقت ہے اداء قربت کی طرف، اور یہی اصل ہے، مگر کسی معارض کی وجہ سے۔ اور جائز ہے ذبح ان ایام کی راتوں میں، مگر

يُكْرَهُ لِاحْتِمَالِ الْغَلَطِ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ ، وَأَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ ثَلَاثَةٌ ، وَالْكُلُّ يَمْضِي بِأَرْبَعَةٍ أَوَّلُهَا

مکروہ ہے احتمال غلطی کی وجہ سے تاریکی رات میں، اور ایام نحر تین ہیں اور ایام تشریق تین ہیں، اور سب گذرتے ہیں چار دنوں سے اول ان کا

نَحْرٌ لَا غَيْرُ وَآخِرُهَا تَشْرِيقٌ لَا غَيْرُ ، وَالْمُتَوَسِّطَانِ نَحْرٌ وَتَشْرِيقٌ ،{۴}وَالتَّضْحِيَةُ فِيهَا أَفْضَلُ

نحر ہے نہ کہ غیر ، اور آخری ان کا تشریق ہے نہ کہ غیر، اور درمیانی دو دن نحر اور تشریق ہیں، اور قربانی کرنا ان دنوں میں افضل ہے

مِنَ التَّصَدُّقِ بِثَمَنِ الْأُضْحِيَّةِ لِأَنَّهَا تَقَعُ وَاجِبَةً أَوْ سُنَّةً ، وَالتَّصَدُّقُ تَطَوُّعٌ مَحْضٌ فَتَفْضُلُ عَلَيْهِ ، لِأَنَّهَا

ثمن اضحیہ صدقہ کرنے سے؛ کیونکہ قربانی واقع ہوگی واجب یا سنت، اور صدقہ کرنا محض تطوع ہے، پس قربانی افضل ہوگی صدقہ پر، اس لیے کہ قربانی

تَفُوتُ بِفَوَاتِ وَقْتِهَا ، وَالصَّدَقَةُ يُؤْتَى بِهَا فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا فَنُزِّلَتْ مَنْزِلَةَ الطَّوَافِ وَالصَّلَاةِ فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ

فوت ہوتی ہے اس کا وقت فوت ہونے سے، اور صدقہ دیا جاسکتا ہے تمام اوقات میں پس اتاری جائے گی طواف اور آفاقی کے حق میں نماز کے درجے میں

{۵}وَلَوْلَمْ يُضَحِّ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّحْرِ إِنْ كَانَ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ كَانَ فَقِيرًا وَقَدِ اشْتَرَى الْأُضْحِيَّةَ

اور اگر قربانی نہیں کی یہاں تک کہ گذر گئے ایام نحر، تو اگر اس نے واجب کی تھی اپنے نفس پر یا ہو وہ فقیر اور اس نے خرید لی ہو اضحیہ

تَصَدَّقَ بِهَا حَيَّةً وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا تَصَدَّقَ بِقِيمَةِ شَاةٍ اشْتَرَى أَوْ لَمْ يَشْتَرِ ؛ لِأَنَّهَا

تو وہ صدقہ کرے اس کے بدلے زندہ، اور اگر ہو وہ غنی تو صدقہ کردے بکری کی قیمت خواہ اس نے خریدی ہو یا نہ خریدی ہو؛ کیونکہ قربانی

وَاجِبَةٌ عَلَى الْغَنِيِّ .وَتَجِبُ عَلَى الْفَقِيرِ بِالشِّرَاءِ بِنِيَّةِ التَّضْحِيَةِ عِنْدَنَا ، فَإِذَا فَاتَ الْوَقْتُ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّصَدُّقُ

واجب ہے غنی پر، اور واجب ہوتی ہے فقیر پر خریدنے سے اضحیہ کی نیت سے ہمارے نزدیک، پس جب فوت ہوا وقت تو واجب ہے اس پر صدقہ کرنا

إِخْرَاجًا لَهُ عَنِ الْعُهْدَةِ ، كَالْجُمُعَةِ تُقْضَى بَعْدَ فَوَاتِهَا ظُهْرًا ، وَالصَّوْمِ بَعْدَ الْعَجْزِ فِدْيَةً

نکالتے ہوئے خود کو ذمہ داری سے جیسے جمعہ کہ قضاء کی جاتی ہے اس کے فوت ہونے کے بعد ظہر کی نماز، اور روزہ سے عاجز ہونے کے بعد فدیہ ادا کیا جاتا ہے

{۶}قَالَ:وَلَايُضَحِّي بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِي لَاتَمْشِي إِلَى الْمَنْسَكِ وَلَاالْعَجْفَاءِ؛ لِقَوْلِهِ ﷺ{لَاتُجْزِئُ فِي الضَّحَايَا

فرمایا: اور ذبح نہ کرے اندھی، کانی، وہ لنگڑی جو نہ جاسکے قربان گاہ تک، اور نہ بہت دبلی؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جائز نہیں ہیں قربانی میں

أَرْبَعَةٌ : الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ عَرَجُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا ، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي }

چار، وہ کانی جس کا کانا پن ظاہر ہو اور وہ لنگڑی جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، اور ایسی بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، اور ایسی دبلی جس میں گودا نہ ہو"۔

تشریح:۔ ﴿۱﴾ قربانی تین دنوں میں جائز ہے ایک عید کا دن ہے اور دو دن اس کے بعد ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عید کے دن کے بعد تین دن تک جائز ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ایام تشریق سب قربانی ذبح کرنے کے دن ہیں"[1] اور ایام تشریق عید کے دن کے بعد تین دن ہیں اس لیے مزید تین دن تک قربانی جائز ہے۔

﴿۲﴾ ہماری دلیل حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا کہ ایام نحر تین دن ہیں ان میں سے اول دن افضل ہے[2]، ظاہر ہے کہ یہ انہوں نے حضور ﷺ سے سن کر فرمایا ہے؛ کیونکہ مقدار مقرر کرنے کی طرف رائے راہ نہیں پاتی ہے یعنی مقدار رائے سے مقرر نہیں کی جاسکتی ہے اس لیے یہ انہوں نے حضور ﷺ سے سنا ہے، بہر حال اس حدیث میں اور امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث میں تعارض ہے پس ہم نے ان دونوں میں سے اس کو لے لیا جس نے اقل مقدار کو بیان کیا ہے؛ کیونکہ اقل متیقن ہوتا ہے، پھر ان تین دنوں میں سے اول افضل ہے جیسا کہ ان حضرات نے فرمایا ہے؛ کیونکہ اس میں عبادت کی ادائیگی کی طرف پیش قدمی ہے اور عبادت کی ادائیگی کی طرف مسارعت کرنا اصل ہے مگر یہ کہ مسارعت کا کوئی معارض موجود ہو تو پھر تاخیر کی جائے گی جیسے فجر اور ظہر کی نماز معارض کی وجہ سے مؤخر کی جاتی ہے۔

﴿۳﴾ اور ان دنوں کی راتوں میں بھی قربانی ذبح کرنا جائز ہے مگر مکروہ ہے؛ کیونکہ رات کی تاریکی میں غلطی کا احتمال ہے ممکن ہے کہ ذبح کی جگہ میں غلطی کرے، یا غلطی سے غیر کی بکری ذبح کردے۔ ایام نحر بھی تین ہیں اور ایام تشریق بھی تین ہیں چار دنوں کے گذرنے سے سب گذر جاتے ہیں، پس دسویں تاریخ ایام نحر میں سے ہے تشریق کا دن نہیں ہے، اور تیرھویں تاریخ ایام تشریق میں سے ہے ایام نحر میں سے نہیں ہے اور درمیان میں گیارھویں اور بارھویں تاریخ ایام نحر میں سے بھی ہیں اور ایام تشریق میں سے بھی۔

﴿۴﴾ ایام نحر میں قربانی کرنا قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے افضل ہے؛ کیونکہ قربانی یا تو واجب واقع ہوگی جیسا کہ ظاہر الروایت ہے یا سنت واقع ہوگی جیسا کہ صاحبینؒ کا قول ہے جبکہ صدقہ محض تطوع اور نفل ہے اور واجب یا سنت محض تطوع سے افضل ہے اس لیے قربانی ذبح کرنا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ نیز قربانی ایام نحر گذرنے سے فوت ہو جاتی ہے جبکہ صدقہ ہر وقت

([1]) قُلْتُ: رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ، وَابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ فِي النَّوْعِ الثَّالِثِ وَالْأَرْبَعِينَ، مِنْ الْقِسْمِ الثَّالِثِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرحمن عن أَبِي حُسَيْنٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ"، إلَى آخِرِهِ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ بِتَمَامِهِ فِي الْحَجِّ، (نصب الراية:4ص504)

([2]) قَوْلُهُ: رُوِيَ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُمْ قَالُوا: أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ، أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا، قُلْت: غَرِيبٌ جِدًّا، وَتَقَدَّمَ نَحْوُهُ فِي الْحَجِّ فِي الْحَدِيثِ الرَّابِعِ وَالسِّتِّينَ، وَرَوَى مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّإِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: الْأَضْحَى، يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى، انْتَهَى. مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَقُولُ مِثْلَ ذَلِكَ، (نصب الراية:4ص505)

کیا جاسکتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے حرم میں آفاقی شخص کے حق میں طواف اور نفلی نماز کا مسئلہ ہے کہ طواف افضل ہے؛ کیونکہ نماز تو ہر جگہ پڑھی جاسکتی ہے جبکہ طواف فقط حرم میں کیا جاسکتا ہے۔

{۵} اگر کسی نے قربانی ذبح نہیں کی یہاں تک کہ ایام نحر گذر گئے، تو اگر اس نے نذر کے ذریعہ اپنے اوپر قربانی واجب کی ہو یا یہ شخص فقیر ہو اور اس نے قربانی خریدی ہو تو وہ اس جانور کو زندہ صدقہ کرے، اور اگر یہ شخص غنی ہو تو قربانی کی قیمت صدقہ کرے خواہ اس نے قربانی خریدی ہو یا نہ خریدی ہو؛ کیونکہ قربانی غنی پر واجب ہے خواہ وہ اس کو خریدنے سے متعین کرے یا نہ کرے، اور فقیر پر ہمارے نزدیک قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کی وجہ سے قربانی واجب ہوتی ہے پس جب اس کا وقت گذر گیا تو اس پر عین قربانی یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے تاکہ اپنے آپ کو ذمہ داری سے خارج کردے جیسے جمعہ کا وقت گذرنے کے بعد ذمہ داری سے نکلنے کے لیے ظہر کی قضاء کی جاتی ہے، اور روزہ سے عاجز ہونے کے بعد ذمہ داری سے نکلنے کے لیے فدیہ سے اس کی قضاء کی جاتی ہے۔

{٦} قربانی نہ کرے اندھی کی اور نہ کانی کی، اور نہ ایسی لنگڑی کی جو مذبح خانہ تک نہ جاسکے، اور نہ بہت زیادہ دبلی کی؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کفایت نہیں کرتے ہیں قربانیوں میں چار جانور، وہ کانی جس کا کانا پن ظاہر ہو، وہ لنگڑی جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، وہ بیمار جس کا مرض ظاہر ہو، اور وہ دبلی جس کا گودا نہ ہو"[1] جس میں مذکورہ جانوروں کی قربانی کے عدم جواز کی تصریح کی ہے۔

{۱} قَالَ: وَلَا تُجْزِئُ مَقْطُوعَةُ الْأُذُنِ وَالذَّنَبِ. أَمَّا الْأُذُنُ فَلِقَوْلِهِ ﷺ {اسْتَشْرِفُوا الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ} أَيْ اُطْلُبُوا سَلَامَتَهُمَا.

فرمایا: اور کفایت نہیں کرتی کان کٹی اور دم کٹی بکری، بہر حال کان تو حضور ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے "بغور دیکھ لیا کرو آنکھ اور کان" یعنی ان کی سلامتی تلاش کرلو

وَأَمَّا الذَّنَبُ فَلِأَنَّهُ عُضْوٌ كَامِلٌ مَقْصُودٌ فَصَارَ كَالْأُذُنِ. قَالَ: وَلَا الَّتِي ذَهَبَ أَكْثَرُ أُذُنِهَا وَذَنَبِهَا،

اور رہی دم تو اس لیے کہ وہ ایک کامل اور مقصودی عضو ہے پس ہو گئی کان کی طرح۔ فرمایا: اور نہ وہ بکری جس کے کان اور دم کا اکثر حصہ ختم ہوا ہو

وَإِنْ بَقِيَ أَكْثَرُ الْأُذُنِ وَالذَّنَبِ جَازَ؛ لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ بَقَاءً وَذَهَابًا وَلِأَنَّ

اور اگر باقی ہو اکثر کان اور دم تو جائز ہے؛ کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے بقاء اور عدم بقاء کے اعتبار سے، اور اس لیے کہ

الْعَيْبَ الْيَسِيرَ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَجُعِلَ عَفْوًا {۲} وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي مِقْدَارِ الْأَكْثَرِ فَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ

[1] قُلْت: أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةِ عَنْ شُعْبَةَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ فَيْرُوزَ، قَالَ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ عَمَّا نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ مِنَ الْأَضَاحِيِّ، فَقَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصَابِعِي أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهِ، وَأَنَامِلِي أَقْصَرُ مِنْ أَنَامِلِهِ، فَقَالَ: "أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الضَّحَايَا: الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تُنْقِي"، (نصب الراية: 4ص506)

تھوڑے سے عیب سے ممکن نہیں ہے بچنا، پس اس کو عفو قرار دیا گیا، اور مختلف ہے روایت امام صاحبؒ سے اکثر کی مقدار میں، پس جامع صغیر میں

عَنْهُ : وَإِنْ قُطِعَ مِنَ الذَّنَبِ أَوِ الْأُذُنِ أَوِ الْعَيْنِ أَوِ الْأَلْيَةِ الثُّلُثُ أَوْ أَقَلُّ أَجْزَأَهُ ، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ لَمْ يُجْزِهِ لِأَنَّ

آپؒ سے مروی ہے: اور اگر قطع کر دیا دم سے یا کان سے یا آنکھ سے یا چکتی سے ثلث یا کم تو جائز ہے اور اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ

الثُّلُثَ تَنْفُذُ فِيهِ الْوَصِيَّةُ مِنْ غَيْرِ رِضَا الْوَرَثَةِ فَاعْتُبِرَ قَلِيلًا ، وَفِيمَا زَادَ لَا تَنْفُذُ إلَّا بِرِضَاهُمْ فَاعْتُبِرَ كَثِيرًا،

ثلث میں نافذ ہوتی ہے وصیت ورثہ کی رضامندی کے بغیر پس شمار کیا گیا قلیل، اور زائد میں نافذ نہیں ہوتی مگر ان کی رضامندی سے پس شمار کیا گیا کثیر

وَيُرْوَى عَنْهُ الرُّبُعُ لِأَنَّهُ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الصَّلَاةِ، وَيُرْوَى الثُّلُثُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

اور مروی ہے آپؒ سے ربع؛ کیونکہ ربع حکایت کرتا ہے کمال کی جیسا کہ گذر چکا ہے نماز میں، اور مروی ہے ثلث؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے

فِي حَدِيثِ الْوَصِيَّةِ {الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ} {۳} وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: إذَا بَقِيَ الْأَكْثَرُ مِنَ النِّصْفِ أَجْزَأَهُ اعْتِبَارًا

حدیث وصیت میں "ثلث کی وصیت کر اور ثلث کثیر ہے"۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا: جب باقی رہے اکثر نصف سے تو کافی ہوگا قیاس کرتے ہوئے

لِلْحَقِيقَةِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ اخْتِيَارُ الْفَقِيهِ أَبِي اللَّيْثِ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : أَخْبَرْتُ بِقَوْلِي

حقیقت جیسا کہ گذر چکا نماز کے متعلق، اور یہی اختیار کردہ ہے فقیہ ابو اللیث کا، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے میں نے خبر دی اپنے قول کی

أَبَا حَنِيفَةَ ، فَقَالَ قَوْلِي هُوَ قَوْلُكَ .قِيلَ هُوَ رُجُوعٌ مِنْهُ إلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ،

امام صاحبؒ کو تو انہوں نے کہا میرا قول تیرا قول ہی ہے، تو کہا گیا ہے کہ یہ رجوع ہے امام صاحبؒ کی طرف سے امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف

وَقِيلَ مَعْنَاهُ قَوْلِي قَرِيبٌ مِنْ قَوْلِكَ. {۴} وَفِي كَوْنِ النِّصْفِ مَانِعًا رِوَايَتَانِ عَنْهُمَا كَمَا

اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ کہ میرا قول قریب ہے تیرے قول کے، اور نصف کے مانع ہونے میں دو روایتیں ہیں صاحبینؒ سے جیسا کہ

فِي الْكِشَافِ الْعُضْوِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، {۵} ثُمَّ مَعْرِفَةُ الْمِقْدَارِ فِي غَيْرِ الْعَيْنِ مُتَيَسِّرٌ ، وَفِي الْعَيْنِ قَالُوا:

کشف عضو میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہیں۔ پھر مقدار کی معرفت آنکھ کے علاوہ میں آسان ہے، اور آنکھ کے بارے میں مشائخؒ نے کہا ہے

تُشَدُّ الْعَيْنُ الْمَعِيبَةُ بَعْدَ أَنْ لَا تَعْتَلِفَ الشَّاةُ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ يُقَرَّبُ الْعَلَفُ إلَيْهَا قَلِيلًا قَلِيلًا،

کہ باندھ دی جائے عیب دار آنکھ بعد اس کے کہ گھاس نہ کھائے بکری ایک یا دو دن، پھر قریب کرتا جائے گھاس کو اس کی طرف آہستہ آہستہ

فَإِذَا رَأَتْهُ مِنْ مَوْضِعٍ أُعْلِمَ عَلَى ذَلِكَ الْمَكَانِ ثُمَّ تُشَدُّ عَيْنُهَا الصَّحِيحَةُ وَقُرِّبَ إلَيْهَا

پھر جب دیکھ لے اس کو کسی جگہ سے تو نشان لگا دیا جائے اس جگہ پر، پھر باندھ دی جائے اس کی صحیح آنکھ، اور قریب کرتا جائے اس کو

الْعَلَفُ قَلِيلًا قَلِيلًا حَتَّى إذَا رَأَتْهُ مِنْ مَكَانٍ أُعْلِمَ عَلَيْهِ .ثُمَّ يُنْظَرُ إلَى تَفَاوُتِ مَا بَيْنَهُمَا ، فَإِنْ

گھاس آہستہ آہستہ، حتی کہ جب دیکھ لے اس کو کسی جگہ سے تو نشان لگایا جائے اس پر، پھر دیکھا جائے تفاوت کو دونوں کے درمیان، پس اگر

كَانَ ثُلُثًا فَالذَّاهِبُ الثُّلُثُ ، وَإِنْ كَانَ نِصْفًا فَالنِّصْفُ﴿٦﴾قَالَ : وَيَجُوزُ أَنْ يُضَحِّيَ بِالْجَمَّاءِ ، وَهِيَ الَّتِي

ایک ثلث ہو تو ختم ہونے والا حصہ ایک ثلث ہے، اور اگر نصف ہو تو ایک نصف ہے۔ فرمایا: اور جائز ہے کہ ذبح کردے جماء، اور جماء وہ ہے

لَا قَرْنَ لَهَا لِأَنَّ الْقَرْنَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مَقْصُودٌ ، وَكَذَا مَكْسُورَةُ الْقَرْنِ لِمَا

جس کے سینگ نہ ہوں؛ کیونکہ سینگ کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا ہے کوئی مقصود، اور اسی طرح سینگ ٹوٹے ہوئے کی؛ اس دلیل کی وجہ سے

قُلْنَا . وَالْخَصِيُّ ؛ لِأَنَّ لَحْمَهَا أَطْيَبُ وَقَدْ صَحَّ " { أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوءَيْنِ}

جو ہم کہہ چکے، اور خصی کی؛ کیونکہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے، اور صحیح حدیث ہے کہ حضورؐ نے قربانی کی دو چتکبرے اور خصی مینڈھوں کی

﴿٧﴾ وَالثَّوْلَاءُ ، وَهِيَ الْمَجْنُونَةُ ، وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَتْ تَعْتَلِفُ لِأَنَّهُ لَا يُخِلُّ بِالْمَقْصُودِ ، أَمَّا إِذَا

اور ثولاء کی، اور وہ مجنونہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت کہ وہ گھاس کھاتی ہو؛ کیونکہ جنون مخل نہیں مقصود کے لیے، لیکن اگر وہ

كَانَتْ لَا تَعْتَلِفُ فَلَا تُجْزِئُهُ .وَالْجَرْبَاءُ إِنْ كَانَتْ سَمِينَةً جَازَ لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي الْجِلْدِ وَلَا نُقْصَانَ فِي اللَّحْمِ،

گھاس نہ کھاتی ہو تو وہ کافی نہیں ہے، اور خارش والا جانور اگر موٹا ہو تو جائز ہے؛ کیونکہ خارش کھال میں ہے، اور نقصان نہیں ہے گوشت میں

وَإِنْ كَانَتْ مَهْزُولَةً لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي اللَّحْمِ فَانْتَقَصَ .﴿٨﴾وَأَمَّا الْهَتْمَاءُ وَهِيَ الَّتِي لَا أَسْنَانَ لَهَا

اور اگر وہ دبلی ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ خارش گوشت میں ہے پس عیب پیدا ہو گیا۔ بہر حال ہتماء اور ہتماء وہ بکری ہے جس کے دانت نہ ہوں

فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْأَسْنَانِ الْكَثْرَةُ وَالْقِلَّةُ ، وَعَنْهُ إِنْ بَقِيَ مَا يُمْكِنُهُ

تو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ اعتبار کرتے ہیں دانتوں میں کثرت اور قلت کا، اور انہی سے مروی ہے کہ اگر باقی ہوں اتنے کہ ممکن ہو

الِاعْتِلَافُ بِهِ أَجْزَأَهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ .وَالسَّكَّاءُ وَهِيَ الَّتِي لَا أُذُنَ لَهَا خِلْقَةً لَا تَجُوزُ إِنْ كَانَ هَذَا،

ان سے گھاس کھانا تو کافی ہے حصول مقصود کی وجہ سے، اور سکاء، سکاء وہ بکری ہے جس کے کان نہ ہوں خلقۃً تو جائز نہیں اگر ایسا ہے؛

لِأَنَّ مَقْطُوعَ أَكْثَرِ الْأُذُنِ إِذَا كَانَ لَا يَجُوزُ فَعَدِيمُ الْأُذُنِ أَوْلَى﴿٩﴾وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا كَانَتْ هَذِهِ الْعُيُوبُ

کیونکہ جب اکثر کان کٹا ہو تو جائز نہیں، پس معدوم الاذن بطریقہ اولیٰ جائز نہیں، اور یہ جو ہم نے ذکر کیا اس وقت ہے جب ہوں یہ عیوب

قَائِمَةً وَقْتَ الشِّرَاءِ ، وَلَوِ اشْتَرَاهَا سَلِيمَةً ثُمَّ تَعَيَّبَتْ بِعَيْبٍ مَانِعٍ إِنْ كَانَ غَنِيًّا عَلَيْهِ غَيْرُهَا،

موجود خرید کے وقت، اور اگر اس نے بکری خریدی صحیح سالم پھر عیب دار ہو گئی ایسے عیب سے جو مانع ہو، تو اگر ہو وہ غنی تو اس پر دوسری واجب ہے

وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا تُجْزِئُهُ هَذِهِ ؛ لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْغَنِيِّ بِالشَّرْعِ ابْتِدَاءً لَا بِالشِّرَاءِ فَلَمْ تَتَعَيَّنْ بِهِ،

اور اگر ہو وہ فقیر تو کافی ہے اس کے لیے یہ؛ کیونکہ وجوب غنی پر شریعت کی وجہ سے ابتداءً ہے نہ کہ خرید کی وجہ سے پس وہ متعین نہ ہوگی

وَعَلَى الْفَقِيرِ بِشِرَائِهِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَةِ فَتَعَيَّنَتْ ، وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ ضَمَانُ نُقْصَانِهِ كَمَا فِي نِصَابِ الزَّكَاةِ،

اور فقیر پر اس کی بنیتِ اضحیہ خرید کی وجہ سے ہے، پس متعین ہوگی، اور واجب نہ ہوگا اس پر ضمانِ نقصان جیسا کہ نصابِ زکوۃ میں۔

﴿١٠﴾ وَعَنْ هَذَا الْأَصْلِ قَالُوا: إِذَا مَاتَتِ الْمُشْتَرَاةُ لِلتَّضْحِيَةِ؛ عَلَى الْمُوسِرِ مَكَانَهَا أُخْرَى وَلَا شَيْءَ عَلَى الْفَقِيرِ

اور اسی قاعدے کے مطابق فقہاء نے کہا ہے: جب مر جائے اضحیہ کے لیے خریدی ہوئی بکری، تو غنی پر اس کی جگہ دوسری ہے، اور کچھ نہیں ہے فقیر پر

وَلَوْ ضَلَّتْ أَوْ سُرِقَتْ فَاشْتَرَى أُخْرَى ثُمَّ ظَهَرَتِ الْأُولَى فِي أَيَّامِ النَّحْرِ عَلَى الْمُوسِرِ ذَبْحُ إِحْدَاهُمَا وَعَلَى الْفَقِيرِ ذَبْحُهُمَا

اور اگر بکری گم ہوگئی یا چوری ہوگئی، پس اس نے دوسری خریدی پھر مل گئی دوسری ایام نحر میں، تو غنی پر ذبح کرنا ہے دونوں میں سے ایک اور فقیر پر دونوں ذبح کرنا ہے۔

تشریح:۔﴿١﴾ اور کان کٹا جانور اور دُم کٹا جانور کفایت نہیں کرتا ہے ؛کان کٹا تو اس لیے کفایت نہیں کرتا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کہ آنکھ اور کان کا ملاحظہ کیا کرو"[1] یعنی ان دونوں کی سلامتی کو دیکھا کرو، اور دُم کٹا جانور اس لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک کامل عضو ہے اور مقصود ہے لہٰذا دُم کان کی طرح ہے۔ اور ایسا جانور بھی جائز نہیں ہے جس کے کان اور دُم کا اکثر حصہ ختم ہوگیا ہو، اور اگر کان اور دُم کا اکثر حصہ باقی ہو تو پھر جائز ہے؛ کیونکہ بقاء اور ذہاب دونوں میں اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے یعنی اگر اکثر باقی ہو تو گویا کل باقی ہے اور اگر اکثر حصہ ختم ہوگیا ہو تو گویا کل ختم ہوگیا ہے۔ اور اگر عیب زیادہ نہ ہو تو ایسے تھوڑے عیب سے بچنا ممکن نہیں ہے لہٰذا تھوڑا عیب معاف ہے اس لیے ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

﴿٢﴾ پھر اکثر کی مقدار کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ سے مختلف روایتیں مروی ہیں، چنانچہ جامع صغیر میں ہے کہ اگر دُم، کان، آنکھ یا چکتی کا ایک ثلث یا اس سے کم کٹ گیا ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ کٹا ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ثلث میں ورثہ کی رضامندی کے بغیر وصیت نافذ کی جاتی ہے تو یہ علامت ہے کہ ثلث قلیل ہے اس لیے ثلث کو قلیل شمار کیا، اور ثلث سے زیادہ میں ورثہ کی رضامندی کے بغیر وصیت نافذ نہیں کی جاتی ہے تو یہ علامت ہے کہ ثلث سے زائد کثیر ہے اس لیے ثلث سے زائد کو کثیر قرار دیا۔ امام صاحبؒ سے دوسری روایت یہ مروی ہے کہ ایک ربع کے بقدر کٹا ہو تو یہ کثیر ہے؛ کیونکہ ربع کل کی حکایت

[1] أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، (نصب الراية:4ص507)

کرتا ہے یعنی بہت سارے احکام میں ربع کو کل کا درجہ دیا گیا ہے جیسا کہ "باب شروط الصلوۃ" میں گذر چکا کہ ایک ربع واجب الستر عضو کھل جانے کے ساتھ نماز نہیں ہوتی ہے۔ تیسری روایت امام صاحبؒ سے یہ مروی ہے کہ اگر ایک ثلث کٹا ہو تو یہ کثیر ہے؛ کیونکہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی وصیت والی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: "ثلث کی وصیت کرو اور ثلث کثیر ہے[1]" جس میں ثلث کو کثیر قرار دیا ہے۔

{۳} صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر نصف سے زیادہ کان وغیرہ باقی ہوں تو ایسا جانور کفایت کرے گا؛ کیونکہ وہ حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں کہ حقیقۃً کثیر وہ ہے جو نصف سے زائد ہو جیسا کہ "باب شروط الصلوۃ" میں گذر چکا کہ حقیقۃً کثیر وہی ہے جو نصف سے زائد ہو، یہی قول فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کا مختار ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اس قول کی خبر دی تو آپؒ نے فرمایا "میرا قول وہ تیرا ہی قول ہے" تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ امام صاحبؒ کی طرف سے امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف رجوع ہے، اور بعض دیگر حضرات نے کہا ہے کہ یہ امام صاحبؒ کی طرف سے رجوع نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا قول تیرے قول کے قریب ہے۔

فتوی: ۔صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما فی مجمع الانہر: (وَلَا) لَا تَجُوزُ (مَقْطُوعَةُ الْيَدِ أَوِ الرِّجْلِ) لِنُقْصَانِهَا (وَذَاهِبَةُ أَكْثَرِ الْعَيْنِ أَوْ) أَكْثَرِ (الْأُذُنِ) لِقَوْلِ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - «أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ وَأَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ» (أَوْ أَكْثَرِ الذَّنَبِ) ؛ لِأَنَّهُ عُضْوٌ كَامِلٌ مَقْصُودٌ فَصَارَ كَالْأُذُنِ (أَوْ أَكْثَرُ (الْأَلْيَةِ) وَإِنَّمَا قَيَّدَ الذَّهَابَ بِالْأَكْثَرِ لِأَنَّهُ أَنْ يَبْقَى الْأَكْثَرُ مِنَ الْعَيْنِ وَالْأُذُنِ وَالذَّنَبِ وَنَحْوِهَا جَازَ؛ لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ بَقَاءً وَذَهَابًا. وَفِي الْمِنَحِ وَاخْتَارَهُ أَبُو اللَّيْثِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (مجمع الانہر: 4ص172)

{۴} اور نصف عضو کٹنے کی صورت میں صاحبینؒ سے دو روایتیں مروی ہیں، ایک یہ کہ نصف مانع ہے؛ کیونکہ قلیل معاف ہے اور نصف قلیل نہیں ہے اس لیے کہ اس کا مقابل کثیر نہیں ہے بلکہ اس کے برابر ہے، دوسری یہ کہ نصف مانع نہیں ہے؛ کیونکہ مانع وہ ہے جو کثیر ہو اور نصف کثیر نہیں ہے اس لیے کہ اس کا مقابل قلیل نہیں ہے، اسی طرح نماز میں واجب الستر عضو نصف کھل جانے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

---

[1] أخرجه الأئمة الستة، ومتابعي في الوصايا. (نصب الراية: 4ص507)

{5} پھر آنکھ کے علاوہ دیگر اعضاء میں یہ جاننا آسان ہے کہ نصف کٹ گیا ہے یا ثلث ہے یا ربع ہے۔ البتہ آنکھ میں ضائع شدہ مقدار جاننا ذرا مشکل ہے چنانچہ مشائخ کرامؒ نے فرمایا ہے کہ بکری کو ایک دو دن بھوکا رکھنے کے بعد اس کی خراب آنکھ باندھ لو اور ٹھیک آنکھ کھول دو، پھر گھاس آہستہ آہستہ اس کے قریب کر دو، پس جس جگہ سے وہ اس کو دیکھ لے تو اس جگہ پر نشان لگا دو، پھر اس کی ٹھیک آنکھ باندھ لو اور آہستہ آہستہ گھاس اس کے قریب کر دو یہاں تک کہ جس جگہ سے اس نے گھاس کو دیکھ لیا وہاں نشان لگا دو، پھر دونوں نشان زدہ جگہوں میں دیکھ لو کہ کتنا فرق ہے مثلاً پہلا فاصلہ تین گز ہے اور دوسری مرتبہ کا فاصلہ دو گز ہے تو ان دونوں میں ایک ثلث کا فرق ہے جس سے معلوم ہوا کہ عیب دار آنکھ کی ایک ثلث روشنی ختم ہو گئی ہے اور اگر پہلا فاصلہ تین گز ہے اور دوسری مرتبہ کا فاصلہ ڈیڑھ گز ہو تو یہ نصف کا فرق ہے لہٰذا یہ علامت ہے کہ اس کی آنکھ کی نصف روشنی ختم ہو گئی ہے۔

{6} جماء جانور کی قربانی جائز ہے اور جماء وہ جانور ہے جس کے سینگ نہ ہوں؛ کیونکہ سینگ کے ساتھ کوئی مقصود متعلق نہیں ہوتا ہے لہٰذا سینگ کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اسی طرح اگر سینگ ٹوٹ گیا ہو تو بھی جائز ہے؛ دلیل وہی ہے کہ سینگ کے ساتھ کوئی مقصود متعلق نہیں۔ اور خصی جانور کی قربانی جائز ہے؛ کیونکہ اس کا گوشت اور بھی زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی جو سیاہ اور سفید تھے دونوں خصی تھے[1]، اس لیے خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔

{7} اور ثولاء یعنی مجنون جانور کی قربانی جائز ہے۔ پھر مشائخؒ نے کہا ہے کہ اس سے ایسا مجنون جانور مراد ہے جو گھاس کھاتا ہو؛ کیونکہ ایسے جنون سے مقصود میں خلل نہیں آتا ہے، البتہ اگر ایسا مجنون ہو جو گھاس نہ کھاتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اور جرباء (خارش کی بیماری میں مبتلا جانور) کی قربانی جائز ہے بشرطیکہ وہ موٹا تازہ ہو؛ کیونکہ خارش تو اس کی کھال میں ہے گوشت میں کوئی نقصان نہیں ہے، اور اگر خارش کی وجہ سے جانور دبلا ہو چکا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ خارش گوشت میں ہے جس کی وجہ سے اس میں نقصان پیدا ہوا ہے اس لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

{8} اور ہتماء جانور جس کے دانت نہ ہوں کے بارے میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں مروی ہیں، ایک یہ کہ کثرت اور قلت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر اکثر باقی ہوں تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ اگر باقی دانتوں سے گھاس کھا سکتا ہو تو جائز ہے؛ کیونکہ مقصود حاصل ہو رہا ہے، اور اگر باقی دانتوں سے گھاس نہ کھا سکتا ہو تو مقصود میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے

---

(1) أما حديث جابر: فأخرجه أبو داود، وابن ماجة عن ابن إسحاق عن يزيد بن أبي حبيب عن أبي عياش المعافري عن جابر بن عبد الله، قال: ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم النحر كبشين أقرنين أملحين موجوءين، الحديث، وقد تقدم في باب الحج عن الغير. (نصب الراية:4ص508)

جائز نہیں ہے۔اور سکاء جانور جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں ہے اگر یہی صورت حال ہو؛ کیونکہ جب اکثر کان کٹنے کی وجہ سے جائز نہیں ہے تو بالکل معدوم ہونے کی صورت میں بطریقہ اولیٰ جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ چھوٹے چھوٹے کان والے کی قربانی جائز ہے۔

{۹}صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اوپر جو تفصیل ہم نے ذکر کی یہ اس وقت ہے کہ مذکورہ خرید کے وقت موجود ہوں ،اوراگر جانور کو صحیح سالم خریدا پھر اس میں ایسا عیب پیدا ہوا جو عیب قربانی سے مانع ہو، تو اگر وہ مالدار ہے تو اس پر اس کے علاوہ دوسرا جانور خریدنا لازم ہے، اور اگر وہ فقیر ہے تو یہی عیب دار جانور اس کے لیے کافی ہے؛ وجہ یہ ہے کہ مالدار پر قربانی شرعاً ابتداء ہی سے اس کی مالداری کی وجہ سے واجب ہے خریدنے کی وجہ سے واجب نہیں ہوئی ہے لہٰذا خرید کی وجہ سے خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہوا ہے، جبکہ فقیر پر بنیتِ اضحیہ خریدنے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے اس لیے یہی خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے متعین ہو گا اور اس میں جو نقصان پیدا ہوا ہے اس کا ضمان اس پر واجب نہ ہو گا جیسا کہ نصابِ زکوۃ میں یہی حکم ہے مثلاً کسی کے پاس اسی ہزار روپیہ تھے جن پر سال گذرنے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہو گئی، مگر اس نے ابھی تک زکوۃ ادا نہیں کی تھی کہ ان میں سے چالیس ہزار ہلاک ہو گئے تو وہ صرف ماقبی کی زکوۃ ادا کرے گا ہلاک شدہ کا ضامن نہ ہو گا۔

{۱۰}اور اسی قاعدے کی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور ہلاک ہوا تو غنی پر اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرنا ضروری ہے، اور فقیر پر کچھ نہیں ہے۔اور اگر یہ جانور گم ہو گیا یا چرا لیا گیا، پھر اس نے دوسرا خرید لیا، پھر ایام نحر میں پہلا جانور مل گیا، تو اگر یہ شخص غنی ہے تو دونوں جانوروں میں سے کوئی ایک ذبح کر دے، اور اگر فقیر ہے تو دونوں کو ذبح کرنا ضروری ہے؛ وجہ وہی ہے کہ غنی پر خرید کی وجہ سے قربانی واجب نہیں ہوئی ہے اس لیے خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہو گا، جبکہ فقیر پر خرید کی وجہ سے ذبح کرنا واجب ہوا ہے اس لیے دونوں ذبح کرنے کے لیے متعین ہیں۔

{۱} وَلَوْ أَضْجَعَهَا فَاضْطَرَبَتْ فَانْكَسَرَتْ رِجْلُهَا فَذَبَحَهَا أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا عِنْدَنَا

اور اگر لٹا دیا بکری کو پھر وہ مضطرب ہو گئی پس ٹوٹ گیا اس کا پاؤں، تو کافی ہے اس کو استحساناً ہمارے نزدیک۔

خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، لِأَنَّ حَالَةَ الذَّبْحِ وَمُقَدِّمَاتِهِ مُلْحَقَةٌ بِالذَّبْحِ فَكَأَنَّهُ حَصَلَ بِهِ اعْتِبَارًا

اختلاف ہے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا؛ کیونکہ حالتِ ذبح اور مقدماتِ ذبح ملحق ہیں ذبح کے ساتھ، پس گویا عیب حاصل ہوا ذبح سے شرعی اجازت

وَحُكْمًا . وَكَذَا لَوْ تَعَيَّبَتْ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ فَانْفَلَتَتْ ثُمَّ أُخِذَتْ مِنْ فَوْرِهِ ، وَكَذَا بَعْدَ فَوْرِهِ

اور حکم کے اعتبار سے، اور اسی طرح اگر عیب دار ہوئی اسی حالت میں، پھر بھاگ جائے پھر پکڑی جائے فی الفور، اور اسی طرح فی الفور کے بعد

عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّهُ حَصَلَ بِمُقَدِّمَاتِ الذَّبْحِ {٢} قَالَ : وَالْأُضْحِيَةُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ؛
امام محمدؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کا؛ کیونکہ یہ عیب حاصل ہوا مقدمات ذبح سے۔ فرمایا: اور قربانی اونٹ، بیل اور بکری کی ہوتی ہے

لِأَنَّهَا عُرِفَتْ شَرْعًا وَلَمْ تُنْقَلِ التَّضْحِيَةُ بِغَيْرِهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا مِنَ الصَّحَابَةِ ؓ. قَالَ : وَيُجْزِئُ
؛ کیونکہ قربانی معلوم ہوئی ہے شرعاً، اور منقول نہیں ہے ان کے علاوہ کی قربانی حضورؐ سے اور نہ صحابہ کرام ؓ سے۔ فرمایا: اور کافی ہے

مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا . إِلَّا الضَّأْنَ فَإِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ ؛ لِقَوْلِهِ ﷺ { ضَحُّوا بِالثَّنَايَا إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ
ان سب میں سے ثنی، مگر بھیڑ کہ اس میں سے جذع کفایت کرے گا؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "قربانی کرو ثنایا کی البتہ اگر گراں ہو جائے

عَلَى أَحَدِكُمْ فَلْيَذْبَحِ الْجَذَعَ مِنَ الضَّأْنِ } وَقَالَ ﷺ { نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ } قَالُوا : وَهَذَا إِذَا
تم میں سے ایک پر تو ذبح کر دے جذع بھیڑ کا" اور آپ نے فرمایا "بہترین قربانی ہے جذع بھیڑ میں سے" مشائخ نے کہا ہے یہ اس وقت

كَانَتْ عَظِيمَةً بِحَيْثُ لَوْ خُلِطَتْ بِالثُّنْيَانِ يَشْتَبِهُ عَلَى النَّاظِرِ مِنْ بَعِيدٍ . {٣} وَالْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ مَا
کہ جذعہ فربہ ہو اس طرح کہ اگر وہ مل جائے ثنیات کے ساتھ مشتبہ ہو جائے دیکھنے والے پر دور سے، اور جذع بھیڑ میں سے وہ ہے

تَمَّتْ لَهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ فِي مَذْهَبِ الْفُقَهَاءِ ، وَذَكَرَ الزَّعْفَرَانِيُّ أَنَّهُ ابْنُ سَبْعَةِ أَشْهُرٍ . وَالثَّنِيُّ مِنْهَا وَمِنَ الْمَعْزِ
جو تام ہوں اس کے چھ مہینے فقہاء کے مذہب میں، اور ذکر کیا ہے زعفرانیؒ نے کہ وہ سات مہینے کا بچہ ہے، اور ثنی بھیڑ اور بکری میں سے

سَنَةٌ ، وَمِنَ الْبَقَرِ ابْنُ سَنَتَيْنِ . وَمِنَ الْإِبِلِ ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ . {٤} وَيَدْخُلُ فِي الْبَقَرِ الْجَامُوسُ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ .
ایک سال کا بچہ ہے، اور گائے میں سے دو سال کا، اور اونٹ میں سے پانچ سال، اور داخل ہے گائے میں بھینس؛ کیونکہ بھینس گائے کی جنس سے ہے

وَالْمَوْلُودُ بَيْنَ الْأَهْلِيِّ وَالْوَحْشِيِّ يَتْبَعُ الْأُمَّ لِأَنَّهَا هِيَ الْأَصْلُ فِي التَّبَعِيَّةِ ، حَتَّى إِذَا نَزَا الذِّئْبُ عَلَى الشَّاةِ يُضَحَّى بِالْوَلَدِ .
اور جو پیدا ہو اہلی اور وحشی سے تابع ہوتا ہے ماں کا؛ کیونکہ ماں اصل ہے تبعیت میں حتی کہ اگر چڑھے بھیڑیا بکری پر تو ذبح کیا جائے گا بچہ۔

{٥} قَالَ : وَإِذَا اشْتَرَى سَبْعَةٌ بَقَرَةً لِيُضَحُّوا بِهَا فَمَاتَ أَحَدُهُمْ قَبْلَ النَّحْرِ وَقَالَتِ الْوَرَثَةُ اذْبَحُوهَا
فرمایا: اور اگر خریدی سات آدمیوں نے گائے تاکہ قربانی کریں اس کو، پس مر گیا ان میں سے ایک نحر سے پہلے، اور کہا وارثوں نے ذبح کر دو اس کو

عَنْهُ وَعَنْكُمْ أَجْزَأَهُمْ ، وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا أَوْ رَجُلًا يُرِيدُ اللَّحْمَ
میت اور تمہاری طرف سے تو کافی ہو جائے گی ان کی طرف سے، اور اگر تھا چھ کا ساتھی نصرانی اور ایسا شخص جو ارادہ رکھتا ہو گوشت کا

لَمْ يُجْزِ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْبَقَرَةَ تَجُوزُ عَنْ سَبْعَةٍ ، وَلَكِنْ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ

تو جائز نہ ہوگی ان میں سے کسی کی طرف سے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گائے جائز ہے سات کی طرف سے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ

يَكُونَ قَصْدُ الْكُلِّ الْقُرْبَةَ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ جِهَاتُهَا كَالْأُضْحِيَّةِ وَالْقِرَانِ وَالْمُتْعَةِ عِنْدَنَا لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الْقُرْبَةُ،

ہو سب کا قصد قربت کا اگرچہ مختلف ہوں اس کی جہات جیسے اضحیہ، قران اور متعہ ہمارے نزدیک؛ اتحادِ مقصود کی وجہ سے اور وہ قربت ہے

{٦}وَقَدْ وُجِدَ هَذَا الشَّرْطُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الضَّحِيَّةَ عَنْ الْغَيْرِ عُرِفَتْ قُرْبَةً ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَحَّى

اور پائی گئی یہ شرط پہلی صورت میں؛ کیونکہ قربانی غیر کی طرف سے معلوم ہوا ہے قربت ہونا، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حضورؐ نے قربانی کی

عَنْ أُمَّتِهِ عَلَى مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَلَمْ يُوجَدْ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي لِأَنَّ النَّصْرَانِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهَا،

اپنی امت کی طرف جیسا کہ ہم روایت کر چکے اس سے پہلے، اور نہیں پائی گئی دوسری صورت میں؛ کیونکہ نصرانی اہل قربانی نہیں ہے،

وَكَذَا قَصْدُ اللَّحْمِ يُنَافِيهَا .وَإِذَا لَمْ يَقَعِ الْبَعْضُ قُرْبَةً وَالْإِرَاقَةُ لَا تَتَجَزَّأُ فِي حَقِّ الْقُرْبَةِ

اور اسی طرح گوشت کا قصد قربت کے منافی ہے، اور جب بعض قربت واقع نہ ہوئی حالانکہ خون بہانا متجزی نہیں ہے قربت کے حق میں

لَمْ يَقَعْ الْكُلُّ أَيْضًا فَامْتَنَعَ الْجَوَازُ ،{٧}وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ اسْتِحْسَانٌ .وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ وَهُوَ رِوَايَةٌ

تو قربت واقع نہ ہوئی کل بھی، پس ممتنع ہو گیا جواز، اور یہ جو امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے استحسان ہے۔ اور قیاس یہ ہے جائز نہ ہو، اور یہی ایک روایت ہے

عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ بِالْإِتْلَافِ فَلَا يَجُوزُ عَنْ غَيْرِهِ كَالْإِعْتَاقِ عَنِ الْمَيِّتِ،

امام ابو یوسفؒ سے؛ کیونکہ ورثہ کی اجازت تبرع ہے اتلاف کے ساتھ، پس جائز نہیں غیر کی طرف سے جیسے اعتاق میت کی طرف سے،

لَكِنَّا نَقُولُ : الْقُرْبَةُ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ كَالتَّصَدُّقِ ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّ فِيهِ إلْزَامَ الْوَلَاءِ

لیکن ہم کہتے ہیں قربت واقع ہو جاتی ہے میت کی طرف سے صدقہ کی طرح، برخلافِ اعتاق کے؛ کیونکہ اس میں لازم کرنا ہے ولاء کو

عَلَى الْمَيِّتِ{٨} فَلَوْ ذَبَحُوهَا عَنْ صَغِيرٍ فِي الْوَرَثَةِ أَوْ أُمِّ وَلَدٍ جَازَ ؛ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ قُرْبَةٌ

میت پر، اور اگر ذبح کر دیا اس کو شرکاء نے ورثہ میں بچے یا ام ولد کی طرف سے تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ یہ قربت ہے

{٩} وَلَوْ مَاتَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَذَبَحَهَا الْبَاقُونَ بِغَيْرِ إذْنِ الْوَرَثَةِ لَا تُجْزِيهِمْ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ

اور اگر مر گیا ان میں سے ایک پس ذبح کیا اس کو باقی شرکاء نے ورثہ کی اجازت کے بغیر تو کافی نہ ہوگی ان کی طرف سے؛ کیونکہ واقع نہ ہوا

بَعْضُهَا قُرْبَةً ، وَفِيمَا تَقَدَّمَ وُجِدَ الْإِذْنُ مِنَ الْوَرَثَةِ فَكَانَ قُرْبَةً . {١٠}قَالَ : وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ

اس کا بعض حصہ قربت، اور سابقہ صورت میں پائی گئی اجازت ورثہ کی طرف سے پس وہ قربت ہے۔ فرمایا: اور کھائے اضحیہ کا گوشت

وَيُطْعِمُ الْأَغْنِيَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَيَدَّخِرُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَكُلُوا

اور کھلائے اغنیاء اور فقراء کو اور ذخیرہ کرے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "میں نے تمہیں منع کیا تھا قربانی کا گوشت کھانے سے، پس کھاؤ

مِنْهَا وَادَّخِرُوا } وَمَتَى جَازَ أَكْلُهُ وَهُوَ غَنِيٌّ جَازَ أَنْ يُؤَكِّلَهُ غَنِيًّا قَالَ : وَيُسْتَحَبُّ أَنْ لَا يَنْقُصَ الصَّدَقَةَ

اس میں سے اور ذخیرہ کرو" اور جب جائز ہے اس کا کھانا حالانکہ وہ غنی ہے تو جائز ہے کہ کھلائے غنی کو، فرمایا: اور مستحب یہ ہے کہ کم نہ کرے صدقہ

عَنِ الثُّلُثِ ؛ لِأَنَّ الْجِهَاتِ ثَلَاثَةٌ : الْأَكْلُ وَالِادِّخَارُ لِمَا رَوَيْنَا ، وَالْإِطْعَامُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى "

تہائی سے؛ کیونکہ جہات تین ہیں، کھانا اور ذخیرہ کرنا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور کھلانا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

{ وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ } فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمْ أَثْلَاثًا {۱۱} قَالَ

"اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں" پس تقسیم ہوگا انہی تین جہتوں پر۔ فرمایا:

وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا ؛ لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنْهَا . أَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ ، كَالنِّطْعِ وَالْجِرَابِ

اور صدقہ کرے قربانی کی کھال؛ کیونکہ یہ جزء ہے قربانی کا، یا بنائے اس سے ایسا آلہ جو استعمال ہوتا ہو گھر میں جیسے دستر خوان، تھیلا

وَالْغِرْبَالِ وَنَحْوِهَا ، لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِهِ غَيْرُ مُحَرَّمٍ . وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَشْتَرِيَ بِهِ مَا يُنْتَفَعُ بِعَيْنِهِ

اور چھلنی وغیرہ؛ کیونکہ فائدہ اٹھانا حرام نہیں ہے، اور کوئی حرج نہیں کہ خرید لے اس سے ایسی چیز جس کی ذات سے فائدہ اٹھایا جائے

فِي الْبَيْتِ مَعَ بَقَائِهِ ؛ اسْتِحْسَانًا ، وَذَلِكَ مِثْلُ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ لِلْبَدَلِ حُكْمَ الْمُبْدَلِ ، {۱۲} وَلَا يَشْتَرِي بِهِ مَا

گھر میں اس کی بقاء کے ساتھ استحساناً اور یہ جیسے وہ جو ہم ذکر کر چکے؛ کیونکہ بدل کے لیے حکم ہے مبدل کا، اور نہ خریدے اس سے ایسی چیز

لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إِلَّا بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ كَالْخَلِّ وَالْأَبَازِيرِ ؛ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ بِالدَّرَاهِمِ . وَالْمَعْنَى

جس سے نفع نہ اٹھایا جا سکے مگر اس کو ہلاک کرنے کے بعد جیسے سرکہ اور مصالح قیاس کرتے ہوئے دراہم کے عوض فروخت پر، اور وجہ

فِيهِ أَنَّهُ تَصَرُّفٌ عَلَى قَصْدِ التَّمَوُّلِ ، {۱۳} وَاللَّحْمُ بِمَنْزِلَةِ الْجِلْدِ فِي الصَّحِيحِ ، فَلَوْ بَاعَ

اس میں یہ ہے کہ یہ تصرف ہے بقصد مال حاصل کرنے کے، اور گوشت بمنزلہ کھال کے ہے صحیح قول کے مطابق، اور اگر فروخت کر دی

الْجِلْدَ أَوِ اللَّحْمَ بِالدَّرَاهِمِ أَوْ بِمَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إِلَّا بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ ،

کھال یا گوشت بعوض دراہم یا بعوض ایسی چیز جس سے نفع حاصل نہ کیا جا سکتا ہو مگر اس کو ہلاک کرنے کے بعد تو صدقہ کر دے اس کا ثمن

لِأَنَّ الْقُرْبَةَ انْتَقَلَتْ إِلَى بَدَلِهِ ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهِ فَلَا أُضْحِيَّةَ لَهُ }

؛ کیونکہ قربت منتقل ہو گئی اس کے بدل کی طرف۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد "جو فروخت کر دے اپنی قربانی کی کھال تو اس کے لیے قربانی نہیں ہے"

يُفِيدُ كَرَاهَةَ الْبَيْعِ، الْبَيْعُ جَائِزٌ لِقِيَامِ الْمِلْكِ وَالْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ ﴿۱۴﴾ قَالَ: وَلَا يُعْطِي أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنَ الْأُضْحِيَةِ؛

فائدہ دیتا ہے بیع کی کراہت کا، بہر حال بیع جائز ہے قیام ملک اور سپردگی پر قدرت کی وجہ سے، اور نہ دے قصائی کی اجرت اضحیہ میں سے

{لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَصَدَّقْ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا تُعْطِ أَجْرَ الْجَزَّارِ مِنْهَا شَيْئًا}

؛کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضرت علیؓ سے "صدقہ کردو قربانی کی جھول اور اس کی نکیل اور مت دو قصائی کی اجرت قربانی میں سے کچھ بھی"

وَالنَّهْيُ عَنْهُ نَهْيٌ عَنِ الْبَيْعِ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ

اور منع اجرت سے منع ہے بیع سے بھی؛ کیونکہ اجرت بیع کے معنی میں ہے،

تشریح:۔ ﴿۱﴾ اگر جانور کو لٹادیا اور وہ تڑپا جس سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا، پس اس نے اس کو ذبح کیا تو ہمارے نزدیک یہ استحساناً جائز ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے؛ ہماری دلیل یہ ہے کہ حالتِ ذبح اور ذبح کے مقدمات ذبح کے ساتھ ملحق ہیں تو گویا شرعی اجازت اور حکم کے اعتبار سے عیب ذبح کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لیے یہ عیب قربانی کے لیے مانع نہ ہوگا، اور اسی طرح اگر اسی حالت میں عیب دار ہوگیا، پھر وہ چھوٹ کر بھاگ گیا، پھر اسی وقت اس کو پکڑ لیا تو اس کی قربانی جائز ہے، اسی طرح اگر بعد میں پکڑ لیا تو بھی امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بعد میں پکڑنے کی صورت میں جائز نہیں ہے؛ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عیب مقدماتِ ذبح سے حاصل ہوا ہے اور مقدماتِ شئی ملحق ہوتے ہیں شئی کے ساتھ اس لیے اس کی قربانی جائز ہے۔

﴿۲﴾ قربانی اونٹ، گائے اور بکری کی ہوتی ہے؛ کیونکہ ان کی قربانی کا جواز شریعت سے معلوم ہوا ہے، باقی ان کے علاوہ کی قربانی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نہ حضور ﷺ سے ان کے علاوہ کی قربانی منقول ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ اور ان تینوں میں سے ثنی یا اس سے بڑی عمر کافی ہے، البتہ بھیڑ کا بچہ اگر جذع ہو تو بھی کافی ہوگا؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "ثنیوں کی قربانی کیا کرو مگر یہ کہ تم میں سے ایک کو اس کا ملنا دشوار ہو جائے تو پھر بھیڑ کا جذع ذبح کرلے[1]" اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کیا ہی بہترین قربانی ہے بھیڑ کا جذع[2]" ان دونوں روایتوں سے بھیڑ کے جذع کا کافی ہونا معلوم ہوتا ہے، البتہ مشائخ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت ہے کہ جذع ایسا موٹا تازہ ہو کہ اگر ثنیوں کے ساتھ مل جائے تو دور سے دیکھنے والے پر اس کا ثنی ہونا یا جذع ہونا مشتبہ ہو جائے۔

([1]) قُلْت: أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَذْبَحُوا إلَّا مُسِنَّةً، إلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنْ الضَّأْنِ"، (نصب الراية:4ص510)

([2]) قُلْت: أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ كِدَامِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي كِبَاشٍ، قَالَ: جَلَبْت غَنَمًا جُذْعَانًا إلَى الْمَدِينَةِ، فَكَسَدَتْ عَلَيَّ، فَلَقِيت أَبَا هُرَيْرَةَ، فَسَأَلْته، فَقَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "نِعْمَ، أَوْ نِعْمَتْ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ مِنْ الضَّأْنِ"، قَالَ: فَانْتَهَبَهُ النَّاسُ، (نصب الراية:4ص510)

{۳}اور فقہاء کے مذہب میں بھیڑ کا جذع وہ ہے جس کے چھ مہینے پورے ہوں، اور حسن بن احمد الزعفرانیؒ کے نزدیک بھیڑ کا جذع وہ ہے جس کے سات مہینے پورے ہوں، اور بھیڑ اور بکری کا ثنی ان کے ایک سال کے بچے کو کہتے ہیں، اور گائے کا ثنی اس کے دو سال کے بچے کو کہتے ہیں، اور اونٹ کا ثنی اس کے پانچ سال کے بچے کو کہتے ہیں۔ فقہاء کے مذہب کی قید اس لیے لگائی کہ اہل لغت کے نزدیک جذع ایک سال کے بچے کو کہتے ہیں۔

فتوی:۔راجح یہ ہے کہ بھیڑ کا جذع وہ جس کی عمر چھ مہینے سے کچھ بڑھ کر ہو لما في ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَصَحَّ الْجَذَعُ) بِفَتْحَتَيْنِ قُهُسْتَانِيٌّ (قَوْلُهُ ذُو سِتَّةِ أَشْهُرٍ) كَذَا فِي الْهِدَايَةِ، وَفَسَّرَهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى شَرْعًا بِمَا أَتَى عَلَيْهِ أَكْثَرُ الْحَوْلِ عِنْدَ الْأَكْثَرِ. قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ: وَفَسَّرَ الْأَكْثَرُ فِي الْمُحِيطِ بِمَا دَخَلَ فِي الشَّهْرِ الثَّامِنِ. وَفِي الْخِزَانَةِ بِمَا أَتَى عَلَيْهِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَشَيْءٌ. وَذَكَرَ الزَّعْفَرَانِيُّ أَنَّهُ ابْنُ سَبْعَةٍ، وَعَنْهُ ثَمَانِيَةٌ أَوْ تِسْعَةٌ، وَمَا دُونَهُ حَمَلٌ اهـ.قُلْت: وَاقْتَصَرَ فِي الْخَانِيَّةِ عَلَى مَا فِي الْخِزَانَةِ، وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ شَرْعًا لِأَنَّهُ فِي اللُّغَةِ مَا تَمَّتْ لَهُ سَنَةٌ نِهَايَةٌ (ردّ المحتار:5ص226)

{۴}اور گائے میں بھینس بھی داخل ہے؛کیونکہ بھینس گائے کی جنس سے ہے، اور گھریلو اور وحشی جانور کے ملنے سے پیدا ہونے والا بچہ ماں کا تابع ہوتا ہے؛کیونکہ تبعیت میں ماں ہی اصل ہے حتی کہ اگر بھیڑ، یا بکری پر چڑھا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ بکری کا تابع ہو کر اس کی قربانی جائز ہے۔

{۵}اگر سات آدمیوں نے ایک گائے خریدی تاکہ اس کی قربانی کریں، پھر اسے ذبح کرنے سے پہلے ان میں سے ایک مر گیا اور ورثہ نے باقی چھ آدمیوں سے کہا کہ تم اس کو اپنی اور میت کی طرف سے ذبح کرو تو یہ جائز ہے قربانی ادا ہو جائے گی۔ اور اگر چھ آدمیوں کے ساتھ ایک نصرانی شخص شریک ہو، یا کوئی ایسا شخص شریک ہو جس کی نیت قربانی کی نہ ہو بلکہ گوشت حاصل کرنے کی نیت ہو تو ان دو صورتوں میں ان میں سے کسی کی بھی قربانی جائز نہ ہو گی؛وجہ یہ ہے کہ گائے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ سب کا ارادہ قربت کا ہو اگرچہ قربت کی جہات مختلف ہوں مثلاً ایک قربانی کی نیت کرے اور دوسرا دم قران کی نیت کرنے اور تیسرا دم تمتع کی نیت کرے تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے؛کیونکہ سب کا مقصود ایک ہے اور وہ سب کا بنیتِ قربت ذبح کرنا ہے۔

{٦}بہر حال نیتِ قربت کی شرط پہلی صورت (ورثہ کا اجازت دینے کی صورت) میں پائی گئی؛کیونکہ غیر کی طرف سے قربانی کرنے کا عبادت ہونا معلوم ہوا ہے چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی تھی جیسا کہ اس سے پہلے ہم روایت کر چکے۔ اور نیتِ قربت کی شرط دوسری صورت (جس میں ایک شریک نصرانی ہو یا گوشت کا قصد کرنے والا ہو) میں نہ پائی گئی؛کیونکہ

نصرانی اہل قربت نہیں ہے اسی طرح گوشت کا قصد کرنا قربت کے منافی ہے اس لیے ان دو کے حصے میں قربت مفقود ہے اور جب ایک حصہ قربت واقع نہ ہوا تو کل قربت واقع نہ ہوگا؛ کیونکہ قربت کے حق میں اراقتِ دم متجزی نہیں ہے کہ بعض حصے قربت ہوں اور بعض قربت نہ ہوں اس لیے قربانی کا جواز ممتنع ہوگیا۔

﴿۷﴾ ورثہ کی اجازت کی صورت میں جو امام محمدؒ نے جواز کو ذکر کیا یہ حکم استحساناً ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو، یہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے؛ کیونکہ میت کے ورثہ میت کے حصے کے مالک ہو گئے اب میت کی طرف سے قربانی کی اجازت دینا تبرع بالاتلاف ہے یعنی ایسا نفلی کام ہے جو مال تلف کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تبرع بالاتلاف غیر کی طرف سے جائز نہیں ہے جیسے میت کی طرف سے غلام آزاد کرنا تبرع بالاتلاف ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔ لیکن ہم نے استحسان پر عمل کیا؛ کیونکہ میت کی طرف سے بھی قربت واقع ہوتی ہے جیسے میت کی طرف سے صدقہ کرنا قربت ہے لہذا اس صورت میں سب کی طرف سے قربت کا قصد پایا جاتا ہے اس لیے جائز ہے۔

باقی میت کی طرف سے غلام آزاد کرنے کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام کی ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوتی ہے تو اس میں میت کے اوپر ولاء کو لازم کرنا ہوتا ہے حالانکہ موت کی وجہ سے میت میں مالک بننے کی اہلیت نہیں پائی جاتی ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

﴿۸﴾ اور اگر ان لوگوں نے جانور کو وارثوں میں سے نابالغ بچے کی طرف سے یا ام ولد کی طرف سے ذبح کیا یعنی شریکوں میں کوئی نابالغ ہو جس کی طرف سے اس کے باپ نے قربانی کی، یا کوئی ام ولد ہو جس کی طرف سے اس کے مولی نے قربانی کی تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ یہ قربت ہے اور بچہ اور ام ولد جب مسلمان ہوں تو وہ قربت اور ثواب کے اہل ہیں اس لیے یہ جائز ہے۔

﴿۹﴾ اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک مر گیا اور باقی چھ نے اس کے ورثہ کی اجازت کے بغیر گائے ذبح کر دی تو ان کے لیے کافی نہ ہوگی؛ کیونکہ میت کا حصہ قربت واقع نہیں ہوا ہے اور قربت کے حق میں خون بہانا متجزی نہیں ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے، جبکہ سابقہ صورت میں ورثہ کی طرف سے اجازت پائی گئی اس لیے وہ قربت ہے اور جواز کے لیے قربت ہی شرط ہے اس لیے وہ صورت جائز ہے۔

{۱۰} اضحیہ کا گوشت کھاسکتا ہے اور غنیوں اور فقیروں کو کھلاسکتا ہے اور اپنے لیے ذخیرہ کر سکتا ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "میں نے تم کو قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا پس اس میں سے کھایا کرو اور ذخیرہ کرکے رکھا کرو[1]" لہٰذا اس میں سے خود کھانا جائز ہے اور جب وہ خود غنی ہونے کے باوجود کھاسکتا ہے تو دیگر غنیوں کو بھی کھلاسکتا ہے۔

اور مستحب یہ ہے کہ صدقہ ایک ثلث سے کم نہ ہو؛ کیونکہ یہاں تین جہات ہیں، خود کھانا اور ذخیرہ کرنا، ان دو کا جواز سابقہ روایت سے ثابت ہے، اور دوسروں کو کھلانا؛ اس کا جواز باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ[2]﴾ (اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں) سے ثابت ہے، پس قربانی کا گوشت ان تین جہات پر تقسیم کیا جائے گا اس لیے صدقہ کرنا ایک ثلث سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

{۱۱} قربانی کی کھال کو صدقہ کرے؛ کیونکہ کھال قربانی کا جزء ہے، یا کھال سے ایسی چیز بنائے جو گھر میں استعمال کی جائے جیسے چمڑے کا دسترخوان، تھیلا، چھلنی وغیرہ؛ کیونکہ قربانی کی کھال سے نفع اٹھانا حرام نہیں ہے، اور کھال کے بدلے میں ایسی چیز خریدنا بھی استحساناً جائز ہے جو باقی رہنے کے ساتھ ساتھ اس کے عین سے گھر میں نفع اٹھاتا رہے مثلاً وہ چیزیں جو ہم ذکر کر چکے یعنی دسترخوان، تھیلا وغیرہ؛ کیونکہ بدل کا وہی حکم ہے جو مبدل کا ہے یعنی خود کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کے باقی رہنے کے ساتھ ساتھ اس کے عین سے گھر میں نفع اٹھایا جاسکتا ہے اسی طرح اس کے بدلے میں خریدی گئی چیز بھی ایسی ہی ہو کہ اس کے باقی رہنے کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھاتا رہے۔

{۱۲} مگر ایسی چیز نہ خریدے جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو مگر اس کو ہلاک کرنے کے بعد جیسے سرکہ اور مصالحے وغیرہ؛ قیاس کرتے ہوئے دراہم کے عوض فروخت کرنے پر یعنی جس طرح کہ دراہم کے عوض فروخت کرکے دراہم کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح ایسی چیز کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے جو ہلاک کئے بغیر اس سے نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراہم یا مذکورہ چیز کے عوض فروخت کرنا ایسا تصرف ہے جس سے مال حاصل کرنے کا قصد کیا گیا ہے حالانکہ قربانی کی کھال قربت ہونے کی وجہ سے جہتِ تمول سے خارج ہوچکی ہے اس لیے اس طرح اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

([1]) قلت: أخرج مسلم عن أبي الزبير عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه نهى عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث، ثم قال بعد: "كلوا، وتزودوا، وادخروا"، (نصب الراية: 4ص512)

([2]) الحج:36.

﴿۱۳﴾ اور صحیح قول کے مطابق گوشت کا وہی حکم ہے جو کھال کا ہے کہ ایسی چیز کے عوض فروخت کرنا جائز ہے جو باقی رہتے ہوئے اس سے گھر میں نفع اٹھایا جاسکے اس کے علاوہ دراہم وغیرہ کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر دراہم یا ایسی چیز کے عوض فروخت کیا جس کو ہلاک کئے بغیر اس سے نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا لازم ہے؛ کیونکہ قربت اب کھال سے اس کے بدل (ثمن) کی طرف منتقل ہوگئی لہٰذا بدل اب قربت ہے اور قربت کی راہ یہی ہے کہ اس کو صدقہ کردے۔

سوال یہ ہے کہ قربانی کی کھال فروخت کرنے پر تو وعید آئی ہے کہ جو شخص قربانی کی کھال فروخت کردے تو اس کی قربانی نہیں ہے جبکہ اوپر آپ نے کہا کہ بیع جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ حدیث شریف سے بیع کی کراہت ثابت ہوتی ہے باقی نفس بیع جائز ہے؛ کیونکہ کھال میں قربانی کرنے والے کی ملکیت قائم ہے اور مبیع کو سپرد کرنے پر اس کو قدرت بھی حاصل ہے اس لیے یہ بیع جائز ہے۔

﴿۱۴﴾ قربانی میں سے قصائی کی مزدوری نہ دے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "قربانی کی جھول اور اس کی نکیل صدقہ کردو اور اس میں سے کچھ بھی قصائی کی مزدوری میں نہ دو"[1] اور قصائی کو اجرت میں دینے کی ممانعت اس کی بیع سے بھی ممانعت ہے؛ کیونکہ اجرت میں دینا بیع کے درجے میں ہے اس لیے کہ بیع اور اجرت میں دینا دونوں معاوضہ ہیں لہٰذا اجرت میں دینے کی طرح بیع بھی ممنوع ہوگی۔

﴿۱﴾ قَالَ : وَيُكْرَهُ أَنْ يَجُزَّ صُوفَ أُضْحِيَّتِهِ وَيَنْتَفِعَ بِهِ

اور مکروہ ہے کہ کاٹ دے اضحیہ کا اون اور فائدہ اٹھائے اس سے

قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَهَا ، لِأَنَّهُ الْتَزَمَ إِقَامَةَ الْقُرْبَةِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ أُقِيمَتِ الْقُرْبَةُ

اس کو ذبح کرنے سے پہلے؛ کیونکہ یہ التزام ہے اقامتِ قربت کا قربانی کے تمام اجزاء سے، برخلاف ذبح کے بعد کے؛ کیونکہ قائم ہوگئی قربت

بِهَا كَمَا فِي الْهَدْيِ ، وَيُكْرَهُ أَنْ يَحْلُبَ لَبَنَهَا فَيَنْتَفِعَ بِهِ كَمَا فِي الصُّوفِ . ﴿۲﴾ قَالَ : وَالْأَفْضَلُ أَنْ

اس سے جیسا کہ ہدی میں ہے، اور مکروہ ہے کہ دودھ نکال دے پھر فائدہ اٹھائے اس سے جیسا کہ اون میں ہے۔ فرمایا: اور افضل یہ ہے کہ

يَذْبَحَ أُضْحِيَّتَهُ بِيَدِهِ إِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ ، وَإِنْ كَانَ لَا يُحْسِنُهُ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَسْتَعِينَ بِغَيْرِهِ، وَإِذَا اسْتَعَانَ بِغَيْرِهِ

ذبح کردے اضحیہ اپنے ہاتھ سے بشرطیکہ اچھی طرح سے جانتا ہو ذبح کو، اور اگر نہ جانتا ہو ذبح کو تو بہتر یہ ہے کہ مدد لے دوسرے سے،

[1] قلت: أخرجه الجماعة إلا الترمذي عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن علي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه، وأقسم جلودها وجلالها، وأمرني أن لا أعطي الجزار منها شيئا، وقال: "نحن نعطيه من عندنا"، (نصب الراية: 4ص514)

يَنْبَغِي أَنْ يَشْهَدَهَا بِنَفْسِهِ { لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قُومِي فَاشْهَدِي
اور جب مدد لے دوسرے سے تو چاہیے کہ حاضر ہو اس کو بذاتِ خود؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے حضرت فاطمہؓ سے "کھڑی ہو اور حاضر رہو

أُضْحِيَّتَكِ ، فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَكِ بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهَا كُلُّ ذَنْبٍ }{۳}قَالَ : وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْبَحَهَا
اپنی قربانی کو، اس لیے کہ بخش دیے جاتے ہیں تیرے لیے قربانی کے پہلے ہی قطرے کے عوض تمام گناہ"۔ فرمایا: اور مکروہ ہے کہ ذبح کردے اس کو

الْكِتَابِيُّ ؛ لِأَنَّهُ عَمَلٌ هُوَ قُرْبَةٌ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهَا ، فَلَوْ أَمَرَهُ فَذَبَحَ
کتابی؛ کیونکہ ذبح ایسا عمل ہے جو قربت ہے اور کتابی اہل قربت نہیں ہے، اور اگر مسلمان نے امر کیا کتابی کو پس اس نے ذبح کیا

جَازَ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ ، وَالْقُرْبَةُ أُقِيمَتْ بِإِنَابَتِهِ وَنِيَّتِهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَ
تو جائز ہے؛ کیونکہ وہ ذکاۃ کا اہل ہے، اور قربت قائم ہو گئی اس کو نائب بنانے سے اور مسلمان کی نیت سے، برخلاف اس کے اگر امر کیا

الْمَجُوسِيَّ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ فَكَانَ إِفْسَادًا{۴}قَالَ :وَإِذَا غَلِطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ الْآخَرِ
مجوسی کو؛ کیونکہ وہ اہلِ ذکاۃ نہیں ہے، پس یہ فاسد کرنا ہے۔ فرمایا: اور اگر غلطی کی دو آدمیوں نے پس ذبح کیا ہر ایک نے دوسرے کا جانور

أَجْزَأَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا - وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ مَنْ ذَبَحَ أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ
تو کافی ہو گا دونوں کی جانب سے، اور کوئی ضمان نہیں ہے ان دونوں پر، اور یہ استحسان ہے، اور اصل یہ ہے کہ جو شخص اضحیہ ذبح کردے غیر کا

بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَا يَحِلُّ لَهُ ذَلِكَ وَهُوَ ضَامِنٌ لِقِيمَتِهَا ، وَلَا يُجْزِئُهُ عَنِ الْأُضْحِيَّةِ فِي الْقِيَاسِ
اس کی اجازت کے بغیر تو حلال نہیں ہے اس کے لیے، اور وہ ضامن ہے اس کی قیمت کا، اور کافی نہ ہو گا اضحیہ سے قیاس کے مطابق

وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَفِي الِاسْتِحْسَانِ يَجُوزُ وَلَا ضَمَانَ عَلَى الذَّابِحِ ، وَهُوَ قَوْلُنَا .وَجْهُ الْقِيَاسِ
اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے، اور استحساناً جائز ہے اور کوئی ضمان نہیں ہے ذبح کرنے والے پر اور یہی ہمارا قول ہے، اور وجہِ قیاس یہ ہے کہ

أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَيَضْمَنُ ، كَمَا إِذَا ذَبَحَ شَاةً اشْتَرَاهَا الْقَصَّابُ.
اس نے ذبح کی دوسرے کی بکری اس کی اجازت کے بغیر پس ضامن ہو گا جیسا کہ اگر ذبح کرلے ایسی بکری جس کو خرید لیا ہے قصاب نے

{۵}وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهَا تَعَيَّنَتْ لِلذَّبْحِ لِتَعَيُّنِهَا لِلْأُضْحِيَّةِ حَتَّى وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُضَحِّيَ
وجہِ استحسان یہ ہے کہ یہ متعین ہو گئی ذبح کے لیے؛ بوجہ اس کے متعین ہونے کے اضحیہ کے لیے، حتی کہ واجب ہے اس پر کہ ذبح کرلے

بِهَا بِعَيْنِهَا فِي أَيَّامِ النَّحْرِ .وَيُكْرَهُ أَنْ يُبْدِلَ بِهَا غَيْرَهَا فَصَارَ الْمَالِكُ مُسْتَعِينًا بِكُلِّ مَنْ يَكُونُ أَهْلًا
بعینہ اس جانور کو ایامِ نحر میں، اور مکروہ ہے کہ بدل دے اس کے بدلے اس کا غیر، پس ہو گیا مالک مدد لینے والا ہر اس شخص سے جو اہل ہو

لِلذَّبْحِ آذِنًا لَهُ دَلَالَةً لِأَنَّهَا تَفُوتُ بِمُضِيِّ هَذِهِ الْأَيَّامِ ، وَعَسَاهُ يَعْجَزُ
ذبح کی اجازت دینے والا ہے اس کو دلالۃً؛ کیونکہ قربانی فوت ہوتی ہے ان ایام کے گذرنے سے، اور ممکن ہے کہ وہ عاجز ہو جائے

عَنْ إِقَامَتِهَا بِعَوَارِضَ فَصَارَ كَمَا إِذَا ذَبَحَ شَاةً شَدَّ الْقَصَّابُ رِجْلَهَا ،﴿٦﴾فَإِنْ
اس کو قائم کرنے سے عوارض کی وجہ سے، پس ہو گیا جیسا کہ اگر ذبح کی ہو ایسی بکری کہ باندھ دیا ہو قصاب نے اس کا پاؤں۔ پس اگر

قِيلَ : يَفُوتُهُ أَمْرٌ مُسْتَحَبٌّ وَهُوَ أَنْ يَذْبَحَهَا بِنَفْسِهِ أَوْ يَشْهَدَ الذَّبْحَ فَلَا يَرْضَى بِهِ.
اعتراض کیا جائے کہ فوت ہوا مالک سے امر مستحب اور وہ یہ کہ ذبح کردے قربانی کو بذاتِ خود یا حاضر ہو جائے ذبح کو، پس وہ راضی نہیں اس پر؟

قُلْنَا : يَحْصُلُ لَهُ بِهِ مُسْتَحَبَّانِ آخَرَانِ ، صَيْرُورَتُهُ مُضَحِّيًا لِمَا عَيَّنَهُ ، وَكَوْنُهُ مُعَجِّلًا
ہم جواب دیتے ہیں کہ حاصل ہو گئے اس کو دو اور مستحب امر، اس کا قربانی کرنے والا ہونا اس کو جو اس نے متعین کیا ہے، اور جلدی کرنے والا

بِهِ فَيَرْتَضِيهِ ،﴿٧﴾وَلِعُلَمَائِنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ مِنْ هَذَا الْجِنْسِ مَسَائِلُ اسْتِحْسَانِيَّةٌ ، وَهِيَ أَنَّ مَنْ طَبَخَ
ذبح میں، پس وہ اس سے راضی ہو جائے گا۔ اور ہمارے علماء کے ہاں اس جنس کے استحسانی مسائل ہیں، اور وہ یہ کہ جو شخص پکالے

لَحْمَ غَيْرِهِ أَوْ طَحَنَ حِنْطَتَهُ أَوْ رَفَعَ جَرَّتَهُ فَانْكَسَرَتْ أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَعَطِبَتْ
دوسرے کا گوشت یا پیس دے دوسرے کا گندم، یا اٹھالے دوسرے کا مٹکا پس وہ ٹوٹ گیا، یا بار برداری کی غیر کے جانور پر پس وہ ہلاک ہوا

كُلُّ ذَلِكَ بِغَيْرِ أَمْرِ الْمَالِكِ يَكُونُ ضَامِنًا ،﴿٨﴾وَلَوْ وَضَعَ الْمَالِكُ اللَّحْمَ فِي الْقِدْرِ وَالْقِدْرَ عَلَى الْكَانُونِ وَالْحَطَبَ تَحْتَهُ،
یہ سب مالک کے امر کے بغیر ہوں تو ضامن ہوگا، اور اگر رکھ لیا مالک نے گوشت ہانڈی میں اور ہانڈی کو چولہے پر، اور لکڑی اس کے نیچے

أَوْ جَعَلَ الْحِنْطَةَ فِي الدَّوْرَقِ وَرَبَطَ الدَّابَّةَ عَلَيْهِ ، أَوْ رَفَعَ الْجَرَّةَ وَأَمَالَهَا إِلَى نَفْسِهِ أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَسَقَطَ
یا کر دیا گندم دورق میں اور باندھ لیا جانور کو اس سے، یا اٹھا دیا گھڑا اور مائل کر دیا اپنی طرف، یا بوجھ لادا اپنے چوپائے پر پس وہ گر گیا

فِي الطَّرِيقِ ، فَأَوْقَدَ هُوَ النَّارَ فِيهِ وَطَبَخَهُ ، أَوْ سَاقَ الدَّابَّةَ فَطَحَنَهَا ، أَوْ أَعَانَهُ عَلَى رَفْعِ الْجَرَّةِ
راستے میں، پس جلادی اس نے آگ اس میں پس پکا دیا اس کو، یا اس نے ہانکا دیا جانور کو اور اس نے پیس دیا گندم، یا اعانت کی گھڑا اٹھانے پر

فَانْكَسَرَتْ فِيمَا بَيْنَهُمَا ،أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ مَا سَقَطَ فَعَطِبَتْ لَا يَكُونُ ضَامِنًا فِي هَذِهِ الصُّوَرِ كُلِّهَا اسْتِحْسَانًا
پس وہ ٹوٹ گیا دونوں کے درمیان میں، یا لادا اس کے جانور پر وہ جو گر گیا، پس وہ ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا ان تمام صورتوں میں استحساناً

لِوُجُودِ الْإِذْنِ دَلَالَةً﴿٩﴾إِذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ: ذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ صَرِيحًا
وجودِ اجازت کی وجہ سے دلالۃً۔ جب یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کتاب کے مسئلہ میں کہ ذبح کیا ہر ایک نے دوسرے کا اضحیہ اس کی صریح اجازت کے بغیر

فَهِيَ خِلَافِيَّةُ زُفَرَ بِعَيْنِهَا وَيَتَأَتَّى فِيهَا الْقِيَاسُ وَالِاسْتِحْسَانُ كَمَا ذَكَرْنَا ، فَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

تو یہ بعینہ اختلافی مسئلہ ہے امام زفرؒ کے ساتھ، اور جاری ہوں گے اس میں قیاس اور استحسان جیسا کہ ہم ذکر کر چکے، پس لے ہر ایک ان دونوں میں سے

مَسْلُوخَةً مِنْ صَاحِبِهِ ، وَلَا يُضَمِّنُهُ لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ فِيمَا فَعَلَ دَلَالَةً ، {۱۰} فَإِذَا

کھال اتاری ہوئی بکری اپنے ساتھی سے، اور ضامن نہ بنائے ساتھی کو؛ کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے اس کام میں جو اس نے کیا دلالۃً، اور اگر

كَانَا قَدْ أَكَلَا ثُمَّ عَلِمَا فَلْيُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ وَيُجْزِيهِمَا

ان دونوں نے کھالی پھر دونوں کو علم ہوا تو حلال کر دے ہر ایک ان دونوں میں سے اپنے ساتھی کے لیے، اور ان دونوں کے لیے کافی ہو جائے گا

لِأَنَّهُ لَوْ أَطْعَمَهُ فِي الِابْتِدَاءِ يَجُوزُ ، وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا فَكَذَا لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهُ فِي الِانْتِهَاءِ وَإِنْ

؛ کیونکہ اگر وہ کھلاتا اس کو ابتداء میں تو جائز ہوتا اگرچہ وہ غنی ہو، پس اسی طرح اس کو حق ہے کہ حلال کر دے اس کو انتہاء میں۔ اور اگر

تَشَاحَّا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُضَمِّنَ صَاحِبَهُ قِيمَةَ لَحْمِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ

دونوں نے جھگڑا کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ ضامن بنائے اپنے ساتھی کو اپنے گوشت کی قیمت کا، پھر صدقہ کر دے

بِتِلْكَ الْقِيمَةِ لِأَنَّهَا بَدَلٌ عَنِ اللَّحْمِ فَصَارَ كَمَا لَوْ بَاعَ أُضْحِيَّتَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّضْحِيَةَ لَمَّا وَقَعَتْ

اس قیمت کو؛ کیونکہ یہ قیمت بدل ہے گوشت کا، پس ہو گیا جیسے اگر فروخت کر دے اپنی قربانی کو، اور یہ اس لیے کہ قربانی کرنا جب واقع ہوا

عَنْ صَاحِبِهِ كَانَ اللَّحْمُ لَهُ وَمَنْ أَتْلَفَ لَحْمَ أُضْحِيَّةِ غَيْرِهِ كَانَ الْحُكْمُ مَا ذَكَرْنَاهُ

اس کے ساتھی کی طرف سے تو گوشت اس کے لیے ہوا، اور جو شخص تلف کر دے غیر کی قربانی کا گوشت تو حکم یہی ہے جو ہم ذکر کر چکے

{۱۱} وَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَضَحَّى بِهَا ضَمِنَ قِيمَتَهَا وَجَازَ عَنْ أُضْحِيَّتِهِ ؛ لِأَنَّهُ

اور جس نے غصب کی بکری اور اس کی قربانی کر دی تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا اور کفایت کرے گی اس کی قربانی کی طرف سے؛ کیونکہ وہ

مَلَكَهَا بِسَابِقِ الْغَصْبِ ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أَوْدَعَ شَاةً فَضَحَّى بِهَا لِأَنَّهُ يَضْمَنُهُ

اس کا مالک ہوا سابق غصب کی وجہ سے، برخلاف اس کے اگر ودیعت رکھی بکری، پھر اس نے اس کی قربانی کی؛ کیونکہ ضامن ہوگا اس کا

بِالذَّبْحِ فَلَمْ يَثْبُتِ الْمِلْكُ لَهُ إِلَّا بَعْدَ الذَّبْحِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ذبح سے پس ثابت نہ ہوئی ملک اس کے لیے مگر ذبح کے بعد، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔ {۱} اپنی قربانی کو ذبح کرنے سے پہلے اس کی اون کاٹنا اور اس سے نفع اٹھانا مکروہ ہے؛ کیونکہ اس نے قربانی کے تمام اجزاء

کے ساتھ قربت قائم کرنے کا التزام کیا ہے اس لیے قربت قائم کیے بغیر اس سے نفع اٹھانا مکروہ ہے، برخلافِ ذبح کرنے کے بعد کہ اب

اس کی اُون کاٹنا جائز ہے؛ کیونکہ اس صورت میں قربانی کے ساتھ قربت قائم ہو چکی لہذا اب قربانی کی اُون سے وہی نفع اٹھا سکتا ہے جو اس کی کھال سے اٹھانا جائز ہے جیسا کہ ہدی میں ہے یعنی جو جانور بیت اللہ کی طرف بطورِ ہدی بھیجا گیا تو چونکہ اس کے تمام اجزاء کے ساتھ اقامتِ قربت کا التزام کیا گیا اس لیے اس کی اُون کاٹنا اور اس سے نفع اٹھانا ممنوع ہے۔اسی طرح قربانی کے جانور کا دودھ دوہنا اور اس سے نفع اٹھانا مکروہ ہے جیسا کہ اُون کا حکم ہے۔

{۲} افضل یہ ہے کہ بندہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے بشرطیکہ وہ اچھی طرح سے ذبح کرنے کو جانتا ہو، اور اگر وہ ذبح کو نہ جانتا ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ غیر سے مدد لے لے، اور غیر سے مدد لینے کی صورت میں مناسب یہ ہے کہ وہاں خود حاضر ہو؛ کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "کھڑی ہو جا اور حاضر ہو اپنی قربانی کے پاس؛ کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرے سے تیرا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے[1]"۔

{۳} اور یہ مکروہ ہے کہ قربانی کو کتابی (اہل کتاب) ذبح کرلے؛ کیونکہ قربانی ایسا عمل ہے جو قربت ہے اور کتابی قربت کا اہل نہیں ہے، اور اگر مسلمان نے اپنی قربانی ذبح کرنے کے لیے کسی کتابی کو حکم دیا اور اس نے ذبح کر دی تو جائز ہے؛ کیونکہ کتابی جانور ذبح کرنے کا اہل ہے اور اس کا ذبیحہ حلال ہے، باقی کتابی اگرچہ قربت کا اہل نہیں ہے مگر قربت مسلمان کی نیت اور اس کے نائب بنانے سے قائم ہو گئی ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔اس کے برخلاف اگر مسلمان نے مجوسی کو قربانی ذبح کرنے کا امر کیا اور اس نے ذبح کر دی تو جائز نہیں ؛ کیونکہ مجوسی ذبح کا اہل نہیں ہے اس کے ذبح کرنے سے جانور مردار ہو جاتا ہے لہذا مجوسی کا ذبح کرنا قربانی کو خراب کرنا ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

{۴} اگر دو آدمیوں نے اس طرح غلطی کی کہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی ذبح کر دی تو استحساناً یہ دونوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور دونوں پر ضمان نہیں ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ جو شخص غیر کی قربانی اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر دے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے اور وہ اس کی قیمت کا ضامن ہو گا اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اس کی قربانی سے کفایت نہیں کرے گا اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے، مگر استحساناً یہ جائز ہے اور ذبح کرنے والے پر ضمان نہیں ہے، یہی ہمارا قول ہے۔

---

(1) أما حديث عِمْرَانَ: فَرَوَاهُ الحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِفَاطِمَةَ: "قُومِي إلَى أُضْحِيَّتِك فَاشْهَدِيهَا، فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَك عِنْدَ أَوَّلِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهَا كُلُّ ذَنْبٍ عَمِلْتِيهِ، وَقُولِي: " {إنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ} إلَى قَوْلِهِ: {مِنَ الْمُسْلِمِينَ} "، قَالَ: عِمْرَانُ، قُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا لَك، وَلِأَهْلِ بَيْتِك خَاصَّةً، أَمْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً؟ قَالَ: "لَا، بَلْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً"، (نصب الراية:4ص514)

قیاس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے غیر کی بکری اس کے امر کے بغیر ذبح کر دی تو قربانی سے کفایت نہیں کرے گا؛ کیونکہ قربانی قربت ہے غیر کی نیت سے ادا نہیں ہوتی ہے، لہٰذا ذابح ضامن ہو گا جیسا کہ قصائی کی خریدی ہوئی بکری کوئی شخص قصائی کے کہنے کے بغیر ذبح کر دے تو ذابح ضامن ہو گا اسی طرح قربانی کو ذبح کرنے کی صورت میں بھی ذابح ضامن ہو گا۔

{۵} وجہِ استحسان یہ ہے کہ یہ بکری ذبح کے لیے متعین ہے؛ کیونکہ یہ قربانی کے لیے متعین ہے حتی کہ مالک پر واجب ہے کہ ایامِ نحر میں بعینہ اسی کی قربانی کرے، اور یہ مکروہ ہے کہ اس کو دوسری بکری سے تبدیل کر دے لہٰذا یہی ذبح کے لیے متعین ہے لہٰذا دوسروں پر بنظرِ خیر خواہی لازم ہے کہ اس کی مدد کریں تاکہ ذمہ داری ادا ہو جائے، تو مالک ہر ایسے شخص سے مدد چاہنے والا ہو گیا جو شخص ذبح کا اہل ہو اور اس کی طرف سے دلالۃً ذبح کی اجازت ہو گئی؛ کیونکہ اس کا حال یہی تقاضا کر رہا ہے؛ اس لیے کہ ایامِ نحر گذر جانے سے قربانی فوت ہو جاتی ہے پس ممکن ہے کہ بعض عوارض اور موانع ایسے پیش آئیں کہ وہ خود اس کو ذبح کرنے سے عاجز ہو جائے تو لازمی بات ہے کہ وہ دوسروں سے مدد مانگے گا یوں اس کا غیر سے مدد طلب کرنا ثابت ہو گیا اس لیے غیر کا اسے ذبح کرنا جائز ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کسی قصائی نے بکری کے پاؤں باندھ لیے اور ذبح کرنے کی تیاری کی کہ اس درمیان میں کسی دوسرے شخص نے تسمیہ پڑھ کر اس پر چھری پھیر دی تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ وہ قصائی کا مددگار ہے، اسی طرح یہاں بھی ہر ایک دوسرے کا مددگار ہے اس لیے قربانی درست ہے اور کسی پر ضمان واجب نہ ہو گا۔

{٦} سوال یہ ہے کہ اگر ہر ایک کی قربانی درست ہو جائے تو اس سے امر مستحب فوت ہو جائے گا اور وہ یہ کہ قربانی کو ذبح کرنا یا ذبح کے وقت خود حاضر رہنا مستحب ہے جو مذکورہ صورت میں فوت ہو جاتا ہے اس لیے وہ اس پر راضی نہ ہو گا لہٰذا قربانی جائز نہیں ہونی چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے مگر اس کو دو اور مستحب حاصل ہو جاتے ہیں، ایک یہ کہ قربانی کے لیے جو بکری متعین کی گئی تھی اسی کی قربانی کر دی گئی جو ایک مستحب کام ہے، دوسرا یہ کہ اس صورت میں واجب کی ادائیگی میں عجلت پائی جاتی ہے جو ایک مستحب کام ہے لہٰذا مالک اس پر راضی ہو گا اس لیے قربانی جائز ہو گی۔

{۷} صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے اس جنس کے چند اور مسائل میں استحسان پر عمل کیا ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کا گوشت پکا دیا، یا دوسرے کا گندم اٹھا کر پیس دیا، یا دوسرے کا گھڑا اٹھایا اور وہ ٹوٹ گیا، یا دوسرے کے جانور پر بوجھ لادا جس سے وہ ہلاک ہوا اور یہ سب کام اس نے مالک کی اجازت کے بغیر انجام دیئے جس سے مالک کا نقصان ہوا تو اس پر ضمان واجب ہو گا۔

{۸}اور اگر مالک نے گوشت ہانڈی میں رکھا اور ہانڈی کو چولہے پر رکھا اور اس کے نیچے لکڑیاں اور ایندھن رکھ دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو پکانا چاہتا ہے، تو اگر دوسرے شخص نے اس کے نیچے آگ جلائی اور گوشت کو پکادیا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ مالک کی طرف سے دلالۃً اجازت پائی گئی۔ اسی طرح مالک نے دورق (چکی کے اوپر بنایا گیا صندوق جس سے گندم خود بخود چکی میں پہنچتا ہے) میں گندم ڈالا اور چکی چلانے کے لیے جانور باندھا، اور دوسرے نے جانور کو ہانک کر چکی چلائی اور گندم کو پیس دیا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ دلالۃً اجازت پائی گئی۔ اسی طرح مالک نے گھڑا اٹھانے کے لیے اس کو اپنی طرف مائل کردیا، اور دوسرے نے سہارا دیا تاکہ گھڑا اٹھ جائے، اتفاق سے وہ گر کر ان دونوں کے درمیان میں ٹوٹ گیا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ دلالۃً اجازت پائی گئی۔ اسی طرح مالک نے اپنے چوپائے پر بوجھ رکھا اور وہ راستے میں گر گیا، اور دوسرے شخص نے اس کو اٹھا کر چوپائے پر رکھا اور چوپایہ ہلاک ہوا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا؛ کیونکہ دلالۃً اجازت پائی گئی۔

{۹}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ چاروں مسائل ثابت ہوگئے تو متن کے مسئلے کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی صریح اجازت کے بغیر اس کی بکری ذبح کردی ہے تو یہ بعینہ امام زفرؒ کا اختلافی مسئلہ ہے جس میں قیاس اور استحسان دونوں جاری ہوتے ہیں جس کی تفصیل ہم اوپر ذکر کرچکے۔ بہر حال ہمارے مسلک کے مطابق ہر ایک کی قربانی جائز ہے اور ہر ایک نے چونکہ دوسرے کی بکری کو ذبح کرکے اس کی کھال اتاری ہے تو ہر ایک دوسرے سے اپنی مسلوخہ (کھال اتاری گئی) بکری لے لے اور دوسرے کو ضامن نہ بنائے؛ کیونکہ اس نے جو کچھ کیا ہے اس میں وہ اس کا دلالۃً وکیل ہے اور وکیل پر ضمان نہیں آتا ہے۔

{۱۰}اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسری کی بکری کھالی پھر ان کو پتہ چلا تو چاہیئے کہ ہر ایک اپنی بکری اپنے ساتھی کے لیے حلال کردے اور قربانی ان دونوں کے لیے کفایت کرے گی؛ کیونکہ اگر شروع ہی سے ہر ایک اپنی قربانی کا گوشت دوسرے کو کھلادیتا تو یہ جائز ہوتا اگرچہ وہ غنی ہو پس اسی طرح اگر انتہاء میں اس کو غنی کے لیے حلال کردے تو بھی جائز ہوگا۔

اگر دونوں نے جھگڑا کیا ہر ایک کہتا ہے کہ میری قربانی کا گوشت عمدہ تھا، تو ہر ایک کو حق ہے کہ اپنے ساتھی کو ضامن بنا کر اس سے اپنی قربانی کے گوشت کی قیمت لے لے پھر اس قیمت کو صدقہ کردے؛ کیونکہ یہ قیمت گوشت کا بدل ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنی قربانی کو فروخت کردے اور ایام قربانی گذر جائیں تو اس پوری قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور اس ضمان دینے اور پھر اس کا اس کو صدقہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قربانی تلف کرنے والے کے ساتھی کی طرف سے واقع ہوگئی تو گوشت بھی اس کے

ساتھی کا ہے اور جو شخص دوسرے کی قربانی کا گوشت تلف کردے تو اس کا بھی حکم ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ اس کا ضمان دے اور وہ اس کو صدقہ کردے۔

﴿۱۱﴾ جو شخص دوسرے کی بکری غصب کرلے پھر اس کی قربانی کرلے تو غاصب اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور یہ اس کی قربانی کی طرف سے جائز ہو جائے گا؛ کیونکہ ذبح کرنے سے پہلے جو اس نے بکری غصب کرلی غاصب ان غصب کی وجہ سے اس بکری کا مالک ہو گیا اس لیے اس کی قربانی جائز ہے، یاد رہے کہ جواز بمعنی صحت ہے بمعنی عدم الاثم نہیں ہے؛ کیونکہ ایسا شخص بہر حال گنہگار ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے اس کے پاس بکری ودیعت رکھی اور اس نے اس کی قربانی کردی تو یہ قربانی جائز نہیں؛ کیونکہ ضمان تو یہاں بھی اس پر واجب ہے مگر یہ ضمان ودیعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسے ذبح کرنے کی وجہ سے ہے لہٰذا امین کے لیے ملکیت ذبح کے بعد ثابت ہوگی ذبح سے پہلے وہ اس کا مالک نہیں ہے اس لیے یہ قربانی جائز نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ

یہ کتاب کراہیت کے بیان میں ہے۔

بعض حضرات نے یہاں "کتاب الحظر و الاباحة" کا عنوان دیا ہے حظر بمعنی منع اور اباحت بمعنی اطلاق وجواز ہے؛ کیونکہ اس میں ان مسائل کو بیان کیا جاتا ہے جو ممنوع اور مباح ہیں۔ اور بعض حضرات نے "کتاب الاستحسان" کا عنوان دیا ہے؛ کیونکہ اس میں ان چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے جو مستحسن یا قبیح ہیں۔ اور بعض نے "کتاب الزهد و الورع" کا عنوان دیا ہے؛ کیونکہ ان میں بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے مگر زہد وتقوی کا تقاضا ان کو ترک کرنے کا ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ نے "کتاب الكراهية" کا عنوان دیا ہے اگرچہ اس میں غیر مکروہ چیزوں کو بھی بیان کیا ہے؛ کیونکہ مکروہ سے بچنا واجب ہونے کی وجہ سے اہم ہے اس لیے یہ عنوان دیا ہے۔

ذبائح اور اضحیہ کے مسائل عام طور پر آثار اور احادیث سے ثابت ہیں اسی طرح کراہیت کے مسائل بھی عام طور پر آثار سے ثابت ہیں اس مناسبت سے ذبائح اور اضحیہ کے بعد "کتاب الكراهية" کو رکھا ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: تَكَلَّمُوا فِي مَعْنَى الْمَكْرُوهِ. وَالْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ نَصًّا أَنَّ كُلَّ مَكْرُوهٍ حَرَامٌ، إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا

مصنفؒ نے فرمایا: فقہاء نے کلام کیا ہے مکروہ کے معنی میں، اور مروی امام محمدؒ سے صراحۃً یہ ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے مگر جب

لَمْ يَجِدْ فِيهِ نَصًّا قَاطِعًا لَمْ يُطْلِقْ عَلَيْهِ لَفْظَ الْحَرَامِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ،

انہوں نے نہیں پائی اس میں قطعی نص تو اطلاق نہیں کرتے اس پر حرام کا، اور شیخینؒ سے مروی ہے کہ یہ حرام کے زیادہ قریب ہے،

وَهُوَ يَشْتَمِلُ عَلَى فُصُولٍ مِنْهَا

اور یہ کتاب مشتمل ہے چند فصلوں پر۔

تشریح:۔ {۱} علماء کرام نے مکروہ کے معنی میں کلام کیا ہے چنانچہ امام محمدؒ سے صراحۃً یہ مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے، مگر چونکہ امام محمدؒ کو اس کے بارے میں کوئی قطعی نص نہیں ملی اس لیے انہوں نے اس پر لفظِ حرام کا اطلاق نہیں کیا بلکہ اس کو مکروہ کہا۔ اور شیخینؒ سے مروی ہے کہ مکروہ وہ ہے جو حرام کے قریب ہو۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ "کتاب الکراہیۃ" چند فصلوں پر مشتمل ہے جن کو الاہم فالاہم کے تحت ترتیب سے ذکر فرمایا ہے۔

ف:۔ مکروہ کی دو قسمیں ہیں، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی۔ دونوں میں حدِ فاصل یہ ہے کہ اگر اصل حرمت ہو البتہ عموم بلویٰ کی وجہ سے حرمت ساقط ہوگئی ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسے بلی کا جھوٹا، ورنہ تو مکروہ تحریمی ہے جیسے گدھے کا گوشت، اور اگر اصل حکم اباحت ہو مگر کسی عارضی امر نے اس کو اباحت سے خارج کر دیا تو اگر اس امر کے موجود ہونے کا غالب گمان ہو تو مکروہ تحریمی ہے جیسے جلالہ گائے کا جھوٹا، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے جیسے پرندوں کا جھوٹا۔

فقہاء کرام کی عادت یہ ہے کہ جب مکروہ تنزیہی مراد لیتے ہیں تو وہاں تنزیہی کی قید لگاتے ہیں، اور جہاں مطلقاً مکروہ کو ذکر کرتے ہیں تو اس سے مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں کما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ تَنْزِيهًا) قَيَّدَ بِهِ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ التَّحْرِيمُ. مَطْلَبٌ. الْكَرَاهَةُ حَيْثُ أُطْلِقَتْ فَالْمُرَادُ مِنْهَا التَّحْرِيمُ قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَكْرُوهَ إِذَا أُطْلِقَ فِي كَلَامِهِمْ فَالْمُرَادُ مِنْهُ التَّحْرِيمُ إلَّا أَنْ يَنُصَّ عَلَى كَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ، فَقَدْ قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْمُصَفَّى: لَفْظُ الْكَرَاهَةِ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ يُرَادُ بِهَا التَّحْرِيمُ. قَالَ أَبُو يُوسُفَ: قُلْت لِأَبِي حَنِيفَةَ: إذَا قُلْت فِي شَيْءٍ أَكْرَهُهُ فَمَا رَأْيُك فِيهِ؟ قَالَ: التَّحْرِيمُ. اهـ (ردّ المحتار:165/1)

فصل في الأكل والشرب

یہ فصل کھانے پینے کے بیان میں ہے

مصنفؒ نے اس فصل کو دیگر فصول سے اس لیے مقدم کیا ہے کہ اس میں کھانے پینے کی چیزوں کے احکام ذکر فرمائے ہیں جن کی طرف احتیاج زیادہ ہے پس اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم کیا ہے۔

{۱}قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُكْرَهُ لُحُومُ الْأُتُنِ وَأَلْبَانُهَا وأَبْوالُ الْإِبِلِ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : لَا بَأْسَ

فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے مکروہ ہیں گدھیوں کے گوشت اور ان کے دودھ، اور اونٹ کے پیشاب، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے کوئی حرج نہیں ہے

بِأَبْوَالِ الْإِبِلِ ، وَتَأْوِيلُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهَا لِلتَّدَاوِي،

اونٹوں کے پیشاب میں، اور تاویل امام ابو یوسفؒ کے قول کی یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اس میں دواء کے لیے استعمال کرنے میں

وَقَدْ بَيَّنَّا هَذِهِ الْجُمْلَةَ فِيمَا تَقَدَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَالذَّبَائِحِ فَلَا نُعِيدُهَا ، وَاللَّبَنُ مُتَوَلِّدٌ مِنَ اللَّحْمِ

اور ہم بیان کر چکے یہ سب ما قبل میں کتاب الصلوۃ اور کتاب الذبائح میں پس ہم نہیں لوٹائیں گے اس کو، اور دودھ پیدا ہوتا ہے گوشت سے

فَأَخَذَ حُكْمَهُ{۲}قَالَ :وَلَاتحوزُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ؛

پس لے لیا گوشت کا حکم۔ فرمایا: اور جائز نہیں ہے کھانا اور پینا اور تیل اور خوشبو لگانا سونے اور چاندی کے برتنوں میں مردوں اور عورتوں کے لیے

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ { إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ }

کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے اس شخص کے بارے میں جو پیتا ہے سونے اور چاندی کے برتن میں "کہ یہ شخص بھر رہا ہے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ"

{وَأُتِيَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِشَرَابٍ فِي إِنَاءِ فِضَّةٍ فَلَمْ يَقْبَلْهُ وَقَالَ: نَهَانَا عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ}

اور دی گئی حضرت ابو ہریرہؓ کو پینے کی چیز چاندی کے برتن میں، پس آپؓ نے قبول نہیں کیا اس کو، اور کہا کہ ہمیں منع کیا ہے اس سے حضورؐ نے

وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي الشُّرْبِ فَكَذَا فِي الِادِّهَانِ وَنَحْوِهِ ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهُ وَلِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ

اور جب ثابت ہوا یہ پینے میں تو اسی طرح تیل وغیرہ لگانے کا حکم ہے؛ کیونکہ یہ شرب کے معنی میں ہے، اور اس لیے کہ یہ مشابہت ہے

بِزِيِّ الْمُشْرِكِينَ وَتَنَعُّمٌ بِنَعِيمِ الْمُتْرَفِينَ وَالْمُسْرِفِينَ ،{۳}وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : يُكْرَهُ وَمُرَادُهُ

مشرکین کی ہیئت کی اور عیش کوشی ہے تکبر اور اسراف کرنے والوں کی عیش کوشی کی طرح۔ اور فرمایا جامع صغیر میں: مکروہ ہے، اور ان کی مراد

التَّحْرِيمُ وَيَسْتَوِي فِيهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ لِعُمُومِ النَّهْيِ ، وَكَذَلِكَ الْأَكْلُ بِمِلْعَقَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالِاكْتِحَالُ

تحریم ہے، اور برابر ہیں اس میں مرد اور عورتیں؛ عموم نہی کی وجہ سے، اور اسی طرح کھانا سونے اور چاندی کے چمچے سے اور سرمہ لگانا ہے

بِمِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَكَذَا مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ كَالْمُكْحُلَةِ وَالْمِرْآةِ وَغَيْرِهِمَا لِمَا ذَكَرْنَا.

سونے اور چاندی کی سلائی سے؛ اور اسی طرح جو مشابہ ہو اس کے جیسے سرمہ دانی اور آئینہ وغیرہ؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔

﴿۴﴾قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الرَّصَاصِ وَالزُّجَاجِ وَالْبَلُّورِ وَالْعَقِيقِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُكْرَهُ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الذَّهَبِ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں رانگ، کانچ، بلور اور عقیق کے برتن استعمال کرنے میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ سونے

وَالْفِضَّةِ فِي التَّفَاخُرِ بِهِ. قُلْنَا: لَيْسَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ مَا كَانَ مِنْ عَادَتِهِمْ

اور چاندی کے معنی میں ہیں ان کے ساتھ تفاخر کرنے میں۔ ہم جواب دیتے ہیں اس طرح نہیں ہے؛ کیونکہ نہیں تھی عادت مشرکین کی

التَّفَاخُرُ بِغَيْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. ﴿۵﴾قَالَ: وَيَجُوزُ الشُّرْبُ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالرُّكُوبُ

تفاخر کرنا سونے اور چاندی کے علاوہ کے ساتھ۔ فرمایا: اور جائز ہے پینا چاندی کا ملمع کئے ہوئے برتن میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور سوار ہونا

عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ الْمُفَضَّضِ وَالسَّرِيرِ الْمُفَضَّضِ إِذَا كَانَ يَتَّقِي مَوْضِعَ الْفِضَّةِ، وَمَعْنَاهُ: يَتَّقِي

چاندی لگی زین پر اور بیٹھنا مفضض کرسی اور تخت پر بشرطیکہ بچے چاندی کی جگہ سے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ بچے

مَوْضِعَ الْفَمِ وَقِيلَ هَذَا وَمَوْضِعَ الْيَدِ فِي الْأَخْذِ وَفِي السَّرِيرِ وَالسَّرْجِ مَوْضِعَ الْجُلُوسِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُكْرَهُ ذَلِكَ،

منہ کی جگہ سے اور کہا گیا ہے یہ اور ہاتھ کی جگہ سے پکڑنے میں، اور تخت اور زین میں بیٹھنے کی جگہ، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے مکروہ ہے یہ،

وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ يُرْوَى مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيُرْوَى مَعَ أَبِي يُوسُفَ، ﴿۶﴾وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِنَاءُ الْمُضَبَّبُ بِالذَّهَبِ

اور امام محمدؒ کا قول روایت کیا جاتا ہے کبھی امام صاحبؒ کے ساتھ اور کبھی امام امام ابو یوسفؒ کے ساتھ، اور اسی اختلاف پر ہے برتن جو ٹنگ کیا گیا ہو سونے

وَالْفِضَّةِ وَالْكُرْسِيُّ الْمُضَبَّبُ بِهِمَا، وَكَذَا إِذَا جَعَلَ ذَلِكَ فِي السَّيْفِ وَالْمِشْحَذِ وَحَلْقَةِ الْمِرْآةِ،

اور چاندی سے، اور وہ کرسی جس کی ٹنگ کی گئی ہو ان دونوں سے، اور اسی طرح جب کر دیا ہو یہ تلوار، آلہ صیقل اور آئینہ کے حلقہ میں،

أَوْ جَعَلَ الْمُصْحَفَ مُذَهَّبًا أَوْ مُفَضَّضًا، وَكَذَا الِاخْتِلَافُ فِي اللِّجَامِ وَالرِّكَابِ وَالثَّفْرِ إِذَا كَانَ مُفَضَّضًا، وَكَذَا

یا کر دے مصحف کو مذہّب یا مفضّض، اور اسی طرح کا اختلاف ہے لگام، رکاب اور زین کے پچھلے کا تسمہ جبکہ وہ مفضّض ہو، اور اسی طرح

الثَّوْبُ فِيهِ كِتَابَةٌ بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ عَلَى هَذَا، وَهَذَا الِاخْتِلَافُ فِيمَا يَخْلُصُ، فَأَمَّا التَّمْوِيهُ الَّذِي

وہ کپڑا جس میں کتابت ہو سونے یا چاندی کی اسی اختلاف پر ہے، اور یہ اختلاف ان چیزوں میں ہے جن سے علیحدہ ہو سکے چاندی، رہی وہ نقش کاری

لَا يَخْلُصُ فَلَا بَأْسَ بِهِ بِالْإِجْمَاعِ. ﴿۷﴾لَهُمَا أَنَّ مُسْتَعْمِلَ جُزْءٍ مِنَ الْإِنَاءِ مُسْتَعْمِلٌ

جو الگ نہ ہو سکے، تو کوئی حرج نہیں اس میں بالاتفاق۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ برتن کے ایک جزء کو استعمال کرنے والا استعمال کرنے والا ہے

جَمِيعِ الْأَجْزَاءِ فَيُكْرَهُ ، كَمَا إذَا اسْتَعْمَلَ مَوْضِعَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ . وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ ذَلِكَ تَابِعٌ

تمام اجزاء کو لہذا یہ مکروہ ہے جیسا کہ اگر استعمال کرے سونے اور چاندی کی جگہ، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ تابع ہے

وَلَا مُعْتَبَرَ بِالتَّوَابِعِ فَلَا يُكْرَهُ. كَالْجُبَّةِ الْمَكْفُوفَةِ بِالْحَرِيرِ وَالْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ وَمِسْمَارِ الذَّهَبِ فِي الْفَصِّ{8} قَالَ: وَمَنْ

اور اعتبار نہیں توابع کا، پس مکروہ نہیں جیسے وہ جبہ جو باندھا گیا ہو ریشم سے، اور کپڑے میں نقش اور نگینے میں سونے کی میخ ہو۔ فرمایا: اور جو شخص

أَرْسَلَ أَجِيرًا لَهُ مَجُوسِيًّا أَوْ خَادِمًا فَاشْتَرَى لَحْمًا فَقَالَ اشْتَرَيْته مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مُسْلِمٍ وَسِعَهُ

بھیج دے اپنا مجوسی مزدور یا خادم، پس اس نے خرید لیا گوشت، اور کہا کہ میں نے اس کو خریدا یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے تو گنجائش ہے اس کو

أَكْلُهُ ؛ لِأَنَّ قَوْلَ الْكَافِرِ مَقْبُولٌ فِي الْمُعَامَلَاتِ ؛ لِأَنَّهُ خَبَرٌ صَحِيحٌ لِصُدُورِهِ عَنْ عَقْلٍ وَدِينٍ

اس کے کھانے کی؛ کیونکہ کافر کا قول مقبول ہے معاملات میں؛ کیونکہ یہ صحیح خبر ہے بوجہ اس کے صدور کے عقل اور ایسے دین سے جس میں

يُعْتَقَدُ فِيهِ حُرْمَةُ الْكَذِبِ وَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إلَى قَبُولِهِ لِكَثْرَةِ وُقُوعِ الْمُعَامَلَاتِ{9} وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ

وہ اعتقاد رکھتا ہے حرمتِ جھوٹ کا، اور حاجت درپیش ہے اس کو قبول کرنے کی؛ وقوعِ معاملات کی کثرت کی وجہ سے، اور اگر اس کے علاوہ ہو

لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ مَعْنَاهُ : إذَا كَانَ ذَبِيحَةَ غَيْرِ الْكِتَابِيِّ وَالْمُسْلِمِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا قَبِلَ قَوْلَهُ

تو اس کے لیے گنجائش نہیں ہے کہ کھائے اس سے، اس کا معنی یہ ہے کہ ذبیحہ کتابی اور مسلمان کے علاوہ کا ہو؛ کیونکہ جب قبول کیا گیا اس کا قول

فِي الْحِلِّ أَوْلَى أَنْ يُقْبَلَ فِي الْحُرْمَةِ{10} قَالَ :وَيَجُوزُ أَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْإِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ وَالصَّبِيِّ؛

حلت میں تو اولیٰ کہ قبول کیا جائے حرمت میں۔ فرمایا: اور جائز ہے کہ قبول کیا جائے ہدیہ میں اور اذن فی التجارۃ میں غلام، باندی اور بچے کا قول

لِأَنَّ الْهَدَايَا تُبْعَثُ عَادَةً عَلَى أَيْدِي هَؤُلَاءِ، وَكَذَا لَا يُمْكِنُهُمْ اسْتِصْحَابُ الشُّهُودِ عَلَى الْإِذْنِ عِنْدَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ

؛کیونکہ ہدایا بھیجے جاتے ہیں عادۃً انہی کے ہاتھوں ، اور اسی طرح ممکن نہیں ہے ساتھ رکھنا گواہوں کو اجازت پر سفر

وَالْمُبَايَعَةِ فِي السُّوقِ، فَلَوْ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُمْ يُؤَدِّي إلَى الْحَرَجِ{11} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: إذَا قَالَتْ جَارِيَةٌ لِرَجُلٍ

اور بازار میں خرید و فروخت کے وقت، تو اگر قبول نہ ہو ان کا قول تو مفضی ہو گا حرج کو، اور جامع صغیر میں ہے: اگر کہا باندی نے ایک مرد سے کہ

بَعَثَنِي مَوْلَايَ إلَيْك هَدِيَّةً وَسِعَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا؛ لِأَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إذَا أَخْبَرَتْ بِإِهْدَاءِ الْمَوْلَى غَيْرَهَا أَوْ نَفْسَهُ لِمَا قُلْنَا

بھیجا ہے مجھے میرے مولیٰ نے تیری طرف بطورِ ہدیہ تو اس کو گنجائش ہے کہ لے لے اس کو؛ کیونکہ فرق نہیں کہ وہ خبر دے مولیٰ کی طرف سے

ہدیہ کرنے کی اس کے غیر کو یا اس کی ذات کو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔

تشریح:۔{۱}امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گدھیوں کے گوشت اور ان کے دودھ مکروہ ہیں، ویسے نر گدھوں کا گوشت بھی مکروہ ہے مگر دودھ چونکہ گدھیوں کا ہوتا ہے پس استقامتِ عطف کے لیے گدھیوں کا گوشت کہا۔ اور اونٹوں کا پیشاب مکروہ ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر امام محمدؒ کے نزدیک تو مطلقاً حلال ہے، مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجس ہے لہٰذا ان کے اس قول کی تاویل یہ ہے کہ دواء کے طور پر اونٹ کا پیشاب استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ان سب کو ہم نے "کتاب الصلوۃ" اور "کتاب الذبائح" میں ذکر کیا ہے اس لیے ہم ان کا اعادہ نہیں کریں گے، البتہ دودھ کا ذکر وہاں نہیں ہوا ہے، تو چونکہ دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور شئی سے پیدا شدہ کا وہی حکم ہے جو شئی کا ہے اس لیے دودھ کا وہی حکم ہوگا جو گوشت کا ہے۔

{۲}سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز نہیں ہے نہ مردوں کے لیے اور نہ عورتوں کے لیے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے کہ "وہ تو اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ نگل رہا ہے[1]"، اور حضرت ابو ہریرہؓ کو چاندی کے برتن میں پانی دیا گیا تو آپؓ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے[2]۔ اور جب پینے کے بارے میں ممانعت کا حکم ثابت ہوا تو تیل لگانے اور خوشبو لگانے وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ ایسے برتنوں میں سے تیل لگانا ان میں پانی پینے کے معنی میں ہے اس لیے کہ دونوں صورتوں میں ان برتنوں کا استعمال پایا جاتا ہے اور حرام استعمال ہی ہے خواہ جیسا بھی ہو؛ کیونکہ اسی میں تکبر اور اسراف پایا جاتا ہے۔ نیز اس میں مشرکین کی ہیئت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے اور اس میں متکبر اور فضول خرچ لوگوں کی طرح عیش کوشی ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

{۳}سوال یہ ہے کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں ان برتنوں کے استعمال کو مکروہ کہا ہے، جبکہ امام قدوریؒ نے اس کو ناجائز کہا دونوں میں موافقت نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ دونوں کی مراد ایک ہے؛ کیونکہ امام محمدؒ مکروہ سے حرام ہی مراد لیتے ہیں ۔ پھر اس حکم میں مرد اور عورت سب برابر ہیں؛ کیونکہ ممانعت کی احادیث عام ہیں جن میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں

([1])قُلْت: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الَّذِي يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ فِضَّةٍ، إنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ".(نصب الراية:4ص517)

([2])قُلْت: غَرِيبٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَهُوَ فِي الْكُتُبِ السِّتَّةِ عَنْ حُذَيْفَةَ مِنْ رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: اسْتَسْقَى حُذَيْفَةُ، فَسَقَاهُ مَجُوسِيٌّ فِي إنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ، فَقَالَ: إنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَلَا الدِّيبَاجَ، وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ".(نصب الراية:4ص518)

کیا گیا ہے۔اور یہی حکم سونے اور چاندی کے چمچ سے کھانے اور سونے یا چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانے کا ہے اسی طرح سرمہ دانی اور شیشہ کا بھی یہی حکم ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ سونے اور چاندی کا اس طرح استعمال ممنوع ہے۔

{۴}سیسہ (ایک قسم کی دھات)، کانچ، بلور (ایک قسم کا سفید وشفاف جوہر ہے) اور عقیق (ایک سرخ رنگ کا قیمتی پتھر ہے) کا برتن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان برتنوں کا استعمال مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ تفاخر کرنے میں سونے اور چاندی کے معنی میں ہیں لہٰذا ان کا استعمال مکروہ ہے۔ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ ہمیں تسلیم نہیں ہے؛ کیونکہ سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری چیزوں کے برتنوں سے تفاخر کرنا مشرکوں کی عادت نہیں تھی اس لیے مکروہ نہیں ہے۔

{۵}اور جس برتن کے کناروں پر چاندی چڑھائی گئی ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان میں پانی پینا جائز ہے، اسی طرح ایسی زین پر بیٹھنا جائز ہے جس پر چاندی لگی ہو اور ایسی کرسی پر بیٹھنا جائز ہے جس پر چاندی لگی ہو اور ایسی چارپائی پر بیٹھنا جائز ہے جس پر چاندی لگی ہو، البتہ یہ شرط ہے کہ چاندی کی جگہ سے بچے یعنی اگر پینے کا برتن ہے تو چاندی کی جگہ کو منہ نہ لگائے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ منہ کی جگہ اور پکڑنے میں ہاتھ کی جگہ سے بچے، اور چارپائی اور زین میں سونے اور چاندی کی جگہ پر بیٹھنے سے بچے۔امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، اور امام محمدؒ کا قول بعض نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ نقل کیا ہے اور بعض نے امام ابو یوسفؒ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

{۶}اسی طرح ایسے برتن اور کرسی کے استعمال میں بھی اختلاف ہے جس کو سونے یا چاندی سے باندھا گیا ہو، اسی طرح تلوار، سان (تلوار، چھری وغیرہ تیز کرنے کا آلہ) اور شیشے کا حلقہ جب سونے یا چاندی سے باندھا گیا ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے، اسی طرح کا اختلاف قرآن مجید کو سونے یا چاندی سے باندھنے میں بھی ہے، اور اسی طرح لگام، رکاب اور دمچی (جانور کی دُم کے نیچے رکھنے والی چیز) اگر سونے یا چاندی سے باندھی گئی ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے، اور جس کپڑے میں سونے یا چاندی سے کتابت کی گئی ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ سونا اور چاندی الگ ہو سکتے ہیں، اور اگر سونے یا چاندی کا پانی پھیر دیا گیا ہو جو اب برتن سے الگ نہ ہو سکتا ہو تو بالاتفاق اس کا استعمال جائز ہے۔

{۷}صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ برتن کے ایک جزء کو استعمال کرنے والا پورے برتن کو استعمال کرنے والا ہوتا ہے اسی طرح مکروہ ہے جیسا کہ مفضض اور مضبب برتن میں سے سونے اور چاندی کی جگہ کو استعمال کرنا مکروہ ہے۔امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس برتن میں سونا اور چاندی لگایا گیا ہو اس میں سونا اور چاندی تابع ہیں اور تابع کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اس لیے ایسے برتن کا استعمال

مکروہ نہیں ہے جیسا کہ وہ جبہ استعمال کرنا مکروہ نہیں ہے جس کا جھالر ریشم کا ہو یا ایسا کپڑا ہو جس میں ریشم کا نقش ونگار کر دیا گیا ہو، یا ایسی انگوٹھی ہو جس کے نگینے میں سونے کی میخ گاڑدی گئی ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے اسی طرح مذکورہ برتن کا استعمال بھی مکروہ نہیں ہے۔

فتوی:۔امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الھندیۃ: وَلَا بَأْسَ بِالْأَكْلِ وَالشُّرْبِ مِنْ إنَاءٍ مُذَهَّبٍ وَمُفَضَّضٍ إذَا لَمْ يَضَعْ فَاهُ عَلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَكَذَا الْمُضَبَّبُ مِنْ الْأَوَانِي وَالْكَرَاسِيِّ وَالسَّرِيرِ إذَا لَمْ يَقْعُدْ عَلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَكَذَا فِي حَلْقَةِ الْمِرْآةِ مِنْ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَكَذَا الْمِجْمَرُ وَاللِّجَامُ وَالسَّرْجُ وَالثُّفْرُ وَالرِّكَابُ إذَا لَمْ يَقْعُدْ عَلَيْهِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - أَنَّهُ كَرِهَ جَمِيعَ ذَلِكَ وَقِيلَ: مُحَمَّدٌ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - مَعَهُ وَقِيلَ: مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -، كَذَا فِي التُّمُرْتَاشِيِّ. فِي الزَّادِ وَالصَّحِيحُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -، كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ. (الھندیہ:5ص334)

﴿۸﴾اگر کسی نے اپنے مجوسی مزدور یا خادم کو بھیج دیا، اس نے جاکر گوشت خریدا، اور کہتا ہے کہ میں نے مسلمان، یا یہودی یا نصرانی سے خریدا ہے تو مالک کو اس کے کھانے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ یہ خرید کی خبر ہے جو ایک معاملہ ہے اور معاملات میں کافر کا قول مقبول ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ خبر صحیح ہے اس لیے کہ یہ عقل اور ایسے دین سے صادر ہے جس میں جھوٹ کی حرمت کا اعتقاد رکھا جاتا ہے یعنی مجوسی عاقل ہے لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اور وہ ایسے دین کا اعتقاد رکھتا ہے جس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اس لیے ظاہر یہی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے، اور معاملات کی کثرت کی وجہ سے ان میں کافر کا قول قبول کرنے کی ضرورت بھی ہے اس لیے گوشت کے بارے میں مجوسی کا قول قبول کیا جائے گا۔

﴿۹﴾اور اگر مجوسی کی خبر اس کے علاوہ ہو یعنی مجوسی نے کہا کہ یہ گوشت میں نے مجوسی یا بت پرست سے خریدا ہے تو مالک کو گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس گوشت کو کھائے؛ کیونکہ مجوسی اور بت پرست کا ذبیحہ مردار اور حرام ہے پس مخبر کا مجوسی یا بت پرست سے خریدنے کی خبر دینا اس کے حرام ہونے کی خبر ہے تو سابقہ مسئلہ میں حلت کے بارے میں ہم نے مجوسی مخبر کی خبر قبول کی تھی تو اس مسئلہ میں حرمت کے بارے میں اس کی خبر بطریقۂ اولیٰ قبول کی جائے گی۔

﴿۱۰﴾ہدیہ اور بیع کی اجازت کے بارے میں غلام، باندی اور بچے کا قول قبول کرنا جائز ہے مثلاً غلام کسی کو ہدیہ پیش کرکے کہتا ہے کہ یہ میرے مولیٰ نے تیرے لیے بھیجا ہے یا دوکان سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے مولیٰ نے خرید و فروخت کی اجازت دی ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا؛ کیونکہ عادۃً لوگ ہدایا غلام، باندی یا بچے کے ہاتھ دے کر بھیجتے ہیں

،اور یہ ممکن نہیں ہے کہ غلام سفر کے دوران یا شہر میں خرید و فروخت کے دوران اجازت کے گواہ اپنے ساتھ لیتا پھرے، تو اگر ان کا قول بھی قبول نہ کیا جائے تو اس میں حرج ظاہر ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے اس لیے ان کا قول قبول کیا جائے گا۔

﴿١١﴾ جامع صغیر میں ہے کہ اگر ایک باندی نے کسی شخص سے کہا کہ مجھے میرے مولیٰ نے تیرے پاس ہدیہ میں بھیج دیا ہے تو باندی کا قول قبول کیا جائے گا اور اس شخص کو یہ گنجائش ہوگی کہ اس کو لے لے؛ کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ خبر دے کہ مولیٰ نے میرے علاوہ فلاں چیز تیرے پاس بطورِ ہدیہ بھیجی ہے یا خود مجھے ہدیہ کر کے بھیجا ہے لہٰذا باندی کا قول قبول کیا جائے گا؛ دلیل وہی ہے جو اوپر ہم بیان کر چکے۔

﴿١﴾ قَالَ : وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ،

فرمایا: اور قبول کیا جائے گا معاملات میں فاسق کا قول،

وَلَا يُقْبَلُ فِي الدِّيَانَاتِ إلَّا قَوْلُ الْعَدْلِ .وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْمُعَامَلَاتِ يَكْثُرُ وُجُودُهَا فِيمَا بَيْنَ أَجْنَاسِ النَّاسِ،

اور قبول نہیں کیا جائے گا دیانات میں مگر عادل کا قول، اور وجہ فرق یہ ہے کہ معاملات کا وجود بکثرت ہے مختلف قسم کے لوگوں کے درمیان

فَلَوْ شَرَطْنَا شَرْطًا زَائِدًا يُؤَدِّي إلَى الْحَرَجِ فَيُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهَا عَدْلًا كَانَ أَوْ فَاسِقًا كَافِرًا

پس اگر ہم شرط کر لیں شرطِ زائد تو یہ مفضی ہوگی حرج کو، پس قبول کیا جائے گا ایک کا قول معاملات میں خواہ عادل ہو یا فاسق، کافر ہو

أَوْ مُسْلِمًا عَبْدًا أَوْ حُرًّا ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى دَفْعًا لِلْحَرَجِ ﴿٢﴾ أَمَّا الدِّيَانَاتُ فَلَا يَكْثُرُ وُقُوعُهَا حَسَبَ وُقُوعِ الْمُعَامَلَاتِ

یا مسلمان، غلام ہو یا آزاد، مذکر ہو یا مؤنث؛ دفعِ حرج کے لیے۔ رہا مسئلہ دیانات کا تو بکثرت نہیں ہوتا ہے ان کا وقوع جیسا کہ معاملات کا وقوع ہے

فَجَازَ أَنْ يُشْتَرَطَ فِيهَا زِيَادَةُ شَرْطٍ ، فَلَا يُقْبَلُ فِيهَا إلَّا قَوْلُ الْمُسْلِمِ الْعَدْلِ ؛ لِأَنَّ الْفَاسِقَ مُتَّهَمٌ

پس جائز ہے شرط لگائی جائے اس میں زائد شرط، پس قبول نہیں کیا جائے گا دیانات میں مگر مسلمان عادل کا قول؛ کیونکہ فاسق متہم ہے،

وَالْكَافِرَ لَا يَلْتَزِمُ الْحُكْمَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُلْزِمَ الْمُسْلِمَ ، بِخِلَافِ الْمُعَامَلَاتِ ، لِأَنَّ الْكَافِرَ لَا يُمْكِنُهُ الْمَقَامُ

اور کافر التزام نہیں کرتا ہے حکم کا تو اس کو اختیار نہ ہوگا کہ لازم کرے مسلمان پر، برخلافِ معاملات کے؛ کیونکہ کافر کے لیے ممکن نہیں ٹھہرنا

فِي دِيَارِنَا إلَّا بِالْمُعَامَلَةِ .وَلَا يَتَهَيَّأُ لَهُ الْمُعَامَلَةُ إلَّا بَعْدَ قَبُولِ قَوْلِهِ فِيهَا فَكَانَ فِيهِ ضَرُورَةٌ،

ہمارے ملک میں مگر معاملہ سے، اور مہیا نہ ہوگا اس کو معاملہ مگر اس کا قول قبول کرنے سے معاملات میں، پس اس میں ضرورت ہے

﴿٣﴾ وَلَا يُقْبَلُ فِيهَا قَوْلُ الْمَسْتُورِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِيهَا

اور قبول نہ کیا جائے گا اس میں مستور الحال کا قول ظاہر الروایت میں، اور امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ قبول کیا جائے گا اس کا قول دیانات میں

جَرْيًا عَلَى مَذْهَبِهِ أَنَّهُ يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِهِ ،وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ هُوَ وَالْفَاسِقُ فِيهِ سَوَاءٌ حَتَّى يُعْتَبَرَ فِيهِمَا

آپؒ کے مذہب پر چلتے ہوئے کہ جائز ہے فیصلہ اس کے مطابق، اور ظاہر الروایت میں مستور اور فاسق برابر ہیں حتی کہ معتبر ہو گا دونوں میں

أَكْبَرُ الرَّأْيِ﴿۴﴾قَالَ : وَيُقْبَلُ فِيهَاقَوْلُ الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالْأَمَةِ إذَا كَانُوا عُدُولًا؛لِأَنَّ عِنْدَالْعَدَالَةِ الصِّدْقُ رَاجِحٌ

غالب رائے۔ فرمایا: اور قبول کیا جائے گا دیانات میں آزاد، غلام اور باندی کا قول بشرطیکہ ہوں یہ عادل؛ کیونکہ عدالت کے وقت صدق راجح ہے

وَالْقَبُولُ لِرُجْحَانِهِ .فَمِنَ الْمُعَامَلَاتِ مَا ذَكَرْنَاهُ ، وَمِنْهَا التَّوْكِيلُ .﴿۵﴾وَمِنَ الدِّيَانَاتِ

اور قبولیت رجحانِ صداقت کی وجہ سے ہے، پس معاملات میں سے کچھ تو وہ ہیں جو ہم ذکر کر چکے اور ان میں سے وکیل بنانا ہے، اور دیانات میں سے

الْإِخْبَارُ بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ حَتَّى إذَا أَخْبَرَهُ مُسْلِمٌ مَرْضِيٌّ لَمْ يَتَوَضَّأْ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ ، وَلَوْ كَانَ الْمُخْبِرُ فَاسِقًا

خبر دینا ہے پانی کے نجس ہونے کی حتی کہ اگر کسی کو خبر دے مسلمان عادل تو وضو نہ کرے اس سے اور تیمم کرے، اور اگر مخبر فاسق

أَوْ مَسْتُورًا تَحَرَّى ،فَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ ، وَإِنْ أَرَاقَ الْمَاءَ

یا مستور الحال ہو تو غور و فکر کرے، پس اگر ہو اس کی غالب رائے کہ یہ سچا ہے تو تیمم کرے اور وضو نہ کرے اس سے، اور اگر بہادیا پانی

ثُمَّ تَيَمَّمَ كَانَ أَحْوَطَ ، وَمَعَ الْعَدَالَةِ يَسْقُطُ احْتِمَالُ الْكَذِبِ فَلَا مَعْنَى لِلِاحْتِيَاطِ بِالْإِرَاقَةِ،

پھر تیمم کیا تو یہ احوط ہے، اور عدالت کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے جھوٹ کا احتمال، پس کوئی معنی نہیں احتیاط کا پانی بہانے کے ساتھ،

أَمَّا التَّحَرِّي فَمُجَرَّدُ ظَنٍّ . ﴿۶﴾وَلَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَا يَتَيَمَّمُ لِتَرَجُّحِ

رہا تحری کرنا تو وہ محض ظن ہے، اور اگر ہو اس کی غالب رائے کہ وہ جھوٹا ہے تو وضو کرے اس سے اور تیمم نہ کرے؛ بوجہ راجح ہونے

جَانِبِ الْكَذِبِ بِالتَّحَرِّي ، وَهَذَا جَوَابُ الْحُكْمِ .فَأَمَّا فِي الِاحْتِيَاطِ فَيَتَيَمَّمُ بَعْدَ الْوُضُوءِ لِمَا قُلْنَا.

جھوٹ کی جانب تحری سے، اور یہ بیان ہے حکم شرعی کا، بہر حال احتیاط میں تو تیمم کرے وضو کے بعد اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے،

﴿۷﴾وَمِنْهَا الْحِلُّ وَالْحُرْمَةُ إذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ زَوَالُ الْمِلْكِ ، وَفِيهَا تَفَاصِيلُ وَتَفْرِيعَاتٌ ذَكَرْنَاهَا

اور دیانات میں سے حلت اور حرمت ہے بشرطیکہ نہ ہو اس میں زوالِ ملک، اور اس میں تفصیلات اور تفریعات ہیں ہم نے ذکر کی ہیں ان کو

فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى . ﴿۸﴾قَالَ : وَمَنْ دُعِيَ إلَى وَلِيمَةٍ أَوْ طَعَامٍ فَوَجَدَ ثَمَّةَ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْعُدَ

"کفایۃ المنتہی" میں۔ فرمایا: اور جس کو دعوت دی گئی ولیمہ یا کسی کھانے کی پس اس نے پایا وہاں لہو و لعب یا گانا تو کوئی حرج نہیں کہ بیٹھ جائے

وَيَأْكُلَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : ابْتُلِيتُ بِهَذَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ .وَهَذَا لِأَنَّ إجَابَةَ الدَّعْوَةِ سُنَّةٌ

اور کھائے، فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے میں مبتلا ہوا اس کے ساتھ ایک مرتبہ پس میں نے صبر کیا، اور یہ اس لیے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے،

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ لَمْ يُجِبْ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ } فَلَا يَتْرُكُهَا لِمَا اقْتَرَنَ بِهَا مِنْ الْبِدْعَةِ

حضورؐ نے فرمایا: "جو قبول نہ کرے دعوت کو اس نے نافرمانی کی ابو القاسمؐ کی" پس نہ چھوڑے دعوت کو اس کے ساتھ اقتران بدعت کی وجہ سے

مِنْ غَيْرِهِ ، كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَاجِبَةُ الْإِقَامَةِ وَإِنْ حَضَرَتْهَا نِيَاحَةٌ ، فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْمَنْعِ مَنَعَهُمْ

غیر کی طرف سے جیسے نماز جنازہ واجب اقامت ہے اگرچہ اس میں موجود ہو نوحہ، پس اگر وہ قادر ہے منع پر تو منع کر دے ان کو،

وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ يَصْبِرْ {۹} وَهَذَا إذَا لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى بِهِ ،فَإِنْ كَانَ مُقْتَدًى وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى مَنْعِهِمْ يَخْرُجُ وَلَا يَقْعُدُ ؛ لِأَنَّ فِي ذَلِكَ

اور اگر قادر نہ ہو تو صبر کرے، اور یہ جب ہے کہ وہ نہ ہو پیشوا، اور اگر وہ پیشوا ہو اور قادر نہ ہو ان کے منع پر تو نکلے اور نہ بیٹھے؛ کیونکہ اس میں

شَيْنَ الدِّينِ وَفَتْحَ بَابِ الْمَعْصِيَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ،وَالْمَحْكِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْكِتَابِ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ

معیوب کرنا ہے دین کو اور کھولنا ہے معصیت کا دروازہ مسلمانوں پر، اور مروی امام صاحبؒ سے کتاب میں اس سے پہلے تھا کہ آپؒ ہو جائے

مُقْتَدًى بِهِ ،وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْعُدَ ،وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى لِقَوْلِهِ تَعَالَى { فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى

پیشوا۔ اور اگر یہ ہو دستر خوان پر تو مناسب نہیں اس کے لیے کہ بیٹھ جائے اگرچہ نہ ہو پیشوا؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "تو یاد آجانے کے بعد

مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ } وَهَذَا كُلُّهُ بَعْدَ الْحُضُورِ ، وَلَوْ عَلِمَ قَبْلَ الْحُضُورِ لَا يَحْضُرُ ؛

تم مت بیٹھو ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ" اور یہ سب حاضر ہونے کے بعد ہے، اور اگر اس کو پتہ چلا حاضر ہونے سے پہلے تو حاضر نہ ہو

لِأَنَّهُ لَمْ يَلْزَمْهُ حَقُّ الدَّعْوَةِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا هَجَمَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ لَزِمَهُ ، {۱۰} وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ

کیونکہ لازم نہیں اس پر حق دعوت، بر خلاف اس کے جب اچانک داخل ہو جائے اس پر؛ کیونکہ اس کو لازم آیا، اور دلالت کرتا ہے مسئلہ

عَلَى أَنَّ الْمَلَاهِيَ كُلَّهَا حَرَامٌ حَتَّى التَّغَنِّي بِضَرْبِ الْقَضِيبِ .وَكَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ابْتُلِيتُ ،لِأَنَّ الِابْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ يَكُونُ.

اس پر کہ ملاہی سب کے سب حرام ہیں حتی کہ گانا لکڑی کے ساتھ، اور اسی طرح امام صاحبؒ کا قول کہ میں مبتلا ہوا؛ کیونکہ ابتلاء حرام ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔

تشریح:۔ {۱} معاملات میں فاسق کا قول قبول کیا جائے گا، جبکہ دیانات میں صرف مسلمان عادل کا قول قبول کیا جائے گا کافر اور فاسق کا قول قبول نہیں کیا جائے گا؛ دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ معاملات مختلف قسم کے لوگوں کے درمیان بکثرت واقع ہوتے ہیں تو اگر ہم کوئی زائد شرط لگائیں مثلاً کہ دو مسلمان اور عادل مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتیں ہوں تو ایسی شرط حرج کو مفضی

ہوگی، پس حرج کو دور کرنے کی غرض سے معاملات میں ایک شخص کا قول قبول کیا جائے گا خواہ وہ عادل ہو یا فاسق ،کافر ہو یا مسلمان، غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت۔

{۲}باقی دیانات کا وقوع چونکہ معاملات کی طرح بکثرت نہیں ہوتا ہے اس لیے دیانات میں زائد شرط لگانا جائز ہے، لہٰذا دیانات میں فقط عادل مسلمان کا قول قبول کیا جائے گا فاسق اور کافر کا قول قبول نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ فاسق کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو جھوٹ کا بھی ارتکاب کرے گا پس وہ متہم ہے اس لیے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور کافر جب خود دیانات کا حکم اپنے اوپر لازم نہیں کرتا ہے تو مسلمان پر بھی لازم کر دینے کا اس کو کوئی حق نہ ہوگا۔ برخلافِ معاملات کے؛ کیونکہ کافر کے لیے ہمارے ملک میں معاملات کے بغیر ٹھہرنا ممکن نہیں ہے اور معاملہ اس کو مہیا اور اس کے لیے آسان نہیں ہوسکے گا مگر اس وقت کہ اس کا قول اس میں قبول ہو لہٰذا معاملات میں کافر کا قول قبول ہونا ضروری ہے اس لیے اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

{۳}ظاہر الروایت کے مطابق دیانات میں مستور الحال شخص (جس کا عدل اور فسق معلوم نہ ہو) کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ دیانات میں مستور الحال کا قول قبول کیا جائے گا، امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر قاضی نے مستور الحال کے قول پر فیصلہ کر دیا تو اگر خصم نے اس پر طعن نہیں کیا تو قاضی کا یہ فیصلہ جائز ہے تو قضاء قاضی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ دیانات میں بھی اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور ظاہر الروایت میں مستور الحال اور فاسق برابر ہیں حتی کہ ان دونوں کے بارے میں غالب رائے کا اعتبار ہوگا یعنی اگر غالب رائے ان کے صدق کا ہو تو ان کا قول قبول کیا جائے گا ورنہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

فتویٰ:۔ظاہر الروایت راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَخَبَرِ الْمَسْتُورِ) هَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَعَنْهُ أَنَّهُ كَالْعَدْلِ نِهَايَةٌ (ردّ المحتار:5ص244)

{۴}دیانات میں غلام، آزاد اور باندی کا قول قبول کیا جائے گا بشرطیکہ یہ عادل ہوں؛ کیونکہ عادل ہونے کی صورت میں ان کا صدق راجح ہے، اور کسی کا قول صدق کے راجح ہونے ہی کی وجہ سے قبول کیا جاتا ہے۔ پس معاملات تو وہ ہیں جو ہم ذکر کر چکے یعنی شراء ہدیہ اور اذن وغیرہ اور ان میں سے توکیل بھی ہے مثلاً کسی نے کہا کہ میں فلاں شخص کا وکیل ہوں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

{۵}اور دیانات میں سے پانی کی نجاست کی خبر دینا ہے یعنی اگر کسی کو ایک عادل مسلمان نے خبر دی کہ یہ پانی نجس ہے تو وہ اس سے وضو نہیں کر سکتا ہے بلکہ تیمم کرنا پڑے گا، اور اگر خبر دینے والا فاسق یا مستور الحال ہو، تو غور و فکر کرے گا، پس اگر اس کی غالب

رائے یہ قرار پائی کہ خبر دینے والا سچا ہے تو تیمم کرے اور اس پانی سے وضو نہ کرے، اور اگر وہ اس پانی کو گرادے پھر تیمم کرے تو یہ زیادہ احتیاط کی صورت ہے کہ سرے سے پانی ہی نہیں رہا اس لیے بلاشبہ تیمم درست ہو گا۔

عادل شخص اگر پانی کے نجس ہونے کی خبر دیتا ہے تو اس صورت میں چونکہ جھوٹ کا احتمال نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں پانی گرا کر احتیاط کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، باقی تحری کی حیثیت چونکہ عدالت سے کم ہے؛ کیونکہ تحری میں محض ایک ظن ہوتا ہے اس لیے اس میں پانی گرا کر احتیاط کرنا ضروری ہے۔

{۶} اور اگر مستور الحال مخبر کے بارے میں غالب گمان یہ ہو کہ یہ جھوٹا ہے تو اس کے قول کی طرف التفات نہ کرے بلکہ اسی پانی سے وضو کرے اور تیمم نہ کرے؛ کیونکہ تحری کی وجہ سے جھوٹ کی جانب کو ترجیح حاصل ہے، بہر حال اس صورت میں وضو کرنا اور تیمم نہ کرنا شرعی حکم کا بیان ہے، باقی احتیاط اس میں ہے کہ وضو کے بعد تیمم بھی کرے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ تحری محض ظن ہے جس میں خطاء کا احتمال پایا جاتا ہے، اس لیے وضو کے بعد تیمم بھی کرنا چاہیے۔

{۷} اور دیانات میں سے حلت اور حرمت ہے مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں ایک عادل شخص نے خبر دی تو اس کا قول قبول کیا جائے گا بشرطیکہ اس میں زوالِ ملک نہ ہو ورنہ تو قبول نہیں کیا جائے گا مثلاً ایک عادل مرد یا عورت نے زوجین کو خبر دی کہ ان دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے تو چونکہ اس میں ملکِ نکاح کا زوال پایا جاتا ہے اس لیے اس میں ایک عادل کا قول قبول نہ ہو گا بلکہ کامل شہادت ضروری ہے۔ صاحبِ ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیلات اور تفریعات ہیں جن کو ہم نے "کفایۃ المنتہی" میں ذکر کیا ہے۔

{۸} اگر کسی کو ولیمہ یا کسی اور کھانے کی دعوت دی گئی، اور اس نے مجلسِ دعوت میں غیر شرعی لہو لعب یا گانا بجانا پایا، تو اس کے لیے وہاں بیٹھنا اور کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی مجلس میں ایک مرتبہ میں پھنس گیا تو میں نے صبر کیا یعنی بیٹھ کر کھانا کھایا؛ اور یہ اس لیے کہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے دعوت قبول نہیں کی تو اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی[1]" لہٰذا اگر کسی اور کی طرف سے اس طرح کی مجلس میں کوئی بدعت پائی گئی

([1]) قلت: اخرج مسلم بمعناه الصحيح في النكاح عن ثابت بن عياض الاعرج عن ابي هريرة، ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: "شر الطعام طعام الوليمة، يمنعها من يأتيها، ويدعى اليها من يأباها، ومن لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله"، انتهى. هكذا رواه مسلم مرفوعا.(نصب الراية:4ص520)

تو اس کی وجہ سے دعوت کو نہیں چھوڑا جائے گا جیسے نمازِ جنازہ قائم کرنا واجب ہے اگرچہ وہاں لوگ رونے اور چلانے میں مشغول ہوں ہاں اگر وہ بدعات اور خرافات کا ارتکاب کرنے والوں کو روکنے پر قادر ہو تو ان کو روک دے ورنہ صبر کرے۔

﴿۹﴾ مگر مذکورہ بالا حکم ان کے لیے ہے جو قوم کے پیشوا نہ ہوں اور اگر کوئی شخص قوم کا پیشوا ہو اور وہ ان کو روکنے پر قادر نہ ہو تو یہاں سے نکل جائے اور اس مجلس میں نہ بیٹھے؛ کیونکہ ایسا شخص دین میں مقتدا ہوتا ہے اور دین کے مقتدا کا دین کے خلاف کام کرنے میں لوگوں کی نظر میں دین کی توہین ہے، اور اس میں لوگوں پر معصیت کا دروازہ کھولنا ہے یوں کہ عام لوگ اس مقتدا کی دیکھا دیکھی میں اس عمل میں مبتلا ہو جائیں گے، اور جامع صغیر میں جو امام صاحبؒ کے پھنسنے کا واقعہ منقول ہے تو وہ آپؒ کے پیشوا بننے سے پہلے کی بات ہے۔ اور اگر مذکورہ خرافات دستر خوان پر ہوں تو اگرچہ پیشوا نہ ہو تب بھی وہاں نہ بیٹھے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ[1]﴾ (اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں، تو ان سے اس وقت تک کے لیے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو) اور یہ ساری تفصیلات مذکورہ مجلس میں حاضر ہونے کے بعد ہیں، اور اگر کسی کو مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے ان خرافات کا علم ہو تو وہ اس مجلس میں حاضر نہ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں اس پر حقِ دعوت لازم نہیں ہے اس لیے کہ دعوت کا قبول کرنا اسی وقت لازم ہوتا ہے جبکہ دعوت سنت کے مطابق ہو، اس کے برخلاف اگر وہ اچانک مجلس میں حاضر ہو گیا اور اس کو ان امور کا علم ہوا تو اس صورت میں چونکہ حاضر ہونے کی وجہ سے اس پر حقِ دعوت لازم ہو گیا اس لیے اب تفصیل یہ ہے کہ اگر پیشوا ہے تو نکل جائے ورنہ صبر کرے بشرطیکہ یہ امور دستر خوان پر نہ ہوں۔

﴿۱۰﴾ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کے ملاہی (لہو میں مبتلا کرنے والی چیزیں) حرام ہیں حتیٰ کہ قضیب سے گانا بھی حرام ہے، تغنی بضرب القضیب یہ ہے کہ اہلِ حجاز ایک گز لمبی اور انگلی کے بقدر موٹی دو لکڑیاں آپس میں مارتے اور گاتے تھے، اور یہ مسئلہ ملاہی کی حرمت پر اس لیے دلالت کرتا ہے کہ امام محمدؒ نے مطلق لعب اور گانا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح امام صاحبؒ کا "اُبْتُلِيتُ" کہنا بھی ملاہی کے حرام ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ ابتلاء حرام ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔

---

(1) الانعام: 68.

فصلٌ فِي اللُّبسِ

یہ فصل پہننے کے بیان میں ہے۔

اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کس قسم کا لباس پہننا مکروہ ہے اور کس قسم کا لباس مکروہ نہیں ہے اور اس کے ساتھ ممنوع، مکروہ اور جائز زیورات کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ مصنفؒ مسائل کراہت کے مقدمات سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے بعض محتاج الیہ تفصیلات کو ذکر فرمایا ہے، اور لباس کا ذکر کثرتِ حاجت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

{۱} قَالَ: لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ؛ لِأَنَّ {النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ

فرمایا: حلال نہیں ہے مردوں کے لیے ریشم پہننا، اور حلال ہے عورتوں کے لیے؛ کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے ریشم اور دیباج پہننے سے،

وَقَالَ: إِنَّمَا يَلْبَسُهُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ} وَإِنَّمَا حَلَّ لِلنِّسَاءِ بِحَدِيثٍ آخَرَ، وَهُوَ

اور فرمایا: یہ پہنے گا وہ جس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں اور حلال ہے عورتوں کے لیے دوسری حدیث کی وجہ سے اور دوسری حدیث

مَا رَوَاهُ عِدَّةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنْهُمْ عَلِيٌّ رضي الله عنه {أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ وَبِإِحْدَى يَدَيْهِ حَرِيرٌ وَبِالْأُخْرَى

وہ ہے جس کو روایت کیا ہے کئی صحابہ کرامؓ نے جن میں سے حضرت علیؓ ہیں کہ حضورؐ نکلے اور آپؐ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں

ذَهَبٌ وَقَالَ: هَذَانِ مُحَرَّمَانِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي حَلَالٌ لِإِنَاثِهِمْ} وَيُرْوَى {حِلٌّ لِإِنَاثِهِمْ}

سونا تھا، اور فرمایا: یہ دو حرام ہیں میری امت کے مردوں پر حلال ہیں ان کی عورتوں کے لیے، اور مروی ہے کہ حلال ہے ان کی عورتوں کے لیے

{۲} إِلَّا أَنَّ الْقَلِيلَ عَفْوٌ وَهُوَ مِقْدَارُ ثَلَاثَةِ أَصَابِعَ أَوْ أَرْبَعَةٍ كَالْأَعْلَامِ وَالْمَكْفُوفِ بِالْحَرِيرِ؛ لِمَا رُوِيَ

البتہ تھوڑی مقدار معاف ہے، اور وہ تین یا چار انگلیوں کے بقدر ہے جیسے نقش اور مکفوف بالحریر اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ

{أَنَّهُ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ} أَرَادَ الْأَعْلَامَ. وَعَنْهُ ﷺ {أَنَّهُ كَانَ يَلْبَسُ جُبَّةً

حضورؐ نے منع فرمایا ریشم پہننے سے مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کی جگہ، آپؐ نے ارادہ کیا نقش کا، اور آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ پہنتے تھے جبہ

مَكْفُوفَةً بِالْحَرِيرِ} {۳} قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِتَوَسُّدِهِ وَالنَّوْمِ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا:

ریشم کے ساتھ مکفوف۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں ریشم کا تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں

يُكْرَهُ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ذَكَرَ قَوْلَ مُحَمَّدٍ وَحْدَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ، وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ

مکروہ ہے، اور جامع صغیر میں ذکر کیا ہے امام محمدؒ کا قول فقط، اور ذکر نہیں کیا ہے امام ابو یوسفؒ کا قول، اور اس کو ذکر کیا ہے قدوری

وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَشَايِخِ ، وَكَذَا الِاخْتِلَافُ فِي سِتْرِ الْحَرِيرِ وَتَعْلِيقِهِ عَلَى الْأَبْوَابِ . لَهُمَا الْعُمُومَاتُ ، وَلِأَنَّهُ

اور دیگر مشائخ نے، اور اسی طرح کا اختلاف ہے ریشم کا پردہ بنانے اور اسے دروازوں پر لٹکانے میں: صاحبینؒ کی دلیل عمومات ہیں، اور اس لیے

مِنْ زِيِّ الْأَكَاسِرَةِ وَالْجَبَابِرَةِ . وَالتَّشَبُّهُ بِهِمْ حَرَامٌ . وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : إيَّاكُمْ وَزِيَّ الْأَعَاجِمِ .

کہ یہ خصلت ہے شاہانِ عجم اور متکبرین کی اور تشبہ اختیار کرنا ان کے ساتھ حرام ہے، اور فرمایا حضرت عمرؓ نے: بچو عجمیوں کے طریقہ سے

{۴} وَلَهُ مَا رُوِيَ { أَنَّهُ ﷺ جَلَسَ عَلَى مِرْفَقَةِ حَرِيرٍ } ، وَقَدْ كَانَ عَلَى بِسَاطِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما

اور امام صاحبؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو مروی ہے کہ حضورؐ بیٹھے ریشم کے تکیہ پر، اور تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بستر پر

مِرْفَقَةُ حَرِيرٍ . وَلِأَنَّ الْقَلِيلَ مِنَ الْمَلْبُوسِ مُبَاحٌ كَالْأَعْلَامِ فَكَذَا الْقَلِيلُ مِنَ اللُّبْسِ وَالِاسْتِعْمَالِ . وَالْجَامِعُ كَوْنُهُ نَمُوذَجًا

ریشمی تکیہ، اور اس لیے کہ قلیل ملبوس میں مباح ہے جیسے نقش ونگار، اور ایسا ہی قلیل پہننا اور استعمال کرنا ہے، اور جامع اس کا نمونہ ہونا ہے

عَلَى مَا عُرِفَ . {۵} قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ فِي الْحَرْبِ عِنْدَهُمَا ؛ لِمَا رَوَى الشَّعْبِيُّ

جیسا کہ معلوم ہے۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں ریشم اور دیباج پہننا جنگ میں صاحبینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ روایت کیا ہے امام شعبیؒ نے کہ

{ أَنَّهُ ﷺ رَخَّصَ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ فِي الْحَرْبِ } وَلِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً فَإِنَّ الْخَالِصَ مِنْهُ أَدْفَعُ لِمَعَرَّةِ السِّلَاحِ

حضورؐ نے اجازت دی ریشم اور دیباج پہننے کی جنگ میں، اور اس لیے کہ اس میں ضرورت ہے؛ کیونکہ خالص ریشم دفع کرتا ہے ہتھیار کی تیزی کو

وَأَهْيَبُ فِي عَيْنِ الْعَدُوِّ لِبَرِيقِهِ {۶} وَيُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّهُ لَا فَصْلَ فِيمَا

اور زیادہ ہیبت ناک ہے دشمن کی نگاہ میں اپنی چمک کی وجہ سے، اور مکروہ ہے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ کوئی تفصیل نہیں اس حدیث میں

رَوَيْنَاهُ . وَالضَّرُورَةُ انْدَفَعَتْ بِالْمَخْلُوطِ وَهُوَ الَّذِي لُحْمَتُهُ حَرِيرٌ وَسَدَاهُ غَيْرُ ذَلِكَ . وَالْمَحْظُورُ لَا يُسْتَبَاحُ

جو ہم روایت کر چکے، اور ضرورت دفع ہو جاتی ہے مخلوط سے اور مخلوط وہ جس کا بانا ریشم ہو اور تانا غیر ریشم ہو، اور ممنوع چیز نہیں مباح کی جاتی ہے

إلَّا لِضَرُورَةٍ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمَخْلُوطِ {۷} قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ مَا سَدَاهُ حَرِيرٌ

مگر ضرورت سے، اور جو حدیث امام شعبیؒ نے روایت کی ہے وہ محمول ہے مخلوط پر۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں وہ کپڑا پہننا جس کا تانا ریشم ہو

وَلُحْمَتُهُ غَيْرُ حَرِيرٍ كَالْقُطْنِ وَالْخَزِّ فِي الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ ؛ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رضي الله عنهم كَانُوا يَلْبَسُونَ الْخَزَّ . وَالْخَزُّ مُسَدًّى بِالْحَرِيرِ

اور بانا غیر ریشم ہو جیسے روئی اور خز؛ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خز پہنتے تھے، اور خز کا تانا ریشم سے ہوتا تھا۔

وَلِأَنَّ الثَّوْبَ إنَّمَا يَصِيرُ ثَوْبًا بِالنَّسْجِ وَالنَّسْجُ بِاللُّحْمَةِ فَكَانَتْ هِيَ الْمُعْتَبَرَةَ دُونَ السَّدَى . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : أَكْرَهُ

اوراس لیے کہ کپڑا ہو جاتا ہے کپڑا بنائی سے اور بنائی بانے سے ہوتی ہے تو بانا ہی معتبر ہے نہ کہ تانا، اور فرمایا امام ابو یوسف ؒ نے میں مکروہ سمجھتا ہوں

ثَوْبَ الْقَزِّ يَكُونُ بَيْنَ الْفَرْوِ وَالظِّهَارَةِ ، وَلَا أَرَى بِحَشْوِ الْقَزِّ بَأْسًا ؛ لِأَنَّ الثَّوْبَ مَلْبُوسٌ وَالْحَشْوَ غَيْرُ مَلْبُوسٍ.

قز کے کپڑے کو اور قز پوستین اور ابرے کے درمیان ہوتا ہے، اور حرج نہیں سمجھتا قز کے بھراؤ میں؛ کیونکہ کپڑا ملبوس ہے اور بھراؤ ملبوس نہیں ہے

{٨}قَالَ : وَمَا كَانَ لُحْمَتُهُ حَرِيرًا وَسَدَاهُ غَيْرَ حَرِيرٍ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الْحَرْبِ ؛ لِلضَّرُورَةِ - وَيُكْرَهُ فِي غَيْرِهِ ؛

فرمایا: اور جس کا بانا ریشمی ہو اور اس کا تانا غیر ریشم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جنگ میں؛ ضرورت کی وجہ سے، اور مکروہ ہے غیر جنگ میں

لِانْعِدَامِهَا ، وَالِاعْتِبَارُ لِلُّحْمَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

انعدام ضرورت کی وجہ سے، اور اعتبار بانے ہی کا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔

تشریح:۔{١}مردوں کے لیے ریشم پہننا حلال نہیں ہے، اور عورتوں کے لیے حلال ہے ؛کیونکہ حضور ﷺ نے ریشم اور دیبا (ریشمی قیمتی کپڑا) کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا "اس کو تو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو[1]"۔ اور عورتوں کے لیے حلال ہونا دوسری حدیث سے ثابت ہے اور وہ حدیث کئی صحابہ کرام ؓ سے مروی ہے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ؐ کے ایک ہاتھ میں ریشم تھا اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا، اور فرمایا: "یہ دو میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور ان کی عورتوں کے لیے حلال ہیں" اور ایک روایت میں ہے "حلال ہے ان کی عورتوں کے لیے[2]" یعنی لفظ "حَلَال" کے بجائے لفظ "حِلٌّ" ہے۔

([1])قُلْت: هُمَا حَدِيثَانِ: فَالْأَوَّلُ أَخْرَجَهُ الْجَمَاعَةُ عَنْ حُذَيْفَةَ، وَعَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، فَحُذَيْفَةُ قَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ، وَلَا الدِّيبَاجَ، وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ"، انْتَهَى. وَقَدْ تَقَدَّمَ قَرِيبًا، وَحَدِيثُ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، وَفِيهِ: وَعَنْ الدِّيبَاجِ وَالْحَرِيرِ، وَالثَّانِي: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رأى حلة سيراء عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلِلْوَفْدِ إذَا قَدِمُوا عَلَيْك، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ"، ثُمَّ جَاءَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَعْطَى عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَسَوْتَنِيهَا، وَقَدْ قُلْتَ مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا"، فَكَسَاهَا عُمَرُ أَخًا لَهُ مُشْرِكًا، انْتَهَى. وَهَذَا الْأَخُ، كَانَ أَخَا عُمَرَ مِنْ أُمِّهِ. صَرَّحَ بِذَلِكَ فِي الْحَدِيثِ عِنْدَ النَّسَائِيّ، قَالَ: فَكَسَاهَا عُمَرُ أَخًا لَهُ مِنْ أُمِّهِ مُشْرِكًا، قِيلَ: إنَّ اسْمَهُ عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ، فَأَمَّا أَخُوهُ زَيْدُ بْنُ الْخَطَّابِ فَإِنَّهُ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ، رَوَاهُ فِي الْجُمُعَةِ وَاللِّبَاسِ.(نصب الراية:4ص521)

([2])قُلْت: حَدِيثُ عَلِيٍّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد، وَابْنُ مَاجَهْ فِي اللِّبَاسِ، وَالنَّسَائِيُّ فِي الزِّينَةِ وَأَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ، وَابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ فِي النَّوْعِ الثَّامِنِ عَشَرَ، مِنْ الْقِسْمِ الثَّانِي مِنْهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زُرَيْرٍ الْغَافِقِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ حَرِيرًا فَجَعَلَهُ فِي يَمِينِهِ، وَأَخَذَ ذَهَبًا، فَجَعَلَهُ فِي شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: "إنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي"، زَادَ ابْنُ مَاجَهْ: "حِلٌّ لِإِنَاثِهِمْ". (نصب الراية:4ص522)

{۲}البتہ ریشم کی قلیل مقدار معاف ہے اور قلیل مقدار تین انگلیوں یا چار انگلیوں کے بقدر ہے جیسے ریشم کا نقش ونگار یا ریشم کا جھالر؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کے بقدر[1]، حضور ﷺ کی مراد نقش ونگار ہے، اور منقول ہے کہ آپ ؐ ایسا جبہ پہنتے تھے جس کا جھالر ریشم کا ہوتا تھا[2] جس سے معلوم ہوا کہ قلیل مقدار معاف ہے۔

{۳}ریشم کے تکیہ پر تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔ اور جامع صغیر میں فقط امام محمدؒ کا قول مذکور ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا قول ذکر نہیں فرمایا ہے، البتہ امام قدوریؒ اور دیگر مشائخ نے امام ابو یوسفؒ کا قول بھی ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح کا اختلاف دیوار پر ریشم کے پردے لٹکانے اور دروازوں پر لٹکانے میں بھی ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل وہ عمومی روایات ہیں جو ریشم کی ممانعت میں وارد ہوئی ہیں جن میں پہننے یا تکیہ بنانے میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ شاہان عجم اور متکبر لوگوں کا طریقہ ہے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے جس سے ممانعت آئی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "خود کو عجمیوں کا حلیہ اختیار کرنے سے بچاؤ[3]"۔ اکاسرہ جمع ہے کسری کی، فارس کے بادشاہ کو کسری کہا کرتے تھے۔

{۴}امام صاحبؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو مروی ہے کہ حضور ﷺ ریشم کے تکیہ پر تکیہ دے کر بیٹھے تھے[4]، اور مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بچھونے پر ریشم کا تکیہ ہوتا تھا[1]۔ اور اس لیے کہ ملبوس میں سے قلیل مباح ہے جیسے نقش

([1])قُلْت: أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ سُوَيْد بْنِ غَفَلَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ، إلَّا مَوْضِعَ إصْبَعَيْنِ، أَوْ ثَلَاثٍ، أَوْ أَرْبَعٍ.(نصب الراية:4ص524)

([2])قُلْت: أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَبِي عُمَرَ، مَوْلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي السُّوقِ، وَقَدْ اشْتَرَى ثَوْبًا شَامِيًّا، فَرَأَى فِيهِ خَيْطًا أَحْمَرَ، فَرَدَّهُ، فَأَتَيْت أَسْمَاءَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لها، فقال: يَا جَارِيَةُ نَاوِلِينِي جُبَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجَتْ لِي جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ، لَهَا لِبْنَةُ دِيبَاجٍ، وَفَرْجَاهَا مَكْفُوفَانِ بِالدِّيبَاجِ، فَقَالَتْ: كَانَتْ هَذِهِ عِنْدَ عَائِشَةَ، حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ، أَخَذْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا للمرضى نستشفي بِهَا.(نصب الراية:4ص525)

([3])قُلْت: رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ فِي النَّوْعِ التَّاسِعِ، مِنْ الْقِسْمِ الرَّابِعِ، مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ يَقُولُ: أَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ، وَنَحْنُ بِأَذْرَبِيجَانَ مَعَ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ، أَمَّا بَعْدُ: فَاتَّزِرُوا، وَارْتَدُوا، وَانْتَعِلُوا، وَارْمُوا بِالْخِفَافِ، وَاقْطَعُوا السَّرَاوِيلَاتِ، وَعَلَيْكُمْ بِلِبَاسِ أَبِيكُمْ إسْمَاعِيلَ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ، وَزِيَّ الْعَجَمِ، وَعَلَيْكُمْ بِالشَّمْسِ، فَإِنَّهَا حَمَّامُ الْعَرَبِ، اخشوشنوا، وَاخْلَوْلِقُوا، وَارْمُوا الْأَغْرَاضَ، وَانْزُوا نَزْوًا، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا عَنْ الْحَرِيرِ، إلَّا هَكَذَا، وَضَمَّ إصْبَعَيْهِ: السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى.(نصب الراية:4ص525)

([4])علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْت: غَرِيبٌ جِدًّا. وَيُشْكِلُ عَلَى الْمَذْهَبِ حَدِيثُ حُذَيْفَةَ, قَالَ: نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ, وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا, وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ, وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ, انْتَهَى. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ. (نصب الراية:4ص526)

ونگار کا حکم گزر چکا اسی طرح قلیل بچھونا اور استعمال کرنا بھی مباح ہوگا، اور قلیل لباس اور قلیل بچھونے اور استعمال کرنے میں علتِ جامعہ دونوں کا جنت کی نعمتوں کا نمونہ ہونا ہے اس تفصیل کے مطابق جو جانی پہچانی ہے کہ قلیل مقدار کی اجازت اس لیے ہے تاکہ جنت کی نعمتوں کی قدر معلوم ہو۔

فتوی:۔صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما في الدر المختار: (وَيَحِلُّ تَوَسُّدُهُ وَافْتِرَاشُهُ) وَالنَّوْمُ عَلَيْهِ وَقَالَا وَالشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ حَرَامٌ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي الْمَوَاهِبِ قُلْت فَلْيُحْفَظْ هَذَا لَكِنَّهُ خِلَافُ الْمَشْهُورِ ۔وقال العلامة ابن عابدين: (قَوْلُهُ كَمَا فِي الْمَوَاهِبِ) وَمِثْلُهُ فِي مَتْنِ دُرَرِ الْبِحَارِ قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ وَبِهِ أَخَذَ كَثِيرٌ مِنْ الْمَشَايِخِ كَمَا فِي الْكِرْمَانِيِّ اهـ. وَنَقَلَ مِثْلَهُ ابْنُ الْكَمَالِ (قَوْلُهُ لَكِنَّهُ خِلَافُ الْمَشْهُورِ) قَالَ فِيهِ الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ قُلْت هَذَا التَّصْحِيحُ خِلَافُ مَا عَلَيْهِ الْمُتُونُ الْمُعْتَبَرَةُ الْمَشْهُورَةُ وَالشُّرُوحُ (الدر المختار مع ردّ المحتار:5ص250)

{۵}صاحبینؒ کے نزدیک جنگ میں ریشم اور دیبا پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ امام شعبیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے جنگ میں ریشم اور دیبا کی اجازت دی تھی[2]۔اور اس لیے کہ جنگ میں ریشم پہننے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ خالص ریشم ہتھیاروں کی شدت اور ضرر کو خوب دفع کرنے والا ہے اور اپنی چمک کی وجہ سے دشمن کی آنکھوں میں زیادہ ہیبت پیدا کرنے والا ہوتا ہے اس لیے جنگ میں ریشم پہننے کی گنجائش ہے۔

{٦}امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیونکہ ماقبل میں جو احادیث ہم روایت کرچکے ان میں جنگ اور غیر جنگ کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔باقی آپ نے جس ضرورت کو ذکر کیا ہے تو وہ تو مخلوط کپڑے سے بھی پوری ہوجاتی ہے اور مخلوط کپڑے سے مراد یہ ہے کہ اس کا بانا (وہ دھاگے جو کپڑا بننے میں چوڑائی کی طرف ہوں) ریشم کا ہو اور تانا (وہ دھاگے جو کپڑا بننے میں لمبائی کی طرف ہوں) اس کے علاوہ اُون وغیرہ کا ہو اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز بناء بر ضرورت ثابت ہو وہ بقدرِ ضرورت ثابت ہوتی ہے اور یہاں ضرورت

([1])قُلْت: وَرَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ فِي الثِّقَاتِ فِي تَرْجَمَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَهِيَ فِي أَوَّلِ الطَّبَقَةِ الْخَامِسَةِ مِمَّنْ مَاتَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ، فَقَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ رَاشِدٍ، مَوْلَى لِبَنِي عَامِرٍ، قَالَ: رَأَيْت عَلَى فِرَاشِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِرْفَقَةَ حَرِيرٍ، انْتَهَى..أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ ثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي الْمِقْدَامِ عَنْ مُؤَذِّنِ بَنِي وَادِعَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى مِرْفَقَةِ حَرِيرٍ، وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، وَهُوَ يَقُولُ لَهُ:-انْظُرْ كَيْفَ تُحَدِّثُ عَنِّي، فَإِنَّك حَفِظْتَ عَنِّي كَثِيرًا،(نصب الراية:4ص526)

([2])علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْت: غَرِيبٌ عَنْ الشَّعْبِيِّ، وَرَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ مِنْ حَدِيثِ بَقِيَّةَ عَنْ عِيسَى بْنِ إبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ الْهَاشِمِيِّ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ الْحَكَمِ بْنِ عُمَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لِبَاسِ الْحَرِيرِ عِنْدَ الْقِتَالِ، انْتَهَى. وَأَعَلَّهُ عَبْدُ الْحَقِّ فِي أَحْكَامِهِ بِعِيسَى هَذَا، وَقَالَ: إنَّهُ ضَعِيفٌ عِنْدَهُمْ، بَلْ مَتْرُوكٌ، قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِهِ: وَبَقِيَّةُ لَا يُحْتَجُّ بِهِ، وَعِيسَى ضَعِيفٌ، وَمُوسَى بْنُ أَبِي حَبِيبٍ ضَعِيفٌ أَيْضًا، انْتَهَى. وَرَوَى ابْنُ سَعْدٍ فِي الطَّبَقَاتِ فِي تَرْجَمَةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَخْبَرَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيّ عَنْ إسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ الْحَسَنِ، قَالَ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَلْبَسُونَ الْحَرِيرَ فِي الْحَرْبِ، (نصب الراية:4ص526)

مخلوط سے پوری ہو جاتی ہے لہذا غیر مخلوط عدم جواز پر برقرار رہے گا، اور امام شعبیؒ کی روایت بھی مخلوط پر محمول ہے لہذا اس سے غیر مخلوط کے جواز پر استدلال درست نہیں ہے۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے لما قال الشيخ عبدالحكيم الشهيد: والظاهر من عبارة فتح القدير و غيره ترجيح قولهما لترجيح نص الحديث على العمومات (هامش الهداية:4ص454)

{7} ایسا کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کا تانا ریشم ہو اور بانا غیر ریشم ہو مثلاً روئی کا ہو یا خز (ایک دریائی جانور کے بالوں سے بنایا ہوا کپڑا) کا ہو، خواہ جنگ میں ہو یا غیر جنگ میں؛ کیونکہ صحابہ کرامؓ خز پہنا کرتے تھے حالانکہ خز کا تانا ریشم کا ہوتا تھا؛ کیونکہ کپڑا بُنائی کی وجہ سے کپڑا ہوتا ہے اور بُنائی بانے سے ہوتی ہے لہذا بانے کا اعتبار ہے تانے کا اعتبار نہیں ہے پس اگر بانا ریشم کا ہو تو ممنوع ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ابرے اور پوستین کے درمیان خام ریشم کے کپڑے کو مکروہ سمجھتا ہوں اور جو ریشم تکیہ وغیرہ میں بھر دیا ہو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں؛ کیونکہ کپڑا ملبوس ہوتا ہے جو ممنوع ہے بھراؤ ملبوس نہیں ہوتا ہے۔

{8} جس کپڑے کا بانا ریشم ہو اور اس کا تانا غیر ریشم ہو تو جنگ میں اس کو پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں ضرورت ہے کہ دشمن پر اس سے ہیبت پڑتی ہے، اور جنگ کے علاوہ میں اسے پہننا مکروہ ہے؛ کیونکہ ضرورت نہیں ہے، اور اعتبار بانے کا ہے جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے۔

لباس کے بارے میں شریعت کے اصول:

لباس کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے مضمون کے کچھ اقتباسات نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، فرماتے ہیں: لباس کے اندر شریعت نے بڑی لچک رکھی ہے۔ اور امت کے لیے کوئی ایسا لباس لازم نہیں کیا کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو۔ اس کے بجائے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول بتادیئے ہیں، اور یہ بتادیا کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے۔ وہ اصول یہ ہیں کہ مردوں کے لباس حریر کے نہ ہوں ۔دوسرے یہ کہ وہ لباس ساتر ہو یعنی جس کا جتنا حصہ عورت ہے، اس لباس کے ذریعہ وہ حصہ صحیح طریقے پر چھپ جائے......تیسرا اصول یہ ہے کہ مرد کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں۔ یعنی لباس کے ذریعہ مرد عورت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ چوتھا اصل یہ ہے کہ زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ پانچواں اصول یہ ہے اس کے ذریعہ تکبر کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو۔ اور اس کے اندر اسراف نہ ہو۔ اور زیادہ قیمتی لباس اس لیے پہننا کہ اس کے

ذریعہ لوگوں کی نظروں میں بڑا بن جائے، یہ بھی ناجائز ہے۔ چھٹا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالکفار نہ ہو۔ تشبہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کر کے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں۔ یہ بھی ناجائز اور حرام ہے (تقریر ترمذی:2ص330)

ف:۔ جہاں تک کوٹ پتلون پہننے کا تعلق ہے تو چونکہ اب دنیا بھر میں اس کا رواج اور شیوع اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ اب اس میں "تشبہ" کی شان مغلوب ہو گئی ہے۔ اس لیے تشبہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو حرام کہنا ممکن نظر نہیں آتا۔ البتہ شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ لباس ساتر ہو۔ اگر وہ پتلون اتنی چست ہے کہ اس کی وجہ سے اعضاء عورت کی ہیئت ظاہر ہو رہی ہو تو ایسی پتلون پہننا ناجائز ہے یا اگر وہ پتلون ٹخنوں سے نیچے ہو گی تو اس کا پہننا بھی جائز نہیں، البتہ تشبہ کی وجہ سے حرمت نہیں آئے گی۔ لیکن چونکہ اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی اس لیے اس کا پہننا کراہت سے خالی نہیں ۔لہذا حتی الامکان پرہیز ہی کرنا چاہیے۔ البتہ کوئی شخص ملازمت کی مجبوری سے اس کو پہنتا ہے اور دل میں اچھا نہیں سمجھتا تو پھر امید ہے کہ انشاء اللہ کراہت بھی نہیں ہو گی بشرطیکہ وہ چست نہ ہو، اس لیے کہ جہاں ایسا لباس پہننا لازم ہوتا ہے وہاں چست پہننے کی قید نہیں ہوتی، لہذا آدمی اپنی مرضی سے ڈھیلی سلوالے۔

جہاں تک "ٹائی" کا تعلق ہے ۔اس کے بارے میں ہمارے طبقے میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ ٹائی درحقیقت صلیب تھی۔ عیسائی لوگ صلیب لٹکایا کرتے تھے، اب ٹائی کو صلیب کا متبادل بنالیا گیا ہے۔ لیکن مجھے کافی تلاش کے بعد اب تک اس بات کی دلیل اور اس کا کوئی ماخذ نہیں ملا۔ لباس کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہر لباس کی تاریخ لکھی ہوتی ہے کہ اس لباس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اس میں بھی ٹائی کے بارے میں کوئی مضمون اب تک نظر نہیں آیا۔ اس لیے جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو نصاریٰ کا شعار قرار دے کر حرام قرار دینے سے میں کف لسانی کرتا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم..........

ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب آدمی گھر سے باہر نکلتا ہے اور شرفاء کے مجمع میں جاتا ہے تو عمامہ ضرور پہنتا ہے، تو جس علاقے میں اس قسم کا رواج ہوتا ہے وہاں کے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لیے گھر میں بھی بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس کو عمامہ پہن کر نماز پڑھنی چاہیے۔ اس لیے کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس لباس میں آدمی دوسروں کے سامنے نہ جاسکے، اس لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ استدلال درست نہیں۔ اس لیے کہ فقہاء کرام نے یہ جو فرمایا ہے کہ آدمی جن کپڑوں میں باہر نہ جاسکے، ان کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کپڑوں میں آدمی گھر سے باہر نکل ہی نہیں سکتا، مثلاً ایک آدمی اپنے گھر میں بنیان اور لنگی میں ہے، تو اس حالت میں ظاہر ہے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اب اگر اس حالت میں وہ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ ہو گی۔ لیکن ایک شخص نے قمیص، شلوار ٹوپی پہن رکھی ہے اور اس لباس میں وہ مہمان سے بھی

لتا ہے اور قریب آس پاس کہیں جاتا ہوتا ہے تو اس لباس میں چلا جاتا ہے۔ اور پھر اسی لباس میں مسجد میں بھی چلا جاتا ہے تو اب ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں، اگرچہ اس شخص کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی شرفاء کی محفل میں یا کسی جلسے میں یا کسی تقریب میں جاتا ہے تو شروانی یا صدری پہن کر جاتا ہے، اور ان کے پہننے کا بہت اہتمام بھی کرتا ہے، اور شیروانی یا صدری کے بغیر جانے کو معیوب سمجھتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب وہ شخص نماز پڑھنے کے لیے جائے تو پہلے شیروانی یا صدری پہنے اور پھر نماز پڑھے، بلکہ ان کے بغیر بھی نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور فقہاء کرام نے یہ جو لکھا ہے کہ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں جن کپڑوں کو پہن کر وہ دوسروں کے سامنے نہیں جاسکتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حالت میں وہ گھر سے باہر ہی نہ نکل سکتا ہو (تقریر ترمذی:2 ص334)

زندگی گذارنے کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

اس باب میں ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں خلجان کا سبب ہوتا ہے کہ کس معیار کا کپڑا پہننا چاہیے؟ اور کس معیار کی زندگی اختیار کرے کہ وہ اسراف میں داخل نہ ہو؟۔ اس بارے میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی حدود بیان فرمادیں۔ وہ حدود اگرچہ مکان کے بارے میں ارشاد فرمائی تھیں لیکن وہی حدود کپڑے اور دنیا کی دوسری چیزوں پر بھی صادق آتی ہیں۔ فرمایا کہ ایک درجہ ضرورت کا ہوتا ہے کہ آدمی کی ضرورت پوری ہو جائے جیسے مکان اگر کچا ہو جس میں آدمی اپنا سر چھپا سکے، حضرت والا اس کو فرماتے ہیں کہ یہ درجہ رہائش کا ہے یعنی یہ مکان قابل رہائش ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے۔

دوسرا درجہ آسائش کا ہے۔ یعنی آدمی ایسا مکان بنائے کہ وہ مکان صرف سر چھپانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ اس مکان کے اندر اپنے لیے راحت اور آرام کا بھی خیال رکھا گیا ہو۔ مثلاً وہ مکان پختہ بنالیا تا کہ اس میں بارش کا پانی نہ آئے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔ تیسرا درجہ آرائش کا ہے۔ یعنی ایک مکان میں آسائش تو حاصل تھی لیکن کوئی خاص زینت نہیں تھی اب کسی نے اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے اس مکان میں زینت کے اسباب کا انتظام کر لیا، مثلاً رنگ وروغن کرالیا وغیرہ یہ آرائش ہے۔ یہ بھی جائز ہے۔

چوتھا درجہ نمائش کا ہے یعنی مکان کے اندر ایسے اسباب جمع کرنا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے سامنے نمائش اور دکھاوا مقصود ہے تا کہ لوگ مجھے بڑا آدمی اور دولت مند سمجھیں، اس لیے کہ میں ایسے شاندار مکان میں رہتا ہوں۔ ایسے شاندار کپڑے پہنتا ہوں۔ ایسی شاندار سواری استعمال کرتا ہوں۔ یہ نمائش ہے اور حرام ہے۔ گویا کہ تین درجے جائز ہیں اور چوتھا درجہ حرام ہے۔ اور لباس کے اندر بھی یہی تفصیل ہے الخ (تقریر ترمذی:2 ص360)

{۱}قَالَ : وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ ؛ لِمَا رَوَيْنَا - وَلَا بِالْفِضَّةِ؛
فرمایا:اور جائز نہیں ہے مردوں کے لیے زینت اختیار کرنا سونے سے؛اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے،اور نہ چاندی سے
لِأَنَّهَا فِي مَعْنَاهُ - إلَّا بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ ، تَحْقِيقًا لِمَعْنَى النَّمُوذَجِ ، وَالْفِضَّةُ أَغْنَتْ
کیونکہ چاندی سونے کے معنی میں ہے،مگر انگوٹھی،کمر بند اور تلوار کا زیور چاندی سے؛ثابت کرتے ہوئے نمونہ کا معنی،اور چاندی نے مستغنی کر دیا
عَنِ الذَّهَبِ إذْ هُمَا مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ ، كَيْفَ وَقَدْ جَاءَ فِي إبَاحَةِ ذَلِكَ آثَارٌ{۲}وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ:وَلَا يَتَخَتَّمُ
سونے سے؛اس لیے کہ یہ دونوں ایک جنس سے ہیں،کیوں نہیں،حالانکہ آئے ہیں اس کی اباحت میں آثار،اور جامع صغیر میں ہے کہ انگوٹھی نہ پہنے
إلَّا بِالْفِضَّةِ،وَهَذَا نَصٌّ عَلَى أَنَّ التَّخَتُّمَ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيدِ وَالصُّفْرِ حَرَامٌ{وَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى رَجُلٍ خَاتَمَ صُفْرٍ فَقَالَ:
مگر چاندی کی،اور یہ تصریح ہے کہ انگوٹھی پہننا پتھر،لوہے اور پیتل کی حرام ہے،اور دیکھی حضورؐ نے ایک شخص پر پیتل کی انگوٹھی پس کہا
مَالِي أَجِدُ مِنْك رَائِحَةَ الْأَصْنَامِ .وَرَأَى عَلَى آخَرَ خَاتَمَ حَدِيدٍ فَقَالَ : مَالِي أَرَى
کیا ہوا مجھ کو کہ میں محسوس کرتا ہوں تجھ سے بتوں کی بُو،اور دوسرے پر لوہے کی انگوٹھی دیکھی،پس کہا:مجھے کیا ہوا ہے کہ میں دیکھتا ہوں
عَلَيْك حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ } وَمِنَ النَّاسِ مَنْ أَطْلَقَ الْحَجَرَ الَّذِي يُقَالُ لَهُ يَشْبُ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَجَرٍ ، إذْ
تجھ پر جہنمیوں کا زیور،اور لوگوں میں سے بعض نے اجازت دی ہے اس پتھر کی جس کو یشب کہا جاتا ہے؛کیونکہ وہ پتھر نہیں ہے،اس لیے
لَيْسَ لَهُ ثِقَلُ الْحَجَرِ ، وَإِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ يَدُلُّ عَلَى تَحْرِيمِهِ{۳} وَالتَّخَتُّمُ بِالذَّهَبِ عَلَى الرِّجَالِ
کہ نہیں ہے اس کے لیے پتھر جیسا ثقل،اور اطلاق حکم کتاب میں دلالت کرتا ہے اس کی تحریم پر۔اور سونے کی انگوٹھی پہننا مردوں پر
حَرَامٌ ؛ لِمَا رَوَيْنَا .وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ }
حرام ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے،اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے منع فرمایا سونے کی انگوٹھی پہننے سے،
وَلِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ التَّحْرِيمُ،وَالْإِبَاحَةُ ضَرُورَةُ الْخَتْمِ أَوِ النَّمُوذَجِ،وَقَدِ انْدَفَعَتْ بِالْأَدْنَى وَهُوَ الْفِضَّةُ{۴}وَالْحَلْقَةُ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ
اور اس لیے کہ اصل سونے میں تحریم ہے،اور اباحت ضرورتِ مہر یا نمونہ کی وجہ سے اور وہ دور ہو گئی ادنیٰ یعنی چاندی سے،اور حلقہ ہی معتبر ہے
؛ لِأَنَّ قِوَامَ الْخَاتَمِ بِهَا ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَصِّ حَتَّى يَجُوزَ أَنْ يَكُونَ مِنْ حَجَرٍ وَيَجْعَلَ الْفَصَّ إلَى بَاطِنِ كَفِّهِ
؛کیونکہ انگوٹھی کا قوام اسی سے ہے،اور معتبر نہیں ہے نگینہ،حتیٰ کہ جائز ہے کہ ہو پتھر کا،اور کر دے نگینہ اندرونِ ہتھیلی کی طرف
بِخِلَافِ النِّسْوَانِ ؛ لِأَنَّهُ تَزَيُّنٌ فِي حَقِّهِنَّ ، وَإِنَّمَا يَتَخَتَّمُ الْقَاضِي وَالسُّلْطَانُ ؛لِحَاجَتِهِ إلَى الْخَتْمِ،
،برخلافِ عورتوں کے؛کیونکہ یہ تزین ہے عورتوں کے حق میں،اور انگوٹھی پہنے گا قاضی یا سلطان؛اس کی حاجت کی وجہ سے انگوٹھی کو،

وَأَمَّا غَيْرُهُمَا فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَتْرُكَهُ ، لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِمِسْمَارِ الذَّهَبِ
بہر حال ان دو کے علاوہ تو افضل یہ ہے کہ چھوڑ دے؛ عدم حاجت کی وجہ سے اس کی طرف۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں سونے کی میخ میں

يَجْعَلُ فِي حَجَرِ الْفَصِّ أَيْ فِي ثَقْبِهِ ، لِأَنَّهُ تَابِعٌ كَالْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ فَلَا يُعَدُّ لَابِسًا لَهُ .{٥}قَالَ
جو کردے نگینے کے حجر یعنی سوراخ میں؛ کیونکہ یہ تابع ہے جیسے نقش و نگار کپڑے میں، پس شمار نہیں کیا جائے گا اس کو پہننے والا۔ فرمایا:

وَلَا تُشَدُّ الْأَسْنَانُ بِالذَّهَبِ وَتُشَدُّ بِالْفِضَّةِ . وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا بَأْسَ
نہ باندھے جائیں دانت سونے سے اور باندھے جائیں چاندی سے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ کوئی حرج نہیں

بِالذَّهَبِ أَيْضًا. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلُ قَوْلِ كُلٍّ مِنْهُمَا. لَهُمَا[أَنَّ عَرْفَجَةَ بْنَ أَسْعَدَ الْكِنَانِيَّ أُصِيبَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ
سونے میں بھی، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے ہر ایک کے قول کی طرح؛ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عرفجہ بن اسعدؓ کی ناک کٹ گئی یوم الکلاب میں

فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ فِضَّةٍ فَأَنْتَنَ .فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِأَنْ يَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ]{٦}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ
پس اس نے بنائی ناک چاندی سے، پس وہ بدبودار ہوگئی تو امر کیا اس کو حضورؐ نے کہ بنائے ناک سونے کی، اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

الْأَصْلَ فِيهِ التَّحْرِيمُ وَالْإِبَاحَةُ لِلضَّرُورَةِ . وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْفِضَّةِ وَهِيَ الْأَدْنَى فَبَقِيَ الذَّهَبُ عَلَى التَّحْرِيمِ.
کہ اصل سونے میں تحریم ہے، اور اباحت ضرورت کی وجہ سے ہے، اور وہ دور ہوگئی چاندی سے اور چاندی ادنیٰ ہے، پس باقی رہا سونا تحریم پر

وَالضَّرُورَةُ فِيمَا رُوِيَ لَمْ تَنْدَفِعْ فِي الْأَنْفِ دُونَهُ حَيْثُ أَنْتَنَ .{٧}قَالَ : وَيُكْرَهُ أَنْ يُلْبَسَ
اور ضرورت عرفجہؓ کی روایت میں دور نہ ہوئی ناک میں سونے کے علاوہ سے؛ کیونکہ وہ بدبودار ہوگئی۔ فرمایا: اور مکروہ ہے کہ پہنایا جائے

الذُّكُورُ مِنْ الصِّبْيَانِ الذَّهَبَ وَالْحَرِيرَ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَمَّا ثَبَتَ فِي حَقِّ الذُّكُورِ وَحَرُمَ اللُّبْسُ حَرُمَ الْإِلْبَاسُ كَالْخَمْرِ لَمَّا حَرُمَ
ذکر بچوں کو سونا اور ریشم؛ کیونکہ تحریم جب ثابت ہوئی ذکور کے حق میں اور حرام ہوا پہننا تو حرام ہوگا پہنانا جیسے شراب کہ جب حرام ہوا

شُرْبُهَا حَرُمَ سَقْيُهَا . قَالَ : وَتُكْرَهُ الْخِرْقَةُ الَّتِي تُحْمَلُ فَيُمْسَحُ بِهَا الْعَرَقُ ، لِأَنَّهُ
اس کو پینا تو حرام ہوگا اس کو پلانا۔ فرمایا: اور مکروہ ہے کپڑے کا وہ ٹکڑا جو ساتھ رکھا جاتا ہے اور پونچھ دیا جاتا ہے اس سے پسینہ؛ کیونکہ یہ

نَوْعُ تَجَبُّرٍ وَتَكَبُّرٍ . وَكَذَا الَّتِي يُمْسَحُ بِهَا الْوُضُوءُ أَوْ يُمْتَخَطُ بِهَا ، وَقِيلَ
ایک طرح کا تجبر اور تکبر ہے، اور اسی طرح وہ کپڑا جس سے پونچھا جاتا ہے وضو کا پانی یا جس سے ناک صاف کی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے

إِذَا كَانَ عَنْ حَاجَةٍ لَا يُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ. وَإِنَّمَا يُكْرَهُ إِذَا كَانَ عَنْ تَكَبُّرٍ وَتَجَبُّرٍ وَصَارَ كَالتَّرَبُّعِ فِي الْجُلُوسِ{٨}وَلَا بَأْسَ
اگر ہو ضرورت کی وجہ سے تو مکروہ نہیں ہے اور یہی صحیح ہے، اور مکروہ ہے جب تکبر و تجبر کی بنا پر، اور ہوگیا جیسے چہار زانو بیٹھنا، اور کوئی حرج نہیں

بِأَنْ يَرْبِطَ الرَّجُلُ فِي أُصْبُعِهِ أَوْ خَاتَمِهِ الْخَيْطَ لِلْحَاجَةِ، وَيُسَمَّى ذَلِكَ الرَّتَمَ وَالرَّتِيمَةَ. وَكَانَ ذَلِكَ مِنْ عَادَةِ الْعَرَبِ

کہ باندھ لے آدمی اپنی انگلی یا انگوٹھی میں دھاگہ حاجت کی وجہ سے، اور نام رکھا جاتا ہے اس کا رتم یا رتیمہ، اور یہ عربوں کی عادت تھی،

قَالَ قَائِلُهُمْ: لَا يَنْفَعَنَّكَ الْيَوْمَ إِنْ هَمَّتْ بِهِمْ كَثْرَةُ مَا تُوصِي

کہا ہے ان کے ایک شاعر نے: نفع نہیں پہنچا سکتا ہے تجھے آج کا دن اگر اس نے لوگوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے، کثرت سے وصیت کرنا

وَتَعْقَادُ الرَّتَمِ وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بَعْضَ أَصْحَابِهِ بِذَلِكَ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَبَثٍ لِمَا فِيهِ مِنَ الْغَرَضِ الصَّحِيحِ

اور رتم باندھنا، اور مروی ہے کہ حضورؐ نے امر فرمایا اپنے بعض صحابہؓ کو، اور اس لیے کہ نہیں ہے یہ عبث؛ کیونکہ اس میں غرض صحیح ہے

وَهُوَ التَّذَكُّرُ عِنْدَ النِّسْيَانِ.

اور وہ یاد دہانی ہے غفلت کے وقت۔

تشریح:۔ {۱} مردوں کے لیے سونے کا زیور پہننا جائز نہیں ہے؛ دلیل وہی حدیث ہے جو سابق میں ہم روایت کر چکے کہ حضور ﷺ نے سونے اور ریشم کے بارے میں فرمایا کہ یہ دو میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ اور چاندی کا زیور پہننا بھی جائز نہیں؛ کیونکہ چاندی سونے کے معنی میں ہے۔ البتہ چاندی کی انگوٹھی، کمربند اور چاندی کا وہ زیور جو تلوار پر چڑھا دیا جائے جائز ہیں؛ تاکہ جنت کی نعمتوں کا نمونہ ثابت ہو جیسا کہ سابق میں ہم بیان کر چکے، اور نمونہ کا ثبوت چاندی سے پورا ہو جاتا ہے اس لیے وہ سونے سے نمونہ کا معنی حاصل کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے؛ کیونکہ سونا اور چاندی دونوں ایک جنس سے ہیں، اور چاندی کی انگوٹھی وغیرہ کیوں جائز نہ ہو جبکہ ان کی اباحت میں آثار مروی ہیں۔

{۲} جامع صغیر میں ہے کہ صرف چاندی کی انگوٹھی پہنے، تو یہ تصریح ہے کہ پتھر، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی حرام ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پا رہا ہوں، اور دوسرے شخص کو لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں تیرے اوپر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں[1]۔ اور بعض حضرات نے اس پتھر کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے جس کو یشب کہتے ہیں؛ کیونکہ وہ در حقیقت پتھر نہیں ہے اس لیے کہ

---

(1) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد فِي كِتَابِ الْخَاتَمِ، وَالتِّرْمِذِيُّ فِي اللِّبَاسِ، وَالنَّسَائِيُّ فِي الزِّينَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُسْلِمٍ السُّلَمِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ، فَقَالَ: "مَا لِي أَرَى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ"؟ ثُمَّ جَاءَهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شَبَهٍ، فَقَالَ: "مَا لِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ"؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ؟ قَالَ: "اتَّخِذْهُ مِنْ وَرِقٍ، وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا"، انْتَهَى. زَادَ التِّرْمِذِيُّ: ثُمَّ جَاءَهُ، وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: "مَا لِي أَرَى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ"؟ وَقَالَ: صُفْرٌ، عِوَضٌ: شَبَهٍ، وَقَالَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلِمٍ، يُكْنَى أَبَا طَيْبَةَ، (نصب الرایۃ:4ص534)

اس میں پتھر کی طرح ثقل اور بوجھ نہیں ہے، جبکہ کتاب (جامع صغیر) میں علی الاطلاق یہ کہنا کہ فقط چاندی کی انگوٹھی پہنے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یشب حرام ہے۔

{۳} مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے؛ دلیل وہی حدیث ہے جو سابق میں ہم روایت کرچکے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا[1]۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انگوٹھی پہننے میں اصل تحریم ہے اور جہاں اباحت ہے تو وہ ضرورت کی بنا پر ہے اور ضرورت انگوٹھی سے مہر لگانے کی ہے یا جنت کی نعمتوں کا نمونہ ہونا ہے اور یہ ضرورت سونے اور چاندی میں سے ادنیٰ یعنی چاندی سے پوری ہو جاتی ہے اس لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کا حکم حرمت ہی ہے۔

{۴} پھر انگوٹھی میں اصل اس کا حلقہ ہے؛ کیونکہ انگوٹھی کا اپنا ذاتی وجود حلقہ ہی سے ہے، لہٰذا نگینے کا اعتبار نہیں ہے حتیٰ کہ پتھر کا نگینہ بھی جائز ہے، اور جو شخص انگوٹھی پہنے گا تو وہ اس کا نگینہ ہتھیلی کے اندرونی حصہ کی طرف کرے گا؛ کیونکہ مقصود مہر لگانا یا نمونہ ہے تزیّن نہیں ہے، البتہ نگینہ باہر رکھیں؛ کیونکہ ان کا مقصد تزیّن ہے اور تزیّن نگینہ باہر کی طرف رکھنے میں ہے۔

اور انگوٹھی قاضی یا بادشاہ پہنے؛ کیونکہ ان کو انگوٹھی کے ذریعہ مہر لگانے کی ضرورت ہے، باقی ان کے علاوہ عام لوگوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ انگوٹھی نہ پہنیں؛ کیونکہ ان کو انگوٹھی پہننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور انگوٹھی کے نگینہ (نگینے کے سوارخ) میں سونے کی میخ ٹھونکنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں سونے کی کیل کپڑے میں نقش و نگار کی طرح تابع ہے لہٰذا اس کی وجہ سے یہ شخص سونا پہننے والا اشمار نہیں ہوتا ہے۔

{۵} امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دانت سونے سے نہ باندھے جائیں بلکہ چاندی سے باندھے جائیں۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سونے سے باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے ان دونوں میں سے ہر ایک کے قول کی طرح مروی ہے یعنی سونے سے دانت باندھنے کا جواز اور عدم جواز دونوں مروی ہیں۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ بن اسعدؓ کی ناک جنگ یوم الکلاب میں کٹ گئی تو آپؓ نے چاندی کی ناک بنوائی، مگر وہ بدبودار ہو گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کا حکم فرمایا[2]، معلوم ہوا کہ سونے کی ناک اور دانت وغیرہ بنوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

([1]) قلت: رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إلَّا الْبُخَارِيَّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ، وَعَنْ لِبَاسِ الْقَسِّيِّ، وَالْمُعَصْفَرِ، وَعَنْ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، (نصب الرایۃ: 4ص534)

([2]) قلت: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد فِي الْخَاتَمِ وَالتِّرْمِذِيُّ فِي اللِّبَاسِ، وَالنَّسَائِيُّ فِي الزِّينَةِ عَنْ أَبِي الْأَشْهَبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرَفَةَ أَنَّ جَدَّهُ عَرْفَجَةَ بْنَ أَسْعَدَ أُصِيبَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ، فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ، فَأَنْتَنَ عَلَيْهِ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ، (نصب الرایۃ: 4ص536)

{۶}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونے کے باب میں اصل تحریم ہے البتہ اگر کہیں مباح ہو تو وہ ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضرورت یہاں چاندی سے دفع ہو جاتی ہے اور چاندی ادنیٰ ہے اس لیے اس پر سونا قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا سونا تحریم پر برقرار رہے گا۔ اور صاحبینؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں تو ضرورت سونے کے علاوہ (چاندی) سے دور نہ ہوئی؛ کیونکہ وہ بدبودار ہو گئی اس لیے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دیدی گئی۔

فتوی:۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے لما قال الشیخ غلام قادر النعمانی:القول الراجح ھو قول ابی حنیفة بما ظھر من داب المصنف،وقال العلامة قاضیخان :وکان ابوحنیفة لایری باسًا بشدھا بالفضة وکذا اذا سقط سنه لاباس بان یتخذ سنًا من فضة ویکرہ ان یتخذ من ذھب(القول الراجح:2ص301)

{۷}نرینہ بچوں کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ ہے ؛کیونکہ جب مردوں کے حق میں تحریم ثابت ہو گئی اور پہننا حرام ہوا تو پہنانا بھی حرام ہو گا جیسا کہ شراب کو خود پینا حرام ہے تو دوسرے کو پلانا بھی حرام ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا کپڑا (رومال) اپنے پاس رکھنا مکروہ ہے جس سے پسینہ پونچھتے ہیں؛کیونکہ یہ ایک طرح کا تکبر ہے اس لیے مکروہ ہے۔ اسی طرح وہ کپڑا بھی مکروہ ہے جس سے وضو کا پانی پونچھتے ہیں یا اس سے ناک صاف کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر ضرورت کی بنا پر ہو تو صحیح قول کے مطابق مکروہ نہ ہو گا، البتہ اگر تکبر اور تجبر کی بنا پر ہو تو مکروہ ہو گا جیسا کہ چار زانو بیٹھنا مکروہ ہے؛کیونکہ یہ متکبر لوگوں کی عادت ہے، لیکن اگر ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔

فتوی:۔ مسلمانوں کے تعامل کی وجہ سے متاخرین علماء نے عدم کراہت کو ترجیح دی ہے، اور صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک جماعت نے وضو کے بعد رومال استعمال کرنے کی اجازت دی ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ لَا يُكْرَهُ خِرْقَةٌ إلَخْ) هَذَا هُوَ مَا صَحَّحَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ لِتَعَامُلِ الْمُسْلِمِينَ، وَذَكَرَ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ عَنْ أَبِي عِيسَى التِّرْمِذِيِّ أَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ فِي هَذَا الْبَابِ شَيْءٌ أَيْ مِنْ كَرَاهَةٍ أَوْ غَيْرِهَا؛ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ التَّمَنْدُلَ بَعْدَ الْوُضُوءِ، وَتَمَامُهُ فِيهِ. ثُمَّ هَذَا فِي خَارِجِ الصَّلَاةِ لِمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ، وَتُكْرَهُ الصَّلَاةُ مَعَ الْخِرْقَةِ الَّتِي يُمْسَحُ بِهَا الْعَرَقُ، وَيُؤْخَذُ بِهَا الْمُخَاطُ لَا لِأَنَّهَا نَجِسَةٌ، بَلْ لِأَنَّ الْمُصَلَّى مُعَظَّمٌ وَالصَّلَاةُ عَلَيْهَا لَا تَعْظِيمَ فِيهَا (ردّ المحتار:5/256)

{۸}اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی اپنی انگلی یا انگوٹھی میں کسی ضرورت (مثلاً کسی بات کو یاد رکھنے کے لیے) کی وجہ سے دھاگہ باندھ لے جس کو رتم یا رتیمہ کہتے ہیں اور اس طرح کا دھاگہ باندھنا عربوں کی عادت تھی چنانچہ ان میں سے ایک شاعر نے کہا ہے: آج کے دن اگر عورت نے مردوں کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کر لیا ہو تو تجھے ہرگز کوئی فائدہ نہیں دے گا کہ تو اس

کو بکثرت وصیت کرے اور اس وصیت کی یاددہانی کے لیے اس کی انگلی میں دھاگہ باندھے، بلکہ وہ اپنا کام کرکے رہے گی۔ بہرحال دھاگہ باندھنا جائز ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کرامؓ کو اس کا حکم فرمایا تھا[1]۔ اور اس لیے کہ یہ عبث کام نہیں ہے بلکہ اس میں صحیح غرض ہے اور وہ بھولنے کے وقت یاددہانی ہے کہ اس سے مطلوبہ کام یاد رہتا ہے۔

فَصْلٌ فِي الْوَطْءِ وَالنَّظَرِ وَاللَّمْسِ

یہ فصل وطی کرنے، دیکھنے اور چھونے کے بیان میں ہے۔

لباس کے احکام کو شدت احتیاج کی وجہ سے مقدم کرکے ذکر فرمایا، اور وطی وغیرہ کا انسان کے بدن کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اس لیے ان کے احکام کو خرید وفروخت وغیرہ کے احکام سے مقدم کرکے ذکر فرمایا ہے۔

{۱}قَالَ : وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ إلَى الْأَجْنَبِيَّةِ إلَّا وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَلَا يُبْدِينَ

فرمایا: اور جائز نہیں ہے کہ دیکھے مرد اجنبیہ عورت کو مگر اس کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اظہار نہ کریں عورتیں

زِينَتَهُنَّ إلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا }قَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَا ظَهَرَ مِنْهَا الْكُحْلُ وَالْخَاتَمُ، وَالْمُرَادُ مَوْضِعُهُمَا

اپنی زینت کا مگر جو از خود ظاہر ہوجائے" فرمایا حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہ ما ظہر سرمہ اور انگوٹھی ہیں، اور مراد ان دونوں کی جگہ ہے

وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفُّ، كَمَا أَنَّ الْمُرَادَ بِالزِّينَةِ الْمَذْكُورَةِ مَوْضِعُهَا ، {۲}وَلِأَنَّ فِي إبْدَاءِ الْوَجْهِ وَالْكَفِّ ضَرُورَةً

اور وہ چہرہ اور ہتھیلی ہے، جیسا کہ مراد زینت مذکورہ سے اس کی جگہ ہے، اور اس لیے کہ چہرہ اور ہتھیلی ظاہر کرنے میں ضرورت ہے؛

لِحَاجَتِهَا إلَى الْمُعَامَلَةِ مَعَ الرِّجَالِ أَخْذًا وَإِعْطَاءً وَغَيْرَ ذَلِكَ ، وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يُبَاحُ النَّظَرُ إلَى قَدَمِهَا

اس کی حاجت کی وجہ سے معاملہ کی طرف مردوں کے لینے اور دینے وغیرہ کی، اور یہ تصریح ہے کہ جائز نہیں دیکھنا اس کے قدم کو،

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُبَاحُ ؛ لِأَنَّ فِيهِ بَعْضَ الضَّرُورَةِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُبَاحُ

اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ یہ مباح ہے؛ اس لیے کہ اس میں ضرورت ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مباح ہے

النَّظَرُ إلَى ذِرَاعِهَا أَيْضًا ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَبْدُو مِنْهَا عَادَةً{۳}قَالَ : فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ لَا يَنْظُرُ إلَى وَجْهِهَا

---

[1] قلت: غريبٌ، وَفِيهِ أَحَادِيثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسِهِ أَنَّهُ كَانَ يَرْبِطُ فِي إصْبَعِهِ خَيْطًا لِيَذْكُرَهُ بِهِ الْحَاجَةَ، فَرَوَى أَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِي مُسْنَدِهِ مِنْ حَدِيثِ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى أَبِي الْفَيْضِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إذَا أَشْفَقَ مِنْ الْحَاجَةِ أَنْ يَنْسَاهَا رَبَطَ فِي إصْبَعِهِ خَيْطًا لِيَذْكُرَهَا، (نصب الراية: 4ص538)

دیکھنا عورت کے بازؤں کو بھی؛ کیونکہ کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں وہ عادۃً۔ فرمایا: پس اگر اس کو اطمینان نہ ہو شہوت سے تو نہ دیکھے اجنبیہ کے چہرے کو

إِلَّا لِلْحَاجَةِ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ نَظَرَ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ عَنْ شَهْوَةٍ صُبَّ فِي عَيْنَيْهِ الْآنُكُ

مگر ضرورت سے؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جو شخص دیکھے اجنبیہ عورت کے محاسن کو شہوت سے تو ڈال دیا جائے گا اس کی آنکھوں میں سیسہ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ } فَإِذَا خَافَ الشَّهْوَةَ لَمْ يَنْظُرْ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ تَحَرُّزًا عَنِ الْمُحَرَّمِ .وَقَوْلُهُ لَا يَأْمَنُ

قیامت کے دن" پس اگر اس کو خوف ہو شہوت کا تو نہ دیکھے بلا ضرورت؛ حرام سے بچنے کے لیے، اور ماتنؒ کا قول "اگر اس کو اطمینان نہ ہو"

يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يُبَاحُ إِذَا شَكَّ فِي الِاشْتِهَاءِ كَمَا إِذَا عَلِمَ أَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ ذَلِكَ{4} وَلَا يَحِلُّ

دلالت کرتا ہے کہ مباح نہیں ہے اگر اس کو شک ہو شہوت میں جیسا کہ اگر اس کو یقین ہو یا اس کی غالب رائے یہ ہو۔ اور حلال نہیں ہے

لَهُ أَنْ يَمَسَّ وَجْهَهَا وَلَا كَفَّيْهَا وَإِنْ كَانَ يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ ؛ لِقِيَامِ الْمُحَرَّمِ وَانْعِدَامِ الضَّرُورَةِ

مرد کے لیے کہ چھولے اس کے چہرے اور اس کی ہتھیلی کو اگرچہ اس کو اطمینان ہو شہوت سے؛ بوجہ قائم ہونے محرم کے اور معدوم ہونے ضرورت

وَالْبَلْوَى ، بِخِلَافِ النَّظَرِ لِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى .وَالْمُحَرَّمُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ مَسَّ كَفَّ امْرَأَةٍ

اور بلویٰ کے، برخلاف دیکھنے کے؛ اس لیے کہ اس میں بلویٰ ہے، اور حرام کرنے والا حضورؐ کا فرمان ہے "جو شخص مس کرلے کسی عورت کی ہتھیلی

لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ وُضِعَ عَلَى كَفِّهِ جَمْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ }{5} وَهَذَا إِذَا كَانَتْ شَابَّةً تُشْتَهَى،

حالانکہ اس کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے تو رکھا جائے گا اس کی ہتھیلی پر انگارہ قیامت کے دن"۔ اور یہ اس وقت ہے کہ ہو وہ جوان اور مشتہاۃ

أَمَّا إِذَا كَانَتْ عَجُوزًا لَا تُشْتَهَى فَلَا بَأْسَ بِمُصَافَحَتِهَا وَمَسِّ يَدِهَا لِانْعِدَامِ خَوْفِ الْفِتْنَةِ.

اور اگر وہ بوڑھی غیر مشتہاۃ ہو تو کوئی حرج نہیں اس کے ساتھ مصافحہ کرنے میں اور اس کا ہاتھ مس کرنے میں؛ بوجہ معدوم ہونے خوفِ فتنہ کے

وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ أَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَدْخُلُ بَعْضَ الْقَبَائِلِ الَّتِي كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيهِمْ وَكَانَ يُصَافِحُ الْعَجَائِزَ

اور مروی حضرت ابو بکرؓ سے کہ وہ داخل ہوتے تھے بعض ان قبائل پر جن میں انہوں نے دودھ پیا تھا اور مصافحہ کرتے تھے بوڑھی عورت سے

وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اسْتَأْجَرَ عَجُوزًا لِتُمَرِّضَهُ ، وَكَانَتْ تَغْمِزُ رِجْلَيْهِ وَتَفْلِي

اور حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ نے اجرت پر لی تھی ایک بوڑھی عورت اپنی تیمارداری کے لیے اور وہ دباتی تھی ان کے پیر اور جوئیں نکالتی تھی

رَأْسَهُ ، وَكَذَا إِذَا كَانَ شَيْخًا يَأْمَنُ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَيْهَا لِمَا قُلْنَا ، فَإِنْ

ان کے سر سے، اور اسی طرح جب مرد بوڑھا ہو جس کو اطمینان ہو اپنے نفس پر اور عورت پر اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے، اور اگر

كَانَ لَا يَأْمَنُ عَلَيْهَا لَا تَحِلُّ مُصَافَحَتُهَا لِمَا فِيهِ مِنَ التَّعْرِيضِ لِلْفِتْنَةِ .وَالصَّغِيرَةُ إِذَا كَانَتْ لَا تُشْتَهَى

اس کو اطمینان نہ ہو عورت پر تو حلال نہیں ہے اس کے ساتھ مصافحہ کرنا؛ کیونکہ اس میں پیش کش ہے فتنے کی، اور چھوٹی بچی اگر مشتہاۃ نہ ہو

يُبَاحُ مَسُّهَا وَالنَّظَرُ إلَيْهَا لِعَدَمِ خَوْفِ الْفِتْنَةِ .﴿٦﴾قَالَ : وَيَجُوزُ لِلْقَاضِي إذَا أَرَادَ أَنْ يَحْكُمَ

تو مباح ہے اس کو چھونا اور اسے دیکھنا؛ خوفِ فتنہ نہ ہونے کی وجہ سے۔ فرمایا: اور جائز ہے قاضی کے لیے جب ارادہ کرے کہ فیصلہ کرے

عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ إذَا أَرَادَ أَدَاءَ الشَّهَادَةِ عَلَيْهَا النَّظَرُ إلَى وَجْهِهَا وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ ؛ لِلْحَاجَةِ

عورت پر، اور گواہ کے لیے جب ارادہ کرے کہ گواہی دے عورت پر دیکھنا اس کے چہرے کو، اگرچہ خوف ہو شہوت کا؛ بوجہ حاجت کے

إلَى إحْيَاءِ حُقُوقِ النَّاسِ بِوَاسِطَةِ الْقَضَاءِ وَأَدَاءِ الشَّهَادَةِ، وَلَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَقْصِدَ بِهِ أَدَاءَ الشَّهَادَةِ أَوْ الْحُكْمَ عَلَيْهَا

حقوق الناس کو زندہ کرنے کی قضاء اور اداءِ شہادت کے واسطے سے، لیکن چاہیے کہ قصد کرے اداءِ شہادت کا یا اس پر حکم کرنے کا،

لَا قَضَاءَ الشَّهْوَةِ تَحَرُّزًا عَمَّا يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ وَهُوَ قَصْدُ الْقَبِيحِ .﴿٧﴾وَأَمَّا النَّظَرُ لِتَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ إذَا اشْتَهَى

نہ کہ شہوت پوری کرنے کا؛ بچتے ہوئے اس سے جو ممکن ہے اس کے لیے بچنا اس سے، اور وہ قصدِ قبیح ہے، رہا دیکھنا تحمل شہادت کے لیے جب اس کو شہوت ہو

قِيلَ يُبَاحُ .وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُبَاحُ ، لِأَنَّهُ يُوجَدُ مَنْ لَا يَشْتَهِي فَلَا ضَرُورَةَ،

تو کہا گیا ہے کہ مباح ہے، اور اصح یہ ہے کہ مباح نہیں ہے؛ کیونکہ پایا جاتا ہے ایسا شخص جس کو شہوت نہیں، پس کوئی ضرورت نہیں،

بِخِلَافِ حَالَةِ الْأَدَاءِ . ﴿٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْظُرَ إلَيْهَا

بر خلاف حالتِ اداءِ شہادت کے، اور جو شخص ارادہ کرے کہ نکاح کرے کسی عورت کے ساتھ تو کوئی حرج نہیں کہ دیکھ لے اس کو

وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ يَشْتَهِيهَا ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ " { أَبْصِرْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ

اگرچہ اس کو یقین ہو کہ اس کو شہوت ہوگی اس کی؛ کیونکہ حضورﷺ کا ارشاد ہے اس بارے میں "دیکھ عورت کو؛ کیونکہ یہ زیادہ لائق ہے کہ

يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا } " وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ إقَامَةُ السُّنَّةِ لَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ .

پیدا کرے تم دونوں کے درمیان موافقت"، اور اس لیے کہ اس کا مقصود سنت قائم کرنا ہے نہ کہ شہوت پوری کرنا۔

تشریح:۔﴿١﴾ مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی اجنبیہ عورت کے بدن کو دیکھے البتہ اس کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو بنابر ضرورت دیکھ سکتا ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا[1]﴾ (عورتیں اپنی زینت کا اظہار نہ کریں مگر جو از خود ظاہر ہو جائے) جس کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ما

(1) النور: 31.

ظَهَرَ" سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہیں[1] پھر ان دونوں سے ان کی جگہ مراد ہے یعنی سرمہ سے مراد آنکھ ہے اور وہ چہرے میں ہے اور انگوٹھی سے مراد انگلی ہے اور وہ ہتھیلی میں ہے اس لیے چہرے اور ہتھیلی کو ظاہر کرنے کی اجازت ہے، جیسا کہ آیتِ مبارکہ میں زینت سے مراد زینت کی جگہیں ہیں جو چہرے اور ہتھیلی کے علاوہ باقی بدن ہے کہ عورت اپنے باقی بدن کو ظاہر نہ کرے۔

{۲} عقلی دلیل یہ ہے کہ چہرہ اور ہتھیلی کھولنے میں ضرورت ہے؛ کیونکہ عورت کو کبھی مردوں کے ساتھ معاملات میں لین دین وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے ان کو ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ فقط چہرے اور ہتھیلیوں کو مستثنیٰ کرنے میں اس بات کی تصریح ہے کہ اجنبیہ کے قدم کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ اجنبیہ کے قدموں کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ اس میں کبھی کبھار ضرورت پڑتی ہے کہ چلتے ہوئے اس کے پاؤں میں جوتے نہیں ہوتے ہیں۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ عورت کے بازوؤں کو دیکھنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ عورت کا بازو کام کاج کے وقت عادۃً کھل جاتا ہے اور عادت کو چھوڑنے میں حرج ہے اس لیے اس کی گنجائش ہے۔

{۳} اور اگر مرد شہوت سے مامون نہ ہو تو وہ اجنبیہ عورت کے چہرے کی طرف نہ دیکھے مگر ضرورت کے موقع پر؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے دیکھا کسی اجنبیہ عورت کے محاسن کی طرف تو قیامت کے دن اس کی آنکھ میں سیسہ ڈالا جائے گا[2]" پس اگر مرد کو شہوت کا خوف ہو تو وہ حرام سے بچنے کی غرض سے بلاضرورت اجنبیہ کے چہرے کی طرف نہ دیکھے۔ امام قدوریؒ کا قول کہ " شہوت سے مامون نہ ہونے کی صورت میں نہ دیکھے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شہوت کا شک ہونے کی صورت میں اجنبیہ کے چہرے کی طرف دیکھنا مباح نہیں ہے جیسا کہ شہوت کا یقین یا شہوت کا غالب گمان ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔

([1]) قلت: الرِّوَايَةُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَوَاهُ الطبري فِي تَفْسِيرِهِ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ ثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ ثَنَا مُسْلِمٌ الْمُلَائِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قوله تعالى: {وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا} قَالَ: هِيَ الْكُحْلُ وَالْخَاتَمُ، انتهى. وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَوْنٍ ثَنَا مُسْلِمٌ الْمُلَائِيُّ بِهِ، ثُمَّ أَخْرَجَهُ عَنْ خصيفٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ سَوَاءً وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي النِّكَاحِ عَنْ عِكْرِمَةَ، وَأَبِي صَالِحٍ، وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ مِنْ قَوْلِهِمْ، وأخرجه عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي تَفْسِيرِهِ عَنْ قَتَادَةَ، وَأَمَّا الرِّوَايَةُ عَنْ عَلِيٍّ فَغَرِيبٌ. مَا خَالَفَ ذَلِكَ: أَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ حفص بْنِ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قوله تعالى: {وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا} قَالَ: الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ، ثُمَّ أَخْرَجَهُ عَنْ عُقْبَةَ الْأَصَمِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: {مَا ظَهَرَ مِنْهَا} الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ، قَالَ: وَعُقْبَةُ الْأَصَمُّ تُكُلِّمَ فِيهِ، انتهى. وَأَخْرَجَ الطبري فِي تَفْسِيرِهِ مِنْ طُرُقٍ جَيِّدَةٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: هِيَ الثِّيَابُ، انتهى. (نصب الراية:4ص539)

([2]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قلت: غريب، والمعروف: " مَنْ اسْتَمَعَ إلَى حَدِيثِ قَوْمٍ، وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ فِي كِتَابِ التَّعْبِيرِ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مرفوعاً: " ن تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ، كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ، وَلَنْ يَفْعَلَ، وَمَنْ اسْتَمَعَ إلَى حَدِيثِ قَوْمٍ، وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ صَوَّرَ صُورَةً عُذِّبَ، وَكُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا، وَلَيْسَ بِنَافِخٍ" (نصب الراية:4ص540)

{۴} اجنبیہ عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو چھونا حلال نہیں ہے اگرچہ شہوت سے مامون ہو؛ کیونکہ حرام ہونے کا سبب قائم ہے اور ضرورت اور عام ابتلاء معدوم ہیں اس لیے جائز نہیں، اور حرام ہونے کا سبب حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے کسی عورت کے ہاتھ کو چھو لیا حالانکہ مرد کو شرعاً اس کی کوئی راہ حاصل نہیں تو اس کی ہتھیلی پر قیامت کے دن انگارہ رکھا جائے گا"[1] لہٰذا اجنبیہ کی ہتھیلی چھونے کی اجازت نہیں ہے۔

{۵} مگر یہ حرمت اس وقت ہے کہ اجنبیہ عورت جوان ہو اور اس کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے، اور اگر وہ ایسی بوڑھی ہو جس کی طرف طبیعت مائل نہ ہوتی ہو تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں کسی فتنے کا خوف نہیں ہے، اور مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بعض ان قبائل میں جاتے تھے جن میں انہوں نے دودھ پیا تھا اور وہاں بوڑھی عورتوں سے مصافحہ کرتے تھے[2]۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھی عورت کو نوکر رکھا تھا تاکہ وہ ان کی تیمارداری کرے اور وہ ان کے پاؤں دباتی تھی اور ان کے سر میں جوئیں ڈھونڈتی تھی[3]۔ اسی طرح اگر مرد بوڑھا ہو جس کو اپنے نفس اور عورت پر شہوت کا خوف نہ ہو تو بھی اس کے ساتھ مصافحہ جائز ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم کہہ چکے کہ فتنہ کا خوف نہیں ہے۔ اور اگر عورت پر اطمینان نہ ہو تو بھی اس کے ساتھ مصافحہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں غیر کو فتنہ پر پیش کرنا پایا جاتا ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

ایسی چھوٹی بچی جو ابھی تک حدِ شہوت کو نہ پہنچی ہو اس کو چھونے اور دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں فتنہ کا خوف نہیں ہے اس لیے جائز ہے۔

{۶} قاضی اگر کسی عورت پر فیصلہ کرتا ہے اسی طرح گواہ جب کسی عورت پر گواہی دیتے ہیں تو ان کے لیے عورت کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے اگرچہ ان کو شہوت کا خوف ہو؛ کیونکہ قاضی اپنی قضاء اور گواہ اپنی گواہی کے ذریعہ لوگوں کے حقوق کو زندہ کرتا ہے تو اگر وہ خوفِ شہوت کی وجہ سے رُکیں گے تو لوگوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں گے لہٰذا ان صورتوں میں ضرورت ہے اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع عمل بھی مباح ہو جاتا ہے، البتہ گواہ اور قاضی قضاء شہوت کا قصد نہ کریں بلکہ گواہی دینے اور فیصلہ

([1]) قُلْت: غَرِيبٌ. (نصب الراية:4ص540)

([2]) قَوْلُهُ: وَرُوِيَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَافِحُ الْعَجَائِزَ، قُلْتُ: غَرِيبٌ أَيْضًا. (نصب الراية:4ص541)

([3]) قَوْلُهُ: رُوِيَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ اسْتَأْجَرَ عَجُوزًا لِتُمَرِّضَهُ، وَكَانَتْ تَغْمِزُ رِجْلَهُ، وَتَفْلِي رَأْسَهُ، قُلْت: غَرِيبٌ أَيْضًا. (نصب الراية:4ص541)

کرنے کا قصد کریں؛ کیونکہ جس ممنوع عمل سے بچنا ممکن ہو اس سے بچنا ضروری ہے اور قبیح (شہوت) کا قصد ممنوع ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے اس لیے اس کا قصد نہ کرے بلکہ قضاء اور شہادت کا قصد کرے۔

{۷} پھر تحمل شہادت اور ادائیگی شہادت دو الگ چیزیں ہیں، ادائیگی شہادت کی صورت میں اجنبیہ کو دیکھنے کا حکم اوپر گذر چکا ہے، اور تحمل شہادت کے وقت اگر شہوت ہو تو اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس صورت میں بھی دیکھنا جائز ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور یہی قول اصح ہے؛ کیونکہ تحمل کے وقت ایسے لوگ بھی ہیں جو شہوت کے بغیر گواہی کا تحمل کر سکتے ہیں لہذا شہوت والے کی ضرورت نہیں ہے اور بلا ضرورت اس حرام کا ارتکاب جائز نہیں ہے، جبکہ ادائیگی شہادت کے لیے چونکہ وہی شخص متعین ہے جس نے شہادت کا تحمل کیا ہے اس کے علاوہ کوئی اور شخص ادائیگی شہادت نہیں کر سکتا ہے پس اس ضرورت کی وجہ سے ادائیگی شہادت کے وقت شہوت کے باوجود اجنبیہ کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

ف:۔ تحمل شہادت سے مراد کسی واقعہ کے پیش آنے کے وقت اس کا مشاہدہ کرنا ہے، تاکہ بوقتِ ضرورت بیان دیا جا سکے۔ اور ادائیگی شہادت سے مراد دیکھے ہوئے واقعہ کا قاضی کے سامنے اظہار ہے تاکہ قاضی پر حق واضح ہو سکے اور وہ اس کی روشنی میں فیصلہ کر سکے (قاموس الفقہ:4/206)

{۸} جو شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ وہ جانتا ہو کہ اس کو اس کی شہوت ہو گی؛ کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں فرمایا: "اس عورت کو دیکھ لو؛ کیونکہ یہ زیادہ لائق ہے کہ تم دونوں میں دائمی موافقت ہو[1]" یہ اس لیے کہ نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنے سے بعد میں پریشانی اور ندامت نہیں ہوتی ہے، لہذا اس روایت سے مطلق دیکھنے کی اجازت مفہوم ہو رہی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا مقصود سنت کو ادا کرنا ہے؛ کیونکہ نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنے کا سنت ہونا مذکورہ روایت سے ثابت ہوا، لہذا دیکھنے والے کا مقصود سنت کو ادا کرنا ہے نہ کہ شہوت کو پورا کرنا۔

{۱} وَيَجُوزُ لِلطَّبِيبِ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا ؛ لِلضَّرُورَةِ - وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَلِّمَ امْرَأَةً مُدَاوَاتَهَا ؛

اور جائز ہے طبیب کے لیے کہ دیکھ لے اجنبیہ کے مرض کی جگہ ضرورت کی وجہ سے، اور مناسب ہے کہ بتائے کسی عورت کو اس کا علاج

(1) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ فِي النِّكَاحِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "انْظُرْ إلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا"، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا"، أَيْ أَحْرَى أَنْ تَدُومَ الْمَوَدَّةُ بَيْنَكُمَا، (نصب الراية: 4ص541)

لِأَنَّ نَظَرَ الْجِنْسِ إِلَى الْجِنْسِ أَسْهَلُ ﴿٢﴾ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا يَسْتُرُ كُلَّ عُضْوٍ مِنْهَا سِوَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ ، ثُمَّ يَنْظُرُ

؛ کیونکہ جنس کی نظر اپنی جنس کو آسان ہے، پس اگر وہ قادر نہ ہو تو چھپائے ہر عضو عورت کا سوائے مرض کی جگہ کے، پھر دیکھ لے،

وَيَغُضُّ بَصَرَهُ مَا اسْتَطَاعَ ؛ لِأَنَّ مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا وَصَارَ كَنَظَرِ الْخَافِضَةِ وَالْخَتَّانِ.

اور نیچی رکھے اپنی نظر جتنی ہو سکے؛ کیونکہ جو ثابت ہو ضرورت سے وہ مقدر ہوتی ہے بقدرِ ضرورت، اور ہو گیا جیسے خافضہ اور ختنہ کرنے والے کی نظر

﴿٣﴾ وَكَذَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ النَّظَرُ إِلَى مَوْضِعِ الِاحْتِقَانِ مِنَ الرَّجُلِ ؛ لِأَنَّهُ مُدَاوَاةٌ وَيَجُوزُ لِلْمَرَضِ وَكَذَا

اور اسی طرح جائز ہے مرد کے لیے دیکھنا مرد کے احتقان کی جگہ؛ کیونکہ یہ علاج ہے، اور جائز ہے مرض کی وجہ سے، اور اسی طرح

لِلْهُزَالِ الْفَاحِشِ عَلَى مَارُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّهُ أَمَارَةُ الْمَرَضِ ﴿٤﴾ قَالَ: وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى جَمِيعِ بَدَنِهِ

شدید لاغری کی وجہ سے جیسا کہ مروی ہے امام ابو یوسفؒ سے؛ کیونکہ یہ علامتِ مرض ہے۔ فرمایا: اور دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کے تمام بدن کو

إِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ } " وَيُرْوَى

مگر ناف سے گھٹنوں کے درمیان کو؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "مرد کی عورت اس کی ناف سے لے کر اس کے گھٹنوں تک ہے" اور مروی ہے

{ مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى يُجَاوِزَ رُكْبَتَيْهِ } " وَبِهَذَا ثَبَتَ أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ

"ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ تجاوز کرے گھٹنوں سے"، اور اس سے ثابت ہوا کہ ناف واجب الستر نہیں ہے برخلاف اس کے جو کہا ہے

أَبُو عِصْمَةَ وَالشَّافِعِيُّ ، وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ الشَّافِعِيُّ ، ﴿٥﴾ وَالْفَخِذُ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِأَصْحَابِ الظَّوَاهِرِ

ابو عصمہؒ اور امام شافعیؒ نے، اور گھٹنہ واجب الستر ہے برخلاف اس کے جو کہا ہے امام شافعیؒ نے، اور ران عورت ہے، اختلاف ہے اصحاب ظواہر کا

وَمَا دُونَ السُّرَّةِ إِلَى مَنْبَتِ الشَّعْرِ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْكَمَارِيُّ مُعْتَمِدًا فِيهِ الْعَادَةَ

اور ناف سے نیچے بال اُگنے کی جگہ تک عورت ہے، برخلاف اس کے جو کہا ہے امام ابو بکر محمد بن الفضل الکماریؒ نے اعتماد کرتے ہوئے عادت پر

لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهَا مَعَ النَّصِّ بِخِلَافِهِ ، ﴿٦﴾ وَقَدْ رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ

؛ کیونکہ عادت معتبر نہیں ہے اس کے خلاف نص کے ہوتے ہوئے، اور نقل کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے حضورؐ سے کہ آپؐ نے کہا

{ الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ } " وَأَبْدَى الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سُرَّتَهُ فَقَبَّلَهَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَالَ لِجَرْهَدٍ

"گھٹنہ عورت ہے" اور ظاہر کر دی حسن بن علیؓ نے اپنی ناف، پس چوم لیا اس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے، اور آپؐ نے فرمایا حضرت جرہدؓ سے

{ وَارِ فَخِذَكَ ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ ؟ } " وَلِأَنَّ الرُّكْبَةَ مُلْتَقَى عَظْمِ الْفَخِذِ وَالسَّاقِ فَاجْتَمَعَ الْمُحَرَّمُ وَالْمُبِيحُ

چھپاؤ اپنی ران، کیا تمہیں پتہ نہیں کہ ران واجب الستر ہے، اور اس لیے کہ گھٹنہ ملنے کی جگہ ہے ران اور پنڈلی کی ہڈی کی، پس جمع ہو گئے محرم اور مبیح

وَفِي مِثْلِهِ يَغْلِبُ الْمُحَرِّمُ ،{7}وَحُكْمُ الْعَوْرَةِ فِي الرُّكْبَةِ أَخَفُّ مِنْهُ فِي الْفَخِذِ ، وَفِي الْفَخِذِ

اور اس طرح موقع پر غالب رہتا ہے محرم، اور گھٹنوں میں عورت کا حکم دینا زیادہ آسان ہے اس سے ران میں حکم دینا، اور ران میں حکم دینا

أَخَفُّ مِنْهُ فِي السَّوْأَةِ ، حَتَّى أَنَّ كَاشِفَ الرُّكْبَةِ يُنْكَرُ عَلَيْهِ بِرِفْقٍ وَكَاشِفَ الْفَخِذِ يُعَنَّفُ عَلَيْهِ

اخف ہے اس سے شرمگاہ میں حکم دینا حتیٰ کہ گھٹنہ کھولنے والے پر انکار کیا جائے نرمی کے ساتھ، اور ران کھولنے والے پر سختی کی جائے گی

وَكَاشِفَ السَّوْءَةِ يُؤَدَّبُ إنْ لَجَّ.وَمَا يُبَاحُ النَّظَرُ إلَيْهِ لِلرَّجُلِ مِنَ الرَّجُلِ يُبَاحُ الْمَسُّ؛لِأَنَّهُمَا فِيمَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ سَوَاءٌ

،اور شرمگاہ کھولنے والے کی تادیب کی جائے گی اگر اس نے اصرار کیا، اور جس کی طرف دیکھنا مباح ہے مرد کے لیے مردوں میں سے مباح ہے چھونا؛ کیونکہ یہ دونوں غیر واجب الستر میں برابر ہیں۔

تشریح:۔{1}طبیب کے لیے جائز ہے کہ عورت کے مرض کی جگہ کو دیکھے؛ کیونکہ اس میں ضرورت ہے اور ضرورت کی وجہ سے ممنوع عمل مباح ہو جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ طبیب کسی عورت کو مریضہ عورت کا علاج بتلائے؛ کیونکہ غیر جنس کے دیکھنے سے جنس کا اپنی ہم جنس کو دیکھنا آسان ہے؛ اور قاعدہ ہے کہ ابتلاء کے وقت اہون البلیتین کو اختیار کیا جاتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں مرد کے بجائے عورت سے علاج کرانا بہتر ہے۔

{2}لیکن اگر عورت کے خاندان والوں کو ایسی عورت نہ ملے تو مریضہ کے سارے بدن کو چھپایا جائے اور صرف اسی جگہ کو طبیب دیکھے جہاں مرض ہے اور جہاں تک ہو سکے اپنی نظر کو نیچی رکھے؛ کیونکہ یہ دیکھنا بنابر ضرورت مباح قرار دیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو امر بنابر ضرورت ثابت ہو وہ بقدرِ ضرورت ثابت ہوتا ہے مقدارِ ضرورت سے زائد جائز نہیں ہوتا ہے۔ پس طبیب کا ضرورت کی جگہ کو دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ خافظہ اور ختنہ کرنے والے کا دیکھنا یعنی جس طرح عورت کی ختنہ کرنے والی عورت بنابر ضرورت فقط ختنہ کی جگہ کو دیکھے گی، اور مرد کا ختنہ کرنے والا مرد بنابر ضرورت فقط ختنہ کی جگہ کو دیکھے گا اسی طرح طبیب بھی ہے۔

ف:۔ ختنہ امام شافعیؒ اور بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے، مالکیہ کے ہاں سنت ہے، یہی رائے حنفیہ کی ہے، البتہ چونکہ ختنہ کی حیثیت شعارِ دین کی بھی ہے، اس لیے واجب نہ ہونے کے باوجود اس کی خصوصیت ہے، اور اس لیے فقہاء نے ختنہ کے لیے بے ستری کی بھی اجازت دی ہے، ویجوز النظر الی فرج الرجل للختن (خلاصة الفتاوی:4ص340) امام شافعیؒ کے ہاں تو عورتوں کا ختنہ بھی واجب ہے، حنفیہ کے یہاں ایک قول سنت ہونے کا ہے اور ایک قول محض افضلیت کا، جس کو فقہاء نے "مکرمہ" سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ

خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: الختان سنة للرجال ومکرمة للنساء، مگر فی زمانہ ہدوستان اور اکثر ممالک میں عورتوں کا ختنہ متروک ہے۔(قاموس الفقہ:3ص332)

{۳} اسی طرح مرد کے لیے مرد کے حقنہ کرنے کی جگہ کو دیکھنا جائز ہے؛ کیونکہ حقنہ کرنا علاج ہے، لہذا مرض کی وجہ سے احتقان جائز ہے، اسی طرح بہت زیادہ لاغری کے لیے بھی جائز ہے جیسا کہ امام ابو یوسف ؒ سے مروی ہے؛ کیونکہ ایسی لاغری بیماری کی علامت ہے اور بیماری کی وجہ سے احتقان جائز ہے۔ پیچھے کی راہ سے پیٹ میں دواء داخل کر کے رڈی فضلات کو خارج کرنے کو حقنہ کہتے ہیں۔

{۴} ایک مرد دوسرے مرد کے تمام بدن کو دیکھ سکتا ہے مگر اس کی ناف سے نیچے سے گھٹنوں تک کو نہیں دیکھ سکتا ہے ؛کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مرد کا واجب الستر بدن ناف سے اس کے گھٹنے تک ہے" اور ایک روایت میں ہے "ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ گھٹنوں سے متجاوز ہو جائے" صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس دوسری روایت سے ثابت ہوا کہ مرد کی ناف واجب الستر نہیں ہے۔ ابو عصمہ سعد بن معاذ المروزی ؒ اور امام شافعی ؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ناف واجب الستر ہے، اور ہمارے نزدیک گھٹنہ واجب الستر ہے، اور امام شافعی ؒ کے نزدیک گھٹنہ واجب الستر نہیں ہے۔

{۵} ران ہمارے نزدیک واجب الستر ہے اور اصحاب الظواہر کے نزدیک واجب الستر نہیں ہے، اور ناف کے نیچے سے زیر ناف بال اُگنے کی جگہ تک عورت ہے اور امام ابو بکر محمد بن الفضل الکماری ؒ کے نزدیک واجب الستر نہیں ہے وہ لوگوں کی عادت پر اعتماد کرتے ہیں کہ لوگوں میں اس کو کھولنے کی عادت ہے، ہم جواب دیتے ہیں کہ لوگوں کی عادت کے برخلاف نص موجود ہونے کی صورت میں لوگوں کی عادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

{۶} اور گھٹنہ کے بارے میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "گھٹنہ واجب الستر ہے[1]"۔ اور ناف کے واجب الستر نہ ہونے کے بارے میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کا فعل مروی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی ناف کھولی تو حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا بوسہ لیا[2]، تو یہ ناف کے عورت نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور ران کے واجب

([1]) قُلْت: غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَتَقَدَّمَ فِي شُرُوطِ الصَّلَاةِ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ عِنْدَ الدَّارَقُطْنِيِّ، وَفِيهِ ضَعْفٌ. (نصب الراية:4ص543)

([2]) قُلْت: رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ، وَابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ، وَالْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ ابن عَوْنٍ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ إسْحَاقَ، قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ، فَلَقِيَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، فَقَالَ لِلْحَسَنِ: اكْشِفْ لِي عَنْ بَطْنِك جُعِلْتُ فِدَاك حَتَّى أُقَبِّلَ حَيْثُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُهُ، قَالَ: فَكَشَفَ عَنْ بَطْنِهِ، فَقَبَّلَ سُرَّتَهُ، وَلَوْ كَانَتْ مِنْ الْعَوْرَةِ مَا كَشَفَهَا.(نصب الراية:4ص544)

الستر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "اپنی ران کو چھپاؤ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ران عورت ہے"[1] تو یہ دلیل ہے کہ ران واجب الستر ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ گھٹنہ میں ران اور پنڈلی دونوں کی ہڈیوں کا اجتماع ہے ران کی ہڈی کا تقاضا یہ ہے کہ گھٹنہ عورت ہو اور پنڈلی کی ہڈی کا تقاضا یہ ہے کہ عورت نہ ہو تو مبیح اور محرم کا اجتماع ہو گیا اور اس طرح کے موقع پر محرم غالب رہتا ہے لہٰذا محرم کو ترجیح دیتے ہوئے گھٹنوں کو واجب الستر قرار دیا۔

{7} پھر گھٹنہ اور ران اور شرمگاہ تینوں عورت ہیں، مگر واجب الستر ہونے کا حکم گھٹنہ میں ہلکا ہے ران کی بنسبت، اور ران میں ہلکا ہے شرمگاہ کی بنسبت، یہی وجہ ہے کہ جو گھٹنہ کھولے اس پر نرمی کے ساتھ نکیر کی جائے گی اور جو ران کھولے اس پر سختی سے نکیر کی جائے گی اور جو شرمگاہ کھولے تو اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کی پٹائی کر کے تادیب کی جائے گی۔

ایک مرد کے لیے دوسرے مرد کے بدن کے جس حصے کو دیکھنا مباح ہے اس حصے کو چھونا بھی مباح ہے بشرطیکہ شہوت نہ ہو؛ کیونکہ جو حصہ واجب الستر نہیں ہے اس کو دیکھنا اور چھونا دونوں برابر ہیں۔

{1} قَالَ: وَيَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى مَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَيْهِ

فرمایا: اور جائز ہے عورت کے لیے کہ دیکھ لے اس جگہ کو جس کو دیکھ سکتا ہے دوسرا مرد

مِنْهُ إِذَا أَمِنَتِ الشَّهْوَةَ؛ لِاسْتِوَاءِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي النَّظَرِ إِلَى مَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ كَالثِّيَابِ

اس میں سے بشرطیکہ اس کو اطمینان ہو شہوت سے؛ بوجہ برابر ہونے مرد اور عورت کے دیکھنے میں اس جگہ کو جو عورت نہیں ہے جیسے کپڑے

وَالدَّوَابِّ {2} وَفِي كِتَابِ الْخُنْثَى مِنَ الْأَصْلِ: أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ إِلَى الرَّجُلِ الْأَجْنَبِيِّ بِمَنْزِلَةِ نَظَرِ الرَّجُلِ إِلَى مَحَارِمِهِ؛ لِأَنَّ النَّظَرَ

اور سواریاں، اور مبسوط کی کتاب الخنثیٰ میں ہے کہ عورت کا دیکھنا اجنبی مرد کو جیسے مرد کا دیکھنا ہے اپنے محارم کو؛ کیونکہ دیکھنا

إِلَى خِلَافِ الْجِنْسِ أَغْلَظُ، فَإِنْ كَانَ فِي قَلْبِهَا شَهْوَةٌ أَوْ أَكْبَرُ رَأْيِهَا أَنَّهَا تَشْتَهِي أَوْ شَكَّتْ فِي ذَلِكَ يُسْتَحَبُّ لَهَا أَنْ

خلافِ جنس کو شدید ہے، پس اگر ہو اس کے دل میں شہوت، یا غالب رائے یہ ہو کہ شہوت ہوگی، یا شک ہو شہوت کی، تو مستحب ہے اس کے لیے کہ

تَغُضَّ بَصَرَهَا، وَلَوْ كَانَ النَّاظِرُ هُوَ الرَّجُلُ إِلَيْهَا وَهُوَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَمْ يَنْظُرْ، وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى التَّحْرِيمِ

نیچی کرلے اپنی نظر، اور اگر دیکھنے والا مرد ہو عورت کی طرف، اور وہ اس صفت کے ساتھ متصف ہو، تو نہ دیکھے، اور یہ اشارہ ہے تحریم کی طرف

{3} وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الشَّهْوَةَ عَلَيْهِنَّ غَالِبَةٌ وَهُوَ كَالْمُتَحَقِّقِ اعْتِبَارًا، فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ كَانَتِ الشَّهْوَةُ مَوْجُودَةً فِي الْجَانِبَيْنِ

([1]) قلت: رواه أبو داود في الحمام من طريق مالك عن أبي النضر عن زرعة بن عبد الرحمن بن جرهد عن أبيه، قال: كان جرهد من أصحاب الصفة أنه قال: جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم عندنا، وفخذي منكشفة، فقال: "أما علمت أن الفخذ عورة"؟ (نصب الراية: 4ص544)

اور وجہ فرق یہ ہے کہ شہوت عورتوں پر غالب ہوتی ہے اور وہ محقق کی طرح ہے ازراہ اعتبار، پس جب شہوت ہو جائے مرد کو تو شہوت جانبین سے موجود ہوگی

وَلَا كَذَلِكَ إِذَا اشْتَهَتِ الْمَرْأَةُ ، لِأَنَّ الشَّهْوَةَ غَيْرُ مَوْجُودَةٍ فِي جَانِبِهِ حَقِيقَةً وَاعْتِبَارًا فَكَانَتْ

اور اس طرح نہیں ہے جب اشتہا ہو جائے عورت کو؛ کیونکہ شہوت موجود نہیں ہے مرد کی جانب حقیقۃً اور اعتباراً، پس شہوت ہوگی

مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ، وَالْمُتَحَقِّقُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِي الْإِفْضَاءِ إِلَى الْمُحَرَّمِ أَقْوَى مِنَ الْمُتَحَقِّقِ فِي جَانِبٍ وَاحِدٍ {۴} قَالَ: وَتَنْظُرُ

ایک جانب سے ، اور محقق جانبین سے حرام تک پہنچانے میں زیادہ قوی ہے جانبِ واحد میں محقق سے۔ فرمایا: اور دیکھ سکتی ہے

الْمَرْأَةُ مِنَ الْمَرْأَةِ إِلَى مَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ ؛ لِوُجُودِ الْمُجَانَسَةِ،

عورت دوسری عورت کی اس جگہ کو کہ جائز ہے مرد کے لیے کہ دیکھ لے اس کی طرف دوسرے مرد سے؛ مجانست موجود ہونے کی وجہ سے

وَانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ غَالِبًا كَمَا فِي نَظَرِ الرَّجُلِ إِلَى الرَّجُلِ، وَكَذَا الضَّرُورَةُ قَدْ تَحَقَّقَتْ إِلَى الِانْكِشَافِ فِيمَا بَيْنَهُنَّ.

اور شہوت معدوم ہونے کی وجہ سے غالباً، جیسا کہ مرد کا دوسرے مرد کو دیکھنے میں، اور اسی طرح ضرورت محقق ہے کھولنے کو عورتوں کے آپس میں

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ إِلَى الْمَرْأَةِ كَنَظَرِ الرَّجُلِ إِلَى مَحَارِمِهِ ، بِخِلَافِ نَظَرِهَا إِلَى الرَّجُلِ ؛ لِأَنَّ الرِّجَالَ يَحْتَاجُونَ

اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ عورت کا دیکھنا دوسری عورت کو جیسے مرد کا دیکھنا اپنی محرمات کو، برخلاف عورت کا دیکھنا مرد کو؛ کیونکہ مرد محتاج ہوتے ہیں

إِلَى زِيَادَةِ الِانْكِشَافِ لِلِاشْتِغَالِ بِالْأَعْمَالِ .وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ . {۵} قَالَ : وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ أَمَتِهِ الَّتِي تَحِلُّ لَهُ

زیادہ انکشاف کو؛ کاموں میں مشغول ہونے کے سبب، اور اول زیادہ صحیح ہے۔ فرمایا: اور دیکھ سکتا ہے مرد اپنی اس باندی کے فرج کو جو اس کے لیے حلال ہے

وَزَوْجَتِهِ إِلَى فَرْجِهَا . وَهَذَا إِطْلَاقٌ فِي النَّظَرِ إِلَى سَائِرِ بَدَنِهَا عَنْ شَهْوَةٍ وَغَيْرِ شَهْوَةٍ . وَالْأَصْلُ فِيهِ

اور اپنی بیوی کے فرج کو اور یہ حکم مطلق ہے دیکھنے میں عورت کے پورے بدن کو شہوت سے اور بغیر شہوت کے، اور اصل اس بارے میں

قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {غُضَّ بَصَرَكَ إِلَّا عَنْ أَمَتِكَ وَامْرَأَتِكَ } "وَلِأَنَّ مَا فَوْقَ ذَلِكَ مِنَ الْمَسِّ وَالْغِشْيَانِ مُبَاحٌ

حضورﷺ کا ارشاد ہے "نیچے رکھ اپنی نظر مگر اپنی باندی اور اپنی بیوی سے"، اور اس لیے کہ اس سے بڑھ کر چھونا اور جماع کرنا مباح ہے

فَالنَّظَرُ أَوْلَى، إِلَّا أَنَّ الْأَوْلَى أَنْ لَا يَنْظُرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى عَوْرَةِ صَاحِبِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { إِذَا أَتَى

تو دیکھنا بطریقہ مباح ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ نہ دیکھے ہر ایک ان دونوں میں سے اپنے ساتھی کی عورت کو؛ کیونکہ حضورﷺ کا ارشاد ہے "جب آئے

أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَتَجَرَّدَانِ تَجَرُّدَ الْعِيرِ } " وَلِأَنَّ ذَلِكَ يُورِثُ

تم میں سے کوئی ایک اپنی بیوی کے پاس تو پردہ کر لے بقدر استطاعت، اور برہنہ نہ ہوں اونٹ کی طرح" اور اس لیے کہ یہ پیدا کرتا ہے

النِّسْيَانَ لِوُرُودِ الْأَثَرِ .وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: الْأَوْلَى أَنْ يَنْظُرَ لِيَكُونَ أَبْلَغَ فِي تَحْصِيلِ مَعْنَى اللَّذَّةِ

نسیان؛ بوجہ وارد ہونے اثر کے، اور ابن عمرؓ فرماتے تھے: بہتر یہ ہے کہ دیکھے تاکہ ہو جائے یہ زیادہ بلیغ لذت کے معنی کی تحصیل میں۔

{٦} قَالَ: وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ إِلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ. وَلَا يَنْظُرُ إِلَى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا

فرمایا: اور دیکھ سکتا ہے مرد اپنی محرمات کا چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیاں اور دونوں بازو، اور نہیں دیکھ سکتا ہے اس کی پیٹھ، اور اس کا پیٹ

وَفَخِذِهَا: وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى { وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ } الْآيَةَ ، وَالْمُرَادُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اور اس کی ران: اور اصل اس بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "عورتیں اپنی زینت کا اظہار نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لیے" اور مراد واللہ اعلم

مَوَاضِعُ الزِّينَةِ وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ، وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ السَّاعِدُ وَالْأُذُنُ وَالْعُنُقُ وَالْقَدَمُ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مَوْضِعُ الزِّينَةِ

زینت کی جگہ ہے، اور وہ وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کتاب میں، اور داخل ہوں گے اس میں کلائی، کان، گلا اور قدم؛ کیونکہ یہ سب زینت کی جگہیں ہیں

بِخِلَافِ الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَالْفَخِذِ ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ مَوَاضِعِ الزِّينَةِ . {٧} وَلِأَنَّ الْبَعْضَ يَدْخُلُ عَلَى الْبَعْضِ

بر خلاف پشت، پیٹ اور ران کے؛ کیونکہ یہ زینت کی جگہیں نہیں ہیں۔ اور اس لیے کہ یہ لوگ داخل ہوتے ہیں ایک دوسرے پر

مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ وَاحْتِشَامٍ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِهَا فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا عَادَةً ، فَلَوْ حَرُمَ النَّظَرُ إِلَى هَذِهِ الْمَوَاضِعِ

بغیر اجازت اور شرم وحیاء کے، اور عورت اپنے گھر میں کام کاج کے کپڑوں میں ہوتی ہے عادۃً، پس اگر حرام ہو جائے دیکھنا ان مواضع کو

أَدَّى إِلَى الْحَرَجِ . وَكَذَا الرَّغْبَةُ تَقِلُّ لِلْحُرْمَةِ الْمُؤَبَّدَةِ فَقَلَّمَا تُشْتَهَى . بِخِلَافِ مَا وَرَاءَهَا،

تو مفضی ہوگا حرج کو، اور اسی طرح رغبت کم ہوتی ہے ابدی حرمت کی وجہ سے تو بہت کم اس کو شہوت ہوگی، بر خلاف ان کے علاوہ کے

لِأَنَّهَا لَا تَنْكَشِفُ عَادَةً {٨} وَالْمَحْرَمُ مَنْ لَا يَجُوزُ الْمُنَاكَحَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا عَلَى التَّأْبِيدِ بِنَسَبٍ كَانَ

کیونکہ وہ کھلے نہیں رہتے ہیں عادۃً، اور محرم وہ مرد ہے کہ جائز نہ ہو نکاح کرنا اس مرد اور اس عورت کے درمیان کبھی بھی، خواہ نسب سے ہو

أَوْ بِسَبَبٍ كَالرَّضَاعِ وَالْمُصَاهَرَةِ لِوُجُودِ الْمَعْنَيَيْنِ فِيهِ . وَسَوَاءٌ كَانَتِ الْمُصَاهَرَةُ بِنِكَاحٍ أَوْ سِفَاحٍ

یا سبب سے جیسے رضاعت اور مصاہرت؛ دونوں معانی پائے جانے کی وجہ سے محرم میں، اور برابر ہے کہ مصاہرت نکاح سے ہو یا زنا سے

فِي الْأَصَحِّ لِمَا بَيَّنَّا .

اصح روایت کے مطابق؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

تشریح: {١} عورت کے لیے جائز ہے کہ مرد کے بدن کے اس حصے کو دیکھے جو حصہ ایک مرد دوسرے مرد کا دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ عورت شہوت سے مامون ہو؛ کیونکہ مرد کے بدن کا جو حصہ واجب الستر نہ ہو اس کو دیکھنے میں مرد اور عورت برابر ہیں جیسے کپڑے اور سواری کے جانور کا حکم ہے یعنی مرد اور عورت دونوں مرد کے کپڑوں اور سواری کے جانور کو دیکھ سکتے ہیں اسی طرح مرد کے بدن کے اس حصے کو بھی دیکھ سکتے ہیں جو واجب الستر نہ ہو۔

{۲} مبسوط کی کتاب الخنثیٰ میں ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ مرد کا اپنی محرمات کو دیکھنا یعنی جیسا کہ مرد اپنی محرمات کے پیٹ اور پیٹھ کو نہیں دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت بھی اجنبی مرد کے پیٹ اور پیٹھ کو نہیں دیکھ سکتی ہے؛ کیونکہ جنس کی جنس کی طرف دیکھنے کی بنسبت جنس کی خلافِ جنس کی طرف دیکھنا زیادہ غلیظ اور خطرناک ہوتا ہے۔ اور اگر عورت کے دل میں شہوت ہو یا شہوت کا غالب گمان ہو یا شہوت کا شک ہو تو عورت کے لیے نہ دیکھنا مستحب ہے اور اپنی نظر کو بند رکھے۔ اور اگر عورت کی طرف دیکھنے والا مرد ہو اور اس کی یہ حالت ہو یعنی اس کے دل میں شہوت ہو تو وہ عورت کی طرف نہ دیکھے۔ اور "لَمْ یَنْظُرْ" سے اشارہ ہے کہ دیکھنا حرام ہے۔

{۳} اوپر جو مرد اور عورت میں فرق بیان کیا کہ مرد کے لیے شہوت کے وقت دیکھنا حرام اور عورت کے لیے آنکھیں بند رکھنے کا حکم ہے، تو دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ عورتوں میں شہوت غالب رہتی ہے اور غالب متحقق کی طرح ہوتی ہے تو اگر مرد کی جانب سے بھی شہوت ہو تو دونوں طرف سے شہوت متحقق ہونے کی وجہ سے فتنہ کا خوف شدید ہے اس لیے اس صورت میں مرد کا دیکھنا حرام ہے، اس کے برخلاف اگر عورت کی طرف سے شہوت ہو تو مرد کی جانب میں نہ حقیقۃً شہوت ہے؛ کیونکہ وہ دیکھ نہیں رہا ہے اور نہ حکماً شہوت ہے؛ کیونکہ مرد میں شہوت غالب نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں شہوت یکطرفہ ہے اور جانبین سے متحقق شہوت حرام تک پہنچانے میں زیادہ قوی ہے ایک طرف سے متحقق شہوت سے اس لیے فقط عورت کی طرف سے متحقق شہوت کی صورت میں عورت کے لیے دیکھنا حرام نہیں البتہ آنکھیں بند کرنا مستحب ہے، اور مرد کی طرف سے متحقق شہوت کی صورت میں شہوت طرفین سے ہے اس لیے مرد کے لیے دیکھنا حرام ہے۔

{۴} ایک مرد کے لیے دوسرے مرد کے بدن کا جتنا حصہ دیکھنا جائز ہے اتنا ہی حصہ کو دیکھنا جائز ہے ایک عورت کے لیے دوسری عورت کے بدن کا؛ کیونکہ یہ ہم جنس ہیں اور عموماً شہوت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کی طرف دیکھنے میں عموماً شہوت نہیں ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں آپس میں اتنے بدن کے کھولنے کی حمام وغیرہ میں ضرورت محسوس کرتی ہیں لہٰذا اس کی اجازت ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا دوسری عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ مرد کا دیکھنا اپنی محرمات کی طرف، لہٰذا اس روایت کے مطابق عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ دوسری عورت کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھے، باقی عورت کا مرد کو دیکھنا اس کے برخلاف ہے کہ وہ ناف سے گھٹنے تک کے علاوہ مرد کے باقی تمام بدن کو دیکھ سکتی ہے؛ کیونکہ مرد کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے بدن کھولنے کے زیادہ محتاج ہیں، مگر متن کا قول زیادہ صحیح ہے یعنی ایک عورت دوسری عورت

کے بدن کے اتنے حصے کو دیکھ سکتی ہے جتنا حصہ ایک مرد دوسرے مرد کے بدن کا دیکھ سکتا ہے لہذا ایک عورت دوسری عورت کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھ سکتی ہے۔

{5} مرد اپنی اس باندی کی فرج کو دیکھ سکتا ہے جو باندی اس کے لیے حلال ہے اور اپنی بیوی کی فرج کو دیکھ سکتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری کا یہ قول اجازت ہے مذکورہ باندی اور بیوی کے پورے بدن کو دیکھنے کی خواہ شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے ہو؛ اس بارے میں اصل حضور ﷺ کا حضرت معاویہ بن حیدہؓ سے یہ ارشاد ہے "اپنی نظر کو روکو مگر اپنی باندی اور اپنی بیوی سے"[1] جس میں اپنی باندی اور بیوی کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے دیکھنے سے بڑھ کر مس کرنا اور جماع کرنا ہے اور یہ دونوں مباح ہیں تو دیکھنا بطریقۂ اولیٰ مباح ہوگا، البتہ بہتر بہرحال یہ ہے کہ مرد اور عورت میں سے کوئی بھی دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو جہاں تک ہو سکے تو پردہ کرے اور اونٹ کی طرف ننگا نہ ہو"[2]، دوسری وجہ یہ ہے کہ شرمگاہ کی طرف دیکھنا نسیان کو پیدا کرتا ہے؛ کیونکہ اس بارے میں اثر وارد ہے کہ اس عمل سے نسیان پیدا ہوتا ہے[3]۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ جماع کے وقت اپنی بیوی کی فرج کو دیکھنا اولیٰ ہے تاکہ لذت کا معنی حاصل کرنے میں زیادہ مبالغہ پیدا ہو[1]؛ کیونکہ یہ لذت کا باعث ہے۔

---

(1) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةِ أَبُو دَاوُد فِي الْحَمَّامِ، وَالتِّرْمِذِيُّ فِي الِاسْتِئْذَانِ، وَالنَّسَائِيُّ فِي عِشْرَةِ النِّسَاءِ، وَابْنُ مَاجَهْ فِي النِّكَاحِ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا، وَمَا نَذَرُ؟ قَالَ: "احْفَظْ عَوْرَتَك إلَّا مِنْ زَوْجَتِك أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُك"، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْت لَوْ كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ؟ قَالَ: "إنْ اسْتَطَعْت أَنْ لَا تُرِيَنَّهَا، فَلَا تُرِيَنَّهَا"، قَالَ: قُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ إذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا، قَالَ: "اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنْ النَّاسِ"، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي اللِّبَاسِ وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (نصب الراية:4ص546)

(2) لِحَدِيثِ عُتْبَةَ: أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ فِي النِّكَاحِ حَدَّثَنَا إسْحَاقُ بْنُ وَهْبٍ الْوَاسِطِيُّ عَنْ الْوَلِيدِ بْنِ الْقَاسِمِ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ الْأَحْوَصِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ، وَرَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، وَعَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ عَدِيٍّ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ السُّلَمِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ، وَلَا يَتَجَرَّدْ تَجَرُّدَ الْعِيرِ"، (نصب الراية:4ص548)

(3) قُلْت: غَرِيبٌ، وَوَرَدَ أَنَّهُ يُورِثُ الْعَمَى فِي حَدِيثَيْنِ ضَعِيفَيْنِ: أَحَدُهُمَا: أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ، وَابْنُ حِبَّانَ فِي كِتَابِ الضُّعَفَاءِ عَنْ بَقِيَّةَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إذَا جَامَعَ أَحَدُكُمْ زَوْجَتَهُ، فَلَا يَنْظُرْ إلَى فَرْجِهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ يُورِثُ الْعَمَى"، انْتَهَى. وَجَعَلَهُ مِنْ مُنْكَرَاتِ بَقِيَّةَ، قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: وَيُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ بَقِيَّةَ، وَابْنِ جُرَيْجٍ بَعْضُ الضُّعَفَاءِ، أَوْ الْمَجْهُولِينَ، انْتَهَى. وَمِنْ طَرِيقِ ابْنِ عَدِيٍّ رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمَوْضُوعَاتِ، وَقَالَ: قَالَ ابْنُ حِبَّانَ: كَانَ بَقِيَّةُ يَرْوِي عَنْ كَذَّابِينَ وَثِقَاتٍ، وَيُدَلِّسُ، وَكَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يُسْقِطُونَ الضُّعَفَاءَ مِنْ حَدِيثِهِ، وَيُسَوُّونَهُ، فَيُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ سَمِعَ هَذَا مِنْ بَعْضِ الضُّعَفَاءِ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، ثُمَّ دَلَّسَ عَنْهُ، فَالْتَزَقَ بِهِ، وَهَذَا مَوْضُوعٌ، انْتَهَى. وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي كِتَابِ الْعِلَلِ: سَأَلْت أَبِي عَنْ حَدِيثٍ رَوَاهُ بَقِيَّةُ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ بِسَنَدِهِ وَمَتْنِهِ، فَقَالَ أَبِي: هَذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ، وَبَقِيَّةُ كَانَ يُدَلِّسُ، انْتَهَى. وَالْحَدِيثُ الْآخَرُ رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمَوْضُوعَاتِ مِنْ طَرِيقِ أَبِي الْفَتْحِ الْأَزْدِيِّ ثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى الْمَقْدِسِيُّ ثَنَا إبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفِرْيَابِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقُشَيْرِيُّ

{٦} مرد اپنی محرمات کے چہرے، سر، سینہ، پنڈلی اور بازؤں کو دیکھ سکتا ہے اور ان کی پیٹھ، پیٹ اور ران کو نہیں دیکھ سکتا ہے؛ اس بارے میں اصل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾[2] (اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے) جس سے مراد زینت کی جگہیں ہیں اور زینت کی جگہیں وہی ہیں جن کو ہم کتاب میں ذکر کر چکے یعنی چہرہ اور سینہ وغیرہ، اور زینت کی جگہوں میں بازو، کان، گردن اور قدم بھی داخل ہیں؛ کیونکہ یہ سب زینت کی جگہیں ہیں جیسا کہ ان تمام جگہوں میں زیورات پہننے کی عادت ہے۔ البتہ پیٹھ، پیٹ اور ران کو دیکھنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ زینت کی جگہیں نہیں ہیں۔

{٧} اپنی محرمات کو دیکھنے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ایسے رشتہ دار بغیر اجازت اور حیاء کے ایک دوسرے کے پاس جاتے ہیں اور عورت عادۃً اپنے گھر میں کام کاج کے کپڑوں میں رہتی ہے تو اگر زینت کی جگہوں کے دیکھنے کو حرام قرار دیا جائے تو یہ حرج کو مفضی ہوگا اور حرج شرعاً مدفوع ہے اس لیے اپنی محرمات میں سے زینت کی جگہوں کو دیکھنا جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابدی حرمت کی وجہ سے اپنی محرمات میں رغبت کم ہوتی ہے اس لیے بہت کم شہوت پائی جائے گی، باقی مواضع زینت کے علاوہ جگہوں کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ ان کو کھولنے کی عادت نہیں ہے۔

{٨} اور کسی عورت کا محرم وہ ہے جس کے اور اس عورت کے درمیان کبھی نکاح نہ ہو سکے خواہ رشتہ نسبی ہو یا سببی ہو، سببی رشتہ سے مراد رضاعت اور مصاہرت ہے؛ کیونکہ یہاں بھی دونوں معانی (ضرورت اور قلتِ رغبت) پائے جاتے ہیں، نیز صحیح قول کے مطابق حرمتِ مصاہرت خواہ نکاح کی وجہ سے ہو یا زنا کی وجہ سے ہو دونوں کا حکم ایک ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ ابدی حرمت کی وجہ سے رغبت کم ہوتی ہے لہٰذا شہوت نہیں پائی جائے گی۔

فائدہ: مصنفؒ نے "فِي الأصَحِّ" اس لیے کہا کہ اس میں بعض حضرات کا اختلاف ہے ان کے نزدیک زنا سے ثابت ہونے والی مصاہرت سے دیکھنا اور چھونا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ یہاں مصاہرت بطورِ سزا ثابت ہوئی ہے نہ کہ بطورِ نعمت کے اور جب اس کی خیانت ایک مرتبہ ظاہر ہوگئی تو اس پر دوبارہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے، مگر اصح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی دیکھنے اور چھونے میں کوئی حرج

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ كِدَامٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا جَامَعَ أَحَدُكُمْ، فَلَا يَنْظُرْ إِلَى الْفَرْجِ، فَإِنَّهُ يُورِثُ الْعَمَى، وَلَا يُكْثِرِ الْكَلَامَ، فَإِنَّهُ يُورِثُ الْخَرَسَ"، انْتَهَى. ثُمَّ قَالَ: قَالَ الْأَزْدِيُّ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ الْفِرْيَابِيُّ سَاقِطٌ. (نصب الرایۃ: 4ص550)

([1]) قُلْت: غَرِيبٌ جِدًّا. (نصب الرایۃ: 4ص551)

([2]) النور: 31.

نہیں ہے لما فی ردّ المحتار (قَوْلُهُ وَلَوْ بِزِنًا) أَيْ وَلَوْ كَانَ عَدَمُ حِلِّ نِكَاحِهَا لَهُ بِسَبَبِ زِنَاهُ بِأُصُولِهَا أَوْ فُرُوعِهَا قَالَ الزَّيْلَعِيُّ: وَقِيلَ: إنَّهَا كَالْأَجْنَبِيَّةِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ، لِأَنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِ عَلَى التَّأْبِيدِ (ردّ المحتار:5/259)

{۱}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ مَا جَازَ أَنْ يَنْظُرَ إلَيْهِ مِنْهَا ؛ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إلَى ذَلِكَ فِي الْمُسَافَرَةِ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں کہ مس کر دے وہ جگہ کہ جائز ہے دیکھنا اس کو محرمہ میں سے؛ تحقق حاجت کی وجہ سے اس کو سفر میں،

وَقِلَّةِ الشَّهْوَةِ لِلْمَحْرَمِيَّةِ ، بِخِلَافِ وَجْهِ الْأَجْنَبِيَّةِ وَكَفَّيْهَا حَيْثُ لَا يُبَاحُ الْمَسُّ وَإِنْ أُبِيحَ

اور بوجہ قلت شہوت کے محرمیت کی وجہ سے، برخلاف اجنبیہ کے چہرہ اور اس کی ہتھیلی کے، کہ مباح نہیں ہے مس کرنا اگرچہ مباح کی گئی ہے

النَّظَرُ؛ لِأَنَّ الشَّهْوَةَ مُتَكَامِلَةٌ{۲}إلَّا إذَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهَا أَوْ عَلَى نَفْسِهِ الشَّهْوَةَ ، فَحِينَئِذٍ لَا يَنْظُرُ وَلَا يَمَسُّ

نظر؛ کیونکہ شہوت کامل ہے ، مگر یہ کہ اس کو خوف ہو عورت پر یا اپنی ذات پر شہوت سے تو اس وقت نہ دیکھے اور نہ مس کرے

لِقَوْلِهِ ﷺ "{الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ} ، وَحُرْمَةُ الزِّنَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ

کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے، اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے" اور حرمت زنا محرمات کے ساتھ

أَغْلَظُ فَيَجْتَنِبُ . {۳} وَلَا بَأْسَ بِالْخَلْوَةِ وَالْمُسَافَرَةِ بِهِنَّ ؛ لِقَوْلِهِ ﷺ:

زیادہ شدید ہے پس اجتناب کرے۔ اور کوئی حرج نہیں ہے خلوت کرنے اور سفر کرنے میں محرمات کے ساتھ؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

{ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا إلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا } " وَقَوْلُهُ ﷺ" { أَلَا

"سفر نہ کرے عورت تین دن اور تین رات سے زیادہ مگر اس کے ساتھ شوہر ہو یا اس کا ذی رحم محرم ہو" اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خبردار!

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ } " وَالْمُرَادُ إذَا لَمْ يَكُنْ مَحْرَمًا ،{۴}فَإِنْ

ہرگز خلوت نہ کرے مرد عورت سے جس کی کوئی راہ نہ ہو؛ کیونکہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے" اور مراد یہ ہے کہ محرم نہ ہو، اور اگر

احْتَاجَ إلَى الْإِرْكَابِ وَالْإِنْزَالِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّهَا مِنْ وَرَاءِ ثِيَابِهَا وَيَأْخُذَ ظَهْرَهَا وَبَطْنَهَا

اس کو ضرورت ہو سواری پر سوار کرنے یا اتارنے کی تو کوئی حرج نہیں کہ مس کر دے اس کو کپڑوں کے پیچھے سے اور پکڑے اس کی پیٹھ یا پیٹ

دُونَ مَا تَحْتَهُمَا إذَا أَمِنَا الشَّهْوَةَ ، فَإِنْ خَافَهَا عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَيْهَا تَيَقُّنًا أَوْ ظَنًّا أَوْ شَكًّا

نہ کہ ان کے نیچے بشرطیکہ دونوں مامون ہوں شہوت سے، لیکن اگر اس کو خوف ہو شہوت کا اپنے نفس پر یا عورت پر یقیناً یا ظناً یا شکاً،

فَلْيَجْتَنِبْ ذَلِكَ بِجَهْدِهِ ، ثُمَّ إنْ أَمْكَنَهَا الرُّكُوبُ بِنَفْسِهَا يَمْتَنِعُ عَنْ ذَلِكَ أَصْلًا ، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهَا

تو دور رہے اس سے کوشش کر کے، پھر اگر ممکن ہو اس کے لیے سوار ہونا بذاتِ خود تو رک جائے اس سے بالکل، اور اگر ممکن نہ ہو اس کے لیے

يَتَكَلَّفُ بِالثِّيَابِ كَيْ لَا تُصِيبَهُ حَرَارَةُ عُضْوِهَا ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الثِّيَابَ يَدْفَعُ الشَّهْوَةَ عَنْ قَلْبِهِ

تو مرد کپڑوں کے ساتھ تکلف کرے؛ تاکہ نہ پہنچے اس کو عورت کے عضو کی حرارت، اور اگر نہیں پایا کپڑا تو دفع کر دے شہوت کو اپنے دل سے

بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ .﴿5﴾قَالَ : وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوكَةِ غَيْرِهِ إِلَى مَا يَجُوزُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ ؛

بقدرِ امکان۔ فرمایا: اور دیکھ سکتا ہے مرد غیر کی مملوکہ کے ان اعضاء کو کہ جائز ہے اس کے لیے کہ دیکھے ان کی طرف اپنی محرمات میں سے

لِأَنَّهَا تَخْرُجُ لِحَوَائِجِ مَوْلَاهَا وَتَخْدُمُ أَضْيَافَهُ وَهِيَ فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا،

؛کیونکہ باندی نکلتی ہے مولیٰ کی ضروریات کے لیے، اور خدمت کرتی ہے اس کے مہمانوں کی اور وہ کام کاج کے کپڑوں میں ہوتی ہے،

فَصَارَ حَالُهَا خَارِجَ الْبَيْتِ فِي حَقِّ الْأَجَانِبِ كَحَالِ الْمَرْأَةِ دَاخِلَهُ فِي حَقِّ مَحَارِمِهِ وَالْأَقَارِبِ. وَكَانَ عُمَرُ رضي الله عنه إِذَا رَأَى

پس ہو گیا اس کا حال خارج گھر میں اجنبیوں کے حق میں جیسے عورت کا حکم داخل گھر میں محارم اور اقارب کے حق میں، اور حضرت عمرؓ جب دیکھتے

جَارِيَةً مُتَقَنِّعَةً عَلَاهَا بِالدُّرَّةِ وَقَالَ : أَلْقِي عَنْكِ الْخِمَارَ يَا دَفَارُ أَتَتَشَبَّهِينَ بِالْحَرَائِرِ

باندی کو اوڑھنی اوڑھے ہوئے تو اٹھاتے اس پر دُرہ اور فرماتے: اتار دو اپنے سے اوڑھنی او گندی، کیا تو مشابہت اختیار کرتی ہے آزاد عورتوں کی

﴿6﴾وَلَا يَحِلُّ النَّظَرُ إِلَى بَطْنِهَا وَظَهْرِهَا خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَنَّهُ يُبَاحُ إِلَّا إِلَى مَا دُونَ السُّرَّةِ

اور حلال نہیں ہے دیکھنا اس کے پیٹ اور اس کی پشت کو، برخلاف اس کے جو کہا ہے محمد بن مقاتلؒ نے کہ یہ مباح ہے مگر ناف سے نیچے

إِلَى الرُّكْبَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ كَمَا فِي الْمَحَارِمِ ، بَلْ أَوْلَى لِقِلَّةِ الشَّهْوَةِ فِيهِنَّ وَكَمَالِهَا

گھٹنوں تک: کیونکہ ضرورت نہیں ہے جس طرح کہ محارم میں ہے، بلکہ بطریقۂ اولیٰ قلتِ شہوت کی وجہ سے محرمات میں، اور کمالِ شہوت کی وجہ سے

فِي الْإِمَاءِ﴿7﴾وَلَفْظَةُ الْمَمْلُوكَةِ تَنْتَظِمُ الْمُدَبَّرَةَ وَالْمُكَاتَبَةَ وَأُمَّ الْوَلَدِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ، وَالْمُسْتَسْعَاةُ كَالْمُكَاتَبَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

باندیوں میں، اور لفظِ مملوکہ شامل ہے مدبرہ، مکاتبہ اور ام ولد کو؛ تحقق حاجت کی وجہ سے، اور مستسعاۃ مکاتبہ کی طرح ہے امام صاحبؒ کے نزدیک

عَلَى مَا عُرِفَ ،﴿8﴾وَأَمَّا الْخَلْوَةُ بِهَا وَالْمُسَافَرَةُ مَعَهَا فَقَدْ قِيلَ يُبَاحُ كَمَا فِي الْمَحَارِمِ ، وَقَدْ قِيلَ

جیسا کہ معلوم ہے، رہی خلوت اس کے ساتھ اور سفر کرنا اس کے ساتھ تو کہا گیا ہے مباح ہے جیسا کہ محارم میں، اور کہا گیا ہے کہ مباح نہیں ہے

لَا يُبَاحُ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ فِيهِنَّ، وَفِي الْإِرْكَابِ وَالْإِنْزَالِ اعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ الضَّرُورَةَ فِيهِنَّ وَفِي ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ مُجَرَّدَ الْحَاجَةِ

عدمِ ضرورت کی وجہ سے، اور سوار کرنے اور اتارنے میں اعتبار کیا ہے امام محمدؒ نے مبسوط میں ضرورت کا باندیوں میں، اور محارم میں فقط حاجت کا

تشریح:۔{۱}اپنی محرمات کے بدن کے جس حصے کو دیکھنا جائز ہے اس کو چھونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛کیونکہ حالتِ سفر میں اس کو چھونے کی ضرورت پڑتی ہے اور محرمیت کی وجہ سے شہوت کم ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس کے برخلاف اجنبیہ کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو چھونا جائز نہیں ہے اگرچہ ان اعضاء کو دیکھنا مباح ہے؛کیونکہ اجنبیہ کی طرف شہوت کامل طور پر پائی جاتی ہے پس فتنہ کا خوف قوی ہونے کی وجہ سے اجنبیہ کے ان اعضاء کو چھونا جائز نہیں ہے۔

{۲}البتہ اگر اپنی محرمہ کے اوپر شہوت کا خوف ہو یا مرد کو اپنے اوپر شہوت کا خوف ہو تو پھر محرمہ کو دیکھنے اور چھونے سے بھی احتراز ضروری ہے؛کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے"آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے[1]"اور خاص کر اپنی محرمہ کے ساتھ زنا کرنا بہت سخت اور فطرت کی انتہائی کجی کی علامت ہے اور یہاں حدیث میں دیکھنے اور پکڑنے کو زنا کہا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

{۳}اپنی محرمہ کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے اور سفر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے"عورت تین دن اور تین راتیں سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا ذو رحم محرم ہو[2]"جس میں محرم کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے،اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے"آگاہ ہو جاؤ!ہرگز کوئی مرد خلوت نہ کرے کسی عورت کے ساتھ کہ اس کے ساتھ خلوت کی کوئی راہ نہ ہو؛کیونکہ ان میں سے تیسرا شیطان ہوتا ہے[3]"جس میں"لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ"سے مراد یہ ہے کہ وہ مرد عورت کا محرم نہ ہو لہٰذا اگر محرم ہو تو پھر تنہائی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

([1])قُلْت: أخرَجَهُ مُسْلِمٌ فِي كِتَابِ الْقَدَرِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنْ الزِّنَا، مُدْرِكٌ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الِاسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى، وَيُصَدِّقُ ذلك الفرج، أَوْ يُكَذِّبُهُ"، (نصب الراية:4ص551)

([2])قُلْتُ: أخرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا، أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا"، انْتَهَى. وَفِي لَفْظٍ لَهُ: "ثَلَاثًا"، وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ بِلَفْظِهِ: "يَوْمَيْنِ"، وَأَخْرَجَا عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا: "لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ، فَوْقَ ثَلَاثٍ"، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: "ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ"، وَأَخْرَجَا عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا: "لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاَللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، إلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ عَلَيْهَا"، وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: "مَسِيرَةَ لَيْلَةٍ"، وَفِي لَفْظٍ: "يَوْمٍ"، وَفِي لَفْظٍ لِأَبِي دَاوُد2: "بَرِيدًا"، وَهِيَ عِنْدَ ابْنِ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ، وَالْحَاكِمِ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، وَقَالَ: صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ،(نصب الراية:4ص551)

([3])قُلْتُ: غريب بهذا اللَّفْظِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، وَلَيْسَ فِيهِ: قَوْلُهُ: "لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ"، وَهُوَ مَحَلُّ الِاسْتِدْلَالِ.فَحَدِيثُ عُمَرَ: أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ فِي أَوَائِلِ الْفِتَنِ، وَالنَّسَائِيُّ فِي عِشْرَةِ النِّسَاءِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: يا ايها النَّاسُ، قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا،فَقَالَ: "أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ، حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، إلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ، فَإِنَّ

{۴}اگر ذو رحم محرم عورت کو سفر میں سواری پر سوار کرنے یا سواری سے اتارنے کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کا محرم مرد اس کو کپڑوں کے اوپر سے مس کرتے ہوئے اس کو سواری پر چڑھائے یا سواری سے اتار دے اور اس دوران اس کو پیٹھ یا پیٹ سے پکڑے اس کے نیچے سے نہ پکڑے، مگر شرط یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں شہوت سے مامون ہوں ،اور اگر مرد کو اپنے نفس پر شہوت کا خوف ہو یا عورت پر شہوت کا خوف ہو،اور شہوت کا یقین ، ظن یا شک ہو تو پھر جہاں تک ممکن ہو کوشش کر کے اپنے اوپر سے شہوت کو دور کر دے، یہ تو اس صورت میں ہے کہ عورت کے لیے خود سوار ہونا ممکن نہ ہو اور اگر عورت کے لیے خود سوار ہونا ممکن ہو تو مرد اس کو سوار کرنے سے بالکل باز رہے اور اگر اس کے لیے خود سوار ہونا ممکن نہ ہو تو مرد تکلف سے کپڑے لپیٹ کر اس کو پکڑے تاکہ مرد کو عورت کے کسی عضو کی گرمی محسوس نہ ہو،اور اگر اس کو ایسا کوئی کپڑا میسر نہ ہو تو پھر جہاں تک ممکن ہو اپنے دل سے شہوت کو دور کر دے؛ کیونکہ بقدر امکان اپنے دل سے شہوت کو دور کرنے کا وہ مکلف ہے۔

{۵}مرد اپنی محرمہ عورت کے بدن کے جتنے حصے کو دیکھ سکتا ہے غیر کی باندی کے بدن میں سے بھی اتنے حصے کو دیکھ سکتا ہے؛ کیونکہ باندی اپنے مولیٰ کی ضروریات کے لیے باہر نکلتی ہے اور اپنے مولیٰ کے مہمانوں کی خدمت کرتی ہے اور وہ کام کاج کے کپڑوں میں رہتی ہے تو گھر سے باہر اجانب کے حق میں اس کا وہ حال ہے جو کسی عورت کو گھر کے اندر اپنے محارم کے حق میں ہوتا ہے لہٰذا آزاد عورت کو اپنے محارم سے جتنا پردہ ضروری ہے باندی کو اجانب سے اتنا پردہ ضروری ہو گا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی باندی کو اوڑھنی اوڑھے ہوئے دیکھتے تو اس پر درّہ اٹھاتے اور فرماتے: "گندی اپنی اوڑھنی اتار دو، کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہے[1]"، جس سے معلوم ہوا کہ باندی کے لیے وہ پردہ نہیں ہے جو آزاد عورت کے لیے ہے۔

{۶}غیر کی باندی کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا حلال نہیں ہے، البتہ محمد بن مقاتلؒ کے نزدیک غیر کی باندی کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا جائز ہے، ہاں ناف سے نیچے گھٹنوں تک کو دیکھنا ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان کے پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، بلکہ غیر کی باندی کے ان

الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ"، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ فِي النَّوْعِ الثَّامِنِ وَالسِّتِّينَ، مِنَ الْقِسْمِ الثَّالِثِ، وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي كِتَابِ الْعِلْمِ، وَسَكَتَ عَنْهُ، وَأَعَادَهُ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ عُمَرَ، فَذَكَرَهُ، وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ. (نصب الراية:4ص552)

([1])قُلْتُ: غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ حَدَّثَتْهُ، قَالَتْ: خَرَجَتْ امْرَأَةٌ مُخْتَمِرَةٌ، مُتَجَلْبِبَةٌ، فَقَالَ عُمَرُ: مَنْ هَذِهِ الْمَرْأَةُ؟ فَقِيلَ لَهُ جَارِيَةٌ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِيهِ فَأَرْسَلَ إلَى حَفْصَةَ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكِ عَلَى أَنْ تُخَمِّرِي هَذِهِ الْمرأة، وَتُجَلْبِبِيهَا حَتَّى هَمَمْتُ أَنْ أَقَعَ بِهَا، لَا أَحْسِبُهَا إلَّا مِنْ الْمُحْصَنَاتِ، لَا تُشَبِّهُوا الْإِمَاءَ بِالْمُحْصَنَاتِ، انْتَهَى. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: وَالْآثَارُ بِذَلِكَ عَنْ عُمَرَ صَحِيحَةٌ؛ وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي شُرُوطِ الصَّلَاةِ. (نصب الراية:4ص553)

اعضاء کو دیکھنا بطریقہ اولیٰ جائز نہیں ہونا چاہئے؛ کیونکہ محارم میں شہوت کم ہوتی ہے اور باندیوں میں کامل ہوتی ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

{7} پھر باندی کا جو حکم بیان کیا گیا یہی حکم مدبرہ، مکاتبہ اور ام ولدہ کا بھی ہے؛ کیونکہ لفظِ مملوکہ ان سب کو شامل ہے اور جو حاجت باندی کی طرف دیکھنے کی ہے وہی حاجت مدبرہ وغیرہ کی طرف دیکھنے کی بھی ہے اس لیے ان کا بھی وہی حکم ہے جو باندی کا ہے۔

جس باندی کے بعض حصہ کو مولیٰ آزاد کر دے تو اس کا بقیہ حصہ بھی آزاد ہو جائے گا اور وہ اس بقیہ حصے کی قیمت کما کر مولیٰ کو دیدے گی، اس طرح کی باندی کو مستسعاۃ (جس سے کمائی کرائی گئی ہے) کہتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مستسعاۃ باندی کا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہی حکم ہے جو مکاتبہ باندی کا ہے جیسا کہ "کتاب العتاق" میں معلوم ہو چکا ہے۔

{8} غیر کی باندی کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے اور اس کے ساتھ سفر کرنے کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ مباح ہے جیسا کہ محرمات کے ساتھ خلوت اور سفر مباح ہے، اور دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ مباح نہیں ہے؛ کیونکہ محرمات کے ساتھ سفر کرنے کی تو ضرورت پڑتی ہے جبکہ غیر کی باندی کے ساتھ کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور غیر کی باندی کو سواری پر چڑھانے یا سواری سے اتارنے کے بارے میں امام محمدؒ نے مبسوط میں ضرورت کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر چارہ نہ ہو تو غیر کی باندی کو سواری پر چڑھانا اور سواری سے اتارنا مباح ہے ورنہ مباح نہیں ہے، اور محرمات کے بارے میں حاجت کا اعتبار کیا ہے حاجت کا مطلب یہ ہے کہ محرمہ کو سوار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے پھر بھی جانا چاہتی ہے مثلاً اپنے کھیت دیکھنے کے لیے جاتی ہے تو بھی امام محمدؒ نے اس کو سواری پر چڑھانے اور اتارنے کو جائز قرار دیا ہے۔

{1} قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ ذَلِكَ إذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ ، وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ كَذَا ذَكَرَهُ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں ان اعضاء کے چھونے میں جب ارادہ کرے خریدنے کا اگرچہ اس کو خوف ہو شہوت ہونے کا، اسی طرح ذکر کیا ہے اس کو

فِي الْمُخْتَصَرِ ، وَأَطْلَقَ أَيْضًا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَلَمْ يُفَصِّلْ . قَالَ مَشَايِخُنَا : يُبَاحُ النَّظَرُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ وَإِنْ اشْتَهَى

مختصر میں، اور مطلق چھوڑا ہے جامع صغیر میں اور تفصیل بیان نہیں کی ہے، کہا ہے ہمارے مشائخ نے مباح ہے نظر اس حالت میں اگرچہ شہوت ہو

لِلضَّرُورَةِ ، وَلَا يُبَاحُ الْمَسُّ إذَا اشْتَهَى أَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ اسْتِمْتَاعٍ ،

ضرورت کی وجہ سے، اور مباح نہیں ہے چھونا اگر اس کو شہوت ہو یا غالب رائے ہو اس کی؛ کیونکہ یہ ایک طرح نفع حاصل کرنا ہے،

وَفِي غَيْرِ حَالَةِ الشِّرَاءِ يُبَاحُ النَّظَرُ وَالْمَسُّ بِشَرْطِ عَدَمِ الشَّهْوَةِ {2} قَالَ : وَإِذَا حَاضَتِ الْأَمَةُ لَمْ تُعْرَضْ فِي إزَارٍ وَاحِدٍ

اور حالت شراء کے علاوہ میں مباح ہے دیکھنا اور چھونا بشرط عدم شہوت۔ فرمایا: اور جب بالغہ ہو جائے باندی تو اسے نہ پیش کیا جائے ایک ہی کپڑے میں

وَمَعْنَاهُ بَلَغَتْ ، وَهَذَا مُوَافِقٌ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الظَّهْرَ وَالْبَطْنَ مِنْهَا عَوْرَةٌ .وَعَنْ مُحَمَّدٍ

اور اس کا معنی ہے جب بالغہ ہو جائے، اور یہ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ پیٹھ اور پیٹ اس کی عورت ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے

أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ تُشْتَهَى وَيُجَامَعُ مِثْلُهَا فَهِيَ كَالْبَالِغَةِ لَا تُعْرَضُ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ لِوُجُودِ الِاشْتِهَاءِ.

کہ باندی جب ہو جائے مشتہاۃ اور جماع کیا جا سکے اس جیسی سے تو وہ بالغہ کی طرح ہے نہیں پیش کی جائے ایک ازار میں؛ وجود شہوت کی وجہ سے

{۳}قَالَ :وَالْخَصِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ ؛ لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : الْخِصَاءُ مُثْلَةٌ فَلَا يُبِيحُ

فرمایا: اور خصی دیکھنے میں اجنبیہ کی طرف مرد کی طرح ہے؛ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے: خصی کرنا مثلہ ہے، پس مباح نہیں کرے گا

مَا كَانَ حَرَامًا قَبْلَهُ وَلِأَنَّهُ فَحْلٌ يُجَامِعُ .وَكَذَا الْمَجْبُوبُ ؛ لِأَنَّهُ يَسْحَقُ وَيُنْزِلُ،

وہ چیز جو حرام تھی اس سے پہلے؛ کیونکہ خصی ایسا مرد ہے جو جماع کرتا ہے، اور اسی طرح مقطوع الذکر ہے؛ کیونکہ وہ رگڑتا ہے اور انزال ہوتا ہے

وَكَذَا الْمُخَنَّثُ فِي الرَّدِيءِ مِنَ الْأَفْعَالِ ؛ لِأَنَّهُ فَحْلٌ فَاسِقٌ {۴}وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ يُؤْخَذُ فِيهِ بِمُحْكَمِ كِتَابِ اللهِ

اور اسی طرح مخنث ہے گندے افعال میں؛ کیونکہ وہ فاسق نر ہے، اور حاصل یہ کہ لے لیا جائے گا اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی محکم کتاب کو

الْمُنَزَّلِ فِيهِ ، وَالطِّفْلُ الصَّغِيرُ مُسْتَثْنًى بِالنَّصِّ . {۵}قَالَ : وَلَا يَجُوزُ لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهِ إِلَّا مَا

جو نازل ہے اس بارے میں اور نابالغ بچہ مستثنیٰ ہے نص کی وجہ سے۔ فرمایا: اور جائز نہیں ہے مملوک کے لیے کہ دیکھ لے اپنی مالکہ کو مگر ان اعضاء کو

يَجُوزُ لِلْأَجْنَبِيِّ النَّظَرُ إِلَيْهِ مِنْهَا .وَقَالَ مَالِكٌ : هُوَ كَالْمَحْرَمِ ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ

جو جائز ہے اجنبی کے لیے دیکھنا اس کی طرف اجنبیہ میں سے۔ اور فرمایا امام مالکؒ نے کہ وہ محرم کی طرح ہے اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک ہے

لِقَوْلِهِ تَعَالَى { أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ } وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مُتَحَقِّقَةٌ لِدُخُولِهِ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ.

؛کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اپنے غلاموں کے سامنے" اور اس لیے کہ حاجت متحقق ہے؛ اس کے دخول کی وجہ سے اس پر اجازت کے بغیر

{۶}وَلَنَا أَنَّهُ فَحْلٌ غَيْرُ مَحْرَمٍ وَلَا زَوْجٍ ،وَالشَّهْوَةُ مُتَحَقِّقَةٌ لِجَوَازِ النِّكَاحِ فِي الْجُمْلَةِ{۷}وَالْحَاجَةُ قَاصِرَةٌ

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا نر ہے جو نہ محرم ہے اور نہ شوہر، اور شہوت متحقق ہے؛ جواز نکاح کی وجہ سے فی الجملہ، اور حاجت کم ہے

لِأَنَّهُ يَعْمَلُ خَارِجَ الْبَيْتِ.وَالْمُرَادُ بِالنَّصِّ الْإِمَاءُ، قَالَ سَعِيدٌ وَالْحَسَنُ وَغَيْرُهُمَا : لَا تَغُرَّنَّكُمْ سُورَةُ النُّورِ فَإِنَّهَا

کیونکہ وہ کام کرتا ہے خارج گھر، اور نص سے مراد باندیاں ہیں، فرمایا سعیدؒ اور حسنؒ وغیرہ نے تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے سورۂ نور؛ کیونکہ وہ

فِي الْإِنَاثِ دُونَ الذُّكُورِ {8} قَالَ : وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَلَا يَعْزِلُ

عورتوں کے متعلق ہے نہ کہ مردوں کے۔ فرمایا: اور مرد عزل کر سکتا ہے اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر، اور عزل نہیں کر سکتا ہے

عَنْ زَوْجَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهَا ؛ { لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنِ الْعَزْلِ عَنِ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا ، وَقَالَ

اپنی بیوی سے مگر اس کی اجازت سے؛ کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے عزل کرنے سے آزاد عورت سے مگر اس کی اجازت سے، اور فرمایا

لِمَوْلَى أَمَةٍ : اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ } ، {9} وَلِأَنَّ الْوَطْءَ حَقُّ الْحُرَّةِ قَضَاءً لِلشَّهْوَةِ وَتَحْصِيلًا لِلْوَلَدِ

باندی کے مولی سے "عزل کر اس سے اگر تم چاہو" اور اس لیے کہ وطی حق ہے آزاد عورت کا قضاء شہوت اور تحصیل ولد کے لیے،

وَلِهَذَا تُخَيَّرُ فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ ، وَلَا حَقَّ لِلْأَمَةِ فِي الْوَطْءِ ، فَلِهَذَا لَا يَنْقُصُ حَقُّ الْحُرَّةِ

اور اسی لیے اسے اختیار دیا جاتا ہے مقطوع الذکر اور عنین میں، اور کوئی حق نہیں باندی کا وطی میں، لہٰذا کم نہیں کیا جائے گا آزاد عورت کا حق

بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَيَسْتَبِدُّ بِهِ الْمَوْلَى وَلَوْ كَانَ تَحْتَهُ أَمَةُ غَيْرِهِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي النِّكَاحِ

اس کی اجازت کے بغیر، اور مستقل رہے گا اس کے ساتھ مولی، اور اگر ہو اس کی ماتحتی میں دوسرے کی باندی تو ہم ذکر کر چکے ہیں اس کے احکام کتاب النکاح میں

تشریح:۔ {1} اگر باندی خریدنے کا ارادہ ہو تو جن جگہوں کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ مشتری کو شہوت کا خوف ہو، امام قدوریؒ نے اپنی "مختصر القدوری" میں اسی طرح ذکر فرمایا ہے کہ شہوت کا خوف ہونے کے باوجود چھونا جائز ہے، اور امام محمدؒ نے "جامع صغیر" میں مطلقاً اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ خرید کے وقت چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے، انہوں شہوت ہونے یا نہ ہونے کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ شہوت ہونے یا شہوت کا غالب گمان ہونے کی صورت میں چھونا مباح نہیں ہے؛ کیونکہ شہوت کے ساتھ چھونا معنیً جماع ہے جس کی اجازت نہیں ہے، ہاں شہوت کے ساتھ دیکھنا چونکہ جماع نہیں ہے اس لیے اس کی اجازت ہے۔ اور اگر خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو چھونا اور دیکھنا دونوں اس شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ شہوت نہ ہو، ورنہ تو مکروہ ہے۔

{2} جب باندی حائضہ ہو جائے تو ایک ازار میں فروخت کے لیے اسے پیش نہ کیا جائے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حائضہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بالغہ ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ اس کے اوپر قمیص بھی ڈالے تاکہ اس کا پیٹ اور پیٹھ چھپ جائے؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ باندی کا پیٹ اور پیٹھ واجب الستر ہیں۔ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ باندی جب قابل شہوت ہو جائے اور اس جیسی باندی سے وطی کی جا سکتی ہو تو وہ بالغہ کے حکم میں ہے لہٰذا اس کو ایک ازار میں فروخت کے لیے پیش نہ کیا جائے؛ کیونکہ اس کی طرف شہوت موجود ہے۔

{۳}اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنے میں خصی مرد غیر خصی مرد کی طرح ہے؛ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے "خصی کرنا مثلہ کرنا ہے پس یہ اس کام کو مباح نہیں کرے گا جو خصی کرنے سے پہلے حرام تھا[1]"، نیز خصی ایسا نر ہے جو جماع کر سکتا ہے اس لیے اس کا وہی حکم ہے جو غیر خصی کا ہے۔ اور یہی حکم مجبوب (مقطوع الذکر) کا بھی ہے؛ کیونکہ وہ اپنے جسم کو عورت کے ساتھ رگڑ کر انزال ہوتا ہے۔ اور یہی حکم اس مرد کا بھی ہے جو برے افعال کرانے میں مخنث ہو یعنی غیر کو اپنے اوپر بد فعلی کی قدرت دیتا ہو؛ کیونکہ یہ فاسق مرد ہے اور غیر فاسق اجنبی سے پردہ ضروری ہے تو فاسق سے بطریقہ اولیٰ ضروری ہو گا۔

{۴}صاحب ہدایہ "والحاصل الخ" سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ سے متعلق دو آیتیں ہیں (1) ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ[2]﴾ (یعنی مؤمنوں کو حکم دے کہ اپنی نظریں بند کریں یا نیچی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں) (2) ﴿اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ[3]﴾ (اور اپنی زینت کے مواقع کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر......یا ان مردوں پر جو طفیلی کے طور پر رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو) اول محکم اور ثانی متشابہ ہے جس کی تاویلات واقع ہوئی ہیں تو اس بارے میں خنثیٰ، مجبوب اور عنین وغیرہ میں یہ دو آیات ہیں، ایک محکم ہے کہ یہ لوگ اپنی نظریں بند کریں یعنی اجنبیہ عورت سے اپنی نظر محفوظ کریں، اور دوسری آیت سے ایک تاویل نکلتی ہے کہ ان کے لیے بچوں کی طرح دیکھنا جائز ہو، مگر یہ متشابہ ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب محکم اور متشابہ میں تعارض ہو تو محکم پر عمل ہوتا ہے لہٰذا ان سب کے لیے یہ حکم ہوا کہ ضروری استثناء کے علاوہ دیکھنا حلال نہیں ہے۔۔ پہلی آیت محکم ہے جس میں عام مؤمنین کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور دوسری آیت متشابہ ہے جس میں تاویلات واقع ہوئی ہیں، اور ایک تاویل سے یہ نکلتا ہے کہ مخنث، مجبوب اور خصی کے لیے بچوں کی طرح اجنبیہ عورت کو دیکھنا جائز ہے لیکن یہ آیت چونکہ متشابہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جب محکم اور متشابہ میں تعارض ہو تو محکم کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا ان سب کا یہی حکم ہو گا کہ اجنبیہ کو دیکھنا حلال نہیں ہے بخلاف بچہ کے کہ اس کا استثناء نص میں موجود ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاءِ[4]﴾ (یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں مراد غیر مراہق ہیں)۔

([1]) قلت: غريب، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه عن ابن عباس، فقال: ثنا أسباط بن محمد، وابن فضيل عن مطرف عن رجل عن ابن عباس، قال: خصاء البهائم مثلة، ثم تلا: {ولآمرنهم فليغيرن خلق الله}، (نصب الراية: 4ص554)

([2]) النور: 30۔

([3]) النور: 31۔

([4]) النور: 31۔

{۵}غلام اپنی مالکہ کا صرف اتنا بدن دیکھ سکتا ہے جتنا کہ اجنبی مرد اس کے بدن میں سے دیکھ سکتا ہے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غلام اپنی مالکہ کے لیے محرم کے درجے میں ہے اور یہی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے؛ان کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾[1] مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے محارم میں سے فلاں فلاں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے اور اپنے غلاموں کے سامنے، جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غلام محرم کے درجے میں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ غلام اور مالکہ کے درمیان حاجت متحقق ہے؛یہی وجہ ہے کہ غلام اپنی مالکہ کے پاس بلا اجازت جا سکتا ہے۔

{۶}ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام ایسا مرد ہے جو نہ اپنی مالکہ کا محرم ہے اور نہ اس کا شوہر ہے اور دونوں کے درمیان شہوت بھی متحقق ہے،اور محرم اس لیے نہیں کہ فی الجملہ ان میں نکاح جائز ہے بایں طور کہ مالکہ اس کو آزاد کردے تو دونوں میں نکاح ہو سکتا ہے اس لیے یہ محرم نہیں ہے لہٰذا غیر محرم اجنبی کا جو حکم ہے وہ اس کا بھی ہوگا۔

{۷}اور دونوں کے درمیان حاجت اگرچہ ثابت ہے مگر یہ حاجت قاصرہ ہے؛کیونکہ غلام گھر کے باہر کام کرتا ہے لہٰذا وہ حاجت نہیں ہے جو محرمین کے درمیان ثابت ہے اس لیے غلام محرم مرد کے حکم میں نہیں۔اور آیتِ مبارکہ میں جو مملوک کے سامنے زینت ظاہر کرنے کا جواز ذکر فرمایا ہے تو اس سے مراد باندیاں ہیں یعنی مالکہ اپنی باندی کے سامنے مواضع زینت ظاہر کر سکتی ہے غلام مراد نہیں ہے جیسا کہ سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ حضرات نے فرمایا ہے کہ تم لوگ سورۂ نور کی آیت سے دھوکہ مت کھانا؛کیونکہ یہ فقط عورتوں کے حق میں ہے مردوں کے حق میں نہیں ہے[2] یعنی باندیوں کے سامنے مواضع زینت ظاہر کر سکتی ہے نہ کہ غلاموں کے سامنے۔

{۸}مرد اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل (بوقتِ انزال آلہ باہر نکال کر منی باہر گرانا) کر سکتا ہے مگر اپنی بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کر سکتا ہے؛کیونکہ حضور ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع

---

(1) النور:31۔

(2) قُلْتُ: غَرِيبٌ بِهَذَا اللفظ، ومعناه مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي كِتَابِ النِّكَاحِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ثنا يُونُسُ عَنْ أَبِي إسْحَاقَ عَنْ طَارِقٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: لَا تَغُرَّنَّكُمْ الْآيَةُ {إلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ} إنَّمَا عَنَى بِهِ الْإِمَاءَ، وَلَمْ يَعْنِ بِهِ الْعَبِيدَ، انْتَهَى. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ هِشَامٍ عَنْ الْحَسَنِ أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَمْلُوكُ عَلَى مَوْلَاتِهِ بِغَيْرِ إذْنِهَا،(نصب الراية:4ص554)

فرمایا ہے[1]اور ایک موقع پر باندی کے مولیٰ سے فرمایا: کہ اگر تو چاہے تو اس سے عزل کر، جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ آزاد عورت اور باندی سے عزل کرنے میں فرق ہے۔

{9}دوسری وجہ یہ ہے کہ شہوت کو پورا کرنے اور بچہ حاصل کرنے کے لیے وطی آزاد عورت کا حق ہے یہی وجہ ہے کہ مرد مقطوع الذکر یا نامرد ہونے کی صورت میں آزاد عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے، تو جب وطی آزاد عورت کا حق ہے تو شوہر کو حق نہ ہو گا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے حق کو ناقص کر دے لہذا آزاد عورت سے عزل کے لیے اس کی اجازت ضروری ہے۔ جبکہ باندی کو وطی میں کوئی حق حاصل نہیں ہے لہذا وہ وطی کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے، بلکہ مولیٰ کی مرضی ہے کہ اس سے وطی کرے یا نہ کرے لہذا مولیٰ مستقل اور متفرد ہو گا کہ اس سے کامل وطی کرے یا ناقص وطی کرے یا بالکل وطی نہ کرے اس لیے باندی کی اجازت کے بغیر مولیٰ کو عزل کا اختیار ہو گا۔

اور اگر کسی کے نکاح میں غیر کی باندی ہو تو اس کا حکم ہم "کتاب النکاح" میں ذکر کر چکے ہیں کہ اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک عزل کی اجازت کا اختیار اس کے مولیٰ کو ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک خود باندی کو اختیار ہے۔

فَصْلٌ فِي الِاسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِهِ

یہ فصل استبراء وغیرہ کے بیان میں ہے۔

استبراء کا معنی صفائی اور براءت طلب کرنا ہے مطلب یہ ہے کہ جس باندی پر خرید اور ہبہ وغیرہ کے ذریعہ ملکیت حاصل ہو جائے تو اس سے وطی نہ کرے جب تک کہ وہ ایک حیض آنے سے اپنے رحم کی صفائی حاصل نہ کرے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے رحم میں سابقہ مولیٰ کا نطفہ ہو جس سے دو مردوں کے پانی اور نسب میں اختلاط لازم آتا ہے، پھر اگر وہ حاملہ ہو تو حقیقۃً اختلاط لازم آئے

([1])قُلْتُ: هُمَا حَدِيثَانِ: فَالْأَوَّلُ: أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ فِي سُنَنِهِ فِي النِّكَاحِ عَنْ إسْحَاقَ بْنِ عِيسَى عَنْ ابْنِ لَهِيعَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحْرِزِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ أَنْ يَعْزِلَ عَنْ الْحُرَّةِ إلَّا بِإِذْنِهَا، انْتَهَى. وَرَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ، والدارقطني، ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنَيْهِمَا، قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: تَفَرَّدَ بِهِ إسْحَاقُ الطَّبَّاعُ عَنْ ابْنِ لَهِيعَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ الزهري عن مُحْرِزِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ، قَالَ: وَوَهَمَ فِيهِ أَيْضًا، خالفه عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، فَرَوَاهُ عَنْ ابْنِ لَهِيعَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ، وَوَهَمَ فِيهِ أَيْضًا، وَالصَّوَابُ عَنْ حَمْزَةَ عَنْ عُمَرَ مُرْسَلٌ، لَيْسَ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ، انْتَهَى. الْحَدِيثُ الثَّانِي: أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا فِي النِّكَاحِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ الْأَنْصَارِ إلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إنَّ لِي جَارِيَةً أَطُوفُ عَلَيْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، فَقَالَ: "اعْزِلْ عَنْهَا إنْ شِئْتَ، فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا"، فَلَبِثَ الرَّجُلُ، ثُمَّ أَتَاهُ، فَقَالَ: إنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَمَلَتْ، قَالَ: "قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهَا سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا". (نصب الراية:4ص555)

گا اور اگر حاملہ نہ ہو تو اختلاط کا توہم پایا جاتا ہے اس لیے ایک حیض تک انتظار کا حکم ہے تا کہ حیض آنے سے ثابت ہو جائے کہ سابقہ مولی کا نطفہ اس کے رحم میں نہیں ہے لہذا اختلاطِ نسب کا توہم نہیں ہے اس لیے اب اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔ وغیرہ سے مراد ایسی باندی کے ساتھ مصافحہ، معانقہ اور اس کا بوسہ لینے کے احکام ہیں۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے مطلق وطی کا ذکر تھا اب اس فصل میں مقید وطی (وطی بشرطِ استبراء) کا حکم بیان فرماتے ہیں، اور مقید بمنزلہ مرکب ہے اور مرکب مفرد کے بعد ہوتا ہے اس لیے اس فصل کو مؤخر کر دیا۔

{۱}قَالَ : وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً فَإِنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا وَلَا يَلْمِسُهَا وَلَا يُقَبِّلُهَا وَلَا يَنْظُرُ إِلَى فَرْجِهَا
فرمایا: اور جو شخص خرید لے باندی تو وہ وطی نہ کرے اس سے، اور نہ چھوئے اس کو اور نہ بوسہ لے اس کا، اور نہ دیکھے اس کے فرج کو

بِشَهْوَةٍ حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا ؛ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ " { أَلَا
شہوت سے یہاں تک کہ اس کا استبراء کرائے، اور اصل اس بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے اوطاس کی قیدیوں کے بارے میں "خبردار!

لَا تُوطَأُ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ، وَلَا الْحَيَالَى حَتَّى يَسْتَبْرِأْنَ بِحَيْضَةٍ } " أَفَادَ
وطی نہ کی جائے حاملہ سے یہاں تک کہ وضع حمل کر دے، اور نہ غیر حاملہ سے یہاں تک کہ استبراء حاصل کریں ایک حیض سے" اس نے فائدہ دیا

وُجُوبَ الِاسْتِبْرَاءِ عَلَى الْمَوْلَى، وَدَلَّ عَلَى السَّبَبِ فِي الْمَسْبِيَّةِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَوْجُودُ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ
وجوبِ استبراء کا مولیٰ پر، اور دلالت کیا سبب پر قیدی عورت میں، اور وہ جدتِ مِلک اور قبضہ ہے؛ کیونکہ استحداث ہی موجود ہے موردِ نص میں

{۲}وَهَذَا لِأَنَّ الْحِكْمَةَ فِيهِ التَّعَرُّفُ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ صِيَانَةً لِلْمِيَاهِ الْمُحْتَرَمَةِ عَنِ الِاخْتِلَاطِ وَالْأَنْسَابِ عَنِ الِاشْتِبَاهِ، وَذَلِكَ
اور یہ اس لیے کہ حکمت اس میں پہچاننا ہے رحم کی براءت بچاتے ہوئے محترم پانی کو اختلاط سے اور نسبوں کا اشتباہ سے۔ اور یہ پہچاننا

عِنْدَ حَقِيقَةِ الشُّغْلِ أَوْ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ بِمَاءٍ مُحْتَرَمٍ، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ ، {۳}وَيَجِبُ
رحم کے حقیقۃً مشغول ہونے یا توہم شغل کے وقت ہے محترم پانی کے ساتھ، اور استبراء اس وجہ سے تا کہ ہو بچہ ثابت النسب، اور واجب ہے

عَلَى الْمُشْتَرِي لَا عَلَى الْبَائِعِ؛ لِأَنَّ الْعِلَّةَ الْحَقِيقِيَّةَ إِرَادَةُ الْوَطْءِ، وَالْمُشْتَرِي هُوَ الَّذِي يُرِيدُهُ دُونَ الْبَائِعِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ
مشتری پر نہ کہ بائع پر؛ کیونکہ علتِ حقیقیہ ارادۂ وطی ہے اور مشتری ہی وہ ہے جو وطی کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ بائع، پس واجب ہے مشتری پر

غَيْرَ أَنَّ الْإِرَادَةَ أَمْرٌ مُبْطَنٌ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى دَلِيلِهَا، وَهُوَ التَّمَكُّنُ مِنَ الْوَطْءِ وَالتَّمَكُّنُ إِنَّمَا يَثْبُتُ بِالْمِلْكِ وَالْيَدِ فَانْتَصَبَ

البتہ ارادہ امر مخفی ہے پس دائر ہو گا حکم اس کی دلیل پر اور وہ قدرت ہے وطی پر، اور قدرت ثابت ہوتی ہے ملک اور قبضہ سے، پس قائم ہوا

سَبَبًا وَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ تَيْسِيرًا، فَكَانَ السَّبَبُ اسْتِحْدَاثَ مِلْكِ الرَّقَبَةِ الْمُؤَكَّدِ بِالْيَدِ وَتَعَدَّى الْحُكْمُ إِلَى سَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ

یہی سبب بن کر اور دائر کیا گیا حکم اسی پر آسانی کے لیے پس سبب جدت ملک رقبہ ہے جو مؤکد ہو قبضہ سے، اور متعدی ہو گا حکم دیگر اسباب ملک کی طرف

كَالشِّرَاءِ وَالْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَالْمِيرَاثِ وَالْخُلْعِ وَالْكِتَابَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ ﴿۴﴾ وَكَذَا يَجِبُ عَلَى الْمُشْتَرِي مِنْ مَالِ الصَّبِيِّ وَمِنْ الْمَرْأَةِ

جیسے خرید، ہبہ، وصیت، میراث، خلع اور کتابت وغیرہ۔ اور اسی طرح واجب ہے خریدنے والے پر بچے کے مال سے

وَالْمَمْلُوكِ وَمِمَّنْ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا، وَكَذَا إِذَا كَانَتِ الْمُشْتَرَاةُ بِكْرًا لَمْ تُوطَأْ لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ

اور مملوک اور اس شخص سے جس کے لیے حلال نہیں اس سے وطی کرنا، اور اسی طرح جب ہو خریدی ہوئی باکرہ وطی نہ کی گئی ہو؛ تحقق سبب کی وجہ سے

وَإِدَارَةُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْأَسْبَابِ دُونَ الْحِكَمِ ؛لِبُطُونِهَا فَيُعْتَبَرُ تَحَقُّقُ السَّبَبِ عِنْدَ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ . ﴿۵﴾ وَكَذَا

اور مدار احکام کا اسباب پر ہے نہ کہ حکمتوں پر؛ ان کے مخفی ہونے کی وجہ سے پس اعتبار ہو گا تحقق سبب کا توہم شغل کے وقت، اور اسی طرح

لَا يُجْتَزَأُ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي اشْتَرَاهَا فِي أَثْنَائِهَا وَلَا بِالْحَيْضَةِ الَّتِي حَاضَتْهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَسْبَابِ الْمِلْكِ

کافی نہ ہو گا وہ حیض جس کے درمیان میں باندی کو خریدا ہے اور نہ وہ حیض جس کی وجہ سے وہ حائضہ ہوئی خرید کے بعد یا دیگر اسباب ملک کے

قَبْلَ الْقَبْضِ ، وَلَا بِالْوِلَادَةِ الْحَاصِلَةِ بَعْدَهَا قَبْلَ الْقَبْضِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ

قبضہ سے پہلے، اور نہ اس ولادت کا اعتبار ہو گا جو حاصل ہو اسباب ملک کے بعد قبضہ سے پہلے، اختلاف ہے امام ابو یوسف کا؛ کیونکہ سبب

اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ ، وَالْحُكْمُ لَا يَسْبِقُ السَّبَبَ ،﴿۶﴾ وَكَذَا لَا يُجْتَزَأُ بِالْحَاصِلِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ

استحداث ملک اور قبضہ ہے، اور حکم سبقت نہیں کرتا سبب سے، اور اسی طرح کافی نہ ہو گا وہ استبراء جو حاصل ہو مالک کی اجازت سے پہلے

فِي بَيْعِ الْفُضُولِيِّ وَإِنْ كَانَتْ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي، وَلَا بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الْقَبْضِ فِي الشِّرَاءِ الْفَاسِدِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا

بیع فضولی میں اگرچہ مشتری کے قبضہ میں، اور نہ وہ استبراء جو قبضہ کے بعد حاصل ہو شراءِ فاسد میں پہلے اس سے کہ خرید لے اس کو

شِرَاءً صَحِيحًا لِمَا قُلْنَا

صحیح خرید کے ساتھ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

تشریح: ﴿۱﴾ جو شخص کوئی باندی خریدے تو وہ اس سے وطی نہیں کرے گا اور نہ اس کو چھوئے گا اور نہ اس کا بوسہ لے گا اور نہ اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھے گا یہاں تک کہ وہ اس کا استبراء کرائے یعنی جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آئے اس سے وطی اور دواعی وطی سے اجتناب کرے؛ اس بارے میں اصل اوطاس مقام (غزوۂ حنین) میں گرفتار کی گئی عورتوں کے بارے میں

حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "خبردار! حاملہ عورتوں سے وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ اپنا حمل جن دیں، اور نہ بے حمل والیوں سے یہاں تک کہ وہ استبراء کریں ایک حیض سے"[1] جس میں مولیٰ کے لیے استبراء سے پہلے وطی سے ممانعت آئی ہے اور اس حدیث میں گرفتار عورت سے وطی کی ممانعت کے سبب پر دلالت پائی جاتی ہے اور وہ سبب مِلک اور قبضہ کا پیدا ہونا ہے؛ کیونکہ حدیث وارد ہونے کے مورد میں یہی بات (مِلک اور قبضہ کا استحداث) پائی جاتی ہے لہٰذا یہ سبب (ملک اور قبضہ کا استحداث) جہاں پایا جائے گا وہاں استبراء کا حکم بھی پایا جائے گا۔

{۲} اور استبراء اس لیے واجب ہے کہ اس میں حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے رحم کی براءت اور سابقہ مالک کے نطفہ سے خالی ہونا معلوم ہوتا ہے تاکہ ایک کا پانی (نطفہ) دوسرے کے پانی کے ساتھ مختلط نہ ہو اور بچے کا نسب مشتبہ نہ ہو اور اختلاط اور اشتباہ سے حفاظت رحم کا حقیقۃً محترم پانی (نطفہ) کے ساتھ مشغول ہونے کے وقت ہوتا ہے کہ باندی سابقہ مالک سے حاملہ ہو یا توہم شغل کے وقت ہوتا ہے کہ باندی ایسی باکرہ ہو جس کے ساتھ سابقہ مالک نے وطی نہ کی ہو، اور استبراء اس لیے ہوتا ہے تاکہ بچہ کا نئے مالک سے نسب ثابت ہو اس میں اشتباہ نہ ہو۔

{۳} استبراء مشتری پر واجب ہے بائع پر واجب نہیں ہے؛ کیونکہ استبراء کی حقیقی علت باندی کے ساتھ وطی کرنے کا ارادہ ہے ظاہر ہے کہ وطی کا ارادہ مشتری ہی کرتا ہے نہ کہ بائع، لہٰذا استبراء بھی مشتری ہی پر واجب ہوگا، البتہ وطی کا ارادہ چونکہ مخفی چیز ہے اس لیے حکمِ استبراء کا مدار ارادہ کی دلیل پر رکھا گیا ہے اور ارادہ کی دلیل وطی پر قدرت ہے اور قدرت مِلک اور قبضہ سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا مِلک اور قبضہ ہی سبب ہے اور آسانی کے لیے اسی پر حکمِ استبراء کا مدار رکھا گیا ہے، پس گرفتار شدہ باندی میں سبب اس کی مِلک رقبہ کا پایا جانا ہے جو قبضہ کے ساتھ مؤکد ہو، پھر اس سے دیگر اسباب مِلک کی طرف حکم کو متعدی کیا گیا ہے جیسے خرید، ہبہ، وصیت اور میراث سے مِلک کا حاصل ہو تو مالک پر استبراء کرانا واجب ہے، یا خلع یا کتابت کا بدل باندی کو قرار دینے سے مِلک حاصل ہو گئی، یا اس کے علاوہ مثلاً صدقہ سے مِلک حاصل ہو گئی تو ان سب صورتوں میں مالک پر استبراء کرانا واجب ہوگا۔

{۴} اسی طرح اگر کسی نے بچے کی باندی خریدی تو بھی مشتری پر استبراء کرانا واجب ہے اگرچہ یہ بات معلوم ہے کہ بچہ وطی نہیں کر سکتا ہے مگر مشتری پر استبراء واجب ہے؛ کیونکہ سبب (استحداث مِلک وقبضہ) پایا گیا، اسی طرح اگر عورت کی باندی خریدی، یا ماذون فی التجارۃ غلام کی باندی خریدی یا ایسے شخص سے خریدی جس کے لیے اس باندی سے وطی کرنا حلال نہ ہو مثلاً بائع کی رضاعی بہن

([1]) قلت: أخرجه أبو داود في النكاح عن شريك عن قيس بن وهب عن أبي الوداك عن الخدري، ورفعه أنه قال في سبايا أوطاس: "لا توطأ حامل حتى تضع، ولا غير ذات حمل حتى تحيض حيضة"، (نصب الراية: 4ص556)

خریدی تو بھی مشتری پر استبراء کرانا واجب ہے؛ کیونکہ سببِ استبراء پایا گیا، اسی طرح اگر خریدی گئی باندی باکرہ ہو جس سے وطی نہ کی گئی ہو تو بھی مشتری پر استبراء کرانا واجب ہے؛ کیونکہ سببِ استبراء پایا گیا، اگرچہ یہاں استبراء سے اس کی حکمت (رحم کی براءت) ثابت نہیں ہو رہی ہے اس لیے کہ مذکورہ صورتوں میں استبراء کے بغیر باندی کا رحم سابقہ مالک کے نطفہ سے فارغ ہے، مگر چونکہ احکام کا مدار اسباب پر ہے حکمتوں پر نہیں ہے؛ کیونکہ حکمتیں مخفی ہوتی ہیں، لہٰذا رحم کا سابقہ مالک کے نطفہ کے ساتھ مشغول ہونے کے توہم کے وقت سبب کا تحقق معتبر ہو گا یعنی جب سببِ استبراء پایا جائے تو استبراء واجب ہو گا۔

{۵} اور وہ حیض استبراء کے لیے کافی نہ ہو گا جس کے درمیان میں باندی کو خریدا ہو بلکہ استبراء کے لیے مستقل حیض گذارنا ضروری ہے، اسی طرح وہ حیض بھی کافی نہ ہو گا جو خرید یا دیگر اسبابِ ملک (ہبہ، میراث وغیرہ) کے بعد آیا ہو مگر قبضہ سے پہلے ہو، اسی طرح اسبابِ ملک کے بعد اور قبضہ سے پہلے اگر باندی نے بچہ جنا تو استبراء کے لیے یہ ولادت کافی نہیں ہے بلکہ قبضہ کے بعد مستقل حیض گذارنا ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ رحم یقیناً فارغ ہو چکا ہے تو اسی پر اکتفا کیا جائے گا مستقل حیض گذارنا ضروری نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہی ہے کہ وجوبِ استبراء کا سبب ملک اور قبضہ کا پیدا ہونا ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم سبب کے بعد آتا ہے سبب سے پہلے نہیں آتا ہے اس لیے ملک اور قبضہ سے پہلے استبراء کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

فتویٰ:۔ وجوب الاستبراء راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: الراجح عند أكثر المشائخ هو الاول يعنی وجوب الاستبراء و هو الموافق لظاهر الحدیث الخ (هامش الهداية: 4ص463)

{۶} اسی طرح اگر فضولی شخص نے کسی کے لیے باندی خریدی تو یہ بیع اصیل کی اجازت پر موقوف ہے اور اصیل نے ابھی تک اجازت نہ دی ہو کہ باندی کو حیض آگیا، پھر اصیل نے اجازت دی تو یہ حیض استبراء کے لیے کافی نہ ہو گا اگرچہ باندی مشتری کے قبضہ میں ہو؛ کیونکہ سبب استحداثِ ملک اور قبضہ ہے اور یہ سبب ابھی تک حاصل نہیں ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم سبب سے پہلے نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر باندی کو شراءِ فاسد کے ساتھ خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا مگر اس کو شراءِ صحیح کے ساتھ خریدنے سے پہلے اس کو حیض آیا تو یہ حیض استبراء کے لیے کافی نہ ہو گا؛ دلیل وہی ہے جو ہم کہہ چکے کہ سبب استحداثِ ملک ہے اور حکم سبب سے پہلے نہیں ہوتا ہے۔

{۱} وَيَجِبُ فِي جَارِيَةٍ لِلْمُشْتَرِي فِيهَا شِقْصٌ فَاشْتَرَى الْبَاقِيَ ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَمَّ

اور واجب ہے اس باندی میں جس میں مشتری کا حصہ ہو، پھر اس نے خرید لیا باقی کو؛ کیونکہ سبب تام ہوا

الْآنَ ، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إِلَى تَمَامِ الْعِلَّةِ .﴿٢﴾وَيُجْتَزَأُ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي حَاضَتْهَا بَعْدَ الْقَبْضِ وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ

ابھی، اور حکم منسوب ہوتا ہے پوری علت کی طرف، اور کافی ہو جائے گا وہ حیض جس کے ساتھ وہ حائضہ ہوئی قبضہ کے بعد حالانکہ وہ مجوسیہ تھی

أَوْ مُكَاتَبَةٌ بِأَنْ كَاتَبَهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ ثُمَّ أَسْلَمَتِ الْمَجُوسِيَّةُ أَوْ عَجَزَتِ الْمُكَاتَبَةُ لِوُجُودِهَا بَعْدَ السَّبَبِ

یا مکاتبہ تھی بایں طور کہ مولیٰ نے مکاتبہ کیا اس کو شراء کے بعد، پھر اسلام لایا مجوسیہ نے یا عاجز ہوگئی مکاتبہ؛ بوجہ موجود ہونے حیض کے سبب کے بعد

وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ إِذْ هُوَ مُقْتَضٍ لِلْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ لِمَانِعٍ كَمَا فِي حَالَةِ الْحَيْضِ

اور وہ استحداث ملک اور قبضہ ہے؛ کیونکہ یہی مقتضی ہے حلت وطی کا اور حرمت کسی مانع کی وجہ سے تھی جیسا کہ حالت حیض میں ہوتا ہے

﴿٣﴾ وَلَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ إِذَا رَجَعَتِ الْآبِقَةُ أَوْ رُدَّتِ الْمَغْصُوبَةُ أَوِ الْمُؤَاجَرَةُ أَوْ فُكَّتِ الْمَرْهُونَةُ

اور واجب نہیں استبراء جب لوٹ آئے بھگوڑی باندی، یا واپس کردی جائے مغصوبہ یا اجرت پر دی ہوئی باندی اور چھڑادی جائے مرہونہ باندی

لِانْعِدَامِ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ وَهُوَ سَبَبٌ مُتَعَيِّنٌ فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ وُجُودًا وَعَدَمًا، وَلَهَا نَظَائِرُ كَثِيرَةٌ

انعدام سبب کی وجہ سے، اور وہ استحداث ملک اور قبضہ ہے، اور وہ سبب معین ہے پس دائر کیا گیا حکم اس پر وجوداً اور عدماً، اور اس کی بہت ساری نظیریں ہیں

كَتَبْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى .﴿٤﴾وَإِذَا ثَبَتَ وُجُوبُ الِاسْتِبْرَاءِ وَحُرْمَةُ الْوَطْءِ حَرُمَ الدَّوَاعِي لِإِفْضَائِهَا

جن کو ہم نے لکھ لیا ہے "کفایۃ المنتہی" میں۔ اور جب ثابت ہوا وجوب استبراء اور حرام ہوگئی وطی تو حرام ہوں گے دواعی؛ بوجہ ان کے مفضی ہونے کے

إِلَيْهِ. أَوْ لِاحْتِمَالِ وُقُوعِهَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ عَلَى اعْتِبَارِ ظُهُورِ الْحَبَلِ وَدِعْوَةِ الْبَائِعِ﴿٥﴾بِخِلَافِ الْحَائِضِ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ

وطی کی طرف، یا احتمال وقوع کی وجہ سے غیر ملک میں ظہور حمل اور دعویٰ بائع کے احتمال پر، برخلاف حائضہ کے کہ حرام نہیں ہوتے ہیں

الدَّوَاعِي فِيهَا لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْوُقُوعَ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ ، وَلِأَنَّهُ زَمَانُ نَفْرَةٍ فَالْإِطْلَاقُ فِي الدَّوَاعِي لَا يُفْضِي

دواعی اس میں؛ کیونکہ احتمال نہیں رکھتا ہے واقع ہونے کا غیر ملک میں، اور اس لیے کہ یہ زمانہ نفرت ہے، پس اجازت دواعی مفضی نہ ہوگی

إِلَى الْوَطْءِ وَالرَّغْبَةُ فِي الْمُشْتَرَاةِ قَبْلَ الدُّخُولِ أَصْدَقُ الرَّغَبَاتِ فَتُفْضِي إِلَيْهِ﴿٦﴾وَلَمْ يُذْكَرِ الدَّوَاعِي فِي الْمَسْبِيَّةِ

وطی کو، اور رغبت خریدی ہوئی میں دخول سے پہلے کامل رغبت ہوتی ہے پس وہ مفضی ہوگی وطی کو۔ اور ذکر نہیں کیا گیا دواعی کو قید شدہ باندی میں

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا لَا تَحْرُمُ ؛ لِأَنَّهَا لَا يَحْتَمِلُ وُقُوعُهَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ لِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ

اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ دواعی حرام نہیں؛ کیونکہ یہ دواعی احتمال نہیں رکھتے ہیں اپنے وقوع کا غیر ملک میں، اس لیے کہ اگر ظاہر ہو جائے

بِهَا حَبَلٌ لَا تَصِحُّ دِعْوَةُ الْحَرْبِيِّ بِخِلَافِ الْمُشْتَرَاةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .﴿٧﴾ وَالِاسْتِبْرَاءُ فِي الْحَامِلِ بِوَضْعِ الْحَمْلِ؛

قید شدہ میں حمل تو بھی صحیح نہیں ہے حربی کا دعویٰ، بر خلاف خریدی ہوئی کے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ اور استبراء حاملہ میں وضع حمل سے ہے

لِمَا رَوَيْنَا . وَفِي ذَوَاتِ الْأَشْهُرِ بِالشَّهْرِ ؛ لِأَنَّهُ أُقِيمَ فِي حَقِّهِنَّ مَقَامَ الْحَيْضِ

اس حدیث کی وجہ سے جو روایت کر چکے، اور مہینہ والی عورتوں میں مہینہ سے؛ کیونکہ مہینہ کو قائم مقام بنایا ہے ان کے حق میں حیض کے

كَمَا فِي الْمُعْتَدَّةِ ، ﴿۸﴾ وَإِذَا حَاضَتْ فِي أَثْنَائِهِ بَطَلَ الِاسْتِبْرَاءُ بِالْأَيَّامِ ؛ لِلْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ

جیسا کہ معتدہ میں ہے، اور جب مہینہ والی عورت حائضہ ہو جائے درمیان ایام میں تو باطل ہو جائے گا استبراء بالایام؛ بوجہ قادر ہونے اصل پر

قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ كَمَا فِي الْمُعْتَدَّةِ ﴿۹﴾ فَإِنِ ارْتَفَعَ حَيْضُهَا تَرَكَهَا، حَتَّى إِذَا تَبَيَّنَ أَنْ لَيْسَتْ بِحَامِلٍ

بدل سے حصول مقصود سے پہلے جیسا کہ عدت میں ہے، پھر اگر ختم ہوا اس کا حیض تو چھوڑ دے اس کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے کہ یہ حاملہ نہیں ہے

وَقَعَ عَلَيْهَا وَلَيْسَ فِيهِ تَقْدِيرٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ . وَقِيلَ يَتَبَيَّنُ بِشَهْرَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ.

تو جماع کر لے اس سے، اور نہیں ہے اس میں کوئی اندازہ ظاہر الروایت میں، اور کہا گیا ہے کہ ظاہر ہو جائے گا دو یا تین مہینوں سے،

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ أَيَّامٍ ، وَعَنْهُ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ اعْتِبَارًا بِعِدَّةِ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ

اور امام محمدؒ سے مروی ہیں چار ماہ دس دن، اور انہی سے مروی ہے دو مہینے پانچ دن؛ قیاس کرتے ہوئے آزاد عورت کی عدت یا باندی کی عدت

فِي الْوَفَاةِ . وَعَنْ زُفَرَ سَنَتَانِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ .

بعد الوفات پر، اور امام زفرؒ سے دو سال منقول ہیں، اور یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے۔

تشریح: ﴿۱﴾ ایک شخص کسی باندی کے ایک حصے کا مالک ہو پھر اس نے بقیہ باندی اپنے شریک سے خرید لی تو مشتری پر استبراء کرانا واجب ہے؛ کیونکہ سببِ استبراء (استحداثِ مِلک) ابھی تام ہوا اور حکم کی اضافت پوری علت کی طرف ہوتی ہے بعض علت کی طرف نہیں ہوتی ہے پس گویا سببِ استبراء اب پایا گیا اس لیے استبراء کرانا واجب ہو گا۔

﴿۲﴾ اگر کسی نے مجوسیہ باندی خریدی اور اس کو ایک حیض آیا، پھر وہ مسلمان ہو گئی تو جو حیض حالتِ مجوسیت میں گذر گیا استبراء کے لیے وہی کافی ہے، اسی طرح اگر کسی نے باندی خریدی اور اس کو مکاتبہ بنا دیا اسی دوران اس کو حیض آ گیا، پھر اس نے بدلِ کتابت کو ادا کرنے سے اپنی عاجزی ظاہر کر کے عقدِ کتابت کو فسخ کر دیا تو جو حیض حالتِ کتابت میں گذر گیا استبراء کے لیے وہی کافی ہے؛ کیونکہ جو حیض حالتِ مجوسیت اور حالتِ کتابت میں آ چکا ہے وہ مِلک اور قبضہ پائے جانے کے بعد آیا ہے پس سبب کے بعد حیض آنے سے استبراء حاصل ہونے کی وجہ سے وہ اس کے لیے حلال ہو گئی البتہ ایک مانع (مجوسیت یا کتابت) کی وجہ سے وطی حرام تھی

جیسا کہ حالتِ حیض میں وطی مانع (حیض) کی وجہ سے حرام ہوتی ہے، اور اب وہ مانع (مجوسیت اور کتابت) زائل ہو گیا اس لیے اس سے وطی کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

{۳} اگر کوئی باندی بھاگ گئی، پھر واپس اپنے مولیٰ کے پاس آگئی، یا کسی نے غصب کی تھی پھر غاصب نے مغصوبہ باندی مالک کو واپس کر دی، یا کسی کو اجرت پر دی تھی پھر مستاجر نے اس کو واپس کر دیا، یا قرضخواہ کے پاس بطورِ رہن رکھی تھی پھر مالک نے قرضہ ادا کر کے اس کو مرتہن کے قبضہ سے چھڑا دیا، تو ان چاروں صورتوں میں استبراء واجب نہیں ہے؛ کیونکہ وجوبِ استبراء کا سبب مِلک اور قبضہ کا پیدا ہونا ہے اور یہ سبب متعین ہے استبراء کا حکم اسی پر وجوداً وعدماً دائر ہے یعنی اگر یہ سبب پایا گیا تو استبراء واجب ہو گا ورنہ واجب نہ ہو گا، اور چونکہ ان چاروں صورتوں میں یہ سبب نہیں پایا جا رہا ہے اس لیے استبراء بھی واجب نہ ہو گا، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کے بہت سارے نظائر ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب "کِفَایَۃ المُنتھِی" میں بیان کیا ہے۔

{۴} صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا کہ استبراء واجب ہے اور استبراء سے پہلے وطی حرام ہے تو دواعی وطی (بوسہ لینا اور چھونا وغیرہ) بھی حرام ہوں گے؛ کیونکہ یہ حرام وطی کی طرف پہنچانے والی چیزیں ہیں اور قاعدہ ہے کہ حرام کو پہنچانے والی چیز بھی حرام ہوتی ہے اس لیے دواعی وطی حرام ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ استبراء سے پہلے یہ احتمال موجود ہے کہ دواعی وطی بلا مِلک واقع ہو جائیں؛ بایں طور کہ باندی کو حمل ظاہر ہو جائے اور بائع اس کا دعویٰ کرے کہ یہ حمل مجھ سے ہے تو باندی بائع کی ام ولد ہو جائے گی جس کی بیع جائز نہیں ہے لہٰذا یہ بیع نہیں ہوئی ہے اس لیے مشتری اس کا مالک نہیں ہے تو مشتری نے جو دواعی وطی کیے ہیں وہ بلا مِلک کیے ہیں اور بلا مِلک دواعی وطی حرام ہیں۔

{۵} سوال یہ ہے کہ جب وطی حرام ہونے کی صورت میں دواعی وطی بھی حرام ہوتے ہیں تو حالتِ حیض میں وطی حرام ہے لہٰذا دواعی وطی بھی حرام ہونے چاہیئے حالانکہ حالتِ حیض میں دواعی وطی حرام نہیں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حیض کی صورت میں دواعی وطی میں یہ احتمال نہیں ہے کہ غیر کی مِلک میں واقع ہو جائیں؛ کیونکہ حیض کے باوجود وہ اس کی مِلک ہے اس لیے حیض کی حالت میں دواعی ممنوع نہیں ہیں، نیز حیض کی حالت نفرت کا زمانہ ہے لہٰذا اس زمانے میں دواعی کی اباحت وطی کی طرف مفضی نہیں ہوتی ہے، اس کے برخلاف خریدی ہوئی باندی میں دخول سے پہلے کامل رغبت ہوتی ہے اس لیے اس میں دواعی وطی کی اباحت وطی کی طرف مفضی ہو گی، پس اس فرق کی وجہ سے ایک حالت میں دواعی مباح اور دوسری حالت میں ممنوع ہوں گے۔

{٦} جس عورت کو جنگ کی حالت میں گرفتار کیا گیا ہو اور وہ کسی مجاہد کو دیدی گئی تو مجاہد کے لیے استبراء سے پہلے اس سے وطی کرنا تو جائز نہیں ہے، اور دواعی وطی کا کیا حکم ہے تو اس بارے میں ظاہر الروایت میں کچھ مذکور نہیں ہے، البتہ نوادر میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ مجاہد کے لیے دواعی وطی حرام نہیں؛ کیونکہ یہاں دواعی وطی میں یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ غیر کی ملک میں واقع ہو جائیں اس لیے کہ یہاں اگر حمل ظاہر ہو جائے اور عورت کا حربی شوہر اس کا دعوی کرے تو اس کا دعوی صحیح نہیں ہے اور جب اس کا دعوی صحیح نہیں ہے تو اس عورت میں حربی کی ملک کا احتمال بھی نہیں رہے گا لہذا مجاہد کی طرف سے دواعی وطی غیر کی ملک میں واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے، برخلافِ خریدی ہوئی باندی کے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اس کا حمل ظاہر ہونے کی صورت میں بائع کا دعوی کرنا صحیح اور مسموع ہے اس لیے اس میں غیر کی ملک میں دواعی کا وقوع ممکن ہے۔

{٧} جو باندی حاملہ ہو اس کا استبراء وضعِ حمل سے ہوگا؛ دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خبردار! حاملہ عورتوں سے وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ اپنا حمل جن دیں، اور نہ بے حمل والیوں سے یہاں تک کہ وہ استبراء کریں ایک حیض سے"۔ اور جس باندی کو حیض نہ آتا ہو صغر سنی یا انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے اس کا استبراء ایک مہینہ گذارنے سے ہوگا؛ کیونکہ اس کے حق میں مہینہ حیض کا قائم مقام ہے جیسے وہ عورت جو عدتِ طلاق گذار رہی ہو تو اس کو اگر حیض نہ آتا ہو تو وہ مہینوں سے عدت گذارتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔

{٨} اگر باندی مہینے سے استبراء کر رہی ہو اتفاق سے مہینے کے درمیان میں اس کو حیض آگیا تو اب اس کا استبراء حیض سے ہوگا دنوں سے جو وہ استبراء کر رہی تھی وہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ بدل (مہینے) سے مقصود حاصل کرنے سے پہلے وہ اصل (حیض) پر قادر ہو گئی اور قاعدہ ہے کہ اصل پر قدرت سے بدل باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ عدت میں یہی حکم ہے مثلاً حیض سے مایوس عورت مہینوں سے عدت گذار رہی تھی کہ اتفاق سے اس کو حیض آگیا تو مہینوں سے عدت گذارنے کا حکم باطل ہو جائے گا لہذا اب وہ حیض سے عدت گذارے گی۔

{٩} اور اگر کسی نے حیض والی باندی خریدی، مگر اب اس کو حیض آنا بند ہو گیا تو مشتری اس سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کو حمل نہیں ہے بایں طور کہ مدت گذرنے کے بعد اس کا دودھ نہیں اترا اور نہ اس کا پیٹ بڑھا تو معلوم ہوا کہ اس کو حمل نہیں ہے لہذا مشتری اب اس سے وطی کر سکتا ہے، باقی یہ کہ کتنی مدت میں حمل نہ ہونا ظاہر ہو جائے گا، تو ظاہر الروایت میں اس کی کوئی اندازہ نہیں بتایا گیا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ دو یا تین مہینے تک انتظار کرے؛ کیونکہ اتنی مدت میں یہ بات معلوم

ہو جاتی ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ چار ماہ دس دن تک انتظار کرے؛ کیونکہ یہ آزاد عورت کی عدتِ وفات ہے، اور امام محمدؒ سے دوسری روایت مروی ہے کہ دو ماہ پانچ دن تک انتظار کرے؛ کیونکہ یہ باندی کی عدتِ وفات ہے، اور امام زفرؒ سے مروی ہے کہ دو سال تک انتظار کرے یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے بھی ہے؛ کیونکہ دو سال سے زیادہ بچہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا ہے تو جب دو سال تک وہ بچہ نہیں جنی تو معلوم ہوا کہ اس کے رحم میں بچہ نہیں ہے۔

فتویٰ:۔ امام محمدؒ کا وہ قول راجح ہے جس میں کہا ہے کہ دو ماہ پانچ دن تک انتظار کرے لما فی مجمع الانھر: (وَفِي رِوَايَةٍ) (عَنْ مُحَمَّدٍ بِنِصْفِهَا) أَيْ بِشَهْرَيْنِ وَخَمْسَةِ أَيَّامٍ.وَفِي الْمِنَحِ نَقْلًا عَنْ الْكَافِي وَالْفَتْوَى عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْمُدَّةَ مَتَى صَلَحَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ شُغْلٍ يُوهِمُ بِالنِّكَاحِ فِي الْإِمَاءِ فَلَأَنْ يَحْصُلَ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ شُغْلٍ يُتَوَهَّمُ بِمِلْكِ الْيَمِينِ وَهُوَ دُونَهُ أَوْلَى. (مجمع الانھر:4ص208)

{۱}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِالِاحْتِيَالِ لِإِسْقَاطِ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ ، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْوَجْهَيْنِ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں حیلہ کرنے میں اسقاطِ استبراء کے لیے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اختلاف ہے امام محمدؒ کا، اور ہم ذکر چکے دونوں کی توجیہ

فِي الشُّفْعَةِ .وَالْمَأْخُوذُ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ فِيمَا إذَا عُلِمَ أَنَّ الْبَائِعَ لَمْ يَقْرَبْهَا فِي طُهْرِهَا ذَلِكَ

کتاب الشفعہ میں، اور معتبر امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اس صورت میں جب معلوم ہو کہ بائع اس کے قریب نہیں گیا ہے اس کے اس طہر میں

وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ فِيمَا إذَا قَرِبَهَا .{۲}وَالْحِيلَةُ إذَا لَمْ يَكُنْ تَحْتَ الْمُشْتَرِي حُرَّةٌ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا

اور امام محمدؒ کا قول اس وقت جب بائع اس سے جماع کر چکا ہو، اور حیلہ یہ ہے کہ جب نہ ہو مشتری کے تحت میں کوئی آزاد عورت تو نکاح کر دے اس کا

قَبْلَ الشِّرَاءِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا .{۳}وَلَوْ كَانَتْ فَالْحِيلَةُ أَنْ يُزَوِّجَهَا الْبَائِعُ قَبْلَ الشِّرَاءِ

شراء سے پہلے پھر خرید لے اس کو، اور اگر آزاد عورت اس کے نکاح میں ہو تو حیلہ یہ ہے کہ نکاح کر دے اس کا بائع خرید سے پہلے

أَوْ الْمُشْتَرِي قَبْلَ الْقَبْضِ مِمَّنْ يُوثَقُ بِهِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا وَيَقْبِضَهَا ثُمَّ يُطَلِّقَ الزَّوْجُ؛

یا مشتری قبضہ سے پہلے اس کے ساتھ جس پر اعتماد ہو، پھر خرید لے اس کو اور قبض کر لے اس کو، یا قبض کر لے اس کو پھر طلاق دے شوہر

لِأَنَّ عِنْدَ وُجُودِ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ الْمُؤَكَّدِ بِالْقَبْضِ إذَا لَمْ يَكُنْ فَرْجُهَا حَلَالًا لَهُ لَا يَجِبُ

کیونکہ وجودِ سبب کے وقت، اور وہ استحداث ہے ایسی ملک کا جو مؤکد بالقبض ہو، جب نہ ہو اس کا فرج حلال اس کے لیے تو واجب نہیں ہے

الِاسْتِبْرَاءُ .وَإِنْ حَلَّ بَعْدَ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَوَانُ وُجُودِ السَّبَبِ كَمَا إذَا كَانَتْ مُعْتَدَّةَ الْغَيْرِ {۴}قَالَ : وَلَا يَقْرَبُ الْمُظَاهِرُ

استبراء اگرچہ حلال ہو جائے اس کے بعد؛ کیونکہ معتبر وجودِ سبب کا وقت ہے جیسے جب ہو غیر کی معتدہ۔ فرمایا: اور قریب نہ جائے مظاہر

وَلَا يَلْمِسُ وَلَا يُقَبِّلُ وَلَا يَنْظُرُ إلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يُكَفِّرَ ، لِأَنَّهُ لَمَّا حَرُمَ الْوَطْءُ إلَى أَنْ

اور نہ مس کرے اور نہ بوسہ لے اور نہ دیکھے اس کے فرج کو شہوت سے یہاں تک کہ کفارہ دے؛ کیونکہ جب حرام ہے وطی یہاں تک کہ

يُكَفِّرَ حَرُمَ الدَّوَاعِي لِلْإِفْضَاءِ إلَيْهِ .لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ سَبَبَ الْحَرَامِ حَرَامٌ كَمَا فِي الِاعْتِكَافِ

کفارہ دے تو حرام ہوں گے دواعی؛ بوجہ ان کے مفضی ہونے کے وطی کی طرف؛ کیونکہ اصل یہ ہے کہ حرام کا سبب حرام ہے جیسا کہ اعتکاف

وَالْإِحْرَامِ وَفِي الْمَنْكُوحَةِ إذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ ،﴿5﴾بِخِلَافِ حَالَةِ الْحَيْضِ وَالصَّوْمِ ؛ لِأَنَّ الْحَيْضَ يَمْتَدُّ

اور احرام میں ہے اور منکوحہ میں ہے جب وطی ہو جائے اس سے شبہہ سے، بر خلاف حالتِ حیض اور حالتِ صوم کے؛ کیونکہ حیض دراز رہتا ہے

شَطْرَ عُمْرِهَا وَالصَّوْمَ يَمْتَدُّ شَهْرًا فَرْضًا وَأَكْثَرَ الْعُمْرِ نَفْلًا ، فَفِي الْمَنْعِ عَنْهَا بَعْضُ الْحَرَجِ ، وَلَا كَذَلِكَ

اس کی نصف عمر تک، اور صوم فرض طویل ہوتا ہے ایک ماہ تک اور نفلی اکثر عمر تک، پس دواعی سے منع میں بعض حرج ہے، اور اس طرح نہیں ہیں

مَا عَدَدْنَاهَا لِقُصُورِ مُدَدِهَا .وَقَدْ صَحَّ " { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ وَيُضَاجِعُ

وہ جو ہم شمار کر چکے؛ ان کی مدتوں کی کمی کی وجہ سے، اور صحیح ثابت ہے کہ حضورؐ بوسہ لیتے تھے اور وہ روزہ سے ہوتے، اور لیٹا کرتے تھے

نِسَاءَهُ وَهُنَّ حُيَّضٌ } "﴿6﴾قَالَ : وَمَنْ لَهُ أَمَتَانِ أُخْتَانِ فَقَبَّلَهُمَا

اپنی بیویوں کے ساتھ حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں۔ فرمایا: اور جس کی دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں پس اس نے ان دونوں کا بوسہ لیا

بِشَهْوَةٍ فَإِنَّهُ لَا يُجَامِعُ وَاحِدَةً مِنْهُمَا وَلَا يُقَبِّلُهَا وَلَا يَمَسُّهَا بِشَهْوَةٍ

شہوت سے، تو وہ جماع نہیں کر سکتا ہے ان میں سے کسی کے ساتھ، اور نہ اس سے بوسہ لے سکتا ہے اور نہ اس کو مس کر سکتا ہے شہوت کے ساتھ

وَلَا يَنْظُرُ إلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يَمْلِكَ فَرْجَ الْأُخْرَى غَيْرُهُ بِمِلْكٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ يُعْتِقَهَا،

اور نہ دیکھ سکتا ہے اس کے فرج کو شہوت کے ساتھ، یہاں تک کہ مالک بنائے دوسری کے فرج کا غیر کو ملک یا نکاح سے یا اس کو آزاد کر دے

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ الْمَمْلُوكَتَيْنِ لَايَجُوزُ وَطْئًا لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى { وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ}

اور اس کی اصل یہ ہے کہ جمع کرنا دو مملوک بہنوں کو جائز نہیں ہے وطی میں، باری تعالیٰ کے قول کے اطلاق کی وجہ سے "اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو"

﴿7﴾وَلَا يُعَارَضُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى { أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ } ؛ لِأَنَّ التَّرْجِيحَ لِلْمُحَرِّمِ ، وَكَذَا

اور یہ معارض بھی نہیں ہے باری تعالیٰ کے قول "یا جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہوں" کا؛ کیونکہ ترجیح محرم کو ہوتی ہے، اور اسی طرح

لَا يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا فِي الدَّوَاعِي لِإِطْلَاقِ النَّصِّ ،وَلِأَنَّ الدَّوَاعِيَ إلَى الْوَطْءِ بِمَنْزِلَةِ الْوَطْءِ فِي التَّحْرِيمِ

جائز نہیں ہے جمع ان کے درمیان دواعی میں اطلاق نص کی وجہ سے، اور اس لیے کہ وطی کے دواعی وطی کے درجہ میں ہیں تحریم میں

عَلَى مَا مَهَّدْنَاهُ مِنْ قَبْلُ ، فَإِذَا قَبَّلَهُمَا فَكَأَنَّهُ وَطِئَهُمَا ، وَلَوْ وَطِئَهُمَا
جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس کو ماقبل میں، پس جب بوسہ لیا دونوں کا تو گویا اس نے دونوں سے وطی کر لی، اور اگر وطی کر لیتا دونوں سے

فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُجَامِعَ إِحْدَاهُمَا وَلَا أَنْ يَأْتِيَ بِالدَّوَاعِي فِيهِمَا ،﴿٨﴾فَكَذَا إِذَا قَبَّلَهُمَا
تو اس کو اختیار نہ ہوتا کہ جماع کر لیتا دونوں میں سے ایک کے ساتھ، اور نہ یہ کہ کر لیتا دواعی دونوں کے ساتھ، پس اسی طرح جب بوسہ لے دونوں کا

وَكَذَا إِذَا مَسَّهُمَا بِشَهْوَةٍ أَوْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِهِمَا بِشَهْوَةٍ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا أَنْ يُمَلِّكَ
اور اسی طرح جب مس کر لے دونوں کو یا دیکھ لے دونوں کے فرج کو شہوت سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، مگر یہ کہ ملک میں دے

فَرْجَ الْأُخْرَى غَيْرَهُ بِمِلْكٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ يُعْتِقَهَا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا حَرُمَ عَلَيْهِ فَرْجُهَا لَمْ يَبْقَ
دوسری کا فرج غیر کو مالک بنا کر یا نکاح میں دے کر یا اس کو آزاد کر دے؛ کیونکہ جب حرم ہو جائے اس پر اس کا فرج تو باقی نہیں رہے گا

جَامِعًا . ﴿٩﴾وَقَوْلُهُ بِمِلْكٍ أَرَادَ بِهِ مِلْكَ يَمِينٍ فَيَنْتَظِمُ التَّمْلِيكَ بِسَائِرِ أَسْبَابِهِ بَيْعًا
جمع کرنے والا۔ اور امام محمدؒ کے قول "بِملکٍ" سے ارادہ کیا ہے مِلک یمین کا، پس یہ شامل ہوگا تمام اسبابِ مِلک سے تملیک کو خواہ بیع ہو

أَوْ غَيْرَهُ ، وَتَمْلِيكُ الشِّقْصِ فِيهِ كَتَمْلِيكِ الْكُلِّ ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ يَحْرُمُ بِهِ ، وَكَذَا إِعْتَاقُ الْبَعْضِ مِنْ إِحْدَاهُمَا
یا کوئی اور سبب، اور بعض کی تملیک اس میں کل کی تملیک کی طرح ہے؛ کیونکہ وطی حرام ہوتی ہے اس سے، اور اسی طرح دونوں میں سے ایک کے بعض کا اعتاق

كَإِعْتَاقِ كُلِّهَا ، وَكَذَا الْكِتَابَةُ كَالْإِعْتَاقِ فِي هَذَا لِثُبُوتِ حُرْمَةِ الْوَطْءِ بِذَلِكَ كُلِّهِ .
اس کے کل کے اعتاق کی طرح ہے، اور اسی طرح کتابت بھی اعتاق کی طرح ہے اس باب میں؛ بسبب ثابت ہونے حرمتِ وطی ان سب سے

﴿١٠﴾وَبِرَهْنِ إِحْدَاهُمَا وَإِجَارَتِهَا وَتَدْبِيرِهَا لَا تَحِلُّ الْأُخْرَى ؛ لِأَنَّهَا لَا تَخْرُجُ بِهَا
اور دونوں میں سے ایک کو رہن رکھنا یا اجارہ پر دینا یا مدبرہ کر دینا نہیں حلال کرتا ہے دوسری کو؛ کیونکہ اول نہیں نکلتی ہے ان افعال کی وجہ سے

عَنْ مِلْكِهِ ،﴿١١﴾وَقَوْلُهُ أَوْ نِكَاحٍ أَرَادَ بِهِ النِّكَاحَ الصَّحِيحَ .أَمَّا إِذَا زَوَّجَ إِحْدَاهُمَا نِكَاحًا فَاسِدًا
مولیٰ کی ملک سے۔ اور امام محمدؒ کے قول "اَو نکاحٍ" سے ارادہ کیا ہے نکاحِ صحیح کا، لیکن اگر نکاح کیا دونوں میں سے ایک کا فاسد نکاح،

لَا يُبَاحُ لَهُ وَطْءُ الْأُخْرَى إِلَّا أَنْ يَدْخُلَ الزَّوْجُ بِهَا فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ يَجِبُ
تو مباح نہ ہوگی اس کے لیے دوسری کی وطی، مگر یہ کہ دخول کرے شوہر اس کے ساتھ نکاح فاسد میں؛ کیونکہ واجب ہوتی ہے

الْعِدَّةُ عَلَيْهَا ، وَالْعِدَّةُ كَالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ فِي التَّحْرِيمِ .﴿١٢﴾وَلَوْ وَطِئَ إِحْدَاهُمَا حَلَّ لَهُ

عدت اس پر، اور عدت نکاحِ صحیح کی طرح ہے تحریم میں، اور اگر وطی کرلی دونوں میں سے ایک کے ساتھ تو حلال ہوگی اس کے لیے

وَطْءُ الْمَوْطُوءَةِ دُونَ الْأُخْرَى؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ جَامِعًا بِوَطْءِ الْأُخْرَى لَا بِوَطْءِ الْمَوْطُوءَةِ {۱۳} وَكُلُّ امْرَأَتَيْنِ لَا يَجُوزُ

موطوءہ کی وطی نہ کہ دوسری کی؛ کیونکہ وہ ہو جاتا ہے جمع کرنے والا دوسری کی وطی سے نہ کہ موطوءہ کی وطی، اور ہر وہ دو عورتیں کہ جائز نہ ہو

الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا نِكَاحًا فِيمَا ذَكَرْنَاهُ بِمَنْزِلَةِ الْأُخْتَيْنِ. {۱۴} قَالَ: وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَبِّلَ الرَّجُلُ

جمع کرنا ان دونوں کو نکاح میں وہ ان تمام صورتوں میں جو ہم ذکر کر چکے دو بہنوں کی طرح ہیں۔ فرمایا: اور مکروہ ہے کہ بوسہ لے مرد

فَمَ الرَّجُلِ أَوْ يَدَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ أَوْ يُعَانِقَهُ، وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

دوسرے مرد کے منہ کا، یا اس کے ہاتھ کا یا اس کے بدن میں سے کسی شی کا یا معانقہ کرے اس سے، اور ذکر کیا ہے امام طحاویؒ نے کہ یہ طرفینؒ کا قول ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا بَأْسَ بِالتَّقْبِيلِ وَالْمُعَانَقَةِ لِمَا رُوِيَ " { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَانَقَ جَعْفَرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ کوئی حرج نہیں ہے بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضورؐ نے معانقہ فرمایا حضرت جعفرؓ سے

حِينَ قَدِمَ مِنَ الْحَبَشَةِ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ} " وَلَهُمَا مَا رُوِيَ { أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنِ الْمُكَامَعَةِ

جب وہ آئے حبشہ سے، اور بوسہ لیا ان کی آنکھوں کے درمیان، اور طرفینؒ کی دلیل وہ ہے جو مروی ہے کہ حضورؐ نے منع فرمایا مکامعہ سے

وَهِيَ الْمُعَانَقَةُ، وَعَنِ الْمُكَاعَمَةِ وَهِيَ التَّقْبِيلُ } " .وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ .قَالُوا:

اور مکامعہ معانقہ ہے، اور مکاعمہ سے اور وہ بوسہ لینا ہے، اور جو انہوں نے روایت نقل کی وہ محمول ہے تحریم سے پہلے پر، فقہاء نے کہا ہے

الْخِلَافُ فِي الْمُعَانَقَةِ فِي إزَارٍ وَاحِدٍ، أَمَّا إذَا كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ فَلَا بَأْسَ بِهَا بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ الصَّحِيحُ.

کہ اختلاف ایک ازار میں معانقہ کرنے میں ہے، رہی یہ صورت کہ جب ہو اس پر قمیص یا جبہ تو کوئی حرج نہیں اس میں بالاتفاق، اور یہی صحیح ہے

قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِالْمُصَافَحَةِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَوَارَثُ .وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " { مَنْ صَافَحَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں ہے مصافحہ میں؛ کیونکہ یہی متوارث ہے، اور حضورؐ نے فرمایا: "جس نے مصافحہ کیا اپنے مسلمان بھائی سے

وَحَرَّكَ يَدَهُ تَنَاثَرَتْ ذُنُوبُهُ } "

اور حرکت دی اس کے ہاتھ کو تو جھڑ جاتے ہیں اس کے گناہ"۔

تشریح:۔{۱} امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استبراء کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ حیلہ کے بارے میں ہر ایک امام کی دلیل ہم "کتاب الشفعة" میں ذکر کر چکے ہیں کہ امام محمدؒ کے نزدیک حیلہ اختیار کرنے میں غیر کا ضرر ہے اس لیے مکروہ ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں حیلہ اختیار کرنے سے غیر کا حق

ثابت کرنے کو روکنا ہے جو ضرر شمار نہیں ہوتا ہے اس لیے مکروہ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بائع نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے قول کو لیا جائے گا، ورنہ امام محمدؒ کے قول پر عمل کیا جائے گا، اسی تفصیل پر فتوی ہے لمافی مجمع الانھر: (وَلَا تُكْرَهُ الْحِيلَةُ لِإِسْقَاطِهِ) أَيْ الِاسْتِبْرَاءِ (عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) إذْ عِنْدَهُ مَكْرُوهَةٌ (وَأَخَذَ بِالْأَوَّلِ) أَيْ بِعَدَمِ كَرَاهَةِ الْحِيلَةِ (إنْ عُلِمَ عَدَمُ الْوَطْءِ مِنْ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ) فِي هَذَا الطُّهْرِ (وَ) أَخَذَ (بِالثَّانِي) أَيْ بِكَرَاهَةِ الْحِيلَةِ (إنْ احْتُمِلَ) الْوَطْءُ مِنْهُ. وَفِي الدُّرَرِ وَبِهِ يُفْتَى (مجمع الانھر: 209/4)

{۲} یہاں ایک حیلہ یہ ہے کہ اگر مشتری کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو تو وہ پہلے اس باندی سے نکاح کر لے پھر اس کو خرید لے اور خریدتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے اور اب استبراء واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ اس نے اپنی منکوحہ کو خریدا ہے اور اپنی منکوحہ کو خریدنے سے استبراء واجب نہیں ہوتا ہے۔ نکاح میں آزاد عورت نہ ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ آزاد عورت نکاح میں ہونے کی صورت میں باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

{۳} اور اگر مشتری کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو پھر حیلہ یہ ہے کہ شراء سے پہلے بائع یا شراء کے بعد مشتری اس کا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دے جس پر اعتماد ہو کہ وہ اس کو طلاق دیدے گا اور اس سے وطی نہیں کرے گا، پھر پہلی صورت میں (شراء سے پہلے والی صورت) مشتری اس کو خرید لے اور قبضہ کر لے اور دوسری صورت (شراء کے بعد والی صورت) میں مشتری اس پر قبضہ کر لے، پھر شوہر اس کو طلاق دیدے، تو اس صورت میں چونکہ یہ طلاق قبل الدخول ہے اس لیے باندی پر عدت واجب نہیں، اور اس پر استبراء بھی واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ جس وقت سبب پایا گیا یعنی قبضہ کے ساتھ مؤکد ملک پائی گئی اس وقت غیر کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے اس کی فرج مشتری کے لیے حلال نہیں ہے اگرچہ طلاق کے بعد حلال ہو گئی، مگر چونکہ وہی حلت معتبر ہے جو وجودِ سبب کے وقت پائی جائے اور وجودِ سبب کے وقت وہ حلال نہیں ہے اس لیے استبراء واجب نہیں ہوا، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی غیر کی منکوحہ اس حال میں خرید لے کہ اس نے اس کو طلاق دی ہو اور وہ عدت گذار رہی ہو تو وہ اس کے ساتھ جماع نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی عدت نہ گذرے، پھر عدت گذرنے کے بعد اس پر استبراء واجب نہیں؛ کیونکہ خرید کے وقت باندی کی شرمگاہ اس کے لیے حلال نہیں تھی اور جس وقت حلال ہوئی اس وقت سبب (استحداثِ ملک وقبضہ) نہیں پایا گیا اس لیے استبراء واجب نہیں ہے۔

{۴} جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا (بیوی کو اپنی ابدی محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں) ہو تو وہ ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے نہ اس عورت سے وطی کر سکتا ہے اور نہ اس کا بوسہ لے سکتا ہے اور نہ اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھ سکتا ہے؛ کیونکہ جب کفارہ ادا کرنے تک وطی حرام ہے تو اس کے دواعی بھی حرام ہوں گے؛ کیونکہ وطی کے دواعی وطی کو مفضی ہوں

ہے حالانکہ وطی حرام ہے توجو حرام کو مفضی ہو وہ بھی حرام ہو گا، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ حرام کا سبب حرام ہوتا ہے جیسا کہ اعتکاف میں وطی حرام ہے تو دواعی وطی بھی حرام ہوں گے، اور حالت احرام میں وطی حرام ہے تو دواعی وطی بھی حرام ہوں گے، اور جس نے غیر کی بیوی سے شبہ سے وطی کرلی یعنی اس کو اپنی بیوی یا باندی سمجھ کر اس سے وطی کرلی تو وہ عدت گذارے گی اور عدت گذرنے سے پہلے اس کا شوہر نہ اس سے وطی کر سکتا ہے اور نہ دواعی وطی کر سکتا ہے۔

{۵} سوال یہ ہے کہ جب حرام کا سبب بھی حرام ہے تو حیض اور روزہ کی حالت میں وطی حرام ہے تو ہونا چاہیئے کہ دواعی وطی بھی حرام ہوں حالانکہ دواعی وطی حرام نہیں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حیض تو کم و بیش عورت کو اس کی نصف عمر کے بقدر آتا رہتا ہے، اسی طرح روزہ کی مدت اگر وہ فرض ہو تو ایک ماہ ہے اور اگر نفلی ہو تو عمر کا اکثر حصہ ہے تو اگر ان صورتوں میں دواعی وطی کو حرام قرار دیا جائے تو اس میں حرج پایا جاتا ہے اور حرج شرعاً مدفوع ہے اس لیے ان صورتوں میں دواعی وطی کی اجازت دی گئی ہے۔ باقی اعتکاف، احرام وغیرہ امور جو ہم ذکر کر چکے ان کی مدتیں چونکہ مختصر ہیں اس لیے ان میں حرج نہیں ہے لہٰذا دواعی وطی جائز نہ ہوں گے، نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ روزہ کی حالت میں اپنی بیویوں کا بوسہ لیا کرتے تھے اور ان کے پاس لیٹتے تھے حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں[1]، جس معلوم ہوا کہ حالتِ روزہ اور حیض میں دواعی وطی حرام نہیں ہیں۔

{۶} اگر کسی کی دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں اور اس نے شہوت سے ان دونوں کا بوسہ لیا تو وہ اب ان دونوں میں سے کسی سے جماع نہیں کر سکتا ہے اور نہ کسی ایک کا بوسہ لے سکتا ہے اور نہ کسی ایک کو چھو سکتا ہے اور نہ کسی ایک کی شرمگاہ کو دیکھ سکتا ہے یہاں تک کہ ایک کی فرج کا غیر کو مالک بنادے بایں طور کہ ایک باندی غیر کی مِلک میں دیدے یا غیر سے اس کا نکاح کردے، اور یا کسی ایک باندی کو آزاد کردے تو اب دوسری کے ساتھ وطی اور دواعی وطی کر سکتا ہے؛ صاحبِ ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اصل یہ ہے کہ دو مملوکہ بہنوں کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ[2]﴾ (اور یہ حرام کیا گیا ہے کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو) جس میں دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

([1]) قُلْتُ: هُمَا حَدِيثَانِ: فَالْأَوَّلُ: رَوَاهُ الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ فِي كُتُبِهِمْ عَنْ الْأَسْوَدِ، وَعَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ إلَّا ابْنَ مَاجَهْ فَإِنَّهُ أَخْرَجَهُ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَلَكِنَّهُ أَمْلَكُكُمْ لِإِرْبِهِ،.................الْحَدِيثُ الثَّانِي: أَخْرَجَهُ الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ أَيْضًا عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ إحْدَانَا إذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَتَّزِرَ، ثُمَّ يُضَاجِعُهَا، وَفِي لَفْظٍ: ثُمَّ يُبَاشِرُهَا، وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: بَيْنَمَا أَنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي، فَقَالَ: "أَنَفِسْتِ"؟ قُلْتُ: نعم، فدعاني، فاضجعت مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ،(نصب الراية:4ص558)

([2]) النساء:23.

{7}سوال یہ ہے کہ دوسرے موقع پر باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ[1]﴾ (یا جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں یعنی باندیاں) جس میں مطلق باندیوں سے وطی اور دواعی وطی کی اجازت دی گئی ہے تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو گیا اول سے حرمت اور ثانی سے حلت ثابت ہو رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے؛ کیونکہ اول آیت محرم ہے اور ثانی مبیح ہے اور قاعدہ ہے کہ جہاں محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو وہاں محرم کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اس لیے یہاں حرمت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

چونکہ مذکورہ بالا نص مطلق ہے وطی اور دواعی وطی دونوں کو شامل ہے لہٰذا خواہ کسی ایک سے وطی کرے یا دواعی وطی کرے دونوں صورتوں میں دوسری سے وطی اور دواعی وطی حرام ہوں گے، اور اس لیے کہ دواعی وطی تحریم میں وطی کے درجے میں ہیں جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر چکے، پس جب اس نے دونوں کا بوسہ لیا تو گویا دونوں سے وطی کر لی، اور اگر وہ دونوں سے وطی کر لیتا تو اب کسی ایک سے نہ وطی کرنا اس کے لیے حلال ہوتا اور نہ کسی ایک سے دواعی وطی حلال ہوتے، پس اسی طرح جب دونوں کا بوسہ لیا تو بھی اب نہ کسی ایک سے وطی کر سکتا ہے اور نہ دواعی وطی کر سکتا ہے۔

{8}اسی طرح اگر دونوں کو شہوت سے چھو لیا، یا دونوں کی فرج کو شہوت سے دیکھا تو بھی یہی حکم ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ دواعی وطی تحریم میں وطی کے درجے میں ہیں، البتہ اگر دوسری کی شرمگاہ غیر کی مِلک میں دیدی یا غیر کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا یا دوسری کو آزاد کر دیا تو اب باقی ایک کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کر سکتا ہے؛ کیونکہ جب دوسری کی شرمگاہ اس پر حرام ہو گئی تو اب وہ دو بہنوں کو جمع کرنے والا نہ ہوا اس لیے جائز ہے۔

{9}اور امام محمدؒ کے قول "بِمِلْكٍ" سے مراد مِلکِ یمین ہے کہ دوسرا کوئی اس باندی کا مالک ہو جائے پس یہ مِلک کے تمام اسباب کو شامل ہے خواہ بیع ہو یا ہبہ، صدقہ یا مہر وغیرہ ہو۔ اور دونوں باندیوں میں سے ایک کے کسی حصہ کا دوسرے کو مالک کرنے کا وہی حکم ہے جو کل کے مالک کرنے کی صورت میں ہے؛ کیونکہ کسی حصے کے مالک کر دینے سے بھی مالکِ اول کے لیے دوسری باندی سے وطی کرنا حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح دونوں میں سے ایک کے بعض حصہ کو آزاد کرنے کا وہی حکم ہے جو اس کے کل کو آزاد کرنے کا ہے، اسی طرح مذکورہ حکم (دوسری کا اس کے لیے حلال ہونے) کے حق میں کسی ایک کو مکاتبہ بنانے کا بھی وہی حکم ہے جو کسی ایک کو آزاد کرنے کا ہے؛ کیونکہ مذکورہ تمام صورتوں میں اول کے لیے اس سے وطی کرنا حرام ہو جاتا ہے لہٰذا دوسری حلال ہو جاتی ہے۔

---

(1) النساء:3.

{۱۰}اور دونوں میں سے ایک کو کسی کے پاس رہن رکھنے، یا دونوں میں سے ایک کسی کو اجارہ پر دینے، یا کسی ایک کو مدبرہ بنانے سے مالک کے لیے دوسری حلال نہ ہو گی؛ کیونکہ ان صورتوں میں ایک بھی اس کی ملک سے نہیں نکلتی ہے لہذا اب بھی وہ دو بہنوں کو جمع کرنے والا ہے اس لیے دونوں میں سے ایک بھی اس کے لیے حلال نہ ہو گی۔

{۱۱}اور امام محمدؒ کے قول "اَوْ نِکَاح" سے مراد نکاح صحیح ہے، پس اگر مولیٰ نے دونوں میں سے ایک کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر دیا، لیکن وہ نکاح فاسد ہو تو مولیٰ کے لیے اس کی بہن سے وطی کرنا حلال نہ ہو گا، البتہ اگر شوہر نے نکاحِ فاسد میں اس کے ساتھ دخول کیا تو اب مولیٰ کے لیے اس کی بہن سے وطی کرنا حلال ہو گا؛ کیونکہ نکاح فاسد میں دخول کی وجہ سے اس پر عدت واجب ہو جاتی ہے اور جب اس پر عدت واجب ہو گئی تو معتدہ اپنے مولیٰ کے لیے حرام ہو گی؛ کیونکہ تحریم کے حق میں عدت نکاح صحیح کے حکم میں ہے اس لیے یہ اپنے مولیٰ پر حرام ہو گئی لہذا مولیٰ کے لیے اس کی بہن سے وطی کرنا حلال ہو گا۔

{۱۲}اور اگر مولیٰ نے فقط ایک سے وطی کی ہو تو بس اسی سے وطی کرتا رہے دوسری سے وطی نہ کرے؛ کیونکہ جمع بین الاختین دوسری سے وطی کرنے سے لازم آتا ہے، موطوءہ سے بار بار وطی کرنے سے جمع بین الاختین لازم نہیں آتا ہے اس لیے اسی ایک سے وطی کرتا رہے دوسری سے وطی نہ کرے۔

{۱۳}ایسی دو عورتیں جن کو ایک شخص نکاح میں جمع نہیں کر سکتا ہے مثلاً عورت اور اس کی بھتیجی کو ایک شخص نکاح میں جمع نہیں کر سکتا ہے تو مذکورہ بالا احکام میں ان کا وہی حکم ہے جو دو بہنوں کا ہے یعنی اگر مولیٰ کی ملک میں عورت اور اس کی بھتیجی جمع ہو گئیں تو مولیٰ ان دونوں کو نہ وطی میں جمع کر سکتا ہے اور نہ دواعی وطی میں جمع کر سکتا ہے پس اگر دونوں کا بوسہ لیا یا دونوں کو شہوت سے چھو لیا یا دونوں کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھا تو اب دونوں میں سے کسی سے بھی وطی نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ کسی طریقہ سے ایک کی شرمگاہ کو اپنے اوپر حرام نہ کر دے۔

{۱۴}یہ مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ یا اس کے ہاتھ یا کسی بھی حصہ کا بوسہ لے یا دوسرے مرد سے معانقہ کرے، امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ طرفینؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ فرمایا اور ان کی دونوں آنکھوں

کے درمیان کا بوسہ لیا[1]، معلوم ہوا کہ بوسہ لینے اور معانقہ کرنے کی گنجائش ہے۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مکامعہ اور مکاعمہ سے منع فرمایا ہے[2]، اور مکامعہ معانقہ کو کہتے ہیں اور مکاعمہ بوسہ لینے کو کہتے ہیں۔ باقی جو روایت امام ابویوسفؒ نے نقل کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تحریم سے پہلے پر محمول ہے، لہٰذا حرمت کا حکم آنے کے بعد جواز کا حکم منسوخ ہوا ہے۔ لیکن مشائخ نے فرمایا ہے کہ ائمہ کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب ایسے ازارِ واحد میں معانقہ کیا جائے جس نے اس کی ناف سے گھٹنوں تک کو ڈھانپ دیا ہو، ورنہ اگر اس نے کرتہ یا جبہ بھی پہنا ہو تو پھر بالاتفاق معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہی تفصیل صحیح ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابویوسفؒ کا قول راجح ہے اور کراہت اس صورت میں ہے کہ ایک ہی ازار میں ہوں یا بطورِ شہوت ہو لما فی ردّ المحتار:
(قَوْلُهُ وَكَذَا مُعَانَقَتُهُ) قَالَ فِي الْهِدَايَةِ وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَبِّلَ الرَّجُلُ فَمَ الرَّجُلِ أَوْ يَدَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ أَوْ يُعَانِقَهُ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا بَأْسَ بِالتَّقْبِيلِ وَالْمُعَانَقَةِ لِمَا رُوِيَ «أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - عَانَقَ جَعْفَرًا حِينَ قَدِمَ مِنْ الْحَبَشَةِ وَقَبَّلَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ» وَلَهُمَا مَا رُوِيَ " «أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - نَهَى عَنْ الْمُكَامَعَةِ» ؟ " وَهِيَ الْمُعَانَقَةُ «وَعَنْ الْمُكَاعَمَةِ» وَهِيَ التَّقْبِيلُ،وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ، قَالُوا الْخِلَافُ فِي الْمُعَانَقَةِ فِي إزَارٍ وَاحِدٍ أَمَّا إذَا كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ لَا بَأْسَ بِهِ بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ الصَّحِيحُ اهـ.وَفِي الْعِنَايَةِ: وَوَفَّقَ الشَّيْخُ أَبُو مَنْصُورٍ بَيْنَ الْأَحَادِيثِ فَقَالَ: الْمَكْرُوهُ مِنْ الْمُعَانَقَةِ مَا كَانَ عَلَى وَجْهِ الشَّهْوَةِ، وَعَبَّرَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ بِقَوْلِهِ: فِي إزَارٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ سَبَبٌ يُفْضِي إلَيْهَا فَأَمَّا عَلَى وَجْهِ الْبِرِّ وَالْكَرَامَةِ إذَا كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ وَاحِدٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ اهـ (ردّ المحتار:5ص269)

([1])لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ: أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي أَوَاخِرِ الصَّلَاةِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَجَّهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ إلَى بِلَادِ الْحَبَشَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ مِنْهَا اعْتَنَقَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، قَالَ الْحَاكِمُ: إسْنَادُهُ صَحِيحٌ، لَا غُبَارَ عَلَيْهِ، (نصب الراية:4ص560)

([2])قُلْت: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي النِّكَاحِ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ الْمِصْرِيُّ أَخْبَرَنِي عَيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ الْحِمْيَرِيُّ عَنْ أَبِي الْحُصَيْنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرٍ الْحَجْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا رَيْحَانَةَ صَاحِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْمُهُ: شَمْعُونُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ مُكَامَعَةٍ، أَوْ مُكَاعَمَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ، لَيْسَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، وَعَنْ مُكَامَعَةٍ، أَوْ مُكَاعَمَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ، لَيْسَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، انْتَهَى. وَكَذَلِكَ رَوَاهُ فِي مُسْنَدِهِ، وَرَوَاهُ أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلَّامٍ فِي أَوَّلِ غَرِيبِهِ حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ عَنْ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ، رَفَعَهُ إلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ الْمُكَاعَمَةِ وَالْمُكَامَعَةِ، انْتَهَى. قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: وَالْمُكَاعَمَةُ: أَنْ يَلْثِمَ الرَّجُلُ فَاهُ صَاحِبِهِ، مَأْخُوذٌ مِنْ كِعَامِ الْبَعِيرِ، وَهِيَ أَنْ يَشُدَّ فَاهُ إذَا هَاجَ، وَالْمُكَامَعَةُ أَنْ يُضَاجِعَ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَكَذَلِكَ قِيلَ لِزَوْجِ الْمَرْأَةِ كَمِيعٌ،(نصب الراية:4ص563)

عالم فاضل یا نیک صالح شخص کا ہاتھ چومنے کا حکم:

کسی عالم فاضل یا نیک صالح شخص، یا عادل بادشاہ کا ہاتھ یا سر تبرک کا چومنا جائز ہے لما فی الدر المختار: وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ الرَّجُلِ (الْعَالِمِ) وَالْمُتَوَرِّعِ عَلَى سَبِيلِ التَّبَرُّكِ دُرَرٌ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ الْجَامِعِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ الْحَاكِمِ وَالْمُتَدَيِّنِ (السُّلْطَانِ الْعَادِلِ) وَقِيلَ سُنَّةٌ مُجْتَبًى (وَتَقْبِيلُ رَأْسِهِ) أَيْ الْعَالِمِ (أَجْوَدُ) كَمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ (وَلَا رُخْصَةَ فِيهِ) أَيْ فِي تَقْبِيلِ الْيَدِ (لِغَيْرِهِمَا) أَيْ لِغَيْرِ عَالِمٍ وَعَادِلٍ هُوَ الْمُخْتَارُ مُجْتَبًى وَفِي الْمُحِيطِ إنْ لِتَعْظِيمِ إسْلَامِهِ وَإِكْرَامِهِ جَازَ وَإِنْ لِنَيْلِ الدُّنْيَا كُرِهَ. (الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار:5ص271)

مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛کیونکہ اس پر شروع سے امت کا عمل چلا آرہا ہے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں[1]"۔

نمازوں کے بعد مصافحہ کا حکم:

ملاقات کے وقت دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے خاص کر نمازوں کے بعد اس کا معمول بنانا بدعت ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ كَمَا أَفَادَهُ النَّوَوِيُّ فِي أَذْكَارِهِ) حَيْثُ قَالَ اعْلَمْ أَنَّ الْمُصَافَحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ كُلِّ لِقَاءٍ، وَأَمَّا مَا اعْتَادَهُ النَّاسُ مِنْ الْمُصَافَحَةِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ، فَلَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرْعِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ وَلَكِنْ لَا بَأْسَ بِهِ فَإِنَّ أَصْلَ الْمُصَافَحَةِ سُنَّةٌ وَكَوْنُهُمْ حَافَظُوا عَلَيْهَا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ، وَفَرَّطُوا فِي كَثِيرٍ مِنْ الْأَحْوَالِ أَوْ أَكْثَرِهَا لَا يُخْرِجُ ذَلِكَ الْبَعْضَ عَنْ كَوْنِهِ مِنْ الْمُصَافَحَةِ الَّتِي وَرَدَ الشَّرْعُ بِأَصْلِهَا اهـ قَالَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْبَكْرِيُّ: وَتَقْيِيدُهُ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلَى عَادَةٍ كَانَتْ فِي زَمَنِهِ، وَإِلَّا فَعَقِبَ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا كَذَلِكَ كَذَا فِي رِسَالَةِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ فِي الْمُصَافَحَةِ، وَنُقِلَ مِثْلُهُ عَنْ الشَّمْسِ الْحَانُوتِيِّ، وَأَنَّهُ أَفْتَى بِهِ مُسْتَدِلًّا بِعُمُومِ النُّصُوصِ الْوَارِدَةِ فِي مَشْرُوعِيَّتِهَا وَهُوَ الْمُوَافِقُ لِمَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ مِنْ إطْلَاقِ الْمُتُونِ، لَكِنْ قَدْ يُقَالُ إنَّ الْمُوَاظَبَةَ عَلَيْهَا بَعْدَ الصَّلَوَاتِ خَاصَّةً قَدْ يُؤَدِّي الْجَهَلَةَ إلَى اعْتِقَادِ سُنِّيَّتِهَا فِي خُصُوصِ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ وَأَنَّ لَهَا خُصُوصِيَّةً زَائِدَةً عَلَى غَيْرِهَا مَعَ أَنَّ ظَاهِرَ كَلَامِهِمْ أَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْهَا أَحَدٌ مِنْ السَّلَفِ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ، وَكَذَا قَالُوا بِسُنِّيَّةِ قِرَاءَةِ السُّوَرِ الثَّلَاثَةِ فِي الْوِتْرِ مَعَ التَّرْكِ أَحْيَانًا

([1])قُلْتُ: رَوَى الطَّبَرَانِيُّ فِي "مُعْجَمِه الوسط" حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ رِشْدِينَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ ثَنَا مُوسَى بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ سُوَيْدٍ الْجُمَحِيِّ عَنْ الْوَلِيدِ بْنِ أَبِي الْوَلِيدِ عَنْ يَعْقُوبَ الحرقي عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسلم، قَالَ: إنَّ الْمُؤْمِنَ إذَا لَقِيَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، وَأَخَذَهُ بِيَدِهِ فَصَافَحَهُ، تَنَاثَرَتْ خَطَايَاهُمَا، كَمَا يَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ، انْتَهَى. وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي "شُعَبِ الْإِيمَانِ" فِي الْبَابِ الْحَادِي وَالسِّتِّينَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ إبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ ثَنَا ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ حُذَيْفَةَ، مَرْفُوعًا نَحْوَهُ سَوَاءً،(نصب الرایۃ:4ص566)

لِئَلَّا يُعْتَقَدَ وُجُوبُهَا وَنَقَلَ فِي تَبْيِينِ الْمَحَارِمِ عَنْ الْمُلْتَقَطِ أَنَّهُ تُكْرَهُ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ بِكُلِّ حَالٍ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ - مَا صَافَحُوا بَعْدَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ، وَلِأَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرَّوَافِضِ اهـ ثُمَّ نَقَلَ عَنْ ابْنِ حَجَرٍ عَنْ الشَّافِعِيَّةِ أَنَّهَا بِدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا فِي الشَّرْعِ، وَأَنَّهُ يُنَبَّهُ فَاعِلُهَا أَوَّلًا وَيُعَزَّرُ ثَانِيًا ثُمَّ قَالَ: وَقَالَ ابْنُ الْحَاجِّ مِنْ الْمَالِكِيَّةِ فِي الْمَدْخَلِ إنَّهَا مِنْ الْبِدَعِ، وَمَوْضِعُ الْمُصَافَحَةِ فِي الشَّرْعِ، إنَّمَا هُوَ عِنْدَ لِقَاءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ لَا فِي أَدْبَارِ الصَّلَوَاتِ فَحَيْثُ وَضَعَهَا الشَّرْعُ يَضَعُهَا فَيُنْهَى عَنْ ذَلِكَ وَيُزْجَرُ فَاعِلُهُ لِمَا أَتَى بِهِ مِنْ خِلَافِ السُّنَّةِ اهـ ثُمَّ أَطَالَ فِي ذَلِكَ فَرَاجِعْهُ (ردّ المحتار:5ص270)-

فَصْلٌ فِي الْبَيْعِ

یہ فصل بیع کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ نے کھانے، پینے، چھونے اور وطی کرنے کے بیان سے بیع کے بیان کو مؤخر کر دیا؛ کیونکہ ان افعال کا اثر انسانی بدن کے متصل ہوتا ہے جبکہ بیع کا اثر متصل نہیں ہوتا ہے اور جن افعال کا اتصال زیادہ ہو وہ تقدیم کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں۔

﴿۱﴾قَالَ :وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ السِّرْقِينِ، وَيُكْرَهُ بَيْعُ الْعَذِرَةِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ بَيْعُ السِّرْقِينِ أَيْضًا، لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں گوبر کی بیع میں، اور مکروہ ہے پاخانہ کی بیع، اور فرمایا امام شافعیؒ نے جائز نہیں ہے گوبر کی بیع بھی؛ کیونکہ یہ نجس العین ہے

فَشَابَهُ الْعَذِرَةَ وَجِلْدَ الْمَيْتَةِ قَبْلَ الدِّبَاغِ .وَلَنَا أَنَّهُ مُنْتَفَعٌ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ يُلْقَى فِي الْأَرَاضِي

پس یہ مشابہ ہے پاخانہ کے اور دباغت سے پہلے کھال کے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گوبر سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس لئے کہ ڈالا جاتا ہے

لِاسْتِكْثَارِ الرِّيعِ فَكَانَ مَالًا ، وَالْمَالُ مَحَلٌّ لِلْبَيْعِ .﴿۲﴾بِخِلَافِ الْعَذِرَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُنْتَفَعُ بِهَا إلَّا مَخْلُوطًا

زمینوں میں پیداوار بڑھانے کے لیے، پس یہ مال ہے، اور مال محل ہے بیع کا، برخلاف پاخانہ کے؛ کیونکہ فائدہ نہیں اٹھایا جاتا اس سے مگر مخلوط کرکے

وَيَجُوزُ بَيْعُ الْمَخْلُوطِ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ .وَكَذَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِالْمَخْلُوطِ لَا بِغَيْرِ الْمَخْلُوطِ فِي الصَّحِيحِ

اور جائز ہے مخلوط کی بیع، یہی مروی ہے امام محمدؒ سے، اور یہی صحیح ہے، اور اسی طرح جائز ہے فائدہ اٹھانا مخلوط سے نہ کہ غیر مخلوط سے صحیح قول کے مطابق

وَالْمَخْلُوطُ بِمَنْزِلَةِ زَيْتٍ خَالَطَتْهُ النَّجَاسَةُ . ﴿٣﴾قَالَ : وَمَنْ عَلِمَ بِجَارِيَةٍ أَنَّهَا

اور مخلوط اس زیتون کے درجہ میں ہے جس کے ساتھ مل گئی ہو نجاست۔ فرمایا: اور جس کو معلوم ہو جائے کسی باندی کے بارے میں کہ یہ

لِرَجُلٍ فَرَأَى آخَرَ يَبِيعُهَا وَقَالَ وَكَّلَنِي صَاحِبُهَا بِبَيْعِهَا فَإِنَّهُ يَسَعُهُ

فلاں شخص کی ہے پھر دیکھا دوسرے کو کہ فروخت کر رہا ہے اس کو، اور کہا کہ مجھے وکیل بنایا ہے اس کے مالک نے اس کی بیع کا تو اس کے لیے گنجائش ہے

أَنْ يَبْتَاعَهَا وَيَطَأَهَا ؛ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ بِخَبَرٍ صَحِيحٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ ، وَقَوْلُ الْوَاحِدِ

کہ خرید لے اس کو اور وطی کر لے اس سے؛ کیونکہ اس نے خبر دی ہے صحیح خبر جس کے ساتھ کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں ہے، اور ایک شخص کا قول

فِي الْمُعَامَلَاتِ مَقْبُولٌ عَلَى أَيِّ وَصْفٍ كَانَ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ .وَكَذَا إِذَا قَالَ اشْتَرَيْتُهَا

معاملات میں مقبول ہے جس وصف پر بھی ہو؛ اس دلیل کی وجہ سے جو گذر چکی اس سے پہلے، اور اسی طرح اگر کہا کہ میں اس کو خرید چکا ہوں

مِنْهُ أَوْ وَهَبَهَا لِي أَوْ تَصَدَّقَ بِهَا عَلَيَّ لِمَا قُلْنَا . ﴿٤﴾وَهَذَا إِذَا كَانَ ثِقَةً.

مالک سے یا مالک نے ہبہ میں دیا یہ مجھے، یا صدقہ کر دیا اس کو مجھ پر؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، اور یہ اس وقت ہے کہ ہو وہ ثقہ،

وَكَذَا إِذَا كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ ، وَأَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ ؛ لِأَنَّ عَدَالَةَ الْمُخْبِرِ فِي الْمُعَامَلَاتِ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِلْحَاجَةِ

اور اسی طرح اگر ہو وہ غیر ثقہ اور اس کی غالب رائے یہ ہو کہ یہ صادق ہے؛ کیونکہ مخبر کی عدالت معاملات میں لازم نہیں ہے؛ حاجت کی وجہ سے

عَلَى مَا مَرَّ ،﴿٥﴾وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ لَمْ يَسَعْ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ؛

جیسا کہ گذر چکا، اور اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ یہ جھوٹا ہے تو گنجائش نہیں ہے اس کے لیے کہ قصد کر لے کسی شئی کا ان کاموں میں سے

لِأَنَّ أَكْبَرَ الرَّأْيِ يُقَامُ مَقَامَ الْيَقِينِ ، وَكَذَا إِذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهَا لِفُلَانٍ ؛ وَلَكِنْ أَخْبَرَهُ صَاحِبُ الْيَدِ أَنَّهَا لِفُلَانٍ،

کیونکہ غالب رائے قائم مقام یقین ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اگر نہ جانتا ہو کہ یہ فلاں کی ہے لیکن اس کو خبر دی قابض نے کہ یہ فلاں کی ہے

وَأَنَّهُ وَكَّلَهُ بِبَيْعِهَا أَوِ اشْتَرَاهَا مِنْهُ ، وَالْمُخْبِرُ ثِقَةٌ قُبِلَ

اور فلاں نے مجھے وکیل بنایا ہے اس کو فروخت کرنے کا، یا میں نے خرید لیا ہے اس کو فلاں سے، اور خبر دینے والا ثقہ ہے، تو قبول کیا جائے گا

قَوْلُهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثِقَةً يُعْتَبَرُ أَكْبَرُ رَأْيِهِ؛ لِأَنَّ إِخْبَارَهُ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ{٦}وَإِنْ لَمْ يُخْبِرْهُ صَاحِبُ الْيَدِ بِشَيْءٍ

اس کا قول، اور اگر نہ ہو ثقہ، تو معتبر ہوگی غالب رائے؛ کیونکہ اس کی خبر حجت ہے اپنے حق میں، اور اگر خبر نہ دی اس کو قابض نے کسی شی کی

فَإِنْ كَانَ عَرَفَهَا لِلْأَوَّلِ لَمْ يَشْتَرِهَا حَتَّى يَعْلَمَ انْتِقَالَهَا إِلَى مِلْكِ الثَّانِي ؛ لِأَنَّ يَدَ الْأَوَّلِ

تو اگر وہ اس کو جانتا ہے کہ اول کی ہے تو اس کو نہ خریدے یہاں تک کہ جان لے اس کا انتقال دوسرے کی ملک کی طرف؛ کیونکہ اول کا قبضہ

دَلِيلُ مِلْكِهِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَعْرِفُ ذَلِكَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهَا وَإِنْ كَانَ ذُو الْيَدِ فَاسِقًا ، لِأَنَّ يَدَ الْفَاسِقِ دَلِيلُ الْمِلْكِ

دلیل ہے اس کی ملک کا، اور اگر وہ یہ نہیں جانتا ہو تو اس کو اسے خریدنے کا اختیار ہے اگرچہ قابض فاسق ہو؛ کیونکہ فاسق کا قبضہ ملک کی دلیل ہے

فِي حَقِّ الْفَاسِقِ وَالْعَدْلِ وَلَمْ يُعَارِضْهُ مُعَارِضٌ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِأَكْبَرِ الرَّأْيِ عِنْدَ وُجُودِ الدَّلِيلِ الظَّاهِرِ{٧}إِلَّا أَنْ

فاسق اور عادل کے حق میں، اور نہیں ہے کوئی معارض اس کا، اور معتبر نہیں ہے غالب رائے دلیل ظاہر موجود ہونے کے وقت، مگر یہ کہ

يَكُونَ مِثْلُهُ لَا يَمْلِكُ مِثْلَ ذَلِكَ ، فَحِينَئِذٍ يُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَتَنَزَّهَ ، وَمَعَ ذَلِكَ لَوِ

اس جیسا آدمی مالک نہ ہو سکتا ہو اس طرح کی مبیع کا تو اس وقت مستحب ہے اس کے لیے کہ بچے اس سے، اور اس کے باوجود اگر

اشْتَرَاهَا يُرْجَى أَنْ يَكُونَ فِي سَعَةٍ مِنْ ذَلِكَ لِاعْتِمَادِهِ الدَّلِيلَ الشَّرْعِيَّ .{٨}وَإِنْ كَانَ الَّذِي أَتَاهُ بِهَا

خرید لیا اس کو تو امید ہے کہ اس کے لیے گنجائش ہوگی اس کی؛ بوجہ اس کے اعتماد کے دلیل شرعی پر۔ اور اگر وہ جس نے اس کو لایا ہے

عَبْدًا أَوْ أَمَةً لَمْ يَقْبَلْهَا وَلَمْ يَشْتَرِهَا حَتَّى يَسْأَلَ ، لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ لَا مِلْكَ لَهُ فَيُعْلَمُ

غلام ہو یا باندی ہو تو قبول نہ کرے اس کو اور نہ اس کو خریدے یہاں تک کہ تحقیق کرے؛ کیونکہ مملوک کی کوئی ملک نہیں ہے، پس معلوم ہوا

أَنَّ الْمِلْكَ فِيهَا لِغَيْرِهِ ، فَإِنْ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَوْلَاهُ أَذِنَ لَهُ وَهُوَ ثِقَةٌ قُبِلَ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثِقَةً

کہ ملک اس میں غیر کی ہے، پس اگر اس نے خبر دی کہ اس کے مولیٰ نے اجازت دی ہے اس کو، حالانکہ وہ ثقہ ہے تو قبول کیا جائے گا،

يُعْتَبَرُ أَكْبَرُ الرَّأْيِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ لَمْ يَشْتَرِهَا لِقِيَامِ الْحَاجِرِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَلِيلٍ.

اور اگر ثقہ نہ ہو تو معتبر ہوگی غالب رائے، اور اگر نہ ہو اس کی کوئی رائے تو نہ خریدے اس کو؛ قیام مانع کی وجہ سے، پس ضروری ہے دلیل

﴿9﴾قَالَ: وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً أَخْبَرَهَا ثِقَةٌ أَنَّ زَوْجَهَا الْغَائِبَ مَاتَ عَنْهَا، أَوْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا أَوْ كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ وَأَتَاهَا بِكِتَابٍ

فرمایا: اور اگر کسی عورت کو خبر دی ثقہ شخص نے کہ اس کا غائب شوہر مر گیا یا اس نے طلاق دی اس کو، یا وہ غیر ثقہ ہو اور لایا اس کے پاس خط

مِنْ زَوْجِهَا بِالطَّلَاقِ ، وَلَا تَدْرِي أَنَّهُ كِتَابُهُ أَمْ لَا .إِلَّا أَنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهَا أَنَّهُ حَقٌّ يَعْنِي

اس کے شوہر کی طرف سے طلاق کا اور وہ نہیں جانتی ہے کہ یہ شوہر کا خط ہے یا نہیں، البتہ اس کی غالب رائے یہ ہے کہ یہ خط صحیح ہے یعنی

بَعْدَ التَّحَرِّي . فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَعْتَدَّ ثُمَّ تَتَزَوَّجَ ، لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ وَلَا مُنَازِعَ،

غور کے بعد تو کوئی حرج نہیں کہ وہ عدت گذار دے پھر نکاح کر لے؛ کیونکہ قاطع زوجیت طاری ہے اور کوئی معارض نہیں ہے،

﴿10﴾وَكَذَا لَوْ قَالَتْ لِرَجُلٍ طَلَّقَنِي زَوْجِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي فَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

اور اسی طرح اگر عورت نے کہا کسی مرد سے کہ مجھے طلاق دی ہے میرے شوہر نے اور گذر گئی میری عدت، تو کوئی حرج نہیں کہ وہ نکاح کر لے اس سے

وَكَذَا إِذَا قَالَتِ الْمُطَلَّقَةُ الثَّلَاثَ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ ، وَدَخَلَ بِي

اور اسی طرح اگر کہا مطلقہ ثلاثہ نے کہ گذر گئی میری عدت، اور نکاح کیا میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ اور اس نے دخول کیا میرے ساتھ،

ثُمَّ طَلَّقَنِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَزَوَّجَهَا الزَّوْجُ الْأَوَّلُ ، وَكَذَا لَوْ قَالَتْ جَارِيَةٌ كُنْتُ أَمَةً

پھر مجھے طلاق دی، اور گذر گئی میری عدت، تو کوئی حرج نہیں کہ نکاح کر لے اس کا اول شوہر، اور اسی طرح اگر کہا باندی نے کہ میں باندی تھی

لِفُلَانٍ فَأَعْتَقَنِي ، لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ . ﴿11﴾وَلَوْ أَخْبَرَهَا مُخْبِرٌ أَنَّ أَصْلَ النِّكَاحِ كَانَ فَاسِدًا أَوْ كَانَ الزَّوْجُ

فلاں کی پس اس نے مجھے آزاد کر دیا؛ کیونکہ قاطع طاری ہے۔ اور اگر خبر دی عورت کو کسی مخبر نے کہ اصل نکاح فاسد تھا یا شوہر نے

حِينَ تَزَوَّجَهَا مُرْتَدًّا أَوْ أَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ حَتَّى يَشْهَدَ بِذَلِكَ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ

جس وقت نکاح کیا اس کے ساتھ وہ مرتد تھا، یا اس کا بھائی تھا رضاعی، تو معتبر نہ ہوگا مخبر کا قول یہاں تک کہ گواہی دے اس کی دو مرد یا ایک مرد

وَامْرَأَتَانِ. ﴿۱۲﴾وَكَذَا إِذَا أَخْبَرَهُ مُخْبِرٌ أَنَّكَ تَزَوَّجْتَهَا وَهِيَ مُرْتَدَّةٌ أَوْ أُخْتُكَ مِنَ الرَّضَاعَةِ

اور دو عورتیں، اور اسی طرح جب مرد کو خبر دے کوئی مخبر کہ تو نے اس کے ساتھ نکاح کیا حالانکہ وہ مرتدہ تھی یا تیری بہن تھی رضاعی،

لَمْ يَتَزَوَّجْ بِأُخْتِهَا أَوْ أَرْبَعٍ سِوَاهَا حَتَّى يَشْهَدَ بِذَلِكَ عَدْلَانِ ؛ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ

تو نکاح نہ کرے اس کی بہن کے ساتھ، اور نہ اس کے سوا چار اور کے ساتھ یہاں تک کہ گواہی دیں اس کی دو عادل؛ کیونکہ اس نے خبر دی

بِفَسَادٍ مُقَارِنٍ ، وَالْإِقْدَامُ عَلَى الْعَقْدِ يَدُلُّ عَلَى صِحَّتِهِ وَإِنْكَارِ فَسَادِهِ فَثَبَتَ الْمُنَازِعُ بِالظَّاهِرِ،

مقارن للعقد فساد کی، اور عقد پر اقدام دلالت کرتا ہے اس کے صحیح ہونے پر اور اس کے فساد سے انکار پر لہذا ثابت ہوگا منازع ظاہر سے

﴿۱۳﴾بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتِ الْمَنْكُوحَةُ صَغِيرَةً فَأُخْبِرَ الزَّوْجُ أَنَّهَا ارْتَضَعَتْ مِنْ أُمِّهِ أَوْ أُخْتِهِ حَيْثُ يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ

برخلاف اس کے اگر منکوحہ صغیرہ ہو پس شوہر کو خبر دی گئی کہ اس کی منکوحہ نے دودھ پیا اس کی ماں یا اس کی بہن کا کہ قبول کیا جائے گا ایک کا قول

فِيهِ ؛ لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ ، وَالْإِقْدَامُ الْأَوَّلُ لَا يَدُلُّ عَلَى انْعِدَامِهِ فَلَمْ يَثْبُتِ الْمُنَازِعُ فَافْتَرَقَا،

اس میں؛ کیونکہ قاطع طاری ہے، اور اقدام اول دلالت نہیں کرتا ہے عدم رضاعت پر پس ثابت نہ ہوگا منازع، پس دونوں مسئلے الگ ہوگئے

وَعَلَى هَذَا الْحَرْفِ يَدُورُ الْفَرْقُ. ﴿۱۴﴾وَلَوْ كَانَتْ جَارِيَةٌ صَغِيرَةٌ لَا تُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهَا فِي يَدِ رَجُلٍ يَدَّعِي

اور اسی اصل پر دائر ہے فرق۔ اور اگر ہو باندی صغیرہ جو تعبیر نہ کر سکتی ہو اپنی ذات سے کسی ایسے شخص کے قبضہ میں جو دعوی کر رہا ہے

أَنَّهَا لَهُ فَلَمَّا كَبِرَتْ لَقِيَهَا رَجُلٌ فِي بَلَدٍ آخَرَ فَقَالَتْ أَنَا حُرَّةُ الْأَصْلِ

کہ یہ اس کی ہے، پھر جب وہ بڑی ہو گئی اور ملا اس سے کوئی آدمی کسی دوسرے شہر میں، پس اس نے کہا کہ میں اصل سے آزاد ہوں

لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا لِتَحَقُّقِ الْمُنَازِعِ وَهُوَ ذُو الْيَدِ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ.

تو گنجائش نہیں اس شخص کے لیے کہ نکاح کر لے اس سے؛ تحقق منازع کی وجہ سے اور وہ قابض ہے، برخلاف سابق صورت کے۔

تشریح:۔{۱} گوبر کی بیع میں کوئی حرج نہیں ہے، اور پاخانہ کی بیع مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گوبر کی بیع بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ گوبر نجس العین ہے لہٰذا یہ پاخانہ کے مشابہ ہے اور مردار جانور کی ایسی کھال کے مشابہ ہے جس کو دباغت نہ دی گئی ہو تو جیسا کہ ان دو چیزوں کی بیع جائز نہیں ہے اسی طرح گوبر کی بیع بھی جائز نہ ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ گوبر سے نفع اٹھایا جاتا ہے؛ کیونکہ پیداوار بڑھانے کے لیے اس کو زمین میں ڈالا جاتا ہے لہٰذا یہ مال ہے اس لیے کہ مال وہی ہے جس کو ضرورت کے وقت کے لیے ذخیرہ کیا جاتا ہو لہٰذا گوبر مال ہے اور مال بیع کا محل ہے اس لیے اس کی بیع جائز ہے۔

{۲} باقی پاخانہ پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کو مٹی کے ساتھ مخلوط کر کے نفع اٹھایا جاتا ہے اختلاط کے بغیر نفع نہیں اٹھایا جاتا ہے، اس لیے کہ خالص پاخانہ مال نہیں لہٰذا اس کی بیع جائز نہیں جبکہ گوبر مال ہے اس لیے اس کی بیع جائز ہے۔ اور مخلوط پاخانہ کی بیع ہمارے نزدیک بھی جائز ہے یہی امام محمدؒ سے مروی ہے اور یہی صحیح ہے، اسی طرح صحیح قول کے مطابق مخلوط پاخانہ سے نفع اٹھانا جائز ہے غیر مخلوط سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اور مخلوط پاخانہ ایسے روغن زیتون کے مشابہ ہے جس میں نجاست مل گئی ہو تو جس طرح کہ نجاست ملا ہوا روغن زیتون کی بیع جائز ہے اسی طرح مخلوط پاخانہ کی بیع بھی جائز ہے۔

فتویٰ:۔ راجح یہ ہے کہ خالص پاخانہ کی بیع جائز ہے لما فی البحر الرائق: بِخِلَافِ الْعَذِرَةِ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ لَمْ تَجْرِ بِالِانْتِفَاعِ بِهَا إلَّا مَخْلُوطَةً بِرَمَادٍ أَوْ تُرَابٍ غَالِبٍ عَلَيْهَا فَحِينَئِذٍ يَجُوزُ بَيْعُهَا وَالصَّحِيحُ عَنِ الْإِمَامِ أَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْعَذِرَةِ الْخَالِصَةِ جَائِزٌ فَلِلْغَلَبَةِ يَجُوزُ بَيْعُ الْخَالِصَةِ (البحر الرائق:8/199)

{۳} اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہ باندی زید کی ہے اور بکر اس کو بازار میں فروخت کر رہا ہے اور بکر کہہ رہا ہے کہ باندی کے مالک نے اس کو فروخت کرنے کے لیے مجھے وکیل بنایا ہے تو آپ کے لیے گنجائش ہے کہ آپ اس کو خرید لے اور اس سے وطی کر لے؛ کیونکہ بکر نے آپ کو صحیح خبر دی ہے اور بکر کا کوئی معارض بھی نہیں ہے، اور سابق میں گذر چکا کہ معاملات میں ایک شخص کا قول مقبول ہوتا ہے خواہ وہ جیسا بھی ہو یعنی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، عادل ہو یا فاسق، مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح اگر بکر نے کہا کہ یہ

باندی میں نے زید سے خریدی ہے یا اس نے مجھے ہبہ کی ہے یا اس نے اس کو میرے اوپر صدقہ کر دیا ہے؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اس نے صحیح خبر دی ہے اور اس کا کوئی معارض بھی نہیں ہے اور معاملات میں ایک شخص کا قول مقبول ہے وہ جیسا بھی ہو۔

{۴} صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا قول قبول ہونا اس وقت صحیح ہے کہ وہ ثقہ ہو، یا مخبر شخص ثقہ تو نہ ہو لیکن اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ شخص سچا ہے تو بھی اس کا قول مقبول ہوگا؛ کیونکہ معاملات میں مخبر کی عدالت شرط نہیں ہے اس لیے کہ غیر عادل کے قول کو قبول کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے جیسا کہ "فصلٌ فی الأكلِ والشربِ" میں گذر چکا کہ قصائی سے لائے ہوئے گوشت کے بارے میں مجوسی کا قول قبول کیا جائے گا۔

{۵} اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ مخبر جھوٹا ہے تو اس کے لیے گنجائش نہیں ہے کہ ان میں سے کسی شی سے تعارض کرے؛ کیونکہ غالب گمان یقین کے قائم مقام ہوتا ہے تو گویا اس کو مخبر کے جھوٹے ہونے کا یقین ہے اس لیے اس کے لیے اس باندی کو خریدنے اور اس سے وطی کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح اگر آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ باندی زید کی ہے البتہ قابض شخص نے آپ کو خبر دی کہ یہ زید کی ہے اور اس نے مجھے وکیل بنایا کہ میں اس باندی کو فروخت کر دوں، یا یہ باندی میں نے اس سے خرید لی ہے، اور مخبر ثقہ آدمی ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اگر مخبر ثقہ نہ ہو تو پھر آپ کی غالب رائے کا اعتبار ہوگا؛ کیونکہ قابض کا قول خود اس کے حق میں حجت ہے اور وہ خبر دے رہا ہے کہ باندی میری نہیں ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

{۶} اور اگر قابض نے آپ کو کوئی خبر نہ دی ہو، تو اگر آپ کو علم ہو کہ یہ باندی زید کی ہے تو اس کو نہ خریدے جب تک کہ آپ کو علم نہ ہو جائے کہ کس طرح یہ باندی زید کی ملک سے بکر کی ملک کی طرف منتقل ہوئی ہے؛ کیونکہ زید کا قبضہ دلیل ہے کہ یہ باندی زید کی ملک ہے تو بکر کی ملک کے لیے کوئی سبب چاہیے جو یہاں نہیں پایا جا رہا ہے اس لیے بکر سے یہ باندی نہ خریدے۔ اور اگر آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ باندی زید کی ہے تو آپ اس کو خرید سکتے ہیں اگرچہ فروخت کرنے والا قابض شخص فاسق ہو؛ کیونکہ فاسق کا قبضہ فاسق اور عادل دونوں کے حق میں ملک کی دلیل ہے اور اس قابض کا کوئی معارض بھی نہیں ہے اس لیے ظاہر یہ ہے کہ یہ باندی اس قابض کی ملک ہے اور اس ظاہر دلیل (قبضہ) کے ہوتے ہوئے آپ کی غالب رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے یہاں غالب رائے کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

{7} البتہ اگر مبیع ایسی قیمتی چیز ہو کہ اس جیسا قابض اس کا مالک نہ ہو سکتا ہو مثلاً کوئی فقیر شخص قیمتی موتی فروخت کر رہا ہو تو اس وقت آپ کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس کو خریدنے سے پرہیز کرے؛ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اگر آپ نے اس کو خرید لیا تو آپ کے لیے اس کی گنجائش ہے؛ کیونکہ آپ نے دلیل شرعی (قبضہ) پر اعتماد کیا ہے اور دلیل کے ہوتے ہوئے خرید کی گنجائش ہوتی ہے۔

{8} اگر غلام یا باندی نے کوئی باندی ہبہ یا فروخت کے لیے پیش کر دی تو اس کو قبول نہ کرے اور نہ اس باندی کو خریدے؛ کیونکہ غلام اور باندی کی کوئی مِلک نہیں ہوتی ہے لہٰذا پیش کی جانے والی باندی میں مِلک کسی اور کی ہے اس لیے بلا تحقیق نہ اس کو ہدیہ میں قبول کرے اور نہ اس کو خریدے۔ اور اگر غلام یا باندی نے اس کی خبر دی کہ میرے مولیٰ نے مجھے اس کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور مخبر ثقہ بھی ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اگر مخبر ثقہ نہ ہو تو پھر مشتری کی غالب رائے کا اعتبار ہو گا یعنی اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ مخبر سچا ہے تو مخبر کے قول کی تصدیق کرے اور اگر غالب رائے یہ ہو کہ مخبر جھوٹا ہے تو پھر مخبر کا قول قبول نہ کرے۔ اور اگر مشتری کی کوئی رائے نہ ہو بلکہ اسے مخبر کے سچے یا جھوٹے ہونے میں شک ہو تو اس صورت میں باندی کو نہ خریدے؛ کیونکہ مانع موجود ہے اس لیے کہ بائع خود رقیق ہے جس کا قبضہ تصرف کی اجازت نہیں دیتا ہے لہٰذا جب تک کہ دلیل نہ پائی جائے باندی نہ خریدے اور دلیل مشتری کی غالب رائے ہے۔

{9} ایک عورت کا شوہر غائب ہے اب کسی ثقہ شخص نے اس کو خبر دی کہ تیرا غائب شوہر مر گیا، یا اس نے تجھے تین طلاقیں دیدی، یا مخبر خود تو ثقہ نہیں ہے البتہ اس نے شوہر کی طرف سے طلاق نامہ کی تحریر عورت کو پیش کر دی، اور عورت نہیں جانتی ہے کہ یہ اس کے شوہر کی تحریر ہے یا نہیں ہے، البتہ غور و فکر کے بعد اس کی غالب رائے یہ قرار پائی کہ مخبر سچا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ عورت عدت گذار کر اپنا دوسرا نکاح کر لے؛ کیونکہ نکاح کو قطع کرنے والا امر طاری ہے اور اس کا کوئی معارض نہیں ہے لہٰذا مخبر کے ثقہ ہونے یا عورت کی غالب رائے کی صورت میں مخبر کا قول قبول کیا جائے گا۔

فائدہ: قاطع دو قسم پر ہے (1) طاری (2) مقارن، طاری کا مطلب یہ ہے کہ قاطع پہلے سے نہیں ہے بعد میں پیش آیا، اور مقارن کا مطلب یہ ہے کہ قاطع عقد سے پہلے ہی موجود ہو اس لیے عقد شروع ہی سے فاسد ہے، اور اصول یہ ہے کہ قاطع طاری کی صورت میں ایک ثقہ شخص کا قول معتبر ہوتا ہے اور غیر ثقہ کا قول اس وقت معتبر ہو گا کہ اس کے سچے ہونے کی غالب رائے ہو، جبکہ قاطع قارن کی صورت میں نصاب شہادت اور عدالت ضروری ہے اس لیے ایک آدمی کا قول معتبر نہ ہو گا۔

{۱۰}اسی طرح اگر عورت نے کسی شخص سے کہا کہ مجھے میرے شوہر نے طلاق دی ہے اور میری عدت گذر گئی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ شخص اس عورت سے نکاح کر لے؛کیونکہ اس کا کوئی معارض نہیں ہے۔اسی طرح اگر کسی عورت کو شوہر نے تین طلاقیں دی ہوں، اب وہ کہتی ہے کہ میری عدت گذر گئی اور میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا اور اس نے میرے ساتھ دخول بھی کر لیا، پھر اس نے مجھے طلاق دی اور میری عدت گذر گئی، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ پہلا شوہر اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لے؛کیونکہ اس نے ایک ایسے امر کی خبر دی ہے جس میں اس کا کوئی معارض نہیں اس لیے اس کی خبر کو قبول کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر باندی نے کسی شخص کو خبر دی کہ میں فلاں شخص کی باندی تھی پھر اس نے مجھے آزاد کر دیا تو اس شخص کے لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے؛کیونکہ یہ رقیت کے لیے قطع کرنے والا امر طاری ہے مقارن نہیں ہے اور سابق میں گذر چکا کہ قاطع طاری کی صورت میں ثقہ کا قول قبول ہوتا ہے۔

{۱۱}اگر عورت کو کسی نے خبر دی کہ اصل نکاح فاسد تھا یا جس وقت تیرے شوہر نے تجھ سے نکاح کیا اس وقت وہ مرتد تھا، یا وہ تیرا رضاعی بھائی تھا تو ان تینوں صورتوں میں اس مخبر کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں، اسی طرح اگر شوہر کو کسی نے خبر دی کہ جس وقت تو نے اس عورت سے نکاح کیا اس وقت وہ مرتدہ تھی یا وہ تیری رضاعی بہن ہے تو اس کا قول قبول نہ ہوگا بلکہ یہ عورت اس کی بیوی رہے گی اس لیے شوہر اس عورت کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا ہے؛کیونکہ جمع بین الاختین لازم آتا ہے، اور اس عورت کے علاوہ مزید چار عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا ہے؛کیونکہ اس صورت میں پانچ عورتوں سے نکاح کرنے والا ہو جائے گا حالانکہ پانچ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

{۱۲}البتہ اگر دو عادل مردوں نے اس کو مذکورہ خبر دی تو چونکہ اس صورت میں نکاح نہیں ہوا ہے لہٰذا یہ اس کی بیوی نہیں ہے اس لیے اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے، فقط ایک شخص کی خبر یہاں اس لیے معتبر نہیں کہ یہ فسادِ طاری کی خبر نہیں ہے بلکہ مقارن کی خبر ہے کہ شروع ہی سے نکاح نہیں ہوا ہے اور اصول گذر چکا کہ قاطع مقارن کی صورت میں نصابِ شہادت اور عدالت ضروری ہے، اور یہاں مخبر کا معارض بھی موجود ہے؛کیونکہ اس کا عقد پر اقدام کرنا دلالت کرتا ہے کہ عقد صحیح ہے اور فساد منتفی ہے لہٰذا ظاہری طور پر مخبر کا معارض ثابت ہو گیا اس لیے ایک شخص کی خبر قبول نہ ہوگی بلکہ نصابِ شہادت بمع عدالت ضروری ہے۔

{۱۳}اس کے برخلاف اگر منکوحہ دودھ پیتی بچی ہو اور شوہر کو کسی نے خبر دی کہ تیری بیوی نے تیری ماں کا دودھ پیا یا تیری بہن کا دودھ پیا تو اس صورت میں ایک شخص کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ یہاں شروع سے نکاح ہے اس لیے یہ قاطع طاری ہے اور قاطع طاری کی صورت میں ایک شخص کا قول قبول ہوتا ہے، اور اس شخص کا اقدام نکاح کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ اس کی بیوی نے اس کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے لہٰذا اقدام نکاح کرنے سے یہ مخبر کا معارض نہیں ہے یوں اس صورت میں اور سابقہ صورت میں فرق ہو گیا لہٰذا اس صورت میں ایک شخص کی خبر قبول ہوگی، اور کہیں ایک کا قول قبول ہونے اور کہیں قبول نہ ہونے میں فرق اسی اصل پر دائر ہے کا یعنی کہ قاطع طاری کی صورت میں ایک شخص کا قول قبول ہوگا اور مقارن کی صورت میں قبول نہ ہوگا۔

{۱۴}اور اگر کوئی چھوٹی باندی ایسی ہو جو اپنے نفس سے تعبیر نہ کر سکتی ہو اور کسی ایسے شخص کے قبضہ میں ہو جو یہ دعویٰ کر رہا ہو کہ یہ باندی میری ہے، پھر جب وہ باندی بڑی ہوگئی اور اس کو کسی دوسرے شہر میں کوئی آدمی ملا اور اس نے کہا کہ میں حرۃ الاصل ہوں تو اس شخص کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس سے نکاح کرلے؛ کیونکہ یہاں معارض موجود ہے اور وہ قبضہ کرنے والا ہے جس نے کہا تھا کہ میں اس کا مالک ہوں اور یہ خود کو حرۃ الاصل کہہ رہی ہے لہٰذا معارض موجود ہونے کی وجہ سے ایک شخص کی خبر کافی نہیں بلکہ نصابِ شہادت مع عدالت ضروری ہے، برخلافِ اس صورت کے جو پہلے گذر چکی یعنی جب اس نے کہا کہ میں فلاں کی باندی تھی پھر اس نے مجھے آزاد کر دیا تو اس کا قول قبول ہوگا؛ کیونکہ یہاں کوئی معارض نہیں ہے اس لیے کہ اس کا سابق میں مملوکہ ہونا بعد میں اعتاق طاری ہونے کے منافی نہیں ہے اس لیے اس کا قول قبول ہوگا۔

{۱}قَالَ (وَإِذَا بَاعَ الْمُسْلِمُ خَمْرًا وَأَخَذَ ثَمَنَهَا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ لِصَاحِبِ الدَّيْنِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ،
فرمایا: اور جب فروخت کر دی مسلمان نے شراب اور لے لیا اس کا ثمن اور اس پر قرض ہے، تو مکروہ ہے صاحب قرض کے لیے کہ لے لے اس سے

وَإِنْ كَانَ الْبَائِعُ نَصْرَانِيًّا فَلَا بَأْسَ بِهِ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْبَيْعَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ قَدْ بَطَلَ؛ لِأَنَّ الْخَمْرَ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ
اور اگر ہو بائع نصرانی تو کوئی حرج نہیں اس میں، اور فرق یہ کہ بیع پہلی صورت میں باطل ہوگئی؛ کیونکہ شراب مال ذی قیمت نہیں ہے

فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَبَقِيَ الثَّمَنُ عَلَى مِلْكِ الْمُشْتَرِي فَلَا يَحِلُّ أَخْذُهُ مِنَ الْبَائِعِ .وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي صَحَّ الْبَيْعُ ؛
مسلمان کے حق میں، پس باقی رہا ثمن مشتری کی ملک پر، پس حلال نہ ہوگا اس کا لینا بائع سے، اور دوسری صورت میں صحیح ہوگئی بیع؛

لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِي حَقِّ الذِّمِّيِّ فَمَلَكَهُ الْبَائِعُ فَيَحِلُّ الْأَخْذُ مِنْهُ . {۲}قَالَ : وَيُكْرَهُ الِاحْتِكَارُ
کیونکہ یہ ذی قیمت مال ہے ذمی کے حق میں، پس مالک ہوگا اس کا بائع اس لیے حلال ہے لینا اس سے۔ فرمایا: اور مکروہ ہے ذخیرہ اندوزی کرنا

فِي أَقْوَاتِ الْآدَمِيِّينَ وَالْبَهَائِمِ إِذَا كَانَ ذَلِكَ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ الِاحْتِكَارُ بِأَهْلِهِ وَكَذَلِكَ التَّلَقِّي

انسانوں اور جانوروں کے غلوں میں بشرطیکہ ہو یہ ایسے شہر میں کہ مضر ہو ذخیرہ اندوزی شہر والوں کے لیے، اور اسی طرح تلقی ہے،

فَأَمَّا إِذَا كَانَ لَا يَضُرُّ فَلَا بَأْسَ بِهِ ، وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ }

اور اگر ذخیرہ اندوزی مضر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اس میں؛ اور اصل اس بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے "جالب مرزوق ہے اور محتکر ملعون ہے"

{٣} وَلِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ ، وَفِي الِامْتِنَاعِ عَنِ الْبَيْعِ إِبْطَالُ حَقِّهِمْ وَتَضْيِيقُ الْأَمْرِ عَلَيْهِمْ

اور اس لیے کہ متعلق ہو گیا اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق اور بیع سے رُکنے میں ابطال ہے ان کے حق کا اور تنگ کرنا ہے معاملے کو ان پر

فَيُكْرَهُ إِذَا كَانَ يَضُرُّ بِهِمْ ذَلِكَ بِأَنْ كَانَتِ الْبَلْدَةُ صَغِيرَةً ، بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَضُرَّ بِأَنْ كَانَ الْمِصْرُ كَبِيرًا ، لِأَنَّهُ

پس مکروہ ہے جبکہ ہو مضر ان کے لیے یہ احتکار، بایں طور کہ شہر چھوٹا ہو، بر خلاف اس کے جب مضر نہ ہو، بایں طور کہ شہر بڑا ہو؛ کیونکہ وہ

حَابِسٌ مِلْكَهُ مِنْ غَيْرِ إِضْرَارٍ بِغَيْرِهِ {٤} وَكَذَلِكَ التَّلَقِّي عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ { نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ

روکنے والا ہے اپنی ملک کو دوسرے کو ضرر پہنچانے کے بغیر، اور اسی طرح تلقی اسی تفصیل پر ہے؛ کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے تلقی جلب

وَعَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ } . قَالُوا هَذَا إِذَا لَمْ يُلَبِّسِ الْمُتَلَقِّي عَلَى التُّجَّارِ سِعْرَ الْبَلْدَةِ . فَإِنْ لَبَّسَ فَهُوَ مَكْرُوهٌ فِي الْوَجْهَيْنِ

اور تلقی رکبان سے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ جب ہے کہ نہ چھپائے متلقی تجار سے شہر کا بھاؤ، اور اگر چھپایا تو یہ مکروہ ہے دونوں صورتوں میں

لِأَنَّهُ غَادِرٌ بِهِمْ {٥} وَتَخْصِيصُ الِاحْتِكَارِ بِالْأَقْوَاتِ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتِّبْنِ وَالْقَتِّ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ،

کیونکہ یہ دھوکہ دینے والا ہے تاجروں کو۔ اور احتکار کی تخصیص غلوں کے ساتھ جیسے گندم، جَو، بھوسہ اور چارہ امام صاحبؒ کا قول ہے،

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ كُلُّ مَا أَضَرَّ بِالْعَامَّةِ حَبْسُهُ فَهُوَ احْتِكَارٌ وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً أَوْ ثَوْبًا . وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ

اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ ہر وہ چیز جو مضر ہو عام لوگوں کے لیے اس کا روکنا تو وہ احتکار ہے اگرچہ سونا یا چاندی یا کپڑا ہو، اور امام محمدؒ سے مروی ہے

أَنَّهُ قَالَ : لَا احْتِكَارَ فِي الثِّيَابِ ؛ فَأَبُو يُوسُفَ اعْتَبَرَ حَقِيقَةَ الضَّرَرِ إِذْ هُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْكَرَاهَةِ،

کہ انہوں نے کہا کہ احتکار نہیں ہے کپڑوں میں، پس امام ابو یوسفؒ نے اعتبار کیا ہے حقیقت ضرر کا؛ کیونکہ یہی مؤثر ہے کراہت میں،

وَأَبُو حَنِيفَةَ اعْتَبَرَ الضَّرَرَ الْمَعْهُودَ الْمُتَعَارَفَ {٦} ثُمَّ الْمُدَّةُ إِذَا قَصُرَتْ لَا يَكُونُ احْتِكَارًا لِعَدَمِ الضَّرَرِ ، وَإِذَا طَالَتْ

اور امام صاحبؒ نے اعتبار کیا ہے ضررِ معہود متعارف کا۔ پھر مدتِ احتکار اگر کم ہو تو نہ ہوگا یہ احتکار؛ عدم ضرر کی وجہ سے، اور اگر مدت طویل ہو

يَكُونُ احْتِكَارًا مَكْرُوهًا لِتَحَقُّقِ الضَّرَرِ . ثُمَّ قِيلَ : هِيَ مُقَدَّرَةٌ بِأَرْبَعِينَ يَوْمًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنِ احْتَكَرَ

تو یہ احتکار مکروہ ہے؛ تحقق ضرر کی وجہ سے، پھر کہا گیا ہے کہ وہ مقدر ہے چالیس دن کے ساتھ؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے احتکار کیا

طَعَامًا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللهِ وَبَرِئَ اللهُ مِنْهُ } وَقِيلَ بِالشَّهْرِ ؛ لِأَنَّ مَا دُونَهُ قَلِيلٌ

غلے کا چالیس دن تک تو وہ بری ہے اللہ سے اور اللہ بری ہے اس سے" اور کہا گیا ہے کہ ایک ماہ سے مقدر ہے؛ کیونکہ اس سے کم مدت تھوڑی

عَاجِلٌ، وَالشَّهْرُ وَمَا فَوْقَهُ كَثِيرٌ آجِلٌ ، وَقَدْ مَرَّ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ ، {7}وَيَقَعُ التَّفَاوُتُ فِي الْمَأْثَمِ بَيْنَ أَنْ يَتَرَبَّصَ

اور عاجل ہے، اور مہینہ اور اس سے زیادہ کثیر اور مؤخر ہے، اور یہ گذر چکا ہے کئی جگہ، اور واقع ہوگا تفاوت گناہ میں اس میں کہ انتظار کرے

الْعِزَّةَ وَبَيْنَ أَنْ يَتَرَبَّصَ الْقَحْطَ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ ، وَقِيلَ الْمُدَّةُ لِلْمُعَاقَبَةِ فِي الدُّنْيَا إِمَّا يَأْثَمُ وَإِنْ قَلَّتِ الْمُدَّةُ.

گرانی کا اور اس میں کہ انتظار کرے قحط کا العیاذ باللہ، اور کہا گیا ہے کہ مدت دنیاوی سزا کے لیے ہے، رہا یہ کہ گناہ گار ہوگا اگرچہ کم ہو مدت،

وَالْحَاصِلُ أَنَّ التِّجَارَةَ فِي الطَّعَامِ غَيْرُ مَحْمُودَةٍ {8}قَالَ : وَمَنِ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهِ أَوْ مَا جَلَبَهُ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ

اور حاصل یہ کہ غلے کی تجارت پسندیدہ نہیں ہے۔ فرمایا: اور جو شخص ذخیرہ کرے اپنی زمین کا غلہ یا جو اس نے لایا ہے دوسرے شہر سے،

فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ ؛ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ ؛ أَلَا تَرَى

تو یہ محتکر نہیں ہے، بہر حال اول تو اس لیے کہ وہ خالص حق ہے اس کا متعلق نہیں ہوا ہے اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق، کیا تم نہیں دیکھتے

أَنَّ لَهُ أَنْ لَا يَزْرَعَ فَكَذَلِكَ لَهُ أَنْ لَا يَبِيعَ .وَأَمَّا الثَّانِي فَالْمَذْكُورُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ؛

کہ اس کو یہ اختیار ہے کہ کھیتی نہ کرے پس اسی طرح اس کو اختیار ہوگا کہ فروخت نہ کرے، رہا دوسرا تو مذکور امام صاحبؒ کا قول ہے؛

لِأَنَّ حَقَّ الْعَامَّةِ إِنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَا جَمَعَ فِي الْمِصْرِ وَجَلَبَ إِلَى فِنَائِهَا .{9}وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُكْرَهُ

کیونکہ عام لوگوں کا حق متعلق ہوتا ہے اس کے ساتھ جو جمع کر دے شہر میں اور لے جائے فناءِ شہر میں، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے مکروہ ہے؛

لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا .وَقَالَ مُحَمَّدٌ : كُلُّ مَا يُجْلَبُ مِنْهُ إِلَى الْمِصْرِ فِي الْغَالِبِ فَهُوَ

اس حدیث کے اطلاق کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور فرمایا امام محمدؒ نے: ہر وہ جگہ جس سے غلہ لایا جاتا ہو شہر میں عموماً تو وہ

بِمَنْزِلَةِ فِنَاءِ الْمِصْرِ يَحْرُمُ الِاحْتِكَارُ فِيهِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَامَّةِ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْبَلَدُ بَعِيدًا لَمْ تَجْرِ الْعَادَةُ

فناءِ مصر کے درجہ میں ہے حرام ہے احتکار اس میں؛ بوجہ متعلق ہونے حق عام کے اس کے ساتھ، برخلاف اس کے جب شہر دور ہو عادت جاری نہ ہو

بِالْحَمْلِ مِنْهُ إِلَى الْمِصْرِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ . {10}قَالَ : وَلَا يَنْبَغِي لِلسُّلْطَانِ أَنْ يُسَعِّرَ

وہاں سے غلہ لانا شہر میں؛ کیونکہ متعلق نہیں ہے اس کے ساتھ عوام کا حق۔ فرمایا: اور مناسب نہیں ہے بادشاہ کے لیے کہ نرخ مقرر کرے

عَلَى النَّاسِ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { لَا تُسَعِّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ }

لوگوں پر؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "نرخ مقرر نہ کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے، تنگی اور کشادگی لانے والا رازق ہے"

وَلِأَنَّ الثَّمَنَ حَقُّ الْعَاقِدِ فَإِلَيْهِ تَقْدِيرُهُ ، فَلَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِحَقِّهِ

اور اس لیے کہ ثمن عاقد کا حق ہے پس اسی کو اختیار ہے اس کی تعیین کا، پس مناسب نہیں ہے امام کے لیے کہ تعرض کرے اس کے حق سے،

إلَّا إذَا تَعَلَّقَ بِهِ دَفْعُ ضَرَرِ الْعَامَّةِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ . {۱۱}وَإِذَا رُفِعَ إلَى الْقَاضِي هَذَا الْأَمْرُ يَأْمُرُ

مگر جب متعلق ہو اس کے ساتھ عوام سے ضرر دفع کرنا جیسا کہ ہم بیان کریں گے اور جب اٹھایا جائے قاضی کی جانب یہ معاملہ تو وہ امر کرے

الْمُحْتَكِرَ بِبَيْعِ مَا فَضَلَ عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ عَلَى اعْتِبَارِ السَّعَةِ فِي ذَلِكَ وَيَنْهَاهُ

محتکر کو فروخت کرنے کا اس کو جو زائد ہو اس کی اور اس کے اہل خانہ کی خوراک سے، فراخی کے ساتھ اندازہ کرے اس میں، اور روک دے اس کو

عَنِ الِاحْتِكَارِ ، فَإِنْ رُفِعَ إلَيْهِ مَرَّةً أُخْرَى حَبَسَهُ وَعَزَّرَهُ عَلَى مَا يَرَى زَجْرًا لَهُ وَدَفْعًا

احتکار سے پھر اگر اٹھایا گیا اس کی طرف دوبارہ تو قید کر دے اس کو اور تعزیر کر دے اس کو جتنی مناسب ہو روکتے ہوئے اس کو اور دفع کرتے ہوئے

لِلضَّرَرِعَنِ النَّاسِ{۱۲}فَإِنْ كَانَ أَرْبَابُ الطَّعَامِ يَتَحَكَّمُونَ وَيَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًافَاحِشًا، وَعَجَزَ الْقَاضِي

ضرر کو لوگوں سے۔ پھر اگر اربابِ طعام سینہ زوری کرتے ہوں اور تجاوز کرتے ہوں قیمت سے بہت زیادہ، اور عاجز ہو قاضی

عَنْ صِيَانَةِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إلَّا بِالتَّسْعِيرِ فَحِينَئِذٍ لَا بَأْسَ بِهِ بِمَشْوَرَةٍ مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْبَصِيرَةِ،

حقوق المسلمین کی حفاظت سے مگر نرخ مقرر کرنے سے، تو اس کوئی حرج نہیں مشورہ لینے میں اہل رائے اور بصیرت والوں سے،

فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَتَعَدَّى رَجُلٌ عَنْ ذَلِكَ وَبَاعَ بِأَكْثَرَ مِنْهُ أَجَازَهُ الْقَاضِي،

پھر جب قاضی یہ کام کرلے اور تجاوز کرے کوئی شخص اس سے اور فروخت کر دے اس سے زیادہ میں، تو قاضی جائز کر دے اس کو،

وَهَذَاظَاهِرٌعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛لِأَنَّهُ لَايَرَى الْحَجْرَعَلَى الْحُرِّ وَكَذَاعِنْدَهُمَا، إلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَجْرُ عَلَى قَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ

اور یہ ظاہر ہے امام صاحبؒ کے نزدیک؛ کیونکہ وہ جائز نہیں سمجھتے حجر کرنا آزاد پر، اور اسی طرح صاحبینؒ کے نزدیک، مگر یہ کہ ہو حجر کسی خاص قوم پر،

وَمَنْ بَاعَ مِنْهُمْ بِمَا قَدَّرَهُ الْإِمَامُ صَحَّ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ عَلَى الْبَيْعِ ،{۱۳}هَلْ يَبِيعُ

اور جو شخص فروخت کر دے اس ریٹ پر جس کو مقرر کیا ہے امام نے تو صحیح ہے؛ کیونکہ وہ مجبور نہیں ہے بیع پر، اور کیا فروخت کرے گا

الْقَاضِي عَلَى الْمُحْتَكِرِ طَعَامَهُ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ .قِيلَ هُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي عُرِفَ فِي بَيْعِ مَالِ الْمَدْيُونِ،

قاضی محتکر پر اس کا طعام اس کی رضامندی کے بغیر، تو کہا گیا ہے کہ یہ اس اختلاف پر ہے جو معروف ہے مال مدیون کی بیع میں،

وَقِيلَ يَبِيعُ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ يَرَى الْحَجْرَ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍّ ، وَهَذَا كَذَلِكَ.

اور کہا گیا ہے فروخت کرے گا بالاتفاق؛ کیونکہ امام صاحبؒ جائز سمجھتے ہیں حجر عام لوگوں کا ضرر دفع کرنے کے لیے اور یہ اسی طرح ہے۔

تشریح:۔{۱}اگر مسلمان نے شراب فروخت کر دی، اور اس کا ثمن لے لیا اور اس پر کسی کا قرض ہے تو قرضخواہ کے لیے مکروہ ہے کہ اس سے یہ لے لے، اور اگر بائع نصرانی ہو تو پھر قرضخواہ کے لیے اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت (بائع مسلمان ہونے کی صورت) میں بیع باطل ہے اس لیے کہ شراب مسلمان کے حق میں ذی قیمت مال نہیں ہے اور جب مال نہیں تو اس کی بیع صحیح نہیں ہے لہٰذا ثمن مشتری کی مِلک پر باقی ہے اس لیے بائع سے اس کا لینا جائز نہیں ہے، اور دوسری صورت (بائع نصرانی ہونے کی صورت) میں بیع صحیح ہے؛ کیونکہ شراب ذمی کے حق میں ذی قیمت مال ہے لہٰذا بائع (نصرانی) شراب کے ثمن کا مالک ہو گا اس لیے قرضخواہ کے لیے اس سے لینا جائز ہے۔

{۲}انسانوں اور جانوروں کی غذاؤں کو مہنگائی کے انتظار میں روکے رکھنا مکروہ ہے بشرطیکہ یہ ایسے شہر میں ہو کہ جہاں اس کو روکنے میں شہر والوں کا ضرر ہو، اور اگر احتکار شہر والوں کے لیے مضر نہ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس بارے میں اصل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "باہر سے غلہ لا کر شہر میں فروخت کرنے والا مرزوق ہے اور محتکر ملعون ہے"[1] جالب کو رزق اس لیے ملے گا کہ اس کے اس عمل میں لوگوں کا فائدہ ہے تو لوگوں کی دعاؤں کی برکتیں اس کو ملیں گی، اور غذاؤں کو مہنگائی کے انتظار میں روکنے والا اس لیے ملعون (نیک لوگوں کے مقام سے دور) ہے کہ اس کے اس عمل سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے۔

{۳}کراہت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مال کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق ہو چکا ہے تو اس کو فروخت نہ کرنے میں عوام کے حق کا ابطال ہے اور ان پر معاملہ کو تنگ کرنا ہے اس لیے محتکر کا یہ عمل مکروہ ہے بشرطیکہ عوام کے لیے مضر ہو بایں طور کہ شہر چھوٹا ہو جس میں ایک شخص کے غلہ روکنے سے بھی لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو۔ اس کے برخلاف اگر محتکر کا یہ عمل لوگوں کے لیے مضر نہ ہو بایں طور کہ شہر بہت بڑا ہو جس میں ایک شخص کے احتکار سے لوگوں کو ضرر نہ پہنچتا ہو تو اس صورت میں مکروہ نہ ہو گا؛ کیونکہ محتکر نے اپنی مِلک کو اس طرح روکا ہے جس سے دوسروں کو ضرر نہیں پہنچایا ہے اس لیے مکروہ نہیں ہے۔

{۴}کوئی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آرہا ہے شہر میں آنے سے پہلے کسی شہری نے آگے جا کر ان سے غلہ خرید لیا تا کہ شہر میں مہنگے داموں فروخت کر دے تو اس کو تلقی الجلب کہتے ہیں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تلقی الجلب کا بھی یہی حکم ہے جو احتکار کا ہے کہ

---

(1) قُلْتُ: أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ فِي التِّجَارَاتِ عَنْ عَلِيِّ بن سالم عن ثَوْبَانَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ، وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ".(نصب الراية: 4ص567)

اگر شہر والوں کے لیے مضر ہو تو مکروہ ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے تلقی الجلب اور قافلہ سے ملنے سے منع فرمایا ہے[1]۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ تاجروں سے ملنے والا شخص شہر میں آنے سے پہلے ان سے شہر کا بھاؤ نہ چھپائے اور اگر ان سے بھاؤ کو چھپا کر کم قیمت میں غلہ خرید لیا تو یہ بہر صورت مکروہ ہے خواہ شہر والوں کے لیے مضر ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں متلقی شخص تاجروں کو دھوکہ دے رہا ہے اس لیے بہر صورت مکروہ ہے۔

{۵} احتکار کو غذاؤں کے ساتھ مخصوص کرنا امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے یعنی ان کے نزدیک احتکار فقط غذاؤں میں ہے مثلاً گندم، جو، بھوسہ اور اسپست (جانوروں کا چارہ) وغیرہ غذاؤں کے علاوہ میں نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا روکنا عام لوگوں کے لیے مضر ہو پس وہ احتکار ہے اگرچہ وہ سونا، چاندی یا کپڑا ہو۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ کپڑوں میں احتکار نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ نے حقیقی ضرر کا اعتبار کیا ہے خواہ جس چیز میں ہو، اور امام صاحبؒ نے معہود اور متعارف ضرر کا اعتبار کیا ہے اور معہود و متعارف ضرر غذاؤں میں ہے اس لیے احتکار کو غذاؤں کے ساتھ مخصوص کیا۔

فتویٰ:۔ طرفینؒ کا قول راجح ہے لما فی ردالمحتار: وَالتَّقْيِيدُ بِقُوتِ الْبَشَرِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَذَا فِي الْكَافِي، (ردالمحتار: 5ص282)

{٦} پھر مختصر مدت کے لیے غلہ روکنا احتکار نہ ہوگا؛ کیونکہ اس میں ضرر نہیں ہے، اور طویل مدت کے لیے روکنا مکروہ احتکار ہے؛ کیونکہ طویل مدت تک روکنے میں عوام کے لیے ضرر متحقق ہوتا ہے۔ پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ طویل مدت چالیس روز کے ساتھ مقدر ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے چالیس راتوں تک غلہ روکا تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہو گیا"[2]، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایک مہینہ کے ساتھ مقدر ہے؛ کیونکہ ایک ماہ سے کم مدت قلیل اور فی الحال شمار ہوتی ہے اور ایک ماہ یا اس سے زیادہ مدت دراز شمار ہوتی ہے، اور مہینے سے کم قلیل اور مہینہ یا اس سے زیادہ کثیر ہونا متعدد مقامات (باب السلم) پر گذر چکا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ یہ رائے مبتلابہ اور حاکم کے سپرد ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم

([1]) قُلْتُ: هُمَا حَدِيثَانِ: فَالْأَوَّلُ: أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ، انْتَهَى، وَفِي لَفْظٍ: قَالَ: "لَا تَلَقَّوْا الْجَلَبَ، فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرَاهُ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ، فَهُوَ بِالْخِيَارِ"، انْتَهَى. الثَّانِي: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَلَقَّوْا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ"، (نصب الرایۃ:4ص570)

([2]) قُلْتُ: رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَالْبَزَّارُ، وَأَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِي مَسَانِيدِهِمْ، وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، والدارقطني في غَرَائِبِ مَالِكٍ، والطبراني في معجمه الوسط، وَأَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ كُلُّهُمْ مِنْ حَدِيثِ أَصْبَغَ بْنِ زَيْدٍ ثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ أَبِي الزَّاهِرِيَّةِ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَقَدْ بَرِئَ مِنْ اللَّهِ، وَبَرِئَ اللَّهُ مِنْهُ، وَأَيُّمَا أَهْلُ عَرْصَةٍ بَاتَ فِيهِمْ امْرُؤٌ جَائِعٌ، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُمْ ذِمَّةُ اللَّهِ"، (نصب الرایۃ:4ص570)

الشہید:والاشبہ بالفقہ ومذهب الامام هو التفويض فی امثال هذه المواضع الی رای المبتلابه دون التقدير فيما لم ینقل التقدير من الشارع(ہامش الہدایۃ:4ص469)

﴿7﴾ جو شخص غلہ اس لیے روکتا ہے تاکہ مہنگا ہو جائے پھر فروخت کروں گا تو یہ بھی گنہگار ہے اور جو اس لیے روکتا ہے کہ قحط پڑ جائے العیاذ باللہ پھر نکال کر مہنگا فروخت کروں گا تو یہ بھی گنہگار ہے مگر دونوں میں تفاوت ہے کہ دوسرا زیادہ گنہگار ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ احتکار کے لیے جو مدت مقرر کی ہے یہ صرف اس لیے ہے کہ اس مدت میں اس کو سزا دی جا سکے، رہا مسئلہ گنہگار ہونے کا تو وہ بہر حال ہے، حاصل یہ کہ غلہ کی تجارت پسندیدہ نہیں ہے، مگر غلہ کی تجارت پسندیدہ نہ ہونا اس وقت ہے کہ تاجر کا ارادہ احتکار کا ہو ورنہ تو پسندیدہ ہے؛ کیونکہ محنت کرکے کمانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ مولانا عبد الحکیم شادلیکوٹیؒ فرماتے ہیں کہ غلہ کی تجارت کو غیر پسندیدہ کہنا درست نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں:والحاصل ان حاصله ليس بصحيح ففی الحديث قال النبیﷺ:الجالب مرزوق والمحتكر ملعون ، و لا تلازم بين التجارة و الاحتكار و هذا صرح المحققون فارجع المطولات(ہامش الہدایۃ:4ص469)

﴿8﴾ جس نے اپنی زمین کا غلہ روکا یا ایسا غلہ روکا جو اس نے کسی دوسرے شہر سے لایا ہو تو یہ شخص محتکر نہیں ہے، بہر حال اپنی زمین کا غلہ روکنے والا اس لیے محتکر نہیں ہے کہ یہ غلہ خالص اس کا اپنا حق ہے عام لوگوں کا حق اس کے ساتھ متعلق نہیں ہے؛ کیونکہ اس کو تو یہ بھی حق ہے کہ سرے سے اپنی زمین میں غلہ بوئے بھی نہیں، لہٰذا اس کو یہ بھی حق ہوگا کہ بونے کے بعد اس کو فروخت نہ کرے۔ اور دوسرے شہر سے لانے والے کا محتکر نہ ہونا امام صاحبؒ کا قول ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق نہیں ہے اس لیے کہ عام لوگوں کا حق اس مال سے متعلق ہوتا ہے جس کو شہر میں جمع کیا جائے اور جس کو باہر سے فناء شہر میں لایا جائے نہ کہ اس مال کے ساتھ جو باہر کے کسی شہر سے لایا جائے۔

﴿9﴾ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ باہر سے لایا ہوا مال روکنا بھی مکروہ ہے؛ کیونکہ کراہت کے بارے میں مروی روایت مطلق ہے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس شہر سے عام طور پر اس شہر میں غلہ لایا جاتا ہو تو اس کو روکنا مکروہ ہے؛ کیونکہ جس شہر سے عام طور پر غلہ لایا جاتا ہے وہ فناء شہر کے درجے میں ہے لہٰذا اس کا احتکار حرام ہوگا؛ کیونکہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق ہوتا ہے، اس کے برخلاف اگر ایسے شہر سے لایا جائے جو دور ہو اور اس سے عام طور پر اس شہر غلہ لانے کی عادت نہ ہو تو اس کا احتکار حرام نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق نہیں ہوا ہے۔

فتوی:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی الدر المختار: (وَلَا يَكُونُ مُحْتَكِرًا بِحَبْسِ غَلَّةِ أَرْضِهِ) بِلَا خِلَافٍ (وَمَجْلُوبِهِ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ) خِلَافًا لِلثَّانِي وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ إنْ كَانَ يُجْلَبُ مِنْهُ عَادَةً كُرِهَ وَهُوَ الْمُخْتَارُ. (الدر المختار:283/5)

{۱۰}بادشاہ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ بازار میں اشیاء کا بھاؤ لوگوں پر مقرر کردے بلکہ خریداروں اور فروخت کرنے والوں کو آزاد چھوڑے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "بھاؤ مقرر مت کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ مقرر کرنے والا ہے تنگی اور کشادگی لانے والا اور رزق دینے والا ہے"[1]۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ثمن عاقد کا حق ہے تو بھاؤ کی تعیین بھی اسی کے حوالہ ہے، لہٰذا امام کے لیے مناسب نہیں ہے کہ عاقد کے حق سے تعرض کرکے مداخلت کرے، البتہ اگر بھاؤ مقرر کرنے کے ساتھ عام لوگوں سے ضرر دفع کرنا متعلق ہو جائے تو پھر ریٹ مقرر کرسکتا ہے جیساکہ ہم آگے بیان کریں گے کہ بہت زیادہ تجاوز کرنے کی صورت میں بھاؤ مقرر کیا جائے گا۔

{۱۱}اگر قاضی کی عدالت میں شکایت پہنچائی گئی کہ فلاں شخص نے غلہ روکے رکھا ہے تو قاضی اس کو حکم کرے کہ اپنی روزی اور اپنی اولاد کی روزی کو فراغت اور وسعت کے ساتھ روکنے کے علاوہ باقی غلہ فروخت کردو اور قاضی اس کو احتکار سے روک دے، اور اگر دوبارہ اس کے پاس اسی شخص کی شکایت پہنچائی گئی تو قاضی اس کو اس عمل سے روکتے ہوئے قید کردے اور جتنی مناسب سمجھے اس کی پٹائی کرے، یہ اس لیے تاکہ لوگوں سے ضرر دور ہو۔

{۱۲}اور اگر غلہ والے من مانی کر رہے ہوں اور اشیاء کی قیمتوں سے بہت زیادہ تجاوز کرتے ہوں اور قاضی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت سے عاجز ہو جائے مگر یہ کہ بھاؤ مقرر کردے تو اس وقت اہل الرائے اور بصیرت والے لوگوں سے مشورہ کے بعد ریٹ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ تاکہ بائع اور خریدار دونوں نقصان سے محفوظ ہو جائیں۔

پھر جب قاضی نے ریٹ مقرر کردیا، اور کسی تاجر نے تجاوز کرکے مقرر ریٹ سے زیادہ کے عوض غلہ فروخت کردیا تو قاضی اس کی اجازت دے اس بیع کو نہ توڑے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے؛ کیونکہ وہ آزاد شخص پر پابندی لگانے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں لہٰذا اس شخص کا تصرف جائز ہے اس لیے قاضی اس کو نہ توڑے، اسی طرح صاحبینؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک اگرچہ آزاد شخص پر حجر جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ جن پر حجر عائد کیا ہو وہ مجہول نہ ہوں بلکہ معین ہوں، جبکہ یہاں معین

([1])أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد، وَالتِّرْمِذِيُّ فِي الْبُيُوعِ، وَابْنُ مَاجَهْ فِي التِّجَارَاتِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ، وَثَابِتٍ، وَحُمَيْدٍ، ثَلَاثَتُهُمْ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ النَّاسُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ غَلَا السِّعْرُ، فَسَعِّرْ لَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ، الْقَابِضُ الباسط الرزاق، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللَّهَ، وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يُطَالِبُنِي بِمَظْلِمَةٍ مِنْ دَمٍ، وَلَا مَالٍ". (نصب الرایۃ:4ص571)

نہیں ہے بلکہ مجہول ہیں اس لیے یہ حجر جائز نہیں، لہذا یہ شخص مختار ہے اور اس کا تصرف جائز ہے اس لیے قاضی اس کے تصرف کو نہ توڑے۔

اور جس نے اس ریٹ پر فروخت کیا جس کو امام نے مقرر کیا ہے تو یہ صحیح ہے اور یہ مکرَہ کی بیع نہیں ہے کہ بائع کو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہو؛ کیونکہ امام نے تو اس کو فروخت پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے تو فقط اس کو ثمن نہ بڑھانے کا امر کیا ہے اس سے آگے بیع تو خود مالک سے بالاختیار صادر ہوئی ہے اس لیے یہ بیع صحیح ہے مکرَہ کی بیع نہیں ہے۔

{۱۳}اور قاضی محتکر کا غلہ اس کی رضامندی کے بغیر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک فروخت نہیں کر سکتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک فروخت کر سکتا ہے پس یہ ایسا ہے جیسے مقروض شخص اپنا مال قرضخواہوں کا قرضہ ادا کرنے کے لیے فروخت نہیں کر رہا تو امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی اس کا مال قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت نہیں کر سکتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک قاضی اس کے مال کو فروخت کر سکتا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں بالاتفاق قاضی محتکر کی رضامندی کے بغیر اس کا مال فروخت کر سکتا ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس لیے فروخت کر سکتا ہے کہ ان کے نزدیک ضررِ عام دفع کرنے کے لیے حجر جائز ہے اور یہاں احتکار میں ضررِ عام ہے اس لیے قاضی اس پر حجر کر کے اس کی رضامندی کے بغیر اس کا مال فروخت کر دے۔

فتوی:۔ صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق فروخت کر سکتا ہے لما فی ردّ المحتار:(قَوْلُهُ بِنَاءً عَلَى مَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ)أَيْ مِنْ أَنَّ كُلَّ مَا أَضَرَّ بِالْعَامَّةِ حَبْسُهُ فَهُوَ احْتِكَارٌ، وَلَوْ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً أَوْ ثَوْبًا قَالَ ط: وَفِيهِ أَنَّ هَذَا فِي الِاحْتِكَارِ لَا فِي التَّسْعِيرِ اهـ.قُلْت: نَعَمْ وَلَكِنَّهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ قِيَاسًا أَوْ اسْتِنْبَاطًا بِطَرِيقِ الْمَفْهُومِ وَلِذَا قَالَ بِنَاءً عَلَى مَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ، وَلَمْ يَجْعَلْهُ قَوْلَهُ تَأَمَّلْهُ عَلَى أَنَّهُ تَقَدَّمَ أَنَّ الْإِمَامَ يَرَى الْحَجْرَ إذْ عَمَّ الضَّرَرُ كَمَا فِي الْمُفْتِي الْمَاجِنِ وَالْمُكَارِي الْمُفْلِسِ وَالطَّبِيبِ الْجَاهِلِ، وَهَذِهِ قَضِيَّةٌ عَامَّةٌ فَتَدْخُلُ مَسْأَلَتُنَا فِيهَا لِأَنَّ التَّسْعِيرَ حَجْرٌ مَعْنًى، لِأَنَّهُ مَنَعَ عَنْ الْبَيْعِ بِزِيَادَةٍ فَاحِشَةٍ، وَعَلَيْهِ فَلَا يَكُونُ مَبْنِيًّا عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ فَقَطْ كَذَا ظَهَرَ لِي فَتَأَمَّلْ.(ردّ المحتار:5ص284)

{۱}قَالَ : وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ مَعْنَاهُ مِمَّنْ يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ ؛ لِأَنَّهُ تَسْبِيبٌ

فرمایا: اور مکروہ ہے ہتھیار فروخت کرنا فتنے کے زمانے میں، اس کا معنی ہے کہ اس کے ہاتھ کہ معلوم ہو کہ یہ اہل فتنہ ہے؛ کیونکہ یہ سبب مہیا کرنا ہے

إلَى الْمَعْصِيَةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي السِّيَرِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ

معصیت کی جانب، اور ہم بیان کر چکے اس کو سیر میں، اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اہل فتنہ ہے تو کوئی حرج نہیں اس میں؛ کیونکہ احتمال رکھتا ہے

أَنْ لَا يَسْتَعْمِلَهُ فِي الْفِتْنَةِ فَلَا يُكْرَهُ بِالشَّكِّ . ﴿۲﴾قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيرِ مِمَّنْ

کہ وہ اس کو استعمال نہ کرے فتنہ میں، پس مکروہ نہ ہوگا شک کی وجہ سے۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں شیرۂ انگور فروخت کرنے میں اس کے ہاتھ

يَعْلَمُ أَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا ؛ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ لَا تُقَامُ بِعَيْنِهِ بَلْ بَعْدَ تَغْيِيرِهِ،

جو معلوم ہو کہ وہ بنائے گا اس سے شراب؛ کیونکہ معصیت قائم نہیں ہوتی ہے عین شیرہ کے ساتھ، بلکہ اس کو متغیر کرنے کے بعد،

بِخِلَافِ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ تَقُومُ بِعَيْنِهِ .﴿۳﴾قَالَ : وَمَنْ آجَرَ بَيْتًا

برخلاف ہتھیار فروخت کرنے کے فتنہ کے زمانہ میں؛ کیونکہ معصیت قائم ہوتی ہے عین ہتھیار کے ساتھ۔ فرمایا: اور جو گاؤں میں کرایہ پر دے مکان

لِيُتَّخَذَ فِيهِ بَيْتُ نَارٍ أَوْ كَنِيسَةٌ أَوْ بِيعَةٌ أَوْ يُبَاعُ فِيهِ الْخَمْرُ بِالسَّوَادِ فَلَا بَأْسَ بِهِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ،

تاکہ بنایا جائے اس میں آتش کدہ یا کنیسہ یا گرجا گھر یا فروخت کی جائے اس میں شراب گاؤں میں، تو کوئی حرج نہیں اس میں، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے

وَقَالَا : لَا يَنْبَغِي أَنْ يُكْرِيَهُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ .وَلَهُ أَنَّ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں ہے کہ کرایہ پر دے ان میں سے کسی شئی کے لیے؛ کیونکہ یہ اعانت ہے معصیت پر۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

الْإِجَارَةَ تَرِدُ عَلَى مَنْفَعَةِ الْبَيْتِ ، وَلِهَذَا تَجِبُ الْأُجْرَةُ بِمُجَرَّدِ التَّسْلِيمِ ، وَلَا مَعْصِيَةَ فِيهِ،

کہ اجارہ وارد ہوتا ہے منفعتِ مکان پر، اور اسی وجہ سے اجرت واجب ہوتی ہے محض تسلیم کرنے سے، اور کوئی معصیت نہیں ہے اس میں

وَإِنَّمَا الْمَعْصِيَةُ بِفِعْلِ الْمُسْتَأْجِرِ ، وَهُوَ مُخْتَارٌ فِيهِ فَقَطَعَ نِسْبَتَهُ عَنْهُ،

بلکہ معصیت تو مستاجر کے فعل میں ہے اور وہ مختار ہے اس میں، پس قطع کردیا اس فعل کی نسبت کو کرایہ پر دینے والے سے۔

﴿۴﴾وَإِنَّمَا قَيَّدَهُ بِالسَّوَادِ لِأَنَّهُمْ لَا يُمَكَّنُونَ مِنَ اتِّخَاذِ الْبِيَعِ وَالْكَنَائِسِ وَإِظْهَارِ بَيْعِ الْخُمُورِ وَالْخَنَازِيرِ

اور مقید کیا گاؤں کے ساتھ؛ کیونکہ شہروں میں کفار کو قدرت نہیں کہ بنائیں گرجا گھر اور کنیسے، اور ظاہر کرنا شراب اور خنزیر کی بیع شہروں میں

فِي الْأَمْصَارِ لِظُهُورِ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ فِيهَا .بِخِلَافِ السَّوَادِ .قَالُوا : هَذَا كَانَ فِي سَوَادِ الْكُوفَةِ ، لِأَنَّ

بوجہ ظاہر ہونے شعائرِ اسلام کے شہروں میں، برخلاف گاؤں کے، مشائخ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت ہے کہ گاؤں کوفہ میں ہو؛ کیونکہ

غَالِبَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ .فَأَمَّا فِي سَوَادِنَا فَأَعْلَامُ الْإِسْلَامِ فِيهَا ظَاهِرَةٌ فَلَا يُمَكَّنُونَ فِيهَا أَيْضًا ، وَهُوَ الْأَصَحُّ.

وہاں کے غالب لوگ ذمی ہیں، رہے ہمارے دیہات تو شعائرِ اسلام ان میں ظاہر ہیں پس قدرت نہیں دی جائے گی ان میں بھی، اور یہی اصح ہے

﴿۵﴾قَالَ : وَمَنْ حَمَلَ لِذِمِّيٍّ خَمْرًا فَإِنَّهُ يَطِيبُ لَهُ الْأَجْرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : يُكْرَهُ

فرمایا: جو شخص اٹھائے ذمی کے لیے شراب، تو حلال ہے اس کے لیے اجرت امام صاحبؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے مکروہ ہے

لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ، وَقَدْ صَحَّ " أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَعَنَ فِي الْخَمْرِ عَشْرًا

اس کے لیے یہ؛ کیونکہ یہ اعانت ہے معصیت پر، اور صحیح ثابت ہے حضورؐ سے کہ آپؐ نے لعنت فرمایا شراب کے متعلق دس لوگوں پر،

حَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَ إِلَيْهِ " {٦}لَهُ أَنَّ الْمَعْصِيَةَ فِي شُرْبِهَا وَهُوَ فِعْلُ فَاعِلٍ مُخْتَارٍ،

اٹھانے والا، جس کے لیے اٹھایا جائے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ معصیت اس کے پینے میں ہے اور وہ فعل ہے فاعل مختار کا،

وَلَيْسَ الشُّرْبُ مِنْ ضَرُورَاتِ الْحَمْلِ وَلَا يُقْصَدُ بِهِ،وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْحَمْلِ الْمَقْرُونِ بِقَصْدِ الْمَعْصِيَةِ

اور نہیں ہے پینا اٹھانے کے لوازمات میں سے، اور قصد بھی نہیں کیا جاتا ہے اس سے، اور حدیث محمول ہے بقصدِ معصیت اٹھانے پر۔

{٧}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ ، وَيُكْرَهُ بَيْعُ أَرْضِهَا ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.

فرمایا: کوئی حرج نہیں مکہ مکرمہ کے گھروں کی عمارتیں فروخت کرنے میں، اور مکروہ ہے اس کی زمین فروخت کرنا، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے

وَقَالَا : لَا بَأْسَ بِبَيْعِ أَرْضِهَا أَيْضًا .وَهَذَا رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّهَا

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے اس کی زمین فروخت کرنے میں بھی، اور یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے؛ کیونکہ یہ زمینیں

مَمْلُوكَةٌ لَهُمْ لِظُهُورِ الِاخْتِصَاصِ الشَّرْعِيِّ بِهَا فَصَارَ كَالْبِنَاءِ . {٨}وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

ان کی مملوک ہیں؛ بوجہ ظاہر ہونے اختصاصِ شرعی کے اس کے ساتھ پس ہوگئی عمارت کی طرح۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے

{ أَلَا إِنَّ مَكَّةَ حَرَامٌ لَا تُبَاعُ رِبَاعُهَا وَلَا تُورَثُ } وَلِأَنَّهَا حُرَّةٌ مُحْتَرَمَةٌ لِأَنَّهَا فِنَاءُ الْكَعْبَةِ.

"خبردار! مکہ حرام ہے نہ بیچی جائے اس کی زمین اور نہ میراث میں تقسیم کی جائے گی" اور اس لیے کہ وہ معزز اور محترم ہیں؛ کیونکہ یہ کعبہ کے ارد گرد ہیں

وَقَدْ ظَهَرَ آيَةُ أَثَرِ التَّعْظِيمِ فِيهَا حَتَّى لَا يُنَفَّرَ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا،

اور ظاہر ہو چکا ہے اثرِ تعظیم ان میں حتیٰ کہ نہیں بھگایا جاتا ہے وہاں کا شکار اور نہ کاٹی جائے گی وہاں کی گھاس، اور نہیں توڑے جاتے ہیں

فَكَذَا فِي حَقِّ الْبَيْعِ ، بِخِلَافِ الْبِنَاءِ ؛ لِأَنَّهُ خَالِصُ مِلْكِ الْبَانِي .{٩}وَيُكْرَهُ

وہاں کے کانٹے، پس اسی طرح بیع کے حق میں، برخلاف عمارت کے؛ کیونکہ وہ خالص بنانے والے کی ملکیت ہے۔ اور مکروہ ہے

إِجَارَتُهَا أَيْضًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ آجَرَ أَرْضَ مَكَّةَ فَكَأَنَّمَا أَكَلَ الرِّبَا } وَلِأَنَّ

ان زمینوں کو کرایہ پر دینا؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے کرایہ پر دی مکہ مکرمہ کی زمین پس گویا اس نے کھایا سود" اور اس لیے کہ

أَرَاضِيَ مَكَّةَ تُسَمَّى السَّوَائِبَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَنِ احْتَاجَ إِلَيْهَا سَكَنَهَا وَمَنِ اسْتَغْنَى عَنْهَا أَسْكَنَ غَيْرَهُ

مکہ کی زمینیں موسوم تھیں سوائب کے ساتھ عہدِ رسولؐ میں، جو شخص محتاج ہوا س کا تو رہے اس میں اور جو مستغنی ہو ان سے تو بسائے غیر کو

{۱۰} وَمَنْ وَضَعَ دِرْهَمًا عِنْدَ بَقَّالٍ يَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ يُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ مَلَّكَهُ

اور جو شخص رکھ دے درہم سبزی فروش کے پاس کہ لے لے گا اس سے جو چاہے، تو مکروہ ہے اس کے لیے یہ؛ کیونکہ مالک بنایا اس کو

قَرْضًا جَرَّ بِهِ نَفْعًا، وَهُوَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ مَا شَاءَ حَالًا فَحَالًا . { وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا }

قرض کا اور حاصل کیا اس سے نفع، اور وہ یہ کہ لے لے گا اس سے جو چاہے وقتاً فوقتاً، اور منع فرمایا ہے حضورؐ نے ایسے قرض سے جو کھینچ دے نفع کو

وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْتَوْدِعَهُ ثُمَّ يَأْخُذَ مِنْهُ مَا شَاءَ جُزْءًا فَجُزْءًا ، لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ وَلَيْسَ بِقَرْضٍ ، حَتَّى لَوْ

اور چاہیے کہ اس کے پاس ودیعت رکھے پھر لیتا رہے اس سے جو چاہے تھوڑا تھوڑا؛ کیونکہ یہ ودیعت ہے اور قرض نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر

هَلَكَ لَا شَيْءَ عَلَى الْآخِذِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

درہم ہلاک ہوا تو کچھ نہیں ہے لینے والے پر، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱} امام عادل کے خلاف بغاوت کے زمانے میں ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے یعنی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اہل بغاوت میں سے ہے تو اس کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ اہل فتنہ کو ہتھیار دے کر معصیت کا سبب بننا ہے حالانکہ معصیت کا سبب بننا ممنوع ہے جس کو ہم "کتاب السیر" میں بیان کر چکے ہیں، اور اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے تو پھر اس کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو فتنہ میں استعمال نہ کرے تو معصیت میں استعمال کا فقط احتمال اور شک ہے اور شک کی وجہ سے بیع مکروہ نہیں ہوتی ہے۔

{۲} ایسے شخص کے ہاتھ انگور کا شیرہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس کو شراب بنائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں معصیت عین شیرہ کے ساتھ قائم نہیں ہوتی ہے بلکہ شیرہ کو متغیر کر کے اس کی شراب بنانے کے بعد معصیت قائم ہوتی ہے، برخلافِ ہتھیار کے؛ کیونکہ فتنہ کے دنوں میں بلا کسی تغیر کے لیے معصیت عین ہتھیار کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اس لیے شیرہ کی بیع مکروہ نہیں ہے اور ایام فتنہ میں ہتھیار کی بیع مکروہ ہے۔

{۳} اگر کسی نے گھر اس لیے کرایہ پر دیا تا کہ اسے مجوسیوں کا آتشکدہ بنایا جائے یا یہودیوں کا عبادت خانہ یا نصاریٰ کا گرجا گھر بنایا جائے یا اس میں شراب فروخت کی جائے اور یہ گاؤں میں ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں ہے کہ ان کاموں میں سے کسی ایک کے لیے مکان کرایہ پر دیا جائے؛ کیونکہ یہ گناہ پر اعانت ہے اور گناہ پر اعانت جائز نہیں ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اجارہ گھر کی منفعت پر وارد ہوا ہے نہ کہ ان کاموں

میں سے کسی کام پر یہی وجہ ہے کہ اگر ان لوگوں نے مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام نہ کیا تب بھی مکان سپرد کرنے سے ان پر کرایہ واجب ہوجاتا ہے اور مکان سپرد کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ معصیت مستاجر کے فعل میں ہے اور مستاجر اپنے اس فعل میں مختار ہے لہٰذا اس فعل کی نسبت مکان کے مالک سے منقطع ہوجائے گی اس لیے مالکِ مکان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

{۴} متن میں مذکورہ کام گاؤں میں ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ شہروں میں ذمیوں کو گرجا گھر بنانے اور یہودیوں کا عبادت خانہ بنانے اور سرِعام شراب اور خنزیر فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی؛ کیونکہ شہروں میں شعائرِ اسلام ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا بول بالا ہوتا ہے اس لیے شعائرِ کفر کی اجازت نہیں دی جائے گی، برخلافِ گاؤں کے کہ وہاں یہ صورت حال نہیں ہوتی ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ گاؤں میں اجازت کوفہ کے گاؤں کے بارے میں ہے؛ کیونکہ وہاں کے زیادہ تر باشندے ذمی لوگ ہوتے تھے، بہر حال ہمارے دیہاتوں میں چونکہ شعائرِ اسلام ظاہر ہیں لہٰذا شہروں کی طرح ہمارے دیہاتوں میں بھی ان کو شعائرِ کفر بنانے کی قدرت نہیں دی جائے گی اور یہی قول اصح ہے۔

{۵} اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب کرایہ پر اٹھائی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے لیے اجرت حلال ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے حالانکہ معصیت پر اعانت ممنوع ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب[1]﴾ (اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے)، اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے: اس کے اٹھانے والے پر، اور جس کی طرف اٹھائی جائے[2]، پس معلوم ہوا کہ کسی کے لیے شراب اٹھانا ممنوع ہے۔

{۶} امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ معصیت شراب پینے میں ہے اور شراب پینا فاعلِ مختار کا فعل ہے اور فاعلِ مختار کے فعل کی نسبت غیر کی طرف نہیں کی جاسکتی ہے اور شراب پینا اٹھانے کے لوازمات میں سے نہیں ہے اس لیے اٹھانا معصیت نہیں ہے، اور اٹھانے والا ذمی کو پلانے کا قصد بھی نہیں کرتا ہے بلکہ اس کا مقصود تو اجرت کو حاصل کرنا ہے اس لیے اٹھانا ممنوع نہیں

([1]) المائدة:2.

([2]) أخرجه أبو داود في سننه عن عبد الرحمن بن عبد الله الغافقي، وأبي علقمة مولاهم، أنهما سمعا ابن عمر يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعن الله الخمر، وشاربها، وساقيها، وبائعها، ومبتاعها، وعاصرها، ومعتصرها، وحاملها، وآكل ثمنها، والمحمولة إليه".(نصب الراية:4ص573)

ہے، جہاں تک حدیث ہے تو وہ ایسے اٹھانے پر محمول ہے جو معصیت کے ارادہ کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی حدیث میں لعنت شراب پینے یا کسی کو پلانے کے ارادے سے اٹھانے والے پر کی گئی ہے نہ کہ مطلق اٹھانے پر۔

فتوی:۔ صاحبین کا قول راجح ہے لما قال الشیخ عبدالحکیم الشهید: والراجح قولهما وعليه الفتوى وفي النهاية ان قولهما هو الاستحسان وعليه مشى الامام الزيلعي (هامش الهداية: 4ص 471)

{۷} مکہ مکرمہ کے گھروں کی عمارتیں فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ وہاں کی زمینیں فروخت کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک وہاں کی زمینیں فروخت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور یہی ایک روایت امام صاحبؒ سے بھی مروی ہے؛ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ زمینیں وہاں کے لوگوں کی مملوک ہیں؛ کیونکہ ان زمینوں کے ساتھ شرعی اختصاص ظاہر ہے یعنی یہی زمینیں شرعاً ان کے ساتھ مختص ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں میراث جاری ہوتی ہے اور میراث میں ان کو تقسیم کیا جاتا ہے لہذا ان زمینوں کی بیع ان کی عمارتوں کی بیع کی طرح ہے اور عمارتوں کی بیع جائز ہے تو زمینوں کی بیع بھی جائز ہوگی۔

{۸} امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خبردار رہو! مکہ مکرمہ حرام ہے اس کی اراضی نہ فروخت کی جائے گی اور نہ میراث میں تقسیم کی جائے گی" جس میں مکہ مکرمہ کی زمین فروخت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ

---

(۱) قلت: اخرجه الحاكم في المستدرك في البيوع ... [illegible] ... (نصب الراية، 4ص 574)

سرزمین مکہ معزز اور محترم ہے؛ کیونکہ یہ کعبۃ اللہ کی فناء ہے اور کعبۃ اللہ محترم ہے تو اس کی فناء بھی محترم ہوگی چنانچہ اس میں تعظیم کا اثر ظاہر ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا شکار نہیں اٹھایا جاتا ہے اور اس کی گھاس نہیں کاٹی جاتی ہے اور اس کے کانٹے نہیں کاٹے جاتے ہیں ، پس اسی طرح بیع کا اثر بھی ظاہر ہوگا یعنی جس طرح کہ کعبۃ اللہ کی بیع جائز نہیں ہے اسی طرح مکہ مکرمہ کی زمین کی بیع بھی جائز نہ ہوگی ، البتہ عمارت کا حکم اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ عمارت خالص بنانے والے کا حق ہے لہٰذا بانی کو حق ہوگا کہ اسے فروخت کردے۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے اور یہی مفتی بہ ہے لما فی الدرالمختار: (وَ) جَازَ (بَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ وَأَرْضِهَا) بِلَا كَرَاهَةٍ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَبِهِ يُفْتَى عَيْنِيٌّ وَقَدْ مَرَّ فِي الشُّفْعَةِ وَفِي الْبُرْهَانِ فِي بَابِ الْعُشْرِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ أَرْضِهَا كَبِنَائِهَا وَبِهِ يُعْمَلُ وَفِي مُخْتَارَاتِ النَّوَازِلِ لِصَاحِبِ الْهِدَايَةِ لَا بَأْسَ بِبَيْعِ بِنَائِهَا وَإِجَارَتِهَا لَكِنْ فِي الزَّيْلَعِيِّ وَغَيْرِهِ يُكْرَهُ إجَارَتُهَا وَفِي آخِرِ الْفَصْلِ الْخَامِسِ مِنْ التَّتَارْخَانِيَّةِ وَإِجَارَةِ الْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ أَكْرَهُ إجَارَةَ بُيُوتِ مَكَّةَ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ وَكَانَ يُفْتِي لَهُمْ أَنْ يَنْزِلُوا عَلَيْهِمْ فِي دُورِهِمْ - {سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ} [الحج: 25]- وَرَخَّصَ فِيهَا فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْمَوْسِمِ اهـ فَلْيُحْفَظْ. قُلْت: وَبِهَذَا يَظْهَرُ الْفَرْقُ وَالتَّوْفِيقُ وَهَكَذَا كَانَ يُنَادِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَيَّامَ الْمَوْسِمِ وَيَقُولُ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَتَّخِذُوا لِبُيُوتِكُمْ أَبْوَابًا لِيَنْزِلَ الْبَادِي حَيْثُ شَاءَ ثُمَّ يَتْلُو الْآيَةَ فَلْيُحْفَظْ. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار:٥/٢٧٨)

{٩} اور مکہ مکرمہ کی زمین اجارہ پر دینا بھی مکروہ ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے مکہ مکرمہ کی زمین کرایہ پر دی تو گویا اس نے سود کھایا"۔ جس میں مکہ مکرمہ کی زمین کرایہ پر دینے پر ناگواری کا اظہار ہے اس لیے مکروہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مکہ مکرمہ کی اراضی کا نام سوائب تھا یعنی جس پر کسی کو ولایت حاصل نہ ہو بلکہ جس کو ضرورت ہو وہ اس میں رہے اور جو شخص اس سے مستغنی ہو وہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کو اس میں بسائے۔

{١٠} جس نے کسی دوکاندار کے پاس ایک درہم اس لیے رکھا تاکہ وہ دکاندار تاجر کو ضرورت کی چیزیں جب چاہے گا دیتا رہے گا تو یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ اس نے دوکاندار کو ایک درہم بطور قرض دیا ہے اور پھر اس قرض سے نفع اٹھا رہا ہے، اور نفع یہ ہے کہ

---

(١) قلت: فيه بحث انقطاع. وروى محمد بن الحسن في كتاب الآثار أخبرنا أبو حنيفة عن عبيد الله بن أبي زياد عن ابن أبي نجيح عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أكل من أجور بيوت مكة، فإنما يأكل نارا. انتهى ورواه عنه الدارقطني من جهة أبي حنيفة به ... في ابن أبي نجيح عن عبد الله بن عمرو ... قال: من أكل كراء بيوت مكة فإنما يأكل نارا. (نصب الراية 4/ص576)

(٢) قلت: وروى ابن ماجه في سننه في الحج حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة ثنا عيسى بن يونس عن عمر بن سعيد بن أبي حسين عن عثمان بن أبي سليمان عن علقمة بن نضلة قال: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر، وما تدعى رباع مكة إلا السوائب، من احتاج سكن، ومن استغنى أسكن. (نصب الراية 4/ص578)

وہ تھوڑا تھوڑا اپنی ضرورت کے مطابق سامان لیتا رہے گا اور حدیث شریف میں ایسے قرض سے ممانعت آئی ہے جس سے قرضخواہ نفع حاصل کرے اس لیے یہ صورت مکروہ ہے۔ پس بہتر صورت یہ ہے کہ درہم دوکاندار کے پاس بطورِ ودیعت رکھے پھر اس سے ضرورت کے مطابق جو چاہے تھوڑا تھوڑا لیتا رہے؛ کیونکہ اب یہ امانت ہے قرض نہیں ہے حتی کہ اگر یہ درہم ہلاک ہوا تو اس کے لینے والے دوکاندار پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی، اس لیے یہ صورت مکروہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

فـ:۔ "بقّال" سبزی فروش کو کہتے ہیں، مگر پھر یہ عام ہوگیا مصالحہ وغیرہ فروخت کرنے والے کو بھی "بقّال" کہتے ہیں۔

بیع الاستجرار کا حکم:

بیع تعاطی کے قریب بیع کی ایک اور قسم "بیع الاستجرار" ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر ایجاب وقبول کے دوکاندار سے گھریلو ضرورت کی چیزیں وقتاً فوقتاً لاتا رہے پھر ایک مدت کے بعد حساب کرکے دوکاندار کی پوری رقم یکمشت ادا کردے اور کبھی خریدار مہینے کے شروع میں نقد رقم دوکاندار کے پاس رکھ دیتا ہے اور آہستہ آہستہ اپنی ضرورت کی چیزیں لاتا رہتا ہے اور مہینے کے اخیر میں حساب صاف کرتا ہے تو اس طرح کی بیع کو مشائخ نے استحساناً جائز قرار دیا ہے حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بعض تفصیلات کے ساتھ اس کا جواز لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: و أما الحنفية فقد أجاز المتأخرون منهم هذا البيع استحساناً..................وخلاصة ما توصلتُ اليه أن الاستجرار على نوعين: الأول: الاستجرار بثمنٍ مؤخر، وهو أن لايدفع المشترى الثمن الى البائع الا عند تصفية الحساب فى آخر الشهر مثلاً - والثانى: الاستجرار بمبلغٍ مقدمٍ ،وهو أن يدفع المشترى الى البائع مبلغاً مقدّماً ، ثمّ يستجرّ منه الأشياء، و تقع المحاسبة بعد أخذ مجموعةٍ من الأشياء فى نهاية الشهر مثلاً(فقه البيوع:73/1)

مَسَائِلُ مُتَفَرِّقَةٌ

یہ متفرق مسائل کا بیان ہے۔

مصنفؒ نے اس عنوان کے تحت ماقبل ابواب میں سے رہ جانے والے متفرق مسائل کو جمع فرمایا ہے۔

{۱}قَالَ: وَيُكْرَهُ التَّعْشِيرُ وَالنَّقْطُ فِي الْمُصْحَفِ؛ لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ: جَرِّدُوا الْقُرْآنَ. وَيُرْوَى: جَرِّدُوا الْمَصَاحِفَ

فرمایا: اور مکروہ ہے تعشیر اور نقطے لگانا قرآن مجید میں؛ بوجہ حضرت ابن مسعودؓ کے قول کے "خالی رکھو قرآن کو" اور مروی ہے "خالی رکھو مصاحف کو"

وَفِي التَّعْشِيرِ وَالنَّقْطِ تَرْكُ التَّجْرِيدِ. وَلِأَنَّ التَّعْشِيرَ يُخِلُّ بِحِفْظِ الْآيِ وَالنَّقْطُ بِحِفْظِ الْإِعْرَابِ

اور تعشیر اور نقطے لگانے میں ترکِ تجرید ہے، اور اس لیے کہ تعشیر مخل ہے آیتوں کو حفظ کرنے میں، اور نقطے حفظِ اعراب میں؛

اتِّكَالًا عَلَيْهِ فَيُكْرَهُ. قَالُوا: فِي زَمَانِنَا لَا بُدَّ لِلْعَجَمِ مِنْ دَلَالَةٍ. فَتَرْكُ ذَلِكَ

ان پر اعتماد کرنے کی وجہ سے، پس مکروہ ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ہمارے زمانے میں ضروری ہے عجمیوں کے لیے نشان، پس ترک کرنا نشان کا

إِخْلَالٌ بِالْحِفْظِ وَهِجْرَانٌ لِلْقُرْآنِ فَيَكُونُ حَسَنًا {۲}قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ؛

مخل ہے حفظِ قرآن کے لیے اور چھوڑنا ہے قرآن کا، پس یہ حسن ہوگا۔ فرمایا: اور کوئی مضائقہ نہیں مصاحف کو آراستہ کرنے میں؛

لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ. وَصَارَ كَنَقْشِ الْمَسْجِدِ وَتَزْيِينِهِ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور ہوگیا نقشِ مسجد و تزیینِ مسجد کی طرح سونے کے پانی سے، اور ہم ذکر کرچکے اس کو اس سے پہلے۔

{۳}قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَدْخُلَ أَهْلُ الذِّمَّةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُكْرَهُ ذَلِكَ: وَقَالَ مَالِكٌ: يُكْرَهُ

فرمایا: اور کوئی مضائقہ نہیں کہ داخل ہوجائیں اہل ذمہ مسجد حرام میں، اور فرمایا امام شافعیؒ نے مکروہ ہے یہ، اور فرمایا امام مالکؒ نے مکروہ ہے یہ

فِي كُلِّ مَسْجِدٍ. لِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ تَعَالَى {إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا} وَلِأَنَّ

ہر مسجد میں؛ امام شافعیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں" اور اس لیے کہ

الْكَافِرَ لَا يَخْلُو عَنْ جَنَابَةٍ؛ لِأَنَّهُ لَا يَغْتَسِلُ اغْتِسَالًا يُخْرِجُهُ عَنْهَا، وَالْجُنُبُ يُجَنَّبُ الْمَسْجِدَ،

کفار خالی نہیں ہوتے جنابت سے؛ کیونکہ وہ ایسا غسل نہیں کرتا ہے جو اس کو نکال دے جنابت سے، اور جنب دور رکھا جاتا ہے مسجد سے،

وَبِهَذَا يَحْتَجُّ مَالِكٌ، وَالتَّعْلِيلُ بِالنَّجَاسَةِ عَامٌّ فَيَنْتَظِمُ الْمَسَاجِدَ كُلَّهَا. {۴}وَلَنَا

اور اسی سے استدلال کیا ہے امام مالکؒ نے اور نجاست کے ساتھ تعلیل عام ہے پس شامل ہوگی تمام مسجدوں کو۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے

مَا رُوِيَ { أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَنْزَلَ وَفْدَ ثَقِيفٍ فِي مَسْجِدِهِ وَهُمْ كُفَّارٌ } وَلِأَنَّ الْخُبْثَ فِي اعْتِقَادِهِمْ فَلَا يُؤَدِّي

جو مروی ہے کہ حضورؐ نے اتارا وفدِ ثقیف کو اپنی مسجد میں حالانکہ وہ کافر تھے، اور اس لیے کہ خباثت ان کے اعتقاد میں ہے پس مفضی نہ ہوگی

إِلَى تَلْوِيثِ الْمَسْجِدِ. وَالْآيَةُ مَحْمُولَةٌ عَلَى الْحُضُورِ اسْتِيلَاءً وَاسْتِعْلَاءً أَوْ طَائِفِينَ عُرَاةً كَمَا كَانَتْ عَادَتُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

تلویث مسجد کو، اور آیت محمول ہے غلبہ اور تعلّی کے طور پر حاضر ہونے پر یا ننگے طواف کرنے پر جیسا کہ ان کی عادت تھی جاہلیت میں۔

{5} قَالَ: وَيُكْرَهُ اسْتِخْدَامُ الْخِصْيَانِ؛ لِأَنَّ الرَّغْبَةَ فِي اسْتِخْدَامِهِمْ حَثُّ النَّاسِ عَلَى هَذَا الصَّنِيعِ وَهُوَ مُثْلَةٌ مُحَرَّمَةٌ

فرمایا: اور مکروہ ہے خدمت لینا خصیوں سے؛ کیونکہ رغبت رکھنا ان سے خدمت لینے میں ابھارنا ہے لوگوں کو اس فعل پر، اور یہ مثلہ اور حرام ہے

{6} قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَإِنْزَاءِ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ؛ لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ مَنْفَعَةً لِلْبَهِيمَةِ وَالنَّاسِ.

فرمایا: کوئی حرج نہیں چوپایوں کو خصی کرنے میں، اور گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے میں؛ کیونکہ اول میں منفعت ہے جانوروں اور لوگوں کی

وَقَدْ صَحَّ { أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ الْبَغْلَةَ } فَلَوْ كَانَ هَذَا الْفِعْلُ حَرَامًا لَمَا رَكِبَهَا لِمَا فِيهِ مِنْ فَتْحِ بَابِهِ.

اور صحیح ثابت ہے کہ حضورؐ سوار ہوئے تھے خچر پر، پس اگر یہ فعل حرام ہوتا ہے تو آپ سوار نہ ہوتے اس پر؛ کیونکہ اس میں اس کا دروازہ کھولنا ہے

{7} قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِعِيَادَةِ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ بِرٍّ فِي حَقِّهِمْ، وَمَا نُهِينَا

فرمایا: اور کوئی مضائقہ نہیں یہودی اور نصرانی کی عیادت کرنے میں؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا احسان ہے ان کے حق میں، اور ہمیں نہیں روکا گیا ہے

عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ صَحَّ { أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَادَ يَهُودِيًّا مَرِضَ بِجِوَارِهِ }. {8} قَالَ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ

اس سے، اور صحیح ثابت ہے کہ حضورؐ نے عیادت کی یہودی کی جو مریض ہوا تھا آپؐ کے پڑوس میں۔ فرمایا: اور مکروہ ہے کہ کہے آدمی

فِي دُعَائِهِ: أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَلِلْمَسْأَلَةِ عِبَارَتَانِ: هَذِهِ،

اپنی دعاء میں "میں تجھ سے سوال کرتا ہے عزتِ عرش کی گرہ بندی کا واسطہ دے کر" اور اس مسئلہ کی دو عبارتیں ہیں، ایک یہی،

وَمَقْعَدُ الْعِزِّ، وَلَا رَيْبَ فِي كَرَاهَةِ الثَّانِيَةِ؛ لِأَنَّهُ مِنَ الْقُعُودِ، وَكَذَا الْأُولَى؛

اور دوم "مَقْعَدُ الْعِزِّ" ہے اور کوئی شک نہیں ثانی کی کراہت میں اور کوئی شک نہیں ثانی کی کراہت میں؛ کیونکہ یہ قعود سے ہے، اور اسی طرح اول ہے

لِأَنَّهُ يُوهِمُ تَعَلُّقَ عِزِّهِ بِالْعَرْشِ وَهُوَ مُحْدَثٌ وَاللَّهُ تَعَالَى بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ قَدِيمٌ.

کیونکہ یہ وہم پیدا کرتا ہے اللہ کی عزت کے تعلق کا عرش کے ساتھ حالانکہ عرش حادث ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ قدیم ہے

{9} وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ. وَبِهِ أَخَذَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ مَأْثُورٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اس میں، اور اسی کو لے لیا ہے فقیہ ابو اللیثؒ نے؛ کیونکہ یہ منقول ہے حضورؐ سے،

رُوِيَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ دُعَائِهِ { اللَّهُمَّ إنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ ، وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ،
مروی ہے کہ آپ کی دعاء میں سے یہ کلمات تھے "اللَّهُمَّ إنِّي أَسْأَلُك بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِك ، وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِك

وَبِاسْمِكَ الْأَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْأَعْلَى وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ } وَلَكِنَّا نَقُولُ: هَذَا خَبَرُ وَاحِدٍ فَكَانَ الِاحْتِيَاطُ فِي الِامْتِنَاعِ
وَبِاسْمِكَ الْأَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْأَعْلَى وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ" لیکن ہم کہتے ہیں یہ خبر واحد ہے پس احتیاط رکنے میں ہے۔

{10} وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِك وَرُسُلِكَ؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى الْخَالِقِ
اور مکروہ ہے کہ کہے دعاء میں "بِحَقِّ فُلَانٍ" یا "أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِك وَرُسُلِكَ"؛ کیونکہ کوئی حق نہیں مخلوق کا خالق پر

{11} قَالَ: وَيُكْرَهُ اللَّعِبُ بِالشِّطْرَنْجِ وَالنَّرْدِ وَالْأَرْبَعَةَ عَشَرَ وَكُلُّ لَهْوٍ؛ لِأَنَّهُ إنْ قَامَرَ بِهَا فَالْمَيْسِرُ حَرَامٌ بِالنَّصِّ وَهُوَ اسْمٌ
فرمایا: اور مکروہ ہے کھیلنا شطرنج، نرد، چودہ گوٹی اور ہر طرح کا لہو؛ کیونکہ اگر جوا کھیلا ان سے تو میسر حرام ہے نص سے، اور میسر نام ہے

لِكُلِّ قِمَارٍ، وَإِنْ لَمْ يُقَامِرْ فَهُوَ عَبَثٌ وَلَهْوٌ. وَقَالَ ﷺ { لَهْوُ الْمُؤْمِنِ بَاطِلٌ إلَّا الثَّلَاثَ : تَأْدِيبُهُ لِفَرَسِهِ
ہر قمار کا، اور اگر جوا نہ کھیلے ان سے تو یہ عبث اور لہو ہے، اور حضورؐ نے فرمایا: "مؤمن کا لہو باطل ہے مگر تین، اپنے گھوڑے کی تادیب،

وَمُنَاضَلَتُهُ عَنْ قَوْسِهِ ، وَمُلَاعَبَتُهُ مَعَ أَهْلِهِ } وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ : يُبَاحُ اللَّعِبُ بِالشِّطْرَنْجِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَشْحِيذِ
اور تیر پھینکنا اپنی کمان سے، اور ملاعبت کرنا اپنی بیوی سے" اور کہا ہے بعض لوگوں نے مباح ہے کھیلنا شطرنج سے؛ اس لیے کہ اس میں تیز کرنا ہے

الْخَوَاطِرِ وَتَذْكِيَةِ الْأَفْهَامِ، وَهُوَ مَحْكِيٌّ عَنْ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ {12} لَنَا قَوْلُهُ ﷺ { مَنْ لَعِبَ بِالشِّطْرَنْجِ وَالنَّرْدَشِيرِ
ذہن اور فہم کو، اور یہی مروی ہے امام شافعیؒ سے۔ اور ہماری دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے "جو شخص کھیلے شطرنج، نرد اور نردشیر سے

فَكَأَنَّمَا غَمَسَ يَدَهُ فِي دَمِ الْخِنْزِيرِ } وَلِأَنَّهُ نَوْعُ لَعِبٍ يَصُدُّ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنْ الْجُمَعِ وَالْجَمَاعَاتِ
تو گویا ڈبو دیا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے خون میں" اور اس لیے کہ یہ ایک طرح کا کھیل ہے جو روکتا ہے ذکر اللہ، جمعہ اور جماعتوں سے،

فَيَكُونُ حَرَامًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَا أَلْهَاك عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ } {13} ثُمَّ إنْ قَامَرَ بِهِ تَسْقُطُ
پس یہ حرام ہوگا، اس لیے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جو چیز تجھے غافل کردے اللہ کے ذکر سے وہ جوا ہے" پھر اگر جوا کھیلا اس سے تو ساقط ہو جائے گی

عَدَالَتُهُ ، وَإِنْ لَمْ يُقَامِرْ لَا تَسْقُطُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَأَوِّلٌ فِيهِ . وَكَرِهَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ التَّسْلِيمَ عَلَيْهِمْ
اس کی عدالت، اور اگر جوا نہیں کھیلا تو ساقط نہ ہو؛ کیونکہ وہ تاویل کرنے والا ہے اس میں۔ اور مکروہ سمجھا ہے صاحبینؒ نے سلام کرنا ان پر

تَحْذِيرًا لَهُمْ ، وَلَمْ يَرَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِهِ بَأْسًا لِيَشْغَلَهُمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ.

ان کو روکنے کے لیے، اور نہیں سمجھا ہے امام صاحبؒ نے اس میں حرج؛ تاکہ مشغول کردے ان کو اس کام سے جس میں یہ لگے ہیں۔

تشریح:۔ {۱} قرآن مجید کی ہر دس آیتوں کے بعد نشان لگانا اور اس کی عبارت پر نقطے یعنی اعراب لگانا مکروہ ہے؛ کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قرآن کو دوسری چیزوں سے خالی کرو"[1] یعنی غیر قرآن کو قرآن میں نہ لکھا جائے، لہٰذا ہر دس آیتوں پر نشان لگانا، رکوع مقرر کرنا، اور اعراب لگانا تجرید کے منافی ہونے کی وجہ سے مکروہ ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعشیر ہر آیت کو الگ یاد کرنے میں مخل ہے، اور اعراب لگانا قرآنی اعراب کو یاد کرنے میں مخل ہے؛ کیونکہ لوگ لکھے ہوئے اعراب پر اعتماد کرکے یاد کرنا چھوڑ دیں گے۔

لیکن مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں عجمیوں کے لیے اعراب کی رہبری ضروری ہے؛ کیونکہ عجم اعراب کے بغیر قرآن کو نہیں پڑھ سکتے ہیں پس اعراب کو ترک کرنا قرآن مجید کو یاد کرنے کے لیے مخل ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قرآن پڑھنا ہی چھوڑ دیں گے لہٰذا اعراب لگانا بدعتِ حسنہ ہے اور بدعتِ حسنہ ذرائع میں ہوتی ہے مقاصد میں نہیں ہوتی ہے۔

{۲} قرآن مجید کو زیورات سے مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں قرآن کی تعظیم ہے پس یہ ایسا ہے جیسا کہ مسجد میں نقش و نگار بنانا اور اس کو سونے کے پانی سے مزین کرنا جائز ہے جس کو ہم ماقبل میں "کتاب الصلوۃ" میں ذکر کرچکے ہیں۔

{۳} ذمی لوگوں کے مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں ان کا دخول مکروہ ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسجد میں ان کا داخل ہونا مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا[2]﴾ (اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں) جس میں مشرکوں کی ناپاکی اور مسجد حرام میں ان کے دخول کی ممانعت ذکر کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر جنابت سے خالی نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ اس طرح غسل نہیں کرتا ہے جو اس

([1]) قُلْتُ: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ فِي الصَّلَاةِ وَفِي فَضَائِلِ الْقُرْآنِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إبْرَاهِيمَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: جَرِّدُوا الْقُرْآنَ، انْتَهَى. حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِي الْمُغِيرَةِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَذَكَرَهُ. حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي الزَّعْرَاءِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: جرردوا الْقُرْآنَ، لَا تُلْحِقُوا بِهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ.(نصب الراية: 4ص579)

([2]) التوبة:28۔

کو جنابت سے خارج کر دے لہذا وہ جنب رہتا ہے اور جنب کو مسجد میں داخل ہونے سے دور رکھا جاتا ہے اس لیے ذمی کا مسجد حرام میں دخول مکروہ ہے۔

امام مالکؒ کی بھی یہی دلیل ہے جو امام شافعیؒ کی ہے البتہ مشرک کے نجس ہونے کی جو تعلیل ذکر کی ہے یہ عام ہے تمام مساجد کو شامل ہے اس لیے تمام مساجد میں ذمی کا دخول مکروہ ہوگا۔

{۴} ہماری دلیل وہ روایت ہے جو مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بنو ثقیف کے وفد کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا حالانکہ وہ کفار تھے[1]، معلوم ہوا کہ ذمی کا مسجد میں دخول جائز ہے۔ باقی آیت شریف میں جو مشرکین کو نجس کہا ہے تو یہ نجاست ان کے اعتقاد میں ہے بدن نجس نہیں ہے اور اعتقاد کی نجاست مسجد کو خراب کرنے کو مفضی نہیں ہوتی ہے۔ اور آیتِ مبارکہ میں جو فرمایا ہے کہ "مشرکین مسجدِ حرام کے قریب نہ جائیں" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح نہ آئیں کہ ان کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو یا ان کا اختیار بلند رہے کہ جس طرح چاہیں مسجد الحرام کی تعمیر وغیرہ کریں، یا آیت محمول ہے کہ وہ اس طرح مسجد الحرام میں حاضر نہ ہوں کہ ننگے طواف کریں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی کہ ننگے ہو کر بیت اللہ کی طواف کرتے تھے۔

{۵} خصیوں سے خدمت لینا مکروہ ہے؛ کیونکہ خصیوں سے خدمت لینے میں رغبت کرنا لوگوں کو اس عمل پر ابھارنا ہے اس لیے کہ وہ اس کو آمدنی کا ذریعہ سمجھ کر اس میں دلچسپی رکھیں گے حالانکہ یہ مثلہ ہونا ہے جس کی احادیث میں ممانعت آئی ہے اس لیے حرام ہے۔

{۶} جانوروں کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ جانوروں کو خصی کرنے میں جانوروں اور لوگوں کا فائدہ ہے یوں کہ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں گے اس لیے جانور خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ خچر پر سوار ہوئے تھے[2]، تو یہ گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے کے جواز کی

([1]) قُلْت: أخرجَهُ أبو دَاوُد فِي سُنَنِهِ فِي كِتَابِ الْخَرَاجِ فِي بَابِ خَبَرِ الطَّائِفِ عَنْ أَبِي دَاوُد عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزَلَهُمْ الْمَسْجِدَ، لِيَكُونَ أَرَقَّ لِقُلُوبِهِمْ، فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُحْشَرُوا، وَلَا يُعْشَرُوا، وَلَا يُجَبُّوا، فَقَالَ عليه السلام: "لَكُمْ أَنْ لَا تُحْشَرُوا، وَلَا تُعْشَرُوا، وَلَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ"، (نصب الراية: 4ص580)

([2]) قُلْت: أخرَجَ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ فِي الْجِهَادِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ مِنْ قَيْسٍ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ فَقَالَ الْبَرَاءُ: وَاَللَّهِ إنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يفر، وكانت هوزان يَوْمَئِذٍ رُمَاةً، وَإِنَّا لَمَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ انْكَشَفُوا، فَأَكْبَبْنَا عَلَى الْغَنَائِمِ، فَاسْتَقْبَلُونَا بِالسِّهَامِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ، وَإِنَّ أبا سفيان آخِذٌ بِلِجَامِهَا يَقُودُهُ، وَهُوَ يَقُولُ: "أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ... أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ" (نصب الراية: 4ص581)

دلیل ہے ورنہ اگر یہ حرام ہوتا تو حضور ﷺ خچر پر سوار نہ ہوتے؛ کیونکہ آپ کے سوار ہونے سے اس فعل (گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے) کا دروازہ کھل جاتا ہے بایں طور کہ لوگ آپ کی اتباع میں خچروں کی سواری کو پسند کریں گے اور خچر اسی سے حاصل ہوتا ہے کہ گدھے کو گھوڑی پر چڑھایا جائے۔

خنزیر کے مادہ منویہ سے پیدا شدہ گائے کا حکم:

بعض نسل کے جانوروں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی نسل کشی کے لئے خنزیر کا مادہ منویہ بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب یا بذریعہ جفتی استعمال کیا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، ایسی گائے کو جرمنی یا غیر ملکی گائے کہا جاتا ہے، اب ایسی گائے کے گوشت کا کیا حکم ہوگا؟ تو سمجھ لینا چاہئے کہ حیوانات کی نسل ماں سے ثابت ہوتی ہے، نر کے مادۂ منویہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ جفتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہو کر حلال ہوگا۔ لہٰذا جرمنی گائے یا کوئی اور جانور جس کی ماں حلال جانور ہو تو اس کو ذبح کرنا اور کا گوشت کھانا شرعاً جائز ہے قال العلامة الکاسانی فی البدائع: ۵/۶۹ حتی ان البقرة الاهلیة اذا نزا علیها ثور وحشی فولدت فانه یجوز ان یضحی به وان کانت البقرة وحشیة والثور اهلیاً لم یجز لان الاصل فی الولد الام لانه ینفصل عن الام (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۳/۳۹)

فـ: چونکہ حیوانات میں نسب کا لحاظ رکھنا شرعاً ضروری نہیں اور جانوروں میں نسل ماں کا تابع ہے لہٰذا اس بناء پر جانوروں کو افزائش نسل کے لئے انجکشن لگوانے کی کوئی قبیح عمل نہیں (ملخص از فتاویٰ حقانیہ: ۲/۳۹۹)

{۷} یہودی اور نصرانی کی عیادت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ یہ ان کے حق میں ایک قسم کی بھلائی ہے جس سے ہمیں نہیں روکا گیا ہے، اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے پڑوس میں ایک یہودی بیمار ہو گیا تھا تو آپ نے اس کی عیادت فرمائی تھی[1]۔

{۸} یہ مکروہ ہے کہ بندہ اپنی دعا میں اس طرح کہے "یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش سے عزت کی گرہ بندی کا واسطہ دے کر" صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک معقد ہے اور دوسرا مقعد ہے، پہلی کے مکروہ

---

[1] قلت: اخرجه البخاری فی صحیحه فی الجنائز عن سلیمان بن حرب عن حماد بن زید عن ثابت عن انس قال: کان غلام یهودی یخدم النبی صلی الله علیه وسلم فمرض، فاتاه النبی صلی الله علیه وسلم یعوده، فقعد عند رأسه، فقال له: اسلم، فنظر الی ابیه وهو عنده، فقال له: اطع ابا القاسم، فاسلم، فخرج النبی صلی الله علیه وسلم وهو یقول: الحمد لله الذی انقذه من النار. (نصب الرایة ص553)

ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے؛ کیونکہ مقعد مشتق ہے قعود سے جس کا معنی بیٹھنا ہے تو "مقعد العز من عرشک" کا معنی ہے تیرے عرش میں سے نشست گاہِ عزت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس سے باری تعالیٰ کے لیے عرش پر تمکن ثابت ہوتا ہے جو مجسمہ کا قول اور باطل ہے۔ اسی طرح اول یعنی معقد کی صورت میں بھی مکروہ ہے؛ کیونکہ اس سے باری تعالیٰ کی عزت کے حادث ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ معقد مشتق ہے عقد سے جس کا معنی ہے گرہ باندھنے کا مقام تو اس کا معنی ہوا عرش سے عزت کی گرہ بندی کا مقام، پس عرش کو عزت کی گرہ بندی کا مقام کہنے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ عزت حادث ہے؛ کیونکہ عرش حادث ہے تو اس کے ساتھ متعلق عزت بھی حادث ہوگی حالانکہ عزت باری تعالیٰ کی صفت ہے اور باری تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ قدیم ہے اس لیے اس کا محل حوادث ہونا باطل ہے۔

{۹}امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی قول کو فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے لیا ہے؛ کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ ان الفاظ کے ساتھ دعا فرماتے تھے "اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے عرش کی عزت کی گرہ بندی کے مقام کا، آپ کی کتاب سے رحمت کی انتہاء کا، آپ کے اسم اعظم اور آپ کی عالی عظمت کا اور آپ کے کلماتِ تامہ کا واسطہ دے کر۔" لیکن ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے بلکہ اس کو موضوع قرار دیا گیا ہے لہٰذا ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے سے رکنے میں احتیاط ہے۔

فتویٰ:۔احوط امتناع ہے لما فی الدر المنتقی:(خلافاً لأبي يوسف)فعنده لا بأس به وبه أخذ أبو الليث رحمه الله تعالىٰ للأثر، والأحوط الامتناع لكونه خبر واحد فيما يخالف القطعي(الدر المنتقی:۴/۲۲۳)

{۱۰}اور یہ مکروہ ہے کہ اپنی دعا میں اس طرح کہے کہ "الٰہی بحق فلاں میری دعا قبول فرما" یا کہے "الٰہی بحق انبیاء و رسل میری دعا قبول فرما"؛ کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ جس کو جو کچھ دیتا ہے وہ محض ان کا فضل ہے، علامہ شامیؒ نے اس طرح تحقیق فرمائی ہے: (قَوْلُهُ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ) قَدْ يُقَالُ إنَّهُ لَا حَقَّ لَهُمْ وُجُوبًا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى، لَكِنْ

---

(1)أخرجه: رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ أَخْبَرَنَا أَبُو حَازِمٍ الْحَافِظُ أنا أَبُو أَحْمَدَ الْحَافِظُ أنا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ نا عَمْرُو بْنُ حَفْصٍ نا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ الْبَلْخِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اثْنَتَا عَشْرَةَ رَكْعَةً تُصَلِّيهِنَّ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، وَتَتَشَهَّدُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ. فَإِذَا تَشَهَّدْتَ فِي آخِرِ صَلَاتِكَ. فَأَثْنِ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَاقْرَأْ وَأَنْتَ سَاجِدٌ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ سَبْعَ مَرَّاتٍ،وَقُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ. وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ، وَاسْمِكَ الْأَعْظَمِ، وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ. ثُمَّ سَلْ حَاجَتَكَ، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ، ثُمَّ سَلِّمْ يَمِينًا وَشِمَالًا، وَلَا تُعَلِّمُوهَا السُّفَهَاءَ، فَإِنَّهُمْ يَدْعُونَ بِهَا، فَيُسْتَجَابُ"([illegible]: ص583)

اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى جَعَلَ لَهُمْ حَقًّا مِنْ فَضْلِهِ أَوْ يُرَادُ بِالْحَقِّ الْحُرْمَةُ وَالْعَظَمَةُ، فَيَكُونُ مِنْ بَابِ الْوَسِيلَةِ وَقَدْ قَالَ تَعَالَى: - {وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ} [المائدة: 35]-: وَقَدْ عَدَّ مِنْ آدَابِ الدُّعَاءِ التَّوَسُّلَ عَلَى مَا فِي الْحِصْنِ، وَجَاءَ فِي رِوَايَةٍ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُك بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْك، وَبِحَقِّ مَمْشَايَ إِلَيْك، فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا» الْحَدِيثَ اهـ ط عَنْ شَرْحِ النُّقَايَةِ لِمُنْلَا عَلِيٍّ الْقَارِي وَيُحْتَمَلُ أَنْ يُرَادَ بِحَقِّهِمْ عَلَيْنَا مِنْ وُجُوبِ الْإِيمَانِ بِهِمْ وَتَعْظِيمِهِمْ، وَفِي الْيَعْقُوبِيَّةِ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْحَقُّ مَصْدَرًا لَا صِفَةً مُشَبَّهَةً فَالْمَعْنَى بِحَقِّيَّةِ رُسُلِك فَلَا مَنْعَ فَلْيُتَأَمَّلْ اهـ أَيْ الْمَعْنَى بِكَوْنِهِمْ حَقًّا لَا بِكَوْنِهِمْ مُسْتَحِقِّينَ.

أَقُولُ: لَكِنَّ هَذِهِ كُلَّهَا احْتِمَالَاتٌ مُخَالِفَةٌ لِظَاهِرِ الْمُتَبَادِرِ مِنْ هَذَا اللَّفْظِ وَمُجَرَّدُ إيهَامِ اللَّفْظِ مَا لَا يَجُوزُ كَافٍ فِي الْمَنْعِ كَمَا قَدَّمْنَاهُ فَلَا يُعَارِضُ خَبَرَ الْآحَادِ فَلِذَا وَاَللَّهُ أَعْلَمُ أَطْلَقَ أَئِمَّتُنَا الْمَنْعَ عَلَى أَنَّ إرَادَةَ هَذِهِ الْمَعَانِي مَعَ هَذَا الْإِيهَامِ فِيهَا الْإِقْسَامُ بِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى، وَهُوَ مَانِعٌ آخَرُ تَأَمَّلْ. نَعَمْ ذَكَرَ الْعَلَّامَةُ الْمُنَاوِيُّ فِي حَدِيثِ «اللَّهُمَّ إنِّي أَسْأَلُك وَأَتَوَجَّهُ إلَيْك بِنَبِيِّك نَبِيِّ الرَّحْمَةِ» عَنْ الْعِزِّ بْنِ عَبْدِ السَّلَامِ أَنَّهُ يَنْبَغِي كَوْنُهُ مَقْصُورًا عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَنْ لَا يُقْسِمَ عَلَى اللَّهِ بِغَيْرِهِ وَأَنْ يَكُونَ مِنْ خَصَائِصِهِ قَالَ وَقَالَ السُّبْكِيُّ: يَحْسُنُ التَّوَسُّلُ بِالنَّبِيِّ إلَى رَبِّهِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ أَحَدٌ مِنْ السَّلَفِ وَلَا الْخَلَفِ إلَّا ابْنَ تَيْمِيَّةَ فَابْتَدَعَ مَا لَمْ يَقُلْهُ عَالِمٌ قَبْلَهُ اهـ وَنَازَعَ الْعَلَّامَةُ ابْنُ أَمِيرِ حَاجٍّ فِي دَعْوَى الْخُصُوصِيَّةِ، وَأَطَالَ الْكَلَامَ عَلَى ذَلِكَ فِي الْفَصْلِ الثَّالِثَ عَشَرَ آخِرَ شَرْحِهِ عَلَى الْمُنْيَةِ فَرَاجِعْهُ(ردّ المحتار:5ص281)

{۱۱} شطرنج، نرد اور چودہ گوٹی سے کھیلنا اور جملہ لہو کھیل مکروہ ہیں؛ کیونکہ اگر ان کھیلوں سے جُوا کھیلا تو جُوا کو میسر کہتے ہیں اور میسر کی حرمت تو نص سے ثابت ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1]﴾(اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں، شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) اور میسر ہر قسم کے جُوئے کو کہتے ہیں، اور اگر ان کھیلوں سے جُوا نہیں کھیلا تو چونکہ یہ کھیل عبث اور لغو کام ہیں اس لیے حرام ہیں چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مؤمن کا کھیل باطل ہے مگر تین کھیل: اپنے گھوڑے کو ادب دینا، اپنی کمان سے تیر پھینکنا، اور اپنی بیوی سے

[1] المائدة:90.

ملاعبت کرنا[1]"۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شطرنج سے کھیلنا مباح ہے؛ کیونکہ اس میں ذہن کو تیز کرنا اور فہم کو ذکی بنانا پایا جاتا ہے، اور یہی امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے۔

{۱۲} ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے شطرنج اور نردشیر کھیلا تو گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے خون میں ڈبو دیا[2]" جس میں ناگواری کا اظہار پایا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا کھیل ہے جو اللہ کے ذکر، جمعہ اور جماعات سے روکتا ہے اس لیے حرام ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس کام نے تجھ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیا تو وہ جوا ہے[3]"۔

{۱۳} پھر اگر کسی نے کھیل سے جوا کھیلا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی لہٰذا اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی، اور اگر جوا نہیں کھیلا تو فقط کھیل سے عدالت ساقط نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ اس میں تاویل کرنے والا ہے اس لیے کہ امام شافعیؒ نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ اور صاحبینؒ نے کھیلنے والوں کو سلام کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے؛ تاکہ ان کو کچھ تنبیہ ہو، اور امام صاحبؒ ان کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں؛ تاکہ سلام کے ذریعہ ان کو اس کام سے مشغول کر دے جس کام میں وہ لگے ہوئے ہیں۔

ف: ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان متردد ہو شریعت کی اصطلاح میں اس کو قمار اور میسر کہلاتا ہے اور اُردو میں اس کو جُوا کہتے ہیں۔

ف: "شطرنج" شین کے کسرہ کے ساتھ ایک کھیل ہے جو ہندوستان وغیرہ میں مشہور ہے یہ سنسکرت کا لفظ ہے جو اصل میں چترنگ سے معرّب ہے اس میں چھ قسم کے مہروں سے کھیلتے ہیں، جو شاہ، فرزین، فیل، اسپ، رُخ اور پیدل کہلاتے ہیں۔ "نرد" اور "نردشیر" فارسی

([1]) رَوَاهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةُفِي الْجِهَادِ، فَأَبُو دَاوُد، وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَّامٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ مَاجَهْ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَزْرَقِ عَنْ عُقْبَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنَّ اللَّهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ الثَّلَاثَةَ الْجَنَّةَ: صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ، وَالرَّامِيَ بِهِ، وَمُنْبِلَهُ، وَارْمُوا وَارْكَبُوا، وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا، لَيْسَ مِنْ اللَّهْوِ ثَلَاثٌ: تَأْدِيبُ الرَّجُلِ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَتُهُ أَهْلَهُ، وَرَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَنَبْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ الرمي بعد ما عَلِمَهُ، فَإِنَّهَا نِعْمَةٌ تَرَكَهَا"، أَوْ قَالَ: "كَفَرَهَا"(نصب الراية:4ص584)

([2]) قُلْت: غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَالْحَدِيثُ فِي مُسْلِمٍ وَلَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ الشِّطْرَنْجِ، أَخْرَجَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ، وَدَمِهِ"،(نصب الراية:4ص586)

([3]) قُلْت: غَرِيبٌ مَرْفُوعًا، وَرَوَاهُ أَحْمَدُ فِي كِتَابِ الزُّهْدِ مِنْ قَوْلِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، فَقَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ثَنَا حَفْصٌ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: كُلُّ مَا أَلْهَى عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ، وَعَنْ الصَّلَاةِ فَهُوَ مَيْسِرٌ، انْتَهَى. وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ فِي الْبَابِ الْحَادِي وَالْأَرْبَعِينَ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ ثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ صَفْوَانَ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الدُّنْيَا ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ: هَذِهِ النَّرْدُ تَكْرَهُونَهَا، فَمَا بَالُ الشِّطْرَنْجِ؟ قَالَ: كُلُّ مَا أَلْهَى عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ، وَعَنْ الصَّلَاةِ، فَهُوَ الْمَيْسِرُ،(نصب الراية:4ص587)

سے معرّب ہے یہ ایک کھیل ہے جس کو اردشیر بن بابک نے ایجاد کیا ہے اسی لیے اس کو "نردشیر" کہتے ہیں، قہستانی میں ہے کہ یہ کھیل شاپور بن اردشیر کی ایجادات میں سے ہے جو ملوک ساسانیہ کا دوسرا بادشاہ ہے۔

کھیلوں اور بے فائدہ تماشوں کا حکم:

ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین ودنیاکانہ ہووہ سب ممنوع اورناجائز ہیں خواہ ان پربازی لگائی جائے یاانفرادی طور پر کھیلاجائے لہذا کبوتر بازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں۔(جواہر الفقہ:۲/۳۵۲)

ف:۔جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہوسکتے ہوں وہ جائز ہیں، بشرطیکہ انہیں فوائد کی نیت سے انکو کھیلاجائے محض لہوولعب کی نیت نہ ہولیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یاانعام شرط مقرر کرنا جائز نہیں مثلاً گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش بنتی ہے اورہوتی ہے (لہذاوالی بال، فٹ بال سب جائز ہیں)یالاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوت جہاد میں معین ہوسکتے ہیں، اسی طرح معمّہ بازی، شعربازی، تعلیمی تاش ہارجیت کی بازی لگانا، مگراس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں بلکہ قمار حرام ہے (جواہر الفقہ)

{۱}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِقَبُولِ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَإِجَابَةِ دَعْوَتِهِ وَاسْتِعَارَةِ دَابَّتِهِ .وَتُكْرَهُ

فرمایا:اور کوئی حرج نہیں ہدیہ قبول کرنے میں غلام تاجر کا اوراس کی دعوت قبول کرنے، اوراس کا جانور عاریت پر لینے میں، اور مکروہ ہے

كِسْوَتُهُ الثَّوْبَ وَهَدِيَّتُهُ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَفِي الْقِيَاسِ : كُلُّ ذَلِكَ بَاطِلٌ ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ

اس کا کپڑا پہنانا، اوراس کا ہدیہ کرنا دراہم اوردنانیر کو، اور یہ استحسان ہے، اور قیاس میں یہ سب باطل ہیں؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا تبرع ہے

وَالْعَبْدُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ . {۲}وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ { أَنَّهُ عَلَيْهِ ﷺ قَبِلَ هَدِيَّةَ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ حِينَ كَانَ عَبْدًا ، وَقَبِلَ

اور غلام اہل تبرع نہیں ہے، اوروجہ استحسان یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت سلمانؓ کا ہدیہ قبول فرمایا جس وقت کہ وہ غلام تھے، اور قبول فرمایا

هَدِيَّةَ بَرِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَكَانَتْ مُكَاتَبَةً }وَأَجَابَ رَهْطٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم دَعْوَةَ مَوْلَى أَبِي أُسَيْدٍ وَكَانَ عَبْدًا

حضرت بریرہؓ کا ہدیہ اوروہ مکاتبہ تھی، اور قبول کی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے حضرت اسید کے غلام کی دعوت، حالانکہ وہ غلام تھا،

{۳}وَلِأَنَّ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ ضَرُورَةً لَا يَجِدُ التَّاجِرُ بُدًّا مِنْهَا ، وَمَنْ مَلَكَ شَيْئًا يَمْلِكُ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ،

اوراس لیے کہ ان اشیاء میں ضرورت ہے نہیں پاتا ہے تاجر ان سے چارہ، اور جو شخص مالک ہو کسی شی کا وہ مالک ہوتا ہے اس کے لوازمات کا

وَلَا ضَرُورَةَ فِي الْكِسْوَةِ وَإِهْدَاءِ الدَّرَاهِمِ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ . {۴}قَالَ : وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ لَقِيطٌ

اور کوئی ضرورت نہیں ہے کپڑا پہنانے اور دراہم ہدیہ کرنے میں پس یہ باقی رہے اصل قیاس پر۔ فرمایا: اور جس کے قبضہ میں ایسا لقیط ہو

لَا أَبَ لَهُ فَإِنَّهُ يَجُوزُ قَبْضُهُ الْهِبَةَ وَالصَّدَقَةَ لَهُ ، وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الصِّغَارِ أَنْوَاعٌ ثَلَاثَةٌ:

جس کا کوئی باپ نہ ہو، تو جائز ہے اس کا قبضہ کرنا ہبہ اور صدقہ اس کے لیے، اور اصل اس کی یہ ہے کہ تصرف بچوں پر تین قسم پر ہے،

نَوْعٌ هُوَ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ لَا يَمْلِكُهُ إِلَّا مَنْ هُوَ وَلِيٌّ كَالْإِنْكَاحِ وَالشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ لِأَمْوَالِ الْقِنْيَةِ

ایک قسم وہ ہے جو باب ولایت سے ہے، اس کا مالک نہیں مگر وہی جو ولی ہو جیسے نکاح کرنا اور خرید و فروخت ان اموال کی جو رکھنے کے لیے ہیں

لِأَنَّ الْوَلِيَّ هُوَ الَّذِي قَامَ مَقَامَهُ بِإِنَابَةِ الشَّرْعِ .{۵}وَنَوْعٌ آخَرُ مَا كَانَ مِنْ ضَرُورَةِ حَالِ الصِّغَارِ وَهُوَ شِرَاءُ

کیونکہ ولی وہی ہے جو اس کا قائم ہو شریعت کے قائم مقام کرنے سے، اور دوسری قسم وہ ہے جو بچوں کے حال کی ضرورت ہو اور وہ خریدنا ہے

مَا لَا بُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ وَبَيْعُهُ وَإِجَارَةُ الْأَظْآرِ .وَذَلِكَ جَائِزٌ مِمَّنْ يَعُولُهُ

ان چیزوں کا جن سے چارہ نہیں بچے کو اور اس کو فروخت کرنا اور اجارہ پر لینا دایہ کو، اور یہ جائز ہے اس کی طرف سے جو بچے کی پرورش کرے

وَيُنْفِقُ عَلَيْهِ كَالْأَخِ وَالْعَمِّ وَالْأُمِّ وَالْمُلْتَقِطِ إِذَا كَانَ فِي حِجْرِهِمْ .وَإِذَا مَلَكَ هَؤُلَاءِ هَذَا النَّوْعَ فَالْوَلِيُّ أَوْلَى بِهِ

اور خرچ کرے اس پر جیسے بھائی، چچا، ماں، اور ملتقط بشرطیکہ بچہ ان کی گود میں ہو، اور جب مالک ہیں یہ لوگ اس قسم کے تو ولی بطریق اولیٰ مالک ہوگا

إِلَّا أَنَّهُ يُشْتَرَطُ فِي حَقِّ الْوَلِيِّ أَنْ يَكُونَ الصَّبِيُّ فِي حِجْرِهِ{۶}وَنَوْعٌ ثَالِثٌ مَا هُوَ نَفْعٌ مَحْضٌ كَقَبُولِ الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ

البتہ یہ شرط نہیں ولی کے حق میں کہ بچہ اس کی پرورش میں ہو، اور تیسری قسم وہ ہے جو محض نفع ہے جیسے قبول کرنا ہبہ اور صدقہ

وَالْقَبْضِ فَهَذَا يَمْلِكُهُ الْمُلْتَقِطُ وَالْأَخُ وَالْعَمُّ وَالصَّبِيُّ بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ يَعْقِلُ . لِأَنَّ اللَّائِقَ بِالْحِكْمَةِ فَتْحُ

اور قبض کرنا تو اس قسم کا مالک ہے ملتقط، بھائی، چچا اور بچہ بذات خود بشرطیکہ وہ اس کو جانتا ہو، کیونکہ لائق حکمت یہ ہے کہ کھلا ہو

بَابِ مِثْلِهِ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فَيَمْلِكُ بِالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَالْحِجْرِ وَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْإِنْفَاقِ .{۷}قَالَ

اس جیسے امور کا دروازہ بچے پر شفقت کے پیش نظر، پس مالک ہوگا عقل، ولایت اور پرورش سے، اور ہوگیا بمنزلہ خرچ کرنے کے۔ فرمایا

وَلَا يَجُوزُ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يُؤَاجِرَهُ، وَيَجُوزُ لِلْأُمِّ أَنْ تُؤَاجِرَ ابْنَهَا إِذَا كَانَ فِي حِجْرِهَا

اور جائز نہیں ہے ملتقط کے لیے کہ لقیط اجارہ پر دے، اور جائز ہے ماں کے لیے کہ وہ اجارہ پر دے اپنا بیٹا بشرطیکہ وہ اس کی پرورش میں ہو

وَلَا يَجُوزُ لِلْعَمِّ ، لِأَنَّ الْأُمَّ تَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ بِالِاسْتِخْدَامِ، وَلَا كَذَلِكَ الْمُلْتَقِطُ وَالْعَمُّ

اور جائز نہیں ہے چچا کے لیے؛ کیونکہ ماں مالک ہے تلف کرنے کا اس کے منافع کو کہ خدمت لے اس سے، اور اس طرح نہیں ہے ملتقط اور چچا

{۸}وَلَوْ أَجَّرَ الصَّبِيُّ نَفْسَهُ لَا يَجُوزُ ؛ لِأَنَّهُ مَشُوبٌ بِالضَّرَرِ ، إِلَّا إِذَا فَرَغَ مِنَ الْعَمَلِ ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ تَمَحَّضَ نَفْعًا

اور اگر اجارہ پر دیا بچے نے خود کو تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ ملا ہوا ہے ضرر کے ساتھ، مگر یہ کہ وہ کام سے فارغ ہو جائے؛ کیونکہ اس وقت وہ محض نفع ہوگا

فَيَجِبُ الْمُسَمَّى وَهُوَ نَظِيرُ الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ يُؤَاجِرُ نَفْسَهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ.

پس واجب ہوگی اجرتِ مسمّٰی، اور یہ نظیر ہے مجور غلام کی جب وہ اجارہ پر دے خود کو، اور ہم ذکر کر چکے اس کو۔

تشریح:۔{۱}اگر غلام اپنے مولیٰ کی طرف سے ماذون فی التجارۃ ہو تو اس کا کوئی معمولی ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اس کی دعوت قبول کرنے اور اس کا جانور مستعار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر ایسا غلام کپڑا دے یا دراہم اور دنانیر ہدیہ کرے تو اس کو قبول کرنا مکروہ ہے، اور مذکورہ غلام کا معمولی ہدیہ وغیرہ قبول کرنا استحساناً جائز ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ماذون غلام کے مذکورہ تمام کام جائز نہ ہوں؛ کیونکہ ہدیہ وغیرہ کرنا غلام کی طرف سے تبرع ہے اور غلام تبرع کا اہل نہیں ہے۔

{۲}وجہِ استحسان یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ہدیہ پیش کیا تھا اور حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمایا تھا حالانکہ اس زمانے میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غلام تھے[1]، معلوم ہوا کہ غلام کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر لوگ صدقہ کر دیتے ہیں اور وہ اس میں سے ہمارے پاس بھی بھیج دیتی

([1])أخرجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ فِي النَّوْعِ الثَّالِثِ وَالثَّلَاثِينَ مِنَ الْقِسْمِ الْخَامِسِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَجَاءٍ ثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي قُرَّةَ الْكِنْدِيِّ عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: كَانَ أَبِي مِنَ الْأَسَاوِرَةِ، وَكُنْتُ أَخْتَلِفُ إِلَى الْكُتَّابِ، وَكَانَ مَعِي غُلَامَانِ، إِذَا رَجَعَا مِنَ الْكُتَّابِ دَخَلَا عَلَى قَسٍّ، فَأَدْخُلُ مَعَهُمَا، فَلَمْ أَزَلْ أَخْتَلِفُ إِلَيْهِ مَعَهُمَا، حَتَّى صِرْتُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهُمَا، وَكَانَ يَقُولُ لِي: يَا سَلْمَانُ إِذَا سَأَلَكَ أَهْلُكَ مَنْ حَبَسَكَ؟ فَقُلْ: مُعَلِّمِي، وَإِذَا سَأَلَكَ مُعَلِّمُكَ مَنْ حَبَسَكَ؟ فَقُلْ: أَهْلِي، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، فَلَمَّا مَاتَ وَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ الرُّهْبَانُ، وَالْقِسِّيسُونَ سَأَلْتُهُمْ، فَقُلْتُ: يَا مَعْشَرَ الْقِسِّيسِينَ! دُلُّونِي عَلَى عَالِمٍ أَكُونُ مَعَهُ، قَالُوا: مَا نَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ، أَعْلَمَ مِنْ رَجُلٍ كَانَ يَأْتِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ، وَإِنِ انْطَلَقْتَ الْآنَ وَجَدْتَ حِمَارَهُ عَلَى بَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قَالَ: فَانْطَلَقْتُ، فَإِذَا أَنَا بِحِمَارٍ، فَجَلَسْتُ عِنْدَهُ، حَتَّى خَرَجَ، فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، فَقَالَ: اجْلِسْ، حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكَ، قَالَ: فَلَمْ أَرَهُ إِلَى الْحَوْلِ، وَكَانَ لَا يَأْتِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ إِلَّا فِي السَّنَةِ مَرَّةً فِي ذَلِكَ الشَّهْرِ، فَلَمَّا جَاءَ، قُلْتُ لَهُ: مَا صَنَعْتَ فِي أَمْرِي؟ قَالَ: وأنت إلى الآن ههنا بَعْدُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: وَاللَّهِ لَا أَعْلَمُ الْيَوْمَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ يَتِيمٍ خَرَجَ فِي أَرْضِ تِهَامَةَ، وَإِنْ تَنْطَلِقِ الْآنَ تُوَافِقْهُ، وَفِيهِ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ: يَأْكُلُ الْهَدِيَّةَ، وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، وَعِنْدَ غُضْرُوفِ كَتِفِهِ الْيُمْنَى خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، مِثْلُ الْبَيْضَةِ، لَوْنُهُ لَوْنُ جِلْدِهِ، قَالَ: فَانْطَلَقْتُ تَرْفَعُنِي أَرْضٌ، وَتَخْفِضُنِي أُخْرَى حَتَّى أَصَابَنِي قَوْمٌ مِنَ الْأَعْرَابِ، فَاسْتَعْبَدُونِي، فَبَاعُونِي حَتَّى وَقَعْتُ بِالْمَدِينَةِ، فَسَمِعْتُهُمْ يَذْكُرُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ الْعَيْشُ عَزِيزًا، فَسَأَلْتُ قَوْمِي أَنْ يَهَبُوا لِي يَوْمًا، فَفَعَلُوا، فَانْطَلَقْتُ، فَاحْتَطَبْتُ، فَبِعْتُهُ بِشَيْءٍ يَسِيرٍ، ثُمَّ صَنَعْتُ بِهِ طَعَامًا، وَاحْتَمَلْتُهُ حَتَّى جِئْتُ بِهِ، فَوَضَعْتُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ عليه السلام: "مَا هَذَا"؟ قُلْتُ: صَدَقَةٌ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: "كُلُوا"، وَأَبَى هُوَ أَنْ يَأْكُلَ، فَقُلْت فِي نَفْسِي: هَذِهِ وَاحِدَةٌ، ثُمَّ مَكَثْتُ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ اسْتَوْهَبْتُ قَوْمِي يَوْمًا آخَرَ، فَفَعَلُوا، فَانْطَلَقْت، فَاحْتَطَبْتُ، فَبِعْتُهُ بِأَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، فصنعت طَعَامًا، وَأَتَيْته بِهِ فَقَالَ: "مَا هَذَا"؟ قُلْتُ: هَدِيَّةٌ، فَقَالَ بِيَدِهِ: "بِسْمِ اللَّهِ كُلُوا"، فَأَكَلَ، وَأَكَلُوا مَعَهُ، وَقُمْتُ إِلَى خَلْفِهِ، فَوَضَعَ رِدَاءَهُ عَنْ كَتِفِهِ، فَإِذَا خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، كَأَنَّهُ بَيْضَةٌ، قُلْتُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: "وَمَا ذَاكَ"؟ فَحَدَّثْتُهُ حَدِيثِي، ثُمَّ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، الْقَسُّ الَّذِي أَخْبَرَنِي أَنَّكَ نَبِيٌّ، أَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: "لَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ"، قُلْتُ: إِنَّهُ زَعَمَ أَنَّكَ نَبِيٌّ، قَالَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ"،(نصب الراية:4ص587)

ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ "وہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے"[1] اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اس وقت مکاتبہ تھی۔ اور حضرت ابو اُسید الساعدی رضی اللہ عنہ کے غلام ابو سعید فرماتے ہیں کہ میں غلام تھا اور میں نے ولیمہ کی دعوت کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے میری دعوت کو قبول فرمایا[2]۔

{۳} اور استحسان کی یہ وجہ بھی ہے کہ مذکورہ چیزوں کی ضرورت ہے تاجر شخص کو ان سے چارہ نہیں ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کوئی کسی چیز کا مالک ہو جاتا ہے وہ اس کے لوازمات کا بھی مالک ہوتا ہے لہٰذا تاجر غلام معمولی ہدیہ وغیرہ کا مالک ہے اس لیے اس کے ہدیہ وغیرہ کو قبول کرنا جائز ہے، البتہ کپڑے دینے اور دراہم ہدیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے یہ امور اصل قیاس پر باقی رہتے ہوئے جائز نہیں ہیں۔

{۴} اگر کسی کے زیر پرورش ایسا لقیط (راستے میں گرا پڑا نو مولود جس کو کوئی شخص اٹھا لے) ہو جس کا باپ معلوم نہ ہو تو جو شخص اس کے لیے کوئی چیز ہبہ کر دے یا اس پر کوئی چیز صدقہ کر دے ملتقط کے لیے جائز ہے کہ اس کے لیے اس چیز کو قبول کر دے؛ صاحبِ ہدایہ "فرماتے ہیں کہ بچوں پر تصرف تین قسم پر ہوتا ہے (1) ایک وہ ہے جو ولایت کے باب سے ہے جیسے اس کا نکاح کرنا، اور وہ اموال جو خراب نہ ہوتے ہوں بلکہ گھر میں رکھنے کے قابل ہوں ان کو فروخت کرنا یا خریدنا، تو یہ تصرفات وہی شخص کر سکتا ہے جس کو بچے پر ولایت حاصل ہو جیسے بچے کا باپ، دادا اور ان کا وصی، اور ان کے علاوہ کسی اور شخص کو ان تصرفات کا اختیار نہیں ہے۔

{۵} (2) دوسری قسم وہ تصرفات ہیں جو بچوں کے حال کی ضرورت میں سے ہو جیسے بچے کے لیے ایسی چیز خریدنا یا اس کی ایسی چیز فروخت کرنا جس سے چارہ نہ ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے، اور بچے کو دودھ پلانے والی کو اجرت پر لینا تو یہ تصرفات وہی شخص کر سکتا ہے جو بچے کی پرورش کر رہا ہو اور اس کا نفقہ ادا کر رہا ہو جیسے بھائی، چچا، ماں اور لقیط کو اٹھانے والا ملتقط بشرطیکہ بچہ ان کی

---

(1) قَالَتْ: كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ: أَرَادَ أَهْلُهَا أَنْ يَبِيعُوهَا، وَيَشْتَرِطُوا وَلَاءَهَا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "اشْتَرِيهَا، وَاعْتِقِيهَا، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ"، وَعَتَقَتْ، فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا، وَكَانَ النَّاسُ يَتَصَدَّقُونَ عَلَيْهَا، وَتُهْدِي لَنَا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ". (نصب الراية: 4ص593)

(2) علامہ زیلعی فرماتے ہیں: قُلْت: غَرِيبٌ، وَتُنْظَرُ تَرْجَمَةُ أُسَيدٍ مَوْلَى أَبِي أُسَيد السَّاعِدِيِّ فِي أَسْمَاءِ الرِّجَالِ، وَالْمُصَنِّفُ اسْتَدَلَّ بِهِ عَلَى جَوَازِ إجَابَةِ الْعَبْدِ، وَفِيهِ حَدِيثٌ مَرْفُوعٌ: أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ فِي الْجَنَائِزِ، وَابْنُ مَاجَهْ فِي الزُّهْدِ عَنْ مُسْلِمٍ الْأَعْوَرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ، وَيَتْبَعُ الْجَنَازَةَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ، وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَلَقَدْ كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَيَوْمَ قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ، خِطَامُهُ حَبْلٌ مِنْ لِيفٍ، وَتَحْتَهُ إكَافٌ مِنْ لِيفٍ، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: لَا نَعْرِفُهُ إلَّا مِنْ حَدِيثِ مُسْلِمِ بْنِ كَيْسَانَ الْأَعْوَرِ، وَهُوَ يُضَعَّفُ، انْتَهَى. وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي الْأَطْعِمَةِ، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ، (نصب الراية: 4ص594)

پرورش میں ہو، اور جب یہ لوگ اس قسم کے تصرف کے مالک ہیں تو بچے کا ولی بطریقۂ اولی مالک ہو گا، البتہ ولی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ بچہ اس کی پرورش میں ہو۔

﴿٦﴾(3) تیسری قسم وہ تصرفات ہیں جو بچے کے حق میں محض نفع ہو جیسے اس کے لیے ہبہ اور صدقہ کو قبول کرنا اور قبضہ کرنا تو ملتقط، بھائی، چچا اور خود بچہ اس قسم کے تصرفات کے مالک ہوں گے بشرطیکہ بچہ سمجھدار ہو؛ کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے تصرفات کا دروازہ کھلا ہو اس لیے کہ اس میں بچے کی رعایت ہے لہذا عقل (بچے کے حق میں) ولایت (ولی کے حق میں) اور پرورش (جس کی پرورش میں ہے اس کے حق میں) تینوں میں سے کسی ایک سے بندہ اس قسم کے تصرفات کا مالک ہو گا؛ کیونکہ اس میں بچے کا خالص نفع ہے لہذا یہ ایسا ہے جیسے بچے پر خرچ کرنا کہ یہ محض نفع ہے اس لیے ہر شخص کی طرف سے جائز ہے۔

﴿٧﴾ملتقط کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ لقیط کسی کو اجارہ پر دیدے یعنی کسی کے پاس ملازم رکھے، البتہ ماں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو کسی کے پاس مزدور رکھے بشرطیکہ بچہ اس کی پرورش میں ہو، اور چچا کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے نابالغ بھتیجے کو کسی کے پاس مزدور رکھے؛ کیونکہ ماں کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے بیٹے سے منفعتِ خدمت لے کر اس کے منافع کو تلف کر دے، جبکہ ملتقط اور چچا کو یہ حق حاصل نہیں ہے لہذا ان کو یہ حق بھی نہ ہو گا کہ بچے کو اجارہ دیدیں۔

﴿٨﴾اور اگر بچے نے خود اپنے آپ کو اجارہ پر دینے کے لیے پیش کیا تو اسکو مزدور رکھنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں نفع کے ساتھ ضرر ملا ہوا ہے حالانکہ بچہ اپنے ضرر سے محجور ہے لہذا یہ عقد لازم نہ ہو گا، البتہ اگر بچہ کام کر کے فارغ ہو گیا تو چونکہ اب یہ محض نفع رہ گیا کہ کام تو ختم ہو گیا صرف اجرت لینی رہ گئی جو خالص نفع ہے اس لیے اس عقد پر اب صحت کا حکم جاری کر دیا جائے گا اور مقررہ اجرت واجب ہو گی، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے محجور غلام کی نظیر ہے جو اپنے آپ کو اجارہ پر دیدے کہ اجازت نہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ کام سے فارغ ہو گیا تو اب اس عقد کی صحت کا حکم کیا جائے گا اور اس کے لیے مسمّٰی اجرت واجب ہو گی جس کو ہم "باب اجارة العبد" میں ذکر کر چکے ہیں۔

﴿١﴾قَالَ: وَيُكْرَهُ اَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلُ فِي عُنُقِ عَبْدِهِ الرَّايَةَ، وَيُرْوَى الدَّايَةَ، وَهُوَ طَوْقُ الْحَدِيدِ الَّذِي يَمْنَعُهُ مِنْ اَنْ

فرمایا: اور مکروہ ہے کہ آدمی ڈال دے اپنے غلام کی گردن میں علامت، اور مروی ہے لفظ "دایہ" اور وہ لوہے کا ایسا طوق ہے جو روک دیتا ہے غلام کو اس سے

يُحَرِّكَ رَأْسَهُ ، وَهُوَ مُعْتَادٌ بَيْنَ الظَّلَمَةِ ، لِاَنَّهُ عُقُوبَةُ أَهْلِ النَّارِ فَيُكْرَهُ كَالْإِحْرَاقِ بِالنَّارِ ۔ وَلَا يُكْرَهُ اَنْ

کہ وہ حرکت دے اپنے سر کو، اور یہ معتاد ہے ظالم لوگوں میں؛ کیونکہ یہ سزا ہے جہنمیوں کی، پس مکروہ ہے جیسے آگ سے جلانا، اور مکروہ نہیں ہے کہ

يُقَيِّدَهُ ؛ لِاَنَّهُ سُنَّةُ الْمُسْلِمِينَ فِي السُّفَهَاءِ وَأَهْلِ الدَّعَارَةِ فَلَا يُكْرَهُ فِي الْعَبْدِ

قید کردے اس کو؛ کیونکہ یہ طریقہ ہے مسلمانوں کا بے وقوف اور فسادی لوگوں کے بارے میں، پس مکروہ نہیں ہے غلام میں

تَحَرُّزًا عَنْ اِبَاقِهٖ وَصِيَانَةً لِمَالِهٖ .{۲}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِالْحُقْنَةِ يُرِيدُ بِهِ التَّدَاوِيَ؛

اس کے بھاگنے سے بچنے کے لیے اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے۔ فرمایا: اور کوئی مضائقہ نہیں حقنہ میں جس سے ارادہ ہو علاج کا

لِاَنَّ التَّدَاوِيَ مُبَاحٌ بِالْاِجْمَاعِ ، وَقَدْ وَرَدَ بِاِبَاحَتِهِ الْحَدِيثُ .وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَنْبَغِي

کیونکہ دواء کرنا مباح ہے بالاتفاق، اور وارد ہوئی ہے اس کی اباحت پر حدیث، اور کوئی فرق نہیں مردوں اور عورتوں میں، مگر مناسب نہیں ہے

اَنْ يُسْتَعْمَلَ الْمُحَرَّمُ كَالْخَمْرِ وَنَحْوِهَا؛لِاَنَّ الِاسْتِشْفَاءَ بِالْمُحَرَّمِ حَرَامٌ .{۳}قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِرِزْقِ الْقَاضِي؛

کہ استعمال کرے حرام چیزیں جیسے شراب وغیرہ؛ کیونکہ حرام سے شفا طلب کرنا حرام ہے۔ فرمایا: اور کوئی حرج نہیں قاضی کو رزق دینے میں

{ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ أُسَيْدٍ اِلَى مَكَّةَ وَفَرَضَ لَهُ ، وَبَعَثَ عَلِيًّا اِلَى الْيَمَنِ

کیونکہ حضورؐ نے بھیجا حضرت عتاب بن اسیدؓ کو مکہ مکرمہ کی طرف اور نفقہ مقرر فرمایا ان کے لیے، اور بھیج دیا حضرت علیؓ کو یمن کی طرف

وَفَرَضَ لَهُ } وَلِاَنَّهُ مَحْبُوسٌ لِحَقِّ الْمُسْلِمِينَ فَتَكُونُ نَفَقَتُهُ فِي مَالِهِمْ وَهُوَ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ؛

اور نفقہ مقرر کیا ان کے لیے، اور اس لیے کہ وہ محبوس ہے مسلمانوں کے حق کے لیے تو ہوگا اس کا نفقہ ان کے مال میں اور وہ بیت المال کا مال ہے

وَهَذَا لِاَنَّ الْحَبْسَ مِنْ أَسْبَابِ النَّفَقَةِ كَمَا فِي الْوَصِيِّ وَالْمُضَارِبِ اِذَا سَافَرَ بِمَالِ الْمُضَارَبَةِ ، وَهَذَا فِيمَا

اور یہ اس لیے کہ حبس اسباب نفقہ میں سے ہے جیسا کہ وصی، اور مضارب جب سفر کرے مال مضاربت کے ساتھ، اور یہ جواز اس مقدار میں ہے

يَكُونُ كِفَايَةً{۴}فَاِنْ كَانَ شَرْطًا فَهُوَ حَرَامٌ ؛ لِاَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ عَلَى الطَّاعَةِ ، اِذِ الْقَضَاءُ طَاعَةٌ بَلْ هُوَ أَفْضَلُهَا

جو بقدر کفایت ہو اور اگر شرط ہو تو یہ حرام ہے؛ کیونکہ یہ اجارہ پر لینا ہے طاعت پر؛ اس لیے کہ قضاء طاعت ہے بلکہ طاعتوں میں افضل طاعت ہے

{۵}ثُمَّ الْقَاضِي اِذَاكَانَ فَقِيرًا: فَالْاَفْضَلُ بَلِ الْوَاجِبُ الْاَخْذُ؛لِاَنَّهُ لَايُمْكِنُهُ اِقَامَةُفَرْضِ الْقَضَاءِ اِلَّابِهِ،اِذِالِاشْتِغَالُ بِالْكَسْبِ

پھر اگر قاضی فقیر ہو تو افضل بلکہ واجب لینا ہے؛ کیونکہ ممکن نہیں اس کے لیے قضاء کی ذمہ داری قائم کرنا مگر اس سے؛ کیونکہ کسب کے ساتھ مشغول ہونا

يُقْعِدُهُ عَنْ اِقَامَتِهِ ،{۶}وَاِنْ كَانَ غَنِيًّا فَالْاَفْضَلُ الِامْتِنَاعُ عَلَى مَا قِيلَ رِفْقًا بِبَيْتِ الْمَالِ.

اس کو بٹھلا دیتا ہے فرائض قضاء انجام دینے سے، اور اگر غنی ہو تو افضل رُکنا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے آسانی کرتے ہوئے بیت المال کے ساتھ

وَقِيلَ الْاَخْذُ وَهُوَ الْاَصَحُّ صِيَانَةً لِلْقَضَاءِ عَنِ الْهَوَانِ وَنَظَرًا لِمَنْ يُوَلَّى

اور کہا گیا ہے کہ لینا افضل ہے، اور یہی اصح ہے بچاتے ہوئے قضاء کو بے وقعتی سے، اور ان لوگوں کی رعایت کے لیے جو عہدۂ قضاء پر فائز ہوں

بَعْدَهُ مِنَ الْمُحْتَاجِينَ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا انْقَطَعَ زَمَانًا يَتَعَذَّرُ إِعَادَتُهُ ثُمَّ تَسْمِيَتُهُ رِزْقًا يَدُلُّ عَلَى

اس کے بعد محتاجوں میں سے؛ کیونکہ جب زمانہ گذر جائے تو متعذر ہو جاتا ہے اس کا اعادہ، پھر اس کا نام رزق رکھنا دلالت کرتا ہے اس پر

أَنَّهُ بِقَدْرِ الْكِفَايَةِ .﴿7﴾وَقَدْ جَرَى الرَّسْمُ بِإِعْطَائِهِ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ ؛ لِأَنَّ الْخَرَاجَ يُؤْخَذُ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ وَهُوَ

کہ یہ بقدرِ کفایت ہوگا۔ اور جاری ہوئی ہے رسم رزق دینے کی شروع سال میں؛ کیونکہ خراج شروع سال میں لیا جاتا ہے اور اس کو

يُعْطَى مِنْهُ،وَفِي زَمَانِنَاالْخَرَاجُ يُؤْخَذُفِي آخِرِالسَّنَةِ وَالْمَأْخُوذُ مِنَ الْخَرَاجِ خَرَاجُ السَّنَةِ الْمَاضِيَةِ هُوَ الصَّحِيحُ

رزق دیا جاتا ہے اسی سے، اور ہمارے زمانے میں خراج لیا جاتا ہے اخیر سال میں، اور جو خراج لیا جاتا ہے وہ سالِ گذشتہ کا خراج ہے یہی صحیح ہے

وَلَوِ اسْتَوْفَى رِزْقَ سَنَةٍ وَعُزِلَ قَبْلَ اسْتِكْمَالِهَا ، قِيلَ هُوَ عَلَى اخْتِلَافٍ مَعْرُوفٍ

اور اگر قاضی نے وصول کیا پورے سال کا رزق، پھر وہ معزول کر دیا گیا سال مکمل کرنے سے پہلے، تو کہا گیا ہے کہ یہ صورت معروف اختلاف پر ہے

فِي نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي السَّنَةِ بَعْدَ اسْتِعْجَالِ نَفَقَةِ السَّنَةِ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَجِبُ الرَّدُّ.

نفقہ کے بارے میں جب وہ مر جائے سال کے دوران بعد اس کے کہ وہ پیشگی لے نفقہ سال کا، اور اصح یہ ہے کہ واجب ہے واپس کرنا

﴿8﴾قَالَ : وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُسَافِرَ الْأَمَةُ وَأُمُّ الْوَلَدِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ ؛ لِأَنَّ الْأَجَانِبَ فِي حَقِّ الْإِمَاءِ فِيمَا يَرْجِعُ

فرمایا: اور کوئی حرج نہیں کہ سفر کرے باندی اور ام ولد بلا محرم؛ کیونکہ اجنبی لوگ باندیوں کے حق میں ان امور میں جو لوٹتے ہیں

إِلَى النَّظَرِ وَالْمَسِّ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَارِمِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَأُمُّ الْوَلَدِ أَمَةٌ لِقِيَامِ الْمِلْكِ

دیکھنے اور مس کرنے کی طرف محارم کے درجے میں ہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس سے پہلے، اور ام ولد باندی ہے؛ قیامِ مِلک کی وجہ سے

فِيهَا وَإِنِ امْتَنَعَ بَيْعُهَا .

اس میں اگرچہ ممتنع ہے اس کی بیع، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تشریح:۔﴿1﴾ غلام کی گردن میں لوہے کا طوق ڈالنا مکروہ ہے، بعض نسخوں میں لفظِ "الرَّايَة" کے بجائے لفظِ "الدَّايَة" ہے مگر یہ کاتب کی غلطی ہے لہٰذا "الرَّايَة" صحیح ہے، اور اس سے مراد لوہے کا وہ طوق ہے جو غلام کے گلے میں ڈال دیتے تھے جس کی وجہ سے وہ سر نہیں ہلا سکتا تھا یہ طریقہ بعض ظالم لوگوں میں معتاد تھا، تو چونکہ یہ جہنمیوں کی سزا ہے اس لیے مکروہ ہے جیسا کہ آگ سے سزا دینا جہنمیوں کی سزا ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا مکروہ نہیں ہے؛ کیونکہ یہ احمقوں اور مفسدوں کے ساتھ مسلمانوں کا طریقہ ہے پس غلام کو بھاگنے سے بچانے کے لیے اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کا یہ طریقہ اختیار کرنا مکروہ نہ ہوگا۔

{۲} حقنہ کرانا(پچھلی طرف سے دوائی چڑھانا) جائز ہے بشرطیکہ اس سے علاج مقصود ہو فقط طاقت اور موٹا ہونا مقصود نہ ہو؛ کیونکہ علاج کرانا بالاجماع مباح ہے، اور علاج کی اباحت میں حدیث وارد ہے چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دواء کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے موت اور بوڑھاپے کے علاوہ ہر بیماری کے لیے دواء پیدا فرمائی ہے[1]۔ اور حقنہ کے جواز میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ حرام چیز استعمال نہ کرے جیسے شراب وغیرہ؛ کیونکہ حرام چیز سے شفاء حاصل کرنا حرام ہے۔

الکحل ملی ماکولات ومشروبات کا حکم:

عموماً ماکولات اور مشروبات میں الکحل (ایک بے رنگ، آتش گیر، اڑ جانے والا سیال مادہ جو میٹھا سون خصوصاً گلوکوز سے بذریعہ تخمیر بنایا جاتا ہے، جو شراب کی اصل ہے۔ اسپرٹ) تعفن سے حفاظت کی غرض سے ڈالا جاتا ہے تو یہ استعمال ضرورت میں داخل ہے تلی میں نہیں لہٰذا جائز ہے (از احسن الفتاویٰ:۸/۴۸۹)

ف:۔ الکحل (اسپرٹ) کی کئی قسمیں ہیں(ا) وہ اسپرٹ جو منقیٰ، انگور، یا کھجور کی شراب سے بنایا گیا ہو، یہ قسم بالاتفاق ناپاک ہے، جس دواء میں یہ ملایا گیا ہو وہ بھی ناپاک اور اس کا پینا حرام ہے، البتہ شدید اضطراری حالت میں ایسی دواء پینے کی رخصت ہے اور شدید اضطراری حالت یہ ہے کہ ماہر معالج کا ظن غالب یہ ہو کہ اس مریض کو کسی اور دواء سے شفاء نہ ہو گی تو ایسی صورت میں اس قسم کی اسپرٹ ملی ہوئی دواء پینے کی بقدر ضرورت گنجائش ہے۔ ففی النهاية عن الذخيرة الاستشفاء بالحرام يجوز اذا علم ان فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر (البحر الرائق:۱/۱۲۲)

{۳} جب امیر المؤمنین قاضی کو بیت المال سے رزق دیدے تو قاضی کے لیے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتّاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف عامل بنا کر بھیجا اور ان کے لیے نفقہ مقرر فرمایا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا اور ان کے لیے نفقہ مقرر فرمایا[2]۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قاضی مسلمانوں کے امور کی انجام

([1]) أخرجَهُ أصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةُ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ، قال: أتيت النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصْحَابُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِهِمْ الطَّيْرُ، فَسَلَّمْتُ، ثُمَّ قَعَدْتُ، فجاء الأعراب من ههنا وههنا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَتَدَاوَى؟ فَقَالَ: "تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً، غَيْرَ دَاءِ الْهَرَمِ"، انتهى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَرَوَاهُ أَحْمَدُ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْهِ، وَأَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِي مَسَانِيدِهِمْ، وَلَفْظُ ابْنِ رَاهْوَيْهِ فِيهِ: فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يُنْزِلْ دَاءً إلَّا أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً إلَّا الْمَوْتَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمَا أَفْضَلُ مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ؟ قَالَ: "خُلُقٌ حَسَنٌ"، قَالَ: فَلَمَّا قَامُوا مِنْ عِنْدِهِ جَعَلُوا يُقَبِّلُونَ يَدَهُ، قَالَ شَرِيكٌ: فَضَمَمْت يَدَهُ إلَيَّ، فَإِذَا هِيَ أَطْيَبُ مِنْ الْمِسْكِ،(نصب الراية:4ص594)

([2]) قُلْت: غَرِيبٌ، وَرَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي كِتَابِ الْفَضَائِلِ مِنْ طَرِيقِ إبْرَاهِيمَ الْحَرْبِيِّ ثَنَا مُصْعَبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَتَّابَ بْنَ أَسِيد عَلَى مَكَّةَ، وَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَامِلُهُ عَلَيْهَا. وَمَاتَ عَتَّابٌ بِمَكَّةَ فِي جُمَادَى الْآخِرَةِ، سَنَةَ

وہی کے لیے مقید ہے تو اس کو نفقہ بھی مسلمانوں کے مال سے ملنا چاہیے اور مسلمانوں کا مال بیت المال کا مال ہے اس لیے بیت المال سے اس کا نفقہ مقرر کیا جائے گا، اور قاعدہ ہے کہ کسی کے لیے مقید ہونا نفقہ کا سبب ہے جیسا کہ وصی جب یتیم کے کام میں لگا ہو تو اس کا بقدرِ کفایت نفقہ یتیم کے مال میں سے ہو گا، اسی طرح مضارب جب مضاربت کا مال لے کر سفر میں جائے تو اس کا نفقہ مالِ مضاربت میں سے ہو گا۔

{۴} البتہ قاضی کے نفقہ کا جواز اس صورت میں ہے کہ وہ نفقہ بقدرِ کفایت ہو بطورِ شرط نہ ہو اور اگر قاضی نے شروع سے یہ شرط کرلی کہ اتنی تنخواہ لوں گا تو یہ حرام ہے؛ کیونکہ یہ طاعت پر اجرت لینا ہے اس لیے کہ قضاء طاعت ہے بلکہ افضل طاعت ہے اور طاعت پر اجرت لینا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

فـ: اجرت علی الطاعت کی تفصیل ہدایہ ثالث میں گذر چکی ہے۔

{۵} پھر اگر قاضی فقیر ہو تو افضل بلکہ واجب یہ ہے کہ اپنا نفقہ لے لے؛ کیونکہ نفقہ لینے کے بغیر وہ فرض قضاء انجام نہیں دے سکتا ہے اس لیے کہ اگر وہ اپنا نفقہ کمانے میں لگ جائے تو وہ اس کو فرض قضاء قائم کرنے سے عاجز کر دے گا جس میں تمام مسلمانوں کا نقصان ہے اس لیے بیت المال سے بقدر کفایت اپنا نفقہ لینا ضروری ہے۔

{٦} اور اگر قاضی غنی ہو تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ بیت المال کی رعایت کرتے ہوئے افضل یہ ہے کہ نفقہ نہ لے، اور بعض دیگر مشائخ نے کہا ہے کہ نفقہ لینا افضل ہے، یہی اصح ہے؛ تاکہ عہدۂ قضاء کو ذلت سے بچایا جائے؛ کیونکہ عہدۂ قضاء مفت انجام دینے سے لوگ اس عہدے کو ذلیل سمجھیں گے حالانکہ یہ بہت اونچا کام ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نفقہ لینے میں بعد میں آنے والے ایسے قاضی کی رعایت ہے جو نادار ہو؛ کیونکہ اگر یہ اپنا نفقہ نہیں لیتا ہے تو طویل مدت تک منقطع ہونے کی وجہ سے نادار قاضی کے لیے نفقہ دوبارہ مقرر کرنا متعذر ہوتا ہے اس لیے غنی کے لیے لینا ہی بہتر ہے۔ پھر اس کو جو رزق کہا گیا تو یہ دلیل ہے کہ یہ وظیفہ بقدرِ کفایت مقرر کیا جائے گا یعنی اتنی مقدار جو قاضی اور اس کے اہل کے لیے کافی ہو۔

ثَلَاثَ عَشْرَةَ، ثُمَّ أَسْنَدَ إِلَى عَمْرِو بْنِ أَبِي عَقْرَبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَتَّابَ بْنَ أَسِيد وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ يَقُولُ: وَاَللَّهِ مَا أَصَبْتُ فِي عَمَلِي هَذَا الَّذِي وَلَّانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلَّا ثَوْبَيْنِ مُعَقَّدَيْنِ، فَكَسَوْتُهُمَا مَوْلَايَ،........وَرَوَى ابْنُ سَعْدٍ فِي الطَّبَقَاتِ فِي تَرْجَمَةِ شُرَيْحٍ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ عَلِيًّا رَزَقَ شُرَيْحًا خَمْسَمِائَةٍ، انْتَهَى. وَرَوَى فِي تَرْجَمَةِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ ثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَلَى الْقَضَاءِ، وَفَرَضَ لَهُ رِزْقًا (نصب الراية: 4ص598)

{۷} پھر رزق دینے کے بارے میں رواج یہ جاری ہوئی ہے کہ سال کے شروع میں دیا جاتا ہے؛ کیونکہ قاضی کا رزق خراج میں سے دیا جاتا ہے اور خراج سال کے شروع میں لیا جاتا ہے اس لیے قاضی کا نفقہ بھی سال کے شروع میں دیا جانا چاہیے۔ لیکن ہمارے زمانے میں خراج چونکہ سال کے آخر میں لیا جاتا ہے تو قاضی کا نفقہ بھی سال کے آخر میں دیا جائے گا، اور جو خراج لیا جاتا ہے وہ گذشتہ سال کا خراج ہوتا ہے یہی صحیح ہے۔ اور اگر قاضی نے سال بھر کا نفقہ وصول کر لیا پھر سال مکمل ہونے سے پہلے مر گیا، تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس میں وہی اختلاف ہے جو بیوی کے نفقہ کے بارے میں معروف ہے کہ اگر وہ سال کا نفقہ جلدی لینے کے بعد سال کے دوران میں انتقال کر گئی تو امام محمدؒ کے نزدیک بقیہ سال کا نفقہ واپس کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واپس نہیں کیا جائے گا یہی اختلاف قاضی کے نفقہ کے بارے میں بھی ہے۔ مگر اصح یہ ہے کہ بقیہ سال کا نفقہ واپس کیا جائے گا۔

{۸} اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ باندی اور ام ولد محرم کے بغیر سفر کریں؛ کیونکہ باندیوں کے حق میں اجنبی لوگ محارم کے درجے میں ہیں، یعنی اجنبی کے لیے باندی کو دیکھنے اور چھونے کا وہی حکم ہے جو محرم کے لیے ہے جیسا کہ فصل فی الاستبراء سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور ام ولد باندی ہے؛ کیونکہ اس میں مولیٰ کی ملک قائم ہے اگرچہ اس کو فروخت کرنا ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتاب احیاء الموات

یہ کتاب احیاء موات کے بیان میں ہے۔

"احیاء" کا لغوی معنیٰ ہے کسی شئ کو زندہ کرنا، اور موات لغت میں "ما لا روح لہ" (جس میں روح نہ ہو) یا "الارض لا مالک لھا" (ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو) کو کہتے ہیں۔ اور شرعاً احیاء موات غیر آباد زمین میں تعمیر یا کاشتکاری کر کے قابل انتفاع بنانے کو کہتے ہیں۔

"کتاب احیاء الموات" کی "کتاب الکراہیۃ" کے بعد مناسبت یہ ہے کہ اس کتاب میں بھی بہت سے مکروہ اور بہت سے غیر مکروہ کا ذکر ہے۔ علامہ عینیؒ نے وجہ مناسبت اس طرح بیان کی ہے کہ موات ناقابل انتفاع ہے اور سونا چاندی اور ریشم بھی ناقابل انتفاع ہیں؛ کیونکہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے اور ریشم مردوں کے لیے ناقابل انتفاع ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ موات مطلقاً ناقابل انتفاع ہے اور سونا چاندی اور ریشم شرعاً ناقابل انتفاع ہیں۔

{۱}قَالَ : الْمَوَاتُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ مِنَ الْأَرَاضِي لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ أَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ
فرمایا: اور موات وہ زمینیں ہیں جن سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے: ان سے پانی منقطع ہونے کی وجہ سے یا اس پر پانی غالب آنے کی وجہ سے

أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ ، سُمِّيَ بِذَلِكَ لِبُطْلَانِ الِانْتِفَاعِ بِهِ .{۲}قَالَ : فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًّا
یا اس سے مشابہ وہ چیزیں جو مانع ہوں زراعت سے، اور نام رکھا گیا یہ بطلانِ انتفاع کی وجہ سے اس سے۔ فرمایا: پس جو ان میں سے عادی ہو

لَا مَالِكَ لَهُ أَوْ كَانَ مَمْلُوكًا فِي الْإِسْلَامِ لَا يُعْرَفُ لَهُ مَالِكٌ بِعَيْنِهِ وَهُوَ بَعِيدٌ مِنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ إذَا وَقَفَ إنْسَانٌ
کوئی مالک نہ ہو اس کا یا مملوک ہو اسلام میں مگر معلوم نہ ہو اس کا مالک معین، حالانکہ وہ بعید ہے بستی سے بایں طور کہ جب انسان کھڑا ہو جائے

مِنْ أَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَا يُسْمَعُ الصَّوْتُ فِيهِ فَهُوَ مَوَاتٌ {۳}قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : هَكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ
آبادی کے اخیر میں اور چیخ کر پکارے تو سنائی نہ دے آواز اس میں، تو یہ موات ہے۔ مصنف فرماتے ہیں اسی طرح ذکر کیا ہے امام قدوریؒ نے

وَمَعْنَى الْعَادِيِّ مَاقَدُمَ خَرَابُهُ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَشْتَرِطُ أَنْ لَا يَكُونَ مَمْلُوكًا لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ مَعَ انْقِطَاعِ الِارْتِفَاقِ بِهَا
اور عادی کا معنی وہ ہے جو قدیم ویران ہو، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ یہ شرط ہے کہ نہ ہو مملوک مسلمان یا ذمی کا انقطاعِ ارتفاق کے ساتھ ساتھ

لِيَكُونَ مَيْتَةً مُطْلَقًا، فَأَمَّا الَّتِي هِيَ مَمْلُوكَةٌ لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لَا تَكُونُ مَوَاتًا، وَإِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَالِكُهُ تَكُونُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ
تاکہ ہو موات مطلقاً، رہی وہ زمین جو مملوک ہو مسلمان یا ذمی کی، تو وہ موات نہ ہوگی، اور اگر معلوم نہ ہو اس کا مالک تو وہ مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوگی

وَلَوْ ظَهَرَ لَهُ مَالِكٌ يُرَدُّ عَلَيْهِ ، وَيَضْمَنُ الزَّارِعُ نُقْصَانَهَا ،{۴}وَالْبُعْدُ عَنِ الْقَرْيَةِ عَلَى مَا قَالَ
اور اگر ظاہر ہو گیا اس کا مالک تو واپس کی جائے گی اس پر اور ضامن ہوگا کاشتکار اس کے نقصان کا، اور بستی سے دور ہونا جیسا کہ امام قدوریؒ نے کہا

شَرَطَهُ أَبُو يُوسُفَ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مَا يَكُونُ قَرِيبًا مِنَ الْقَرْيَةِ لَا يَنْقَطِعُ ارْتِفَاقُ أَهْلِهَا عَنْهُ فَيُدَارُ الْحُكْمُ
اس کو شرط کیا ہے امام ابو یوسفؒ نے؛ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جو قریب ہو بستی کے منقطع نہیں ہوتا ہے بستی والوں کا ارتفاق اس سے، پس دائر ہوگا

عَلَيْهِ . وَمُحَمَّدٌ اعْتَبَرَ انْقِطَاعَ ارْتِفَاقِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ عَنْهَا حَقِيقَةً ، وَإِنْ كَانَ قَرِيبًا مِنَ الْقَرْيَةِ ، كَذَا ذَكَرَهُ الْإِمَامُ
حکم قرب پر، اور امام محمدؒ نے اعتبار کیا ہے انقطاعِ ارتفاق کا بستی والوں کا اس سے حقیقۃً اگرچہ قریب ہو بستی کے، اسی طرح ذکر کیا اس امام نے

الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ وَشَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ اعْتَمَدَ عَلَى مَا اخْتَارَهُ أَبُو يُوسُفَ {۵}ثُمَّ مَنْ أَحْيَاهُ
جو معروف ہے خواہر زادہ کے ساتھ، اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے اعتماد کیا ہے اس پر جس کو اختیار کیا ہے امام ابو یوسفؒ نے۔ پھر جو موات کو آباد کرے

بِإِذْنِ الْإِمَامِ مَلَكَهُ ، وَإِنْ أَحْيَاهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ،

امام کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اور اگر اس نے آباد کیا امام کی اجازت کے بغیر تو وہ اس کا مالک نہ ہو گا امام صاحبؒ کے نزدیک

وَقَالَا : يَمْلِكُهُ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ } وَلِأَنَّهُ مَالٌ مُبَاحٌ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں مالک ہو جائے گا؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے آباد کی موات زمین وہ اسی کی ہے" اور اس لیے کہ وہ مباح مال ہے

سَبَقَتْ يَدُهُ إلَيْهِ فَيَمْلِكُهُ كَمَا فِي الْحَطَبِ وَالصَّيْدِ . ﴿٦﴾ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { لَيْسَ لِلْمَرْءِ

سبقت کیا اس کے ہاتھ نے اس کی طرف جیسا کہ لکڑیوں اور شکار میں ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے "نہیں ہے مرد کے لیے

إلَّا مَا طَابَتْ نَفْسُ إمَامِهِ بِهِ } وَمَا رَوَيَاهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ إذْنٌ لِقَوْمٍ

مگر وہ جس سے خوش ہو اس کے امام کا دل" اور جو روایت صاحبینؒ نے نقل کی ہے وہ احتمال رکھتی ہے کہ وہ اجازت ہو کسی خاص قوم کے لیے

لَا نَصْبٌ لِشَرْعٍ ، ﴿٧﴾ وَلِأَنَّهُ مَغْنُومٌ لِوُصُولِهِ إلَى يَدِ الْمُسْلِمِينَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ

نہ کہ شریعت کا تقرر، اور اس لیے کہ یہ غنیمت ہے؛ بوجہ اس کے پہنچ جانے کے مسلمانوں کے قبضہ میں گھوڑے اور اونٹ دوڑانے سے

فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَخْتَصَّ بِهِ بِدُونِ إذْنِ الْإِمَامِ كَمَا فِي سَائِرِ الْغَنَائِمِ . ﴿٨﴾ وَيَجِبُ

پس نہیں ہے کسی ایک کے لیے کہ وہ مختص ہو جائے اس کے ساتھ امام کی اجازت کے بغیر جیسا کہ دیگر غنیمتوں میں ہے۔ اور واجب ہو گا

فِيهِ الْعُشْرُ ؛ لِأَنَّ ابْتِدَاءَ تَوْظِيفِ الْخَرَاجِ عَلَى الْمُسْلِمِ لَا يَجُوزُ إلَّا إذَا سَقَاهُ بِمَاءِ الْخَرَاجِ ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ إبْقَاءُ الْخَرَاجِ

اس میں عشر؛ کیونکہ ابتداءً مقرر کرنا خراج مسلمان پر جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ سینچا ہو اس کو خراجی پانی سے؛ کیونکہ اس وقت باقی رکھنا خراج کو

عَلَى اعْتِبَارِ الْمَاءِ . ﴿٩﴾ فَلَوْ أَحْيَاهَا ، ثُمَّ تَرَكَهَا فَزَرَعَهَا غَيْرُهُ فَقَدْ قِيلَ الثَّانِي أَحَقُّ بِهَا ؛

پانی کے اعتبار پر ہو گا، پس اگر زمین کو آباد کیا پھر چھوڑ دی اور کھیتی کر لی اس میں دوسرے نے، تو کہا گیا ہے کہ ثانی زیادہ حقدار ہے اس کا؛

لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَلَكَ اسْتِغْلَالَهَا لَا رَقَبَتَهَا ، فَإِذَا تَرَكَهَا كَانَ الثَّانِي أَحَقَّ بِهَا . وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَوَّلَ

کیونکہ اول مالک ہوا اس کی پیداوار کا نہ کہ اس کے رقبہ کا، پس جب اس نے چھوڑی تو ثانی زیادہ حقدار ہے اس کا، اور اصح یہ ہے کہ اول

يَنْزِعُهَا مِنَ الثَّانِي ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهَا بِالْإِحْيَاءِ عَلَى مَا نَطَقَ بِهِ الْحَدِيثُ ، إذِ الْإِضَافَةُ فِيهِ

لے لے گا اس کو ثانی سے؛ کیونکہ وہ مالک ہوا اس کا آباد کرنے سے جیسا کہ بیان کیا ہے اس کو حدیث نے؛ اس لیے کہ اضافت اس میں

بِلَامِ التَّمْلِيكِ وَمِلْكُهُ لَا يَزُولُ بِالتَّرْكِ . ﴿١٠﴾ وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً ثُمَّ أَحَاطَ الْإِحْيَاءُ

لام تملیک کے ساتھ ہے، اور اس کی ملک زائل نہیں ہوتی ہے ترک سے، اور جس نے آباد کی غیر آباد زمین، پھر گھیر لیے اس احیاء نے

بِجَوَانِبِهَا الْأَرْبَعَةِ مِنْ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَلَى التَّعَاقُبِ ؛ فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ طَرِيقَ الْأَوَّلِ فِي الْأَرْضِ الرَّابِعَةِ
اس کے چاروں کونے چار شخصوں کی طرف سے یکے بعد دیگرے تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اول شخص کا راستہ چوتھی زمین میں ہو گا؛

لِتَعَيُّنِهَا لِتَطَرُّقِهِ وَقَصَدَ الرَّابِعُ إِبْطَالَ حَقِّهِ . {۱۱}قَالَ : وَيَمْلِكُهُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ
کیونکہ یہ زمین متعین ہے اس کے راستے کے لیے، اور قصد کیا چوتھے نے اس کے حق کے ابطال کا۔ فرمایا: اور مالک ہو جاتا ہے اس کا ذمی آباد کرنے سے

كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ ؛ لِأَنَّ الْإِحْيَاءَ سَبَبُ الْمِلْكِ ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ إِذْنُ الْإِمَامِ مِنْ شَرْطِهِ
جس طرح کہ مالک ہو جاتا ہے اس کا مسلمان؛ کیونکہ آباد کرنا سببِ مِلک ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک امام کی اجازت اس کی شرط ہے

فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ كَمَا فِي سَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ حَتَّى الِاسْتِيلَاءِ عَلَى أَصْلِنَا
پس برابر ہوں گے دونوں اس میں جیسے دیگر اسبابِ مِلک میں حتیٰ کہ استیلاء بھی ہماری اصل کے مطابق۔

تشریح:۔{۱}امام قدوریؒ نے موات کی تعریف کی ہے کہ موات وہ زمین ہے جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو خواہ پانی منقطع ہونے کی وجہ سے نا قابلِ انتفاع ہو یا پانی غالب آنے کی وجہ سے یا اس کے مشابہ کسی اور ایسی وجہ ہو جو زراعت کے لیے مانع ہو مثلاً ریت غالب آنے کی وجہ سے قابلِ انتفاع نہ رہی ہو۔ موات دراصل اس حیوان کو کہا جاتا ہے جو مر گیا ہو پھر نا قابلِ انتفاع زمین کو اس لیے موات کہا کہ وہ مرے ہوئے حیوان کی طرح قابلِ انتفاع نہیں ہے۔

{۲}پھر جو زمین عادی ہو یعنی قدیم زمانے سے ویران پڑی ہو اور اس کا کوئی مالک نہ ہو یا دارالاسلام کا مملوک تو ہو مگر کوئی معین شخص اس کا مالک نہ ہو اور وہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ جب کوئی انسان آبادی کے آخر میں کھڑا ہو کر چلائے تو اس زمین میں کھڑا شخص اس آواز کو نہ سن سکے تو ایسی زمین موات ہے۔

{۳}صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ امام قدوریؒ نے ارض موات کی یہی تعریف کی ہے، اور اس میں عادی کا معنی وہ زمین ہے جو قدیم سے ویران ہو۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ موات کے لیے یہ شرط ہے کہ یہ زمین کسی مسلمان یا ذمی کی مملوکہ نہ ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ شہر والوں کا انتفاع بھی اس سے منقطع ہو تاکہ یہ مطلقاً موات ہو، پس اگر کوئی زمین کسی مسلمان یا ذمی کی مملوکہ ہو تو وہ موات نہ ہو گی، اور اگر اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو تو وہ جماعتِ مسلمین کے لیے ہو گی کسی ایک کو اس کے مالک بننے کا حق نہ ہو گا۔ اور اگر کسی نے زمین میں کاشت کی پھر اس کا مالک ظاہر ہو گیا تو وہ زمین مالک کو واپس کر دی جائے گی اور کاشتکار اس کے نقصان کا ضمان مالک کو دیدے گا۔

{۴}اور متن میں جو آبادی سے دور ہونے کی شرط ذکر کی گئی ہے یہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے؛اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ جو زمین آبادی سے قریب ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے آبادی والوں کا انتفاع منقطع نہیں ہوتا ہے، لہذا امام ابویوسفؒ کے نزدیک مدار آبادی سے قریب اور بعید ہونے پر ہے، اور امام محمدؒ نے آبادی والوں کے انتفاع کے حقیقۃً انقطاع کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر ان کا انتفاع حقیقۃً اس زمین کے ساتھ متعلق ہو تو وہ موات نہ ہوگی ورنہ موات ہوگی اگرچہ آبادی کے قریب ہو، اسی طرح امام خواہر زادہؒ نے ذکر کیا ہے، اور شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ نے امام ابویوسفؒ کے قول پر اعتماد کیا ہے کہ آبادی سے بعید موات اور آبادی سے قریب غیر موات ہے۔

فتوی:۔امام محمدؒ کا قول راجح ہے لما فی الدّرالمختار: وَاعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ عَدَمَ ارْتِفَاقِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ بِهِ وَبِهِ وَقَالَتْ الثَّلَاثَةُ. قُلْت: وَهَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي زَكَاةِ الْكُبْرَى ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَكَذَا فِي الْبُرْجَنْدِيِّ عَنْ الْمَنْصُورِيَّةِ عَنْ قَاضِي خَانْ: أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَالْعَجَبُ مِنْ الشُّرُنْبُلَالِيِّ كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ فَلْيُحْفَظْ (الدر المختارعلى هامش ردّالمحتار:۳۰۷/۵)

{۵}پھر جس نے امام المسلمین کی اجازت سے ویران زمین کو آباد کیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اور اگر امام المسلمین کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ اس کا مالک نہ ہوگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں وہ اس کا مالک ہوگا؛کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے موات زمین کو آباد کیا تو وہ اس کی ہوگی[1]" ظاہر ہے کہ اس حدیث میں امام المسلمین کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ زمین مالِ مباح ہے اور مالِ مباح کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اس پر پہلے قابض ہو جائے وہی اس کا مالک ہوتا ہے جیسے ایندھن کی لکڑیاں اور شکار مباح ہیں لہذا جو سب سے پہلے ان پر قابض ہو جائے گا وہی ان کا مالک ہوتا ہے اسی طرح ارضِ موات پر بھی جو پہلے قبضہ کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔

{۶}امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "نہیں ہے مرد کے لیے مگر وہ چیز جس کو اس کے امام کا نفس پسند کرے[2]" جس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ امام کی اجازت شرط ہے۔اور جس روایت کو صاحبینؒ نے نقل کیا ہے وہ مقصود میں قطعی

([1])أخرجه البخاريُّ في صَحِيحِه في الْمُزَارَعَةِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ، فَهُوَ أَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ: قَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ، انتهى. وَرَوَاهُ أَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِي مُسْنَدِهِ بِلَفْظِ الْمُصَنِّفِ، فَقَالَ: حدثنا زُهَيْرٌ ثنا إسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "من أحيى أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ". (نصب الراية:4ص601)

([2])قُلْت: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَفِيهِ ضَعْفٌ مِنْ حَدِيثِ مُعَاذٍ، وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي كِتَابِ السِّيَرِ. (نصب الراية:4ص604)

نہیں ہے بلکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ کسی خاص قوم کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے آپؐ نے فرمایا ہو شریعت کا قاعدہ کلیہ نہ ہو جیسے "مَن قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ" میں عام حکم بیان نہیں فرمایا ہے خاص قوم کے لیے فرمایا ہے، پس جب اس میں احتمال آیا تو یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

{7} دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ زمین من جملہ مالِ غنیمت میں سے ہے؛ کیونکہ یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں دشمن پر گھوڑے اور اونٹ دوڑانے کی وجہ سے آئی ہے لہذا کوئی ایک شخص امام المسلمین کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ مختص نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ دیگر غنیمتوں کا یہی حکم ہے کہ امام المسلمین کی اجازت اور تقسیم کے بغیر کوئی ایک شخص ان کے ساتھ مختص نہیں ہو سکتا ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے لما فی الشامیة: وَقَوْلُ الْإِمَامِ: هُوَ الْمُخْتَارُ وَلِذَا قَدَّمَهُ فِي الْخَانِيَةِ، وَالْمُلْتَقَى كَعَادَتِهِمَا وَبِهِ أَخَذَ الطَّحَاوِيُّ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ. بَقِيَ هَلْ يَكْفِي الْإِذْنُ اللَّاحِقُ؟ لَمْ أَرَهُ. (ردّ المحتار: ۳۰۷/۵)

ف:۔ بعض اوقات حکومت کسی بنجر زمین کو کئی سالوں کے لئے کسی آدمی کو لیز یا اجارہ پر دیتی ہے لیکن یہ لیز اور اجارہ موجب ملک نہیں بلکہ جتنی مدت تک زمین لیز وغیرہ پر حاصل کی گئی ہو مدت ختم ہو جانے کے بعد زمین حکومت کو واپس کی جائے گی (از فتاویٰ حقانیہ: ۴۱۵/۶)

{8} ارض موات کو آباد کرنے کی صورت میں مسلمان پر اس زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا؛ کیونکہ ابتداءً مسلمان پر خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر خراجی پانی سے اس کو سیراب کیا تو پھر اس کی پیداوار میں خراج واجب ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں مسلمان پر خراج کو باقی رکھنا پانی کے اعتبار پر ہے اس لیے کہ بقاءً مسلمان پر خراج مقرر کرنا جائز ہے؛ کیونکہ بقاء ابتداء کی بنسبت سہل ہے۔

{9} اگر کسی نے موات زمین کو آباد کیا اور پھر اس کو چھوڑ دیا اور دوسرے شخص نے اس میں کاشت کر لی، تو اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ دوسرا اس کا مستحق ہوگا؛ کیونکہ اول تو فقط اس کی پیداوار کا مالک ہوا تھا اس کی ذات کا مالک نہیں ہوا تھا تو جب اول نے اس کو چھوڑ دیا تو دوسرا اس کا مستحق ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اول اس کا مستحق ہوگا اور وہ اس کو دوسرے سے واپس لینے کا حقدار ہوگا؛ کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی تصریح ہے کہ جو شخص کسی زمین کو آباد کر دے وہ اسی کے لیے ہوگی، جس میں لام تملیک (لَهُ) کے ساتھ اضافت پائی جاتی ہے کہ آباد کار اس کا مالک ہوگا، تو فقط اس

کو چھوڑ دینے سے اس کی ملک زائل نہ ہوگی اس لیے اول ہی اس کا حقدار ہے اور یہی قول راجح ہے لما في الدّر المختار: (وَلَوْ تَرَكَهَا بَعْدَ الْإِحْيَاءِ وَزَرَعَهَا غَيْرُهُ فَالْأَوَّلُ أَحَقُّ بِهَا) فِي الْأَصَحِّ.(الدّرالمختار علی هامش ردّالمحتار:307/5)۔

{۱۰}کسی نے کوئی موات زمین آباد کردی، پھر اس کے چاروں طرف چار شخصوں نے یکے بعد دیگرے غیر آباد زمین آباد کی تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اول آباد کار کو راستہ چوتھی زمین میں ملے گا یعنی اس شخص کی زمین میں جس نے سب سے بعد میں زمین آباد کی؛ کیونکہ پہلے تین کے آباد کرنے سے چوتھی زمین اول آباد کار کے راستے کے لیے متعین ہوگئی، اور چوتھے آباد کار نے اول کے حق طریق کو باطل کرنے کا قصد کیا ہے تو اس کا یہ غلط قصد اس پر رد کیا جائے گا اس لیے اول آباد کار کو اسی کی زمین میں راستہ دیا جائے گا۔

{۱۱}اگر کسی ذمی نے موات زمین کو آباد کیا تو وہ بھی اس کا مالک ہو جاتا ہے جیسا کہ مسلمان موات زمین کو آباد کرنے سے اس کا مالک ہو جاتا ہے؛ کیونکہ آباد کرنا ملک کا سبب ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ملک کے لیے امام المسلمین کی اجازت شرط ہے اور اس سبب میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر ہیں جیسا دیگر اسباب ملک میں دونوں برابر ہیں حتی کہ اگر کفار ہمارے اموال پر غالب آگئے تو ہمارے اصول کے مطابق وہ ان اموال کے مالک ہو جاتے ہیں جیسا کہ مسلمان غالب آنے سے ان کے اموال کے مالک ہو جاتے ہیں پس جب سبب ملک میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر ہیں تو ملک میں بھی دونوں برابر ہوں گے۔

{۱}قَالَ : وَمَنْ حَجَرَ أَرْضًا وَلَمْ يَعْمُرْهَا ثَلَاثَ سِنِينَ أَخَذَهَا الْإِمَامُ وَدَفَعَهَا إِلَى غَيْرِهِ ؛ لِأَنَّ الدَّفْعَ إِلَى الْأَوَّلِ

فرمایا: اور جس نے پتھر لگایا زمین میں اور آباد نہیں کیا اس کو تین سال تک تو لے گا اس کو امام اور دیدے گا اس کے غیر کو؛ کیونکہ اول کو دینا

كَانَ لِيَعْمُرَهَا فَتَحْصُلَ الْمَنْفَعَةُ لِلْمُسْلِمِينَ مِنْ حَيْثُ الْعُشْرِ أَوِ الْخَرَاجِ .فَإِذَا لَمْ تَحْصُلْ يَدْفَعُ إِلَى غَيْرِهِ

اس لیے تھا تاکہ وہ آباد کرے اس کو، پس حاصل ہو جائے گی منفعت مسلمانوں کو عشر یا خراج کی، پس جب حاصل نہ ہوئی تو دیدے امام اس کے غیر کو

تَحْصِيلًا لِلْمَقْصُودِ ، وَلِأَنَّ التَّحْجِيرَ لَيْسَ بِإِحْيَاءٍ لِيَمْلِكَهُ بِهِ ؛{۲}لِأَنَّ الْإِحْيَاءَ إِنَّمَا هُوَ الْعِمَارَةُ

حاصل کرتے ہوئے مقصود کو، اور اس لیے کہ پتھر لگانا آباد کرنا نہیں تاکہ وہ مالک ہو جائے اس کے ذریعہ؛ کیونکہ احیاء تو آباد کاری ہے

وَالتَّحْجِيرُ لِلْإِعْلَامِ ، سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يُعْلِمُونَهُ بِوَضْعِ الْأَحْجَارِ حَوْلَهُ

اور پتھر لگانا اطلاع دینے کے لیے ہے، اور نام رکھا گیا تحجیر؛ کیونکہ لوگ اطلاع دیتے تھے موات کی پتھر رکھنے سے اس کے اردگرد

أَوْ يُعْلِمُونَهُ لِحَجْرِ غَيْرِهِمْ عَنْ إِحْيَائِهِ فَبَقِيَ غَيْرَ مَمْلُوكٍ كَمَا كَانَ هُوَ الصَّحِيحُ . {۳}وَإِنَّمَا شَرَطَ

یا اطلاع دیتے تھے غیر کو روکنے کے لیے اس کے آباد کرنے سے، پس یہ باقی رہی غیر مملوک جیسا کہ تھی، اور یہی صحیح ہے۔ اور شرط لگائی

تَرْكَ ثَلَاثِ سِنِينَ لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : لَيْسَ لِمُتَحَجِّرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِينَ حَقٌّ . وَلِأَنَّهُ

تین سال تک چھوڑنے کی؛ حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے کہ نہیں ہے پتھر لگانے والے کے لیے تین سال کے بعد حق، اور اس لیے کہ

إذَا أَعْلَمَهُ لَا بُدَّ مِنْ زَمَانٍ يَرْجِعُ فِيهِ إلَى وَطَنِهِ وَزَمَانٍ يُهَيِّئُ

جب اس نے اس پر نشان لگایا تو ایک زمانے کا ہونا ضروری ہے جس میں لوٹ سکے وہ اپنے وطن کی طرف، اور ایک زمانہ جس میں وہ تیاری کر سکے

أُمُورَهُ فِيهِ ، ثُمَّ زَمَانٍ يَرْجِعُ فِيهِ إلَى مَا يَحْجُرُهُ فَقَدَّرْنَاهُ بِثَلَاثِ سِنِينَ ، لِأَنَّ مَا دُونَهَا مِنَ السَّاعَاتِ

امورِ احیاء کی، پھر ایک زمانہ واپس آنے کا اس کی حجر کردہ زمین کی طرف، پس ہم نے اندازہ لگایا اس کا تین سال سے؛ کیونکہ اس سے کم ساعتیں

وَالْأَيَّامِ وَالشُّهُورِ لَا يَفِي بِذَلِكَ ، وَإِذَا لَمْ يَحْضُرْ بَعْدَ انْقِضَائِهَا فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ تَرَكَهَا.

ایام اور مہینے ہیں جو کافی نہیں اس کے لیے، اور جب وہ حاضر نہ ہو تین سال گذرنے کے بعد تو ظاہر یہی ہے کہ اس نے چھوڑ دیا ہے اس کو۔

{۴} قَالُوا : هَذَا كُلُّهُ دِيَانَةً ، فَأَمَّا إذَا أَحْيَاهَا غَيْرُهُ قَبْلَ مُضِيِّ هَذِهِ الْمُدَّةِ مَلَكَهَا لِتَحَقُّقِ الْإِحْيَاءِ

مشائخ نے کہا ہے یہ سب دیانۃ ہے، اور اگر اس کو آباد کیا غیر نے اس مدت کے گذرنے سے پہلے تو وہ اس کا مالک ہوگا؛ کیونکہ احیاء پایا گیا

مِنْهُ دُونَ الْأَوَّلِ وَصَارَ كَالِاسْتِيَامِ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ ، وَلَوْ فَعَلَ يَجُوزُ الْعَقْدُ.

اس کی طرف سے نہ کہ اول کی طرف سے، پس یہ ہوگیا بھاؤ پر بھاؤ کرنے کی طرح، کہ یہ مکروہ ہے، اور اگر کسی نے ایسا کر لیا تو جائز ہو جائے گا عقد

{۵} ثُمَّ التَّحْجِيرُ قَدْ يَكُونُ بِغَيْرِ الْحَجَرِ بِأَنْ غَرَزَ حَوْلَهَا أَغْصَانًا يَابِسَةً أَوْ نَقَّى الْأَرْضَ وَأَحْرَقَ مَا فِيهَا مِنَ الشَّوْكِ

پھر تحجیر کبھی پتھر کے بغیر ہوتی ہے بایں طور کہ گاڑ دے زمین کے ارد گرد سوکھی لکڑیاں، یا زمین کو صاف کرے اور جلا دے اس میں جو کانٹے ہیں

أَوْ خَضَدَ مَا فِيهَا مِنَ الْحَشِيشِ أَوِ الشَّوْكِ ، وَجَعَلَهَا حَوْلَهَا وَجَعَلَ التُّرَابَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يُتِمَّ الْمُسَنَّاةَ

یا کاٹ دے اس میں جو گھاس اور کانٹے ہیں اور ڈال دے اس کے ارد گرد، اور ڈال دے مٹی اس پر بغیر اس کے کہ پورا کر دے مینڈھ

لِيَمْنَعَ النَّاسَ مِنَ الدُّخُولِ ، أَوْ حَفَرَ مِنْ بِئْرٍ ذِرَاعًا أَوْ ذِرَاعَيْنِ ، وَفِي الْأَخِيرِ وَرَدَ الْخَبَرُ.

تاکہ روک دے لوگوں کو داخل ہونے سے، یا کھود دے کنواں ایک ذراع یا دو ذراع، اور آخری صورت کے بارے میں وارد ہے خبر

{۶} وَلَوْ كَرَبَهَا وَسَقَاهَا فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ إحْيَاءٌ ، وَلَوْ فَعَلَ أَحَدَهُمَا يَكُونُ تَحْجِيرًا،

اور اگر زمین کو جوت دیا اور سیراب کیا تو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ یہ احیاء ہے، اور اگر کر دیا دونوں میں سے ایک تو یہ تحجیر ہے

وَلَوْ حَفَرَ أَنْهَارَهَا وَلَمْ يَسْقِهَا يَكُونُ تَحْجِيرًا ، وَإِنْ سَقَاهَا مَعَ حَفْرِ الْأَنْهَارِ كَانَ إحْيَاءً لِوُجُودِ الْفِعْلَيْنِ،

اور اگر کھودیں زمین کی نالیاں اور اس کو سینچا نہیں تو یہ تحجیر ہے، اور اگر اس کو سینچا نالی کھودنے کے ساتھ، تو یہ احیاء ہے؛ دو فعلوں کے موجود ہونے کی وجہ سے

وَلَوْ حَوَّطَهَا أَوْ سَنَّمَهَا بِحَيْثُ يَعْصِمُ الْمَاءَ يَكُونُ إِحْيَاءً ؛ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْبِنَاءِ ، وَكَذَا

اور اگر دیوار بنادی اس کے ارد گرد یا اس پر بند بنادیا اس طرح کہ محفوظ کرے پانی، تو یہ احیاء ہے؛ کیونکہ یہ من جملہ تعمیر ہے، اور اسی طرح

إذَا بَذَرَهَا ﴿٧﴾ قَالَ : وَلَا يَجُوزُ إِحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعًى لِأَهْلِ الْقَرْيَةِ

جب بیج ڈال دے اس میں۔ فرمایا: اور جائز نہیں ہے احیاء اس زمین کا جو قریب ہو آبادی سے اور چھوڑ دی جائے گی چراگاہ بستی والوں کے لیے

وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ ؛ لِتَحَقُّقِ حَاجَتِهِمْ إِلَيْهَا حَقِيقَةً أَوْ دَلَالَةً عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ،

اور ڈالنے کی جگہ ان کی کٹی ہوئی کھیتیوں کے لیے؛ بوجہ متحقق ہونے ان کی حاجت کے اس کو حقیقی حاجت یا دلیل حاجت، جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس کو

فَلَا يَكُونُ مَوَاتًا لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِهَا بِمَنْزِلَةِ الطَّرِيقِ وَالنَّهْرِ .عَلَى هَذَا قَالُوا: لَا يَجُوزُ

پس یہ نہ ہوگی موات؛ ان کے حق کے تعلق کی وجہ سے اس کے ساتھ؛ راستے اور نہر کی طرح، اور اسی لیے مشائخ نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے

لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْطَعَ مَا لَا غِنًى بِالْمُسْلِمِينَ عَنْهُ كَالْمِلْحِ وَالْآبَارِ الَّتِي يَسْتَقِي النَّاسُ مِنْهَا لِمَا

کہ جاگیر دیدے امام ایسی چیز جس سے مستغنی نہ ہوں مسلمان جیسے نمک اور وہ کنویں جن سے لوگ سیرابی حاصل کرتے ہیں؛ اس دلیل کی وجہ سے

ذَكَرْنَا . ﴿٨﴾ قَالَ : وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي بَرِّيَّةٍ فَلَهُ حَرِيمُهَا ، وَمَعْنَاهُ إِذَا حَفَرَ

جو ہم ذکر کر چکے۔ فرمایا: جو شخص کنواں کھودے جنگل میں تو اس کے لیے اس کا حریم ہوگا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب کھودے

فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ بِإِذْنِ الْإِمَامِ عِنْدَهُ أَوْ بِإِذْنِهِ وَبِغَيْرِ إِذْنِهِ عِنْدَهُمَا ؛ لِأَنَّ حَفْرَ الْبِئْرِ إِحْيَاءٌ.

موات زمین میں امام کی اجازت سے امام صاحبؒ کے نزدیک، یا امام کی اجازت یا بغیر اجازت کے صاحبینؒ کے نزدیک؛ کیونکہ کنواں کھودنا احیاء ہے

﴿٩﴾ قَالَ : فَإِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيمُهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ { مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ

فرمایا: پس اگر کنواں جانوروں کو پانی پلانے کے لیے ہو تو اس کا حریم چالیس ذراع ہے؛ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے کنواں کھودا تو اس کے لیے

مِمَّا حَوْلَهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ } ثُمَّ قِيلَ : الْأَرْبَعُونَ مِنْ كُلِّ الْجَوَانِبِ.

اس کے ارد گرد چالیس ذراع ہیں بٹھانے کے لیے اس کے چوپاؤں کے" پھر کہا گیا ہے کہ چالیس ذراع ہیں سب جانب کے لیے

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ، لِأَنَّ فِي الْأَرَاضِي رَخْوَةً وَيَتَحَوَّلُ الْمَاءُ إلَى مَا حُفِرَ

اور صحیح یہ ہے کہ ہر جانب سے چالیس ذراع ہیں؛ کیونکہ زمینوں میں نرمی ہوتی ہے اور پانی پھر جاتا ہے اس کنویں کی طرف جو کھودا گیا ہے

دُونَهَا ﴿١٠﴾ وَإِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِيمُهَا سِتُّونَ ذِرَاعًا ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

چالیس ذراع سے کم میں، اور اگر کنواں سینچائی کے لیے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ذراع ہے، اور یہ صاحبین ؒ کے نزدیک ہے، اور امام صاحب ؒ کے نزدیک

أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا، لَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {حَرِيمُ الْعَيْنِ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ. وَحَرِيمُ بِئْرِ الْعَطَنِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا

چالیس ذراع ہے۔ صاحبین ؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "چشمے کا حریم پانچ سو ذراع ہے، اور چوپاؤں کے کنویں کا حریم چالیس ذراع ہے

وَحَرِيمُ بِئْرِ النَّاضِحِ سِتُّونَ ذِرَاعًا } وَلِأَنَّهُ قَدْ يُحْتَاجُ فِيهِ إلَى أَنْ يُسَيِّرَ دَابَّتَهُ لِلِاسْتِقَاءِ ، وَقَدْ يَطُولُ الرِّشَاءُ

اور ناضح کنویں کا حریم ساٹھ ذراع ہے" اور اس لیے کہ ضرورت ہوتی ہے کہ چلایا جائے چوپایہ پانی پلانے کے لیے، اور کبھی طویل ہوتی ہے رسی

وَبِئْرُ الْعَطَنِ لِلِاسْتِقَاءِ مِنْهُ بِيَدِهِ فَقَلَّتِ الْحَاجَةُ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّفَاوُتِ . {۱۱}وَلَهُ مَا رَوَيْنَا

اور عطن کنواں ہاتھ سے پانی پلانے کے لیے ہے پس حاجت کم ہوگی، پس ضروری ہے تفاوت۔ اور امام صاحب ؒ کی دلیل وہ ہے جو ہم روایت کر چکے

مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ، وَالْعَامُّ الْمُتَّفَقُ عَلَى قَبُولِهِ وَالْعَمَلِ بِهِ أَوْلَى عِنْدَهُ مِنَ الْخَاصِّ الْمُخْتَلَفِ فِي قَبُولِهِ

بغیر تفصیل کے، اور عام جس کے قبول کرنے پر اتفاق ہو اور اس پر عمل ہو اولیٰ ہے امام صاحب ؒ کے نزدیک اس خاص سے جس کے قبول کرنے میں

وَالْعَمَلِ بِهِ ، {۱۲}وَلِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَى اسْتِحْقَاقَ الْحَرِيمِ ؛ لِأَنَّ عَمَلَهُ فِي مَوْضِعِ الْحَفْرِ

اور اس پر عمل کرنے میں اختلاف ہو، اور اس لیے کہ قیاس مانع ہے استحقاقِ حریم کے لیے؛ کیونکہ کھودنے والے کا عمل کھودنے کی جگہ میں ہے

وَالِاسْتِحْقَاقُ بِهِ ، فَفِيمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْحَدِيثَانِ تَرَكْنَاهُ وَفِيمَا تَعَارَضَا فِيهِ

اور استحقاق عمل ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، تو جس مقدار پر متفق ہیں دونوں حدیثیں ہم نے قیاس کو ترک کر دیا، اور جس مقدار میں دونوں متعارض ہیں

حَفِظْنَاهُ ؛ وَلِأَنَّهُ قَدْ يُسْتَقَى مِنَ الْعَطَنِ بِالنَّاضِحِ وَمِنْ بِئْرِ النَّاضِحِ بِالْيَدِ

وہاں ہم نے قیاس کو محفوظ رکھا، اور اس لیے کہ کبھی پانی نکالا جاتا ہے عطن کنویں سے اونٹ کے ذریعہ اور کبھی ناضح کنویں سے ہاتھ کے ذریعہ

فَاسْتَوَتِ الْحَاجَةُ فِيهِمَا ، وَيُمْكِنُهُ أَنْ يُدِيرَ الْبَعِيرَ حَوْلَ الْبِئْرِ فَلَا يَحْتَاجُ فِيهِ إلَى زِيَادَةِ مَسَافَةٍ

پس برابر ہوگئی حاجت دونوں میں اور اس کے لیے ممکن ہے کہ پھرائے اونٹ کنویں کے ارد گرد، پس احتیاج نہیں ہے زیادہ مسافت کو

{۱۳}قَالَ : وَإِنْ كَانَتْ عَيْنًا فَحَرِيمُهَا خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ ؛ لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ فِيهِ

فرمایا: اور اگر کوئی چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ذراع ہے؛ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے، اور اس لیے کہ حاجت اس میں

إلَى زِيَادَةِ مَسَافَةٍ ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ تُسْتَخْرَجُ لِلزِّرَاعَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ مَوْضِعٍ يَجْرِي فِيهِ الْمَاءُ وَمِنْ حَوْضٍ

زیادہ مسافت کو ہے؛ اس لیے کہ چشمہ نکالا جاتا ہے زراعت کے لیے پس ضروری ہے ایسی جگہ جس میں چلے پانی، اور حوض ضروری ہے

يَجْتَمِعُ فِيهِ الْمَاءُ . وَمِنْ مَوْضِعٍ يُجْرَى فِيهِ إلَى الْمَزْرَعَةِ فَلِهَذَا يُقَدَّرُ بِالزِّيَادَةِ ، وَالتَّقْدِيرُ بِخَمْسِمِائَةٍ بِالتَّوْقِيفِ.

جس میں جمع ہو پانی، اور ایسی جگہ جس میں پانی چلے زراعت کی طرف، پس اسی لیے مقرر کیا جائے گا زیادہ، اور تقدیر پانچ سو ذراع کی توقیفی ہے

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْعَطَنِ ،{۱۴}وَالذِّرَاعُ هِيَ الْمُكَسَّرَةُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ

اور اصح یہ ہے پانچ سو ذراع ہیں ہر جانب سے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی بیر عطن میں، اور ذراع مکسّرہ ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں اس کو

مِنْ قَبْلُ .وَقِيلَ إنَّ التَّقْدِيرَ فِي الْعَيْنِ وَالْبِئْرِ بِمَا ذَكَرْنَاهُ فِي أَرَاضِيهِمْ لِصَلَابَةٍ بِهَا

اس سے پہلے، اور کہا گیا ہے کہ تقدیر چشمے اور کنویں میں اس کے ساتھ جس کو ہم نے ذکر کیا ان کی زمینوں میں ہے؛ کیونکہ ان کی زمینوں میں سختی ہے

وَفِي أَرَاضِينَا رَخَاوَةٌ فَيُزَادُ كَيْ لَا يَتَحَوَّلَ الْمَاءُ إلَى الثَّانِي فَيَتَعَطَّلَ الْأَوَّلُ .

اور ہماری زمینوں میں نرمی ہے پس ان میں حریم زیادہ ہوگا تاکہ نہ جائے پانی دوسرے کی طرف، پس معطل ہو جائے گا اول۔

تشریح:۔{۱}جس نے علامت کے طور پر موات زمین پر پتھروں کی باڑھ لگائی اور تین سال تک اس کو آباد نہیں کیا تو امام المسلمین اس زمین کو اس سے لے لے اور کسی دوسرے شخص کو دیدے تاکہ وہ اس کو آباد کرے؛ کیونکہ اول کو دینا اس لیے تھا تاکہ وہ اس کو آباد کرے اور عشر یا خراج کے اعتبار سے اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچے، لیکن جب اول کو دینے سے مسلمانوں کو یہ نفع حاصل نہ ہوا تو دوسرے کو دیدے تاکہ مقصود (مسلمانوں کے لیے نفع) حاصل ہو جائے۔

{۲}دوسری وجہ یہ ہے کہ فقط زمین پر پتھروں کی باڑھ لگانا اس کا احیاء نہیں ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اس زمین کا مالک ہو جاتا اس لیے کہ زمین کا احیاء تو اس کو آباد کرنا ہے نہ کہ پتھروں کی باڑھ لگانا؛ کیونکہ پتھروں کی باڑھ لگانا تو فقط ایک علامت ہے کہ یہ موات زمین ہے اور اس کو تحجیر اس لیے کہتے ہیں کہ لوگ موات زمین کے ارد گرد پتھروں کی نشانی لگا کر اس کے موات ہونے کی اطلاع دیا کرتے تھے یا پتھر اس لیے رکھتے تھے تاکہ غیر کو اس کے آباد کرنے سے روک دیں، لہٰذا یہ زمین اس کی مملوک نہ ہوگی جیسا کہ پتھر لگانے سے پہلے اس کی مملوک نہ تھی، پس صحیح یہ ہے کہ پتھر لگا کر نشان لگانا احیاء نہیں ہے اس لیے وہ اس کا مالک بھی نہ ہوگا، لہٰذا جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ زمین موقت مملوک ہے ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔

{۳}اور احیاء کا نشان لگانے والے کو تین سال تک مہلت اس لیے دی جائے گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ پتھر لگانے والے کے لیے تین سالوں کے بعد کوئی حق نہیں ہے[1]۔ اور عقلی وجہ یہ ہے کہ نشانی لگانے کے بعد اس کے لیے اتنا زمانہ ہونا ضروری ہے کہ جس میں وہ یہاں سے اپنے وطن کو واپس جا سکے، اور وہاں وہ احیاء کے اسباب مہیا کر سکے، پھر وہاں سے لوٹ کر اس

([1])قلت: رَوَاهُ أَبُو يُوسُفَ فِي كِتَابِ الْخَرَاجِ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِينَ،(نصب الراية 4ص604)

کو آباد کر سکے تو چونکہ دارالاسلام بہت وسیع ہے کہ اس کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جانے میں ایک سال کی مدت لگ سکتی ہے تو دو سال آنے جانے کے لیے اور ایک سال سامان مہیا کرنے کے لیے ہے اس لیے ہم نے تین سال کی مدت مقرر کی؛ کیونکہ سال سے کم ساعات، ایام اور مہینے ہیں جو اس کام کے لیے کافی نہیں ہیں، پھر جب وہ تین سال گذرنے کے بعد بھی حاضر نہ ہوا تو ظاہر یہی ہے کہ اس نے اس زمین کو چھوڑ دیا ہے۔

﴿۴﴾ مشائخ نے فرمایا کہ یہ تفصیل دیانۃً ہے، لہذا اگر تین سال گذرنے سے پہلے کسی دوسرے شخص نے اس زمین کو آباد کر لیا تو وہی اس کا مالک بن جائے گا؛ کیونکہ احیاء دوسرے کی جانب سے متحقق ہوا ہے نہ کہ اول کی جانب سے؛ کیونکہ پتھروں کی باڑھ لگانا احیاء نہیں ہے، پس یہ مکروہ ہے جیسا کہ دوسرے کے بھاؤ کرنے پر بھاؤ کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کر لیا تو عقد صحیح ہے اسی طرح یہاں بھی کراہت تو ہے مگر احیاء صحیح ہے۔

﴿۵﴾ پھر موات پر نشان لگانا کبھی پتھروں کے علاوہ دیگر چیزوں سے ہوتا ہے مثلاً زمین کے ارد گرد خشک لکڑیاں لگا دیں، یا زمین کو صاف کر کے اس میں موجود کانٹوں کو جلا دیا، یا جو اس میں گھاس اور کانٹے ہیں ان کو کاٹ دیا اور ان کو زمین کے ارد گرد لگا دیا اور ان کے اوپر مٹی ڈال دی تاکہ لوگ اس میں داخل ہونے سے باز رہیں، البتہ سیلابی پانی روکنے والا پورا بند بھی اس پر نہیں باندھا ہے ورنہ ایسے بند سے تو موات کا احیاء ہو جاتا ہے، یا موات زمین پر اس طرح نشان لگایا کہ ایک یا دو ہاتھ کے بقدر کنواں کھودا تو اس سے بھی فقط تحجیر ہو جائے گی احیاء نہ ہوگا اور تحجیر کے لیے کنواں کھودنے کے بارے میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے وہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "من حفر من بئر مقدار ذراع فهو محتجر"[1]۔

﴿۶﴾ اگر کسی نے موات زمین میں ہل چلایا اور اس کو سیراب کر دیا تو امام محمدؒ سے منقول ہے کہ یہ احیاء ہے اور اگر دونوں کاموں میں سے کوئی ایک کام کیا تو یہ تحجیر ہے احیاء نہیں ہے، اور اگر اس کی نالیاں کھود دیں مگر اس کو سیراب نہیں کیا تو یہ تحجیر ہے احیاء نہیں ہے، اور اگر نالیاں کھودنے کے ساتھ ساتھ اس کو سیراب بھی کیا تو یہ احیاء ہے؛ کیونکہ دو کام پائے گئے پس یہ ہل چلانے اور سیراب کرنے کی طرح احیاء ہے۔ اور اگر اس کے ارد گرد دیوار بنائی یا سیلابی پانی سے بچاؤ کے لیے اس کے ارد گرد بند باندھا تو یہ احیاء ہے؛ کیونکہ یہ بمنزلہ تعمیر کے ہے لہذا یہ تعمیر کی طرح اس کا احیاء ہے، اسی طرح اگر موات زمین میں بیج بویا تو یہ بھی احیاء ہے۔

([1]) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ: قَالَ السِّغْنَاقِيُّ فِي الشَّرْحِ الْأَخِيرِ هُوَ حَفَرَ الْبِئْرَ، وَرَدَ فِيهِ الْخَبَرُ، وَهُوَ قَوْلُهُ عليه السلام: "مَنْ حَفَرَ مِنْ بِئْرٍ مِقْدَارَ ذِرَاعٍ، فَهُوَ مُحْتَجِرٌ"، وَهَذَا الْحَدِيثُ مَا رَأَيْته، وَلَا أَعْرِفُهُ، وَلَمْ أَرَ مَنْ ذَكَرَهُ. (نصب الراية:4ص605)

﴿۷﴾ جو زمین آبادی کے قریب ہو وہ موات نہیں ہے اس لیے اس کا احیاء جائز نہیں ہے بلکہ اس کو اہل بستی کی چراگاہ اور ان کی کٹی ہوئی کھیتیوں کے ڈالنے کی جگہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ اس زمین کی طرف اہل بستی کی حاجت متحقق ہے خواہ حقیقی حاجت ہو جیسا کہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے اور یا دلیل حاجت ہو جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حکم کا مدار دلیل حاجت پر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک حقیقۃً حاجت پر ہے، بہر حال ایسی زمین موات نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے ساتھ بستی والوں کا حق متعلق ہے پس یہ راستے اور نہر کی طرح ہے یعنی جس طرح کہ راستے اور نہر کا احیاء جائز نہیں ہے اسی طرح اس زمین کا احیاء بھی جائز نہیں ہے۔

لوگوں کا حق متعلق ہونے ہی کی بناء پر مشائخ نے کہا ہے کہ امام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز کسی مخصوص شخص کو بطورِ جاگیر دیدے جس چیز سے عام لوگ مستغنی نہ ہوں یعنی اس کی طرف عام لوگوں کی حاجت متحقق ہو جیسے نمک کی کان، اور ایسے کنویں جن سے لوگ پانی حاصل کرتے ہوں؛ دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے کہ ایسی چیز کی طرف عام لوگوں کی حاجت متحقق ہے۔

﴿۸﴾ اگر کسی نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کے لیے اس کا حریم ہوگا یعنی کنویں کے ارد گرد وہ جگہ اس کے لیے ہوگی جس کے ساتھ کنویں کے حقوق اور منافع متعلق ہوں، بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ موات زمین میں کنواں کھودے، پھر امام صاحبؒ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ امام کی اجازت سے ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک امام کی اجازت شرط نہیں ہے جیسا کہ گذر چکا، حاصل یہ کہ ایسے کنویں کے لیے حریم ہے اور اس حریم میں کوئی اور شخص تصرف نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ موات زمین میں کنواں کھودنا اس کا احیاء ہے اور احیاء سے کھودنے والا شخص اس کا مالک ہو جاتا ہے اس لیے دوسرے شخص کے لیے اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

﴿۹﴾ پھر اگر مذکورہ کنواں جانوروں کو پانی پلانے کے لیے ہو تو اس کا حریم چالیس ذراع ہوگا؛ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "جس نے کنواں کھودا تو اس کے لیے اس کے ارد گرد چالیس ذراع ہیں اپنے چوپاؤں کو بٹھانے کے لیے"[1] پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ کنویں کی تمام جوانب میں چالیس ذراع ہیں یعنی مجموعہ چالیس ذراع ہوں گے اور ہر ایک جانب میں دس ذراع ہوں، مگر صحیح یہ ہے ہر ایک جانب میں چالیس ذراع کے بقدر حریم ہوگا؛ کیونکہ زمینوں میں نرمی

([1]) قُلْت: رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، وَمِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ. فَحَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ: أَخْرَجَهُ ابن ماجه في سننه عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ عَطَاءٍ ثَنَا إسْمَاعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْمَكِّيُّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا، عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ"(نصب الراية: 4ص605)

ہوتی ہے پس چالیس ذراع سے کم فاصلے پر دوسرا کنواں کھودنے سے اول کنویں کا پانی اس دوسرے کنویں کی طرف پھر جائے گا اس لیے ہر ایک جانب میں کم از کم چالیس ذراع ضروری ہیں۔

{۱۰}اور اگر کنواں اس لیے ہو تاکہ اس سے زمینوں کو سیراب کیا جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اب بھی اس کا حریم چالیس ذراع ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک ایسے کنویں کا حریم ساٹھ ذراع ہے؛ صاحبینؒ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "چشمہ کا حریم پانچ سو ذراع ہے اور چوپاؤں کے کنویں کا حریم چالیس ذراع ہے اور زمینوں کو سیراب کرنے والے کنویں کا حریم ساٹھ ذراع ہے"[1] جس میں مذکورہ کنویں کے لیے حریم ساٹھ ذراع ہونے کی تصریح ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ایسے کنویں کے لیے ایسی جگہ کی ضرورت ہے جس میں جانور پانی نکالنے کے لیے چلایا جاسکے اور کبھی رسی طویل ہو جاتی ہے لہذا اس میں زیادہ حریم کی ضرورت ہے اس لیے ہم نے ساٹھ ذراع حریم مقرر کیا، جبکہ بئرِ عطن میں پانی ہاتھ سے نکالا جاتا ہے لہذا اس میں زیادہ جگہ کو حاجت نہیں ہوتی ہے اس لیے بئرِ عطن اور بئرِ ناضح میں فرق ہونا ضروری ہے اس لیے ہم نے اول کے لیے چالیس اور ثانی کے لیے ساٹھ ذراع مقرر کیے۔

{۱۱}امام صاحبؒ کی دلیل وہ روایت ہے جو ہم نقل کر چکے یعنی حضور ﷺ کا یہ ارشاد "مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ مِمَّا حَوْلَهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ" جو عام ہے اور اس میں بئرِ عطن اور بئرِ ناضح میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اور اس میں لفظ "مَنْ" عام ہے اور اس کے قبول کرنے پر ائمہ متفق ہیں، لہذا امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے بنسبت اس روایت کے جو خاص ہے یعنی صاحبینؒ کی روایت کردہ حدیث خاص ہے؛ کیونکہ اس میں بئرِ عطن اور بئرِ ناضح کا حکم الگ الگ بیان کیا گیا ہے، اور اس کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے۔

{۱۲}دوسری دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو حریم نہ ملے؛ کیونکہ استحقاقِ حریم عمل کی وجہ سے ہے اور کھودنے والے کا عمل کھودنے کی جگہ تک محدود ہے حریم کی حد میں اس کا کوئی عمل نہیں پایا جارہا ہے اس لیے حریم میں اس کو استحقاق حاصل نہ ہونا چاہیے، مگر چونکہ چالیس ذراع حریم پر دونوں روایتیں متفق ہیں اس لیے اتنی مقدار میں ہم نے قیاس

([1])علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: قُلْتُ غَرِيبٌ، وَأَخْرَجَ أَبُو دَاوُد فِي مَرَاسِيلِهِ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حَرِيمُ الْبِئْرِ الْعَادِيَةِ خَمْسُونَ ذِرَاعًا، وَحَرِيمُ بِئْرِ الْبَدِيِّ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ ذِرَاعًا"، قَالَ سَعِيدٌ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ: وَحَرِيمُ قَلِيبِ الزَّرْعِ ثَلَثُمِائَةِ ذِرَاعٍ، وَزَادَ الزُّهْرِيُّ: وَحَرِيمُ الْعَيْنِ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ، فَهَذَا حَرِيمُ مَا يَأْذَنُ بِهِ السُّلْطَانُ، إلَّا أَنْ يَكُونَ الْقَوْمُ فِي أَرْضٍ أَسْلَمُوا عَلَيْهَا وَانْتَاعُوهَا(نصب الراية 4ص607)

کو چھوڑدیا اور اس سے زائد مقدار کے بارے میں دونوں روایتوں میں تعارض ہے اور قاعدہ ہے کہ دو متعارض روایتیں دونوں ساقط ہوتی ہیں لہٰذا اس مقدار کے بارے میں ہم نے قیاس کی حفاظت کی یعنی قیاس پر عمل کیا کہ چالیس ذراع سے زائد حریم نہ ہو گا۔

اور صاحبین ؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بئر عطن سے کبھی اونٹ کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے اور بئر ناضح سے کبھی ہاتھ کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے لہٰذا مقدارِ حریم کی طرف حاجت میں دونوں برابر ہیں بئر ناضح زیادہ مقدار کا محتاج نہیں ہے لہٰذا ہر ایک کے لیے حریم چالیس ذراع ہو گا، اور ممکن ہے کہ اونٹ کنویں کے ارد گرد میں پھرایا جائے لہٰذا بئر ناضح میں بھی زیادہ مسافت کی حاجت نہیں ہے اس لیے دونوں کا حریم ایک جیسا ہو گا۔

فتوی: امام ابو حنیفہ ؒ کا قول راجح ہے لما في الشامية: (قَوْلُهُ وَيُفْتَى بِقَوْلِ الْإِمَامِ) وَقَدَّمَ الْإِفْتَاءَ بِقَوْلِهِمَا أَيْضًا لَكِنْ ظَاهِرُ الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ تَرْجِيحُ قَوْلِهِ: فَإِنَّهُمْ قَرَّرُوا دَلِيلَهُ وَأَيَّدُوهُ بِمَا لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ وَأَخَّرَ فِي الْهِدَايَةِ دَلِيلَهُ، فَاقْتَضَى تَرْجِيحَهُ أَيْضًا كَمَا هُوَ عَادَتُهُ، وَذَكَرَ تَرْجِيحَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ (ردّالمحتار:۳۰۸/۵)

{۱۳} اگر کسی کا چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ذراع ہو گا؛ دلیل وہ حدیث ہے جو صاحبین ؒ کی دلیل میں ہم روایت کر چکے کہ چشمے کا حریم پانچ سو ذراع ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چشمہ کے حریم میں زیادہ مسافت کی ضرورت ہوتی ہے؛ کیونکہ چشمہ زراعت کے لیے نکالا جاتا ہے لہٰذا ایسی زمین ضروری ہے جس میں پانی چل سکے اور ایسے حوض کی ضرورت ہے جس میں پانی جمع ہو سکے اور ایسی جگہ ضروری ہے جس میں پانی کھیتی تک جا سکے اس لیے چشمہ کے حریم کے لیے زیادہ مسافت کو مقرر کیا ہے، اور پانچ سو ذراع سے زیادہ اس لیے مقرر نہیں کیا ہے کہ پانچ سو ذراع کی مقدار توقیفی ہے حدیث سے یہی مقدار ثابت ہے، اور اصح یہ ہے کہ چشمے کی ہر ایک جانب میں سو ذراع حریم ہو گا جیسا کہ بئر عطن میں ہم ذکر کر چکے۔

{۱۴} اور ذراع سے مراد ذراع کرباس (کپڑے ناپنے کا ذراع) ہے جس کو مکسّرہ کہا گیا ہے جس کو "کتاب الطهارت" میں دہ دردہ کے مسئلے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ چھ مٹھی کا ہوتا ہے، عربوں کے ہاں ایک ذراع مساحت (زمین ناپنے کا ذراع) مستعمل ہے جو سات مٹھی کا ہوتا ہے اور ہر ایک مٹھی میں انگوٹھا کھڑا ہوتا ہے، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ صاحبِ ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل عربوں کی سخت زمین کے بارے میں ہے جہاں تک ہماری زمین ہے تو وہ نرم ہے لہٰذا اس کے لیے زیادہ حریم ضروری ہے تاکہ اول کنویں کا پانی دوسرے کنویں کی طرف نہ جائے ورنہ تو اول کنواں معطل ہو جائے گا، یہی قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشہید: واعلم ان هذا القول وان ذكره المصنف بصيغة التمريض لكنه منقول عن الامام محمد

وبه جزم في المحيط وصححه العلامة قاسم فيما نقله عن مختارات النوازل وبه اخذ الامام الطحاوى وبه يحصل التوفيق بين قوله والصاحبين فى تقدير حريم البير الناضح (هامش الهداية:4ص479)

{1}قَالَ : فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَحْفِرَ فِي حَرِيمِهَا مُنِعَ مِنْهُ ؛ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إلَى تَفْوِيتِ حَقِّهِ

فرمایا: پس جس نے ارادہ کیا کہ کنواں کھودے کنویں کے حریم میں تو روک دیا جائے گا اس سے تاکہ مفضی نہ ہو اس کے حق کو فوت کرنے کو

وَالْإِخْلَالِ بِهِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ بِالْحَفْرِ مَلَكَ الْحَرِيمَ ضَرُورَةَ تَمَكُّنِهِ مِنَ الِانْتِفَاعِ بِهِ

اور اس میں خلل ڈالنے کو، اور یہ اس لیے کہ کنواں کھودنے وہ مالک ہو حریم کا؛ کیونکہ ضروری ہے قدرت ہونا اس سے انتفاع حاصل کرنے کی

فَلَيْسَ لِغَيْرِهِ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِهِ ؛{2}فَإِنِ احْتَفَرَ آخَرُ بِئْرًا فِي حَرِيمِ الْأَوَّلِ لِلْأَوَّلِ أَنْ يُصْلِحَهُ

پس غیر کو حق نہیں ہے کہ تصرف کرے اس کی ملک میں پھر اگر کھودا دوسرے نے کنواں اول کے حریم کی حد میں تو اول کو حق ہے کہ اس کی اصلاح کرے

وَيَكْبِسَهُ تَبَرُّعًا ، وَلَوْ أَرَادَ أَخْذَ الثَّانِي فِيهِ قِيلَ: لَهُ أَنْ

اور اس کو بھرا دے بطورِ احسان۔ اور اگر وہ ارادہ کرے دوسرے سے مواخذہ کا اس میں، تو کہا گیا ہے کہ اول کو حق ہے کہ وہ

يَأْخُذَهُ بِكَبْسِهِ ؛ لِأَنَّ إزَالَةَ جِنَايَةِ حَفْرِهِ بِهِ كَمَا فِي الْكُنَاسَةِ

اس کا پاٹنے کے لیے مواخذہ کرے؛ اس لیے کہ اس کے کھودنے کے جرم کا ازالہ بھی اسی شخص سے ہوگا جیسا کہ ایسے کوڑے میں ہوتا ہے

يُلْقِيهَا فِي دَارِ غَيْرِهِ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ بِرَفْعِهَا ،{3}وَقِيلَ يُضَمِّنُهُ النُّقْصَانَ

جو کوئی ڈال دیتا ہے اس کو دوسرے کے گھر میں تو ماخوذ کیا جائے گا اس کو اٹھانے کا، اور کہا گیا ہے کہ اس کو ضامن بنائے نقصان کا

ثُمَّ يَكْبِسُهُ بِنَفْسِهِ كَمَا إذَا هَدَمَ جِدَارَ غَيْرِهِ ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ ذَكَرَهُ فِي أَدَبِ الْقَاضِي لِلْخَصَّافِ.

پھر پاٹ دے اس کو خود جیسے اگر کوئی گرا دے دوسرے کی دیوار، اور یہی صحیح ہے، ذکر کیا ہے اس کو ادب القاضی میں امام خصافؒ نے

وَذَكَرَ طَرِيقَ مَعْرِفَةِ النُّقْصَانِ ،{4}وَمَا عَطِبَ فِي الْأَوَّلِ فَلَا ضَمَانَ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ،

اور ذکر کیا ہے نقصان پہچاننے کا طریقہ۔ اور جو چیز تلف ہو جائے پہلے کنویں میں تو ضمان نہیں ہے اس میں؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا نہیں ہے

إنْ كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَظَاهِرٌ ، وَكَذَا إنْ كَانَ بِغَيْرِ إذْنِهِ عِنْدَهُمَا .وَالْعُذْرُ لِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ

اگر باجازتِ امام ہو تو ظاہر ہے، اور اسی طرح اگر اجازتِ امام کے بغیر ہو صاحبینؒ کے نزدیک، اور عذر امام صاحبؒ کی طرف سے یہ ہے کہ

جَعَلَ فِي الْحَفْرِ تَحْجِيرًا وَهُوَ بِسَبِيلٍ مِنْهُ بِغَيْرِ إذْنِ الْإِمَامِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُهُ بِدُونِهِ،

قرار دے کھودنے کو تحجیر اور اس کو راہ حاصل ہے تحجیر کی امام کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ مالک نہ ہوگا اس کا امام کی اجازت کے بغیر

{۵} وَمَا عَطِبَ فِي الثَّانِيَةِ فَفِيهِ الضَّمَانُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِيهِ حَيْثُ حَفَرَ فِي مِلْكِ غَيْرِهِ،

اور جو چیز ہلاک ہو دوسرے میں تو اس میں ضمان ہے؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا ہے اس میں یوں کہ اس نے کنواں کھودا ہے دوسرے کی ملک میں

وَإِنْ حَفَرَ الثَّانِي بِئْرًا وَرَاءَ حَرِيمِ الْأَوَّلِ فَذَهَبَ مَاءُ الْبِئْرِ الْأَوَّلِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ

اور اگر کھودا دوسرے نے کنواں اول کے حریم سے باہر، پھر ختم ہوا پہلے کنویں کا پانی؛ تو کچھ نہیں اس پر؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا نہیں

فِي حَفْرِهَا ، وَلِلثَّانِي الْحَرِيمُ مِنَ الْجَوَانِبِ الثَّلَاثَةِ دُونَ الْجَانِبِ الْأَوَّلِ لِسَبْقِ مِلْكِ الْحَافِرِ الْأَوَّلِ فِيهِ

کنواں کھودنے میں، اور ثانی کے لیے حریم ہوگا تین طرفوں سے نہ کہ اول کی جانب میں؛ حافر اول کی ملک کی سبقت کی وجہ سے اس میں

{۶} وَالْقَنَاةُ لَهَا حَرِيمٌ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهَا ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْبِئْرِ فِي اسْتِحْقَاقِ الْحَرِيمِ.

اور کاریز کے لیے حریم ہے اتنی مقدار جو اس کے لیے مناسب ہو، اور امام محمدؒ کے نزدیک کاریز بمنزلہ کنویں کے ہے استحقاق حریم میں،

وَقِيلَ هُوَ عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَهُ لَا حَرِيمَ لَهَا مَا لَمْ يَظْهَرِ الْمَاءُ عَلَى الْأَرْضِ ؛ لِأَنَّهُ نَهْرٌ فِي التَّحْقِيقِ

اور کہا گیا ہے کہ یہ صاحبینؒ کے نزدیک ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک کاریز کا حریم نہیں ہے جب تک کہ ظاہر نہ ہو پانی زمین پر؛ کیونکہ یہ نہر ہے در حقیقت

فَيُعْتَبَرُ بِالنَّهْرِ الظَّاهِرِ .قَالُوا : وَعِنْدَ ظُهُورِ الْمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ هُوَ بِمَنْزِلَةِ عَيْنٍ فَوَّارَةٍ

پس قیاس کیا جائے گا اسے نہر ظاہر پر، مشائخ نے کہا ہے کہ پانی کے زمین پر ظاہر ہونے کی صورت میں کاریز جوش مارنے والے چشمے کی طرح ہے

فَيُقَدَّرُ حَرِيمُهُ بِخَمْسِمِائَةِ ذِرَاعٍ {۷} وَالشَّجَرَةُ تُغْرَسُ فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ لَهَا حَرِيمٌ أَيْضًا حَتَّى لَمْ يَكُنْ

پس مقرر کیا جائے گا اس کا حریم پانچ سو ذراع۔ اور وہ درخت جو لگایا جائے ارض موات میں اس کے لیے بھی حریم ہے حتیٰ کہ نہیں ہے

لِغَيْرِهِ أَنْ يَغْرِسَ شَجَرًا فِي حَرِيمِهَا ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى حَرِيمٍ لَهُ يَجِدُ فِيهِ ثَمَرَهُ وَيَضَعُهُ فِيهِ

غیر کو حق کہ درخت لگائے اس کے حریم میں؛ کیونکہ درخت محتاج ہے ایسے حریم کو جس میں کاٹ دے اس کا پھل اور رکھ دے پھل اس میں

وَهُوَ مُقَدَّرٌ بِخَمْسَةِ أَذْرُعٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ،بِهِ وَرَدَ الْحَدِيثُ {۸} قَالَ : وَمَا تَرَكَ الْفُرَاتُ أَوِ الدِّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ

اور وہ مقدر ہے پانچ سو ذراع ہر جانب سے اسی کے ساتھ وارد ہوئی ہے حدیث۔ فرمایا: اور جو جگہ چھوڑدے فرات یا دجلہ، اور پھر جائے اس سے پانی

وَيَجُوزُ عَوْدُهُ إِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهُ ؛ لِحَاجَةِ الْعَامَّةِ إِلَى كَوْنِهِ نَهْرًا . وَإِنْ كَانَ لَا يَجُوزُ

اور ممکن ہو پانی کا لوٹ آنا اس کی طرف تو جائز نہیں ہے اس کا احیاء؛ عام لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اس کے نہر ہونے کو، اور اگر ممکن نہ ہو

أَنْ يَعُودَ إِلَيْهِ فَهُوَ كَالْمَوَاتِ إِذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيمًا لِعَامِرٍ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مِلْكِ أَحَدٍ ، لِأَنَّ قَهْرَ الْمَاءِ

کہ لوٹ آئے اس کی طرف، تو وہ موات کی طرح ہے بشرطیکہ نہ ہو آبادی کا حریم؛ کیونکہ یہ نہیں ہے کسی کی ملک میں، اس لیے کہ پانی کا غلبہ

يَدْفَعُ قَهْرَ غَيْرِهِ وَهُوَ الْيَوْمَ فِي يَدِ الْإِمَامِ.

دفع کر دیتا ہے غیر کے غلبہ کو، اور وہ آج کے دن امام کے قبضہ میں ہے۔

تشریح:۔ {۱} ماقبل میں کنویں اور چشمے کا حریم بیان ہوا اب فرماتے ہیں کہ جس نے دوسرے کے حریم میں کنواں کھودنا چاہا تو اس کو روک دیا جائے گا؛ تا کہ اس کا یہ عمل مفضی نہ ہو اول کے حق کو فوت کرنے اور اس میں خلل ڈالنے کی طرف؛ اور یہ اس لیے کہ اول نے جب کنواں کھودا تو وہ اس کے حریم کا مالک ہو گیا؛ کیونکہ حریم کے بغیر کنویں سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا ہے پس جب وہ اس کا مالک ہوا تو دوسرا شخص اس کی اس ملک میں تصرف نہیں کر سکتا ہے کہ اس میں کنواں کھود لے؛ کیونکہ اول کا پانی ثانی میں جانے کی وجہ سے اول یا تو بالکل بے کار ہو گا یا اس کا پانی کم ہو جائے گا۔

{۲} پس اگر دوسرے نے اول کے حریم میں کنواں کھودا تو اول کو یہ حق ہو گا کہ وہ احسان کرتے ہوئے اس کی اصلاح کرلے اور اس کو پاٹ دے، اور اگر احسان نہیں کرتا ہے بلکہ اس سے مواخذہ کرنا چاہے تو اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ دوسرے کو امر کرے کہ اپنے کنویں کو بھر دو؛ کیونکہ دوسرے نے جو کنواں کھودنے کی جنایت کی ہے اس کا ازالہ ضروری ہے اور اس کا ازالہ اس کو بھر دینے سے ہوتا ہے اس لیے اس کو بھرنے کا امر کرے جیسا کہ اگر کسی نے دوسرے کے گھر میں کوڑا کرکٹ پھینکا تو پھینکنے والے کو مکلف بنایا جاتا ہے کہ اپنا کوڑا کرکٹ یہاں سے اٹھائے۔

{۳} دوسرا قول یہ ہے کہ اول کے کنویں کو جو نقصان پہنچا ہے وہ دوسرے سے لے لے پھر دوسرے کا کھودا ہوا کنواں خود پاٹ دے اور یہ ایسا ہے جیسے کسی نے دوسرے کی دیوار گرادی تو دیوار کا مالک اس سے نقصان لے پھر اپنی دیوار خود درست کرلے، اور یہی دوسرا قول صحیح ہے، امام خصافؒ نے اس کو اپنی کتاب "ادب القاضی" میں ذکر کیا ہے، اور امام خصافؒ نے نقصان کی معرفت کا طریقہ بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ دیکھا جائے کہ دوسرے کنویں کے بغیر اول کی کیا قیمت ہے مثلاً پچاس روپیہ ہے اور دوسرا کنواں کھودنے کے بعد اس کی قیمت چالیس روپیہ ہو گئی تو کنویں کا مالک اس سے دس روپیہ نقصان لے لے۔

{۴} اگر اول کنویں میں کوئی چیز ہلاک ہو گئی تو اس کا مالک ضامن نہ ہو گا؛ کیونکہ اس نے کنواں کھود کر کوئی تجاوز نہیں کیا ہے اس لیے کہ اگر اس نے امام کی اجازت سے کنواں کھودا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے کھودنے میں اس کی طرف سے کوئی تجاوز نہیں پایا جا رہا ہے، اسی طرح اگر امام کی اجازت کے بغیر کھودا ہو تو بھی صاحبینؒ کے نزدیک اس نے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک امام کی اجازت ضروری نہیں ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک چونکہ امام کی اجازت ضروری ہے جس کے بغیر وہ کنویں کا مالک

نہیں ہوتا ہے لہذا کنواں کھود کر اس نے تجاوز کیا ہے اس لیے اس پر ضمان واجب ہونا چاہیے، مگر یہاں امام صاحبؒ کی جانب سے یہ عذر اور توجیہ پیش کی گئی ہے کہ امام صاحبؒ نے کنواں کھودنے کو تحجیر (غیر آباد زمین کے اردگرد پتھر کی علامات رکھنے کو کہتے ہیں) قرار دیا ہے اور امام کی اجازت کے بغیر تحجیر کا اس کو اختیار ہوتا ہے اگرچہ امام کی اجازت کے بغیر وہ مالک نہیں بنا ہے، مگر تحجیر میں تجاوز نہ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے اور جب اس کی طرف سے تجاوز نہیں پایا گیا تو وہ ضامن بھی نہ ہوگا۔

﴿۵﴾ اور اگر دوسرے کنویں میں کوئی چیز ہلاک ہوگئی تو اس میں کنواں کھودنے والے پر ضمان واجب ہوگا؛ کیونکہ دوسرے کی ملک میں کنواں کھود کر اس نے تجاوز کیا ہے اور تجاوز کرنے والے پر ضمان واجب ہوتا ہے۔

اور اگر دوسرے نے اول کے حریم سے باہر کنواں کھودا جس سے پہلے کنویں کا پانی خشک ہوگیا تو دوسرے پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ دوسرا کنواں کھودنے میں تجاوز کرنے والا نہیں ہے اس لیے اس پر ضمان نہیں، اور دوسرے کے کنویں کے لیے تین اطراف میں حریم ہوگا، مگر اول کی جانب میں اس کے لیے حریم نہ ہوگا؛ کیونکہ اس جانب میں اول کی ملکیت مقدم ہے اس لیے دوسرے کو اس جانب میں حق نہ ہوگا۔

﴿٦﴾ کاریز (جو نہر زمین کے نیچے سے کھود کر نکالی جاتی ہے) کے لیے اتنا حریم ہوگا جو اس کے لیے مناسب ہو، اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ استحقاق حریم میں کاریز کنویں کے درجے میں ہے کہ کنویں کے بقدر اس کا حریم ہوگا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ صاحبینؒ دونوں کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کاریز کے لیے حریم نہیں ہے جب تک کہ پانی زمین کے اوپر ظاہر نہ ہو؛ کیونکہ یہ درحقیقت نہر ہے اور کھلی ہوئی نہر کے لیے حریم نہیں ہے پس اسی پر قیاس کرتے ہوئے کاریز کے لیے بھی حریم نہ ہوگا۔ اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب پانی زمین پر ظاہر ہو جائے تو وہ کھولتے ہوئے چشمے کے حکم میں ہے لہذا اس کے لیے حریم پانچ سو ذراع مقرر ہوگا۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے لماقال الشيخ عبدالحكيم الشهيد: الراجح في هذه المسئلة مامشت عليه المتون وهوقولهما وعليه الفتوى فحريم القناة مايحتاج اليه لاصلاحها لالقاء الطين مثل الجدول والنهرالصغير (هامش الهداية:4ص480)

﴿۷﴾ جو درخت موات زمین میں لگایا جائے اس کے لیے بھی حریم ہے حتی کہ دوسرے شخص کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس کے حریم میں درخت لگائے؛ کیونکہ درخت لگانے والا اس کے حریم کا محتاج ہے جس میں وہ پھل توڑے گا اور رکھے گا، اور درخت کا حریم ہر طرف میں پانچ ذراع مقرر ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے کہ ایک شخص نے موات زمین میں درخت لگایا اور دوسرے

نے اس کے قریب درخت لگانا چاہا تو اول نے حضور ﷺ کے ہاں اس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے اس کے لیے پانچ ذراع حریم مقرر فرمایا۔

﴿۸﴾ دریا کبھی اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جانب بہہ جاتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ پانی کا دوبارہ لوٹ آنا ممکن ہے یا نہیں ہے مثلاً فرات یا دجلہ نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور اس جگہ سے پانی پھر گیا تو اگر اس کا اپنی جگہ کی طرف لوٹ آنا ممکن ہو تو اس کا احیاء جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس جگہ کے نہر ہونے کو عام لوگوں کی حاجت ہے لہٰذا یہ موات نہیں ہے اس لیے اس کا احیاء جائز نہیں ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو کہ اس کا پانی اس جگہ کی طرف پھر لوٹ آئے تو یہ جگہ موات کی طرح ہے بشرطیکہ یہ کسی آبادی کا حریم نہ ہو تو اس کا احیاء جائز ہے؛ کیونکہ یہ کسی کی ملک میں نہیں ہے اس لیے کہ اب تک اس پر پانی کا غلبہ تھا اور پانی کا غلبہ غیر کے غلبہ کو دفع کرتا ہے کوئی اور شخص اس پر غالب اور اس کا مالک نہیں ہے بلکہ پانی پھر جانے کے بعد آج یہ زمین امام المسلمین کے قبضہ میں ہے اور ایسی زمین کا احیاء جائز ہے۔

﴿۱﴾ قَالَ : وَمَنْ كَانَ لَهُ نَهْرٌ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَلَيْسَ لَهُ

فرمایا: اور جس کے لیے نہر ہو غیر کی زمین میں، تو نہیں ہے اس کے لیے

حَرِيمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ بَيِّنَةً عَلَى ذَلِكَ ، وَقَالَا : لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِي عَلَيْهَا

حریم امام صاحبؒ کے نزدیک، مگر یہ کہ قائم کرے بینہ اس پر، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے نہر کی پٹڑی ہے جس پر وہ چلے گا

وَيُلْقِي عَلَيْهَا طِينَهُ، قِيلَ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ مَنْ حَفَرَ نَهْرًا فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ بِإِذْنِ الْإِمَامِ لَا يَسْتَحِقُّ الْحَرِيمَ

اور ڈالے گا اس پر نہر کی مٹی، کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ بنا ہے اس پر کہ جو کھودے نہر موات زمین میں امام کی اجازت سے تو وہ مستحق حریم نہ ہوگا

عِنْدَهُ . وَعِنْدَهُمَا يَسْتَحِقُّهُ ؛ ﴿۲﴾ لِأَنَّ النَّهْرَ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إِلَّا بِالْحَرِيمِ لِحَاجَتِهِ

امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ اس کا مستحق ہوگا؛ کیونکہ نہر سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے مگر حریم کے ساتھ؛ کیونکہ اسے حاجت ہے

إِلَى الْمَشْيِ لِتَسْيِيلِ الْمَاءِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ الْمَشْيُ عَادَةً فِي بَطْنِ النَّهْرِ وَإِلَى إِلْقَاءِ الطِّينِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ

چلنے کی پانی چلانے کے لیے، اور ممکن نہیں ہے اس کے لیے چلنا وسطِ نہر میں عادۃً، اور وہ محتاج ہے مٹی ڈالنے کا ، اور ممکن نہیں ہے

النَّقْلُ إِلَى مَكَانٍ بَعِيدٍ إِلَّا بِحَرَجٍ فَيَكُونُ لَهُ الْحَرِيمُ اعْتِبَارًا بِالْبِئْرِ.

اس کے لیے نقل کرنا دوسرے مکان کی طرف مگر حرج کے ساتھ، پس ہوگا اس کے لیے حریم؛ قیاس کرتے ہوئے کنویں پر۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے

﴿۳﴾ وَلَهُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ ، وَفِي الْبِئْرِ عَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ ، وَالْحَاجَةُ إِلَى الْحَرِيمِ فِيهِ فَوْقَهَا

کہ قیاس ثبوتِ حریم کا منکر ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اس کو، اور کنویں میں ہم نے جان لیا اثر سے، اور کنویں میں حریم کی حاجت بڑھ کر ہے

إِلَيْهِ فِي النَّهْرِ ؛ لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْمَاءِ فِي النَّهْرِ مُمْكِنٌ بِدُونِ الْحَرِيمِ ، وَلَا يُمْكِنُ فِي الْبِئْرِ إِلَّا بِالِاسْتِقَاءِ

اس کی طرف حاجت سے نہر میں؛ کیونکہ نفع حاصل کرنا پانی سے نہر میں ممکن ہے حریم کے بغیر، اور ممکن نہیں ہے کنویں میں مگر پانی کھینچنے سے

وَلَا اسْتِقَاءَ إِلَّا بِالْحَرِيمِ فَتَعَذَّرَ الْإِلْحَاقُ . ﴿۴﴾وَوَجْهُ الْبِنَاءِ أَنَّ بِاسْتِحْقَاقِ الْحَرِيمِ تَثْبُتُ الْيَدُ عَلَيْهِ

اور پانی کھینچنا ممکن نہیں ہے مگر حریم سے، پس متعذر ہوا کنویں کے ساتھ ملحق کرنا، اور بناء کی وجہ یہ ہے کہ استحقاقِ حریم سے قبضہ ثابت ہوتا ہے اس پر

اعْتِبَارًا تَبَعًا لِلنَّهْرِ ، وَالْقَوْلُ لِصَاحِبِ الْيَدِ ، وَبِعَدَمِ اسْتِحْقَاقِهِ تَنْعَدِمُ الْيَدُ ، وَالظَّاهِرُ يَشْهَدُ

قیاس کرتے ہوئے نہر کی تبعیت پر، اور قول قبضہ والے ہی کا معتبر ہوتا ہے، اور عدمِ استحقاق سے معدوم ہو جاتا ہے قبضہ اور ظاہر حال شاہد ہے

لِصَاحِبِ الْأَرْضِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى﴿۵﴾وَإِنْ كَانَتْ مَسْأَلَةً مُبْتَدَأَةً فَلَهُمَا أَنَّ الْحَرِيمَ فِي يَدِ صَاحِبِ النَّهْرِ

صاحبِ زمین کا جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر ہو یہ مسئلہ ابتدائی تو صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حریم صاحبِ نہر کے قبضہ میں ہے

بِاسْتِمْسَاكِهِ الْمَاءَ بِهِ ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ صَاحِبُ الْأَرْضِ نَقْضَهُ .﴿۶﴾وَلَهُ أَنَّهُ

بسبب اس کے روکنے کے پانی کو اس کے ذریعہ، اور اسی لیے مالک نہیں ہے صاحبِ زمین اس کو توڑنے کا۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ

أَشْبَهُ بِالْأَرْضِ صُورَةً وَمَعْنًى ، أَمَّا صُورَةً فَلِاسْتِوَائِهِمَا ، وَمَعْنًى مِنْ حَيْثُ صَلَاحِيَتُهُ

یہ مشابہ ہے زمین کے صورۃً اور معنیً، بہر حال صورۃً تو ان دونوں کے برابر ہونے کی وجہ سے، اور معنیً اس لیے کہ وہ صلاحیت رکھتا ہے

لِلْغَرْسِ وَالزِّرَاعَةِ ، وَالظَّاهِرُ شَاهِدٌ لِمَنْ فِي يَدِهِ مَا هُوَ أَشْبَهُ بِهِ .كَاثْنَيْنِ تَنَازَعَا

پودا لگانے اور زراعت کی، اور ظاہر شاہد ہے اس کے لیے جس کے قبضہ میں وہ چیز ہے جو حریم کے مشابہ ہے جیسے دو آدمیوں نے جھگڑا کیا

فِي مِصْرَاعِ بَابٍ لَيْسَ فِي يَدِهِمَا ، وَالْمِصْرَاعُ الْآخَرُ مُعَلَّقٌ عَلَى بَابِ أَحَدِهِمَا

دروازے کے ایسے کواڑ میں جو نہیں ہے ان دونوں کے قبضہ میں، اور دوسرا کواڑ لگا ہوا ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے دروازے پر

يُقْضَى لِلَّذِي فِي يَدِهِ مَا هُوَ أَشْبَهُ بِالْمُتَنَازَعِ فِيهِ ،﴿۷﴾وَالْقَضَاءُ فِي مَوْضِعِ الْخِلَافِ قَضَاءُ تَرْكٍ،

تو فیصلہ کیا جائے گا اس کے لیے جس کے قبضہ میں ہے وہ چیز جو مشابہ ہے متنازع فیہ کے ساتھ، اور قضاء موضعِ اختلاف میں قضاء ترک ہے

﴿۸﴾وَلَا نِزَاعَ فِيمَا بِهِ اسْتِمْسَاكُ الْمَاءِ إِنَّمَا النِّزَاعُ فِيمَا وَرَاءَهُ مِمَّا يَصْلُحُ لِلْغَرْسِ،

اور کوئی جھگڑا نہیں ہے اس مقدار میں جس کی وجہ سے پانی کی رکاوٹ ہے، بلکہ جھگڑا اس کے علاوہ میں جو صلاحیت رکھتا ہے پودا لگانے کی

عَلَى أَنَّهُ إِنْ كَانَ مُسْتَمْسِكًا بِهِ مَاءَ نَهْرِهِ فَالْآخَرُ دَافِعٌ بِهِ الْمَاءَ عَنْ أَرْضِهِ ، {9}وَالْمَانِعُ

علاوہ ازیں اگر صاحبِ نہر روک رہا ہے اپنی نہر کا پانی حریم کے لیے تو دوسرا دفع کرنے والا ہے اس کے ذریعہ پانی اپنی زمین سے، اور مانع

مِنْ نَقْضِهِ تَعَلُّقُ حَقِّ صَاحِبِ النَّهْرِ لَا مِلْكُهُ .كَالْحَائِطِ لِرَجُلٍ وَلِآخَرَ عَلَيْهِ جُذُوعٌ

اس کو توڑنے سے تعلق ہے صاحبِ نہر کے تعلق کا نہ کہ اس کی ملک جیسے دیوار ایک کے لیے ہو اور دوسرے کے لیے اس پر شہتیر ہو

لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ نَقْضِهِ وَإِنْ كَانَ مِلْكَهُ{10} وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ نَهْرٌ لِرَجُلٍ إِلَى جَنْبِهِ مُسَنَّاةٌ

تو اس کو حق نہیں اس کو توڑنے کا اگرچہ وہ اس کی ملک ہے۔اور جامع صغیر میں ہے کہ نہر ہے کسی آدمی کی اس کے برابر میں بند ہے

وَلِآخَرَ خَلْفَ الْمُسَنَّاةِ أَرْضٌ تَلْزَقُهَا ، وَلَيْسَتْ الْمُسَنَّاةُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَافَهِيَ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ عِنْدَأَبِي حَنِيفَةَ

اور دوسرے کی بند کے پیچھے زمین ہے جو اس کے متصل ہے اور نہیں ہے بند دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں، تو وہ صاحبِ زمین کا امام صاحبؒ کے نزدیک

وَقَالَا : هِيَ لِصَاحِبِ النَّهْرِ حَرِيمًا لِمُلْقَى طِينِهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ .وَقَوْلُهُ وَلَيْسَتِ الْمُسَنَّاةُ فِي يَدِ

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ صاحبِ نہر کے لیے حریم ہے اس کی مٹی وغیرہ ڈالنے کے لیے، اور امام محمدؒ کے قول "بند دونوں میں سے کسی ایک قبضہ میں نہیں ہے"

أَحَدِهِمَا مَعْنَاهُ:لَيْسَ لِأَحَدِهِمَاعَلَيْهِ غَرْسٌ وَلَا طِينٌ مُلْقًى فَيَنْكَشِفُ بِهَذَا اللَّفْظِ مَوْضِعُ الْخِلَافِ ، أَمَّا إِذَا كَانَ

کا معنی یہ ہے کہ نہیں ہے اس پر کسی ایک کا پودا اور نہ ڈالی گئی مٹی، پس ظاہر ہو گا اس لفظ سے محلِ اختلاف۔رہی یہ صورت کہ اگر ہوں

لِأَحَدِهِمَا عَلَيْهِ ذَلِكَ فَصَاحِبُ الشُّغْلِ أَوْلَى ، لِأَنَّهُ صَاحِبُ يَدٍ . {11}وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ غَرْسٌ لَا يُدْرَى مَنْ

دونوں میں سے ایک کے لیے اس پر یہ چیزیں، تو صاحبِ شغل اولیٰ ہو گا؛ کیونکہ وہ قابض ہے، اور اگر اس پر پودا ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ

غَرَسَهُ فَهُوَ مِنْ مَوَاضِعِ الْخِلَافِ أَيْضًا .وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ أَنَّ وِلَايَةَ الْغَرْسِ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ عِنْدَهُ

کس نے لگایا ہے تو یہ بھی محلِ اختلاف ہے، اور ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ پودا لگانے کی ولایت صاحبِ زمین کو ہو گی امام صاحبؒ کے نزدیک

وَعِنْدَهُمَا لِصَاحِبِ النَّهْرِ .وَأَمَّا إِلْقَاءُ الطِّينِ فَقَدْ قِيلَ إِنَّهُ عَلَى الْخِلَافِ ، وَقِيلَ إِنَّ لِصَاحِبِ النَّهْرِ ذَلِكَ مَا

اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحبِ نہر کے لیے ہو گی، رہا مٹی ڈالنا تو کہا گیا کہ یہ مختلف فیہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ صاحبِ نہر کو حق ہے جب تک کہ

لَمْ يُفْحِشْ . {12}وَأَمَّا الْمُرُورُ فَقَدْ قِيلَ يُمْنَعُ صَاحِبُ النَّهْرِ عِنْدَهُ ، وَقِيلَ لَا يُمْنَعُ

بہت زیادہ نہ ہو، رہا گذرنے کا مسئلہ تو کہا گیا ہے کہ روکا جائے گا صاحبِ نہر کو امام صاحبؒ کے نزدیک، اور کہا گیا ہے کہ نہیں روکا جائے گا

لِلضَّرُورَةِ .قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ : آخُذُ بِقَوْلِهِ فِي الْغَرْسِ وَبِقَوْلِهِمَا

ضرورت کی وجہ سے، فرمایا فقیہ ابو جعفرؒ نے کہ میں اختیار کرتا ہوں امام صاحبؒ کے قول کو غرس کے بارے میں، اور صاحبینؒ کے قول کو

فِي إلقاءِ الطِّينِ. ثُمَّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ حَرِيمَهُ مِقْدَارُ نِصْفِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ

مٹی ڈالنے کے بارے میں، پھر امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس کا حریم نہر کے اندرونی حصے کی نصف مقدار ہے ہر جانب سے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے

مِقْدَارُ بَطْنِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ .وَهَذَا أَرْفَقُ بِالنَّاسِ .

کہ بطنِ نہر کے بقدر ہے ہر جانب سے، اور یہ باعثِ راحت ہے لوگوں کے لیے۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی کی نہر دوسرے کی زمین میں گذری ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس نہر کے لیے حریم نہیں ہوگا مگر یہ کہ صاحبِ نہر اس پر بینہ قائم کرے کہ اس نہر کے لیے حریم ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے نہر کی پٹری ہوگی جس پر صاحبِ نہر چلے گا اور اس پر نہر کی مٹی ڈالے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ قدوری کا یہ مسئلہ مبنی ہے اس مسئلہ پر کہ کسی نے موات زمین میں امام المسلمین کی اجازت سے نہر کھودی تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے لیے حریم نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے لیے نہر کی پٹری ہوگی اسی طرح متن کا مسئلہ بھی ہے یعنی اگر کسی کی نہر دوسرے کی زمین میں گذری ہو تو اس کے حریم میں ائمہ کا یہی اختلاف ہے۔

{۲}صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حریم کے بغیر نہر سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ وہ پانی بہانے کے لیے نہر کی پٹری پر چلنے کی طرف محتاج ہے اور عادۃً وسطِ نہر میں چلنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح وسطِ نہر میں جمع شدہ مٹی کو نکال کر کہیں ڈالنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ دور کے کسی مکان کی طرف منتقل کرنے میں حرج ہے لہٰذا کنویں پر قیاس کرتے ہوئے ایسی نہر کے لیے بھی حریم ہوگا جو پٹری کے بقدر ہم نے بیان کیا۔

{۳}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیاس ثبوتِ حریم کا انکار کر رہا ہے جیسا کہ بئرِ ناضح کے بیان میں ہم ذکر کر چکے، البتہ کنویں میں خلافِ قیاس حدیث سے ہم نے ثبوتِ حریم کو پہچان لیا پس خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مورد پر مقصور ہوگی۔ اور نہر کے حریم کو کنویں کے حریم پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ کنویں میں حریم کی زیادہ ضرورت ہے اور نہر میں کم ہے اس لیے کہ نہر سے حریم کے بغیر انتفاع ممکن ہے؛ کیونکہ نہر میں تو فقط پانی چلانا ہے جس کے لیے مستقل جگہ کی ضرورت نہیں ہے، جبکہ کنویں سے حریم کے بغیر انتفاع ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ کنویں سے پانی کھینچا جاتا ہے جس کے لیے جگہ چاہیئے خواہ ہاتھ سے کھینچے یا اونٹ وغیرہ سے، پس اس فرق کی وجہ سے نہر کو کنویں کے ساتھ لاحق بھی نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ قیاس کے لیے شرط یہ ہے کہ فرع اصل کی نظیر ہو۔

فتوی:۔ صاحبینؒ کا قول راجح ہے کیونکہ حریم کے بغیر نہر سے کامل انتفاع ممکن نہیں لما فی الشامیۃ: (قَوْلُهُ وَالنَّهْرُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ لَا حَرِيمَ لَهُ إلَخْ) قِيلَ إنَّ هَذِهِ الْمَسْأَلَةَ مَبْنِيَّةٌ عَلَى أَنَّ مَنْ أَحْيَا نَهْرًا فِي مَوَاتٍ لَا يَسْتَحِقُّ لَهُ حَرِيمًا عِنْدَهُ،

وَعِندَهُمَا يَسْتَحِقُّهُ. وَقَالَ عَامَّتُهُمْ: الصَّوَابُ أَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْإِجْمَاعِ أَتْقَانِيٌّ عَنْ شُرُوحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْمُحَقِّقِينَ أَيْضًا أَنَّهَا لَيْسَتْ مَبْنِيَّةً عَلَى ذَلِكَ، وَأَنَّ لِلنَّهْرِ فِي الْمَوَاتِ حَرِيمًا اتِّفَاقًا، وَمِثْلُهُ فِي الِاخْتِيَارِ. (ردّالمحتار:۵/ ۳۱۰)

﴿۴﴾اور یہ مسئلہ جس مسئلے پر مبنی ہے اس مسئلے میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ارضِ موات میں امام کی اجازت سے نہر کھودنے پر حریم ثابت ہوتا ہے تو جس طرح نہر کا مالک نہر پر قابض ہوتا ہے اسی طرح نہر کے واسطے سے حریم پر بھی اس کا قبضہ رہتا ہے، اور ضابطہ ہے کہ جس کا قبضہ ہوتا ہے اسی کی بات بھی معتبر ہوتی ہے اس لیے صاحبِ نہر ہی کی بات معتبر ہوگی اور اسے نہر کی پٹی ملے گی۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر نہر کا مالک حریم کا مستحق نہیں ہوگا تو اس پر اس کا قبضہ بھی نہیں ہوگا اور جب حریم پر اس کا قبضہ نہیں ہوگا تو زمین والے کا قبضہ ہوگا اور ظاہر حال اس کے حق میں اس بات کی شہادت دے گا کہ یہ حریم صاحبِ زمین کا ہے نہ کہ نہر کے مالک کا جیسا کہ آگے "أَنَّهُ أَشْبَهُ بِالْأَرْضِ صُورَةً وَمَعْنًى" سے ہم ذکر کریں گے، اور ضابطہ یہ ہے کہ ظاہر حال جس کا شاہد ہو اسی کا قول معتبر ہوتا ہے اور صورتِ مسئلہ میں چونکہ ظاہر حال صاحبِ ارض کے حق میں شاہد ہے اس لیے اسی کا قول معتبر ہوگا۔

﴿۵﴾اور اگر ماقبل میں مذکور ائمہ کا اختلاف کسی مسئلے پر مبنی نہ ہو بلکہ یہ ابتدائی اور نیا مسئلہ ہو تو اس صورت میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حریم (پٹری) صاحبِ نہر کے قبضے میں ہے؛ کیونکہ اس نے اسی پٹری کے ذریعہ پانی کو اِدھر اُدھر منتشر ہونے سے روکا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ زمین کا مالک اس پٹری کو توڑنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے، لہذا پٹری نہر والے کی ملکیت ہے۔

﴿۶﴾امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ حریم کی مشابہت نہر سے بھی ہے اور زمین سے بھی، لیکن زمین سے زیادہ مشابہ ہے؛ کیونکہ صورۃً بھی زمین کے مشابہ ہے اور معنیً بھی، صورۃً تو اس لیے کہ زمین اور پٹری دونوں ہموار ہیں جبکہ نہر گہری ہوتی ہے، اور معنوی مشابہت اس طرح ہے کہ جس طرح کہ زمین میں پودے لگائے جاسکتے ہیں اور کاشت کی جاسکتی ہے اسی طرح پٹری میں بھی پودے لگائے جاسکتے ہیں اور کاشت کی جاسکتی ہے جبکہ نہر میں یہ دونوں کام نہیں ہوسکتے ہیں لہذا ظاہر حال زمین کے مالک کے لیے شاہد ہے؛ کیونکہ پٹری کے مشابہ چیز (زمین) اس کے قبضے میں ہے تو پٹری بھی اسی کی ہوگی جیسا کہ اگر دروازے کے ایک ایسے کواڑ میں دو شخصوں نے جھگڑا کیا جو ان دونوں کے قبضے میں نہیں ہے اور ایک اسی طرح کا کواڑ ان دونوں میں سے ایک کے دروازے پر لگا ہوا ہے تو متنازع فیہ کواڑ کا فیصلہ اسی کے حق میں کیا جائے گا جس کے قبضہ میں متنازع فیہ کواڑ کی طرح کواڑ ہے؛ کیونکہ

ظاہر حال اس کے لیے شاہد ہے اسی طرح یہاں بھی نہر کی پٹری زمین کے مالک کے لیے ہوگی؛ کیونکہ پٹری کے مشابہ زمین اس کے قبضہ میں ہے۔

{7}اور مختلف فیہ صورت میں قاضی کا فیصلہ قضاءِ ترک ہے قضاءِ ملک واستحقاق نہیں ہے یعنی امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کو صاحبِ زمین کے قبضہ میں چھوڑا جائے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ صاحبِ نہر کے قبضہ میں چھوڑا جائے، اور قضاءِ ترک میں یہ ہو سکتا ہے کہ فیصلہ بدل جائے اور قاضی اس کے خلاف حکم جاری کردے، اور قضاءِ ملک میں جس کے خلاف فیصلہ ہو گیا پھر اسی واقعہ میں اس کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا، پس امام صاحبؒ کے نزدیک صاحبِ زمین کے لیے فیصلہ ہو جانے کے بعد اگر صاحبِ نہر نے بینہ پیش کیا کہ پٹری میری ہے تو قاضی اب اس کا فیصلہ صاحبِ نہر کے لیے کرے گا تو اگر یہ قضاءِ ملک واستحقاق ہوتی تو ایک مرتبہ اس کے خلاف فیصلہ ہو جانے کے بعد بینہ کے ذریعہ اس کے لیے فیصلہ نہ ہو سکتا، لیکن جب قاضی یہاں اس کے حق میں فیصلہ کرے گا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ قضاءِ ترک ہے قضاءِ ملک نہیں ہے۔

{8}باقی صاحبینؒ نے جو فرمایا کہ صاحبِ نہر پٹری سے نہر کا پانی روکتا ہے اس لیے پٹری صاحبِ نہر کی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پٹری کے جتنے حصے سے پانی روکتا ہے اس میں ہمارا نزاع نہیں ہے وہ بے شک صاحبِ نہر کا ہے، بلکہ نزاع اس کے علاوہ میں جو پودا لگانے اور کاشت کی صلاحیت رکھتا ہے اور آپ کی دلیل سے پٹری کا یہ حصہ صاحبِ نہر کے لیے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ صاحبِ نہر نے پٹری کے ذریعہ پانی کو روکا ہوا ہے تو صاحبِ زمین نے پٹری کے ذریعہ اپنی زمین سے پانی کو روکا ہوا ہے لہذا پٹری کے استحقاق میں دونوں برابر ہیں اس لیے یہ صاحبِ نہر کی ملکیت کی دلیل نہیں ہے۔

{9}اور صاحبینؒ نے جو کہا تھا کہ اسی لیے صاحبِ زمین اس پٹری کو نہیں توڑ سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس لیے نہیں کہ صاحبِ نہر اس کا مالک ہے بلکہ اس لیے ہے کہ صاحبِ نہر کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے جیسا کہ اگر دیوار ایک شخص کی ہو اور دوسرے نے اس پر شہتیر رکھا ہو تو چونکہ اس دیوار کے ساتھ شہتیر والے کا حق متعلق ہے اس لیے دیوار کے مالک کو اس کے توڑنے کا اختیار نہ ہوگا اگرچہ دیوار اس کی ملکیت ہے۔

{10}جامع صغیر میں ہے کہ اگر کسی شخص کی نہر ہو اور اس کے پہلو میں پٹری ہو اور پٹری کے پیچھے دوسرے کی زمین ہو جو اس پٹری کے متصل ہو، اور پٹری دونوں میں سے کسی کی ملک میں نہ ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک پٹری صاحبِ زمین کی ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پٹری صاحبِ نہر کی ہے نہر کی مٹی وغیرہ ڈالنے کے لیے نہر کا حریم ہے۔ جامع صغیر کا قول "کہ پٹری کسی

کے قبضہ میں نہ ہو" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کسی کے پودے نہ ہوں اور نہ کسی نے اس پر مٹی ڈالی ہو، پس اس قول کو نقل کرنے سے صاحبِ ہدایہؒ کی غرض یہ بات بیان کرنا ہے کہ محلِ اختلاف وہ پٹری ہے جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو، ورنہ اگر پٹری پر دونوں میں سے کسی ایک کے پودے یا مٹی ہو تو جس نے اس کو اپنی ملک سے مشغول رکھا ہے بالاتفاق وہی اس کا زیادہ حقدار ہے؛ کیونکہ وہ اس پر قابض ہے۔

﴿۱۱﴾ اور اگر پٹری پر پودے لگے ہوں مگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے ان کو لگایا ہے تو یہ بھی ائمہ کرام کے درمیان موضع اختلاف ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک یہ پٹری صاحبِ زمین کی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحبِ نہر کی ہے، ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک پودے لگانے کی ولایت صاحبِ زمین کو حاصل ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحبِ نہر کو حاصل ہوگی۔

اور اس پٹری پر نہر کی مٹی ڈالنے کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک صاحبِ نہر کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ نہر کی مٹی اس پٹری پر ڈال دے، اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحبِ نہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نہر کی مٹی اس پٹری پر ڈال دے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ صاحبِ نہر کو بالاتفاق یہ حق حاصل ہے مگر شرط یہ ہے کہ مٹی اتنی زیادہ نہ ہو جو صاحبِ ارض کے انتفاع کے لیے مانع ہو۔

﴿۱۲﴾ اور اس پٹری پر گذرنے کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک صاحبِ نہر کو اس پر گذرنے سے روکا جائے گا اور بعض دیگر حضرات نے کہا ہے کہ اس کو گذرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ فقیہ ابو جعفر الہندوانیؒ فرماتے ہیں کہ پودے لگانے کے بارے میں امام صاحبؒ کے قول کو لیا جائے گا، اور مٹی ڈالنے کے بارے میں صاحبینؒ کے قول کو لیا جائے گا۔

پھر امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ نہر کا حریم ہر جانب سے نہر کے اندرونی حصے کے نصف کی مقدار ہے اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ ہر جانب سے نہر کے اندرونی حصے کی مقدار ہے، اور امام محمدؒ کے قول میں لوگوں کے لیے زیادہ آسانی ہے۔

فتویٰ:۔ امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے لما في الدر المختار: وَقَدَّرَهُ مُحَمَّدٌ بِقَدْرِ عَرْضِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ، وَهُوَ أَرْفَقُ مُلْتَقَى. وَقَدَّرَهُ أَبُو يُوسُفَ بِنِصْفِ بَطْنِ النَّهْرِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى قُهُسْتَانِيٌّ مَعْزِيًا لِلْكِرْمَانِيِّ، وَفِيهِ مَعْزِيًا لِلِاخْتِيَارِ. (الدّر المختار علی هامش ردّ المحتار:5ص310)

فُصُولٌ فِي مَسَائِلِ الشِّرْبِ

یہ چند فصول ہیں مسائل شرب کے بیان میں۔

"شُرب" شین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی پینا، جو شارب کا فعل ہے، اور "شِرب" شین کے کسرہ کے ساتھ بمعنی پانی کا حصہ، اور شریعت میں شِرب پانی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس سے اپنی باری میں نفع اٹھایا جائے چوپاؤں کو پلانے کے لیے یا کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے۔

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ انسان جب موات زمین کو آباد کرتا ہے تو اس کو شِرب (پانی کے حصے) کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے احیاء الموات کے بعد شِرب کے مسائل کو ذکر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ یہ تین فصول ہیں اور "بداية المبتدی" میں یہ تینوں فصول نہیں ہیں؛ کیونکہ یہ فصول جامع صغیر اور مختصر القدوری میں نہیں ہیں بلکہ ان کو شیخ الاسلام خواہر زادہؒ نے اپنی کتاب "شرح کتاب الشِّرب" میں ذکر فرمایا ہے۔

فَصْلٌ فِي الْمِيَاهِ

یہ فصل پانیوں کے بیان میں ہے۔

"فَصلٌ فِي الْمِيَاهِ" کو "فَصلٌ فِي كَرِي الأنهَارِ" سے اس لیے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ پانی احیاء کے لیے اصل ہے اس لیے نہریں کھودنے کے بیان سے پانی کے بیان کو مقدم فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ وَإِذَا كَانَ لِرَجُلٍ نَهْرٌ أَوْ بِئْرٌ أَوْ قَنَاةٌ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّفَةِ ، وَالشَّفَةُ الشُّرْبُ لِبَنِي آدَمَ

اور اگر ہو کسی شخص کے لیے نہر یا کنواں یا کاریز، تو اس کو حق نہیں کہ منع کردے کوئی شیٔ پانی پینے سے ، اور شفہ پانی پینا ہے بنوآدم

وَالْبَهَائِمِ ، اعْلَمْ أَنَّ الْمِيَاهَ أَنْوَاعٌ : مِنْهَا مَاءُ الْبِحَارِ ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ النَّاسِ فِيهَا حَقُّ

اور جانوروں کا۔ جان لو کہ پانی کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے سمندروں کا پانی ہے، اور ہر ایک کے لیے لوگوں میں سے ان میں حق ہے

الشَّفَةِ وَسَقْيِ الْأَرَاضِي، حَتَّى إنَّ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْرِيَ نَهْرًا مِنْهَا إِلَى أَرْضِهِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْ ذَلِكَ، وَالِانْتِفَاعُ

پینے اور زمینوں کو سینچنے کا حق کہ جس نے ارادہ کیا کہ کھودلے نہر سمندر سے اپنی زمین کی طرف تو نہیں روکا جائے گا اس سے، اور نفع اٹھانا

بِمَاءِ الْبَحْرِ كَالِانْتِفَاعِ بِالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْهَوَاءِ فَلَا يُمْنَعُ مِنَ الِانْتِفَاعِ بِهِ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ شَاءَ،

سمندر کے پانی سے جیسے نفع اٹھانا ہے سورج، چاند اور ہواء سے، پس نہیں روکا جائے اس سے نفع اٹھانے سے خواہ جس طرح وہ چاہے۔

﴿۲﴾ وَالثَّانِي مَاءُ الْأَوْدِيَةِ الْعِظَامِ كَجَيْحُونَ وَسَيْحُونَ وَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ لِلنَّاسِ فِيهِ حَقُّ الشَّفَةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ

اور ثانی بڑی بڑی وادیوں کا پانی ہے جیسے جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات، لوگوں کے لیے ان میں حق ہے پینے کا علی الاطلاق،

وَحَقُّ سَقْيِ الْأَرَاضِي ، فَإِنْ أَحْيَا وَاحِدٌ أَرْضًا مَيْتَةً وَكَرَى مِنْهُ نَهْرًا لِيَسْقِيَهَا .إنْ كَانَ لَا يَضُرُّ

اور زمینوں کو سینچائی کا حق اس طرح کہ آباد کرے کوئی ایک غیر آباد زمین، اور کھودے اس سے نہر تا کہ اس کو سیراب کرے، اگر نہ ہو مضر

بِالْعَامَّةِ وَلَا يَكُونُ النَّهْرُ فِي مِلْكِ أَحَدٍ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهَا مُبَاحَةٌ فِي الْأَصْلِ إذْ قَهْرُ الْمَاءِ يَدْفَعُ قَهْرَ غَيْرِهِ،

عام لوگوں کے لیے، اور نہ ہو نہر کسی کی ملکیت میں؛ کیونکہ یہ وادیاں مباح ہیں اصل میں؛ کیونکہ پانی کا غلبہ دفع کر دیتا ہے غیر کا غلبہ،

{۳}وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ بِالْعَامَّةِ فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ ، لِأَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ عَنْهُمْ وَاجِبٌ ، وَذَلِكَ فِي

اور اگر نقصان دہ ہو عام لوگوں کے لیے تو کسی کو اس کا اختیار نہیں؛ کیونکہ دفع ضرر عام لوگوں سے واجب ہے، اور ضرر اس صورت میں ہے

أَنْ يَمِيلَ الْمَاءُ إلَى هَذَا الْجَانِبِ إذَا انْكَسَرَتْ ضِفَّتُهُ فَيُغْرِقَ الْقُرَى وَالْأَرَاضِي ، وَعَلَى هَذَا نَصْبُ الرَّحَى

کہ مائل ہو جائے پانی اس طرف جب ٹوٹ جائے وادی کا کنارہ پس غرق کر ڈالے بستیوں اور زمینوں کو، اور اسی حکم پر ہے پن چکی لگانا

عَلَيْهِ ، لِأَنَّ شَقَّ النَّهْرِ لِلرَّحَى كَشَقِّهِ لِلسَّقْيِ بِهِ .{۴}وَالثَّالِثُ إذَا دَخَلَ الْمَاءُ فِي الْمَقَاسِمِ فَحَقُّ الشَّفَةِ ثَابِتٌ

اس پر؛ کیونکہ نہر کا کاٹنا پن چکی کے لیے جیسے اسے سینچائی کے لیے کاٹنا ہے۔ تیسری قسم یہ کہ جب داخل ہو پانی بٹوارے میں تو پینے کا حق ثابت ہے

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ {النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ:الْمَاءِ،وَالْكَلَإِ، وَالنَّارِ } وَأَنَّهُ يَنْتَظِمُ الشُّرْبَ

اور اصل اس میں حضور کا ارشاد ہے "لوگ شریک ہیں تین چیزوں میں، پانی، گھاس اور آگ میں" اور یہ حدیث شامل ہے شرب

، وَالشُّرْبُ خُصَّ مِنْهُ الْأَوَّلُ وَبَقِيَ الثَّانِي وَهُوَ الشَّفَةُ ،{۵}وَلِأَنَّ الْبِئْرَ وَنَحْوَهَا مَا وُضِعَ

اور شرب کو، خاص کر دیا گیا اس میں سے اول، اور باقی رہا ثانی، اور وہ پینا ہے، اور اس لیے کہ کنواں اور اس جیسا موضوع نہیں ہے

لِلْإِحْرَازِ .وَلَا يُمْلَكُ الْمُبَاحُ بِدُونِهِ كَالظَّبْيِ إذَا تَكَنَّسَ فِي أَرْضِهِ ، وَلِأَنَّ

پانی محفوظ کرنے کے لیے، اور مباح مملوک نہیں ہوتا ہے مگر احراز سے جیسے ہرن جب گھر بنائے کسی کی زمین میں، اور اس لیے کہ

فِي إبْقَاءِ الشَّفَةِ ضَرُورَةً ؛ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يُمْكِنُهُ اسْتِصْحَابُ الْمَاءِ إلَى كُلِّ مَكَانٍ وَهُوَ مُحْتَاجٌ إلَيْهِ

پینے کو باقی رکھنے میں ضرورت ہے؛ کیونکہ انسان کے لیے ممکن نہیں ہے پانی ساتھ رکھنا ہر جگہ حالانکہ وہ محتاج ہے اس کی طرف

لِنَفْسِهِ وَظَهْرِهِ ، فَلَوْ مُنِعَ عَنْهُ أَفْضَى إلَى حَرَجٍ عَظِيمٍ ،{۶}وَإِنْ أَرَادَ رَجُلٌ أَنْ يَسْقِيَ

اپنے لیے اور اپنی سواری کے لیے، پس اگر روک دیا جائے اس سے تو مفضی ہوگا حرج عظیم کو، پس اگر ارادہ کیا کسی نے کہ سیراب کرے

بِذٰلِكَ أَرْضًا أَحْيَاهَا كَانَ لِأَهْلِ النَّهْرِ أَنْ يَمْنَعُوهُ عَنْهُ أَضَرَّ بِهِمْ أَوْ لَمْ يَضُرَّ ؛ لِأَنَّهُ حَقٌّ خَاصٌّ

اس سے وہ زمین جو اس نے آباد کی ہے، تو اہل نہر کو حق ہے کہ وہ اس کو منع کریں اس سے خواہ یہ ان کے لیے مضر ہو یا نہ ہو ؛ کیونکہ یہ خاص حق ہے

لَهُمْ وَلَا ضَرُورَةَ . وَلِأَنَّا لَوْ أَبَحْنَا ذٰلِكَ لَانْقَطَعَتْ مَنْفَعَةُ الشُّرْبِ. ﴿7﴾ وَالرَّابِعُ : الْمَاءُ

ان کا، اور ضرورت نہیں ہے، اور اس لیے کہ اگر ہم مباح کر دیں اس کو تو منقطع ہو جائے گی پینے کی منفعت۔ اور چوتھی قسم وہ پانی ہے

الْمُحْرَزُ فِي الْأَوَانِي وَأَنَّهُ صَارَ مَمْلُوكًا لَهُ بِالْإِحْرَازِ ، وَانْقَطَعَ حَقُّ غَيْرِهِ عَنْهُ كَمَا فِي الصَّيْدِ الْمَأْخُوذِ،

جو محفوظ کیا گیا ہو برتنوں میں، اور یہ اس کا مملوک ہو گیا احراز کی وجہ سے اور منقطع ہو گیا غیر کا حق اس سے جیسا کہ پکڑے ہوئے شکار میں ہے

إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَتْ فِيهِ شُبْهَةُ الشَّرِكَةِ نَظَرًا إِلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ مَا رَوَيْنَا ، حَتَّى لَوْ سَرَقَهُ إِنْسَانٌ

البتہ باقی رہا اس میں شرکت کا شبہ دلیل کو دیکھتے ہوئے اور دلیل وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے، حتی کہ اگر چوری کیا اس کو کسی انسان نے

فِي مَوْضِعٍ يَعِزُّ وُجُودُهُ وَهُوَ يُسَاوِي نِصَابًا لَمْ تُقْطَعْ يَدُهُ . ﴿8﴾ وَلَوْ كَانَ الْبِئْرُ أَوِ الْعَيْنُ أَوِ الْحَوْضُ أَوِ النَّهْرُ

ایسی جگہ میں جہاں پانی کا وجود کم ہو اور پانی برابر ہو نصاب کے تو نہیں کاٹا جائے گا اس کا ہاتھ۔ اور اگر کنواں، یا چشمہ، یا حوض یا نہر ہو

فِي مِلْكِ رَجُلٍ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ مَنْ يُرِيدُ الشَّفَةَ مِنَ الدُّخُولِ فِي مِلْكِهِ إِذَا كَانَ يَجِدُ مَاءً آخَرَ

کسی شخص کی ملک میں تو اس کو حق ہے کہ منع کر دے اس کو جو ارادہ رکھتا ہو پینے کا اپنی ملک میں داخل ہونے سے بشرطیکہ وہ دوسرا پانی پا رہا ہو

يَقْرُبُ مِنْ هٰذَا الْمَاءِ فِي غَيْرِ مِلْكِ أَحَدٍ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَجِدُ يُقَالُ لِصَاحِبِ النَّهْرِ : إِمَّا أَنْ تُعْطِيَهُ الشَّفَةَ

اس پانی کے قرب میں اور وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو، اور اگر وہ دوسرا پانی نہ پا رہا ہو تو کہا جائے گا صاحب نہر سے یا تو دیدے پینے کا پانی

أَوْ تَتْرُكَهُ يَأْخُذُ بِنَفْسِهِ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكْسِرَ ضِفَّتَهُ ، وَهٰذَا مَرْوِيٌّ عَنِ الطَّحَاوِيِّ ، وَقِيلَ مَا قَالَهُ

یا چھوڑ دے اس کو وہ لے لے گا بذات خود بشرطیکہ نہ توڑے نہر کا کنارہ، اور مروی ہے امام طحاویؒ سے، اور کہا گیا ہے کہ جو امام طحاویؒ نے کہا ہے

صَحِيحٌ فِيمَا إِذَا احْتَفَرَ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ لَهُ . أَمَّا إِذَا احْتَفَرَهَا فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ فَلَيْسَ لَهُ

وہ صحیح ہے اس نہر میں جو کھودی ہو اس نے اپنی مملوک زمین میں، رہی وہ جو اس نے کھودی ہو موات زمین میں تو حق نہیں ہے اس کو کہ

أَنْ يَمْنَعَهُ ؛ لِأَنَّ الْمَوَاتَ كَانَ مُشْتَرَكًا وَالْحَفْرُ لِإِحْيَاءِ حَقٍّ مُشْتَرَكٍ فَلَا يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ فِي الشَّفَةِ،

منع کر دے کسی کو؛ کیونکہ موات مشترک تھی، اور کھودنا حق مشترک کی آبادی کے لیے ہے پس قطع نہیں کرے گا شرکت کو پینے میں۔

﴿9﴾ وَلَوْ مَنَعَهُ عَنْ ذٰلِكَ ، وَهُوَ يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ ظَهْرِهِ الْعَطَشَ لَهُ أَنْ

اور اگر اس نے منع کر دیا اس کو اس پانی سے پانی پینے سے حالانکہ اس کو خوف ہے اپنے اوپر یا اپنی سواری پر پیاس کا تو اس کو حق ہے کہ

يُقَاتِلَهُ بِالسِّلَاحِ لِأَنَّهُ قَصَدَ إِتْلَافَهُ بِمَنْعِ حَقِّهِ وَهُوَ الشَّفَةُ،

صاحب پانی کے ساتھ قتال کرے ہتھیار سے؛ کیونکہ اس نے قصد کیا ہے اس کو تلف کرنے کا اس کا حق روکنے سے اور وہ پانی پینا ہے،

وَالْمَاءُ فِي الْبِئْرِ مُبَاحٌ غَيْرُ مَمْلُوكٍ ،{۱۰}بِخِلَافِ الْمَاءِ الْمُحْرَزِ فِي الْإِنَاءِ حَيْثُ يُقَاتِلُهُ بِغَيْرِ السِّلَاحِ

اور پانی کنویں میں مباح غیر مملوک ہے، برخلاف اس پانی کے جو محفوظ کیا ہو برتن میں کہ قتال کرے گا اس سے ہتھیار کے بغیر سے

؛ لِأَنَّهُ قَدْمَلَكَهُ ، وَكَذَا الطَّعَامُ عِنْدَ إِصَابَةِ الْمَخْمَصَةِ ، وَقِيلَ فِي الْبِئْرِ وَنَحْوِهَا الْأَوْلَى أَنْ يُقَاتِلَهُ بِغَيْرِ السِّلَاحِ

کیونکہ وہ اس کا مالک ہوا، اور یہی حکم طعام کا ہے جب پہنچ جائے شدت بھوک، اور کہا گیا ہے کہ کنویں اور اس جیسے میں اولیٰ یہ ہے کہ قتال کرے اس سے ہتھیار کے بغیر

بِعَصًا؛لِأَنَّهُ ارْتَكَبَ مَعْصِيَةً فَقَامَ ذَلِكَ مَقَامَ التَّعْزِيرِ لَهُ{۱۱}وَالشَّفَةُإِذَا كَانَ يَأْتِي عَلَى الْمَاءِ كُلِّهِ بِأَنْ كَانَ

لاٹھی سے؛ کیونکہ اس نے ارتکاب کیا گناہ کا پس یہ قائم مقام ہو گا تعزیر کا اس کے لیے۔ اور پانی پینا اگر ختم کردے پورے پانی کو بایں طور کہ وہ

جَدْوَلًاصَغِيرًا .وَفِيمَا يَرِدُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْمَوَاشِي كَثْرَةٌ يَنْقَطِعُ الْمَاءُ بِشُرْبِهَا قِيلَ لَا يُمْنَعُ مِنْهُ

چھوٹی سی نالی ہو اور جو آتے ہیں اونٹ اور مویشی وہ کثیر ہوں منقطع ہو جاتا ہو پانی ان کے پینے سے، تو کہا گیا ہے کہ نہیں روکے گا اس سے

؛ لِأَنَّ الْإِبِلَ لَا تَرِدُهُ فِي كُلِّ وَقْتٍ وَصَارَ كَالْمُيَاوَمَةِ وَهُوَ سَبِيلٌ فِي قِسْمَةِ الشُّرْبِ .وَقِيلَ

کیونکہ اونٹ نہیں آتے ہیں اس کو ہر وقت پس ہو گیا دن کی باری مقرر کرنے کی طرح، اور یہی طریقہ ہے شرب کی تقسیم کا، اور کہا گیا ہے

لَهُ أَنْ يَمْنَعَ اعْتِبَارًا : بِسَقْيِ الْمَزَارِعِ وَالْمَشَاجِرِ وَالْجَامِعُ تَفْوِيتُ حَقِّهِ،

کہ اس کو حق ہے کہ منع کردے؛ قیاس کرتے ہوئے کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرنے پر، اور جامع اس کے حق کی تفویت ہے،

وَلَهُمْ أَنْ يَأْخُذُواالْمَاءَ مِنْهُ لِلْوُضُوءِ وَغَسْلِ الثِّيَابِ فِي الصَّحِيحِ ؛ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ فِيهِ كَمَا قِيلَ

اور لوگوں کو حق ہے کہ لے لے پانی وضو اور کپڑے دھونے کے لیے صحیح قول کے مطابق؛ کیونکہ حکم دینا وضو اور غسل کا اس میں جیسا کہ کہا گیا ہے

يُؤَدِّي إِلَى الْحَرَجِ وَهُوَ مَدْفُوعٌ ،{۱۲}وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَسْقِيَ شَجَرًا أَوْ خَضِرًا فِي دَارِهِ حَمْلًا بِجِرَارِهِ

مفضی ہو گا حرج کو، اور حرج کو دور کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی ارادہ کرے کہ سیراب کرے درخت کو یا سبزہ کو اپنے گھر میں اپنے گھڑے سے اٹھا کر

لَهُ ذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ ؛ لِأَنَّ النَّاسَ يَتَوَسَّعُونَ فِيهِ وَيَعُدُّونَ الْمَنْعَ مِنَ الدَّنَاءَةِ ، {۱۳}وَلَيْسَ

تو اس کو یہ اختیار ہے اصح قول کے مطابق؛ کیونکہ لوگ وسعت سے کام لیتے ہیں اس میں، اور شمار کرتے ہیں منع کرنا کمینہ پن، اور اختیار نہیں

لَهُ أَنْ يَسْقِيَ أَرْضَهُ وَنَخْلَهُ وَشَجَرَهُ مِنْ نَهْرِ هَذَا الرَّجُلِ وَبِئْرِهِ وَقَنَاتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ نَصًّا،

اس کو کہ سینچے اپنی زمین، اپنے کھجور کے درخت اور دیگر درختوں کو اس شخص کی نہر، کنویں اور کاریز سے مگر اس کی صریح اجازت سے

وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَهُ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْمَاءَ مَتَى دَخَلَ فِي الْمَقَاسِمِ انْقَطَعَتْ شِرْكَةُ الشُّرْبِ بِوَاحِدَةٍ ؛ لِأَنَّ

اور اس کو اختیار ہے کہ اس کو منع کردے؛ کیونکہ پانی جب داخل ہو جائے بٹوارے میں تو منقطع ہوگئی شرکتِ شرب ہر ایک کی؛ کیونکہ

فِي إبْقَائِهِ قَطْعَ شِرْبِ صَاحِبِهِ ، وَلِأَنَّ الْمَسِيلَ حَقُّ صَاحِبِ النَّهْرِ ، وَالضِّفَّةِ تَعَلَّقَ بِهَا حَقُّهُ

باقی رکھنے میں انقطاع ہے صاحبِ پانی کا شرب، اور اس لیے کہ مسیل صاحبِ نہر کا حق ہے اور نہر کے کنارے کے ساتھ متعلق ہے اس کا حق

فَلَا يُمْكِنُهُ التَّسْيِيلُ فِيهِ وَلَا شَقُّ الضِّفَّةِ ، فَإِنْ أَذِنَ لَهُ صَاحِبُهُ فِي ذَلِكَ أَوْ أَعَارَهُ

پس ممکن نہیں ہے اس کے لیے تسییل مسیل میں، اور نہ کنارے کو پھاڑنا، اور اگر اجازت دی اس کو مالک نے اس کی یا اس کو عاریۃً دیدی

فَلَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ حَقُّهُ فَتَجْرِي فِيهِ الْإِبَاحَةُ كَالْمَاءِ الْمُحَرَّزِ فِي إنَائِهِ.

تو کوئی حرج نہیں اس میں؛ کیونکہ یہ اس کا حق ہے پس جاری ہوگی اس میں اباحت جیسے وہ پانی جو محفوظ کیا گیا ہو اپنے برتن میں۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی کی نہر ہو یا کنواں اور یا کاریز ہو تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ شفہ کو منع کردے، اور شفہ کا معنی ہونٹ ہے مگر یہاں اس سے مراد انسان یا جانور کا پانی پینا ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ پانی کی چار قسمیں ہیں (1) ایک ان میں سے بڑے دریاؤں کا پانی ہے، اس قسم میں سے ہر کسی کو خود پینے، جانوروں کو پلانے اور زمین کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر کسی نے ارادہ کیا کہ اس میں سے اپنی زمین کی طرف نہر کھود کر لے جائے تو اس کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا، اور دریا کے پانی سے نفع حاصل کرنا ایسا ہے جیسا کہ سورج، چاند اور ہوا سے نفع حاصل کرنا کہ ہر کسی کو اس کا حق حاصل ہے لہٰذا جس طرح بھی وہ اس سے نفع حاصل کرنا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

{۲}(2) دوسری قسم بڑی وادیوں کا پانی ہے جیسے جیحون (خوارزم میں ایک نہر کا نام ہے)، سیحون (ترک میں ایک نہر کا نام ہے)، دجلہ (بغداد کی نہر) اور فرات (کوفہ کی نہر)، اس قسم سے پانی پینے کا حق علی الاطلاق لوگوں کو حاصل ہے، اور زمینوں کو سیراب کرنے کا بھی حق ہے بایں طور کہ کوئی ارضِ موات کو آباد کردے اور اس کو سیراب کرنے کے لیے ان وادیوں سے نہر کھود کر لے جائے، لیکن ایسی وادیوں سے زمین کو سیراب کرنے کے لیے نہر کھودنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ عام لوگوں کے لیے مضر نہ ہو اور نہ یہ وادی کسی کی ملکیت میں ہو؛ وجہِ جواز یہ ہے کہ اس طرح کی وادیاں مباح الاصل ہیں اور مباح الاصل سے ہر کسی کو انتفاع کا حق حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے انتفاع سے غیر کو ضرر نہ پہنچتا ہو، اور مباح الاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان وادیوں پر پانی کا غلبہ غیر کے غلبہ کے لیے مانع ہوتا ہے لہٰذا یہ کسی کی ملک میں نہیں ہے اس لیے ہر کسی کے لیے مباح ہیں۔

{۳}اور اگر ان وادیوں سے اپنی زمین کی طرف نہر کھودنا مضر ہو تو اس کو نہر کھودنے کا حق نہ ہو گا؛ کیونکہ عام لوگوں سے ضرر کو دور کرنا واجب ہے۔ اور یہ لوگوں کے لیے مضر اس لیے ہو گا کہ ممکن ہے کہ نہر کھودنے سے جب دریا کا کنارہ ٹوٹے گا تو پانی کا زور اسی جانب ہو جائے اور اس سے بستیاں اور زمینیں ڈوب جائیں اس لیے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی دریا کے کنارے پر پن چکی لگانا چاہے تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اگر عام لوگوں کے لیے مضر نہ ہو تو جائز ہے ورنہ اسے روک دیا جائے گا؛ دلیل وہی ہے کہ اس سے بستیوں اور زمینوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے؛ کیونکہ پن چکی کے لیے نہر کھودنا ایسا ہے جیسا کہ زمین کو سیراب کرنے کے لیے نہر کھودنا تو جو حکم زمین کو سیراب کرنے کے لیے نہر کھودنے کا ہے وہی پن چکی کے لیے نہر کھودنے کا ہے۔

{۴}(3) پانی کی تیسری قسم یہ ہے کہ پانی تقسیم کے تحت داخل ہو جائے اور باری مقرر ہو جائے تو اس میں لوگوں کو پینے کا حق حاصل ہو گا؛ اس بارے میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی، گھاس اور آگ میں"[1] اور یہ حدیث شِرب (کھیتی کو سیراب کرنے کا پانی) اور شُرب (پینے کا پانی) دونوں کو شامل ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں جائز ہوں، مگر شِرب کو بالاجماع اس حکم سے مخصوص کر دیا کہ عام لوگوں کو اس کا حق حاصل نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں مالک کا نقصان ہے، اور ثانی یعنی شُرب حدیث کے تحت باقی رہا اس لیے اس حدیث کی رُو سے شُرب کا حق عام لوگوں کو حاصل رہے گا۔

{۵}دوسری دلیل یہ ہے کہ کنواں وغیرہ (حوض) پانی کو محفوظ کرنے کے لیے موضوع نہیں ہے یعنی اس میں پانی بھر کر اپنی ملکیت میں نہیں کیا جاتا ہے اور مباح چیز اپنی ملکیت میں محفوظ کیے بغیر مملوک نہیں ہوتی ہے پس یہ ایسا ہے جیسے کسی کی زمین میں ہرن اپنا گھر بنا لے تو وہ اس کی مِلک میں نہیں آئے گا جب تک کہ اس کو پکڑ کر محفوظ نہیں کرے گا، اسی طرح کنویں وغیرہ کا پانی بھی ہے اس لیے ہر کسی کو اس سے پینے کا حق ہو گا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ ایسے پانی سے پینے کی اجازت کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر وقت ہر جگہ پینے کا پانی ساتھ رکھے حالانکہ انسان اپنے لیے اور اپنی سواری کے لیے ایسے پانی کی طرف محتاج ہے پس اگر اس کو ایسا پانی پینے سے روک دیا جائے تو یہ حرج عظیم کی طرف مفضی ہو گا حالانکہ حرج شرعاً مدفوع ہے۔

---

(1) أخرجه أبو داود في سننه في البيوع عن حريز بن عثمان عن أبي خداش ابن حبان بن زيد عن رجل من الصحابة، قال: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثا، أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلاث: في الكلإ، والماء، والنار". (نصب الراية: 4ص612)

{٦}اگر کسی شخص نے ارادہ کیا کہ ایسے پانی سے اپنی ایسی زمین کو سیراب کردے جس کو اس نے آباد کیا ہے تو اہل نہر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو روک دے، خواہ اس سے اہل نہر کو ضرر پہنچے یا نہ پہنچے؛ کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو انہیں کے لیے مخصوص ہے، اور ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم اس کو اجازت دیں، بلکہ اگر ہم اس کو اجازت دیں تو اہل نہر کی شُرب کی منفعت منقطع ہو جائے گی پس اہل نہر کو ضرر سے بچانے کے لیے اس کو زمین سیراب کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

{٧}(4) چوتھی قسم برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی ہے تو اس قسم کا پانی محفوظ کرنے کی وجہ سے محفوظ کرنے والے کی ملک ہو جائے گا اور دوسروں کا ہر طرح کا حق اس سے منقطع ہو جائے گا جیسا کہ کوئی شکار کو پکڑے تو یہ اسی کا ہوگا جس نے اس کو پکڑ لیا ہے دوسروں کا حق اس سے منقطع ہو جاتا ہے، البتہ دلیل کو دیکھتے ہوئے اس میں دوسروں کی شرکت کا شبہ پایا جاتا ہے اور دلیل وہ حدیث ہے جس میں پانی، گھاس اور آگ کو مشترک قرار دیا تھا پس اگر کسی ایسی جگہ میں اس طرح پانی کو کسی نے چوری کر دیا جہاں پانی کی قلت ہو اور یہ پانی نصاب سرقہ (دس درہم) کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؛ کیونکہ حد شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور یہاں شرکت کا شبہ پایا جاتا ہے اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

{٨}اگر کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر کسی کی ملک میں ہو تو اس کو یہ حق ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے پانی پینا چاہے اس کو اپنی ملک میں داخل ہونے سے روک دے بشرطیکہ وہ اس پانی کے علاوہ اس کے قرب وجوار میں ایسا پانی پا سکتا ہو جو کسی کی ملک میں نہ ہو، اور اگر اس طرح کا پانی اس کو نہیں مل رہا ہو تو نہر کے مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو نہر کا پانی اٹھا کر اس کو دیدو، اور یا اس کو اجازت دیدو کہ وہ خود آکر پانی لے لے بشرطیکہ وہ نہر کا کنارہ نہ توڑے، یہ تفصیل امام طحاویؒ سے مروی ہے، اور مشائخ نے کہا ہے کہ امام طحاویؒ کا قول اس صورت میں صحیح ہے کہ اس نے نہر اور چشمہ وغیرہ اپنی مملوک زمین میں کھودا ہو، اور اگر اس نے موات زمین میں کھودا ہو تو کھودنے والے کو حق نہیں کہ دوسرے کو اس میں سے پینے سے روک دے؛ کیونکہ موات حق مشترک تھا اور اس میں کنواں کھودنا گویا حق مشترک کا احیاء ہے لہذا کنواں کھودنے کی وجہ سے پانی پینے میں شرکت منقطع نہ ہوگی۔

فتوی:۔ مولانا عبدالحکیم شاد لیکوٹیؒ نے امام طحاویؒ کی تفصیل کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: واعلم ان هذا التفصيل جزم ابن النجيم في البحر الرائق وبه أخذ في الفتاوى العالم گيرية (هامش الهداية:4ص483)

{٩}اور اگر نہر کے مالک نہ پانی لا کر دیتا ہے اور نہ اس کو وہاں جانے دیتا ہے اور اس کو خطرہ ہو کہ میں یا میری سواری پیاس سے ہلاک ہو جائے گی تو وہ نہر والے سے ہتھیار سے لڑ سکتا ہے؛ کیونکہ نہر کے مالک نے اس کا حق روک کر اس کو ہلاک

کرنے کا قصد کیا ہے اور اس کا حق اس پانی کو پینا ہے اور یہ پانی جب تک کنویں میں ہے اس کی مِلک نہیں ہے بلکہ مباح ہے اس لیے بوقتِ ضرورت اس کو زبردستی لینے کا حق ہو گا۔

﴿۱۰﴾ اور برتن میں جمع کردہ پانی کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ اس میں ضرورت مند شخص اپنی مجبوری کی وجہ سے مالک کے ساتھ لڑ تو سکتا ہے مگر ہتھیار لے کر نہیں لڑ سکتا ہے؛ کیونکہ ایسا پانی مالک کی مِلک ہے اور قاعدہ ہے کہ مجبور شخص سے اپنی مِلک روکنے کی صورت میں مجبور اس کے ساتھ ہتھیار کے بغیر لڑ سکتا ہے۔ اسی طرح شدتِ بھوک کی حالت میں مجبور شخص سے کھانا روکنے کی صورت میں مجبور شخص اس کے ساتھ ہتھیار کے بغیر لڑ سکتا ہے اور زبردستی اس سے کھانا لے سکتا ہے۔

کنویں وغیرہ کا پانی روکنے کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ہتھیار سے نہ لڑے بلکہ لکڑی سے لڑے؛ کیونکہ پانی روکنے والا ایک گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے تو اس کے ساتھ لکڑی سے لڑنا اس کے حق میں تعزیر کا قائم مقام ہے اور تعزیر لکڑی سے دی جاتی ہے نہ کہ ہتھیار سے۔

﴿۱۱﴾ اگر پانی پینا ایسا ہو کہ اس سے تمام پانی ختم ہو جاتا ہو مثلاً ایک چھوٹی سی نالی ہو اور اس سے پانی پینے والے اونٹ اور دیگر جانور زیادہ ہوں جن کے پینے سے پانی ختم ہو جاتا ہو، تو اس بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ ضرورت مند کو اس سے نہیں روکا جائے گا؛ کیونکہ اونٹ ہر دن آ کر اس پانی کو ختم نہیں کرتے ہیں تو گویا باری مقرر ہو گئی اور شرب میں اس قسم کی تقسیم ہو سکتی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ[1]﴾ (صالح علیہ السلام نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے پانی پینے کے لیے ایک دن اس کی باری ہے اور ایک مقررہ دن میں پینے کی تمہاری باری ہے)۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ ضرورت مند کو روک دے انہوں نے قیاس کیا ہے کھیتی اور باغ کو سیراب کرنے پر؛ علتِ جامعہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صاحبِ پانی کے حق کو فوت کرنا لازم آتا ہے، اور یہی قول راجح ہے لما قال الشیخ عبد الحکیم الشهید: قال اکثر المشائخ له ان یمنع لانه یلحقه الضرر بذالک کسقی الارض قاله فی البحر الرائق وفی الشامی وبهذا جزم فی الملتقی ومجمع الانهر (هامش الهداية: 4ص484)

اور صحیح قول کے مطابق لوگوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ پانی لے لیں اور اس سے وضو کر لیں اور کپڑے دھو لیں، مگر یہ حق ان کو حاصل نہیں ہے کہ اسی چھوٹی نالی میں وضو اور غسل کر لیں؛ کیونکہ اس طرح کرنے سے دوسروں کو اس میں پینے سے گھن آئے گی

[1] الشعراء: 155.

جس میں دوسروں کے لیے حرج ہے اور حرج کو شریعت نے دور کر دیا ہے اس لیے اٹھانے کی اجازت ہے مگر یہاں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

{۱۲} اگر کسی نے ارادہ کیا کہ اپنے گھڑوں کو اس پانی سے بھر کرکے اپنے گھر کے درختوں اور سبزہ کو سیراب کردے تو اصح قول کے مطابق اس کو اس کا اختیار ہوگا اور اسے نہیں روکا جائے گا؛ کیونکہ لوگ اس میں وسعت سے کام لیتے ہیں اور منع کرنے کو کمینہ پن شمار کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے روکنے کی اجازت کی تصحیح کی ہے گویا یہ دونوں تصحیح شدہ قول ہیں کما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ فِي الْأَصَحِّ) كَذَا فِي الْهِدَايَةِ وَالتَّبْيِينِ وَالْمُلْتَقَى وَغَيْرِهَا (قَوْلُهُ وَقِيلَ لَا إلَّا بِإِذْنِهِ) قَالَ فِي الْخَانِيَّةِ وَالْوَجِيزِ وَهُوَ الْأَصَحُّ فَهُمَا قَوْلَانِ مُصَحَّحَانِ (ردّ المحتار:5ص312)

{۱۳} کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنی زمین، کھجور اور دیگر درختوں کو کسی کی نہر، کنویں یا کاریز سے سیراب کردے مگر یہ کہ وہ صریح اجازت دے، اور مالک کو اختیار ہے کہ اس کو اس سے منع کردے؛ کیونکہ پانی جب بٹوارہ میں داخل ہو گیا، تو زمین وغیرہ کی سیرابی کی شرکت بالکلیہ ختم ہوگئی؛ کیونکہ اس کو باقی اور جائز رکھنے سے صاحبِ نہر کا حقِ شرب ختم ہو جائے گا اس لیے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پانی بہنے کی جگہ صاحبِ نہر کا حق ہے لہٰذا نہر کے کنارے کے ساتھ بھی صاحبِ نہر کا حق متعلق ہوگا اس لیے کسی دوسرے شخص کے لیے ممکن نہیں ہے کہ نہر میں پانی چلائے اور نہ اس کے لیے نہر کا کنارہ توڑنا ممکن ہے؛ کیونکہ یہ صاحبِ نہر کے حق میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے، البتہ اگر صاحبِ نہر نے اجازت دیدی اور اپنی نہر اس کو مستعار دیدی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ یہ اس کا حق ہے جس میں اس کو تصرف کا اختیار حاصل ہے اس لیے وہ غیر کے لیے اس کو مباح کر سکتا ہے جیسا کہ وہ پانی غیر کے لیے مباح کیا جا سکتا ہے جو پانی مالک نے اپنے برتن میں محفوظ کیا ہو۔

فَصْلٌ فِي كَرْيِ الْأَنْهَارِ

یہ فصل نہروں کے کھودنے کے بیان میں ہے۔

مسائلِ شرب کے بعد نہر کھودنے کی فصل کو قائم فرمایا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ شرب میں کبھی نہر کھودنے کی ضرورت پیش آتی ہے جس پر خرچہ آتا ہے اس لیے مسائلِ شرب کے بعد نہر کھودنے کے احکام کو ذکر فرمایا ہے۔

{۱} قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: الْأَنْهَارُ ثَلَاثَةٌ: نَهْرٌ غَيْرُ مَمْلُوكٍ لِأَحَدٍ وَلَمْ يَدْخُلْ مَاؤُهُ فِي الْمَقَاسِمِ بَعْدُ كَالْفُرَاتِ

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نہریں تین طرح ہیں، وہ نہر جو مملوک نہ ہو کسی ایک کی اور داخل نہ ہوا ہو اس کا پانی بٹوارہ میں اب تک جیسے فرات

وَنَحْوِهِ ، وَنَهْرٌ مَمْلُوكٌ دَخَلَ مَاؤُهُ فِي الْقِسْمَةِ إِلَّا أَنَّهُ عَامٌّ .وَنَهْرٌ مَمْلُوكٌ دَخَلَ مَاؤُهُ
وغیرہ، دوسری وہ نہر جو مملوک ہو داخل ہو گیا ہو اس کا پانی بٹوارے میں البتہ یہ عام ہو، تیسری وہ نہر جو مملوک ہو داخل ہوا ہو اس کا پانی

فِي الْقِسْمَةِ وَهُوَ خَاصٌّ .وَالْفَاصِلُ بَيْنَهُمَا اسْتِحْقَاقُ الشُّفْعَةِ بِهِ وَعَدَمُهُ . ﴿۲﴾فَالْأَوَّلُ كَرْيُهُ
بٹوارے میں اور وہ خاص ہو، اور حد فاصل ان دونوں کے درمیان شفعہ کا استحقاق ہے اس کی وجہ سے اور عدم استحقاق ہے۔ پس اول کی کھدائی

عَلَى السُّلْطَانِ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّ مَنْفَعَةَ الْكَرْيِ لَهُمْ فَتَكُونُ مُؤْنَتُهُ عَلَيْهِمْ ، وَيُصْرَفُ
بادشاہ کے ذمے ہے مسلمانوں کے بیت المال سے؛ کیونکہ کھودنے کی منفعت ان کے لیے ہے پس ہوگا اس کا خرچہ ان پر، اور صرف کیا جائے گا

إِلَيْهِ مِنْ مُؤْنَةِ الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ دُونَ الْعُشُورِ وَالصَّدَقَاتِ ؛لِأَنَّ الثَّانِيَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْأَوَّلَ لِلنَّوَائِبِ ،فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَيْتِ الْمَالِ شَيْءٌ
اس پر خراج اور جزیہ کی مد سے نہ کہ عشر اور صدقات سے؛ کیونکہ ثانی فقراء کے لیے ہے اور اول حوادثات کے لیے، اور اگر نہ ہو بیت المال کچھ

فَالْإِمَامُ يُجْبِرُ النَّاسَ عَلَى كَرْيِهِ إِحْيَاءً لِمَصْلَحَةِ الْعَامَّةِ إِذْ هُمْ لَا يُقِيمُونَهَا بِأَنْفُسِهِمْ ،
توامام جبر کرے گا لوگوں پر اس کو کھودنے کے لیے زندہ کرتے ہوئے عوام کی مصلحت؛ کیونکہ وہ اس کو قائم نہیں کرتے ہیں بذاتِ خود،

وَفِي مِثْلِهِ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : : لَوْ تُرِكْتُمْ لَبِعْتُمْ أَوْلَادَكُمْ ، إِلَّا أَنَّهُ يُخْرِجُ لَهُ
اور اس جیسے امر کے متعلق حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تمہیں چھوڑ دیا جائے تو تم فروخت کر دو گے اپنی اولاد، البتہ بادشاہ اس کے لیے اس کو نکالے گا

مَنْ كَانَ يُطِيقُهُ وَيَجْعَلُ مُؤْنَتَهُ عَلَى الْمَيَاسِيرِ الَّذِينَ لَا يُطِيقُونَهُ بِأَنْفُسِهِمْ . ﴿۳﴾وَأَمَّا الثَّانِي فَكَرْيُهُ
جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور مقرر کرے گا اس کا خرچہ ان مالداروں پر جو بذات اس کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ رہی دوسری قسم تو اس کی کھدائی

عَلَى أَهْلِهِ لَا عَلَى بَيْتِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ وَالْمَنْفَعَةَ تَعُودُ إِلَيْهِمْ عَلَى الْخُصُوصِ وَالْخُلُوصِ ، وَمَنْ أَبَى
اس کے اہل پر ہے نہ کہ بیت المال پر؛ کیونکہ حق ان کا ہے اور منفعت لوٹتی ہے ان کی طرف خاص طور پر اور خالص، اور جو انکار کرے

مِنْهُمْ يُجْبَرُ عَلَى كَرْيِهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ الْعَامِّ وَهُوَ ضَرَرُ بَقِيَّةِ الشُّرَكَاءِ وَضَرَرُ الْآبِي خَاصٌّ
ان میں سے کوئی تو مجبور کیا جائے گا اسے کھودنے پر؛ دفع کرتے ہوئے ضررِ عام کو، اور وہ ضرر ہے بقیہ شرکاء کا، اور منکر کا ضرر خاص ہے

وَيُقَابِلُهُ عِوَضٌ فَلَا يُعَارَضُ بِهِ ؛﴿۴﴾وَلَوْ أَرَادُوا أَنْ يُحَصِّنُوهُ خِيفَةَ الِانْبِثَاقِ
اور اس کے مقابل عوض ہے، پس ضررِ خاص سے ضررِ عام کا معارضہ نہیں ہوگا، اور اگر انہوں نے ارادہ کیا کہ مضبوط کرے اس کو پھٹ جانے کے خوف سے

وَفِيهِ ضَرَرٌ عَامٌّ كَغَرَقِ الْأَرَاضِي وَفَسَادِ الطُّرُقِ يُجْبَرُ الْآبِي ، وَإِلَّا فَلَا لِأَنَّهُ مَوْهُومٌ
اور اس میں ضررِ عام ہو جیسے زمینوں کا غرق ہونا اور راستے کا خراب ہونا تو مجبور کیا جائے گا منکر کو، ورنہ نہیں؛ کیونکہ یہ امر موہوم ہے،

بِخِلَافِ الْكَرْيِ ؛ لِأَنَّهُ مَعْلُومٌ .﴿5﴾وَأَمَّا الثَّالِثُ وَهُوَ الْخَاصُّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَكَرْيُهُ عَلَى أَهْلِهِ لِمَا

برخلاف کھدائی کے؛ کیونکہ وہ امر معلوم ہے۔ بہر حال تیسری قسم اور وہ خاص ہے ہر طرح سے تو اس کی کھدائی اس کے اہل پر ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے

بَيَّنَّا ثُمَّ قِيلَ يُجْبَرُ الْآبِي كَمَا فِي الثَّانِي .وَقِيلَ لَا يُجْبَرُ ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ

جو ہم بیان کر چکے، پھر کہا گیا ہے کہ مجبور کیا جائے گا منکر کو جیسا کہ ثانی میں ہے، اور کہا گیا ہے کہ مجبور نہیں کیا جائے؛ کیونکہ ہر ایک

مِنَ الضَّرَرَيْنِ خَاصٌّ .وَيُمْكِنُ دَفْعُهُ عَنْهُمْ بِالرُّجُوعِ عَلَى الْآبِي بِمَا أَنْفَقُوا

دونوں ضرروں میں سے خاص ہے، اور ممکن ہے اس کا دفع ان سے منکر پر رجوع کرنے سے اس مقدار کے بارے میں جو انہوں نے خرچ کی ہے

فِيهِ إِذَا كَانَ بِأَمْرِ الْقَاضِي فَاسْتَوَتِ الْجِهَتَانِ ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ ،﴿6﴾وَلَا يُجْبَرُ

اس میں بشرطیکہ وہ امر قاضی سے ہو، پس برابر ہو گئیں دونوں جہتیں، برخلاف اس صورت کے جو گذر گئی۔ اور جبر نہیں کیا جائے گا

لِحَقِّ الشَّفَةِ كَمَا إِذَا امْتَنَعُوا جَمِيعًا﴿7﴾وَمُؤْنَةُ كَرْيِ النَّهْرِ الْمُشْتَرَكِ عَلَيْهِمْ مِنْ أَعْلَاهُ ، فَإِذَا

پینے کے حق کے لیے جیسا کہ اگر وہ لوگ رُک جائیں۔ اور خرچہ نہر مشترک کی کھدائی کا حصے داروں پر ہے نہر کے اوپر کی طرف سے، پس جب

جَاوَزَ أَرْضَ رَجُلٍ رُفِعَ عَنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .﴿8﴾وَقَالَا : هِيَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا

گذر جائے کسی شخص کی زمین سے تو خرچہ اٹھالیا جائے گا اس سے، اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ان سب پر ہے

مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ بِحِصَصِ الشِّرْبِ وَالْأَرَضِينَ ؛ لِأَنَّ لِصَاحِبِ الْأَعْلَى حَقًّا فِي الْأَسْفَلِ لِاحْتِيَاجِهِ

شروع سے آخر تک زمینوں اور شرب کے حصوں کے حساب سے؛ کیونکہ اوپر والے کو حق ہے نیچے میں؛ بوجہ اس کی حاجت کے

إِلَى تَسْيِيلِ مَا فَضَلَ مِنَ الْمَاءِ فِيهِ .﴿9﴾وَلَهُ أَنَّ الْمَقْصَدَ مِنَ الْكَرْيِ الِانْتِفَاعُ بِالسَّقْيِ ، وَقَدْ حَصَلَ

زائد پانی بہانے کو اس میں۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کھدائی سے مقصود فائدہ حاصل کرنا ہے سیرابی کا اور وہ حاصل ہو گیا

لِصَاحِبِ الْأَعْلَى فَلَايَلْزَمُهُ إِنْفَاعُ غَيْرِهِ،وَلَيْسَ عَلَى صَاحِبِ السَّيْلِ عِمَارَتُهُ كَمَاإِذَاكَانَ لَهُ مَسِيلٌ عَلَى سَطْحِ غَيْرِهِ،

اوپر والے کو، پس لازم نہ ہوگا اس کے ذمے نفع پہنچانا غیر کو، اور نہیں ہے مسیل والے پر مسیل کی تعمیر جیسے اگر ہو مسیل دوسرے کی چھت پر

كَيْفَ وَأَنَّهُ يُمْكِنُهُ دَفْعَ الْمَاءِ عَنْ أَرْضِهِ بِسَدِّهِ مِنْ أَعْلَاهُ ،﴿10﴾ثُمَّ إِنَّمَا يُرْفَعُ عَنْهُ

کیونکر اس کے ذمہ ہوگی حالانکہ اس کے لیے ممکن ہے پانی روکنا اپنی زمین سے اوپر سے پانی روکنے کے ذریعہ۔ پھر خرچہ اس وقت اٹھایا جائے گا

إِذَا جَاوَزَ أَرْضَهُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ ، وَقِيلَ إِذَا جَاوَزَ فُوَّهَةَ نَهْرِهِ،

جب کھدائی گذر جائے اس کی زمین سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور کہا گیا ہے کہ جب کھدائی گذر جائے اس کی نہر کے دہانے سے،

وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ مُحَمَّدٍ. وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ ؛ لِأَنَّ لَهُ رَأْيًا فِي اتِّخَاذِ الْفُوَّهَةِ مِنْ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ ،{۱۱}فَإِذَا جَاوَزَ

اور یہی مروی ہے امام محمدؒ سے، اور اول اصح ہے؛ کیونکہ اس کو حق ہے دہانہ کھولنے کا نہر کے اوپر اور اس کے نیچے۔ پھر جب گذر جائے

الْكَرْيُ أَرْضَهُ حَتَّى سَقَطَتْ عَنْهُ مُؤْنَتُهُ قِيلَ لَهُ أَنْ يَفْتَحَ الْمَاءَ لِيَسْقِيَ أَرْضَهُ

کھدائی اس کی زمین سے یہاں تک کہ ساقط ہو گئی اس کی مؤنت، تو کہا جائے گا اس سے کہ کھول دو پانی تا کہ سیراب کرے اپنی زمین؛

لِانْتِهَاءِ الْكَرْيِ فِي حَقِّهِ ، وَقِيلَ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ مَا لَمْ يَفْرُغْ شُرَكَاؤُهُ نَفْيًا

بوجہ انتہاء کو پہنچنے کھدائی کے اس کے حق میں، اور کہا گیا ہے نہیں ہے اس کو یہ حق جب تک کہ فارغ نہ ہو جائیں اس کے شرکاء؛ نفی کرتے ہوئے

لِاخْتِصَاصِهِ ، وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ الشَّفَةِ مِنَ الْكَرْيِ شَيْءٌ ؛ لِأَنَّهُمْ لَا يُحْصَوْنَ وَلِأَنَّهُمْ أَتْبَاعٌ.

اس کے اختصاص کی، اور نہیں ہے پینے والوں پر کھدائی میں سے کچھ؛ کیونکہ وہ بے شمار ہیں، اور اس لیے کہ وہ تابع ہیں۔

تشریح:۔{۱}صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ نہریں تین قسم پر ہیں، ایک وہ نہر ہے جو کسی کی مملوک نہ ہو، اور اس کا پانی اب تک بٹواروں میں داخل نہ ہوا ہو یہ من کل وجہ عام ہے جیسے فرات اور جیجون وغیرہ۔ دوسری وہ نہر ہے جو کسی کی ملک میں ہو اور اس کا پانی قسمت کے تحت داخل ہو گیا ہو، یہ من وجہ عام اور من وجہ خاص ہے۔ تیسری وہ نہر ہے جو مملوک ہو اور اس کا پانی بٹوارہ میں داخل ہو گیا ہو، اور وہ من کل وجہ خاص ہو، اور خاص و عام میں حدِ فاصل یہ ہے کہ جس نہر کے مالک کو نہر کی وجہ سے شفعہ کا استحقاق حاصل ہو تو وہ خاص ہے اور اگر نہر کی وجہ سے شفعہ کا استحقاق حاصل نہ ہو تو وہ عام ہے۔

{۲}پس اول قسم کی نہروں کی کھدائی امام المسلمین پر ہے وہ بیت المال سے اس کی کھدائی کرائے گا؛ کیونکہ ایسی نہر کی کھدائی کی منفعت عام مسلمانوں کو پہنچتی ہے اس لیے اس کا خرچہ بھی عام مسلمانوں کے مال (بیت المال) سے ادا کیا جائے گا، اور اس کھدائی میں خراج اور جزیہ کا مال خرچ کیا جائے گا، عشر اور صدقات کا مال اس میں خرچ نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ عشر اور صدقات فقراء کا حق ہے اس لیے اس کو عام مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ نہیں کیا جائے گا، اور خراج اور جزیہ حوادث اور ضروریات کے لیے ہے اس لیے اسے عام مسلمانوں کی ضرورت میں خرچ کیا جائے گا۔

اور اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو امام لوگوں کو اس کے کھودنے پر مجبور کرے گا تا کہ عام لوگوں کی مصلحت اور منفعت کا احیاء ہو؛ کیونکہ خود عام لوگ اس عظیم کام کو انجام نہیں دے سکتے ہیں اسی جیسے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "اگر تم اپنے حال

پر چھوڑدیے جائیں تو تم اپنی اولادوں کو فروخت کرڈالوگے [1]"، البتہ جو لوگ نہر کھودنے کی طاقت رکھتے ہیں امام ان کو نہر کھودنے پر لگائے، اور اس پر جو خرچہ آئے گا وہ ان لوگوں پر مقرر کردے جو لوگ سرمایہ دار ہوں اور بذاتِ خود کھدائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

ف:۔ خراج اصطلاح میں وہ زرعی ٹیکس ہے جو بنیادی طور پر اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا پر عشر کی جگہ لگایا جاتا ہے، یہ غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں، بلکہ ان کے ساتھ مذہبی جبر سے گریز واجتناب مقصود ہے، اگر ان پر عشر عائد کیا جاتا تو یہ ان کو ایک اسلامی عبادت پر مجبور کرنا ہوگا اور یہ مذہبی جبر ودباؤ کے مرادف ہوگا (قاموس الفقہ:3ص333)۔ جزیہ اس ٹیکس کا نام ہے، جو اسلامی مملکت میں بسنے والی غیر مسلم آبادی (ذمی) سے فی کس لیا جاتا ہے، اس ٹیکس کی وجہ سے ان کے لیے وہ تمام شہری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جو ملک کے دوسرے شہریوں کے لیے مہیا ہوتی ہیں، اور خود ان کی حفاظت وصیانت بھی کی جاتی ہے (قاموس الفقہ:3ص100)۔

{۳} اور دوسری قسم کی نہروں کی کھدائی نہر والوں پر ہوگی بیت المال پر نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ انہیں کا حق ہے اور اس کی منفعت انہیں کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ یہ لوگ اس کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ ان کا خالص حق ہے، اور اگر ان میں سے کسی نے اس سے انکار کیا تو اس کو کھودنے پر مجبور کیا جائے گا؛ تاکہ عام ضرر دور ہو اور عام ضرر سے مراد بقیہ شرکاء کا ضرر ہے، اور مجبور کرنے میں بے شک کھدائی سے انکار کرنے والے کا ضرر ہے مگر یہ ضرر خاص ہے اور اس کے مقابلے میں اس کو عوض ملے گا کہ اس کو اپنی کھیتی سیراب کرنے کا پانی ملے گا اس لیے ضررِ خاص ضررِ عام کا معارض اور مقابل نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا ضررِ عام غالب ہے اس لیے اسے دور کیا جائے گا اگرچہ اس سے ضررِ خاص لازم آئے۔

{۴} اگر نہر کے مالکوں نے ارادہ کیا کہ نہر کو مضبوط کردیں اس خوف سے کہ کہیں اس کا کنارہ ٹوٹ نہ جائے، اور ٹوٹنے میں عام لوگوں کا ضرر ہو مثلاً ان کی زمینیں غرق ہوجاتی ہوں یا ان کے راستے خراب ہوجاتے ہوں، تو اگر شرکاء میں سے کسی نے نہر کو مضبوط کرنے سے انکار کیا تو انکار کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا، اور اگر ٹوٹنے میں عام ضرر نہ ہو تو پھر انکار کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ نہر ٹوٹنا ایک موہوم امر ہے پس جب اس میں عام ضرر نہیں ہے تو منکر کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف نہر کھودنے پر مجبور کیا جائے گا؛ کیونکہ نہر کھودنے کی منفعت اور ضرورت موہوم نہیں ہے بلکہ معلوم ہے اس لیے اس پر انکار کرنے والے کو بہر حال مجبور کیا جائے گا۔

([1]) قُلْتُ: غَرِيبٌ. (نصب الراية:4ص613)

{۵} اور تیسری قسم کی نہر چونکہ ہر طرح سے خاص ہے لہٰذا اس کی کھدائی اہل نہر پر ہوگی؛ دلیل وہی ہے جو ہم بیان کرچکے کہ حق انہیں کا ہے اور اس کی منفعت انہیں کی طرف لوٹتی ہے۔ پھر بعض حضرات نے کہا ہے کہ کھدائی سے انکار کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا جیسا کہ دوسری قسم میں منکر کو مجبور کیا جاتا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اس قسم میں منکر کو مجبور نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہاں منکر اور شرکاء میں سے ہر ایک کا ضرر خاص ہے لہٰذا سابقہ دلیل یہاں جاری نہ ہوگی، نیز ضرر کا دفعیہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دیگر شرکاء نہر کو کھود لیں اور اس پر وہ جو خرچہ کرلیں اس میں سے منکر کے حصے میں جتنی مقدار آئے وہ اس سے وصول کرلیں بشرطیکہ جو خرچہ انہوں نے کیا ہو وہ قاضی کے حکم سے کیا ہو تو دونوں جانب برابر ہوگئیں ایک خاص دوسری عام نہ رہی کہ ضرر عام کو دور کرنے کے لیے خاص کو برداشت کیا جائے، برخلاف سابقہ صورت کے کہ شرکاء کا ضرر عام ہے اور منکر کا ضرر خاص ہے اور عام ضرر کو دفع کرنے کے لیے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا۔

فتویٰ:۔ راجح یہ ہے کہ کھدائی سے انکار کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا لما في ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَقِيلَ فِي الْخَاصِّ لَا يُجْبَرُ) قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ فِي الْعَامِّ: لَوْ امْتَنَعَ عَنْهُ كُلُّهُمْ أَوْ بَعْضُهُمْ يُجْبَرُونَ عَلَيْهِ وَفِي الْخَاصِّ لَوْ امْتَنَعَ الْكُلُّ لَا يُجْبَرُونَ إلَّا عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَلَوْ امْتَنَعَ الْبَعْضُ أُجْبِرَ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا فِي الْخِزَانَةِ اهـ (ردّ المحتار:5ص314)

{۶} سوال یہ کہ یہاں دو ضرر جمع ہیں ایک خاص دوسرا عام ہے اور عام ضرر پانی پینے والوں کا حق ہے یعنی اس نہر خاص سے عام لوگوں کو پانی پینے یا پلانے کا حق ہے، پس اگر خاص مالکوں میں سے کسی نے انکار کیا تو خاص شرکاء کی وجہ سے مجبور نہ کیا جائے، مگر عام پینے والوں کے حق کی وجہ سے تو مجبور کیا جانا چاہیے؟ تو جواب یہ ہے کہ ظاہر المذہب میں پانی پینے والوں کے حق کی وجہ سے جبر نہیں کیا جاتا ہے جیسے اگر سب شرکاء نے نہر کی کھدائی سے انکار کیا تو پانی پینے والوں کے حق کی وجہ سے سب کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

{۷} مشترک نہر کی کھدائی کا خرچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نہر والوں پر بالائی حصہ سے ہوگا پس جب کھدائی کسی شخص کی زمین سے آگے بڑھ جائے تو بقیہ کھدائی کا خرچہ اس سے اٹھا لیا جائے گا مثلاً ایک نہر دس آدمیوں میں مشترک ہے اور سب کے حصے برابر ہیں تو اوپر سے کھدائی کا خرچہ سب پر ہوگا ہر ایک پر دسواں حصہ آئے گا پھر جب اول شخص کی زمین سے کھدائی گذر جائے تو اس کے بعد کا خرچہ بقیہ نو پر ہوگا پھر جب ان نو میں اول کے حصہ سے گذر جائے گی تو بقیہ کھدائی کا خرچہ بقیہ آٹھ پر ہوگا۔

{۸}اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ خرچہ سب پر اول سے آخر تک شرب اور زمینوں کے حصوں کے بقدر چلے گا؛ کیونکہ اسفل کے محتاج جس طرح اسفل والے ہیں اوپر والا بھی ہے اس لیے کہ اوپر والے سے جو پانی بچے گا تو وہ اس کو نیچے ہی بہائے گا اس لیے وہ جس طرح کہ اوپر والے حصے کا محتاج ہے اسی طرح وہ نچلے حصے کا بھی محتاج ہے اس لیے اس پر دونوں کا خرچہ آئے گا۔

{۹}امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نہر کی کھدائی سے مقصد سیرابی کا نفع حاصل کرنا ہے اور اوپر کی کھدائی سے یہ نفع اوپر والے کو مل گیا اس لیے اس پر نچلے حصے کی کھدائی سے غیر کو نفع پہنچانا لازم نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ نچلے حصے کی اس کو ضرورت ہے؛ کیونکہ اس میں بچا ہوا پانی بہائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی پر پانی کی گذرگاہ کی تعمیر واجب نہیں ہوتی ہے مثلاً کسی کی چھت پر دوسرے کی مسیل (پانی کی گذرگاہ) ہے تو مسیل کی تعمیر مسیل والے پر نہیں ہے بلکہ چھت کے مالک پر ہے، اور اوپر والے پر نیچے پانی بہانے کی گذرگاہ کی تعمیر کیونکر لازم ہوگی حالانکہ اس کے لیے تو ممکن ہے کہ اپنی زمین سے پانی کو روک دے بایں طور کہ اوپر سے نہر کو بند کر دے، لہذا جب اس کو نچلے حصے کی ضرورت نہیں ہے تو اس پر اس کا خرچہ بھی لازم نہ ہوگا۔

فتوی:۔امام صاحبؒ کا قول راجح ہے لما فی ردّ المحتار: (قَوْلُهُ وَقَالَا إلَخْ) الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ كَمَا فِي الْكِفَايَةِ وَغَيْرِهَا عَنِ الْخَانِيَّةِ وَالْقُهُسْتَانِيُّ عَنْ التَّتِمَّةِ (ردّ المحتار:۵/۳۱۴)

{۱۰}پھر اوپر والے سے کھدائی کا خرچہ اس وقت رفع ہوگا جس وقت کہ کھدائی اس کی زمین سے گذر جائے جیسا کہ اوپر ہم ذکر کر چکے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ جہاں پانی اس کی زمین کی طرف منتقل ہونے کی نالی کا دہانہ ہے وہاں تک کا خرچہ اس پر ہے اس سے آگے کا خرچہ اس پر نہیں ہے اگرچہ نالی کے دہانے کے بعد بھی اس کی زمین ہو، یہی قول امام محمدؒ سے مروی ہے۔ مگر قول اول اصح ہے یعنی پوری زمین سے کھدائی گذرنے تک کا خرچہ اس پر لازم ہوگا؛ کیونکہ اس کو حق ہے کہ اپنی زمین میں سے جہاں سے چاہے موری بنائے خواہ اوپر سے بنائے گا یا نیچے سے اس لیے خرچہ بھی اس پر اس کے حق کے مطابق ہوگا۔

{۱۱}پس جب کھدائی اس کی زمین سے گذر گئی یہاں تک کہ اس کا خرچہ اس سے ساقط ہو گیا، تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کو حق ہے کہ پانی کھول دے تاکہ اپنی زمین کو سیراب کر دے؛ کیونکہ اس کے حق میں کھدائی انتہاء کو پہنچ گئی، اور بعض نے کہا ہے کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے جب تک کہ اس کے شرکاء کھدائی سے فارغ نہ ہوں؛ تاکہ اس کا اختصاص منتفی ہو یعنی تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ اس نہر سے انتفاع کے ساتھ یہی شخص مختص ہے۔ اور پانی پینے والوں پر نہر کی کھدائی نہیں ہے؛ کیونکہ پینے والے لاتعداد ہیں یعنی

مجہول ہیں اور مجہول پر کھدائی لازم نہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ تابع ہیں اور حکم متبوع پر لگتا ہے نہ کہ تابع پر اس لیے ان پر کھدائی کا خرچہ نہیں ہے۔

فَصلٌ فِي الدَّعْوَى وَالِاخْتِلَافِ وَالتَّصَرُّفِ فِيهِ

یہ فصل شرب کے دعوے اور اس میں اختلاف اور اس میں تصرف کے بیان میں ہے۔

جب شرب کے مسائل کا اختتام قریب ہوا تو ایک ایسی فصل کو قائم فرمایا ہے جس میں شرب سے متعلق مختلف مسائل کو بیان فرمایا ہے مثلاً کسی نے شرب کا دعوی کیا، یا اس میں اختلاف کیا اور یا اس میں تصرف کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ پس اس فصل میں انہیں مسائل کا حکم بیان فرمایا ہے۔

{۱}قَالَ : وَتَصِحُّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِغَيْرِ أَرْضٍ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يُمْلَكُ بِدُونِ الْأَرْضِ إرْثًا ، وَقَدْ يَبِيعُ

اور صحیح ہے شرب کا دعوی زمین کے بغیر استحساناً؛ کیونکہ کبھی مملوک ہوتا ہے زمین کے بغیر میراث کے طور پر، اور کبھی فروخت کر دیتا ہے

الْأَرْضَ وَيَبْقَى الشِّرْبُ لَهُ وَهُوَ مَرْغُوبٌ فِيهِ فَيَصِحُّ فِيهِ الدَّعْوَى{۲} وَإِذَا كَانَ نَهْرٌ لِرَجُلٍ يَجْرِي

زمین کو اور باقی رہتا ہے شرب اس کے لیے، اور پانی مرغوب فیہ چیز ہے پس صحیح ہے اس میں دعوی۔ اور جب ہو نہر کسی شخص کی، بہہ رہی ہو

فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَأَرَادَ صَاحِبُ الْأَرْضِ أَنْ لَا يَجْرِيَ النَّهْرُ فِي أَرْضِهِ تُرِكَ عَلَى حَالِهِ ؛ لِأَنَّهُ

دوسرے کی زمین میں، پس ارادہ کیا زمین کے مالک نے کہ جاری نہ ہو نہر اس کی زمین میں، تو چھوڑ دی جائے گی اپنے حال پر؛ کیونکہ

مُسْتَعْمِلٌ لَهُ بِإِجْرَاءِ مَائِهِ .فَعِنْدَ الِاخْتِلَافِ يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ ،{۳}فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِهِ،

صاحبِ نہر استعمال کرنے والا ہے نہر کو پانی اس میں چلانے سے، تو اختلاف کے وقت قول اسی کا معتبر ہو گا، اور اگر نہر اس کے قبضہ میں نہ ہو

وَلَمْ يَكُنْ جَارِيًا فَعَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ أَنَّ هَذَا النَّهْرَ لَهُ ، أَوْ أَنَّهُ قَدْ كَانَ مَجْرَاهُ لَهُ فِي هَذَا النَّهْرِ يَسُوقُهُ إلَى أَرْضِهِ لِيَسْقِيَهَا

اور نہ وہ جاری ہو تو اس پر بینہ ہے کہ یہ نہر اس کی ہے، یا اس کو حق تھا پانی چلانے کا اس نہر میں چلائے گا اس کا اپنی زمین تک؛ تاکہ اس کو سیراب کرے

فَيُقْضَى لَهُ لِإِثْبَاتِهِ بِالْحُجَّةِ مِلْكًا لَهُ أَوْ حَقًّا مُسْتَحَقًّا فِيهِ،

تو فیصلہ کیا جائے گا اسی کے لیے؛ اس کے ثابت ہونے کی وجہ سے حجت سے بطورِ ملک اس کے لیے یا بطورِ واجب حق اس کے لیے۔

وَعَلَى هَذَا الْمَصَبُّ فِي نَهْرٍ أَوْ عَلَى سَطْحٍ أَوِ الْمِيزَابُ أَوِ الْمَمْشَى فِي دَارِ غَيْرِهِ،

اور اسی حکم پر اگر اپنا پانی کسی نہر میں گرنے یا کسی غیر کی چھت پر گرنے یا پرنالہ میں یا غیر کے احاطہ میں ہو کر آمد و رفت کرنے میں اختلاف کیا

فَحُكْمُ الِاخْتِلَافِ فِيهَا لَظِيرُهُ فِي الشُّرْبِ{۴} وَإِذَا كَانَ نَهْرٌ بَيْنَ قَوْمٍ وَاخْتَصَمُوا

اوران چیزوں میں اختلاف کے حکم کی نظیر شرب میں اختلاف ہے۔اور جب ہو کوئی نہر ایک قوم کے درمیان مشترک،اورانہوں نے جھگڑا کیا

فِي الشُّرْبِ كَانَ الشُّرْبُ بَيْنَهُمْ عَلَى قَدْرِ أَرَاضِيهِمْ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الِانْتِفَاعُ بِسَقْيِهَا فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ،

شرب میں ،توہو گاشرب ان کے درمیان ان کی زمینوں کے بقدر؛کیونکہ مقصود انتفاع ہے زمین کی سینچائی کاپس مقدر ہو گا بقدرِ انتفاع،

بِخِلَافِ الطَّرِيقِ؛لِأَنَّ الْمَقْصُودَ التَّطَرُّقُ وَهُوَفِي الدَّارِ الْوَاسِعَةِوَالضَّيِّقَةِعَلَى نَمَطٍ وَاحِدٍ{۵}فَإِنْ كَانَ الْأَعْلَى مِنْهُمْ لَايَشْرَبُ

برخلاف راستہ کے؛کیونکہ مقصود راستہ پانا ہے اور وہ فراخ اور تنگ گھر میں ایک طرز پر ہوتا ہے۔پھر اگر اوپر والاان میں سے سیراب نہ کر سکتا ہو

حَتَّى يَسْكُرَ النَّهْرَ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنْ إبْطَالِ حَقِّ الْبَاقِينَ ، وَلَكِنَّهُ يَشْرَبُ بِحِصَّتِهِ،

جب تک کہ بند نہ کر دے نہر کو،تو نہیں ہے اس کو یہ حق؛کیونکہ اس میں ابطال ہے باقیوں کے حق کو،لیکن وہ سیراب کرے گا اپنے حصے تک

فَإِنْ تَرَاضَوْا عَلَى أَنْ يَسْكُرَ الْأَعْلَى النَّهْرَ حَتَّى يَشْرَبَ بِحِصَّتِهِ أَوْ اصْطَلَحُوا عَلَى

اوراگر سب شرکاء راضی ہو گئے اس پر کہ بند کر دے اوپر والانہر کو یہاں تک کہ سیراب کر دے اپنے حصے کی مقدار،یا صلح کر دی اس پر

أَنْ يَسْكُرَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فِي نَوْبَتِهِ جَازَ ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ ، إلَّا أَنَّهُ إذَا تَمَكَّنَ مِنْ ذَلِكَ بِلَوْحٍ

کہ ہر ایک ان میں سے اپنی باری میں باندھ لیا کرے تو جائز ہے؛کیونکہ حق انہیں کا ہے،مگر یہ کہ اگر ممکن ہے یہ کسی لکڑی سے تو بند نہ کرے

لَا يَسْكُرُ بِمَا يَنْكَبِسُ بِهِ النَّهْرُ مِنْ غَيْرِ تَرَاضٍ لِكَوْنِهِ إضْرَارًا بِهِمْ .{۶}وَلَيْسَ لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَكْرِيَ مِنْهُ

ایسی چیز سے جس سے نہر پٹ جائے رضامندی کے بغیر؛کیونکہ یہ ضرر پہنچانا ان کو۔اور حق نہیں ان میں سے کسی ایک کو کہ کھودلے اس سے

نَهْرًا أَوْ يَنْصِبَ عَلَيْهِ رَحَى مَاءٍ إلَّا بِرِضَا أَصْحَابِهِ ؛ لِأَنَّ فِيهِ كَسْرَ ضَفَّةِ النَّهْرِ وَشَغْلَ مَوْضِعٍ مُشْتَرَكٍ

نہر یالگائے اس پر پانی کی پن چکی مگر شریکوں کی رضامندی سے؛کیونکہ اس میں توڑنا ہے نہر کا کنارہ اور مشغول کرنا ہے مشترک جگہ کو

بِالْبِنَاءِ ، إلَّا أَنْ يَكُونَ رَحَى لَا يَضُرُّ بِالنَّهْرِ وَلَا بِالْمَاءِ ، وَيَكُونُ مَوْضِعُهَا فِي أَرْضِ صَاحِبِهَا؛

عمارت کے ساتھ،مگر یہ کہ پن چکی ایسی ہو کہ نقصان دہ نہ ہو نہر کے لیے اور نہ پانی کے لیے،اور ہو اس کی جگہ اس کے مالک کی زمین میں

لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي مِلْكِ نَفْسِهِ وَلَا ضَرَرَ فِي حَقِّ غَيْرِهِ .وَمَعْنَى الضَّرَرِ بِالنَّهْرِ مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ كَسْرِ ضَفَّتِهِ،

کیونکہ یہ تصرف ہے اپنی ملک میں اور ضرر نہیں ہے غیر کے حق میں،اور معنی نہر کو ضرر پہنچانے کا وہ ہے جس کو ہم بیان کر چکے یعنی نہر کا کنارہ توڑنا

وَبِالْمَاءِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَنْ سُنَنِهِ الَّذِي كَانَ يَجْرِي عَلَيْهِ ، وَالدَّالِيَةُ وَالسَّانِيَةُ نَظِيرُ الرَّحَى .{۷}وَلَا يَتَّخِذُ

اور پانی کا ضرر یہ ہے کہ متغیر ہو جائے اس روش سے جس پر وہ جاری تھا،اور رہٹ اور چرس قائم کرنا پن چکی کی نظیر ہے۔اور نہ بنائے

عَلَيْهِ جِسْرًا أَوْ لَا قَنْطَرَةً بِمَنْزِلَةِ طَرِيقٍ خَاصٍّ بَيْنَ قَوْمٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لِوَاحِدٍ نَهْرٌ خَاصٌّ يَأْخُذُ مِنْ نَهْرٍ خَاصٍّ بَيْنَ قَوْمٍ

نہر پر چھوٹا پل یا بڑا پل جیسے خاص راستہ ہوتا ہے کسی قوم کا، برخلاف اس کے اگر ہو کسی ایک کے لیے خاص نہر جو نکالی ہو کسی قوم کے درمیان خاص نہر سے

فَأَرَادَ أَنْ يُقَنْطِرَ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْثِقَ مِنْهُ لَهُ ذَلِكَ ، أَوْ كَانَ مُقَنْطِرًا مُسْتَوْثِقًا فَأَرَادَ أَنْ يَنْقُضَ ذَلِكَ

پس ارادہ کیا کہ پل بنائے اس پر اور مضبوط کرلے اس سے تو اس کو یہ اختیار ہے، یا مضبوط پل تھا پس اس نے ارادہ کیا کہ توڑ دے اس کو

وَلَا يَزِيدَ ذَلِكَ فِي أَخْذِ الْمَاءِ حَيْثُ يَكُونُ لَهُ ذَلِكَ ، لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِي خَالِصِ مِلْكِهِ وَضْعًا وَرَفْعًا .وَلَا ضَرَرَ

اور یہ اضافہ نہیں کرتا ہے پانی لینے میں تو اس کو یہ اختیار ہے؛ کیونکہ یہ تصرف ہے اپنی خالص ملک میں باعتبار بنانے اور اکھاڑنے کے اور کوئی ضرر نہیں ہے

بِالشُّرَكَاءِ بِأَخْذِ زِيَادَةِ الْمَاءِ، وَيُمْنَعُ مِنْ أَنْ يُوَسِّعَ فَمَ النَّهْرِ؛ لِأَنَّهُ يَكْسِرُ ضِفَّةَ النَّهْرِ، وَيَزِيدُ عَلَى مِقْدَارِ حَقِّهِ فِي أَخْذِ الْمَاءِ،

شرکاء کا پانی زیادہ لینے کا۔ اور روک دیا جائے گا وسیع کرنے سے نہر کا منہ؛ کیونکہ وہ توڑتا ہے نہر کا کنارہ اور اضافہ کرتا ہے اس کے حق کی مقدار سے پانی لینے میں

وَكَذَا إِذَا كَانَتِ الْقِسْمَةُ بِالْكُوَى ، ﴿8﴾ وَكَذَا إِذَا أَرَادَ أَنْ يُؤَخِّرَهَا عَنْ فَمِ النَّهْرِ فَيَجْعَلَهَا

اور اسی طرح جب ہو تقسیم موری کے ذریعہ، اور اسی طرح جب وہ ارادہ کرے کہ مؤخر کردے موری کو نہر کے منہ سے، پس کردے اس کو

فِي أَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ مِنْهُ لِاحْتِبَاسِ الْمَاءِ فِيهِ فَيَزْدَادُ دُخُولُ الْمَاءِ فِيهِ .بِخِلَافِ مَا إِذَا أَرَادَ أَنْ يُسْفِلَ

چار ہاتھ نہر کے منہ سے پانی کے محبوس ہونے کی وجہ سے پس بڑھ جائے گا پانی کا دخول۔ برخلاف اس کے جب ارادہ کرے کہ نیچے کرے

كُوَاهُ أَوْ يَرْفَعَهَا حَيْثُ يَكُونُ لَهُ ذَلِكَ فِي الصَّحِيحِ ، لِأَنَّ قِسْمَةَ الْمَاءِ فِي الْأَصْلِ بِاعْتِبَارِ سَعَةِ الْكُوَّةِ وَضِيقِهَا

اپنی موری یا اوپر کرے اس کو کہ اس کو حق ہے اس کا صحیح قول کے مطابق؛ کیونکہ پانی کی تقسیم اصل میں موری کی کشادگی اور اس کی تنگی کے اعتبار سے ہوتی ہے

مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ التَّسَفُّلِ وَالتَّرَفُّعِ وَهُوَ الْعَادَةُ فَلَمْ يَكُنْ فِيهِ تَغْيِيرُ مَوْضِعِ الْقِسْمَةِ، وَلَوْ كَانَتِ الْقِسْمَةُ وَقَعَتْ بِالْكُوَى

بغیر نیچے اور اوپر کے اعتبار کے یہی عادت ہے، پس نہیں ہے اس میں تبدیلی موضع تقسیم کی۔ اور اگر تقسیم واقع ہوئی ہو موری کے ذریعہ،

فَأَرَادَ أَحَدُهُمْ أَنْ يُقَسِّمَ بِالْأَيَّامِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْقَدِيمَ يُتْرَكُ عَلَى قِدَمِهِ

پس ارادہ کیا ان میں سے ایک نے کہ تقسیم کرے ایام سے تو نہیں ہے اس کو یہ اختیار؛ کیونکہ چھوڑا جاتا ہے اس کی قدامت پر؛

لِظُهُورِ الْحَقِّ فِيهِ . ﴿9﴾ وَلَوْ كَانَ لِكُلٍّ مِنْهُمْ كُوًى مُسَمَّاةٌ فِي نَهْرٍ خَاصٍّ لَيْسَ لِوَاحِدٍ أَنْ يَزِيدَ

بوجہ ظاہر ہونے حق کے اس میں۔ اور اگر ہر ایک کے لیے ان میں سے متعین موری ہو نہر خاص میں، تو حق نہیں کسی ایک کو کہ بڑھائے

كُوَّةً وَإِنْ كَانَ لَا يَضُرُّ بِأَهْلِهِ، لِأَنَّ الشَّرِكَةَ خَاصَّةٌ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتِ الْكُوَى فِي النَّهْرِ الْأَعْظَمِ ، لِأَنَّ لِكُلٍّ

موری اگرچہ مضر نہ ہو اس کے اہل کے لیے؛ کیونکہ شرکت خاص ہے، برخلاف اس کے جب ہو موری بڑی نہر میں؛ کیونکہ ہر ایک کو حق ہے

مِنْهُمْ أَنْ يَشُقَّ نَهْرًا مِنْهُ ابْتِدَاءً فَكَانَ لَهُ أَنْ يَزِيدَ فِي الْكُوَى بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى

ان میں سے کہ کھود لے اس سے نہر ابتداء تو اس کو حق ہو گا کہ بڑھائے موری بطریق اولیٰ۔

تشریح:۔{۱}اگر کسی کی زمین نہ ہو پھر بھی اس نے شرب کا دعوی کیا تو قیاس کا تقاضایہ ہے کہ اس کا دعوی صحیح نہ ہو، مگر استحساناً صحیح ہے؛کیونکہ کبھی بطورِ میراث شرب زمین کے بغیر مل جاتا ہے، اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی زمین فروخت کر دیتا ہے اور شرب اس کے لیے باقی رہتا ہے یوں وہ زمین کے بغیر شرب کا مالک ہوتا ہے، اور شرب بذاتِ خود مرغوب فیہ چیز ہے پس اگر کوئی اس پر ناجائز طور پر قابض ہوا تو وہ اس کا ظلم اپنے اوپر سے دفع کرتے ہوئے بیّنہ سے اپنا یہ حق ثابت کر سکتا ہے لہذا اس کا دعوی صحیح ہے۔

{۲}اگر کسی شخص کی نہر دوسرے کی زمین میں جاری ہو اور زمین کا مالک چاہتا ہے کہ نہر اس کی زمین میں نہ چلے یعنی اس کے پانی چلانے کے حق کا انکار کیا تو بیّنہ کے بغیر نہر کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے گا یعنی صاحبِ نہر کے کہنے کے مطابق نہر کو جاری رکھا جائے گا صاحبِ زمین کو روکنے کا حق نہ ہوگا؛کیونکہ نہر کا مالک اپنے پانی کو اس میں چلانے کے ذریعہ سے اس نہر کو استعمال کرنے والا ہے اور صاحبِ زمین اس کو استعمال نہیں کر رہا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مختلف فیہ چیز کو اگر کوئی ایک استعمال کر رہا ہو تو اختلاف کے وقت اسی کا قول معتبر ہوتا ہے اس لیے یہاں صاحبِ نہر کا قول معتبر ہوگا۔

{۳}اور اگر نہر صاحبِ نہر کے قبضہ میں نہ ہو اور نہ اس میں پانی جاری ہو تو صاحبِ نہر پر لازم ہو گا کہ وہ بیّنہ سے ثابت کر دے کہ یہ نہر میری ہے یا مجھ کو اس نہر میں پانی جاری کرنے کا حق تھا جس کو میں اپنی زمین کی طرف زمین کو سیراب کرنے کے لیے لے جاتا تھا تو نہر کا فیصلہ اس کے لیے کیا جائے گا؛کیونکہ اس نے حجت (بیّنہ) سے ثابت کر دیا کہ یہ نہر اس کی مِلک ہے یا اس میں اس کا ایسا حق ہے جو ثابت ہے۔اسی طرح اگر کسی نے دعوی کیا کہ مجھے فلاں نہر میں فاضل پانی بہانے کا حق حاصل ہے یا فلاں کی چھت پر مجھے پانی بہانے کا حق حاصل ہے، یا میرے پرنالے کا فلاں کی چھت پر بہنے کا مجھے حق ہے یا مجھے فلاں کی زمین میں آنے جانے کا حق ہے یعنی اس کی زمین میں میرا راستہ ہے تو ان تمام صورتوں میں اختلاف کا وہی حکم ہے جو شرب میں مذکور ہوا یعنی اگر فی الحال یہ چیزیں موجود ہوں تو بلابیّنہ اسی کا قول قبول ہو گا اور اگر فی الحال یہ چیزیں موجود نہ ہوں تو بیّنہ سے ثابت کرنے کی صورت میں اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

{۴}اگر کوئی نہر کسی قوم کے درمیان مشترک ہو انہوں نے شرب کی مقدار میں جھگڑا کیا یعنی ایک نے زیادہ مقدار کا دعوی کیا اور دوسرا اس سے کم اس کو دے رہا ہے تو شرب ان کی زمینوں کے تناسب سے ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا؛کیونکہ مقصود زمین

کو سیراب کرنے کے ساتھ فائدہ اٹھانا ہے لہذا شرب بقدرِ انتفاع مقدر ہو گا؛ کیونکہ شئی اتنی ہی ہوتی ہے جتنا اس سے مقصود ہو، بر خلاف راستہ کے یعنی اگر راستہ کی مقدار میں جھگڑا کیا تو وہاں راستہ گھروں کے تناسب سے نہ ہو گا بلکہ سب کے لیے ایک ہی اندازہ سے ہو گا؛ کیونکہ راستہ سے مقصود راستہ پانا ہے اور راستہ تنگ اور فراخ دونوں طرح کے گھروں کے لیے ایک طرز پر ہوتا ہے اس لیے گھروں کے تناسب پر نہیں دیا جائے گا۔

{۵} اگر شرکاء میں سے اوپر والے کی زمین اس طرح ہو کہ اس کو سیراب نہ کیا جا سکتا ہو مگر یہ کہ نہر میں بند لگائے تو اس کو نہر میں بند لگانے کا حق نہ ہو گا؛ کیونکہ نہر میں بند لگانے سے دیگر شرکاء کے حق کا ابطال لازم آتا ہے جس کا اس کو حق نہیں ہے، ہاں وہ اپنے حصے کے بقدر سیراب کر دے، البتہ اگر سب شرکاء راضی ہو جائیں کہ اوپر والا نہر میں بند لگائے یہاں تک کہ وہ اپنے حصے کے بقدر سیراب کرے یا سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ہر ایک ان میں سے اپنی باری میں نہر میں بند لگائے تو یہ جائز ہے؛ کیونکہ مانع انہیں کا حق ہے جو ان کی رضامندی سے زائل ہو جاتا ہے اس لیے ان کو اختیار ہو گا، البتہ اگر تختہ یا لکڑی وغیرہ سے بند لگانا ممکن ہو تو ایسی چیز سے بند نہ لگائے جس سے نہر پٹ جائے مثلاً مٹی وغیرہ سے بند نہ لگائے؛ کیونکہ دیگر شرکاء کے لیے اس کے نکالنے میں ضرر ہو گا حالانکہ اسلام میں ضرر اور ضرار نہیں ہے۔

{۶} اور شرکاء میں سے کسی ایک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مشترک نہر میں سے دوسری نہر کھود لے یا مشترک نہر پر پن چکی لگائے مگر یہ کہ اس کے ساتھی اس پر راضی ہوں تو پھر جائز ہے؛ کیونکہ نہر کھودنے میں مشترک نہر کے کنارے کو توڑنا پڑتا ہے، اور پن چکی (آٹا پیسنے والی مشین جو پانی سے چلتی تھی) کی صورت میں مشترک جگہ کو اپنی عمارت سے گھیر لیا جاتا ہے اور یہ دونوں کام ممنوع ہیں، البتہ اگر پن چکی ایسی ہو کہ نہر کے لیے مضر نہ ہو اور نہ پانی کے لیے مضر ہو اور اس کے لگانے کی جگہ اس کے مالک کی زمین میں ہو تو پھر جائز ہے؛ کیونکہ یہ اپنی ملک میں تصرف ہے اور اس کے غیر کے حق میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

اور یہ جو کہا کہ نہر اور پانی کے لیے مضر نہ ہو، تو نہر کے ضرر کا معنی یہ ہے کہ اس کا کنارہ توڑ دیا جائے، اور پانی کے نقصان سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی اس روش سے متغیر ہو جائے جس پر وہ جاری تھا۔ اور پن چکی لگانے کا جو حکم ہے وہی حکم رہٹ (وہ چرخ جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالتے ہیں) اور چرس (چمڑے کا بڑا ڈول) لگانے کا بھی ہے کہ اگر مضر ہو تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ سب شرکاء اس کی اجازت دیں، اور اگر مضر نہ ہو اور مالک کی اپنی جگہ پر ہو تو جائز ہے۔

{۷} اور کسی ایک کو مشترک نہر پر لکڑی وغیرہ کا پل یا پختہ پل بنانے کا اختیار نہیں ہو گا جیسا وہ راستہ جو چند لوگوں میں مشترک ہو تو اس میں کسی ایک کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا ہے، اسی طرح کسی ایک کو مشترک نہر پر پل بنانے کا بھی اختیار نہ ہو گا۔ اس

کے برخلاف اگر کسی ایک شخص کی خاص نہر ہو جو اس نے کچھ خاص لوگوں کی نہر سے نکالی ہو اب وہ چاہتا ہے کہ اپنی اس نہر پر پل بنائے اور اس کو مضبوط کرلے تو اس کو اس کا اختیار ہوگا، یا پہلے سے اس کی نہر پر ایک مضبوط پل ہو اب وہ اس کو ہٹانا چاہتا ہے اور یہ پانی لینے میں اضافہ نہیں کرتا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے؛ کیونکہ یہ اپنی خالص ملک میں پل بنانے یا ہٹانے کا تصرف کررہا ہے اور شرکاء کے لیے اس میں کوئی ضرر نہیں ہے بایں طور کہ وہ اس عمل کے ذریعہ زیادہ پانی لے رہا ہے لہٰذا اس کے لیے اس کی گنجائش ہے۔

البتہ اس ایک کو اپنی نہر کا منہ کشادہ کرنے سے روکا جائے گا؛ کیونکہ اس سے وہ مشترک نہر کا کنارہ توڑے گا اور پانی لینے میں اپنے حق کی مقدار پر اضافہ کرے گا جس کی وجہ سے وہ دوسروں کا حق غصب کررہا ہے اس لیے اس کو اس کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر نہر کے پانی کی تقسیم ان کے درمیان موریوں کے ذریعہ سے ہو تو کسی ایک کو یہ اختیار نہیں کہ موری کو کشادہ کردے۔

{۸} اگر کسی شخص نے چاہا کہ اپنی موری (سوراخ دار تختہ) کو نہر کے کنارے سے ہٹا کر چار ہاتھ پیچھے کردے تو اس کو اس کا اختیار نہ ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں چھوڑی ہوئی جگہ میں پانی رُک کر تیزی سے دھار آنے سے پانی اس کے حصے میں زیادہ داخل ہوگا یوں وہ اپنے حق سے زیادہ پانی حاصل کرتا ہے اس لیے اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر اس نے چاہا کہ اس کی موری جہاں لگی ہے اس سے نیچے یا اوپر کی جانب لے جا کر لگائے تو صحیح قول کے مطابق اس کو یہ اختیار حاصل ہوگا؛ کیونکہ عادت یہی ہے کہ پانی کی تقسیم در حقیقت سوراخ کی تنگی یا وسعت کے اعتبار سے ہوتی ہے باقی موری اوپر کی جانب لگانے یا نیچے کی جانب لگانے کے اعتبار سے نہیں ہوتی ہے تو ایسا کرنے میں موضع تقسیم کی تبدیلی یا کسی شریک کا نقصان نہیں ہو رہا ہے۔

اور اگر تقسیم موریوں کے ذریعہ سے واقع ہو پس ان میں سے ایک نے ارادہ کیا کہ ایام کے ذریعہ سے تقسیم ہو تو اس کو اس کا حق نہیں ہوگا؛ کیونکہ پرانی چیز کو اس کی قدامت پر چھوڑ دیا جاتا ہے اس میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے اس لیے کہ اسی میں حق ظاہر ہو چکا ہے۔

{۹} اگر نہر خاص کے شرکاء میں سے ہر ایک کے لیے چند معین موریاں ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنی زمین میں پانی لانے کے لیے ایک اور موری کا اضافہ کردے اگرچہ وہ نہر والوں کے لیے مضر نہ ہو؛ کیونکہ یہ شرکت خاصہ ہے اور مشترک چیز میں شرکاء کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر موریاں دجلہ اور فرات کی طرح بڑی نہر میں ہوں تو اس میں موری کا اضافہ جائز ہے؛ کیونکہ ایسی نہر میں سے تو ابتداءً نہر کھود کر لانے کی بھی اجازت ہے تو موری بڑھانے کی تو بطریقِ اولیٰ اجازت ہوگی۔

{۱} وَلَيْسَ لِأَحَدِ الشُّرَكَاءِ فِي النَّهْرِ أَنْ يَسُوقَ شِرْبَهُ إِلَى أَرْضٍ لَهُ أُخْرَى لَيْسَ لَهَا فِي ذَلِكَ شِرْبٌ

اور نہیں ہے کسی ایک کے لیے نہر کے شرکاء میں سے کہ لے چلے اپنی باری کا پانی اپنی دوسری ایسی زمین میں جس کے لیے نہیں ہے اس نہر میں پانی کا حصہ

؛ لِأَنَّهُ إِذَا تَقَادَمَ الْعَهْدُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى أَنَّهُ حَقُّهُ ، وَكَذَا إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسُوقَ شِرْبَهُ فِي أَرْضِهِ الْأُولَى

کیونکہ جب زمانہ قدیم ہو جائے تو وہ استدلال کرے گا اس سے کہ یہ اس کا حق ہے، اور اسی طرح جب ارادہ کرے کہ لے چلے اپنا شرب اپنی پہلی زمین میں

حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى هَذِهِ الْأَرْضِ الْأُخْرَى ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَوْفِي زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ ، إِذِ الْأَرْضُ الْأُولَى تَنْشَفُ بَعْضَ الْمَاءِ قَبْلَ أَنْ تُسْقَى

یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اس دوسری زمین تک؛ کیونکہ وہ لے لیتا ہے زائد اپنے حق سے، کیونکہ اول زمین جذب کرے گی کچھ پانی پہلے اس سے کہ سیراب کرے

الْأَرْضُ الْأُخْرَى {۲} وَهُوَ نَظِيرُ طَرِيقٍ مُشْتَرَكٍ أَرَادَ أَحَدُهُمْ أَنْ يَفْتَحَ فِيهِ بَابًا إِلَى دَارٍ أُخْرَى سَاكِنُهَا غَيْرُ

دوسری زمین اور یہ نظیر ہے مشترک راستے کی جب ارادہ کرے ان میں سے ایک کہ کھول دے اس میں دروازہ دوسرے مکان کی طرف جس کا مکین غیر ہو

سَاكِنِ هَذِهِ الدَّارِ الَّتِي يَفْتَحُهَا فِي هَذَا الطَّرِيقِ {۳} وَلَوْ أَرَادَ الْأَعْلَى مِنَ الشَّرِيكَيْنِ فِي النَّهْرِ الْخَاصِّ وَفِيهِ كُوًى

اس مکان کے مکین سے جس کا دروازہ اس راستے میں ہے۔ اور اگر ارادہ کیا اوپر والے نے نہر خاص میں دو شریکوں میں سے اور اس میں موریاں ہوں

بَيْنَهُمَا أَنْ يَسُدَّ بَعْضَهَا دَفْعًا لِفَيْضِ الْمَاءِ عَنْ أَرْضِهِ كَيْ لَا تَنِزَّ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ

ان دونوں میں مشترک کہ بند کر دے ان میں سے بعض دفع کرتے ہوئے پانی کے جریان کو اپنی زمین سے تاکہ وہ نمناک نہ ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں

لِمَا فِيهِ مِنَ الضَّرَرِ بِالْآخَرِ ، وَكَذَا إِذَا أَرَادَ أَنْ يُقَسِّمَ الشِّرْبَ مُنَاصَفَةً بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّ

؛ کیونکہ اس میں ضرر ہے دوسرے کا، اور اسی طرح اگر اس نے ارادہ کیا کہ تقسیم کرے شرب کو نصف نصف دونوں کے درمیان؛ کیونکہ

الْقِسْمَةَ بِالْكُوَى تَقَدَّمَتْ إِلَّا أَنْ يَتَرَاضَيَا ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمَا ، وَبَعْدَ التَّرَاضِي لِصَاحِبِ الْأَسْفَلِ

موری کے ذریعہ تقسیم پہلے ہو چکی ہے، مگر یہ کہ دونوں راضی ہوں؛ کیونکہ حق دونوں کا ہے، اور باہمی رضامندی کے بعد نیچے والے کو حق ہے

أَنْ يَنْقُضَ ذَلِكَ . {۴} وَكَذَا لِوَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ ؛ لِأَنَّهُ إِعَارَةُ الشِّرْبِ ، فَإِنَّ مُبَادَلَةَ الشِّرْبِ بِالشِّرْبِ بَاطِلَةٌ

کہ توڑ دے اس کو، اور اسی طرح اس کے ورثہ کو اس کے بعد؛ کیونکہ یہ اعارہ ہے شرب کا، اس لیے تبادلہ شرب کا شرب کے ساتھ باطل ہے

وَالشِّرْبُ مِمَّا يُورَثُ وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ بِعَيْنِهِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْوَصِيَّةِ بِذَلِكَ

اور شرب ان چیزوں میں سے ہے جو میراث ہوتی ہے اور وصیت کی جاتی ہے اس کے عین سے انتفاع کی، برخلاف بیع، ہبہ، صدقہ اور ان کی وصیت کے

حَيْثُ لَا تَجُوزُ الْعُقُودُ إِمَّا لِلْجَهَالَةِ أَوْ لِلْغَرَرِ ، أَوْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ حَتَّى

یعنی ان عقود کی وصیت کہ جائز نہیں ہیں یہ عقود یا تو جہالت کی وجہ سے یا دھوکہ کی وجہ سے یا اس لیے کہ مال متقوم نہیں ہے حتی کہ

لَا يَضْمَنَ إِذَا سَقَى مِنْ شِرْبِ غَيْرِهِ ، وَإِذَا بَطَلَتِ الْعُقُودُ فَالْوَصِيَّةُ بِالْبَاطِلِ بَاطِلَةٌ ، {۵} وَكَذَا

ضامن نہیں ہوتا ہے اگر سینچائی کرے دوسرے کے شرب سے، اور جب باطل ہیں عقود تو باطل کی وصیت باطل ہے، اور اسی طرح

لَا يَصْلُحُ مُسَمًّى فِي النِّكَاحِ حَتَّى يَجِبَ مَهْرُ الْمِثْلِ ، وَلَا فِي الْخُلْعِ حَتَّى يَجِبَ رَدُّ مَا

شرب صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ مہر بنے نکاح میں حتی کہ واجب ہوتا ہے مہر مثل، اور نہ خلع میں بدل حتی کہ واجب ہے رد کرنا اس کا

قُبِضَتْ مِنَ الصَّدَاقِ لِتَفَاحُشِ الْجَهَالَةِ .وَلَا يَصْلُحُ بَدَلَ الصُّلْحِ عَنِ الدَّعْوَى ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْلَكُ

جس پر قبضہ کیا گیا ہے یعنی مہر؛ زیادہ جہالت کی وجہ سے، اور صلاحیت نہیں رکھتا ہے بدل صلح بننا دعوی سے؛ کیونکہ مملوک نہیں ہوسکتا ہے

بِشَيْءٍ مِنَ الْعُقُودِ .{٦}وَلَا يُبَاعُ الشِّرْبُ فِي دَيْنِ صَاحِبِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ بِدُونِ أَرْضٍ كَمَا

کسی بھی شی سے عقود میں سے۔اور فروخت نہیں کیا جاسکتا شرب اس کے مالک کے دین میں اس کی موت کے بعد زمین کے بغیر جیسا کہ

فِي حَالِ حَيَاتِهِ .{٧}وَكَيْفَ يَصْنَعُ الْإِمَامُ ؟ الْأَصَحُّ أَنْ يَضُمَّهُ إلَى أَرْضٍ لَا شِرْبَ لَهَا فَيَبِيعَهَا

اس کی زندگی میں ہے، اور کیسا کرے گا امام؟ تو اصح یہ ہے کہ ملادے ایسی زمین کے ساتھ جس کے لیے شرب نہیں ہے پھر فروخت کردے دونوں کو

بِإِذْنِ صَاحِبِهَا ، ثُمَّ يَنْظُرُ إلَى قِيمَةِ الْأَرْضِ مَعَ الشِّرْبِ وَبِدُونِهِ فَيَصْرِفُ التَّفَاوُتَ إلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ ،

زمین کے مالک کی اجازت سے پھر دیکھ لے زمین کی قیمت کو شرب کے ساتھ اور بغیر شرب کے، پس پھیر دے تفاوت دین کی ادائیگی کی طرف

وَإِنْ لَمْ يَجِدْ ذَلِكَ اشْتَرَى عَلَى تَرِكَةِ الْمَيِّتِ أَرْضًا بِغَيْرِ شِرْبٍ ، ثُمَّ ضَمَّ الشِّرْبَ إلَيْهَا وَبَاعَهُمَا

اور اگر نہیں پائی ایسی زمین تو خرید لے میت کے ترکہ سے زمین بغیر شرب کے، پھر ملادے شرب اس کے ساتھ اور فروخت کردے دونوں

فَيَصْرِفُ مِنَ الثَّمَنِ إلَى ثَمَنِ الْأَرْضِ وَيَصْرِفُ الْفَاضِلَ إلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ{٨}وَإِذَا سَقَى الرَّجُلُ أَرْضَهُ أَوْ مَخَرَهَا مَاءً

پھر پھیر دے ثمن کو زمین کے ثمن کی طرف اور پھیر دے زائد دین کی ادائیگی کی طرف، اور جب سیراب کرے کوئی اپنی زمین یا بھردے اس میں پانی

أَيْ مَلَأَهَا - فَسَالَ مِنْ مَائِهَا فِي أَرْضِ رَجُلٍ فَغَرَّقَهَا أَوْ نَزَّتْ أَرْضُ جَارِهِ مِنْ هَذَا الْمَاءِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ضَمَانُهَا

پس بہہ گیا اس کا پانی کسی شخص کی زمین میں، پس غرق کردیا اس کو یا نمناک ہوگئی اس کے پڑوس کی زمین اس پانی سے تو نہ ہوگا اس پر اس کا ضمان

؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِيهِ

؛ کیونکہ وہ تجاوز کرنے والا نہیں ہے اس میں، واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح:۔{۱} نہر کے شرب میں شریک لوگوں میں سے کسی ایک کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے حصہ شرب کو اپنی اس دوسری زمین کی طرف لے جائے جس کا شرب اس نہر میں نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں دیگر شرکاء کا نقصان ہے بایں طور کہ زیادہ زمانہ گذرنے کے بعد وہ اس سے اس بات پر استدلال کرے گا کہ اس دوسری زمین کا بھی اس شرب میں حصہ ہے۔اسی طرح اگر کوئی ایک ارادہ کرے کہ

اپنے شرب کو اپنی پہلی زمین میں لے جائے یہاں تک کہ اس سے اپنی دوسری زمین کو سیراب کردے تو یہ بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس طرح تو وہ اپنے حق سے زیادہ پانی حاصل کرے گا بایں طور پر کچھ پانی تو اول زمین جذب کردے گی پھر اس کا شرب دوسری زمین کو سیراب کرے گا یوں اول زمین نے جو مقدار جذب کرلی وہ اس نے اپنے حق سے زیادہ وصول کرلی اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

{۲} اور یہ صورت مشترک راستہ کی نظیر ہے مثلاً شرکاء میں سے ایک شریک کے دو مکان ہیں جن میں سے ایک کا دروازہ اسی راستے میں کھلتا ہے اور دوسرے کا دروازہ اس راستے میں نہیں کھلتا ہے اور اس میں مالک نے کسی اور شخص کو آباد کررکھا ہے، اب مالک یہ چاہتا ہے کہ اس مکان کا دروازہ بھی اسی راستے میں کھول دے تو اس کو یہ حق نہیں ہے؛ کیونکہ اس طرح مشترک راستے میں گذرنے والوں کی تعداد بڑھ جائے گی جس کا اس کو اختیار نہیں ہے، البتہ اگر اس مکان میں رہنے والا خود مالک ہو کوئی اور نہ ہو تو مالک کو حق ہوگا کہ اس کا دروازہ اس راستے میں کھول دے؛ کیونکہ اس سے راستے میں گذرنے والوں کی تعداد نہیں بڑھتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں بھی شرب میں زمینوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اس لیے مالک کو اس کا اختیار نہ ہوگا۔

{۳} اگر خاص نہر میں دو شریکوں کی موریاں ہوں اور ایک کی زمین اوپر اور دوسرے کی نیچے ہو اب اوپر والے نے ارادہ کیا کہ بعض موریوں کو بند کردے تاکہ پانی کا بہنا اس کی زمین کی طرف بند ہوجائے اور اس کی زمین نمناک نہ ہو تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا؛ کیونکہ اس میں دوسرے شریک کا ضرر ہے حالانکہ مشترک چیز میں ایک شریک کا ایسا تصرف جائز نہیں ہے کہ جس میں دوسرے کا ضرر ہو۔

اسی طرح اگر شریکوں میں سے ایک نے ارادہ کرلیا کہ شرب کو آدھا آدھا بانٹ لے مثلاً دو دن پوری نہر کا پانی ایک استعمال کرے اور دو دن دوسرا اس کو استعمال کرے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ پانی کی تقسیم پہلے سے موریوں کے ذریعہ ہو چکی ہے تو تنہا ایک کا یہ تصرف جائز نہیں، البتہ اگر دونوں موریوں کے ذریعہ تقسیم کو باطل کرنے پر راضی ہو جائیں تو پھر جائز ہے؛ کیونکہ حق انہیں کا ہے اور بندہ کو اپنے حق میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ اور اگر دونوں نصف نصف تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں تو نیچے والے شریک کو یہ حق ہے کہ وہ اس تقسیم کو توڑ دے، اور اگر وہ خود مرچکا تو اس کے ورثہ کو بھی یہ اختیار ہوگا کہ تقسیم بالمناصفہ کو توڑ دیں؛ کیونکہ یہ درحقیقت ہر ایک نے شرب میں سے اپنا کچھ حصہ دوسرے کو عاریۃً دیا ہے اور معیر جب چاہے اعارہ سے رجوع کرسکتا ہے، اور یہ اعارہ ہے مبادلہ نہیں ہے؛ کیونکہ شرب کا شرب سے مبادلہ باطل ہے اس لیے کہ یہ جنس بعوض جنس ادھار فروخت کرنا ہے اس لیے کہ کل کا پانی آج موجود نہیں اس لیے یہ سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

﴿۴﴾ اور ورثہ کو بھی اس تقسیم کے توڑنے کا اختیار اس لیے ہے کہ شرب کے اندر میراث جاری ہوتی ہے تو وہ اس کے مالک ہو جاتے ہیں اس لیے ان کو توڑنے کا اختیار ہوگا، اور اس کے عین سے انتفاع کی وصیت بھی جائز ہے کہ فلاں اس سے دو دن اپنی زمین سیراب کرے گا اور باقی دنوں میں میرے ورثہ اس سے نفع اٹھائیں گے، البتہ شرب کو فروخت کرنے کی وصیت باطل ہے؛ کیونکہ جب شرب کی بیع، ہبہ اور صدقہ کرنا جائز نہیں ہیں بلکہ باطل ہیں تو باطل کی وصیت بھی باطل ہے، اور شرب کی بیع جائز نہ ہونے کی وجہ یا تو جہالت ہے یاد ھوکہ ہے کہ معلوم نہیں کہ کتنا پانی آئے گا اور پانی آئے گا بھی یا نہیں آئے گا، اور یا یہ وجہ ہے کہ شرب مال متقوّم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے شرب سے اپنی زمین سیراب کرلی تو اس پر کچھ ضمان نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ شرب مال متقوّم نہیں ہے، پس جب یہ عقود باطل ہیں تو باطل کی وصیت بھی باطل ہے۔

﴿۵﴾ اگر شرب کو نکاح میں بطورِ مہر مقرر کیا گیا تو یہ درست نہیں ہے لہٰذا ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، اور شرب کو خلع میں بدلِ خلع مقرر کرنا بھی صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر شرب کو بدلِ خلع مقرر کیا گیا تو جو مہر عورت نکاح میں قبض کرچکی ہے اس کو واپس کرنا واجب ہوگا؛ وجہ یہ ہے کہ شرب میں جہالت بہت زیادہ ہے یہ معلوم نہیں کہ کتنا پانی آئے گا، اور مقدار مجہول ہونے کی صورت میں مسمّٰی (مقرر کردہ) باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی دعوی سے صلح کرنے کی صورت میں شرب کو بدلِ صلح مقرر کیا تو یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ شرب میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کسی عقد کی وجہ سے مملوک بن سکے اس لیے اسے صلح کا بدل بنانا درست نہیں ہے۔

﴿۶﴾ اگر کوئی شخص مر گیا اور میراث میں فقط شرب کو چھوڑ دیا اور اس کے ذمہ قرض ہو تو زمین کے بغیر فقط اس شرب کو اس کے دَین میں فروخت نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اس کی زندگی میں اس کے دَین میں اس کا شرب فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

﴿۷﴾ اب سوال یہ ہے کہ جب میت کے شرب کو اس کے دَین میں فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے تو امام اس کا دَین کس طرح ادا کرے؟ تو مصنف ؒ نے اس کی دو صورتیں ذکر کی ہیں (1) ایک یہ کہ اس کے برابر میں کوئی ایسی زمین تلاش کرے کہ جس کے لیے شرب نہ ہو اور امام اس شرب کو اس زمین سے ملادے اور زمین والے کی اجازت سے زمین کو شرب کے ساتھ ملا کر فروخت کردے اب دیکھا جائے کہ شرب کے بغیر زمین کی کیا قیمت تھی اور شرب کے ساتھ کیا قیمت ہے مثلاً شرب کے ساتھ زمین کی قیمت پانچ سو ہے اور اور شرب کے بغیر تین سو، تو تین سو روپے زمین والے کے ہوں گے اور دو سو روپے سے دَین کو ادا کردے۔

(2) دوسری صورت یہ کہ اگر امام نے بلاشرب زمین نہ پائی تو میت کے ترکہ سے کوئی ایسی زمین خرید لے جس کے لیے شرب نہ ہو اور اس شرب کو اس زمین کے ساتھ ملادے پھر ان دونوں کو فروخت کر دے تو زمین کا ثمن وہاں رکھے جہاں سے زمین خریدنے کے لیے رقم اٹھائی تھی اور باقی سے میت کا قرضہ ادا کرے۔

{8} اگر کسی نے اپنی زمین کو سیراب کیا یا اپنی زمین میں پانی کو بھر دیا، پھر وہ پانی بہہ گیا دوسرے شخص کی زمین میں اور اس کو غرق کر دیا، یا اس کے اس پانی سے پڑوس کی زمین نمناک ہو گئی تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ اس کی طرف سے کوئی تجاوز نہیں پایا گیا ہے اس لیے کہ اس کا مقصد اپنی زمین کو سیراب کرنا تھا نہ کہ دوسرے کی زمین کو خراب کرنا اس لیے اس پر ضمان نہ ہو گا، البتہ یہ شرط ہے کہ اس نے معتاد طریقہ پر اپنی زمین میں پانی بھرا ہو ورنہ تو ضامن ہو گا، واللہ تعالیٰ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
تکملہ تکمیل الامانی
شرح اردو
بقیہ مختصر المعانی
مؤلف
مولانا نصیب اللہ
(ابن الحاج عبد الصمد مالیزی نور اللہ مرقدہ)
مکتبۃ الارشاد کوئٹہ
0301-3725288,0313-8895104

بسم اللہ الرحمن الرحیم
التشریح الوافی
شرح اردو
مختصر القدوری
مؤلف
مولانا نصیب اللہ
(ابن الحاج عبد الصمد مالیری نور اللہ مرقدہ)
مکتبۃ الارشاد کوئٹہ
0301-3725288,0313-8895104